Short History of the World

FYODOR KOROVKIN



تاریخِ عالم

میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ

تاریخِ عالم

SHORT HISTORY OF THE WORLD

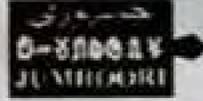
By: Fyodor Korovokin

مصنف: ڈاکٹر فیدور کرووکن

مترجم: میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ

جمہوری پبلیکیشنز

Independent & Progressive Books



نام کتاب۔تاریخِ عالم • مصنف۔ ڈاکٹر فیدور کرووکن

مترجم۔میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ

اشاعت۔فروری2010ء • ناشر۔جمہوری پبلیکیشنز لاہور

ISBN:969-8455-45-03

قیمت-/550روپے

اہتمام:
فرخ سہیل گوئندی

JUMHOORI PUBLICATIONS

2-Aiwan-e-Tijarat Road Lahore, Pakistan

Tel # 042-36314140 Fax # 042-36306939

E-mail:jumhoori@yahoo.com

انتساب!

میں یہ کتاب قائدعوام ذوالفقار علی بھٹو شہید، محترمہ بے نظیر بھٹو شہید جو راہ حق پر چلتے ہوئے جام نوش فرما گئے ۔ میر مرتضیٰ بھٹو شہید، شاہ نواز بھٹو شہید جو اپنے والد کے نقشے قدم پر چلتے ہوئے شہید ہوئے ۔ شریک چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی اور صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری جنہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لیے ساڑھے گیارہ سال قید کاٹی اور ان ہزاروں کارکنوں کے نام کرتا ہوں جو جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد میں شریک رہے۔

میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ

آہ! میاں جہانگیر

یہ کتاب پریس میں چھپنے کے لیے جارہی تو یہ افسوسناک خبر ملی
کہ میاں جہانگیر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے
لہٰذا کتاب کی اشاعت ایک ہفتہ معطل کردی گئی
اور اس طرح اس کتاب میں ان کے چند احباب کے کمنٹس شائع کیے جاسکے۔

فرخ سہیل گوئندی
14 فروری 2009ء

فہرست

پیش لفظ

تاریخ نویسی ہی وہ علم ہے جس کے نتیجے میں انسان زمانہ قدیم سے نکل کر یہاں تک پہنچا ہے، واقعات کا وہ تسلسل جو انسانی ارتقاء کے عمل کو آگے بڑھاتا ہے اور آئندہ کے لیے نئی راہیں متعین کرتا ہے جن کے ذریعے ان غلطیوں کا ازالہ ہو سکے جنہوں نے تاریخی عمل کے راستے مشکل بنائے ہوں، شعوری دنیا اور مادی کائنات ایک دوسرے سے مختلف حقیقتیں ہیں، جن کا ادراک تاریخ کے طالب علم کے لیے ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ تاریخی تبدیلیوں کے عمل کی بنیادی سائنس کو سمجھ سکے، قدرتی مظاہر سے نتائج اخذ کرنے کی یہ سائنس صدیوں سے انسانوں کے لیے باعث دلچسپی رہی ہے، ایسے ہی انسانی شعور تاریخی اور مادی ارتقاء کے ساتھ ترقی کرتا اور نکھرتا گیا ہے۔

16ویں اور سترھویں صدی میں جب بین الاقوامی سامراجیت نے پوری دنیا کے وسائل پر قبضہ کر کے کروڑوں انسانوں کو معاشی وسیاسی آزادی سے محروم کر دیا تو انہوں نے خود کو نسلی لحاظ سے اعلیٰ و ارفع قرار دیا اور آثار قدیمہ کی تلاش میں ایسی شہادتیں سامنے لانے کی کوشش کی جن سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ بالادست اور حکمران طبقہ کے فیصلے اور ان کی خواہشات میں عوام کے لیے وجہ نجات نظام ہوتے ہیں، نوآبادیاتی دور میں جاگیرداری کے وجود کو ریاست اور عوام کے لیے خوش قسمتی قرار دیا گیا اور ان لاکھوں کروڑوں محنت کشوں اور فنکاروں کی سماج کے ارتقاء میں شامل صلاحیتوں کو نظر انداز کیا گیا، لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا، دلیل کا دور شروع ہوا، روشن خیالی اور قدامت پرستی میں تصادم ہوا، مشترکہ صنعتی دور نے دنیا بھر میں کروڑوں انسانوں کو محنت کے جذبے سے ایک دوسرے سے قریب کر دیا، سماج کو بدلنے والے معاشی حقوق کے ساتھ سیاسی حقوق کا مطالبہ کرنے لگے۔ اٹھارویں صدی میں برطانیہ، جرمنی فرانس میں چلنے والی روشن خیالی کی تحریکوں میں انسان اور سوسائٹی کے مابین رشتوں کی بنیادیں تلاش کی گئیں اور قدامت پسند خیالات پسپا کر دیئے گئے اور یورپ کے لوگوں نے ایک نئے انداز سے رہنے کا ڈھنگ سیکھا ''انسان اپنی شخصیت اور وجود کا تعمیر کنندہ ہے'' انفرادیت آزادی کی طرف لے جاتی ہے مگر بے مہار آزادی معاشرتی ارتقاء میں منظم رول ادا نہیں کرتی، ایسے ہی افکار جلد ہی اجتماعیت میں بدل گئے اور قرار پایا کہ منظم لوگ جو کسی اجتماعی فکر اور سوچ کے حامل ہوں وہ اگر اقلیت میں بھی ہوں تو وہ غیر منظم اکثریت کی قوت کو استعمال کرتے ہوئے سماجی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

روشن خیالی کی تحریک کے بڑے نام والیٹر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ توہم پرستی کے خلاف تھا وہ آگ کونور میں تبدیل کر سکتا'' وہ محنتی لکھاری اور روشن خیالی کا پرچارک تھا۔

معاشرہ انسانی محنت کی بنیادوں پر استوار ہورہا تھا اقتدار بڑے جاگیرداروں کے ہاتھوں سے نکل کر درمیانہ طبقے کے پاس آرہا تھا اس نے کہا'' بے کار اور موت ہم معنی ہیں۔''

روسو بھی والیٹر کی طرح ہی کہتا رہا اور کہا کہ ''قدامت پرستی چھوڑ اور سوچو کہ عقل اور فطرت کیا کہتی ہے'' فرانس کے بادشاہ لوئی شانزدھم نے کہا'' روسو اور والیٹر کی تحریروں نے فرانس کو تباہ کر دیا ہے۔''

انقلاب فرانس تاریخ کا بہت بڑا واقعہ ہے، جس کے پیچھے بنیاد صدیوں کے اس فلسفے میں کی ہے کہ ''جب کوئی قوم فکر کرنا شروع کردے تو اس کا راستہ روکنا مشکل ہے'' روشن خیالی کے مفکرین نے تاریخ نویسی کے جن اصولوں کو اپنایا۔ ''جنگوں اور بادشاہوں کے واقعات کو نظرانداز کر کے انسانی رویوں اور سماجی تبدیلیوں کا جائزہ لینا تھا'' سائنسی ایجادات اور قوانین فطرت کو سمجھتے ہوئے لوگ پرانے اور بوسیدہ افکار کو مسترد کر رہے تھے، اگر کسی ملک میں انقلاب نہیں بھی آیا تو وہ وہاں کے درمیانہ طبقہ کے دانشوروں اور روشن خیال ایلیٹ نے سماجی انصاف شہری زندگی کی تنظیم اور جمہوریت اور انسانی آزادی کے لئے کام شروع کر دیا۔ یورپ میں بسنے والے لاکھوں افراد جنہیں ''دھرتی کے نظرانداز بچے'' کہا جاتا تھا، اپنی اپنی رنگ و نسل کو قائم رکھتے ہوئے انسان کی عظمت کے لیے اکٹھے ہوئے......ایک مرحلے پر آ کر تمام سیاسی نظام جن میں محنت کشوں، مزدوروں، کسانوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو، اپنی افادیت کھودیتے ہیں اور اپنی نفی کرنے لگتے ہیں'' اس کا مظاہرہ اس وقت ہوا جب 1789ء میں انقلاب فرانس ہوا، صدیوں پرانے شہنشاہی نظام جس کی بنیادوں قبل مسیح کے غلام داری دور سے رکھی گئیں تھی لاکھوں انسانوں نے اسے جڑ سے اکھاڑ دیا اور ثابت کیا کہ ایسا ہو سکتا ہے، لیکن یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سماجی تبدیلی کسی ایک واقعہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا بلکہ Cuase and effect کا ایک مسلسل عمل ہے جو مختلف زاویوں سے آگے بڑھتا رہتا ہے۔ خاص طور پر یونان عہد زمانہ قدیم سے جدید کا آغاز 17 ویں صدی میں ہوا۔ اسکی بنیاد سائنس تھی۔

سماجی ارتقاء میں سائنسی ایجادات اور منطقی انداز فکر کا بڑا عمل دخل ہے جب مقدار معیار میں بدل جاتی ہے تو تبدیلی کا عمل ایک قدم آگے چلا جاتا ہے ادراک کے عمل کی بنیاد اس حقیقت کو گہرائی سے دیکھتا ہے جو معلوم سے نامعلوم اور خاص سے آذق کی طرف جاتا ہے۔ یورپ میں روشن خیالی کے فکری راہنما فرانسس بیکن 1626-1651 نے اپنی ایک اہم کتاب (Advancement of learing) میں علم کو ایک ایسی طاقت قرار دیا جس کا کوئی مقابلہ نہیں، فلسفہ کی بنیاد وعملیت ہے جو انسان کو قانون قدرت کو سمجھتے اور اپنے حق میں استعمال کرنے کا ہنر سکھاتی ہے اور یہ کہ فلسفہ انسانیت کو مذہب سے الگ

رکھنا چاہیے۔ جان روک (1632-1704) فلسفیانہ لبرل ازم کا بانی تھا، جس نے اپنے مضامین (Concerning Human Understanding) میں سماجی علوم، سوسائٹی اور انسانی رویوں اور قدرتی جذبوں اور خواہشات کا بڑی خوبصورتی سے اظہار کیا ہے، اس کے سیاسی نظریات نے اس وقت کے سیاسی انقلابات پر گہرے اثرات مرتب امریکن آئین میں اس کے اور مونٹیسکو کے سیاسی اور فلسفیانہ نظریات کو شامل کیا گیا اور آزادی اور جمہوریت کے اصولوں کو اپنایا گیا۔ یہاں تک کہ فرانس کے آئین میں اس کو نظریات حقیقت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

انقلاب فرانس نے تاریخ کو اور انسانی آرزوؤں اور امنگوں پر مبنی ایک نیا موڑ دیا کہ انسان تدبیر کے ذریعے اپنی تقدیر بدل سکتا ہے دنیا میں آزادی کی لہریں شدت اختیار کر گئیں اور صدیوں سے جاری طبقاتی کشمکش کی جدلیاتی سائنس کا کھوج دانشوروں نے لگالیا، جرمن رومانوی فلسفے نے کائنات کی وسعتوں کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ انسان اور سوسائٹی کے درمیان رشتوں کی بنیادیں تلاش کیں اور ریاست کے جدید تصور میں فرد کے کردار کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے انسانی فکری ترقی کے مراحل پر غور کیا 1770/1831 ہیگل کے فلسفہ Antithesis, Thesis اور Synthesis نے ارتقاء اور فکری نشوونما کے فلسفے کو سمجھتے ہیں ایک سائنسی اصول کی بنیاد رکھی 540-475 ق م Heraclitus نے کہا تھا ''ہر شے حرکت میں ہے'' قدیم یونان میں فلسفہ کی وہ شاخ جو دلیل اور منطق کو اپنے فکر کی بنیاد سمجھتے تھے، ہیگل اسی مکتب فکر کی ترقی یافتہ شکل تھی اس نے Philosphy of Right اور Encylopedia of Philosphic Science جیسی شہرہ آفاق کتابیں لکھیں، اسے آفاقیت اور روح مطلق کا صوفی کہا جاتا ہے۔

کارل مارکس (1818/1883) برلن میں فلسفہ کے مطالعہ کرنے والا انقلابی ہیگل کے فلسفہ جدلیات سے بے حد متاثر تھا اس نے کہا ''سوال یہ نہیں ہے کہ دنیا کیا ہے سوال یہ ہے کہ اس کو تبدیل کس طرح کیا جائے'' کارل مارکس نے اپنے نظریے کے لیے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ ''عالم انسانیات اپنے ذمہ وہی فریضہ لیتا ہے جو وہ پورے کر سکے، اگر غور سے دیکھا جائے تو خود فریضہ بھی تبھی سامنے آتا ہے جب اس کے لیے مادی حالات یا تو موجود ہوں یا کم از کم کسی مقام پر اس کے یقینی احکامات پیدا ہو جائیں اس کی شہرہ آفاق کتاب ''داس کیپٹل'' یورپ میں کافی دیر بعد سمجھی گئی اس نے کہا کہ "Surplus Value" ہی استحصال کی بنیاد ہے اور سرمایہ داری نظام کی بنیاد ہے جس کے ذریعے محنت کشوں کو ان کی محنت کے مطابق معاوضہ نہیں دیا جاتا اور یہی منافع سرمایہ دار کو طاقت ور بنا دیتا ہے۔ کارل مارکس نے کہا کہ پرولتاری انقلاب ہی سماجی و معاشی ناانصافی کا حل ہے۔

بین الاقوامی سامراجیت کے بارے میں اس نے لکھا:

''ایک قوم کے ہاتھوں دوسری قوم کا استحصال اس نسبت سے ختم ہوگا جس نسبت سے ایک فرد

کے ہاتھوں دوسرے فرد کا استحصال، جس تیزی سے کسی قوم کے اندر طبقاتی اختلاف ختم ہوگا، اتنی تیزی سے ایک قوم کی دوسری قوم سے دشمنی ختم ہوگی۔''

تاریخ میں فرد کے کردار کے بارے میں اس نے کہا ''فرد کا شعور زندگی کا رخ متعین نہیں کرتا بلکہ اجتماعی سماجی زندگی فرد کے شعور کا رخ مقرر کرتی ہے۔

تاریخی تبدیلیوں کے بارے میں اس نے جس اصول کی بنیاد رکھی وہ یہ تھا کہ کسی بھی عہد کے سیاسی و سماجی حالات کے متعلق بہتر جانکاری اسی وقت ممکن ہے جب ہم اس عہد کے شعور اور اس کے مظاہرات کے متعلق جان لیں۔''

میرا تاریخ کو سمجھنے کے لیے جس اصول سے اتفاق کیا وہ یہی اصول تھا، Fyodor Korovokin کی کتاب "Short History of the World" جیل کی تنہائیوں میں میری ساتھی بن گئی۔

24 مارچ 1981ء کو میری گرفتاری دیگر کئی سیاسی کارکنوں کے ساتھ ہوئی، ضیاء الحق کا مارشل لاء اپنے عروج پر تھا، اعلیٰ عدلیہ کے جج صاحبان PCO کے تحت حلف اٹھا چکے تھے، اس عہد کے ساتھ کہ مارشل لاء کی طرف سے کئے کسی بھی فیصلے کے خلاف اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کوئی فیصلہ کر سکیں، 5 جولائی 1977ء کے فوجی اقدام کو قانونی حیثیت دینے والے اور ذوالفقار علی بھٹو شہید کو پھانسی کا حکم دینے والے منصف ضیاء الحق کے جمہوریت دشمن منصوبوں کا حصہ بننے کے بعد عوام الناس کی نفرت کا نشانہ بن چکے تھے، انصاف تک رسائی کے تمام راستہ بند ہو چکے تھے۔

بیگم نصرت بھٹو 70 کلفٹن میں نظر بند اور محترمہ بے نظیر بھٹو سنٹرل جیل سکھر میں قید تھیں۔

پیپلز پارٹی کے دیگر لیڈر بدنام زمانہ شاہی قلعہ میں تاریخ کے بدترین ریاستی جبر کا شکار تھے۔ مارشل لاء کے تحت قائم فوجی عدالت قلعہ میں ہی کارروائی کرتی، ریمانڈ کا تصور ختم ہو چکا تھا۔ کارکن لامتناعی وقت سے قید تنہائی کے سیلوں میں بند تھے۔ اِدھر سنٹرل جیل کوٹ لکھپت کسی نازی کیمپ کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ جیل کی مکمل سکیورٹی مارشل لاء حکام کے حوالے تھی جیل تک پہنچنے کے لیے ایک کلومیٹر تک رکاوٹیں تھیں جن پر جیل میں آنے والے ملاقاتیوں اور سرکاری پولیس کی گاڑیوں اور قیدیوں کی تلاشی لی جاتی۔

جیل کے اندر سپرنٹنڈنٹ کو قیدیوں سے غیر انسانی سلوک اور دہشت قائم کرنے کے مکمل اختیارات تھے جیل سپرنٹنڈنٹ اپنے محکمے کی بجائے مارشل لاء انتظامیہ کو جواب دہ تھا اور انہی کے احکامات کو اہمیت دیتا تھا سیاسی قیدیوں کو بیرکس اور کال کوٹھڑیوں میں اس طرح مقید کیا گیا کہ وہ آپس میں بھی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ سختی کا یہ عالم تھا کہ سیاسی قیدی اپنے پاس وقت گزاری کے لیے کوئی کتاب، رسالہ، اخبار نہیں رکھ سکتے تھے اگر کوئی چوری چھپے ایسا کر لیتا تو سب کو اس کا عذاب سہنا پڑتا، جس میں

سب سے بڑی سزا یہ تھی کہ سیاسی قیدیوں کی ملاقات پر پابندی لگا دی جاتی جیل حکام قلم کے بڑے دشمن تھے ہفتہ وار تلاشی کے لیے سیاسی قیدی تو تیار رہتے لیکن اچانک تلاشی تو کسی وقت بھی ہو سکتی تھی، وہ جانتے تھے کہ اس قدر شدید پابندیوں میں سیاسی قیدیوں کے پاس کوئی غیر قانونی اشیاء جو جیل مینویل سے متصادم ہوں پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر وہ پن پنسل کے بارے میں بے حد فکر مند رہتے اور اچانک تلاشی صرف اس مقصد کے لئے ہوتی کہ کہیں کسی نے کوئی قلم وغیرہ تو نہیں رکھی ہوتی ان کی پریشانی یہ تھی کہ جیل کے اندرونی حالات کے بارے میں اطلاعات باہر نہ پہنچ جائیں مزید یہ کہ کہیں کوئی تحریر مارشل لاء حکام کے خلاف باہر نہ جا سکے ان حالات میں پڑھنے اور لکھنے کا تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس دوران سیشن ملٹری کورٹ نمبر 42 نے میرا ٹرائیل کیا اور مجھے ملک میں قائم ضیاء الحق کی آئینی حکومت کا غیر قانونی طریقے تختہ الٹنے کے الزام میں 14 سال اور ذوالفقار علی بھٹو شہید کی کتاب If I am Assassinated اپنے پاس رکھنے کے جرم میں 7 سال اور MRD کا اعلامیہ اور سوشلسٹ جمہوریہ کا پمفلٹ رکھنے کے جرم میں 3 سال قید بامشقت کا حکم سنایا گیا۔

میرے لیے یہ فیصلہ توقع کے عین مطابق تھا، اس لیے مجھے کوئی پریشانی نہ تھی۔ برصغیر پاک و ہند میں تحریک آزادی سے لے کر پاکستان بننے کے بعد تک جدوجہد کی تاریخ کے طالب علم کے طور پر میں یہ سمجھتا تھا کہ 1919 کے متحدہ پنجاب کے مارشل لاء سے لے کر 1979ء کے ضیاء الحق کے مارشل لاء تک جتنے بھی ڈکٹیٹر برسراقتدار آئے انہوں نے سپیشل مارشل لاء کورٹ صرف اس لیے بنائے کہ انسانی حقوق اور قومی آزادی کے لیے لڑنے والوں کو پہلے سے طے شدہ عبرتناک سزائیں سنائیں جائیں تاکہ آئندہ کے لیے ایسے احساسات و جذبات رکھنے والوں کے راستے روکے جا سکیں، مگر ڈکٹیٹر ہمیشہ خود فریبی کا شکار رہے ہیں، تحریکیں زندہ رہتی ہیں جبکہ حکمران صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔

سزا سننے کے بعد میں نے ایسی ہی تقریر ملٹری کورٹ کے سامنے فرما دی جس میں چین کے ایک مشہور انقلابی شاعر کا حوالہ دے کر کہا کہ اس نے سزا سننے کے بعد کہا تھا کہ "ایک روز اپنی سزا پوری کر کے میں جیل سے باہر آ جاؤں گا مگر اس وقت آپ نہیں ہوں گے" سیاسی کارکن ان دنوں مارشل لاء عدالت میں مقدمہ شروع ہونے سے پہلے عدم اعتماد کا اظہار کرتے اور اس امید سے مقدمہ کی کارروائی سنتے کہ بالآخر انہیں زیادہ سے زیادہ سزا دی جائے گی، فیصلہ سننے کے بعد تاریخ ساز جملے عدالت میں ضرور کہتے تاکہ دیگر سیاسی قیدیوں کو حوصلہ اور جرأت ملے، ان دنوں اخبارات پر بدترین سنسر شپ تھا یہاں تک کہ کئی صحافی بھی جیلوں میں بند تھے لہٰذا یہ سب کچھ عوام سے پوشیدہ رہتا۔

اگلے روز کے اخبارات میں سنگل کالم کسی کونے میں خبر چھپی، لاہور بلدیہ کے ایک کونسلر اور پیپلز پارٹی (کالعدم) سے تعلق رکھنے والے میاں محمد جہانگیر کو غیر قانونی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے

کے جرم میں خصوصی فوجی عدالت نمبر 42 نے 14 سال قید بامشقت کی سزا کا حکم سنایا ہے۔''

مگر ابھی ایک اور مقدمہ 211/81 تھانہ پرانی انارکلی میں زیر تفتیش تھا اس میں کوئی سات سو افراد (سیاسی کارکنوں) کو نامزد کیا گیا زیادہ تر سیاسی کارکن مقدمہ درج ہونے سے پہلے ہی زیر حراست تھے، بغاوت کا یہ مقدمہ پاکستان پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے خلاف درج کیا گیا اور پاکستان کے کسی بھی کونے سے کسی بھی سیاسی کارکن کو گرفتار کرنے کے لیے اس FIR کا سہارا لیا جاتا۔ کچھ سیاسی قیدیوں کے سمری ٹرائل ہوئے ان میں زیادہ سے زیادہ تین سال سزا سنائی جاتی اور قیدی کو پنجاب کی کسی بھی جیل میں بھیج دیا جاتا۔

اگست 1984ء میں جیل میں سکیورٹی کے غیر معمولی اقدامات کیئے گئے۔

راولپنڈی سے تعلق رکھنے والے ادریس بیگ اور لاہور کے عثمان اور محمد ادریس اور بھکر کے عبدالرزاق کو پھانسی دی جا چکی تھی اور سنٹرل جیل کوٹ لکھپت میں ایک عدالت قائم کی گئی، سپیشل ملٹری کورٹ نمبر 60 جس نے 54 سیاسی کارکنوں کے خلاف بغاوت کے مقدمہ کی سماعت کرنا تھی۔

یہ عدالت مارشل لاء کے اعلیٰ افسران پر مشتمل تھی جس نے دو ماہ تک ایسے مقدمے کی سماعت کی جس کے تمام ملزمان نے عدالت پر عدم اعتماد کا اظہار کر کے کارروائی کا بائیکاٹ کر دیا تھا اس مقدمے کی کارروائی کے وکیل صفائی بھی سرکار نے نامزد کئے جو ان کے اپنے پسندیدہ وکلاء تھے، سیاسی کارکنوں کی جانب سے پیش ہونے والے وکلاء مارشل لاء عدالت کے غیر قانونی طریقہ سماعت پر اعتراض کرتے ہوئے بائیکاٹ کر چکے تھے اس مقدمے کی چارج شیٹ میں 5 جولائی 1977ء سے لے کر MRD کی تحریک 1983ء تک کے تمام واقعات کو بنیاد بنایا گیا اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں پر الزام لگایا کہ وہ مارشل لاء حکومت کے خلاف تحریک چلا کر ملک دشمنی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اس میں ایسے افراد کو بھی نامزد کیا گیا جو دوسرے ملکوں میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔

ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ یہ عدالت ہمیں انتہائی سزا دینے سے گریز نہیں کریگی، ایسی صورتحال میں ہم صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ رائے عامہ کو اس غیر قانونی کارروائی کی طرف متوجہ کریں، تاکہ اصل صورتحال سیاسی حلقوں اور جمہوری جدوجہد کرنے والی قوتوں تک پہنچ سکے چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ بھوک ہڑتال کی جائے اس فیصلے کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے، ملکی اخبارات میں اور خاص طور پر غیر ملکی نشریاتی اداروں نے اس خبر کو خاصی پذیرائی دی، یہ ایک طویل بھوک ہڑتال تھی جو پچاس دنوں تک چلی اور تمام سیاسی قیدیوں نے بڑے حوصلے اور جرأت سے اپنی جوانی اور صحت مند جسموں کو آمریت کے خلاف جدوجہد پر قربان کیا، ملک کی تمام سیاسی قوتوں نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا، یہاں تک کہ فوجی آمر جنرل ضیاءالحق کو بھی لاہور میں بیان دینا پڑا کہ مارشل لاء عدالت انصاف کرے گی۔

ضیاء الحق کے مارشل لاء انصاف کا بول بالا اس وقت ہوا۔ جب 4/5 مارچ کی درمیانی شب اپنی کال کوٹھڑیوں میں بیڑیاں پہنے سوئے ہوئے 54 سیاسی قیدیوں کو رات کی تاریکی میں جیل کے بڑے اندرونی دروازے کے سامنے اکٹھا کیا گیا اور کہا گیا کہ تو مارشل لاء عدالت نمبر 60 نے میاں محمد جہانگیر، آصف بٹ، یوسف خٹک، جاوید اقبال معظم رفیق بابر، صابر حسین، صوفی محمد امین، طلعت جعفری، اسلم لدھیانوی اور کچھ اور دوستوں کو غیر حاضری میں جو سزائے موت کا حکم سنایا تھا اسے عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا ہے اس کے ساتھ ہی سپرنٹنڈنٹ نے اپنے دفتر سے باہر آ کر یہ حکم بھی سنایا کہ ماسوائے چند ایک کے تمام سیاسی قیدیوں کو دوسری جیلوں میں منتقل کیا جا رہا ہے۔

ہم جو کچھ زیادہ ''خطرناک'' قیدی تھے، ہمیں سنٹرل جیل ملتان بھیج دیا گیا سپرنٹنڈنٹ جیل نے تمام سیاسی قیدیوں سے ایسے ہی سلوک کیا جیسے کوئی دشمن ملک کے قیدی زیر حراست ہوں۔

ضیاء الحق کا ستارہ پاکستان کے سیاسی افق پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا وہ ''بھاری اکثریت'' سے ریفرنڈم جیت چکا تھا اور اس کے حواری جو اس کی گود میں سیاسی پرورش پانے والے نامزد مجلس شوریٰ اور صوبائی کونسلوں کے اراکین، وزراء اور حکومت عہدیداران، جشن فتح منا رہے تھے پاکستان کی مختلف جیلوں میں ضمیر کے قیدی سیاسی کارکن تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں مارشل لاء عدالتوں کی طرف سنائی گئی طویل مدت قید کی سزائیں کاٹنے کے لیے اپنے عزم اور حوصلے کی قوت سے وقت کے ساتھ برسرپیکار تھے۔

اس وقت ملتان سنٹرل جیل اپنے کڑے ڈسپلن کی وجہ سے قیدیوں میں مشہور تھی، جنوبی پنجاب کے سرائیکی بولنے والے پس ماندہ علاقوں سے تعلق رکھنے والے قانون کے منحرف، قیدیوں سے بھری پڑی تھی، گنجائش سے زیادہ قیدی ہونے کی وجہ سے جیل کی ڈیوڑھی میں ملاقات پر آئے ہوئے قیدیوں کی بھرمار، تاریخ پیشی کے لیے مختلف عدالتوں میں جانے والے قیدی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے قطاروں میں کھڑے تھے اور جیل کا عملہ ان کی جامعہ تلاشی میں مصروف تھا، ہم پنجاب پولیس کی خصوصی طور پر قیدیوں کے لیے بنائی پولیس وین میں گزشتہ آٹھ گھنٹوں سے بند مسلسل سفر کرتے ہوئے، نیند سے بوجھل، تھکاوٹ، بھوک اور پیاس جو تھکان سے زیادہ محسوس ہو رہی تھی، لاہور سے یہاں پہنچتے تھے اور جیل میں داخلے کے لیے ضابطے کی کارروائی جو ایک طویل اور صبر آزما کام تھا پھر جیل میں اندراج کیا گیا اور سزائے موت کی کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا۔

ملتان سنٹرل جیل میں گزرے ہوئے لمحات، نا قابل فراموش ہیں یہاں گزرتے ہوئے 20 ماہ کو مختصراً یہاں لکھا نہیں جا سکتا، قابل ذکر یہ ہے کہ 10 جون 1985ء کو تمام سیاسی قیدیوں کو بیڑیاں اتار دی گئیں اس کے ساتھ قید تنہائی کا بھی خاتمہ ہو گیا، ملاقاتوں کا طریقہ کار بھی آسان ہو گیا۔ میرے بڑے

بھائی پروفیسر بشیر اور ان کے صاحبزادے شہزاد کراچی سے ملاقات کے لیے آیا کرتے تھے والد محترم اور بھائی حنیف لاہور سے آیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ کئی دوستوں نے بھی سفر کی مشکلات برداشت کر کے جیل میں ملاقاتیں کی۔ ملتان مزدور کسان پارٹی کے صدر راؤ سلیمان ایک شفیق اور ہمدرد انسان تھے جو سیاسی قیدیوں سے باقاعدہ رابطہ رکھتے اور ان کی مشکلات کے بارے میں جانکاری رکھتے۔ آصف حمید لاہور سے امجد فاروق، حفیظ الرحمٰن، ولی، ایسے ترقی پسند نظریاتی ساتھی، علمی وفکری لحاظ سے تحریکوں میں موجود رہتے ہیں۔ اپریل 1986ء میں محترمہ بےنظیر بھٹو کی پاکستان آمد کے بعد ملک کے سیاسی حالات کافی بدل چکے تھے۔ گوکہ ضیاء الحق نے مارشل لا اٹھالیا تھا۔ مگر غیر جماعتی انتخابات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والی اسمبلی سے ایسے قوانین منظور کرا لیے جن کے ذریعے ملک کا سیاسی ڈھانچہ فرد واحد کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیتا تھا۔ آٹھویں ترمیم نے 1973ء کے آئین کا حلیہ بگاڑ دیا جو آئینی ترمیم کی بدترین مثال تھی۔

نومبر 1988ء میں محترمہ بےنظیر بھٹو کی قیادت میں پیپلز پارٹی برسر اقتدار آ گئی محترمہ نے پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم کی حیثیت سے قوم کو اپنے پہلے خطاب میں وعدہ کیا کہ وہ قانونی مشکلات کو دور کر کے بہت جلد ملک کی تمام جیلوں میں گرفتار سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیں گی۔

چنانچہ 7 دسمبر 1988ء کو دور مارشل میں فوجی عدالتوں سے طویل سزائیں پانے والے سینکڑوں سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا، رہائی کے وقت جیل میں لکھی گئی کئی تحریریں، خطوط اور مضامین میرے ساتھ تھے جن میں "Short History of the World" کا یہ مسودہ بھی تھا۔

"Short History of the World" تاریخ کو سمجھنے کے لیے اہم کتاب ہے جس میں معاشرتی ارتقاء کے قوانین اور مسلمہ اصول دریافت کئے گئے ہیں تاریخی تحقیق پہ کام کرنے والے کسی خواہ بھی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں ان اصولوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے جیل کا دباؤ غیر فطری زندگی اور سماج سے الگ تھلگ رہتے ہوئے اس کتاب پر کام شروع کیا اس کا زیادہ تر کام سنٹرل جیل ملتان میں ہوا اور تکمیل سنٹرل جیل کوٹ لکھپت میں ہوئی، اس کتاب کی تیاری میں صابر حسین اور یوسف جو سیاسی قیدی تھے انہوں نے بے حد مدد کی۔ اس کتاب میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ نویسی اور اس کا مفہوم ایسے انداز میں بیان کیا جائے جو اپنی حقیقی روح کے مطابق قارئین تک پہنچ سکے۔

اس کتاب کو شائع کرنے کے لیے میرے دانشور دوست فرخ سہیل گوئندی کا اصرار بدستور جاری رہا اور آخر کار انہی کی کوششوں سے اب یہ شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ

3 فروری 2009ء

تاریخِ جہانگیری

زیرِ نظر کتاب معروف سوویت تاریخ دان ڈاکٹر فیدور کرووکن نے ستر کی دہائی میں مکمل کی۔ فیدرو کرووکن نے تاریخ نویسی کی دنیا میں اپنا منفرد مقام پایا ہے۔ انہوں نے سائنٹیفک انداز میں تاریخ کو مختصر اور جامع تحقیق کے ساتھ پیش کیا۔ تاریخ نویسی کی اپنی تاریخ بھی بڑی قدیم ہے۔ دنیا کا پہلا مورخ Herodotus، یونان کے شہر بودروم میں پیدا ہوا، یہ شہر اب مغربی ترکی کا ایک خوبصورت ترین شہر ہے، میں نے اپنے ایک سفر میں شہر کے سمندر کے کنارے پر واقع قلعہ پر ہیروڈوٹس کا مجسمہ قلعہ کے مین دروازے کے باہر نصب دیکھا جس کو آج بھی ہزاروں سیاح وزٹ کرتے ہیں۔ 480ق م میں ہیروڈوٹس نے یونانیوں اور ایرانیوں کی جنگوں Expansionism (توسیع پسندی) کو سپردِ قلم کیا اس کا موضوع ایرانی بادشاہ ذوالقرنین اعظم اور داریوش تھے۔ یعنی اس وقت تک تاریخ نویسی بادشاہوں کی فتوحات تک محدود تھی۔ اس انداز میں تاریخ نویسی مسلم سپین تک لکھی جاتی رہی۔ مسلم سپین جس کو جدیدیت کا دروازہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس دور میں جہاں دیگر سائنسی علوم نے حیرت انگیز ترقی کی وہیں پر علم تاریخ کے حوالے سے بھی انقلابی تبدیلیاں برپا ہوئیں۔ ابنِ خلدون (1406ء۔1332ء) کو جدید تاریخ نویسی کا بانی کہا جاتا ہے۔ ابنِ خلدون کے بعد تاریخ نویسی ایک مکمل علم کی حیثیت اختیار کر گئی۔ یورپ میں سائنسی فکری تحریکوں نے جو Contributions کی ہیں اس نے سمیری، مصری، ہندی، حتی، فنیقی اور عربی سمیت دنیا بھر کی تہذیبی اثاثے کو Multiply کر دیا ہے۔ ان تحریکوں نے تاریخ کے علم میں بھی ایک شاندار انقلاب برپا کر دیا ہے۔ مغرب کے عوامی مفکروں نے فکری، علمی اور حقائق کی بنیاد پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تاریخ بادشاہوں کی زندگی، دربار کی کہانیاں، بادشاہوں کی داستانیں، فتوحات اور شکست کا نام نہیں، بلکہ تاریخ عوامی طبقات کی تہذیب و تمدن میں تخلیقی Contributions کا نام ہے۔ کارل مارکس اور اینگلز نے یورپ میں فکری انقلاب کا جو پرچم بلند کیا اس نے حکمران طبقات کی بوسیدہ صدیوں پرانی روایات کو پاش پاش کر دیا۔ اور سائنسی انداز میں ثابت کیا کہ محنت کش اور درمیانے طبقات ہی تاریخ ساز ہوتے ہیں اور یوں تاریخ ایک مکمل سائنٹیفک علم کی حیثیت اختیار کر گیا۔

آج امریکہ کے عظیم تاریخ دان ہاورڈ زن سمیت دیگر تاریخ دان یہ ثابت کر رہے ہیں

کہ انسانی تہذیب وتمدن کی تخلیق سازی محنت کش اور درمیانے طبقات کے سبب ہی ممکن ہوئی۔

"A People's History of the United States of America" ہاورڈ زن کی معروف زمانہ کتاب ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امریکہ کی فکری، جمہوری، سماجی اور سائنسی ترقی محنت کش طبقات کے مرہون منت ہے۔ جبکہ حکمران طبقات اس پر قابض ہونے کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ اسی لیے آج دنیا بھر میں People's Histories لکھی جا رہی ہیں۔ یعنی سماجوں کے حقیقی تاریخ ساز (درمیانہ اور محنت کش طبقہ) کی تاریخ۔

George Orwell کے بقول:

"Who controls the past, controls the future. And who controls the present, controls the past".

یعنی جو لوگ طاقت اور سرمائے پر قابض ہیں وہ ماضی، حال اور مستقبل پر بھی قابض ہیں۔ سرمایہ داروں کے تنخواہ یافتہ قلم کار ہر روز تاریخ کو مسخ کرنے اور کھرچنے کے عمل میں مصروف ہیں اور اس طرح سرمایہ دار طبقات اپنی مرضی سے تاریخ نویسی کروا رہے ہیں۔ جبکہ ہاورڈ زن کہتے ہیں:

"In other words those who dominate our society are in the position to write our histories."

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج طاقت اور سرمائے پر قابض قوتیں کس طرح تاریخ کو مسخ کرنے میں مصروف ہیں۔ فوکوھاما اور سموئیل پال ہٹنگٹن جیسے محقق عالمی سرمایہ داروں کی سرپرستی میں Clash of Civilizations، End of History، Expansionism اور Export Democracy کے نام پر تاریخ لکھ رہے ہیں۔

فیدروکرووکن نے Short History of the World لکھ کر عالمی تاریخ کو ایک کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اور اس کتاب کو اُردو زبان میں میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ نے ترجمہ کر کے اُردو زبان کے کروڑوں جاننے والوں کو ایک شاندار تحقیقی کتاب فراہم کر دی ہے۔ میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ پاکستان کی جدید جمہوریت عوامی اور سیاسی تحریک کے ان چند ہزار سیاسی کارکنوں میں سرفہرست ہیں۔ جنہوں نے 1977ء کے بعد جنرل ضیاءالحق کے آمرانہ نظام کی ان کوششوں کے خلاف علم مزاحمت بلند کر دیا جس کے تحت جنرل ضیاءالحق نے تاریخ کے پہیے کو روکنا چاہا۔ اس جدوجہد کی قیادت ذوالفقار علی بھٹو شہید کر رہے تھے اور میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ اس تاریخ ساز عمل میں ہراول دستے کا کردار ادا کر رہے تھے۔ میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ تاریخ نویس تو اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد ہی کہلائے جائیں گے جو کہ زیادہ

مشکل کام نہیں مگر درحقیقت وہ تاریخ ساز ہیں، تاریخ سازی، تاریخ نویسی سے کہیں زیادہ مشکل اور اہم کام ہے۔

میاں جہانگیر جیسے مزاحمت کاروں نے آمریت، استعماریت، جنونیت، جبر اور استحصال کے خلاف جو تاریخ ساز جدوجہد کی، کاش اس کو ہمارا آج کا مورخ سپردقلم کر دیتا اور یوں ہم پاکستان میں تاریخ کھرچنے والوں کو ان کے مجرمانہ اقدام سے روک سکتے۔ ''تاریخ سازوں'' یعنی سیاسی جدوجہد کرنے والوں نے تو اپنا تاریخی فرض سرانجام کر دیا مگر افسوس کہ تاریخ نویس اپنا فرض معمولی طور پر بھی پورا نہ کر پائے۔ ان کے لیے مغل دربار، مغل بادشاہوں کی جنگیں اور مغل رہن سہن ہی اہم تھا۔ اور صد افسوس یہ کہ بادشاہوں کی داستانوں اور کہانیاں لکھنے والوں کو سماج کے نیم پڑھے لکھے فیشنی طبقات نے ''اعلیٰ پائے کا مورخ'' قرار دے دیا۔ People's History of Pakistan اگر کسی نے لکھی تو صرف ان تاریخ ساز کارکنوں نے ہی لکھی جو دل کو گرما دینے والی جدوجہد بھی کر رہے ہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید، میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ، آصف بٹ، رازق جھرنا، یعقوب پرویز مسیح شہید، حسن ناصر اور ایاز سموں سے لے کر ذوالفقار علی بھٹو شہید جیسے ہزاروں سیاسی لوگوں نے جو جدوجہد کی اگر صرف ان کو ہی سپرد قلم کر دیا جائے تو ہم پاکستان کے تاریخی مجرموں کو بے نقاب کر سکیں گے۔ چونکہ حکمران طبقات نے پاکستان کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے جن قلم کاروں کو شعوری اور لاشعوری طور پر مصروف کیا ہوا ہے وہ دن رات حکمران طبقات کی مرضی کے مطابق ہی ہیروز تیار کر رہے ہیں، اس لیے کہ تاریخ کے حقیقی ہیروز کو مٹا دیا جائے اور اپنے استحصالی نظام کو جاری رکھا جائے۔

میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ نے جیل کی کال کوٹھڑی میں تاریخ سازی کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی بھی کی ہے۔ جس کا ایک شاہکار یہ کتاب ہے اور دوسری ان کی جلد شائع ہونے والی داستان جدوجہد ہے جس میں ان کے سینکڑوں ساتھی شامل تھے۔ میں ہر وقت اپنی جدوجہد کے ساتھیوں کو ایک بات کی ترغیب دیتا رہتا ہوں کہ خدارا اپنی عظیم الشان جدوجہد کو قلم بند کر دو۔ خوشی ہے کہ میرے دوست میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ نے میری بار بار کی ترغیب پر مائل ہو گئے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو شہید کی جس کتاب "If I am Assassinated" کو اپنے پاس رکھنے پر میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ کو سات سال قید کی سزا ہوئی۔ کاش لوگ اس کتاب کی اشاعت کی تاریخ سے ہی واقف ہو جائیں کہ کس طرح ذوالفقار علی بھٹو شہید نے 7x10 کی موت کی کوٹھڑی سے اپنے دفاع کے لیے اس کتاب کو سپردِ قلم کیا۔ جبکہ ضیاء الحق نے کروڑوں روپے اور ریاستی سرمائے سے ذوالفقار علی بھٹو شہید کی کردارکشی کے لیے وائٹ پیپر تیار کروایا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے دن رات موت کی کوٹھڑی میں دل ہلا دینے والے حالات میں اپنے الفاظ کو

سپرد قلم کیا اور اس دوران تسلسل سے لکھنے کے باعث ان کی انگلیاں بھی سوجھ گئیں اور پھر بڑی مشکل سے یہ مسودہ دہلی روانہ کیا گیا جس کو ویکاس پبلی کیشنز نے شائع کیا اور جو یہ کتاب اپنے ساتھ رکھتا تھا، اس کو سات سال قید (جیسا کہ میاں جہانگیر صاحب کو) سزا ہوتی اور جو بھارت سے آتے ہوئے اناس اور کوکونٹ کی ٹوکری میں چھپا کر یہ کتاب اپنے ساتھ لاتا اس کو پکڑے جانے پر چودہ سال قید کی سزا ہوتی تھی۔ خوش قسمتی کہ میں نے یہ عمل دو مرتبہ کیا اور بوسیدہ ریاست کے بوسیدہ کارندے مجھے ''رنگے ہاتھوں'' پکڑ نہ سکے۔ میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ اپنے تحریکی گروہ میں فکری طور پر مضبوط انسان ہیں اسی لیے جب جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں مقید کر دیئے گئے تو انہوں نے اپنا علمی اور فکری سفر جاری رکھا اور اس طرح زیرِ نظر کتاب آج لوگوں تک پہنچ پائی۔ جس کے لیے میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اس تحریر کو سپرد قلم کرتے ہوئے مجھے 77ء کے بعد کا زمانہ دماغ میں گھوم رہا ہے۔ آہ! وہ کیا لوگ تھے جو جبر کی ان چٹانوں کے ساتھ ٹکرا گئے اور زمانے کے فرعونوں اور نمردوں کے نظام کو چیلنج کر دیا۔ یہ انہی کے خون سے دیا جلا ہے جس کو ہم کہتے ہیں کہ ''آج میڈیا آزاد ہے''۔ لیکن افسوس کہ دیئے کا ایندھن بننے والوں کے نام مٹائے جا رہے ہیں تا کہ تاریخ بدل دی جائے۔ میں جب جوان ہو رہا تھا تو میں نے آمریت کو مسلط ہوتے دیکھا اور خوشی اس بات کی ہے کہ صرف اس کو دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کاروان میں شامل ہو گیا، جس میں میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ جیسے لوگ شامل تھے، لیکن جب دیکھا کہ پاکستان کے حکمران طبقات تاریخ کو مسخ کر رہے ہیں تو بڑے Humble انداز میں سیاست اور عوامی تاریخ پر مشتمل کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تا کہ ان آمرانہ قوتوں کی کوششوں کو بے نقاب کرنے کا آغاز کیا جائے جو دربار سے وابستہ مورخوں کی مدد سے تاریخ دشمنی کر رہے ہیں۔ برٹرینڈ رسل نے کہا ہے کہ ''کتب شائع کرنا، بڑے کاموں میں شامل ہے'' اور مجھے فخر ہے کہ میں اس عمل میں عاجزانہ انداز میں شامل ہوں اور یہی وجہ ہے کہ آج فیدرو کروو کن اردو جاننے والوں میں متعارف ہوں گے جس کا تمام تر کریڈٹ میاں محمد جہانگیر ایڈووکیٹ اور جیل میں ان کے معاون ساتھیوں کو جاتا ہے۔

فرخ سہیل گوئندی

3 فروری 2009ء

لاہور

باب:1

تاریخ کیا ہے؟

(History) ہسٹری ایک قدیم یونانی لفظ ہے جس کا مطلب ہے، مطالعہ کرنا، اور بیان کرنا۔ ہم تاریخ کو ایک سائنس کہتے ہیں جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ لوگ کس طرح رہا کرتا تھے اور کس طرح ان کی محنت نے کرۂ ارض کو تبدیل کر دیا۔ کیسے اور کیوں ان کی زندگی تبدیل ہوئی اور جیسے انسان آج کل زندگی گزار رہا ہے۔ یہاں تک وہ کیسے پہنچا۔ ہزاروں سال پہلے انسان کس طرح رہتا تھا۔ اس سلسلے میں ہماری معلومات اور نتائج اخذ کرنے کا ذریعہ کیا ہے۔

انسانی زندگی اپنے نشانات چھوڑے بغیر ختم نہیں ہوتی، یہ اپنے نقش چھوڑتی ہے اور ان کا مطالعہ کرنے کے عہد سائنس دان زندگی کے سلسلہ عمل کا مطالعہ کرتے ہیں۔

لسانی علامتیں:

زمانہ قدیم سے ہی لوگ معاشی سرگرمیوں اور اہم سماجی و تاریخی واقعات کا ریکارڈ رکھتے رہے ہیں۔ انسان نے ابتدائی طور پہ درختوں کی چھالوں، پتھروں، جانوروں کی حنوط شدہ کھالوں اور دیگر کئی جگہوں پہ تحریریں لکھیں۔ قدیم ترین تحریریں کوئی پانچ ہزار سال پہلے لکھی گئیں اور ایک طویل عرصہ پہلے سے کتابوں کا بھی سراغ ملتا ہے۔ قدیم لوگ ان کتابوں کو گراں قدر سرمایہ سمجھتے اور انہیں نسل در نسل منتقل کرتے جاتے۔ جن میں اس عہد کے قصے، کہانیاں، کہاوتیں اور واقعات جو ہمارے عہد تک پہنچے ہیں۔ ہماری معلومات کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ قدیم تحریریں، تصویروں اور الفاظ کی صورت میں منقش تھیں، یا انہیں پتھروں یا دیگر ٹھوس اجسام پہ کندہ کیا گیا۔ سائنس دانوں نے کئی ایک قدیم تحریروں کو پڑھنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ جس سے زمانہ قدیم کی طاقت ور ریاستوں، عوامی بغاوتوں اور اس دور کے انسانوں کی علمی حاصلات جاننے کا موقعہ ملا ہے۔ وہ نقشی تحریریں جن سے سائنسدانوں نے زمانہ قدیم کے متعلق علم حاصل کیا۔ انہیں تاریخی دستاویزات یا تحریر شدہ تاریخی مواد کہا جاتا ہے۔

اشیاء اور تصاویر:

قدیم تحریروں کے ساتھ ساتھ، قدیم انسان نے اور بھی کئی ایک نشانات چھوڑے ہیں۔ انسانوں نے جو قبریں بنائیں اور اشیاء تیار کیں، قدیم مدفن آبادیوں میں ان کو تلاش کیا گیا ہے۔ ایک کہاوت ہے، ''مجھے اپنا گھر دکھاؤ اور میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیسے رہتے ہو''۔ سائنس دان اور ماہرین آثار قدیمہ کہتے ہیں ''ہمیں قدیم انسان کی ہڈیاں دکھاؤ ہم تمہیں بتائیں گے کہ وہ کس طرح تھا، ہمیں قدیم انسان کی اشیاء دکھاؤ، ہم تمہیں بتائیں گے کہ وہ کس طرح رہتا تھا، کیا کرتا تھا اور وہ کیا جانتا تھا۔'' قدیم انسان کے کھینچے ہوئے خاکے بھی ہمیں بہت کچھ بتاتے ہیں، ان سے ان کے طرز زندگی، ہم ورواج، تہواروں اور جنگوں کا احوال معلوم ہوتا ہے۔ قدیم انسان کے زیر استعمال جو اشیاء رہی ہیں وہ اس دور کی سماجی اور فکری سرگرمیوں کی مظہر ہیں۔ قدیم انسان جو ڈرائینگ بنائیں یا خاکے کھینچے اور دیگر اشیاء وغیرہ۔ ان کی مادی تاریخی ذرائع کہتے ہیں۔ ان سے ہم اس دور کے متعلق جانکاری حاصل کر سکتے ہیں جب انسان نے کسی طرح بھی لکھنا نہیں سیکھا تھا۔

زمانہ قدیم کے نشانات کی تلاش:

یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ جہاں انسان ڈیرہ ڈالتا ہے وہاں پہ اپنے نشانات کسی نہ کسی صورت میں چھوڑ جاتا ہے۔ گھریلو ضروریات کی اشیاء، مختلف تعمیرات اور رہن سہن کے نشانات اور راکھ وغیرہ، قدیم انسان نے جس جگہ بھی عارضی یا مستقل قیام کیا ہے وہاں ان مذکورہ بالا شہادتوں سے نشاندہی کر لی جاتی ہے۔ ماہرین کو جہاں بھی اس قسم کے ثبوت ملے وہیں انہوں نے کھدائی کا کام شروع کروا دیا۔ وہ سائنسدان جو مادی ذریعہ ذریعوں کی مدد سے کھدائی یا دیگر طریقوں سے قدیم انسانی تاریخ کو بے نقاب کرتے ہیں، ماہرین آثار قدیمہ کہلاتے ہیں۔

ابتدائی معاشرہ اور اس کی تاریخ:

نسل انسانی کی تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب سے اس کا ظہور کرۂ ارض پہ ہوا۔ اندازاً کوئی دس لاکھ سال پہلے، انسانی تاریخ کے ابتدائی مرحلوں میں انسان ریاستوں یا موجودہ معاشرتی صورت میں زندگی نہیں گزارتا تھا بلکہ اس کا رہن سہن برادریوں، خاندانوں اور قبیلوں کی صورت میں تھا۔ اس دور کو انسانی تاریخ کا ابتدائی دور کہا جاتا ہے۔

ماہرین آثار قدیمہ نے انسانی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم کی بنیاد دو تاریخی

مواد اور وہ جانکاری جو انسان کی تخلیقات ہیں۔

1: پتھر کا زمانہ 2: کانسی کا زمانہ 3: لوہے کا زمانہ

حالانکہ یہ تقسیم مناسب ثابت نہیں ہوئی، خاص طور پر ابتدائی انسانی تاریخ کے حوالے سے جو کہ ہزاروں سالوں پہ پھیلی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے اس تقسیم کو مزید واضح کیا گیا اور پتھر کے عہد کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

1: پتھر کا قدیم زمانہ 2: پتھر کا وسطی زمانہ 3: پتھر

اس کے علاوہ مذکورہ بالا انسانی ادوار کو مذید تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا یعنی ابتدائی، درمیانہ، اور اعلیٰ زمانہ۔

ابتدائی انسان:

انسان کرۂ ارض پر اُس وقت ظاہر ہوا، جب برف کی جو تہہ شمالی ایشیاء، یورپ اور امریکہ تک پھیلی ہوئی تھی وہ سمٹنا شروع ہوئی اور موسم گرم ہو گئے، اُس عہد میں جو انسان ظہور پذیر ہوا اس میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں جو اسے جانوروں میں ممتاز کرتیں، یا اسے دیگر جانوروں سے امتیازی صورت میں پیش کرتیں۔ مثال کے طور پر زمانہ قدیم میں ابتدائی انسان درختوں کی ٹہنیوں پر رہا کرتے اور ان کی کوئی بھی مخصوص رہائش گاہ نہ تھی۔ انہیں جو چیز جانوروں سے جدا کرتی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی ضروریات کے پیشِ نظر اوزار ایجاد کر لیے۔ ابتدائی لوگ آج کے دور کے لوگوں سے انتہائی مختلف تھے، ماتھے چھوٹے اور پیچھے کی طرف مڑے ہوتے تھے، دماغ کی جسامت بندر سے زیادہ تھی لیکن آج کے انسان سے چھوٹی۔ یہ لوگ مضبوطی سے آگے کی طرف جھک کر چلتے تھے، ان کی انگلیاں بے ڈھنگی تھیں، یہ اپنے ہاتھوں سے صرف سادہ کام ہی کر سکتے تھے، زمین کھودتے، اشیاء کو پکڑ سکتے تھے یہ چند مخصوص آوازیں نکال سکتے تھے، جن سے ایک غصے یا خوف کا اظہار ہوتا یہ ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکار لیتے، اور ایک دوسرے کو خطرے سے آگاہ کر سکتے تھے۔

محنت کے انداز:

انسان کے پنجے اور ناخن زیادہ مضبوط اور تیز نہیں تھے جتنے کہ بڑے شکاری جانوروں کے ہوتے ہیں۔ قدیم زمانے کے لوگ تیز دھار والے پتھروں کا استعمال کرتے، دھار کو تیز کرنے کے لیے وہ لوگ پتھروں کو ایک دوسرے پر مار کر اسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بدل دیتے، ایک تیز دھار پتھر کو دستی کلہاڑا کہتے، اسے ہڈی کاٹنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا، اسے ایسا ڈنڈا بنانے کے لیے بھی استعمال

کیا جاسکتا تھا جس کا ایک سرا تراشا ہوا ہو۔ ایسے تیز دھار یا نوکیلے ڈنڈے زمین کھودنے کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ دستی کلہاڑا، زمین کھودنے والا ڈنڈا اور تیز سرے والا نوکیلا ڈنڈا، یہ انسان کی محنت کے ابتدائی اوزار تھے، ان کی مدد سے لوگوں نے کھانے کی اشیاء حاصل کیں جبکہ جانور ایک سادہ سا محنت کا اوزار بھی نہیں بنا سکتا۔

محنت کے اوزار بنانے کی قابلیت ابتدائی انسان اور جانور کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے یہ صرف کام کی وجہ تھی کہ انسان کوئی بیس لاکھ سال پہلے جانوروں کی دنیا سے نکل آیا۔

ابتدائی انسان کی سرگرمیاں:

لوگ پھل اور پرندوں کے انڈے اکٹھے کرتے اور زمین میں پائی جانے والی کھانے کے قابل جڑیں نکالتے، دستی کلہاڑوں اور لاٹھیوں کی مدد سے زمین میں رہنے والے جانوروں کو اکٹھا کرتے، یعنی وہ کچھ حاصل کرتے جو انہیں فطرت کی طرف سے ملا تھا۔ لوگ گروپوں کی شکل میں ڈنڈوں تیز دھار لاٹھیوں اور دستی کلہاڑیوں سے مسلح ہو کر بڑے جانوروں کا شکار کرتے اور وہ جانور جو بیمار ہو کر کمزور ہو جاتے اور اپنے گروہوں سے بچھڑ کر پیچھے رہ جاتے، ہرن اور جنگلی سور جیسے جانور، ان کا نشانہ ہوتے۔ کھانے کی اشیاء اکٹھا کرنا اور شکار کرنا انسان کی ابتدائی سرگرمیاں تھیں۔ اس دور میں انسان فطری قوتوں کے سامنے بے بس تھے۔ چنانچہ وہ زندہ رہنے، دفاع کرنے اور حملہ کرنے کے لیے گروپوں کی شکل میں زندگی گزارتے۔ اس کے نتیجے میں ابتدائی قسم کے انسانی گروہ وجود میں آ گئے۔ ان گروہوں کو ابتدائی انسانوں کے ''ریوڑ'' کہا جاسکتا ہے، یہ ابتدائی انسانی جتھے مکمل طور پہ وراثت اور عدم مساوات کے نظریئے سے ناواقف تھے۔ نہ ہی ان میں خاندان اور جائداد کو ملکیت بنانے کا شعور تھا، ان جتھوں سے جو بھی علیحدہ زندگی گزارتا اسے اجنبی سمجھتے اور بعض اوقات اسے دشمن بھی سمجھ لیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ اکٹھا رہنے کو ترجیح دیتے تھے جتھے سے علیحدہ زندگی خطرات سے بھرپور اور کسی بھی انسان کے بس میں نہیں تھی۔ ابتدائی انسان کی زندگی مشکلات اور خطرات سے پر تھی اسے ہمیشہ مناسب کھانا میسر نہیں آتا تھا۔ تقریباً نصف سے زیادہ لوگ بیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جاتے۔ کچھ لوگ جنگلی جانوروں کا شکار ہو جاتے اور کچھ کی موت بھوک اور بیماریوں سے ہوتی۔

ابتدائی پتھر کے عہد کے پہلے حصے کے اختتام پر برفیات کے ایک نئے سلسلے کا آغاز ہوا، ایشیاء اور یورپ کے وسیع علاقوں پہ برف پوش موسمی حالات سامنے آئے۔ بہت سارے جانور موسم کی اس بڑی تبدیلی کو برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اور وہ فنا ہو گئے یا اس خطہ سے نکل گئے۔ پھر انسان اس قابل ہوا کہ نئے حالات میں زندہ رہنے کی اہلیت حاصل کر لے۔ اس عہد میں اس نے آگ جلانے کا

ڈھنگ سیکھا۔ آگ کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ کیا ہے لیکن اسے استعمال کرنا اور محفوظ بنانا اسے حالات نے سکھا دیا۔ ابتدائی انسان آگ سے ایسے ہی خوف زدہ ہوتا جیسے جنگلی جانور، وہ لوگ جنگلی آگ سے اور خاص طور سے اس سے پیدا ہونے والی روشنی سے خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلتے، ابلتا ہوا لاوا جو آتش فشاں پھٹ جانے سے نکلتا وہ ان کے لیے مزید خوف وہراس کی وجہ بنتا، تاہم ان لوگوں نے آگ کی افادیت کو سمجھا، آگ انہیں سردیوں میں گرم رکھتی اور ان کا جنگلی جانوروں سے دفاع کرتی۔ جنگل کی آگ سے یا آتش فشاں سے آگ حاصل کر کے ابتدائی انسان نے کیمپ فائر روشن کی، یہ آگ ہر وقت جلتی رہتی اور اس میں لکڑیاں وغیرہ ڈالی جاتی رہیں۔ جب لوگ کسی اور جگہ منتقل ہوتے تو ساتھ سلگتے ہوئے انگارے بھی لے جاتے، جب لوگ رات کو الاؤ کے اردگرد بیٹھتے تو وحشی جانور ان پر حملہ نہ کرتے۔ یہ لوگ گوشت اور پودے اس آگ پہ پکاتے، جس سے ان اشیاء کا ذائقہ پہلے سے بہتر ہو جاتا۔ آگ جلانے اور اسے محفوظ کرنے کا طریقہ سیکھنے کے بعد انسان جانوروں سے اور زیادہ مختلف ہو گیا۔ ابتدائی انسان اکیلا نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ وہ آگ کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا اور اس کے لیے کھانے کا حصول ناممکن تھا۔ یہ لوگ مسلسل جلتی ہوئی آگ سے منسلک رہتے، مشترکہ طور پہ کھانے کی اشیاء حاصل کرتے اور انہیں مل جل کر کھاتے، ایک گروہ میں درجنوں افراد ہوتے، یہ گروہ مستقل نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ ان کے گردونواح جو کھاتے پینے کے قابل مواد ہوتا وہ ختم ہو جاتا اور یہ گروہ ٹکڑیوں کی صورت میں خوراک حاصل کرنے کے لیے نکل جاتے۔ ابتدائی انسانی اسی جگہ قیام کر سکتا تھا جہاں جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑے کی ضرورت نہ ہو، اور موسم ان سے مطابقت رکھتا ہو۔ ابتدائی انسان کے نشانات افریقہ، ایشیاء اور یورپ میں دریافت ہوئے ہیں۔

لاکھوں سالوں کے مسلسل عمل میں قدیم انسانوں نے پتھروں کو باریک یا تیز پتھروں میں تبدیل کرنا سیکھا، نیزے، چاقو وغیرہ بنانے سیکھ لیے، جب لوگ گودا کھانے کے لیے ہڈیاں توڑتے تو انہوں نے دیکھا کہ ان سے تیز دھار ٹکڑے بن جاتے ہیں۔ انہوں نے چمڑے میں سوراخ کرنے کے لیے ستال یا آر، مچھلیاں شکار کرنے وا لے نیزے، نوکیلے کونوں والے نیزے اور سوئیاں بنانا سیکھیں۔ لیکن پتھر کے اوزار اب بھی انسان کے لیے اہم تھے یہ پتھروں کی مدد سے ہڈیاں، لکڑی اور جانوروں کے سینگ کاٹ لیتے، لکڑیاں کاٹنے کے دوران انسان نے یہ دیکھا کہ جب ایک لکڑی کو دوسری سے کافی دیر تک رگڑا جائے تو چنگاری پیدا ہوتی ہے۔ یہاں اس کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ آگ کو کس طرح جلایا جا سکتا ہے۔ اب کیمپ فائر کوئی اتفاقی صورت نہیں تھی۔ آگ جلانا فطری قوتوں کے خلاف انسان کی پہلی بڑی کامیابی تھی۔

لوگوں کے گروہ جو نیزوں اور دیگر آلات سے مسلح ہوتے وہ جنگلی ہرن، بھینسے اور گھوڑوں کا شکار کرتے، شکاری جانوروں کے انبوہ کو راہ سے بھٹکا دیتے، انہیں لہراتے ہوئے نیزوں اور جلتی ہوئی لکڑیوں سے ڈراتے اور وہ ان جانوروں کو چٹانوں کی ایسی بلندیوں پر لے جاتے جہاں سے وہ انہیں

گہری کھالوں میں گرانے میں کامیاب ہو جاتے، شکاریوں کے یہ جتھے دیو قامت ہاتھیوں کا شکار بھی کرتے۔ یہ عظیم الجثہ ہاتھی اپنی سونڈ کے ایک ہی وار سے آدمی کو ہلاک کر سکتے تھے لیکن شکاری ان ہاتھیوں کو آگ سے خوف زدہ کرتے، گھیرے میں لے آتے اور انہیں جھاڑیوں اور لکڑیوں سے ڈھانپتے ہوئے کنوؤں میں دھکیلنے میں کامیاب ہو جاتے۔ ان کارروائیوں سے انسانوں کے پاس گوشت کی وافر مقدار ہو جاتی، لیکن اکثر و بیشتر لوگ بھوکے رہتے اور شکار کی تلاش میں۔ ان کی سب سے بڑی سرگرمی اب شکار بن چکا تھا، اس عمل سے انہیں صرف کھانا ہی حاصل نہیں ہوتا تھا بلکہ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا بھی۔ قدیم انسان شکار کئے ہوئے جانوروں کی کھالیں پہنتے۔ غاریں ان کے ابتدائی گھر کہلائے ان غاروں سے انسانوں نے چیتوں اور شیروں کو نکال باہر کیا۔ بعد میں لوگوں نے ہڈیوں اور چمڑے سے جھونپڑے بنانا سیکھ لیے۔ مچھلیاں پکڑنے والا نیزہ ایجاد کرنے سے ان لوگوں نے مچھلیاں پکڑنا شروع کر دیں، انسان بڑی مچھلی کے انتظار میں نیزہ سے مسلح ہو کر کناروں کے قریب قریب تیرتا اور مچھلی کا شکار کرتا۔

نہ صرف محنت کے اوزار اور انسانی سرگرمیاں تبدیل ہوئیں بلکہ یہ لوگ بھی تبدیل ہوئے، پتھروں کو توڑنا، کھالوں کو محفوظ کرنا، آگ محفوظ کرنا، سینگ کاٹ لینا، ان سرگرمیوں سے انسانی ہاتھوں میں نشوونما ہوئی اور اس کی حرکات میں کوئی ترتیب آئی۔ اس کی انگلیاں زیادہ مخروطی ہو گئیں، اوزار بناتے بناتے اس نے اوزار کی شکل کا تعین کیا کہ اسے کون سا اوزار استعمال کرنا ہے اور اس پہ کس طرح کام کرنا ہے، شکار کے عمل سے انہوں نے یہ سیکھا کہ پتھر کس طرح اور کب پھینکنا ہے اور شکاری کو کہاں ہونا چاہیے، کام سے انسانی دماغ کو نشوونما حاصل ہوتی اس کی جسامت میں اضافہ ہوا، اور اس کا ماتھا زیادہ کشادہ اور واضح ہوا، اور لوگوں کے درمیان باہمی مکالمے کا آغاز ہوا، اور انسان کوئی تیس ہزار سال پہلے اس طرح بن گیا جس طرح آج ہے۔۔۔ سائنس نے اسے ذہین انسان (Homo-Sapiens) کہا ہے معروف عالم اور انقلابی فریڈرک اینگلز نے کہا ہے کہ ''محنت نے انسان کو تخلیق کیا ہے۔''

۔۔۔ مشترکہ محنت اور مشترکہ جدوجہد۔: جو کہ انسانوں نے خطرات کے خلاف کی، اس سے لوگ باہمی طور پہ مربوط ہو گئے، تیس ہزار سال پہلے انسانی قبائل اور برادریاں وجود میں آ چکی تھیں۔ قبائل میں سینکڑوں یا درجنوں افراد ہوتے، یہ ایک دوسرے کے رشتہ دار اور ان کے آباؤ اجداد مشترکہ ہوتے، یہ لوگ ایک غار میں رہتے یا پھر کئی ایک جھونپڑے بنا لیتے، لوگ مچھلیاں پکڑتے یا شکار کرتے، عورتیں خوراک کے طور پہ استعمال کئے جا سکنے والے پودے تلاش کرتیں اور بچوں کی نگہداشت کرتیں، کھالوں سے چربی علیحدہ کر کے انہیں صاف کرتیں اور ان سے کپڑے بناتیں، عورتوں کی قبیلہ میں عزت ہوتی، عورتیں اور مرد جو خوراک اکٹھی کرتے اسے سب رشتے داروں میں مساوی طور پر تقسیم کیا جاتا، کھانے ہنڈیاں اور سینگ سب کی مشترکہ ملکیت ہوتے، بزرگ یا قبیلہ کے سب سے زیادہ تجربہ کار اراکین شکار

کرنے، اوزار بنانے اور تقسیم کے معاملات میں ہدایات دیتے۔ چنانچہ قبیلہ یا برادری متعلقہ افراد کا ایسا گروپ ہوتا جو مشترکہ رہائش اختیار کرتے، کام کرتے اور مشترکہ ملکیت رکھتے۔ قبیلہ گروہ کے مقابلے میں زیادہ متوازن اور منظم ہوتا، گروہ سے انسانوں کا قبیلہ یا برادری میں نمود کا مطلب تھا کہ لوگوں نے ارتقاء کے سلسلے کا ایک اہم مرحلہ حاصل کرلیا ہے۔ ابھی تک گروہ میں کچھ مشترکہ خصوصیات تھیں مثلاً مشترکہ ملکیت، ضروریات زندگی کی وہ اشیاء جو وہ گزارے کے مطابق باہمی طور پر تقسیم کر لیتے۔ ابتدائی لوگوں کا اس طرح کا طرز زندگی، جو وہ مل جل کر کام کرتے اور مشترکہ ملکیت رکھتے، اسے ابتدائی برادری نظام کہا جاتا ہے۔ جو لوگ اس نظام میں رہتے انہیں ابتدائی لوگ کہا جاتا ہے۔

فن اور مذہبی عقائد کی نمود:

کوئی ایک سو سال پہلے ایک ہسپانوی ماہر آثار قدیمہ نے ایک ایسی غار دریافت کی جہاں زمانہ قدیم میں انسان رہا کرتا تھا۔ غیر متوقع طور پہ اس نے غار کی چھت پہ بنی ہوئی تصاویر بھی تلاش کرلیں۔ اس ماہر نے پہلے تو یہ سمجھا کہ یہ تصاویر تھوڑی دیر پہلے ہی بنائی گئی ہیں کوئی بھی یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ قدیم انسان خاکے کھینچ سکتا تھا، لیکن بعد میں ایسی ہی تصاویر دوسری غاروں میں بھی دیکھی گئیں۔ ماہرین آثار قدیمہ نے انسانوں کی شبیہیں، سینگ اور ہڈیوں سے بنائے ہوئے لوگ اور جانور بھی دیکھے اب کسی کو یہ شک نہیں تھا کہ قدیم دور کا انسان تصاویر منقش نہیں کر سکتا تھا۔ فن کوئی تیس ہزار سال پہلے ظاہر ہوا، ابتدائی انسان نے وہ نقش و نگار بنائے جو کچھ اس نے اپنے گردونواح میں دیکھا۔ شکار کے مناظر، عظیم الجثہ ہاتھی، ہرن اور جنگلی سؤروں کے خاکے۔ کئی غاروں میں لوگوں کی تصاویر بنائی گئیں جو جانوروں کی نقلیں کر رہے ہیں لوگوں کے سروں پر سینگ اور پیچھے دم ہے وہ اس طرح رقص کر رہا ہے جس طرح کہ وہ ہرن کا چربہ کر رہا ہو، قدیم فن کے نمونے یہ بتاتے ہیں کہ ابتدائی دور کا انسان جانوروں کے متعلق کافی معلومات رکھتا تھا۔

اگرچہ ذہین انسان قدیم دور کے انسان سے مختلف تھا لیکن یہ ابھی تک فطرت کے تخریبی عناصر کے سامنے بے بس تھا، آسمانی بجلی، سیلاب، خطرناک بیماریاں ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھیں۔ پسماندہ لوگ جو ابھی تک قدیم زمانے کے انسان کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے انہوں نے ایک سائنس دان کو بتایا ''ہم خراب موسم سے خوف زدہ ہیں جس کے خلاف جدوجہد کر کے ہم خوراک حاصل کرتے ہیں، ہم غربت سے خوف زدہ ہیں جب ہم سرد موسموں میں جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ ہم بیماریوں سے ڈرتے ہیں جن کا سامنا ہمیں روزانہ کرنا پڑتا ہے ہم مردوں سے خوف زدہ ہیں اور ان جانوروں کی روحوں سے جن کا ہم نے شکار کر کے مارا ہوتا ہے، ہم ہر اس چیز سے ڈرتے ہیں جس کو ہم

نہیں جانتے۔'' ابتدائی ترین انسان صرف یہی جانتا تھا کہ نیچر کے خوف اور تباہ کاری سے بچنے کیلئے بھاگ جائے، ذہین انسانوں نے ان کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔

فطرت میں ہر شے جو انسان کے گردونواح میں واقع ہے حرکت میں ہے، چاند اور سورج طلوع ہوتے ہیں اور غروب ہو جاتے ہیں۔ بادل آسمانوں پہ تیرتے ہیں، پودے اگتے ہیں اور مرجھا جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات انسانوں کے قدموں تلے زمین بھی ہلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ان تمام قدرتی مظاہر کی حقیقی بنیادیں موجود ہیں، قدرتی سائنس میں ترقی سے ہم ان کی وجہات جاننے میں کامیاب ہوتے ہیں، ابتدائی لوگ قدرتی مظاہر کی حقیقی بنیادوں کو نہیں سمجھتے تھے اس لیے وہ مافوق الفطرت قوتوں پہ اعتقاد رکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہی قوتیں فطرت کو کنٹرول کرتی ہیں، ان کا خیال تھا کہ فطرت میں بھی وہ ہے جو کہ انسان سے زیادہ مضبوط ہے، روح آسمانی بجلی پیدا کرتی ہے تیز ہوائیں چلاتی ہے لوگوں کو بیماریوں میں مبتلا کرتی ہے اور ان کی شکار میں مدد کرتی ہے۔ لوگ چاہتے تھے کہ "Spirit" روح ان کی مدد کرے۔ یا وہ چاہتے تھے کہ یہ ان سے دور چلی جائے۔ ایک بیمار آدمی کے جسم سے بیماری ختم کرنے کے لیے یہ دھواں کرتے زور زور سے شور مچاتے اور لاٹھیاں چبھوتے۔ شکاری جانوروں کے شکار میں کامیابی کے لیے ان کی مردہ شبہیں یا علامتیں ظاہر کرتے۔ نیند اور موت جیسے قدرتی مظاہر کو سمجھنے سے قاصر، ابتدائی انسان کا عقیدہ تھا کہ انسانی جسم میں نظر نہ آنے والی روح موجود ہوتی ہے، سوتے وقت یہ روح جسم سے خارج ہو کر اڑ جاتی ہے اور دوسرے لوگوں کی روحوں سے ملاقات کرتی رہتی ہے۔ موت اس وقت واقع ہوتی ہے جب روح مستقل طور پہ انسانی جسم سے نکل جاتی ہے۔ یہ عقیدہ کہ مافوق الفطرت قوت یا کوئی غیبی طاقت قدرتی مظاہرات کو کنٹرول کرتی ہے انہیں مذہبی عقائد کہا جاتا ہے یہ عقائد ابتدائی انسان کی کمزوری کا نتیجہ تھے اور اس خوف کا اظہار جو انہیں مظاہرات قدرت سے تھا اور یہ بھی کہ ابتدائی لوگ ان مظاہر کی حقیقی بنیادوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔

تیس ہزار سال اور بیس ہزار سال قبل جو انسانوں کی قبریں دریافت ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انہوں نے روح پہ یقین کرنا شروع کر دیا تھا وہ مردہ جسموں کے ساتھ زیورات، اوزار اور کھانے پینے کی اشیاء دفن کر دیتے لوگوں کا خیال تھا کہ روح واپس آسکتی ہے اور ان اشیاء کا مطالبہ اور ضرورت محسوس کر سکتی ہے جو وہ زندہ حالت میں استعمال کرتا رہا تھا۔ کچھ قدیم آرٹ کے نمونے جن میں جانوروں کی اس قسم کی تصاویر بنائی گئیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے مافوق الفطرت قوتوں پہ یقین کرنا شروع کر دیا تھا۔ ابتدائی دور کے رسم و رواج کا مطالعہ کرنے سے بھی ان کے مذہبی عقائد کا علم ہوتا ہے، شکار پہ جانے سے پہلے آسٹریلیا کے قدیم باشندے (aborigines) کنگرو کی تصویر بناتے اور اس پہ نیزے پھینکتے۔

جانوروں کی افزائش نسل اور ابتدائی کاشتکاری کا آغاز:

کوئی تیرہ ہزار سال پہلے زمین گرم ہونا شروع ہوگئی گلیشئر آہستہ آہستہ پگھلتے رہے اور شمال کی طرف ہٹتے رہے، زمین پہ جنگلات اگ آئے اور جھاڑیاں ابھر آئیں، جو جانور سردی کے عادی ہو گئے وہ شمال کی جانب چلے گئے، عظیم الجثہ ہاتھی ناپید ہوگئے۔ انسانوں نے درختوں کے تنوں سے کشتیاں بنائیں اور دریا اور جھیلیں انہیں نہ روک سکے، لوگ بتدریج ایشیا اور یورپ کے شمالی حصوں میں آباد ہوگئے اسی دوران انسانوں نے جنگلی جانوروں کو بھی سُدھا لیا، جنگلی کتے انسانی آبادیوں کے اردگرد آوارہ گردی کرتے رہتے اور وہ انسانوں کا بچا کچھا کھانا کھاتے۔ ان کے بھونکنے سے لوگوں کو دیگر جنگلی جانوروں کی آمد کی اطلاع مل جاتی۔ کاشتکاریوں نے کتوں کو سُدھا لیا'' کتا پہلا گھریلو جانور بن گیا۔'' ایک با اعتماد چوکیدار اور کاشتکاریوں کا مددگار۔ کتا جانوروں کو تلاش کرتا اور ان کا پیچھا کرتا، لوگوں نے لچک دار چھڑی کے مڑنے اور اس کی سیدھا ہونے کی قوت کو سمجھا اور اس کے دونوں سروں کو ڈوری سے باندھ کر کمان بنا لی۔ اس طرح شکاری اس قابل ہوگئے کہ وہ تیر کی مدد سے کئی درجن یا سینکڑوں قدموں کے فاصلے پہ جانوروں کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ جب قبیلہ کے پاس خوراک کافی مقدار میں اکٹھی ہو جاتی تو وہ سور، بھیڑوں، بکریوں کو ہلاک نہ کرتے بلکہ انہیں ایک باڑے میں بند کر دیتے۔ لوگوں نے ان جانوروں کو سُدھا لیا سور، بکریوں، بھیڑوں اور گائیوں کی افزائش نسل شروع کردی۔ اس طرح یہ عمل شکار کا نتیجہ تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ کاشتکاری کی ابتداء بھی ہوئی، وہ عورتیں جو کھانے کے قابل سبزیاں یا اناج اکٹھا کرتیں انہوں نے ایک عظیم دریافت کی، انہوں نے اندازہ لگایا کہ ایک نیا پودا بیج سے نمودار ہوتا ہے جو کہ مٹی پر واقع ہوتا ہے۔ کھیتی باڑی کا آغاز خوراک اکٹھا کرنے کے عمل سے ہوا، یہ سلسلہ کوئی نو دس ہزار سال پہلے شروع ہوا۔ کاشتکاری کے لیے کلہاڑی، کھرپہ اور درانتی کی ضرورت ہوتی تھی۔ لوگوں نے ایک تیز دھار پتھر لاٹھی کے آگے باندھ کر کلہاڑا بنالیا کئی جانوروں کے جبڑوں کو بطور درانتی استعمال کیا گیا، جن میں تیز دھار پتھر کے ٹکڑے پھنسا دیے گئے۔ ابتدائی کاشتکار کا اوزار کھرپہ تھا۔ اس طرز پیداوار سے بہت کم فصل ہوتی لیکن یہ طریقہ کار قدرتی طور پر اُگی ہوئی سبزیاں اور دیگر کھانے کی اشیاء اکٹھا کرنے سے زیادہ سودمند تھا۔ زمین پہ کاشتکاری اور افزائشِ نسل کے ساتھ ساتھ یہ دستکاری بھی ترقی کرتی رہی۔ مادی طور پر دستکاری کہتے ہیں۔ پتھروں میں سے مختلف اشیاء بنانے میں لوگ کافی حد تک ماہر ہوگئے تھے۔ سات ہزار سال پہلے انہوں نے پتھر تراشنے اور اس میں سوراخ کرنے کا فن جان لیا تھا۔ یہ جاننے کے بعد کہ مٹی آگ میں پک جاتی ہے انسان نے برتن بنانا شروع کر دیے۔ انہوں نے مٹی اور پتھروں سے گھر بنائے۔ انہوں نے درختوں کی باریک شاخوں اور درختوں کی چھال سے ٹوکریاں بنانا شروع کردیں اس

سے انہیں یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ جال کس طرح بنے جاتے ہیں اور اون اور سن سے کپڑے کس طرح بنائے جا سکتے ہیں۔

خانوادہ اور قبیلہ:

انسان پتھروں اور ہڈیوں کے بنے ہوئے اوزاروں کے ذریعے اپنے طور پہ فصلیں کاشت کرنے اور کاٹنے کے قابل نہیں تھا۔ صرف ایک خانوادہ ہی مل جل کر جھاڑیوں اور جنگلات کو صاف کر کے زمین قابل کاشت بنا سکتا تھا، زمین کو ہموار کرنا، جنگلی جانوروں سے فصلوں اور جانوروں کو محفوظ رکھنا، یہ سارے خاندان کا کام تھا۔ مشترکہ طور پر کھیتوں سے فصلیں حاصل کی جاتیں اور مویشی سب کی مشترکہ ملکیت تھے۔ یہ باہمی طور پہ رشتے دار لوگ پتھروں سے جو چیزیں بناتے، مٹی سے برتن وغیرہ اون اور سن سے کپڑا بناتے، یہ سارے قبیلے کے لیے ہوتیں۔ جب کئی ایک خانوادے مل گئے تو ایک قبیلہ بن گیا اس سارے قبیلے کی ایک مشترکہ زبان اور مشترکہ رسم و رواج تھے۔ قبیلے کے معاملات بزرگوں کی ایک کونسل چلاتی، کونسل خانوادوں میں شکار، زمین برائے کاشت، برائے چراہگاہ تقسیم کرتی اور ان کے درمیان جھگڑوں کو نپٹاتی، بزرگوں کو خصوصی عزت و احترام دیا جاتا اور قبائل بزرگوں کے احکامات کی تعمیل کرتے، کئی ایک اہم معاملات کے فیصلے کے لیے وہ قبیلے کا اجتماع کر لیتے۔ کبھی کبھار قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی۔ متنازعہ مسائل، چراہ گاہیں اور قابل کاشت رقبہ اراضی ہوتا۔ جنگ کے دنوں میں قبیلے کے لئے ذرخیز اراضی پہ کاشت کاری اور جانوروں کی افزائش نسل ابتدائی انسان کے لیے انتہائی اہم مرحلہ تھی۔ پہلے تو انسان وہی کچھ حاصل کر پاتا جو اسے قدرتی طور پہ مل جاتا لیکن اب اس نے اپنی مرضی سے خوردنی پودے اُگائے، دیگر فصلیں کاشت کیں، افزائش نسل اور جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا۔

عدم مساوات کا آغاز:

انسانی سرگرمیوں کے حوالے سے اور پیداوار میں اضافے کے سلسلے میں اوزار سازی اور دیگر ضروریات کے لیے دھات کی دریافت اور اس کے استعمال کا علم ایک اہم حیثیت کا حامل ہے۔ زمانہ قدیم میں کچھ قبائل ان جگہوں پہ رہتے تھے جہاں تانبے کے بڑے ذخائر موجود تھے۔ عام طور پہ قبائل نے جس وقت مٹی کو پکانے کا فن جان لیا تو وہ آگ جلانے کے لیے پتھروں اور مٹی کے تھڑے یا فرش بناتے، جب وہ پتھروں کے ٹکڑے جن میں تانبا تھا آگ کی شدت سے پگھلے تو دھات کا انکشاف ہوا۔ لوگوں نے اس دھات کے پگھلنے اور سکڑنے کی خصوصیات کو استعمال کرنا شروع کر دیا اور جلد ہی کلہاڑے، چاقو، درانتی اور دیگر اشیاء تانبے سے بننے لگیں۔ ایسے ہی لوگوں نے سونے اور چاندی سے اشیاء بنانا سیکھ لیں۔ وہ

زمانہ جب بنیادی اوزار پتھروں سے بنائے جاتے تھے اس عہد کو پتھر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ زمانہ تانبے کے بنے ہوئے اوزاروں کے وجود میں آنے سے ختم ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی دھات کا زمانہ شروع ہوگیا، کچھ ملکوں میں تانبے کا کام چھ، سات ہزار سال پہلے شروع ہوا تھا اور کئی ملکوں میں کافی بعد میں۔ تانبا ایک ملائم دھات ہے اس سے بنائی گئی اشیاء تیزی سے قبول کی گئیں ابھی تک لوگ ہڈیوں اور پتھروں کے بنائے ہوئے اوزاروں سے کام کرتے تھے لیکن اب تانبے کے اوزاروں سے مزید اوزار زیادہ بہتر طور پہ بنائے جانے لگے۔ اسی دوران کاشتکاروں نے کھرپے کا حجم بڑا کرلیا اور اس کے پیچھے بڑا دستہ لگا دیا۔ کئی لوگ اس کو زمین پہ کھینچے اور ایک پیچھے رہ کر اسے زمین پر دبائے رکھتا۔ اس طرح یہ زمین کے اندر گہرائی تک چلا جاتا۔ اس سے کاشتکاری میں ترقی ہوگئی، انسان نے ہل کے آگے بیل کو جوت کر اس کی قوت استعمال کی، عورت کے لیے بیل اور ہل چلانا مشکل تھا اس لیے یہ عمل مرد کے لیے مخصوص ہوگیا۔ جس طرح پہلے زمین ساری برادری کی ملکیت تھی، اس کے تمام اراکین مشترکہ چراہ گاہوں میں جانور چراتے اور مشترکہ جنگلوں میں شکار کرتے، اب زمین پہ کاشتکاری بذریعہ ہل شروع ہوگئی اور اس عمل میں اب زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہ رہی۔ اوزاروں میں ترقی سے پیداواری عمل تیز ہوگیا، قبیلہ کے بزرگوں نے زمین کو قطعات کی صورت میں برادری میں تقسیم کردیا ہر ایک خاندان اپنا قطعہ اراضی کاشت کرتا اور اس عمل سے جو فصل حاصل ہوتی وہ بھی اسی خاندان کی ملکیت بن جاتی۔ برادری بطور اقتصادی یونٹ کے ٹوٹ کر گھروں میں تقسیم ہوگئی، برادری کی ساخت بھی تبدیل ہوگئی۔ مجموعی طور پہ تو وہ ایک ہی برادری کے باشندے تھے لیکن اب اس برادری میں ایک فیملی ایک اقتصادی یونٹ بن گیا اور کسان وجود میں آگئے۔ لیکن اس دوران ۔ دنئی صورتحال پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ برادری کے ارکان میں سے مساوات ختم ہونے لگی۔ بزرگوں اور سرداروں نے بڑے اور زرخیز قطعات اراضی اپنے پاس رکھ لیے۔ وہ جنگوں سے حاصل شدہ لوٹ مار کا مال اپنے پاس رکھ لیتے۔ اس طرح ان کے پاس مویشی، تانبا اور سونا عام لوگوں سے زیادہ ہوگیا، یہ سردار امیر ہونے لگے اور برادری کے دیگر افراد غریب رہے۔ سرداری ایک عارضی عہدہ تھا لیکن اب اس کی حیثیت مستقل بن گئی، سردار کا بیٹا سردار بنتا اور امیر کا بیٹا امیر کسی فرد کی حیثیت کا انحصار اس کی خوبیاں اور خصوصیات نہ رہے بلکہ اس کا تعلق اس خاندان سے ہوگیا جس میں وہ پیدا ہوا۔ سرداروں کے خاندانوں کو امرا خاندان کہا جانے لگا اور انہوں نے قبائل پہ اپنے اقتدار کو مضبوط کرلیا۔ عدم مساوات جو اس عہد میں پیدا ہوئی اس کا اندازہ ان قبروں سے لگایا جاسکتا ہے جو ماہرین آثار قدیمہ نے دریافت کی ہیں۔ کئی قبروں میں قیمتی زیورات، کھانے کے برتن اور اوزار وغیرہ مرنے والے کے ساتھ دفن کردیئے جاتے۔ اشیاء کی موجودگی قبیلہ یا برادری میں اس کی سماجی و معاشی حیثیت سے آگاہ کرتی ہے۔ معاشی یونٹ کے طور پہ قبیلہ اور برادری کا ٹوٹ جانا اور لوگوں میں عدم مساوات کا ظہور ابتدائی برادری نظام کے لیے موت کا

سبب بنا۔

کاشتکاروں کے مذہبی عقائد:

جس طرح لوگوں کی زندگی تبدیل ہوئی ایسے ہی ان کے مذہبی عقائد بھی بدلے۔ سورج جوان کی فصلوں کو تپش فراہم کرتا، بادل جوان کی فصلوں کو پانی دیتے اور بیج جوان کی زمینوں پر اگتے، دراصل یہی مظاہرات ان کی زندگی میں بنیادی جزو کی حیثیت سے درپیش تھے۔ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ روح ایک طاقتور دیوتا ہے جس کی خواہش اور حکم سے موسم بہار آتا ہے اور اسی کے حکم سے فصلیں اگتی اور پکتی ہیں۔ لوگ دیوتا کو انسان یا جانور کی شکل میں تصور کرتے۔ لوگوں نے پتھروں اور لکڑیوں کو تراش کر ان تصورات کو مجسم حالت میں پیش کیا، جنہیں بت کہا جاتا ہے (ہندوستان میں لکڑی کے بتوں کی پوجا کی جاتی، جانوروں اور انسانی کی قربانیاں یورپ میں ملتی ہیں۔) دیوتاؤں کے لیے بطور نذرانہ تحفے اور پالتو جانوروں اور یہاں تک کہ انسانوں کو قربان کیا جاتا۔ بتوں کے ہونٹ قربان ہونے والوں کے خون سے رنگے ہوتے۔

کاشتکاروں نے گرمیوں کو فصلوں کا وقت قرار دیا، کسان ایک فصل سے دوسری فصل تک کے وقت کو گنتے اس طرح وقت کو سالوں میں گنا جانے لگا۔ بعض جگہوں پہ لوگوں نے سالوں کی گنتی کا تعین یاد داشت میں محفوظ واقعات سے کیا مثلاً وہ زمانہ یا دور جب سیلاب آیا تھا یا جب کسی قصبے یا دارالحکومت کی بنیاد پڑی وہیں سے وقت کا تعین کرلیا۔ مختلف ملکوں میں مختلف سالوں کا سلسلہ رائج تھا۔

"ANNO Domini"AD حضرت عیسیٰ کی پیدائش:

کوئی دو ہزار سال پہلے ایک کہاوت وجود میں آئی کہ جنت بریں سے خدا زمین پہ اتر آیا اور وہ یسوع مسیح کے نام سے دنیا پہ رہا، اگرچہ کہاوتیں گھڑی جاتی ہیں لیکن بہت سارے لوگ ان پہ یقین کرتے ہیں، یہ قصہ پانچ، چھ سو سال بعد کئی ملکوں میں زبان زدِ عام ہوا۔ جب یہ کہاوت منظرِ عام پہ آئی تو کہا گیا کہ عیسیٰ اس وقت پیدا ہوئے جب روم کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ چنانچہ سالوں کی گنتی اس وقت سے شروع ہوگئی۔ ہم نے انہی تاریخوں کو نافذ کرلیا کیونکہ بہت سارے لوگ اس کو اپنائے ہوئے تھے۔ جو وقت حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے اسے Anno Domini مختصراً AD کہتے ہیں۔ عیسیٰ سے پہلے کے سالوں کی گنتی اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اہم واقعات جو عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے کے ہیں انہیں Before Christ مختصراً BC یا اردو میں قبل مسیح (ق۔م) کہتے ہیں۔

○

باب 2:

مشرق وسطیٰ

مصر:

زمانہ قدیم میں دنیا کے دیگر خطوں کی طرح مصری بھی ابتدائی برادری نظام میں رہتے تھے۔ قدیم مصر شمال مشرقی افریقہ میں واقع، ان ملکوں میں شامل ہوتا ہے جہاں کاشتکاری تیزی سے ترقی کر گئی اس علاقے میں بارش کبھی کبھار ہوتی ہے آب و ہوا گرم ہے پھریلا اور ریتلا صحرا جو ہزاروں کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے دنیا کے عظیم دریاؤں میں سے ایک دریائے نیل جنوب سے شمال تک انہی صحراؤں میں سے گزرتا ہوا بحیرہ روم میں جا گرتا ہے۔ دریائے نیل وسطیٰ افریقہ میں یوگنڈا کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے اور مصر کی سرحد میں داخل ہونے پر دریائے نیل پانچ، چھ سو میل تک ایک خشک اور اونچے پلیٹو کے درمیان سے گزرتا ہے تو اس کی وادی بہت کشادہ ہو جاتی ہے۔ آگے بڑھ کر دریا کی کئی شاخیں بن جاتی ہیں اور دریا کا پانی ان شاخوں میں بٹ کر چار سو میل لمبے قوسی ڈیلٹا کو سیراب کرتا ہے۔ ڈیلٹا کا یہ علاقہ اس مٹی سے بنا ہے جو دریائے نیل اپنے ساتھ بہا کر لاتا ہے اور یہ جنوبی خطے کی نسبت زیادہ زرخیز ہے۔ موسم گرما کے شروع میں وسطیٰ افریقہ میں کافی بارش ہوتی ہے جس سے دریا میں بتدریج سیلاب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ دریائے نیل کی وادی میں سیلاب آ جاتا ہے۔ سیلاب کی صورت میں کئی ایک آبی پودے دریائے نیل میں بہتے ہوئے نشیبی علاقوں تک پہنچ جاتے، پانی چمکتا ہوا سبز ہو جاتا اور چٹانوں کے کٹاؤ کی وجہ سے جو مٹی پانی میں شامل ہوتی اس سے یہ پانی خون کی طرح سرخ ہو جاتا، نومبر میں پانی دریا میں بتدریج کم ہونے لگتا اور یہ واپس اپنے کناروں میں چلا جاتا اس طرح زمین کو صرف نمی ہی نہیں مل جاتی تھی بلکہ زمین پہ ایک تہہ زرخیز مٹی کی بھی جم جاتی۔ نیل کا سیلاب پوری وادی کو سیراب نہیں کرتا تھا ایک لق و دق صحرا اس کے فیض سے محروم رہتا۔ نشیبی علاقوں میں پانی کھڑا ہو جاتا جس سے دلدلیں پیدا ہو جاتیں اور

جھاڑیاں اگ آتیں، ان جھاڑیوں میں شیر اپنا شکار تلاش کرتے اور دلدلوں میں زہریلے سانپ پیدا ہو جاتے۔ اور دلدلوں کے تعفن میں بخار کے جراثیم پیدا ہوا کرتے۔ مصریوں نے نشیبی علاقوں کی طرف نہریں نکالیں، جھاڑیوں اور گھاس سے زمینوں کو صاف کیا انہوں نے بارشی گھاس اور مٹی کو ملا کر پشتے تعمیر کئے۔ پشتوں میں دروازے لگائے گئے اور سیلاب کے دنوں میں پانی انہی کے ذریعے آتا تھا، جن زمینوں تک نہروں کا پانی نہیں پہنچ پاتا تھا، وہاں پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کنوئیں تعمیر کئے گئے۔ جن میں سیلاب کے پانی کو اکٹھا کرلیا جاتا، پھر اسے لکڑی کے بڑے لیور کی مدد سے کھیتوں تک پہنچایا جاتا۔ صحرائی ہوائیں نہروں کو ریت سے پر کردیتیں لیکن مصری ان کو صاف کرلیتے۔ سیلاب کا بہاؤ پشتوں کو توڑ دیتا لیکن یہ دوبارہ تعمیر کرلیے جاتے۔ لوگوں کو مسلسل محنت نے مصر کے وسیع وعریض علاقے کو قابل کاشت بنادیا۔ سیلابوں کی چھوڑی ہوتی زرخیز، نرم اور ملائم مٹی بڑی آسانی سے قابل کاشت ہوگئی۔ زمین چونکہ عمومی لحاظ سے سرسبز وشاداب تھی اس لیے مصریوں نے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی بنالیے۔ زراعت مصریوں کا اہم پیشہ تھی جو، گندم اور سن وادی اور ڈیلٹا میں اگتے اور سبزیاں اور پھل باغوں میں پکتے۔ قدیم مصر میں کاشتکار مٹی اور گھاس پھوس کی جھونپڑیاں بناتے، کپڑا بنتے، ہل اور مٹی کے برتن بناتے، وہ جو اپنے ہمسایوں سے زیادہ بہتر طور سے اشیاء بنانا جانتے تھے انہوں نے زمین کاشت کرنا چھوڑ دی اور وہ ترکھان، برتن ساز، جولاہے اور دوسرے دستکار بن گئے، دستکاروں کے بچے اپنے بچپن ہی سے کام کاج میں مدد کرتے اور کام سیکھتے، ہتھیاروں، تانبے کے اوزاروں اور سونے کے زیورات کے لیے زیادہ محنت اور مہارت درکار تھی۔ پہلے پہل تو دستکار صرف اس لیے اشیاء بناتے کہ وہ اپنی برادری سے اناج حاصل کر سکیں اور تبادلے میں دوسری اشیاء حاصل کرتے۔ انہوں نے دوسری برادریوں سے بھی اشیاء کا تبادلہ شروع [illegible]یا۔ دریائے نیل ایک بہترین مواصلاتی ذریعہ تھا جس کے ذریعے اشیاء کا تبادلہ باآسانی ہو جاتا۔ نیل میں کشتی رانی سارا سال ممکن تھی۔ دستکاروں کا تیار شدہ مال کشتیوں کے ذریعے ادھر ادھر جاتا آتا رہتا۔ نیل کے کناروں پہ قصبوں کی بنیاد پڑنے لگی اور یہاں مال کا تبادلہ ہوتا دستکاروں نے یہاں آباد ہوکر اپنی ہنرمندی کو اجاگر کیا۔ لوگوں کی بے پناہ محنت نے دریائے نیل کی وادی کو ایک زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقے میں تبدیل کردیا جس سے آبادی میں اضافہ ہوا اور زراعت کو بے پناہ ترقی حاصل ہوئی۔

مصر میں طبقات کا آغاز:

ابتدائی دور میں شکاریوں کو شکار کے ذریعے بہت کم خوراک حاصل ہوتی۔ یہاں تک کہ بوڑھوں اور بچوں کو اپنے طور پہ خوراک حاصل کرنا پڑتی۔ مصر میں زمین پہ کاشتکاری کرنے والے شکاریوں سے زیادہ اناج حاصل کرلیتے تھے خاص طور پہ ہل کی ایجاد کے بعد انہوں نے دریائے نیل کی وادی میں

بہترین فصلیں حاصل کیں۔ ایک شخص اپنی ضرورت سے زیادہ اناج پیدا کر لیتا اور مویشی پال لیتا، یہاں تک کہ وہ اناج کا ذخیرہ بھی کر لیتے چنانچہ اب یہ کام منافع بخش ہو گیا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو کام پہ لگا کر پیداوار میں اضافہ کیا جائے۔ دستکاروں کو اناج اور مویشی دیکر تانبا، سونا اور ہاتھ سے بنی ہوئی دیگر اشیا حاصل کر لی جاتیں۔ مصر میں زراعت کی ترقی سے لوگوں کا استحصال کرنے کے مواقع بھی پیدا ہو گئے۔ استحصال زدہ لوگوں کا مطلب ہے کہ وہ لوگ جو اپنی محنت سے جو کچھ پیدا کریں وہ کوئی اور حاصل کرے، دوسروں کی محنت پہ قبضہ کرنا مطلب ہے استحصال کرنا۔

پہلے پہل مصری ان جنگی قیدیوں کو ہلاک کر دیتے جو قبائل کے درمیان جنگوں میں پکڑے جاتے اس لیے قیدیوں کو مصر میں ''مردہ لوگ'' کہا جاتا۔ جب انسانی محنت سے پیداوار میں اضافہ ہونے لگا، قیدیوں کو ہلاک کرنے کا رواج ختم ہو گیا۔ امرا انہیں غلام بنا کر رکھ لیتے، غلام کو ''زندہ مردہ'' کہا جاتا تھا صبح سے شام تک یہ غلام کنوؤں سے پانی نکالتے تا کہ کھیتوں کو سیراب کیا جا سکے، نہریں کھودتے، پشتے تعمیر کرتے اور عمارتوں کے لیے پتھر کاٹتے، غلام کی کوئی جائیداد نہیں ہوا کرتی تھی اور یہ خود اپنے آقاؤں کی ملکیت ہوا کرتے اور غلاموں کا آقا ہر اس چیز کا مالک ہوتا جسے غلام پیدا کرتے۔ غلام کو صرف اتنا کھانا دیا جاتا کہ وہ زندہ رہ سکے اور کام کر سکے، غلام آقاؤں کے تشدد کا نشانہ بنتے، اسے فروخت کر دیا جاتا یہاں تک کہ آقا اسے ہلاک بھی کر دیتے۔ مصر میں غلاموں کی تعداد برادری کسانوں سے کم تھی غلاموں نے آبپاشی اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے ندیوں کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ مالکان غلاماں نے پانی کی تقسیم اور اس کے متعلقہ کام پہ غلبہ حاصل کر لیا۔

مصر کی زیادہ تر زمین پر کسانوں کے ذریعے کاشت کی جاتی تھی، ہر ایک کسان اپنے قطعہ اراضی پر اپنے ہی اوزاروں سے کاشت کرتا۔ علاوہ اس کے وہ نہریں کھودکے، پشتے تعمیر کرتے اور زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لیے صاف کرتے۔ امرا نظام آبپاشی اور پانی کی سپلائی جیسے کام کی نگرانی کرتے، انتہائی زرخیز زمینوں پر وہ خود قبضہ کرتے انہوں نے کسانوں پہ بتدریج اپنی قوت مضبوط کر لی، اب کسانوں کو اپنی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ اور مویشی امرا کے حوالے کرنا پڑتے کیونکہ نظام آبپاشی پہ امرا کا قبضہ تھا اور وہ افرادی قوت کے لحاظ سے بھی طاقتور تھے۔

مصر میں تین اور چار ہزار سال قبل مسیح میں استحصال کرنے والا اور استحصال زدہ طبقے وجود میں آ گئے اس لحاظ سے غلاموں کا طبقہ انتہائی بری حالت کا شکار تھا۔ استحصال کرنے والا طبقہ مالکان غلام پہ مشتمل تھا یہ آقا کوئی کام نہیں کرتے تھے بلکہ غلاموں کی محنت پہ زندہ تھے۔ یہ دوسرے افراد سے مختلف نظر آتے ان کا لباس بہترین، ان کے پاس تانبے کی تلوار، جس کا دستہ سونے کا ہوتا، ان کے ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں اور گلے میں سونے کا ہار۔ غلاموں کے آقا پر آسائش مکانوں میں رہتے جن کے اردگرد

باغات اگے ہوتے۔ وہ سردار جو سب سے امیر اور زیادہ سے زیادہ غلاموں اور وسائل پہ قابض ہوتا وہ سب سے بڑا سردار ہوتا۔ مصر میں غلام رکھنے کا دور شروع ہوگیا، غلام داری دور میں کچھ لوگ کئی انسانوں کو غلام بنائے رکھتے۔ ان کا استحصال کرتے اور ان کی محنت اور زندگی اپنے لیے استعمال کرتے۔

ابتدائی ریاستیں:

قدیم مصر میں ریاست کا ظہور:

استحصال کرنے والوں اور استحصال زدہ کے وجود میں آتے ہی ان دو طبقوں کے درمیان کشمکش کا آغاز ہوا۔ نچلے طبقے نے بالائی طبقات کے خلاف جدوجہد شروع کردی، کسانوں نے امرا کی طرف سے کیے جانے والے استحصال، ان کی سخت محنت و مشقت سے حاصل شدہ پیداوار سے حصے کے مطالبے پہ سخت مزاحمت کی۔ کسانوں نے اپنی سابقہ آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کی اور امرا کے لیے محنت کرنے سے انکار کردیا۔ کسانوں اور غلاموں کی مزاحمت کو صرف طاقت کے زور سے ہی کچلا جا سکتا تھا اور طاقت ہی انہیں آقاؤں کی تابع فرمانی پہ مجبور کرسکتی تھی۔ غلام داروں نے قبیلہ کے سردار سے مدد کی درخواست کی چونکہ دولت مند سرداروں کے پاس دولت عام تھی اور انہوں نے کئی محافظ اور جنگجو رکھے ہوئے تھے۔ اس مقصد کے لیے کہ وہ بھاگے ہوئے غلاموں کو پکڑ لاتے اور انہیں قید کرلیتے ان پہ تشدد کرتے اور بعض اوقات غلاموں کو ہلاک کردیا جاتا، محافظوں اور جنگجوؤں کی تعداد میں اضافے سے سردار کی قوت میں اضافہ ہوتا گیا وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر قبیلے کے سیاہ و سپید کا مالک بن گیا۔ اب وہ تمام مسائل خود نپٹاتا۔ اب یہ سردار اختیار اور قوت کے لحاظ سے بادشاہ بن چکا تھا کوئی چار ہزار سال ق م میں مصر میں ریاستوں کا قیام عمل میں آیا، ان ریاستوں کے سربراہ محافظوں، جنگجوؤں اور قید خانوں پہ انحصار کرکے حکومت کرتے۔ ریاست ایک ایسی قوت تھی جس کے ذریعے غلام داروں نے استحصال زدہ کسانوں اور غلاموں پہ غلبہ برقرار رکھا۔

فرعون کے عہد میں مصر کا اتحاد:

پہلے پہل مصر میں چالیس ریاستیں تھیں ان کے بادشاہ اکثر آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ فاتح بادشاہ شکست خوردہ بادشاہ کی قلمرو کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیتا۔ ایک بادشاہ نے شمالی مصر کو فتح کرلیا جسے نیل کا ڈیلٹا کہتے ہیں اور دوسرے نے جنوبی علاقہ جو دریا کی وادی کہلاتا ہے فتح کرلیا، کوئی تین ہزار سال قبل مسیح میں جنوبی علاقے کے بادشاہ نے شمالی مصر کو فتح کرلیا۔ اب وادی نیل اور ڈیلٹا تک پھیل ہوئی

سلطنت جو بحیرہ روم کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی، ایک ریاست بن گئی اور اس کا دارالحکومت میفس میں قائم کر دیا مصری ریاست کے بادشاہوں کو فرعون کہتے تھے۔ فرعون کے لامحدود اختیارات تھے ان بادشاہوں کا لوگوں پہ تمام مصر کی زمینوں اور پانیوں پہ اقتدار تھا، فرعون کی موت کے بعد اقتدار اس کے بیٹے یا اس کے کسی عزیز رشتے دار کو منتقل ہو جاتا۔

2800 ق م میں جب فرعون زوسر کا عہد تھا، مصری سلطنت ایک وسیع وعریض قوت بن گئی دریائے نیل کے جنوب کی طرف نوبیا کی طرف مصری فوج نے کئی ایک مہمات کیں اور صحرائے سنیا بھی ان کے حملوں سے محفوظ نہ رہا، ایک مصری کمانڈر نے غیر ملکی فوجی مہمات کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

فوجی فاتحانہ حیثیت سے واپس آئے
ہمسایہ ملک کو تباہ کرتے ہوئے
اس کے باغات اور انگور کی بیلیں اکھاڑتے ہوئے
اس کے دیہاتوں میں ہڈیوں کی آگ جلاتے ہوئے
ان کے ہزاروں افراد کو ہلاک کر کے
لاتعداد افراد کو قیدی بنالائے
اور بادشاہ نے اس پر مجھے شاباش دی۔

(Zoser) زوسر اور اس کے بعد آنے والے فرعونوں نے اہرام تعمیر کروانے کے حکم صادر کیے اہرام پتھروں کے بنائے ہوئے مقبرے تھے جن میں فرعونوں کی لاشیں رکھی جاتیں۔ فرعون کیوپس نے 2600 ق م میں، سب سے بڑا اہرام تعمیر کروایا، یہ تقریباً 150 میٹر بلند ہے اس کے گرد ایک چکر ایک میل مسافت بنتا ہے۔ یہ چٹان کے پتھروں کے 2300 بلاکوں سے بنا ہے اہرام کے اندر گہرائی میں ایک تنگ راستہ ہے آخر کار ایک چھوٹے سے کمرے میں جا کر ختم ہوتا ہے اور اس کمرے میں فرعون کی لاش رکھی ہے۔ جن پتھروں سے اہرام تعمیر کیا گیا ہے ان میں چھوٹے سے چھوٹے پتھر کا وزن ڈھائی ٹن ہے۔ قدیم یونانی مفکر ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ کس طرح اہرام تعمیر کیے گئے، سرکاری اہلکاروں نے پورے ملک سے کسان اور غلام اہرام تعمیر کرنے کے لیے بھرتی کئے گئے ایک وقت میں ایک لاکھ افراد نے اس تعمیر میں حصہ لیا، کچھ پہاڑوں میں پتھر کاٹتے کچھ ان کو گھوڑا گاڑیوں میں لادتے، کچھ ان کی تعمیر میں پتھروں کو مناسب جگہوں پہ رکھتے۔ نگران جب کام کرنے والوں پہ کوڑے برساتے، پتھر کی چٹانوں سے اہرام تک سڑک کی تعمیر تک تیس سال لگے اور اس دوران اہرام بھی تعمیر ہوئے۔ جب کسان اور محنت کش اہرام تعمیر کر رہے تھے تو ان کی زمینوں پہ جہاں وہ کاشتکاری کیا کرتے تھے جھاڑیاں اور گھاس اُگ آئی، کھیتوں کو سیراب کرنے والی زمینیں ریت سے بھر گئیں اگرچہ تین ماہ کے بعد افرادی قوت کا کثیر حصہ بدل دیا جاتا،

لیکن اس کے باوجود ہزاروں افراد غیر انسانی سلوک، بے پناہ مشقت اور تشدد سے ہلاک ہو گئے۔ ابوالہول (مصر میں واقع ایک قدیم مجسمہ) ٹھوس چٹانوں کی تراش خراش کر کے بنایا گیا، یہ اہرام کے قریب ہے یہ کوئی بیس میٹر بلند ایک شاندار مجسمہ ہے جس کا چہرہ فرعون کا اور باقی حصہ شیر جیسا ہے۔ لوگوں کے لیے یہ دیو قامت مجسمہ اتنا خوفناک تھا کہ وہ اسے ''دہشت کا باپ'' کہا کرتے۔ آج بھی صحراؤں میں تعمیر شدہ اہرام فرعون کی لامحدود قوت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

طرز حکومت اور طبقاتی جدوجہد:

پورے ملک پہ اپنا غلبہ مضبوط رکھنے کے لیے فرعونوں نے مختلف علاقوں میں اپنے حکمران نامزد کیے۔ ان حکمرانوں کے زیر اثر کثیر تعداد میں سرکاری افسران ہوتے، ان کے محافظوں اور جنگجوں کی بھی کثرت تھی، یہ لوگ حکمرانوں کے احکامات کے منتظر رہتے، اور جو لوگ غلام داروں کی جائیدادوں کے لیے خطرہ بنتے اور فرعون کے احکامات کی حکم عدولی کرتے ان کے خلاف مقدمات کی سماعت کرتے، فرعون نے حکم جاری کیا کہ ''باغیوں کو کچل دو اور انہیں ہلاک کر دو، اور باغیوں کے رشتے داروں کو بھی تباہ کر دو اور انہیں لوگوں کے ذہنوں سے بھی صاف کر دو۔'' ایک افسر نے کہا ''سب سے زیادہ خطرناک دشمن غریب ہیں، میں ان کو دہشت زدہ رکھنا پسند کرتا ہوں، میں قیدیوں کو گھٹنوں کے بل کر دیتا ہوں اور باغیوں کو مجبور کرتا ہوں کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کریں اس لیے ان پر تشدد کیا جاتا ہے۔'' ان افسروں کی خدمات کے عوض انہیں مویشی اور غلام دیئے جاتے، فرعون نے اپنے بیٹے کو سکھایا ''اپنے امراء کا مرتبہ بلند کرو، اپنے جنگجوؤں کو ترقی دو، انہیں زمین اور مویشی دو۔'' سرکاری اہلکار اس بات کا ریکارڈ رکھتے تھے کہ ایک کسان کے پاس کتنی زمین کتنے مویشی اور کتنے درخت ہیں۔ کسانوں کو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اناج کی صورت میں ٹیکس ادا کریں۔ سارے مصر میں اناج کے گودام تھے، جو کسانوں سے وصول شدہ غلے سے بھرے رہتے۔ یہ اناج امراء جنگجوؤں اور سرکاری اہلکاروں اور محافظ میں تقسیم کیا جاتا، اگر فصلیں خراب ہوتیں اور کسانوں کے پاس بطور ٹیکس ادا کرنے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو ان کی شامت اعمال آ جاتی۔ ایک افسر نے یہ کہانی سنائی ''کسانوں کو خبردار کر دو، ٹیکس کلکٹر ان کے علاقے میں آیا ہے اس کے ساتھ محافظ ہیں اور وہ لاٹھیوں اور چاقوؤں سے مسلح ہیں وہ فصل کا اندازہ لگاتا ہے اور کسانوں سے اناج کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہاں اناج نہیں ہے اور وہ کسانوں کو مار پیٹ رہے ہیں، کسان اور اس کے بیوی بچے سب پابند ہیں۔'' ''کسان کی زندگی اتنی آسان ہے جتنی اس انسان کی جو شیر کے پنجوں میں ہو۔'' ٹیکس ادا کرنے کے علاوہ کسانوں پہ مشقت کی ذمہ داری بھی تھی۔ ان سے پشتوں کی مرمت اور نہروں کو صاف کرنے کا کام لیا جاتا، کسان، امراء اور فرعون کے محلات کے لیے پتھر لاتے۔

بہت سارے دستکاران دکانوں پر کام کرتے جو فرعون یا امراء کی ملکیت ہوتیں، ان پر نگران مقرر ہوتے، ایک قدیم مصری دستکار کی زندگی کو یوں بیان کرتا ہے'' کپڑا بننے والا سارا دن کھڈی پر بیٹھا رہتا ہے سن کی دھول اور ریشے سانس کے ذریعے اس کے اندر چلے جاتے وہ اپنی روٹی نگران کو دے دیتا ہے کہ وہ اسے تازہ ہوا کے لیے باہر جانے دے، اگر وہ اپنا کام نہیں کرتا تو اسے ظالمانہ طور پر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ترکھان، کسان سے زیادہ بری حالت میں ہے اسے اتنا کام کرنا پڑتا ہے جتنا کہ اس کے ہاتھ کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ رات کو بھی کام کرتا ہے۔ معمار جو امراء کے محل تعمیر کرتا ہے اس کے پاس کھانے، کے لیے روٹی نہیں ہوتی اور اس کے کپڑوں کی انتہائی خستہ حالت، میں نے کوڑے لگتے دیکھے ہیں۔''

کیا مصری کسانوں، دستکاروں اور غلاموں نے ہمیشہ فرعونی اقتدار کی تابع فرمانی کی، اس کا جواب ایک دستاویز سے ملتا ہے جس میں بغاوت کا تذکرہ ہے یہ بغاوت 1750 ق م کے قریب رونما ہوئی اس دستاویز کو یہاں نقل کیا گیا ہے اس سے یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ بغاوت ختم کس طرح ہوئی لیکن یہ علم ہوتا ہے کہ غلام داروں نے مصر کی تمام قوتوں کو اکٹھا کر کے فرعون کے اقتدار کو بحال کر دیا۔

''لوگوں نے شاہی اقتدار کے خلاف بغاوت کی جسے خدا نے قائم کیا تھا، دارالحکومت پر صرف ایک گھنٹے میں قبضہ کر لیا گیا اور غریبوں نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا۔ حکمرانوں نے بھاگ نکلنے کو عافیت سمجھا۔ سرکاری افسران ہلاک کر دیئے گئے اور وہ فہرست جس کے مطابق ٹیکس اکٹھا کیا جاتا تھا ضائع کر دی گئی۔ غریب لوگ بڑے بڑے محلات میں داخل ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے شاندار کپڑے پہن رکھے تھے انہیں لاٹھیوں سے مارا گیا۔ جو مالک تھے وہ جائیداد کھو بیٹھے اور وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی جوڑی بھی نہیں تھی وہ ریوڑوں کے مالک بن گئے وہ جن کے پاس اناج تھا انہوں نے خود بخود دے دیا۔ غلام غلاموں کے مالک بن گئے۔ یہ میرے دل کی بدقسمتی ہے کہ میں کس طرح افسوس کروں کہ اس دور میں کتنے خطرات تھے۔''

مصری ریاستوں کا عروج وزوال:

2000 ق م اس دور کے وسط میں مصریوں نے معیشت کے معاملے میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں، مصری ریاست کے وجود سے وسیع پیمانے پر آبپاشی اور زراعت میں ترقی ہوئی، ہر سال سرکاری عہدیدار ہزاروں کسانوں اور غلاموں کو کام کرنے کے لیے اکٹھا کرتے، کسان اور غلام نہریں کھودتے، ان علاقوں میں جو دریاؤں سے دور ہوتے، وادی نیل کا وسیع رقبہ قابل کاشت ہو گیا، مصریوں نے ایشیاء سے لائے ہوئے گھوڑوں اور اونٹوں کی افزائش کی ...ریوں نے تانبے اور ٹن کو ملانے کی

ترکیب سیکھی، اس مرکب کو کانسی کہتے ہیں، یہ مرکب تانبے سے سخت اور مضبوط تھا، مصری ریاست کا نیا دارالحکومت تھیبز ایک بڑا اور خوبصورت شہر بن گیا۔

ملک کی معیشت کے مضبوط ہونے اور آبادی میں اضافے سے فرعون اس قابل ہوئے کہ وہ ایک بڑی فوج تیار کریں اور اسے اعلیٰ ہتھیاروں سے مسلح کریں۔ فوج کے ہراول دستے کا زیادہ حصہ کسانوں سے بھرتی کیا جاتا، ہراول دستے کے فوجی نیزوں، کلہاڑیوں، تلواروں اور بڑی کمانوں سے مسلح ہوتے، مصری افواج میں ایسی گھوڑا گاڑیاں شامل کی گئیں جن پر سوار دشمن پر حملہ کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔

1500 ق م کے قریب ٹوتھموسیس سوم نے ایشیا پر حملہ کیا اور صرف ایشیا میں ہی سترہ فوجی مہمات کیں اور شام، فلسطین اور لیبیا کو فتح کر لیا۔ شمال میں مصری سلطنت دریائے عرفات تک پھیل گئی جنوب میں مصری سرحدیں نبیا تک تھیں جو سونے کی کانوں کے لیے مشہور تھا۔ فرعونوں نے مفتوح علاقوں کو بے رحمانہ انداز میں لوٹ مار کا نشانہ بنایا، اونٹوں کے قافلے جو سونے اور ہاتھی دانتوں سے لدے ہوئے تھے مصر میں لائے گئے جنگجو گھوڑوں اور مویشیوں کی کثیر تعداد اکٹھی کر کے مصر لائے اس کے علاوہ ایشیا سے جہازوں کے ذریعے لوٹا ہوا مال مصر لایا گیا اور غلاموں کی طویل قطاریں صحراؤں کو عبور کرتی ہوئی مصر میں آتیں۔

جنگ سے حاصل شدہ مال غنیمت غلام داروں اور فرعون کے خزانے میں پہنچا۔ کہا جاتا ہے کہ مصر میں فرعون کے پاس اتنا سونا تھا جتنی مصر میں ریت ہے مصر میں غلاموں کی تعداد میں اضافہ ہوا، ایشیا میں صرف ایک فوجی مہم سے کوئی ایک لاکھ غلام اکٹھے کئے گئے۔ غریب مصری بھی غلام بن گئے۔ صرف دستکار اور کسان اناج اور پیتل اُدھار لے سکتے تھے اگر مقروض قرضہ واپس نہیں کر سکتا تھا تو ساہوکار سرکاری افسران کے پاس چلا جاتا اور مقروض کو اس کے بیوی بچوں کو فروخت کر کے رقم پوری کرنا پڑتی۔ غلام چٹانوں اور کانوں میں کام کرتے، محل تعمیر کرتے، نہریں کھودتے اور آقاؤں کی اراضی کاشت کرتے۔ 2000 ق م میں مصر میں غلام داری نظام مضبوط ہو گیا۔

فرعونوں کی فتوحات نے غلام داروں کو امیر کر دیا اور مصری ریاست کی قوت میں بھرپور اضافہ ہوا۔ مصری کسان جو فوج میں بھرتی کیے گئے جنگوں میں مارے گئے۔ مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر یا صحراؤں کی مشکلات ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئیں، کوئی بھی نہیں بچا تھا جو غلام داروں کی زمینیں کاشت کرتا، غریب غلام دار امراء اور فرعونوں سے نفرت کرتے تھے جب وہ جنگوں میں گئے تو ان کے گھر تباہ ہو گئے تھے بعض لوگ جب جنگوں سے واپس گھروں کو پہنچے تو ان کے بیوی بچے فروخت ہو چکے تھے اور ان کی جائیدادیں چوری ہو چکی تھیں۔ مصر میں کئی علاقوں میں غلاموں اور کسانوں کی بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

مفتوح لوگوں نے بھی مصریوں کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ جن علاقوں سے مصری افواج نے مراجعت کی، وہاں بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بغاوتوں کو کچلنے کے لیے فرعونوں نے ہمسایہ علاقوں سے فوجی بھرتی کیے کرائے کے فوجیوں سے بھی غلاموں اور کسانوں کی طرح سلوک کیا گیا۔ لیکن یہ لوگ دوسری ریاستوں کے خلاف جنگوں کے معاملے میں نا قابل اعتبار تھے اگر انہیں معاوضہ پورا نہ ملتا، تو وہ دشمن کے ساتھ جا کر مل سکتے تھے۔ کسانوں کی بربادی غریبوں کی مسلسل بغاوتیں، غلاموں کی آقاؤں کے خلاف اور مقبوضہ علاقوں کے عوام کی مصری حکومت کے خلاف لڑائیوں نے مصر کو کمزور کر دیا۔ ایشیا اور نبیا میں مصر سے مفتوح علاقے چھن گئے اور ایک ہزار سال قبل مسیح کے شروع میں ریاست اس قابل نہیں تھی کہ ہمسایہ ریاستوں کے حملوں کا مقابلہ کر سکے۔

قدیم مصر میں مذہب:

قدیم مصر میں جو عبادت گاہیں دریافت ہوئی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان خانقاہوں کو دیوتاؤں کے گھر سمجھا جاتا تھا، جن میں بت رکھے جاتے تھے جن کے سر جانوروں کے ہوتے، سورج کے دیوتا را کو دیوتاؤں کا بادشاہ کہا جاتا، مصری یہ نہیں جانتے تھے کہ دن کی جگہ رات کیوں لے لیتی ہے وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ را آسمان میں ہر روز ایک سونے کی کشتی میں بیٹھ کر نمودار ہوتا ہے اور شام کو صحرا میں اتر جاتا ہے سورج کے دیوتا کا سر عقاب کا تھا۔ اس دور میں ہر ایک قدرتی مظہر کا ایک دیوتا ہوگا۔ مصری جنگ کے خونخوار دیوتا، جس کا سر شیر کا تھا، سے بہت خوف زدہ تھے اس کے متعلق عقیدہ تھا کہ یہ لوگوں میں چیچک پھیلاتا ہے اور کئی ایک بیماریاں اس کی وجہ سے پھیلتی ہیں۔ را کی کشتی، مصریوں کے عقیدے کے مطابق، رات کے وقت ظلمات کے سمندر میں سے گزرتی ہے، ظلمات کے سمندر میں ایک ہیبت اژدھا آپومنس رہتا ہے جو را کا جانی دشمن ہے لہٰذا آمون را کے مندر میں ہر روز سورج ڈوبتے ہی اژدھے کو پسپا کرنے کی خاطر منتر پڑھے جاتے اور رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ مصری نیل کے منبع کو نہیں جانتے تھے مصریوں کا خیال تھا کہ دیوتا گھڑے سے نیل میں پانی انڈیلتا ہے اور جب پانی زیادہ انڈیلتا ہے تو سیلاب آ جاتا ہے۔ قدیم مصری عوام نیل سے گزارش کیا کرتے کہ وہ ان کے کھیتوں تک آئے اور جب پانی ان تک پہنچتا تو لوگ دریا کا شکریہ ادا کرتے کہ ان کی سن لی گئی ہے اور نیل نے ان کی زندگیوں کو بچا لیا ہے۔ موسم گرما میں گرم تیز ہوائیں چلتیں اور وہ ہر شے کو اڑا لے جاتیں یوں لگتا کہ فطرت ہر شے کو تباہ کر دے گی تب سمندروں کی طرف سے ٹھنڈی ہوائیں چلتیں اور نیل میں سیلاب آتا۔ یوں لگتا کہ کہ ہر شے دوبارہ بحال ہو رہی ہے، جیسے ہر شے دوبارہ زندہ ہوگئی ہو۔ یہ قدرتی مظہر اس کہانی کی بنیاد بنا کہ ایک دیوتا ہے جو پہلے مارتا ہے پھر زندہ کر دیتا ہے۔ صحراؤں کا شیطان دیوتا سیٹ، اس کا چہرہ سرخ تھا وہ اپنے نوکروں کے ساتھ آیا اور اس

نے سائرس دیوتا کو ہلاک کر دیا۔ سائرس فصلوں کو اگنے میں مدد دیتا تھا۔ اس کے مرنے کا مطلب فصلوں کی تباہی تھا۔ مصریوں کا خیال تھا کہ سائرس دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔

دوبارہ زندہ ہونے والا سائرس اس سلطنت کا بادشاہ اور منصف بن گیا جہاں مردوں کی روحیں اور دفن شدہ لوگ رہتے تھے ایسی تصوراتی زندگی کو قبر کے بعد کی زندگی کہتے ہیں۔ سائرس کی سلطنت میں پانی کی کثیر مقدار تھی اور وہاں گندم کی فصل خوب ہوتی تھی تاہم ہر ایک مردہ کی روح اس سلطنت میں نہیں جا سکتی تھی اور سائرس روح کے مقدمہ کی سماعت کرتا۔ اگر اس نے زندگی میں خدا کے حکم کی تعمیل نہ کی ہوتی تو سائرس اسے سخت سزا دیتا اور ایک خونی بلا اس روح کو کھا جاتی۔ مصریوں کا عقیدہ تھا کہ اگر جسم کو محفوظ بنا لیا جائے تو روح اس میں واپس آ سکتی ہے اس مقصد کے لیے اس کی اوجڑی باہر نکال لی جاتی جسم کو نمک والے پانی میں رکھ دیا جاتا، سفید کپڑے کو گندے بروزے میں بھگو کر لاش کے اردگرد لپیٹ دیا جاتا اور یہ جسم خشک کر دیا جاتا، ایسی لاشوں کو ممی کہا جاتا، ممی بنانا بہت مہنگا ہوا کرتا تھا۔ اس لیے صرف امراء ہی ایسا کر سکتے تھے۔

دیوتاؤں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے مصری اس کے نام پر قربانیاں پیش کرتے اگرچہ کسان بہت غریب اور بھوکے تھے اس کے باوجود وہ مندروں میں اناج، سبزیاں رکھتے، غلام دار سونا دیتے، غلام اور مویشی بھی بطور نذرانہ عبادت گاہوں میں بھیجے جاتے۔ تھیبز کے سب سے بڑے مندر میں 80 ہزار غلام تھے۔ مندروں کے پاس بے تحاشا مال و دولت تھا اور اس کے علاوہ ان کے پاس فرعونوں کی عطا کردہ وسیع و عریض زمینیں بھی تھیں۔ وہ پجاری جوان مندروں میں رہا کرتے انہیں دیوتا کے نوکر کہا جاتا۔ جو دیوتا کو کھانا کھلاتے تھے وہ بتوں کے آگے کھانا رکھ دیا کرتے۔ مذہبی پیشواؤں کے متعلق مصریوں کا خیال تھا کہ وہ بذات خود خدا سے ملتے ہیں، لوگوں کی اپیلیں اس تک پہنچاتے ہیں اور پھر مذہبی پیشواء خدا کی مرضی کو اپنے الفاظ میں لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ اس کے الفاظ کو خدا کے الفاظ سمجھا جاتا، بے تحاشا دولت اور غلاموں کی کثیر تعداد کے ساتھ مذہبی پیشواء امیر ترین شخص بن گیا جس کے پاس زمین اور دولت کی کوئی کمی نہ تھی۔

مذہبی پیشواؤں نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی مکمل تابع داری کرے اور ایسا ہی وہ دوسرے غلام داروں سے کرنے کے لیے کہنے لگے۔ انہوں نے کہا ''دیوتا تابع فرمانوں سے پیار کرتا ہے اور سرکشوں سے نفرت کرتا ہے''۔ مصریوں کا خیال تھا کہ فرعون کی طرح لامحدود طاقت صرف خدا کے پاس ہی ہو سکتی ہے، انہوں نے فرعون کو ایک بڑا دیوتا کہا اور اسے سورج قرار دیا۔ مندروں میں جو پہلے بت پڑے تھے ان میں ایک بڑا بت فرعون کا بنا کر کھڑا کر دیا گیا نہ صرف عام آدمی بلکہ امراء بھی ان جگہوں کو چومنے لگے جہاں اس کے قدم تھے۔ مصریوں کے مذہبی عقائد نے فرعون کی قوت میں بے پناہ اضافہ کر

دیا، اس کے ساتھ ساتھ غلام داروں کی قوت میں بھی اضافہ ہوگیا۔ استحصال زدہ لوگوں کو دیوتا کے غیض و غضب سے خوف زدہ رکھا گیا اور انہیں باور کرادیا گیا کہ اگلی زندگی میں انہیں سزا مل سکتی ہے اس عقیدے سے استحصال زدہ طبقات کی استحصال کرنے والوں کے خلاف جدوجہد پس پردہ چلی گئی۔

دریائے نیل کے لیے گیت:

''وہ جو مصر کو دوبارہ تازہ کر دیتا ہے اگر تم ست پڑ جاؤ تو زندگی ختم ہو جائے اگر تم غصے میں آجاؤ تو بجلیاں کڑکنے لگتی ہیں، امیر اور عام آدمی غریب ہو جاتے ہیں، جب نیل کا پانی سفید ہوتا ہے تو زمین پر مسرت ہو جاتی ہے ہے، تمام زندہ اشیاء خوشی میں جھوم اٹھتی ہیں۔۔۔تم روئی دیتے ہو۔

''اور کثرت سے اناج، تم نے تمام خوبصورت اشیاء کو تخلیق کیا ہے۔ جوان اور بچے۔۔۔سب خوش ہوتے ہیں اور تمہیں بادشاہ کے طور پر خوش آمدید کہتے ہیں۔''

قدیم مصر میں سائنسی علوم کی نمود اور لکھنے کی ابتداء:

علم ریاضی کی ابتداء یہ تھی کہ کاشتکار فصلوں کو گنا کرتے تھے کہ اسے کتنا اناج بونا ہے اور اسے کھانے کی ضرورت کے لیے کتنی مقدار درکار ہے۔ کانسی کا کام کرتے وقت دستکار کو ضرورت تھی کہ وہ تانبے اور ٹن کی درست اور مناسب مقدار کا اندازہ رکھے، عمارات کی تعمیر، پشتے بنانے اور کنوئیں کھودنے کے لیے پیچیدہ حساب کتاب کی ضرورت ہوا کرتی، ایک عمارت یا تعمیری منصوبے کے لیے کتنے معماروں اور کس قدر ساز و سامان کی ضرورت ہے یہ کسی بھی تعمیر کا لازمی عنصر تھا، اس سلسلہ عمل میں علم حساب کا ظہور ہوا۔ مصری (1/3,1/4,1/2) بٹے کے علم کو سمجھتے تھے اور وہ لاکھوں تک گن سکتے تھے، نہریں کھودتے ہوئے اور کھیتوں کو تقسیم کرتے ہوئے زاویوں کو ماپنا ضروری تھا اس طرح اس سائنس کی بنیاد پڑی جسے یونانی میں جیومیٹری کہتے ہیں اس کا مطلب ہے زمین کی پیمائش ابتدائی فلکیات کے علم میں مصریوں نے کئی ایک اہم علمی بنیادیں رکھیں، مصریوں نے یہ جانکاری حاصل کی کہ جب سیلاب آتا ہے تو ہر سال ستاروں کی یکساں پوزیشن ہوتی ہے یہ ان کا اندازہ اور مشاہدہ تھا جس سے علم فلکیات کی ابتدا ہوئی تھی، سیاروں اور ستاروں کو جاننے کی سائنس آسمان پر ستاروں کے متعلق مصریوں نے ایک نقشہ تیار کیا تھا وہ صحراؤں اور سمندروں میں اپنی پوزیشن کا اندازہ ستاروں سے لگاتے۔ دریائے نیل کی پابندی اور وقت کی بدولت انسان کو تقویم سازی کا ہنر ہاتھ آیا اور اہل مصر نے چار ہزار سال قبل مسیح میں دنیا کی پہلی جنتری بنائی۔ اس وقت وہاں کے نجومی اپنے مشاہدے کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچے کہ شارا شوالئی یمانی ہر سال طلوع آفتاب سے ذرا پہلے ٹھیک اسی دن افق پر نمودار ہوتا جس دن سیلاب شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سال کو 365 دنوں اور

تیس تیس دن کے بارہ مہینوں میں تقسیم کیا۔ مصری عوام نے ادویات اور طب میں بھی ترقی کی، ممی بناتے وقت انہوں نے انسانی جسم کے اندرونی حصوں کا معائنہ کیا اس سے انہیں اندرونی جسمانی ساخت جاننے اور بیماریوں کا علاج کرنے میں مدد ملی، بیماری جاننے کے لیے حکیم مریض کی نبض دیکھتے اس کے علاوہ پودوں کی بیماریوں کے متعلق بھی معلومات تھیں اور ان کا علاج بھی ممکن تھا۔ سرجری کے لیے کانسی کے اوزار قدیم مصر سے ہی ہم تک پہنچے ہیں۔

کوئی چار ہزار سال قبل مسیح میں مصریوں کے پاس اتنا علم تھا کہ عام آدمی کے لیے اسے ذہن میں رکھنا ممکن نہ تھا اور نہ ہی یہ گراں قدر حاصلات دوسروں تک منتقل کرنا آسان تھا۔ چنانچہ لکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی آخر کار ریاست کے وجود میں آتے ہی قدیم مصر میں تحریر بھی وجود میں آ گئی۔ پہلے پہل تو مصری اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے خاکہ کھینچ دیتے، سورج کے لیے انہوں نے ایک گول دائرہ کھینچ دیا اور وسط میں ایک نکتہ بنا دیا، تیر کمان کے خاکے کا مطلب تھا، جنگجو چنانچہ اس عہد میں نہ صرف تمام لفظ بلکہ مختلف اوزاروں اور الفاظ کے حصوں کو علامتوں کے ذریعے ظاہر کیا جانے لگا۔ تصویری علامتوں کو خط تصویری کہا جاتا ہے۔ مصری تحریروں میں 750 تصویری خط تھے۔ زیادہ تیزی سے لکھنے کے لیے کئی علامتوں کی وضاحت کی گئی۔ مصر میں لکھنے کے لیے مناسب مواد موجود تھا کیونکہ ملک کے نشیبی علاقوں میں پاپائرس بکثرت اگتا، یہ بارشی پودا کوئی چار، پانچ میٹر بلند ہوتا مصری اس کو باریک ٹکڑوں میں کاٹ کر اور پھر اس کو آپس میں جوڑ کر شیٹ بنا لیتے جسے ابتدائی کاغذ کہا جاتا ہے۔ اس پر لکھنے کا فن مصری بڑی مہارت سے جانتے تھے اس کے علاوہ لوگ پتھروں پر بھی نقش ونگاری کر لیتے تھے۔

تعلیم اور مکتب:

مصری ریاست کو پڑھے لکھے افسران اور تعمیراتی کام کو سمجھنے والے منتظمین اور دیگر امور کے لیے تعلیم یافتہ افراد کی ضرورت تھی اس لیے مصر میں لڑکوں کے سکول قائم ہوئے، امراء مذہبی پیشواؤں اور سرکاری افسران کے بچے سکولوں میں پڑھتے، بچے سکولوں میں کئی سال تک مشقیں لکھتے اور مسئلے حل کرتے، چھوٹے بچے برتنوں کے ٹکڑوں پر اور بڑے کاغذ پر لکھتے۔ استادوں نے شاگردوں کو جو کام لکھنے کے لیے دیا اس کے نمونے اس زمانے تک پہنچے ہیں۔ مکتب میں بچوں کو ایک نصیحت میں کہا گیا ہے ''اپنے ہاتھوں سے لکھو، اپنے منہ سے پڑھو، ان سے مشورہ حاصل کرو جو تم سے زیادہ جانتے ہیں، بصورت دیگر تمہیں مار پڑے گی۔'' استاد کا نائب، طالب علم کو چھڑی سے بلاتا، اور وہ سست اور نافرمان لڑکوں کو پیٹ دیتا۔ اگرچہ سائنسی علوم قدیم مصر میں صرف غلام داروں کے لیے ہی قابل حصول تھے لیکن ان کا وجود میں آنا علمی دنیا کا ایک اہم واقعہ تھا۔ جس کی بدولت زراعت، دستکاری، عمارتی تعمیرات میں گراں قدر

ترقیاں ہوئیں۔تحریر نے علم کو محفوظ بنایا، جس سے ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک فرد سے دوسرے افراد تک علم پہنچانے میں مدد ملی۔اب سوال یہ ہے کہ مصری قدیم تحریریں ہمارے تک کیسے پہنچیں اور ہم انہیں کس طرح سمجھنے میں کامیاب ہوئے کیونکہ وہ زبان جو مصر میں بولی اور لکھی جاتی تھی بعدازاں بھولی جا چکی تھی، کوئی بھی مصری نقوش کو یا تصویری خطوط کو نہیں پڑھ سکتا تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدیم مصری تحریروں کا معمہ حل نہیں ہو سکے گا۔انیسویں صدی کے شروع میں مصر کے قصبے روزیتا میں ایک پتھر ملا جس پر مصری اور یونانی نقوش تھے اس پتھر کو یورپ لایا گیا اور نوجوان فرانسیسی عالم کیمپولین جو یونانی اور کئی قدیم زبانیں جانتا تھا اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہر ایک تصویری تحریر علیحدہ الفاظ میں بادشاہ کے نام کو ممتاز کرتی ہے۔لیکن کچھ حرف علت نہیں مل رہے تھے۔مختلف زبانوں سے مذکورہ تحریروں کا موازنہ کرتے ہوئے کیمپولین کچھ خط تصویر سمجھنے میں کامیاب ہوا، اس کے علاوہ ایک اور پتھر کی دریافت سے وہ اس پر لکھی ہوئی تحریر کو سمجھنے میں کامیاب ہوا۔اس فرانسیسی عالم نے فرعونوں کے نام پڑھنے میں کامیابی حاصل کی۔یہ قدیم مصری تحریروں کی جانکاری کا آغاز تھا دیگر ماہرین نے کیمپولین کی کوششوں کو آگے بڑھایا۔قدیم مصری تحریروں کا معمہ حل ہو چکا تھا آج کئی ایک پتھروں اور ابتدائی دور کے کاغذ جو مصر میں دریافت ہوئے ہیں ان پر لکھی ہوئی تحریروں کو پڑھ لیا گیا ہے۔مصری زبان کو سمجھنے کے بعد ماہرین نے ان کہاوتوں اور کہانیوں کو دریافت کیا جو کسی دور میں مصر میں تحریر کی گئیں تھیں، رزمیہ نظموں کے ذریعے دیوتاؤں اور فرعونوں کے مرتبے کو بلند کیا جاتا اور کہانیوں میں مصری طرز زندگی اور مصریوں کے غیر ممالک کی طرف سفر کی داستانیں ہوتیں۔تعوراتی ہیرو اور خداؤں کے متعلق طویل نظمیں لکھی گئیں اور سائرس کا حصہ ان تمام میں زیادہ مشہور تھا۔عام آدمی کو نصیحتیں کی جاتیں کہ وہ امراء اور فرعون کی فرماں برداری کریں۔" اپنے سردار کے سامنے جھک جاؤ"، " جیسے ہی کوئی فرد پیدا ہوتا ہے اسے گھٹنوں کے بل اپنے سردار کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے۔" اس دور کے غریب لوگ اپنے گیت اور اقوال تحریر نہ کر سکے اس لیے ان میں بہت کم ہم تک پہنچے ہیں جو معلوم ہوئے ہیں ان میں ایک سخت قسم کا احتجاجی رویہ موجود ہے۔

مقبرے اور خانقاہیں:

نہ صرف بذریعہ تحریر ہمیں قدیم مصری عقائد کا پتہ چلتا ہے بلکہ مقبرے اور خانقاہیں بھی ہمیں اس عہد کے متعلق بہت کچھ بتاتی ہیں۔ایک مقبرہ ایک ٹھوس چٹان میں سے تراشا گیا تھا جس میں فرعون کے کئی کمرے تھے اندر ایک کمرے میں ممی رکھی گئی تھی۔مصریوں کے عقیدے کے مطابق مردہ جسم میں روح اس کے مجسمے میں بھی رہتی ہے۔مصری سنگ تراشوں کو دیو قامت انسانی سروں والے مجسمے بنانے کا وسیع تجربہ تھا نیم تاریک مقبرے یا عجائب گھر میں یہ مجسمے زندہ معلوم ہوتے۔مقبروں کی دیواروں پر جو

تصویریں بنائی گئی ہیں ان میں امیر لوگوں کا غریبوں پر دبدبہ اور رعب دکھایا گیا ہے۔ لوگ گھنی گندم کی فصلیں کاٹ رہے ہیں، دستکار اپنی دکانوں پر کام کرنے میں مصروف ہیں۔

مویشیوں اور مرغیوں کو دعوتوں کے لیے ذبح کیا جا رہا ہے اور اس قسم کی تصاویر بھی بنائی گئی ہیں کہ میزبان اور مہمان موسیقاروں اور رقص سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ مٹی اور لکڑی کی بنائی ہوئی خانساموں، کمہاروں اور غلاموں کے نگرانوں کی شبہیں مقبروں میں رکھی گئی تھیں۔ مصّریوں کا عقیدہ تھا کہ یہ تصویریں ایک روز حقیقی صورت میں بدل جائیں گی اور مردہ لوگوں کے لیے کام کریں گی امیر لوگ مرنے کے بعد بھی غلام دار رہنا چاہتے تھے اس عہد میں غلاموں کو عام قبروں میں دفن کیا جاتا۔

ماہرین تعمیرات کی زیرِ نگرانی بیش بہا قیمتی زیورات سے مرصع خانقاہیں تعمیر کی جاتیں۔ خانقاہوں یا مندروں کی طرف جانے والے راستوں کے دونوں اطراف ابوالہول کے مجسمے ہوتے، خانقاہ کے بالکل سامنے فرعون کا مجسمہ اس کے اصل قد و قامت سے پانچ، چھ گنا بڑا بنا کر رکھا جاتا، دو میناروں کے درمیان سے ایک تنگ راستہ خانقاہ کے صحن کی طرف جاتا، عبادت گاہ کے احاطہ کے آخر میں ایک بڑا تاریک ہال تعمیر کیا جاتا، چھت کئی ستونوں کے سہارے کھڑی ہوتی، ان ستونوں پر نقش و نگار بنائے جاتے۔ تھیبز کی بڑی خانقاہ جس کے ستون 23 میٹر تک لمبے تھے۔ اس کی سیاہی مائل نیلی چھت پر سنہرے ستارے بنائے گئے، میناروں پر فرعون کی شبہیں اور جانوروں کے سروں والے دیوتا بنائے گئے تھے۔ دیواروں اور چھتوں پر جو شبہیں بنائی گئی تھیں ان میں کئی جگہوں پر فرعون دیوتا سے بات چیت کر رہا ہے اور کئی دیگر جگہوں پر بڑے دشمنوں سے جنگ لڑ رہا ہے اور انہیں شکست دے رہا ہے کئی تصاویر میں فرعون نے ایک ہاتھ سے کئی قیدیوں کو پکڑ رکھا ہے، اس کے علاوہ نیل کے کناروں پر فرعون کا ایک عظیم مجسمہ نصب کیا گیا تھا، اس دور کی ایک قدیم مصری کہانی سائینوکٹ کی ہے۔ جو مصر کا ایک امیر آدمی تھا۔ فرعون کی موت کے بعد وہ ایشیا بھاگ گیا اس خوف سے کہ وہ شہر کی بربادی اور نئے فرعون کے غضب سے بچ جائے گا۔ سائینوکٹ تکلیف دہ سفر اور صحراؤں کی غضب ناک گرمی جیسی مشکلات سے دوچار رہا "میرا دم گھٹ رہا تھا میرا حلق جل رہا تھا اور میں نے کہا یہ موت کا ذائقہ ہے۔" وہ چرواہے جو مویشیوں کو ساتھ لیے صحرا میں گزر رہے تھے انہوں نے اسے بچالیا۔ ایشیا میں سائینوکٹ نے ایک سردار کے ہاں نوکری کر لی اور اس کی فوجوں کا کمانڈر بن گیا، یہاں اس نے اپنی فوجی مہمات کے متعلق کہا "میں نے جس ملک پر حملہ کیا لوگوں کو چراگاہوں اور کنوؤں سے دور بھگا دیا، میں جانوروں کے غلے لے آیا اور لوگوں کو قیدی بنا لایا، اناج پر قبضہ کر لیا اور لوگوں کو ہلاک کر دیا"۔ سائینوکٹ دولت اور عزت کے ساتھ رہا، لیکن وہ اس خوف میں مبتلا رہا کہ جب وہ مرے گا اس کا جسم ایشیا میں محفوظ نہیں کیا جا سکے گا۔ فرعون کی اجازت سے سائینوکٹ مصر واپس لوٹ آیا وہ فرعون کے سامنے اس وقت تک جھکا رہا جب تک کہ اس نے اسے اٹھنے

کی اجازت نہیں دی، فرعون کے حکم سے سائینوکٹ کی موت کے بعد اسے ایک مقبرے میں دفن کیا گیا۔

بابل کی قدیم تہذیب:

اس تہذیب کے متعلق جاننے کے لیے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شمال مشرقی افریقہ کی قدیم تہذیب کا مرکز وادی نیل تھا اور مشرق وسطیٰ کی قدیم تہذیبیں دریائے فرات اور دجلہ کی وادیوں میں پروان چڑھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے مشرق قریب میں پھیل گئیں ان دو مشہور دریاؤں کی وادیوں اور اس خطے کو میسوپوٹیمیا کہتے ہیں۔ جسے بغداد کا علاقہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ دریائے دجلہ اور فرات کا منبع کاکس کے جنوب میں واقع پہاڑ ہیں اور یہ خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ میسوپوٹیمیا کا جنوبی علاقہ انتہائی زرخیز ہے موسم بہار میں جب پہاڑوں پر برف پگھلتی تو دجلہ اور فرات کا پانی کناروں سے باہر نکلنے لگتا۔ سیلاب کے بعد زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی لیکن گرمیوں میں درجہ حرارت پچاس ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا جس سے سبزا جھلس جاتا اور ہر طرف بھورا صحرا نظر آنے لگتا۔ نشیبی علاقوں میں کھڑے پانی سے سڑاند اٹھنے لگتی۔ دجلہ اور فرات کی وادیوں کا پورا علاقہ تین حصوں میں بٹا ہوا تھا، شمالی حصہ (موجودہ موصل کا علاقہ) جس میں انسانی آبادی کے سب سے قدیم آثار ملے ہیں، اشور کہلاتا تھا۔ وسطی علاقے کا نام جہاں بغداد آباد ہے عقاد تھا اور بغداد سے جنوب کا ڈیلٹا سومیر کہلاتا تھا۔ اشور کا علاقہ دریائے دجلہ اور اس کے باجگذار دریاؤں زاب کلاں اور زاب خورد کی کوہستانی وادی میں واقع ہے، اشور کے شمال مغرب میں کوہ طوروس جو عراق کو ترکی سے جدا کرتا ہے اور شمال مشرق میں کوہستان زگروس کا طویل سلسلہ ہے جو ایران اور عراق کے درمیان حد فاصل ہے اس علاقے میں بارش کی سالانہ اوسط بارہ تا پچیس انچ ہے۔ موسم گرمیوں میں خوشگوار اور سردیوں میں نہایت سرد ہوتا ہے۔ گندم، جو، میوہ دار درخت، انگور اور سبزیاں آسانی سے پیدا ہوتی ہیں اس کے برعکس سومیر کا علاقہ جھیلوں، ندی نالوں اور دلدلوں سے بھرا ہے، موسم گرم اور مرطوب ہوتا ہے۔ اس لیے کھجور اور ناریل بکثرت ہوتے ہیں، عراق دراصل دجلہ اور فرات کا عطیہ ہے۔ وہاں کے باشندوں کی زندگی کا انحصار انہیں دریاؤں پر ہے۔ اگر یہ دریا خشک ہو جائیں تو عراق ویران ریگستان ہو جائے۔

دریائے فرات شمال میں کوہ ارارات سے نکلتا ہے اور ملک شام میں سے گزرتا ہوا شمال مشرق کی سمت سے عراق میں داخل ہوتا ہے اور میدان میں کئی سو میل کا سفر طے کر کے بالآخر خلیج فارس میں گرتا ہے۔ دریائے فرات کی لمبائی 1780 میل ہے دریائے دجلہ جس کی لمبائی 1150 میل ہے جھیل وان سے نکلتا ہے اور راستے میں دریائے زاب کلاں، زاب خورد اور دریائے دیالہ کو اپنی آغوش میں لیتا ہوا، بھرے سے ساٹھ میل شمال میں کرناں کے مقام پر دریائے فرات میں شامل ہو جاتا ہے۔ اب سے کئی ہزار پہلے خلیج

فارس کا شمالی ساحل قرنا کے قریب تھا۔ اور دجلہ اور فرات سمندر میں الگ الگ گرتے تھے۔ اتفاقاً دو دریاؤں کے دھانے بھی وہیں واقعہ تھے، ایک دریائے قرون جو شرق میں ایران سے آتا تھا اور دوسرا وادی الباطن کا ناں جو جنوب مغرب میں عرب سے آتا تھا، یہ دونوں خلیج فارس میں آمنے سامنے گرتے تھے۔ ان دریاؤں کی مٹی دھانوں کے پاس جمع ہوتی رہی یہاں تک کہ خلیج فارس کے ایک کنارے سے، دوسرے کنارے تک رفتہ رفتہ مٹی کی ایک دیوار سی کھڑی ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ دجلہ اور فرات کے بہاؤ کے ساتھ آنے والی مٹی کی نکاسی رک گئی اور یہ مٹی سمندر میں بہہ جانے کی بجائے دیوار کے شمال میں جمع ہوتی گئی اور پانی جو دیوار کے سبب سمندر میں نہ جا سکتا تھا پہلے دلدل بنا، پھر آہستہ آہستہ خشک ہوگیا اور اس طرح وہ ڈیلٹا وجود میں آیا، جہاں اب بصرہ آباد ہے دجلہ اور فرات پہاڑوں سے نکل کر جب میدان میں آتے ہیں تو ان کو ایک پتھریلے پلیٹو سے گزرنا پڑتا ہے وہ اونچی اونچی پہاڑیوں کو کاٹتے ہوئے بہت نشیب میں بہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ پانچ چھ ہزار برس میں بھی ان کے دھارے کا رخ اس علاقے میں بہت کم بدلا ہے۔ چنانچہ اس علاقے میں پرانے شہر دریاؤں کے کناروں پر بدستور موجود ہیں۔

دجلہ اور فرات کی وادیوں کی اس زرخیز سرزمین نے کاشت کاروں کو اپنی طرف کھینچا، یہ لوگ کوئی چھ سات ہزار سال پہلے کھرپے سے کاشت کاری کرتے، بھیڑ بکریاں، گائیں پالتے، وہ مٹی اور گھاس پھوس ملا کر جھونپڑے بناتے۔ دریا کے سیلاب سے عام طور پر جھگیاں اور پالتو جانور پانی کی نظر ہو جاتے، بعض اوقات دجلہ اور فرات ایک ہی دریا بن جاتے اور ایسے لگتا کہ پوری دنیا میں سیلاب آگیا ہو، لوگ ملیریا اور دیگر جراثیمی امراض میں مبتلا ہو جاتے، پالتو جانوروں پر وحشی درندے مثلاً شیر حملہ آور ہوتے، نرسل میں سور بکثرت پائے جاتے، جو فصلوں کو اجاڑ دیتے، لیکن لوگ ان مشکلات کے باوجود ہمت نہیں ہارے، انہوں نے مٹی کے پشتے تعمیر کئے، نہریں کھودیں تاکہ کاشت کاری کر سکیں اور اپنے باغات کی نشوونما کر سکیں، کاشت کاروں نے ایسا ہل ایجاد کیا جو سخت زمین پر استعمال کیا جاتا تھا، تیز دھوپ میں وہ نہروں سے اپنے کھیتوں تک پانی لاتے۔ (3000 ق م) انسانی محنت نے دلدلوں اور خشک سالی پر قابو پالیا، نہروں کا ایک نظام قائم کیا گیا۔ آبادیوں کے گرد کھجوروں کے درخت اُگائے گئے تھے، یہاں انہیں زندگی کے درخت کہا جاتا تھا، لوگ کھجوروں سے آٹا اور شہد بناتے، پتھر ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا، درختوں کی چھال سے رسیاں اور ٹوکریاں بنائی جاتیں، لمبے بالوں والی بھیڑیں چراگاہوں میں چرتیں، دستکار قصبوں میں رہتے، تجارت زندگی کا ایک ذریعہ تھی، یہ لوگ ہمسایہ لوگوں سے دھات، لکڑی اور پتھر خریدتے، اور تبادلے کے طور پر اناج، اون اور کھجوریں دیتے، دستکاروں نے تانبے سونے اور کانسی سے مختلف اشیا بنانا سیکھیں میسوپوٹیمیا کی اون دنیا بھر میں مشہور تھی، آباد کار ڈبے، پائپ، ڈول اور مٹی کی اینٹیں بنا کر انہیں مکانوں کے بنانے میں استعمال کرتے، جنوبی میسوپوٹیمیا کی زمین اتنی زرخیز تھی کہ ایک

بیج سے سو بیج پیدا ہوتے اور کھجور کے ایک درخت پر سالانہ پچاس کلو کھجوریں لگتی چنانچہ صورت یہ تھی کہ ایک آدمی کی خوراک سے زیادہ، ایک آدمی پیداوار حاصل کرسکتا تھا، اسی سے استحصال کے امکانات پیدا ہونا شروع ہوگئے۔

میسوپوٹیمیا میں امرا اور مذہبی پیشواؤں کے پاس زرخیز زمین وسیع طور پر تھی۔ انہوں نے کئی غلام رکھے ہوئے تھے اور چاندی کی بھاری مقدار جسے وہ سکے کے طور پر استعمال کرتے تھے، ان کے پاس تھی، کسان اور دستکار امیروں کے مقروض تھے انہیں اصل زر کے ساتھ بھاری سود بھی ادا کرنا پڑتا، عام طور پر غریب لوگ ایسا نہیں کر پاتے تھے وہ ساری زندگی قرضوں کے بوجھ تلے دبے رہتے۔ مقروض اس خوف میں بتلا رہتے کہ اگر قرضہ ادا نہ کیا تو اس کا سارا خاندان بطور غلام فروخت کردیا جائے گا۔ وہ غریب کسان جن کے پاس زمین نہیں ہوتی تھیں وہ امیروں سے کرائے پر حاصل کر لیتے، کرائے کے طور پر امراء کو آدھی فصل بطور کرایہ ادا کرتے اور پھل کا 2/3 حصہ اسے دیتے، جنگ میں گرفتار شدہ قیدیوں کو غلام بنالیا جاتا، غلام خانقاہوں اور امراء کی اراضیوں پر کام کرتے، میسوپوٹیمیا میں غلام کو ”وہ جو آنکھیں نہیں اٹھا سکتے“ کہا جاتا، انہیں اپنے آقا کے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرات نہ ہوتی، جنوبی میسوپوٹیمیا میں غلاموں، آزاد کسانوں، امیر غلام داروں کے طبقات، زراعت، مویشی پالنے اور دستکاری میں ترقی کے نتیجے میں ابھرنے لگے۔

جنوبی میسوپوٹیمیا کی داستان تخلیق دنیا اور طوفان سیل خصوصی اہمیت کی حامل ہے، ”تمام زمین سمندر کی لپیٹ میں آگئی اور خوفناک بلا نے دیوتاؤں کو پانی کو خشکی سے علیحدہ کرنے سے روکا، بڑے دیوتا نے بلا سے لڑائی کی اور اسے ہلاک کردیا اور اس کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کردیا، اوپر والے حصہ سے دیوتا نے آسمان بنادیا اور اسے تاروں سے سجادیا، دیوتا نے نچلے حصے سے زمین تخلیق کی، اس پر درخت اگائے اور مویشی پیدا کئے۔ دیوتا نے اپنی عقل وفہم اور دماغ سے، مٹی سے انسان بنا۔ اا دیوتاؤں نے انسانوں کو پوری دنیا میں سیلاب لا کر تباہ کرنے کا فیصلہ کیا، پانی کے دیوتا نے ایک شخص کی جھونپڑی جس گھاس سے بنائی گئی تھی اسے بتادیا، گھاس (نرسل) نے یہ فیصلہ جھونپڑی کے مالک کو بتادیا، جھونپڑی کے مالک کسان نے ایک بڑا بحری جہاز بنایا اور اپنے خاندان، ہنرمند دستکاروں اور بہت سارے مختلف جانوروں اور پرندوں کو اس میں بٹھالیا، وہ دن جو دیوتاؤں کی طرف سے دنیا کو تباہ کرنے کے لیے مقرر تھا اس روز پورے آسمان پر بادل چھا کر موسلا دھار بارش ہونے لگی اور زمین پر سیلاب آگیا، تمام لوگ ختم ہوگئے ماسوائے ان کے جو جہاز میں سوار تھے طوفان تھمنے کے چھ روز بعد پانی کی سطح گرنے لگی، قافلہ جہاز سے نیچے اتر آیا اور انہوں نے بشمول جانوروں کے نئی زمین پر رہنا شروع کردیا۔“ یہ داستان میسوپوٹیمیا سے دیگر کئی ملکوں میں پھیل گئی قدرتی عناصر نے خوف نے دیوتاؤں پر ایمان پختہ کردیا، مذہبی پیشواؤں

نے اس سے بھر پور فائدہ اٹھایا انہوں نے لوگوں کو تنبیہہ کی کہ اگر انہوں نے دیوتاؤں کی نافرماں برداری کی تو نئے سیلاب آئیں گے اور تباہ کاریاں ہونگی۔

چار ہزار قبل مسیح کے خاتمے پر میسوپوٹیمیا میں طبقات وجود میں آنے سے ریاستیں وجود میں آئیں ہر ایک شہر ایک آزاد ریاست تھی، ان شہری ریاستوں کے بادشاہ غریبوں سے ظالمانہ سلوک کرتے اور خاص طور پر غلاموں کو بدترین سلوک کا شکار بنایا جاتا۔ اس کے لیے وہ فوجیوں اور سرکاری اہلکاروں کی امداد لیتے، شہری ریاستوں کے بادشاہ ہمسایہ ریاستوں پر قبضہ کر لیتے، انہیں تباہ کرتے اور آبادی کو غلام بنا لیتے یا انہیں مجبور کرتے کہ وہ جزیہ ادا کریں، بابل کی ریاست اس مقام پر وجود میں آتی جہاں دریائے دجلہ فرات کے قریب بہتا ہے یہ محل وقوع فائدہ مند تھا، تاجر دور دراز سے مقامی آبادی کی ضروریات کے مطابق سامان لاتے، وہ اس سامان کا تبادلہ اس علاقے میں تیار شدہ مال سے کرتے، میسوپوٹیمیا کے مجموعی علاقے کے راستے بابل سے گزرتے تھے اس لیے یہ علاقہ اہم تجارتی مرکز کی صورت اختیار کر گیا۔ بابل میسوپوٹیمیا کا عظیم شہر، تجارتی مرکز، مضبوط سلطنت کا دارالحکومت بن گیا، شہر کے وسط میں ایک مارکیٹ تھی جہاں مال گودام اور نمائشی گیلریاں قائم تھیں شہر کے بیرونی اطراف میں جھگیاں تھیں جن میں ملاح، دستکار اور برتن ساز رہتے تھے جبکہ وسطی شہر میں امراء، تاجروں اور اعلیٰ عہدیداروں کی رہائش گاہیں تھیں۔

حمورابی کے عہد (1792-1750 ق م) میں سلطنت بابل نے بادشاہ کو مجبور کر دیا کہ وہ ایک طاقتور فوج بنائے، چنانچہ حمورابی نے بڑی مہارت سے میسوپوٹیمیا کے بادشاہوں کے درمیان لڑائیوں سے بھر پور فائدہ اٹھایا، اس نے ان میں سے ایک کے ساتھ معاہدہ کیا اور اس کے ساتھ ملکر دوسرے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور پھر اپنے اتحادی کو بھی معاف نہیں کیا، اور کامیاب ہو گیا۔ آخر کار اس نے مکاری، مہارت اور طاقت کے بل بوتے پر سارے میسوپوٹیمیا پر قبضہ کر لیا اس طرح بابل کے بادشاہ کے زیر تسلط ایک طاقتور سلطنت وجود میں آ گئی۔ حمورابی نے اپنی رعایا کو قواعد وضوابط کا تابع بنانے کے لیے قوانین بنائے جن میں ہر ایک جرم کے خلاف سزا تجویز کی گئی۔ بیسویں صدی کے شروع میں ماہرین آثار قدیمہ نے ایک سیاہ پتھر کا بلاک دریافت کیا جس کی اونچائی ایک عام آدمی کے قد سے زیادہ ہے، اس پر حمورابی کے قوانین درج ہیں، بابل کی ریاست مصری ریاست کی طرح تھی، یہاں بھی غلام داروں کی برتری قائم تھی جو غریبوں اور غلاموں پر شکنجہ مضبوط رکھے ہوئے تھے، یہ غلام دارانہ ریاست تھی۔ بادشاہ حمورابی کے ضابطے اور قوانین اس طرح تھے ''میں حمورابی دیوتاؤں کا نامزد سردار بادشاہوں میں سب سے اہم، فرات کے علاقے کا فاتح، میں نے ملک کو انصاف اور سچائی دی ہے اور لوگوں کو خوشحال بنایا ہے۔۔۔ آج کے بعد اگر کوئی شخص عبادت گاہ یا بادشاہ کی جائیداد چرائے گا اسے قتل کر دیا جائے گا اور جو مال مسروقہ وصول کرے گا اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔۔۔ اگر کوئی غلام عورت، غلام چرائے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔۔۔

اگر کوئی کسی بھاگے ہوئے غلام کو پناہ دے گا اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔۔۔اگر کوئی غلام پر کنندہ نشان مٹائے گا اس کی انگلیاں کاٹ دی جائیں گی۔۔۔اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کو ہلاک کر دے گا اس کو اس کی جگہ دوسرا غلام دینا پڑے گا۔۔۔اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بیل کو مار دیتا ہے اس کی جگہ اسے دوسرا بیل دینا پڑے گا۔۔۔اگر کوئی شخص اپنے ہم مرتبہ شخص کے چہرے پر تھپڑ مارتا ہے تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔۔۔اگر کوئی شخص اپنے سے اعلیٰ مرتبہ (امیر، غلام دار، مذہبی پیشوا) کے چہرے پر تھپڑ مارتا ہے تو اسے ساٹھ کوڑے (جن سے بیل کو ہانکا جاتا ہے مارے جائیں گے"۔۔۔ضابطوں کی فہرست ان الفاظ سے ختم ہوتی ہے"میں حمورابی بادشاہ جسے سورج دیوتا نے قانون دیئے ہیں میرے الفاظ نہایت شاندار ہیں اور میرے کاموں کا کوئی ثانی نہیں۔"

ان قواعد وضوابط اور قوانین سے اس عہد میں بابل کی ریاست کے خدوخال اور طرز زندگی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، حمورابی کی وفات کے ۲۳۲ سال بعد بل والوں کو پہاڑی علاقے کے لوگوں نے فتح کر لیا۔

ایشائے کوچک ایشیا کا جنوبی علاقہ ہے جو بحراسود اور بحیرہ روم سے ملحق ہے یہاں کئی صحرا اور پہاڑی سلسلے ہیں اور زرخیز دریائی وادیاں ہیں۔ دریائے دجلہ اور فرات سب سے اہم دریا ہیں۔حمورابی کے عہد میں بابل کو جو استحکام حاصل ہوا، وہ اجتماعی ترقی کا باعث بھی بنا۔

2000 ق م کے خاتمے پہ ایشیائے کوچک کے لوگوں نے لوہا سازی کا کام سیکھ لیا تھا، پتھروں سے تنور بنائے جاتے تھے، مٹی، تارکول اور لوہا ملی مٹی ان تنوروں کے اندر لگائی جاتی، پھر تارکول کو آگ دی جاتی اور ہوا کے ذریعے اس آگ کو تیز کیا جاتا۔لوہا ملی مٹی آگ کی شدت سے لوہے کے ڈھیلوں کی صورت میں آجاتی، ان لوہے کے ڈھیلوں سے لوہار اعلیٰ قسم کے ہتھیار اور اوزار بناتے۔لوہا ملی مٹی (Iron ore) چونکہ مقدار میں زیادہ پائی جاتی تھی اس لیے تانبے اور کانسی سے زیادہ لوہے کے اوزار استعمال کئے جاتے، لوہے کے استعمال نے پیداواری عمل کو تیز کیا، لوہے کے ہل صرف ملائم اور نرم زمین پر ہی استعمال نہیں کئے جاتے تھے بلکہ پہاڑی، پتھریلی اور سخت زمین پر بھی بآسانی کام کر سکتے تھے۔پہاڑوں کے دامن میں نہریں کھودنے کے لیے لوہے کے اوزار استعمال کئے جانے لگے۔کاشتکار پہاڑوں سے آنے والے پانی کو اپنے کھیتوں تک لے جانے کا بندوبست کرتے۔ایشیائے کوچک کے پہاڑی اور میدانی علاقوں میں کھیتی باڑی کو فروغ حاصل ہوا۔کوئی ایک ہزار ق م میں وہ علاقے جہاں شکاری اپنے شکار کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے یا جہاں چرواہے بھیڑیں چراتے تھے وہاں سرسبز وشاداب کھیت اگ آئے اور باغات اگائے گئے جہاز اور گڈے لوہے کے اوزاروں سے بنائے جانے لگے اس سے تجارت کو فروغ حاصل ہوا، لوہے کے اوزاروں سے کاشتکاروں اور دستکاروں نے پہلے سے زیادہ پیداوار کرنا

شروع کر دی۔ زراعت میں ترقی سے غلام داری نظام کو بہت زیادہ نشوونما حاصل ہوئی، پہاڑوں کے دامن اور میدانی علاقوں میں نئے شہر اور اضلاع وجود میں آئے۔ خاص طور پر سلطنت اورارٹو جوٹرانکوسیا "Transcavcasia" میں واقع ہے۔

زمین پر کاشتکاری میں ارتقا، مویشیوں کی افزائش نسل اور دستکاروں نے تجارت کو فروغ دیا۔ 1000 ق م کے شروع میں بحیرہ روم کے شمالی ساحلوں پر قصبوں اور شہروں میں اضافہ ہوا اور لوگ خوشحال ہوگئے، "Phonencin" یہاں فونیقیائی لوگ آباد تھے، یہاں کا سب سے امیر شہر طائر تھا جو سمندری ساحلوں کے قریب ایک جزیرے پر واقع ہے۔ ایشیائے کوچک میں فونیقیائی بہترین جہاز ساز اور بحرنورد تھے یہ بحراوقیانوس تک سمندر سفر کرتے اور بحیرہ روم کے تمام ساحلی قصبوں اور شہروں سے ان کے تجارتی رابطے تھے، ان کی تجارت کا سب سے اہم عنصر غلاموں کی تجارت تھا، ایشیائے کوچک میں کاروبار، دستکاری اور کھیتی باڑی میں ترقی سے غلاموں کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جاتا۔ فونیقیائی ساحلی علاقوں کے قصبوں اور شہروں سے لوگوں کو پکڑ کر بطور غلام انہیں منڈیوں میں فروخت کر دیتے، شامیوں کی تجارت سے بحیرہ روم کے بہت سارے علاقوں میں غلام داری نظام کو فروغ حاصل ہوا اور وہاں ایشیائی کلچر پہنچا، فونیقیائی علاقے زیادہ دیر تک اپنی آزادی برقرار نہ رکھ سکے اور اپنے ہمسایوں کے تسلط میں چلے گئے۔

ایشیائے کوچک میں ایک کے بعد دوسری ریاست مضبوط ہونے لگی۔ میسوپوٹیمیا کے جنوب میں اشور کے قصبہ کے قریب ایک چھوٹے سے کیمون سے (Assyrian) اسرین تہذین کا آغاز ہوا یہ علاقہ دریائے دجلہ کے کناروں کے ساتھ ساتھ واقع ہے، تاریخ کا سب سے اہم اور قابل دید باب اسیریا کی فوجی ریاست (آٹھویں صدی ق م) ہے۔ اسیرین بادشاہ (Tiglath Pileser) تگلاتھ پائلسر (727-745 ق م) نے کئی ایک فوجی کامیابیاں حاصل کیں، اس نے شام اور فونیقیا کو فتح کرلیا، اس نے سلطنت بابل پر قبضہ کرلیا اور وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ اس کی فوجی کامیابیاں دوسرے اسیرین بادشاہوں کے دور میں بھی جاری رہیں، سارگن دوم (705-722 ق م) اور اسراہڈن (669-80 ق م) نے بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ فتوحات کے نتیجے میں اور فوجی مہمات نے اسیریا کو ایک زبردست طاقت بنا دیا۔ اس عہد میں وسطی اور شمالی ایشیائے کوچک میں میسوپوٹیمیا، شام، فلسطین اور مصر کے کئی علاقوں کے لحاظ سے اسیریا بلاشبہ ایک عالمی طاقت تھی۔ اسیریا غلام داروں اور جنگجوؤں کی ریاست تھی بابل اور مصر کی نسبت یہاں غلام داری نظام زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ بادشاہ کے پاس ہزاروں غلام تھے جو ہر وقت سڑکوں، نہروں اور یہاں تک کہ قصبوں کی تعمیر میں مصروف رہتے۔ غلاموں کی تجارت بھی وسیع طور پر ہوا کرتی تھی۔ اسیریا اپنی فوجی تنظیم کے لحاظ سے بہت مشہور تھا۔ اسیریائی فوج کے کئی بازو تھے مثلاً دو گھوڑوں والی

گاڑی، گھڑ سوار دستے، ہلکے اور بھاری اسلحہ سے مسلح ہراول دستے، انجینئرز، منجنیقوں سے شہروں کا اور فوجوں کا محاصرہ کرنے والے دستے، یہ فوج شاہی اقتدار کی ریڑھ کی ہڈی تھی۔ تاہم فوجی قوت اپنی جگہ پر مقدم، لیکن یہ سارا نظام کمزور بنیادوں پر تھا کیونکہ ملک کے باشندے ایک ظالمانہ اور استحصالی معاشرے میں رہتے تھے۔ بابل کے باغیوں نے ایرانی پلیٹو کے لوگوں میڈز سے ملکر اسیرین سلطنت کو زبردست حملوں سے پریشان کردیا۔

چھٹی صدی قبل مسیح کے وسط میں نئے فارسی حملہ آوروں نے ایشیائے کوچک پر یلغار کردی۔ ایرانیوں کے پاس شاندار گھڑ سوار دستے اور ان کے جنگجو نشانہ بازی میں مشہور تھے۔ ایرانی بادشاہ سائرس ایک کے بعد دوسرا ملک فتح کرتا گیا۔ گہری خندقوں اور دہری قلعہ بند دیوار کی وجہ سے بابل ناقابل تسخیر معلوم ہوتا تھا، بابل کے مذہبی پیشواؤں نے غدارانہ طور پر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ 530 ق م میں بابل پر ایرانیوں نے قبضہ کرلیا۔ وسطی ایشیا کی طرف ایک فوجی مہم کے دوران سائرس کو ہلاک کردیا گیا اور اس کے سر کو خون سے بھرے ہوئے مشکیزے میں ڈبو دیا، اور کہا "تم خون چاہتے تھے جتنا چاہتے ہو پیو۔" ایرانی فتوحات کا سلسلہ سائرس کی موت سے ختم نہیں ہوا، ایک مضبوط ایرانی فوج نے مصر پر حملہ کردیا، فرعون کے کئی فوجی دستوں نے اس سے غداری کی اور مصری فوج کو شکست ہوئی۔ 525 ق م میں ایرانیوں نے مصر پر قبضہ کرلیا۔ اس مہم میں ایران کا بادشاہ سائرس کا بیٹا کیمبائیس (522 529 ق م) تھا۔ اس نے اس جنگ میں فونقی کے بحری بیڑے سے مدد حاصل کی، سائرس کے برعکس اس کا بیٹا سخت گیر اور دہشت گرد تھا۔ اس نے مصر کو فتح کرنے کے بعد اپنی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا اور اس عہد کے حساب سے عالمی طاقت بن گیا۔ دریوز اول (522-486 ق م) کے عہد میں ایرانیوں نے عظیم طاقت کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ دریوز کی سلطنت مصر سے دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ مفتوح علاقے بادشاہ کو بھاری نذرانے پیش کرتے اور اپنے جوانوں کو دریوز کی فوج کے لیے بھرتی کرواتے، بادشاہ کا خزانہ حاصل شدہ مال و دولت سے بھر گیا تھا اور محلات میں سونے کے ذخائر موجود تھے۔ مفتوحہ علاقوں کے لوگ عام طور پر بغاوتیں کردیا کرتے تھے اور اس کی اطلاع فوری طور پر بادشاہ کو کردی جاتی۔ بڑی شاہراہوں پر گھڑ سوار چوکیاں قائم کی گئی تھیں، یہ گھڑ سوار بڑی تیزی سے بادشاہ تک اطلاع پہنچانے اور وہاں سے احکامات وصول کرتے، بغیر کسی تاخیر کے بغاوتیں کچلنے کے لیے افواج روانہ کردی جاتیں، تاہم ایرانی بادشاہ اپنے زیر تسلط علاقوں پر قبضہ برقرار رکھ سکے، کیونکہ مقامی لوگ ان سے شدید نفرت کرتے تھے۔

دریوز نے کئی ایک مالیاتی اصلاحات کیں، تاریخ میں پہلی مرتبہ یہاں ایک یکساں سکہ رائج کیا گیا اور اس سکہ کو ڈھالنے کا اختیار صرف بادشاہ کو تھا۔ دریوز حکومت نے تجارت کو وسعت دی، اس کے لیے سڑکیں اور عمارات تعمیر کی گئیں۔ ایرانیوں کے پاس سڑکوں کا بہترین نظام تھا، اگرچہ یہ سڑکیں تجارت

میں ایک اہم کردار ادا کرتیں لیکن جنگی نقطہ نظر سے بھی ان کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ دریوز نے فوجی اصلاحات بھی کیں اور فوج کی مستقل چھاؤنیاں قائم کیں۔ انہوں نے فوج کو پانچ زونوں میں تقسیم کیا اور ہرایک زون کا کمانڈر براہ راست بادشاہ کو جواب دہ تھا۔ ایرانیوں کو ملکی نظام و انصرام میں خصوصی فوقیت دی جاتی تھی۔ انہیں فوج اور انتظامیہ میں اعلیٰ عہدے دیئے جاتے وہ کاشتکاری اور غلہ بانی کرتے، وہ تمام ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے۔ جس طرح کہ مقبوضہ علاقوں کے لوگوں پر پابندی تھی۔ لیکن یہ سلطنت بھی اسیریا کی طرح مضبوط بنیادیں نہیں رکھتی تھی کیونکہ طاقت کا انحصار فوج پر تھا، علاوہ اس کے ہمسایہ اور مقبوضہ ریاستوں سے تعلقات خراب ہورہے تھے۔

مشرقی ممالک کے دیگر ملکوں کی طرح ایران میں بھی مذہب کو ایک خصوصی اہمیت حاصل تھی اور یہ لوگ دیوتاؤں کی پوجا کرتے، اس کے علاوہ اسیریا اور مصری تہذیب وثقافت کا ایرانی معاشرے پر گہرا اثر ہوا۔ فن تعمیرات بھی مذکورہ تہذیبوں کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ایرانیوں نے بابل والوں سے رسم الخط لیا۔

زمانہ قدیم میں ایشیائے کوچک کے لوگوں کی ثقافت:

میسوپوٹیمیا میں ماہرین آثار قدیمہ نے انیسویں صدی کے وسط میں میدانی علاقوں میں ابھرے ہوئے تنہا پہاڑوں میں کھدائی کے ذریعے زمانہ قدیم کے کھنڈرات تلاش کر لیے جن میں قدیم محلات، خانقاہیں، قلعہ کی دیواریں، زمین کی تہوں کے نیچے سے تلاش کئے گئے۔ یہ کھنڈرات انتہائی متاثر کن تھے۔ یہاں اپنے دور کی شاندار اسیرین تہذیب کے کھنڈرات تھے جن سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ تعمیرات میں اور اس سے متعلقہ علوم میں یہاں کے قدیم باشندے بڑی مہارت رکھتے تھے۔ بادشاہوں کے محلات جن کے مینار بلند تھے ان ٹیلوں پر تعمیر کئے گئے جو اونچائی پر واقع تھے اور انہیں غلاموں نے تعمیر کیا تھا۔ محلات کے گرد حفاظتی دیوار تھی، محل کے داخلے کے راستے میں بڑے انسانی سروں والے بیلوں کے مجسمے رکھے تھے۔ اندرونی دیواروں پر ابھرے ہوئے نقش بنے ہوئے تھے جن میں جنگی مہمات کے نقشے کھینچے گئے تھے۔ ان میں دیوتاؤں اور جنگوں کے مناظر دکھائے گئے تھے۔ اسیریاؤں کی فتوحات اور مہمات کے مناظر دشمن کے شہروں کی تباہی کے منظر، قیدیوں کو پھانسی دیئے جانے کا منظر یا یہ دکھایا گیا تھا کہ کس طرح غلاموں کو پکڑا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ نقوش میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ بادشاہ شیر کا شکار کرکے لایا ہے۔ اسیریا کے سنگ تراشوں نے فن کے اعلیٰ نمونے پیش کیے۔ خط پیکانی، تکونیہ، قدیم اسیریاؤں کا مسودہ تحریر، اسیریا کے دارالحکومت نینوا کی کھدائی کے دوران ماہرین نے محل میں ایک مکمل لائبریری دریافت کی، اس میں کوئی بیس ہزار کتابیں تھیں۔ جب محلات جلا دیئے گئے تو کتابیں نہیں جلیں

کیونکہ یہ مٹی سے بنائی گئی تھیں۔ میسو پوٹیمیا میں تحریر کوئی 4000 ق م میں شروع ہوئی، یہاں ابتدائی کاغذ نہیں تھا چنانچہ مقامی لوگ مٹی پر لکھتے تھے۔ مٹی کی ٹکڑیوں پر کاتب لکھ کر انہیں سوکھنے کے لیے رکھ دیتے۔ میسو پوٹیمیا میں پہلے پہل لوگ ڈرائنگ کے ذریعے لکھتے تھے۔ لیکن مٹی پر ایسا کرنا ذرا مشکل تھا تب انہوں نے تقریباً ایک ہزار خط تصویری کی وضاحت کی، ہر ایک نقش کئی ایک لائنوں پر مشتمل ہوتا اور کسی ایک نکتہ یا مکمل مفہوم کی وضاحت کرتا، اس تحریر کو مِنی یا خط پیکانی کہا جاتا ہے۔ جنوبی میسو پوٹیمیا میں تشکیل پانے کے بعد سارے ایشیائے کوچک میں اس تحریر کا رواج پڑ گیا۔ مفکرین نے اس تحریر کو سمجھنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ داستانِ سائنسی مسودات جاننے کا موقعہ ملا ہے، نینوا میں جو کئی ایک مٹی کی تختیاں ملی ہیں ان میں دنیا کی تخلیق کے متعلق داستانوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ حمورابی کے قوانین بھی اس تحریر میں ملے ہیں۔

فونقیوں نے لکھنے کے معاملے میں گراں قدر اضافے کئے ہیں۔ تجارت، تیز تحریر کا تقاضہ کرتی ہے اور خط پیکانی اور تصویری خطوط میں یہ ذرا مشکل تھا۔ فینیائیوں نے اس کے لیے مصری تحریروں سے مدد حاصل کی، جس میں کرداروں کو ممتاز نہیں کیا جاتا تھا بلکہ الفاظ کے ساتھ آوازوں کا استعمال بھی ہوتا تھا۔ فونیقیا والوں نے جو حرف ابجد تیار کئے ان میں بائیس کرداری الفاظ تھے اور حروف علت کو اس میں سے علیحدہ کر دیا گیا۔ حروف ابجد کی ایجاد سے پڑھنے اور لکھنے میں آسانی ہوگئی اور ساتھ ہی یہ عمل مزید آگے ترقی کر گیا۔ میسو پوٹیمیا میں سکول کی نصابی کتب بھی ملی ہیں، طالبعلموں کو پڑھایا جاتا، کہ مختلف قسم کے طول وعرض رکھنے والے کھیت کتنی فصل پیدا کریں گے، 5 بھائیوں میں چاندی اس طرح تقسیم کرو کہ ہر ایک اگلے سے 1/5 زیادہ حاصل کر سکے، قرضے پر منافع کتنا ہوگا، یہ نتیجہ اخذ کرو کہ مختلف گہرائیوں کے چار تالاب کھودنے میں کتنے دن لگیں گے جبکہ ان کو پہاڑی ڈھلوانوں پر کھودا جائے گا، ان سوالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت میسو پوٹیمیا میں کون کون سے سائنسی علوم کا آغاز ہو چکا تھا۔ ایک بیماری کے علاج کے لیے جو خطوط تختیوں پر کھینچے جاتے وہ چالیس پر مشتمل ہوتے۔ بابل کے مذہبی پیشوا میناروں پر کھڑے ہو کر ستاروں کو دیکھتے، وہ پیشگوئی کر سکتے تھے کہ سورج گرھن کب ہوگا اور چاند کو گرہن کب لگے گا، انہوں نے سال کو مہینوں اور ہفتوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور دن کو گھنٹوں اور منٹوں میں، تاہم ایشیا کوچک کے قدیم باشندوں نے جو سائنسی معاملات اخذ کیں بحر حال وہ حقیقی سائنس سے بہت دور تھیں، بابلیوں کا خیال تھا کہ آسمان ایک بڑا گیند ہے جس کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے، جہاں سے بارش زمین پر گرتی ہے ان کا خیات تھا کہ سورج چاند اور دیگر سیارے دیوتا ہیں، ثقافت قدیم تحریں، سائنس معلومات اور فن جو ایشیا کوچک میں نمودار ہوا، وہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ مصری ثقافت، معاصرانہ شہادتوں کے مطابق ''دیکھو کتنی تیزی سے اور بغیر مزاحمت سے ''اسیریائی فوج'' وہ منزل کی طرف بڑھے ہیں نہ کوئی اونگھ رہا ہے اور نہ ہی کوئی سو رہا ہے، گھڑوں کے سم پتھروں کی طرح ہیں، پہیے اندھی اور طوفان کی طرح ہیں وہ شیروں کی طرح دھاڑ رہے

ہیں ان سے کوئی نہیں چھپ سکتا'' ایک قومی مہم کے متعلق،''میں نے ان کا خون دریاؤں میں بہا دیا۔ چٹانوں سے اور سرنگوں سے، پہاڑیاں، وادیاں اور میدان، سرخ اون کی طرح ہو گئے، میں نے مقامی آبادی کو کوڑے کرکٹ کی طرح جلا دیا، میں نے نہروں کے تازہ پانی کو دلدلوں میں بدل دیا میرے جنگجو، خوبصورت باغ پر ٹوٹ پڑے، لوہے کا کلہاڑا گونجا، میں نے گندم کا ایک بھی قوشا تیں چھوڑا'' نینوا کے تباہ ہونے پر''تم یہ دکھ اور مصیبت، اے شہر، تو مستقل لوٹ مار کا شکار ہے، گھوڑ سوار سواری کر رہے ہیں، تلوار پر رہی ہے، کلہاڑا چمک رہا ہے کئی لوگ مر گئے ہیں اور لاشوں کے پہاڑی ابھر آئے ہیں نینوا تباہ ہو چکا ہے اس کے لیے کون افسوس کرے گا۔ وہ جو تمہارے متعلق سنتا ہے وہ تمہاری قسمت پر خوش ہے۔ وہ جس نے تمہارا غصہ نہیں دیکھا؟''



باب:3

قدیم ہندوستان

محل وقوع اور خصوصیات:

ہندوستان دوسرے ملکوں سے دنیا کے بلند ترین پہاڑ ہمالیہ کے ذریعے علیحدہ ہوتا ہے جس کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ قدیم ہندوستان میں جانے کا واحد راستہ شمال مغرب کی جانب پہاڑی درہ جات تھے ان سے زمینی راستوں سے لوگ ہندوستان سے رابطہ کرتے، تقریباً تمام جزیدۂ نما ہندوستان تانبے اور لوہے کے خزانوں سے بھرا ہوا تھا۔ سطح مرتفع اور ہمالیہ کے درمیان میدان ہیں۔ مغربی میدانی علاقوں میں دریائے سندھ بہتا ہے اور مشرق میں دریائے گنگا بہتا ہے۔ ان دونوں دریاؤں کا منبع ہمالیہ میں ہے جب گرمیوں میں پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے تو وسیع وعریض علاقوں میں سیلاب آجاتا ہے یہاں تک کہ موسم خزاں میں بھی ہندوستان کا موسم گرما ہوتا ہے کیونکہ ہمالیہ شمال کی جانب سے آنے والی ہواؤں کو روک لیتا ہے۔ وادی سندھ جو کہ خشک صحرائی علاقہ میں یہاں کبھی کبھار بارش ہوتی ہے جبکہ گرمیوں میں وادی گنگاہ میں موسلا دھار بارش ہوتی ہے قدیم زمانہ میں یہ وادی جنگلات سے بھرپور علاقہ تھی انتہائی گھنے درخت اور جھاڑیاں، جنگلات میں دن کے وقت بھی اندھیرا ہوتا تھا۔ یہاں چیتے، شیر ہاتھی اور زہریلے سانپ جو جانوروں اور انسانوں کے لیے انتہائی خطرناک تھے، بکثرت پائے جاتے تھے۔

ابتدائی شہر:

لوگ سینکڑوں ہزاروں سالوں سے یہاں آباد تھے یہاں ابتدائی انسان کے بہت سارے نشانات ملے ہیں ایک طویل عرصہ تک ماہرین اس پر یقین کرتے رہے ہیں کہ لوگوں کی طبقات میں تقسیم، پہلی ریاست کا وجود سب سے پہلے ہندوستان میں واقع یعنی کوئی 1000 سال ق م میں کوئی پچاس سال پہلے

ماہرین آثارقدیمہ نے وادی سندھ میں قدیم کھنڈرات تلاش کئے جو تین اور چار ہزار سال ق،م میں ایک شہر کی حیثیت سے اپنا وجود رکھتے تھے۔ (موہنجوداڑو) شہر کی گلیاں سیدھی اور کشادہ تھیں، اینٹوں کے دو، تین منزلہ مکان جن میں آرائشائیں تھیں اور نہانے کے تالاب بنے ہوئے تھے، غریب لوگوں جھگیاں دوسری طرف تھیں ایک پہاڑی پر شہر کے ساتھ ہی ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا اور شہر کے قریب ایک اناج کا گودام تھا۔ اناج کے علاوہ وادی سندھ میں کپاس کاشت کی جاتی۔ کھیتوں کو سراب کرنے کے لیے آبپاشی کا نظام تھا اور لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی کے علاوہ غلہ بانی بھی تھا۔ شہر تجارت اور دستکاری کا مرکز تھا۔ دستکار سونے، کانسی اور تانبے کی اشیاء بناتے، یہاں سے کپاس میسوپوٹیمیا برآمد کی جاتی۔ ہڈیوں اور پتھروں کی بنی ہوئی کئی فہرلیں بھی دریافت ہوتی ہیں ان لوگوں کے پاس پالتو جانور تھے اور وہ تصویری خطوط کے ذریعے اپنے مطالب بیان کرتے۔ لیکن قدیم ہندوستانی زبان کا ابھی تک پڑھا جانا ممکن نہیں ہوسکا، وہ اشیا وادی سندھ میں کھنڈرات سے دریافت ہوئی ہیں یہ واحد ذریعہ ہیں کہ ہم اس دور کے لوگوں کے متعلق جان سکیں۔ 2000 ق،م میں اس شہر کی آبادی ہجرت کرگئی لیکن مورخ ابھی تک اس کی وجہ نہیں سمجھ سکے۔

شمالی ہندوستان کی آب و ہوا کس حد تک مصر اور بابل سے ملتی جلتی ہے۔ ہندوستان کا سب سے اہم پہلو اس کی جغرافیائی تنہائی ہے اگرچہ اس کے طرف کوہ ہمالیہ ہے تو دوسری طرف بحر ہند ہے اس ملک کے حقیقی قبائل دراوڑ ہیں، ہندوستان کی ابتدائی اور قدیم تاریخ کو دراوڑوں کی تاریخ کہتے ہیں دراوڑ قبائل کی ترقی اور ثقافتی ارتقاء کا ایک اندازے کے مطابق تعلق سو، عقند، معاشرے سے تھا، ہندوستانی آبادی کا زیادہ تر انحصار زراعت، غلہ بانی پر تھا۔ عام فصلیں گندم، جو اور گھریلو مویشی بھیڑیں وغیرہ تھیں۔ سئور، بھینس، اونٹ اور ہاتھیوں کو بہت پہلے سے۔۔۔ لیا گیا تھا۔ دراوڑی عہد کے دوران کئی ایک قصبوں اور شہروں کی بنیادیں رکھی گئی۔ (موہنجوداڑو کا ذکر سطور بالا میں کر دیا گیا ہے) ہڑپہ کے کھنڈرات ہمیں بتاتے ہیں کہ ہر شہر بھی وادی سندھ کا ایک عظیم شہر تھا اور تجارتی مرکز تھا۔ تعمیرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت دراوڑ ایک ریاستی قوت بن چکے تھے۔ ہندوستان ایک متحدہ صورت نہیں تھا بلکہ کئی ایک چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کا سلسلہ تھا۔

آریاؤں کے حملے اور ان کی ہندوستان میں آبادکاری:

آثار قدیمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طبقاتی سماج موجود تھا اگر معاشرے میں اشرافیہ طبقہ تھا تو غریب بھی لاتعداد تھے، سماجی نظام میں ذاتی ملکیت کا جذبہ حاوی تھا، تحریروں کے جو نمونے حاصل ہوئے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فن تحریر معیاری تھا اور اسی بنیاد پر ہم اس عہد کی تہذیبی ترقی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ 2000/- سال ق،م میں آرتین قبائل وسطی ایشیاء کے سرد علاقوں سے شمالی ہندوستان پر

حملہ آور ہوئے یہ لوگ خانہ بدوش انہیں کہا جاتا ہے جو اپنے ساز وسامان کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے ہیں۔ عام طور پر خانہ بدوش مویشی پال ہوتے ہیں جب مویشی ایک جگہ سے گھاس ختم کر لیتے ہیں تو یہ دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں یہ لوگ خاندانوں اور قبیلوں کی موت میں زندگی گزارتے ہیں۔ آریاؤں کے پاس دوسرے مویشیوں کے علاوہ گھوڑے بھی ہوا کرتے تھے ان کا سب سے بڑا دیوتا سورج دیوتا تھا جو ایک سونے کی رتھ پر بیٹھ کر، جس کو چمکدار سرخ گھوڑے کھینچے، آسمان پر سفر کرتا۔

قبیلے کا سردار راجہ کہلاتا، راجہ قبیلے کے افراد سے عطیات عطیات وصول کرتا جو اسے رضا کارانہ طور پر دیئے جاتے۔ آریاؤں کی کوئی تحریر نہیں تھی جو وہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتے، صحراؤں او خشک علاقوں سے نکل کر آریہ ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ سماجی اور ثقافتی لحاظ سے آریہ دراوڑوں سے بہت پیچھے تھے۔ نوقسم کے آریاتی قبائل تھے جن میں سب سے زیادہ اہم بھارتیہ قبیلہ تھا۔ یہ خانہ بدوش گائے کو اشیاء کے ساتھ تبادلے کے طور پر استعمال کرتے اس وقت جب کر سکے کا رواج نہیں تھا۔ چنانچہ آریہ نے جلد ہی خود کو دراوڑ ثقافت میں ضم کر لیا۔ ہندوستان میں آباد ہو کر انہوں نے کاشت کاری شروع کر دی، انہوں نے زرخیز زمینوں پر قبضہ کر لیا اور دراوڑ قوم کی اکثریت کو شمال ہندوستان سے بھگا دیا۔ کچھ کو غلام بنا لیا اور ان کے ساتھ بے انتہا ظلم وستم کیا ان کی تضحیک کی گئی اور جبری مشقت کے لیے مجبور کیا گیا۔

1000 ق،م میں ہندوستانیوں نے لوہے کی کانوں کے متعلق علم حاصل کر لیا تھا اور اس سے اشیاء بنانا شروع کر دی تھیں لوہے کے کلہاڑوں اور بیلچوں کے سامنے جنگل کوئی رکاوٹ نہیں تھے وادی گنگا میں زیادہ تر علاقے کو جنگلوں سے صاف کر دیا گیا اور زرخیز زمینیں حاصل کی گئیں، نہریں نکالی گئیں اور ہل کے ذریعے کاشتکاری شروع ہوئی۔ نم دار فضا اور گرم موسم کی وجہ سے شاندار فصلیں پیدا ہوتیں۔ لوہے کے ہل کے ذریعے سخت زمینوں کو بھی قابل کاشت بنایا گیا، ہل چلاتے وقت بیلوں کو استعمال کیا جاتا، ہندوستانی اناج کے علاوہ کپاس سے باریک ململ تیار کیا کرتے تھے۔ مویشی پالنے کے علاوہ پولٹری بھی رکھتے تھے جدید مرغ ہندوستان سے آئے ہیں یہاں پہلے پہل مرغوں کو گھریلو طور پر پالا گیا۔ ہاتھیوں کو سدھالیا گیا اور ان سے درختوں کو اکھاڑنے، سامان ڈھونے اور لوگوں کے لیے بطور سواری کام لیا جاتا۔ ہاتھی جنگوں میں اہم کردار ادا کرتے ان کے ذریعے دشمن پر حملہ کیا جاتا اور ان کی صفوں کو حملے میں توڑ دیا جاتا اگرچہ ہندوستانی قدرتی ماحول انتہائی خطرناک تھا، لیکن ہندوستانیوں نے کسی حد تک اس پر قابو پالیا۔ آریاؤں نے بتدریج جنوبی ہندوستان میں بھی داخل ہونا شروع کر دیا انہوں نے مقامی آبادی کو فتح کر لیا۔ مقامی آبادی اور فاتح آریاؤں کے درمیان بڑے عجیب وغریب تعلقات قائم ہوئے جس کی بنیاد ذات پات کا نظام تھی۔ طبقات کا وجود: ہندوستانی لوگوں کی محنت کا پھل راجہ، مذہبی پیشواء اور امراء کھاتے جو اپنی مقامی برادریوں سے مویشی اور فصلوں کا حصہ لیتے۔ کسان برادری کے اراکین بھاری ہل کے

ساتھ زمین کاشت کرتے اور امراء اتھوں میں بیٹھ کر سفر کرتے، شکار کھیلتے اور ہمسایوں کے ساتھ جنگوں میں مشغول رہتے امراء قیدیوں کو غلام بنا لیتے، غلام کو بدیشی یا دشمن کہا جاتا۔ غلام کاشت کے قابل بنانے کے لیے زمین صاف کرتے، دیگر کاموں کے علاوہ امراء کے گھروں میں کام بھی کرتے۔ امراء غلام دار بن گئے جو کسانوں اور غلاموں کا استحصال کرتے۔

ریاست کا وجود:

کسانوں اور غلاموں کو تابع فرماں رکھنے کے لیے راجاؤں نے جنگجوؤں کے مسلح دستے بنائے۔ یہ گروپ مستقل فوجیوں کی صورت اختیار کر گئے۔ نگران محافظ بن گئے راجاؤں کے نوکر جو برادری کسانوں سے فصلوں اور مویشیوں کی صورت میں حصہ وصول کرتے وہ سرکاری عہدیدار بن گئے۔ انہی میں سے ٹیکس کلکٹر اور جج بنائے گئے۔ راجہ بتدریج بادشاہ بن گئے پہلے سردار منتخب کیا جاتا تھا لیکن اب یہ سلسلہ خاندانی بنیادوں پر وارثتاً چلنے لگا۔ اس طرح 1000 ق م کے دوران ہندوستان میں بادشاہ، محافظین، فوجیوں اور ٹیکس منشیوں، عدالتی عہدیداروں اور دیگر نوکروں کی صورت میں ریاست وجود میں آ گئی۔ غلام داروں کو ریاست کی ضرورت تھی تا کہ وہ اپنی دولت اور اپنی زندگیوں کا دفاع کر سکیں۔ انہوں نے کہا ''اگر بادشاہ کی طرف سے ان کی حفاظت نہ ہو تو امیر لوگ ہلاک کر دیئے جائیں یا خوف میں مبتلا رہیں۔'' انہوں نے مذہب کو لوگوں کا زیادہ سے زیادہ استحصال کرنے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔

ذات پات میں تقسیم:

ہندوستانی دیوتا برہما کو دنیا اور انسانوں کا تخلیق کار کہا جاتا ہے اس لیے ہندوستانی مذہبی پیشواؤں کو برہمن کہا جاتا ہے، برہمن کہتے تھے کہ دیوتا نے لوگوں کو اپنے جسم کے مختلف حصوں سے بنایا ہے، اس نے اپنے منہ سے برہمن کو بنایا ہے۔ اس لیے وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ خدا کی زبان ہوتی ہے، اس (خدا) کے بازوؤں سے جنگجو بنے ہیں، اس کی رانوں سے کسان اور دستکار اور اس کے پاؤں کی مٹی سے شودر یا نوکر بنائے گئے ہیں، چنانچہ برہموں کی تعلیمات کے مطابق خدا نے انسانوں کو مختلف ذاتوں میں تقسیم کر رکھا ہے، برہمن کا بیٹا برہمن پیدا ہوتا ہے اور شودر کا بیٹا شودر، ایک انسان کی وہی ذات رہے گی جس میں وہ پیدا ہوا ہو، شودر ایک مشکل ترین زندگی گزارتا ہے لیکن ان کے لیے زندگی اور بھی اجیرن تھی جو اچھوت قرار دیئے گئے (جنہیں چھوا نہیں جا سکتا) اچھوت کسی بھی ذات میں شمار نہیں کئے جاتے تھے، کہا یہ جاتا تھا کہ ان لوگوں کو چھونا انسان کی توہین ہے ان لوگوں سے سخت اور ناگوار قسم کے کام لیے جاتے، مثلاً صفائی کا کام اور مردہ جانوروں کی کھالیں صاف کرنا وغیرہ اور کہا یہ جاتا تھا کہ لوگوں کی جو بھی ذاتیں ہیں، یا

ان کی معاشرتی ذمہ داریاں ہیں یہ خدا کی طرف سے عائد کی گئی ہیں، برہمن کے بقول خدا نے بادشاہ کو تخلیق کیا ہے، تا کہ وہ اپنی قوموں اور دیگر اداروں کی مدد سے اپنے قوانین کا نفاذ کروا سکے تا کہ مذہبی پیشواؤں کی اور غلام داروں کی بالادستی برقرار رہے۔ وہ جو ان قوانین کو توڑتے انہیں سخت ترین سزائیں دی جاتیں۔ مذہب غلام دارانہ ریاست کی حمایت اور تائید کرتا اور ریاست مذہب کی تائید وحمایت کرتی۔

ذات پات کے نظام میں برہمن (مقدس، مذہبی) کھشتری (جنگجو) ویش (کسان پیشہ، کھیتی باڑی کے لیے مخصوص) اس کے ساتھ یہ لوگ تاجر اور دستکار بھی ہوا کرتے تھے، شودر (یہ لوگ انتہائی گھٹیا قرار دیئے جاتے اور غلاموں کی طرح زندگی بسر کرتے اور کسی کی مرضی کے مطابق مشقت کرتے) ان مختلف ذاتوں کے درمیان جو دیوار کھڑی تھی وہ نا قابل عبور تھی۔ مثلاً مختلف ذاتوں کے درمیان شادی ممنوع تھی اور اسے جرم سمجھا جاتا تھا۔ ایسے بچے جو دو ذاتوں کے مابین شادی کے نتیجے میں پیدا ہوتے وہ بڑے گندے تصور کئے جاتے یہاں تک کہ انہیں معاشرے میں تنگ نظری سے دیکھا جاتا۔ سب سے زیادہ باوقار اور رتبے کے لحاظ سے اعلیٰ ذات برہمنوں کی تھی۔ یہ لوگ مذہبی پیشوائیت کرتے اور ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد تھے۔ نہ ہی ان سے مشقت لی جاسکتی تھی اور یہ ٹیکس سے مستثنٰی تھے۔ قدیم ہندوستان کے وہ قوانین جو برہموں نے بنائے، ان کے مطابق سب سے زیادہ مراعات برہمنوں کو حاصل تھیں۔ زمانہ امن میں کھشتری نسبتاً پرسکون زندگی گزارتے، لیکن زمانہ جنگ میں صرف یہی لوگ ریاست کے دفاع کی ذمہ داری سنبھالتے، ویش سرکاری خزانے کے لیے ٹیکس ادا کرتے، ان سے زرعی پیداوار کا 1/6 فیصد حصہ بطور ٹیکس لیا جاتا جبکہ تاجر 1/5 فیصد حصہ ٹیکس کے طور پر سرکاری خزانے میں جمع کرواتے، چنانچہ یہ لوگ فوجی سروس سے مستثنٰی قرار دیئے گئے۔ سب سے بری حالت شودروں کی تھی جو ہر قسم کے انسانی حقوق سے محروم تھے۔

برہمنوں کے قوانین:

کیونکہ برہمن دیوتا کے جسم کے سب سے اعلیٰ حصہ سے تخلیق کیا گیا ہے اس لیے یہ ساری دنیا کا آقا ہے برہمن جو کچھ پسند کرے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسے دے دیا جائے۔۔۔ خدا نے شودر کی صرف ایک ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ اعلیٰ ذات والوں کی خدمت کرے۔۔۔ جنگجو کے بغیر برہمن اور برہمن کے بغیر جنگجو خوشحال نہیں ہو سکتے۔۔۔ خدا نے جنگجوؤں کو پوری دنیا کی حفاظت کے لیے بنایا ہے۔۔۔ لوہے کی ابلتی ہوئی سرخ سلاخ اس شودر کے منہ میں رکھ دی جائے جو اعلیٰ ذات والوں کی توہین کا مرتکب ہو۔ بادشاہ کو یہ حکم دینے کی اجازت ہے کہ شودر کے منہ میں اور کانوں میں ابلتا ہوا تیل ڈال دیا جائے، جو برہمن کے ساتھ بحث ومباحثہ کرے۔

ہندوستان، چھٹی تا تیسری صدی ق م میں:

چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں کئی ریاستیں وجود میں آچکی تھیں ان میں سب سے بڑی ریاست مگدھ تھی جو وادی گنگا کے وسط میں واقع تھی اور کوشل جو شمال مغرب میں واقع تھی۔ اس سے پہلے ہندوستان میں کئی درجن چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن کے راجے مہاراجے اور بادشاہ ایک دوسرے کی زمینوں اور مال و دولت پر قبضے کے لیے برسرپیکار رہتے تھے۔ کچھ ریاستیں ختم ہوگئیں کچھ مضبوط اور مستحکم ہوئیں وادی گنگا میں ریاست مگدھ ایک طاقتور ریاست تھی جس کا دارالحکومت پاٹلی پتر تھا جسے آج کل پٹنا کہتے ہیں۔ چوتھی صدی ق م میں ملک کا شمال مغربی حصہ سکندر اعظم کے قبضے میں چلا گیا اس کے بعد اس علاقے میں مقدونیا اور یونانی فوجی چھاؤنیاں قائم ہوگئیں۔ جب سکندر نے ہندوستان سے مراجعت کی تو چندر گپت موریہ کی قیادت میں (297-322 ق م) آزادی کی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک کہاوت کے مطابق چندر گپت موریہ کا تعلق کھشتری ذات سے تھا لیکن دوسری روایت کے مطابق وشودر تھا۔ غالب خیال یہی ہے کہ اس نے زبردست تحریک کو سنبھالتے ہوئے اقتدار پر قبضہ کرلیا چندر گپت نے ایک زبردست ریاست کی بنیاد رکھی اور سکندر کے ہندوستان کے لیے نامزد کمانڈر کے خلاف اسے زبردست فتح ہوئی اور اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا۔ ایک قدیم مصنف کے مطابق چندر گپت موریہ کے پاس ایک زبردست فوج تھی جو چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھی اور یہ فوج بہترین ہتھیاروں سے مسلح تھی۔ تیس ہزار گھڑسوار اور نو ہزار جنگی ہاتھی فوج کا اہم حصہ تھے۔ ہندوستانی ریاست اپنے عروج پر موریہ خاندان کے تیسرے بادشاہ کے عہد میں پہنچی (اشوک تیسری صدی ق م) جزیرہ نما ہندوستان کے کچھ جنوبی علاقوں کے علاوہ سارا ہندوستان اشوک کی سلطنت میں شامل تھا۔ اشوک کے عہد میں ہندوستانی ریاست مضبوط اور طاقتور ہوئی اور طویل جنگوں کا ایک سلسلہ ختم ہوگیا۔ جو اندرون ملک ایک طویل عرصے سے جاری تھا اس عہد میں ملک کی ثقافت کو فروغ حاصل ہوا اور اس کے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ تعلقات میں بہتری پیدا ہوئی۔

قدیم ہندوستان کی ثقافت:

قدیم ہندوستان کے شہر 1000 ق م میں نشوونما حاصل کرنے لگے سب سے بڑا شہر پاٹلی پتر تھا (موجودہ پٹنا) یہ شہر دریائے گنگا کے کناروں پر واقع ہے اس شہر کے چونسٹھ دروازے تھے اور اس کے چاروں طرف قلعہ بند حفاظتی دیوار بنائی گئی تھی اور خندقیں کھودی ہوئی تھیں۔ بادشاہ کا محل وسط میں تھا یہ ستونوں، نقش و نگار اور مجسموں سے سجایا گیا تھا۔ کئی شہر باقاعدہ منصوبے کے تحت تعمیر کئے گئے تھے ان کی گلیاں سیدھی تھیں، شہروں میں دستکاری کو بڑی تیزی سے ترقی حاصل ہوئی، ہاتھی دانت کا کام، پتھر اور

لکڑی کو تراشنے والوں، کپڑا بننے والوں اور لوہاروں کی ورکشاپیں تھیں۔ دستکاروں کی سرپرستی بادشاہ کرتا تھا اور یہ لوگ ٹیکس سے آزاد تھے۔ پاٹلی پتر سے ہندوستان کے دیگر شہروں کی طرف کھلی سڑکیں بنائیں گئیں تھیں سڑکوں کے ساتھ ساتھ پانی کے کنوئیں کھدے ہوئے تھے اس شہر کے علاوہ دیگر کئی شہر تعلیم اور طب کے مراکز تھے۔

زراعت اور دستکاری میں ترقی سے ریاست کی نمود ہوئی جس سے نئی قسم کی تحریر بھی وجود میں آگئی جو دو، تین ہزار سال ق م کی تحریر سے مختلف تھی جو کہ معدوم ہو چکی تھی، ہندوستانیوں نے فونیشیا کے حروف ابجد کی بنیاد پر تحریر لکھی، ہندوستانی کھجور کے خشک پتوں پر تحریر کیا کرتے، یہاں کے باشندے زمانہ قدیم سے علم جیومیٹری اچھی طرح جانتے تھے اس کا اظہار عمارتوں کی تعمیر، سڑکوں اور گلیوں کی یکساں پیمائش سے ہوتا ہے۔ ہندوستانیوں نے صفر کو علم ریاضی میں متعارف کروایا اور انہوں نے .بن نمبر تک گنتی کا کام سیکھ لیا۔ آج ساری دنیا اس نظام کو تسلیم کرتی ہے۔ یورپی ان اعداد کو عربی کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ عربوں سے سیکھا تھا جبکہ عربی انہیں ہندوستانی کہتے ہیں۔ شہروں میں ابتدائی تعلیم کے سکول تھے جہاں ادب، گرائمر، علم ریاضی اور دیگر معاشرتی علوم پڑھائے جاتے لیکن ذات پات میں تقسیم کی وجہ سے علم وسیع طور پر نہ پھیل سکا۔ برہمنوں اور جنگجوؤں میں چند افراد پڑھے لکھے ہوتے لیکن شودروں اور اچھوتوں کے لیے سکولوں کے دروازے بند تھے اچھوتوں کو تو شہر میں رہنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ علم طب میں بھی ہندوستانیوں کی ترقی بے مثال تھی، ہسپتال اور طبی سکول پاٹلی پتر میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے دیگر شہروں میں بھی قائم تھے مستقبل کے طبیب سات سال کا طبی کورس کرتے، ہندوستانی طالب علم سرجری جانتے تھے اور ان کے پاس بہت اچھی نشہ آور ادویات تھیں۔ طب کے معاملے میں زمانہ قدیم سے ایک مذہبی سلسلہ بھی موجود رہا ہے جب جادوگر کالا علم پڑھ کے شیطان کی روح جو کئی انسانوں میں داخل ہو جاتی اسے نکالنے کی کوشش کرتے، دوائیاں دیتے اور سرجری کے بعد طبیب کچھ پڑھتے تاکہ بیماری انسان سے خارج ہو جائے۔

تحریر کے وجود میں آنے سے ہندوستانی اس قابل ہو گئے کہ وہ سینکڑوں سالوں سے نسل در نسل چلنے والی کہاوتوں اور کہانیوں، گیتوں اور واقعات کو الفاظ میں ڈھال سکیں وہ گیت جو ہندوستانیوں نے تخلیق کئے وہ دو نظموں میں ملتے ہیں، رامائن اور مہابھارت، مہابھارت حقیقی تاریخی واقعات پر مشتمل ہے، دو شاہی خاندانوں کی اقتدار کے لیے جنگ۔ لوک شاعروں نے ان واقعات کو بڑی تفصیل کے ساتھ بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ رامائن میں شہزادہ راما کی شاندار فتوحات کو بیان کیا گیا ہے، اسے ملک سے باہر نکال دیا گیا تھا اس کی بیوی ایک شیطان بادشاہ نے قبضے میں کر لی۔ راما نے ایک بڑی فوج تشکیل دی جو بندروں اور سوروں پر مشتمل تھی۔ اس نے سری لنکا پر حملہ کر دیا جہاں اس کی بیوی

قید تھی اور وہاں اس کے دشمن کی حکومت تھی، راما نے اسے ہلاک کر دیا، اپنی بیوی کو آزاد کروایا اور ملک واپس آ گیا۔ نظموں کے علاوہ ہندوستان لوگوں نے ادب میں گراں قدر تخلیقات کی ہیں مثلاً حکایات وغیرہ جس میں بے وقوفوں، لالچیوں اور ناپسندیدہ افراد کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ مثلاً ایک کہاوت میں کہا گیا ہے کہ کوا درخت کی شاخ پر بیٹھا تھا اور اس کی چونچ میں اس کا کھانا تھا ایک مکار گیدڑ نے کوے کی آواز کی تعریفیں شروع کر دیں۔ جب بے وقوف کوا کائیں کائیں کرنے لگا تو کھانا اس کے منہ سے گر پڑا اس طرح کی دیگر کئی کہاوتوں سے دوسرے ملکوں میں حکایت تحریر کرنے کا رواج پڑا، ادب کئی ایک عقائد کا اظہار کرتا ہے جو اس وقت ہندوستان میں رائج تھے۔ ہندوستانی عوام کی نفسیات اور ان کا سماجی پس منظر جاننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کے قدیم مذہبی عقائد اور نظریات کے متعلق جانکاری حاصل کی جائے جن میں قدیم سماج کی واضح جھلک ملتی ہے۔ برہمن لوگوں کو چونکہ قدیم سماج میں بالائی حیثیت حاصل تھی اس لیے وہی لوگوں کی مذہبی راہنمائی کیا کرتے تھے۔ برہمن ازم کی بنیاد تین دیوتاؤں پر یقین رکھنے سے ہے، برہما، دنیا کو تخلیق کرنے والا، منشو، اچھائی کا دیوتا، شیوا، شیطانی دیوتا یا برائیوں کا دیوتا، اس مذہب کے ارتقاء کا گہرا تعلق برہمن ازم پیشوائیت کو مستحکم کرنے کے عزم کے ساتھ ہے۔ صرف برہمن ہی مذہبی کتاب ویداس کی تشریح اور مفہوم ادا کرنے کے مجاز تھے، عبادات اس قدر مشکل اور پیچیدہ تھیں کہ ان کی تشریح اور تعبیر کرتے وقت انتہائی باریک نقاط کو بھی مدنظر رکھا جاتا تھا۔ جس طرح پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مذہب پر بات چیت کرنا یا موضوعات کی تعبیر و تشریح کرنا شودروں کے لیے سخت جرم تھا۔ اس عہد کی مذہبی تاریخ آباؤ اجداء کی نسلی سلسلوں کی تاریخ ہے جس میں بزرگوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ ہندوستانی تہذیب کی بنیاد کا تقرر کم از کم 1000 اور 2000 ق م سے کیا جاتا ہے جب آریاؤں اور مقامی ہندوستانیوں نے تہذیب کی بنیاد کا آغاز کیا۔ بھارت دراصل اسی وقت سے اسے کہا جاتا ہے۔ اس عہد میں ویدک کلچر اور تعلیم اپنے عروج پر تھی۔ طالب علموں کے گروہ ٹولیوں کی صورت میں ملک کے دور دراز علاقوں کا سفر کرتے اور گھوم پھر کر معلومات اکٹھی کرتے اور علم حاصل کرتے۔ یہ لوگ اس وقت کے عالم فاضل بادشاہوں اور شہزادوں سے ملاقاتیں کرتے اور علمی بحثیں کرتے۔ (Upanisads) اپنشد ہندو فلسفہ کا ترجمان ہے اس فلسفہ کے مطابق آتما کی وضاحت کی گئی ہے، آتما کا مطلب مطلق ہے یعنی قوت جسے بہر صورت برقرار رہنا ہے اس کو جاننا انسانی حسیات سے بالاتر ہے یہ بھوک، پیاس، افسوس، موت اور زوال اور جذبوں سے بالاتر ہے جو لوگ زندگی کی تمام خواہشات کو بالاتر رکھ دیں وہ آخر کار برہمن بن جائیں گے۔ برہمن کی تعریف ہندو فلسفہ میں یوں کی گئی ہے کہ ''یہ زمین و مکان کی حدوں میں نہیں آتا، زمان اور مکان اس میں ہوتے ہیں۔'' برہمن نظر نہیں آتا لیکن سب کچھ دیکھتا ہے اسے سنا نہیں جا سکتا لیکن سب کچھ سنتا ہے گمنام ہے لیکن سب کو جانتا ہے۔ ہندو فلسفہ میں مزید کہا گیا ہے کہ بیرونی روشنی یعنی چاند،

سورج آگ وغیرہ ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر اپنی روشنی روشن ہو جاتی ہے یعنی آتما، پیدائش کے وقت جو انسان وجود میں آتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان چمٹ جاتا ہے کائنات ایک تصور ہے مغالطہ ہے اسے صرف علم کی تلوار سے کاٹا جا سکتا ہے اس سے نجات حاصل ہو سکتی ہے (مطلق حقیقت) آتما کا نظریہ سب سے پہلے رگ وید میں فرض کیا گیا ہے۔۔۔۔ برہمن ازم کی جڑیں ایک قدیم مذہب کے ناطے ہندوستانی عوام میں بڑی گہرائی سے سرایت کر چکی تھیں۔ مذہبی تحریکوں کے حوالے سے بدھ ازم کے تصور کو برہمن ازم کا ردِ عمل قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہندوستانی سرزمین نے بدھ ازم کو اتنی گرمجوشی سے قبول نہیں کیا جتنا کہ ہندوستانی سرحدوں سے باہر اسے تسلیم کیا گیا، بدھ یا شاکیہ منی کی پیدائش 623 ق م کا واقعہ ہے اس کے نظریات نے اس عہد کے وسیع مکتب فکر کو متاثر کیا تھا۔ بدھ کی تعلیمات میں کہا گیا ہے کہ نجات انسان کا بنیادی مقصد ہونا چاہیے زندگی کو براہ راست اور ذاتی تجربات سے سمجھنے کی کوشش کی جائے، وجودیت کا اول قانون تبدیلی اور غیر مستقلی ہے۔ کوئی شے بڑی ہے یا چھوٹی اپنے وجود کے لیے وہ ایک ہی طرح سے گردش کرتی ہے اور مسلسل چکر میں رہتی ہے۔ پیدائش، نشوونما، زوال اور موت، زندگی مسلسل ہے، مختلف انداز میں اپنا اظہار کرتی ہے زندگی ایک پل ہے اس پر گھر تعمیر نہ کرو، جو اس سے چمٹتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے، تبدیلی کا قانون روح پر بھی لاگو ہوتا ہے فرد میں کوئی ایسی شے نہیں جو مستقل اور لازوال ہو، حقیقت مطلب تبدیلی سے بالاتر ہے۔ کائنات قانون کا ایک اظہار ہے۔ تمام مظاہر کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے انسان کی روح یا اس کا کردار اس کے سابقہ خیالات اور اعمال کا اظہار ہے انسان اپنے حالات کا خود ذمہ دار ہے۔ اپنے عمل، مستقبل کی صورت اور انجام کا بھی۔ اپنے درست خیالات سے وہ بتدریج باطنی طہارت کر سکتا ہے اور خود جانکاری سے وہ لازوال بن سکتا ہے۔ لیکن اس میں ایک طویل عرصہ لگتا ہے، زندگی، موت اور زندگی لیکن آخر کار زندگی کی ہر قسم روشنی حاصل کر لے گی، زندگی ایک ہے اور ناقابل تقسیم ہے۔ اس کی کئی اقسام ہیں جو تلف ہو جاتی ہیں، ہر شے کو مرنا ہے زندگی اپنی اشکال بدلتی ہے، یہ قوانین کا قانون ہے ابدی ترتیب، جو اس کو توڑنے کی کوشش کرے گا نقصان اٹھائے گا اور نروان کے حصول میں دیر لگائے گا، زندگی ایک ہے اسے دوسروں کے لیے وقف ہونا چاہیے۔ ہر جگہ دکھوں کا وجود ہے اس کی وجوہات غلط خواہشات ہیں۔ انسان کو نروان حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کرنی چاہیے۔ حقیقت ناقابل بیان ہے۔ بدھ پرستوں کا خیال ہے کہ بدھ کا فلسفہ دو انتہاؤں کے درمیان ایک راستہ ہے بدھا نہ تو قنوطی تھا اور نہ ہی فراریت پسند۔ اگرچہ بدھا کی تعلیمات کا غالب پہلو موضوعیت پسندی ہے، بدھا نے اپنے چیلوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر طرف پھیل جائیں اور لوگوں کو نیکی، خوشی اور سچائی کا درس دیں۔ اس نے 47 سال کی عمر میں ٹیکسلا کا سفر کیا اور 80 سال کی عمر میں بدھا کا انتقال ہوا۔

روحانی مکاتیب فکر نے انسان کی زندگی کو موضوعی حوالوں سے تبدیل کرنے کی کوشش کی،

دراصل برہمن ازم نے ایک طویل عرصہ سے ہندوستانی معاشرے پر جو چھاپ لگا رکھی تھی اس کی برائیاں بھی سب پر عیاں تھیں، بدھ ازم مذہبی اقدار کو نئے سرے سے حالات کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس دوران ایسے مکاتیب فکر جو رائج الوقت اقدار کی نفی کرتے تھے اور دنیا کو سمجھنے کا ایک اپنا انداز رکھتے تھے، جو کسی حد تک منطقی اور حقیقی تھا، ادب میں بڑے شاندار طریقے سے ان لوگوں کے نقطہ نظر کو بیان کیا گیا ہے، جو خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے ''خدا اپنا وجود نہیں رکھتا وہ تمام لوگ جو خدا پر یقین رکھتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ ہندوستان میں قدیم ترین فلسفیانہ رجحان چرواکی مکتبہ فکر ہے چرواکیوں کا یقین تھا کہ دنیا چار بنیادی عناصر پر مشتمل ہے آگ، پانی، ہوا اور مٹی تمام موجود اشیاء یہاں تک کہ انسان بھی انہی عناصر پر مشتمل ہے، موت کے زندہ عقدیات، پھر ان عناصر میں بکھر جاتے ہیں، چرواکی خدا کے متعلق مذہبی نقطہ نظر پہ تنقید کرنے اور روح کی لازوالیت اور عالم غیب کی بھی نفی کرتے، انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موت کے بعد انسانی شعور بھی ختم ہو جاتا ہے چرواکیوں کی مادیت ان کے لادینی تصور سے انتہائی قریب تھی۔ وہ خدا کے تصور سے انکار کرتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ مادی دنیا کو کسی بھی خدائی طاقت سے آزاد ہونا چاہئے اور اسے اپنے باطنی اسبابی تعلق کی بنا پر ترقی کرنی چاہیے اور وہ جنت اور دوزخ کے وجود سے انکار کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ دوزخ اذیت اور خوشی جنت ہے، چرواکی سمجھتے تھے کہ اذیت کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا لیکن کسی حد تک کم کیا جا سکتا ہے، جبکہ خوشی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ قدیم ہندوستان میں مادی فکری رجحانات کئی دیگر مکاتیب فکر میں تشکیل پا رہے تھے چنانچہ فلسفیانہ اصول پرستی سمکیا کی بنیاد کوئی 400 ق م میں کپیل نے رکھی، اس کا خیال تھا کہ دنیا کا منبع یا آغاز یا ابتدا مادہ ہے۔ سمکیا مکتب فکر کا دعویٰ تھا کہ زمان و مکان، خلاء اور وقت مادہ کی صفات ہیں انہیں اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ خیال پرستی کے خلاف یہ ایک طاقتور فکری مہم تھی۔ چنانچہ ان فلسفیوں نے کسی حد تک مصالحانہ طرز عمل اختیار کرتے ہوئے روح کی مادہ سے علیحدہ حیثیت کو تسلیم کیا۔ ہندوستانی مفکر فلسفیانہ اور علمی حاصلات میں بہت آگے تک سوچتے رہے ہیں، مثلاً یہ کہ دنیا کی تشکیل ایٹمی ذرات سے ہوئی ہے۔ نیایا اور وسیکیا مکتب فکر نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا کیفیتی لحاظ سے ہوا پانی، مٹی اور آگ کے چھوٹے چھوٹے متفرق ذرات پر مشتمل ہے، ان کے مطابق ''آنو'' (ANU) کو نہ بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی تباہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ مکاتیب فکر تھے جنہوں نے خیالات پسند اور رجعت پرستانہ بہاؤ کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی (مثلاً میمیا نسا جین ازم، بدھ ازم اور دیگر) ہندوستان کی فکری تحریکوں میں مذہب پرستی اور مادیت پرستی کے درمیان مناقشہ جاری رہا ہے اور ان میں ہندوستانی مفکروں نے تاریخی کارنامے انجام دیئے ہیں۔

علمی اور فکری حاصلات کے علاوہ فن سنگ تراشی اور تعمیرات میں بھی اہم کامیابیاں حاصل کیں۔ ہندوستان کی قدیم تحریر جس طرح معدوم ہوئیں ایسے ہی ان کا قدیم ترین رہن سہن مثلاً لکڑی کے

مکانات اور مجسمے ہمارے عہد تک نہیں پہنچ سکے۔ پتھروں کی عمارات اس وقت پھر بننا شروع ہوگئیں جب چوتھی صدی ق م میں ہندوستان میں ایک مضبوط اور مستحکم ریاست قائم ہوگئی خاص طور پر اشوک کے عہدے میں مجسمے ستون اور کئی قسم کا تعمیراتی کام ہوا۔ سلطنت کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے اشوک کے حکم پر قد آور ستون تعمیر کئے گئے ہر ایک ستون ایک بڑی چٹان سے بنایا گیا تھا ان میں سے ایک پر چار شیر بنائے گئے تھے یہ چاروں طرف اس طرح سے دیکھ رہے تھے جیسے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہوں۔ فن تعمیرات کا ایک شاندار نمونہ ایک مندر تھا اور تراشیدہ دروازہ ہے جو پہلی صدی قبل مسیح میں تعمیر کیا گیا۔ اس عمارت پر لگے ہوئے قیمتی زیورات ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان کتنا امیر تھا، اس دور کی لوک کہانیاں، ہیرو اور دیوتاؤں کی شبیہیں، دروازوں اور دیواروں پر بنائے گئے۔ مقدس جانوروں کی تصاویر بھی عمارتوں کی دیواروں پر بنائی جاتیں۔ شطرنج کھیلنے کا آغاز ہندوستان سے ہوا، ہاتھی دانت کے بنے ہونے مہرے، پیادے سپاہی، بادشاہ، ہاتھی، گھوڑے اور وسط میں بادشاہ، شطرنج کا بورڈ ایک فوجی ترتیب کا اظہار کرتا ہے۔

غیر ممالک سے تعلقات:

تین چار ہزار سال ق م میں جو تعلقات ہندوستان کے دیگر ملکوں سے قائم تھے دریائے سندھ کی وادی میں شہروں سے لاتعلق ہونے کے سبب یہ تعلقات کمزور ہوگئے لیکن زراعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ تعلقات بھی ہمسایہ ملکوں سے دوبارہ قائم ہونے لگے، افزائش نسل مویشیاں، دستکاری اور تعلیم میں ہندوستان کی ترقی سے ریاستیں وجود میں آئیں، یہاں سے سامان بیرونی ملکوں کو برآمد کیا جانے لگا۔ بحری جہاز میسوپوٹیمیا اور مصر جاتے اور سامان سے لائے ہوئے قافلے وسطی ایشیا کی طرف شمال کی جانب پہاڑی دروں میں سے جاتے۔ ان دروں سے تجارت بحیرہ روم کے ملکوں تک کی جاتی۔ بہترین ململ قیمتی پتھر، ہاتھی دانت اور سامان تعیش کی یورپ میں بڑی قدر ہوتی۔ تاجروں کے علاوہ بیرونی ملکوں سے ہندوستان کی طرف سیاح آتے، ہندوستان اپنے سفارت کار دوسرے ملکوں کو بھیجتا۔ زمانہ قدیم میں ہندوستان اور جنوب مشرق ایشیا کے ملکوں کے درمیان قریبی تعلقات تھے۔ ہندوستانیوں نے ہند چینی اور انڈونیشیا سے صرف تجارت ہی نہیں کی بلکہ وہاں آباد بھی ہوگئے ہندوستان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد مقامی بادشاہوں کے درباروں میں اعلیٰ عہدوں پر تعینات تھے۔ ہندوستان کے ساتھ قریبی تعلقات کی وجہ سے جنوبی مشرقی ایشیا کی ثقافت پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور ہندوستانی ثقافت ان ملکوں پر اثر انداز ہوئی۔ اپنی ثقافت کو ترقی دینے کے لیے ہندوستانیوں نے اپنے آباؤاجداد سے بہت کچھ لیا، اس کے علاوہ ان ممالک کے باشندوں سے بھی جو ان سے زیادہ ترقی یافتہ تھے، ہندوستان نے زمانہ قدیم میں

ثقافتی حاصلات کے ذریعے اس دور کی سماجی نشو ونما کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

زمانہ قدیم میں سری لنکا:

جزیرہ سری لنکا جزیرہ نماء ہندوستان سے زیادہ دور نہیں یہ تقریباً خط وسط پر واقع ہے۔ بحر ہند کے مغربی اور مشرقی حصوں کے بحری راستے سری لنکا کے قریب سے گزرتے ہیں چند کلومیٹر چوڑی آبنائے اسے ہندوستان سے علیحدہ کرتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی چٹانیں جو سمندر سے ابھری ہوئی ہیں اور کئی جزیرے جو چھوٹے چھوٹے ہیں اور سمندر سے باہر جھانک رہے ہیں۔ ان سے سری لنکا کے مواصلاتی نظام کو بڑی سہولت مل گئی، ہندوستانی رامائن کی ایک کہاوت کے مطابق یہ وہ پتھر ہیں جو راما کے فوجیوں نے سمندر میں پھینکے تھے تاکہ سمندر عبور کر سکیں۔ وسطی سری لنکا میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔ جس کے چاروں طرف پست علاقے ہیں جنوبی مغربی علاقوں میں بارش بکثرت ہوتی ہے جبکہ شمالی اور مشرقی علاقے خشک ہیں۔ بارش کے دنوں میں دریاؤں میں طغیانی آ جاتی ہے اور بڑا علاقہ زیر آب آ جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں سری لنکا میں گھنے جنگلات اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ مختلف درختوں اور پودوں کے ساتھ ان جنگلوں میں اگی ہوئی کھجوریں مقامی آبادی کے لیے کئی لحاظ سے فائدہ مند تھیں۔ جزیرے پر جنگلی ہاتھی، بھینس اور دیگر جانور بکثرت پائے جاتے تھے۔

ماہرین آثار قدیمہ بتاتے ہیں کہ یہاں انسان پتھر کے زمانے سے رہ رہے ہیں، سری لنکا میں آباد ابتدائی انسانوں کو ودھا (Veddahs) کہتے ہیں۔ چھٹی صدی ق م تک یہ لوگ پتھر کے اوزار استعمال کرتے تھے۔ ان کا پیشہ کھیتی باڑی تھا لیکن یہ نظام آبپاشی کو نہیں جانتے تھے، ودھا ابتدائی برادری نظام کے تحت رہتے تھے لیکن امراء وجود میں آنا شروع ہو چکے تھے۔ کئی ہزار ودھا آج بھی سری لنکا میں رہ رہے ہیں جن کے رسم و رواج ویسے ہی قدیم ہیں۔ سری لنکا کی قدیم تاریخ کا ذریعہ صرف مہاواسما (Mahavamsa) ہے جو تحریری صورت میں موجود ہے، مہاواسما کا پہلا حصہ 6,5 صدی ق م میں زبانی کہانیوں اور واقعات کے بعد تحریر کیا گیا مہاواسما کے مطابق شمالی ہندوستان کے لوگوں کا ایک گروپ جس کی قیادت، وجے (حکمران) کر رہا تھا سری لنکا میں اترا، (6,5) صدی ق م کہ قبیلے جن سے وجے کا تعلق تھا، سنہال کہلاتے ہیں ان لوگوں کو سنہالی کہتے ہیں۔ آج کل سنہالیوں کی سری لنکا میں اکثریت ہے۔ پہلے پہل سنہالی جزیرہ کے شمالی علاقے میں قیام پذیر ہوئے اور جلد ہی دوسرے علاقوں میں پھیل گئے۔ ان لوگوں کا بڑا پیشہ کاشت کاری تھا اور ساتھ مویشی پالتے تھے۔ سنہالیوں نے پانی کے بہاؤ کو جو پہاڑیوں سے دریاؤں کی صورت میں نکلتا استعمال کر کے ایک بڑا آبپاشی کا نظام قائم کر لیا۔ بڑے بڑے بند باندھ کر پانی کو ذخیرہ کر لیا جاتا اس سے ایک بڑے علاقے کو سیراب کر لیا جاتا، پانی اکٹھا کرنے کے

لیے مشہور ذخیرہ (مزی) 4 صدی ء میں تعمیر کیا گیا، کئی ایک قدیم ذرائع سے آج بھی آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے۔ پانی کے پہنچ جانے سے مقامی آبادی چاول پیدا کرنے لگی، جس کے لیے زیادہ پانی کی ضرورت تھی۔ قدیم باشندوں نے جو، گندم اور مکئی کی کاشت بھی کی، سنہالیوں نے بھینسوں اور دیگر جانوروں کو سدھا کر کھیتی باڑی کے لیے استعمال کیا۔ لوہے کو لوگوں نے بطور خام مال استعمال کیا۔ جزیرہ سری لنکا کی پوزیشن اس کے قریب سے گزرنے والے بحری راستوں سے ہے، موتی، قیمتی پتھر اور ململ یورپ تک پھیل جاتی تھی، تجارت اور دستکاری میں ترقی سے شہر پیدا ہونے لگے۔۔۔ کاشت کاری میں سب سے اہم کردار کسانوں کا تھا۔ یہ علاقائی برادریوں میں رہتے تھے۔ لیکن غلامی کا رواج بھی جڑ پکڑ رہا تھا، جو لوگ جنگوں میں قیدی بنا لیے جاتے یا وہ غریب لوگ جو قرضہ ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے، غلام بنا لیے جاتے، غلام نہریں کھودتے، پانی اکٹھا کرنے کے لیے ذخیرے تعمیر کرتے، کاشت کاری کرتے اور غلام داروں کے کھیتوں پر کام کرتے اور امرا کے لیے محلات تعمیر کرتے اور پانی کی تالاب تعمیر کرتے، معاشرہ غلام، غلام دار، کسانوں میں تقسیم تھا اور انہیں عناصر سے مل کر ریاست وجود میں آئی، مہاواسا کے مطابق شمالی سری لنکا کا پہلا بادشاہ وجے تھا۔ بعد میں دوسری ریاستیں وجود میں آئیں۔ ریاست کے سربراہ کا کام کمیونٹی کسانوں سے ٹیکس اکٹھا کرنا تھا۔ یہی بڑی فوج رکھتا تاکہ بغاوتوں کو دبایا جا سکے اور ہمسایہ ریاستوں پر قبضہ جمایا اور انہیں لوٹا جا سکے۔ آبپاشی کے نئے نظام کے قیام سے زمین ذرخیز ہوئی۔ اس سے پیداوار میں اضافہ ہوا اور بادشاہ کی آمدنی بڑھ گئی۔ نئی ذرخیز زمین سرکاری اہلکاروں اور فوجی افسران کو ان کی خدمات کے عوض دی جاتیں۔۔۔ ہندوستان کے قدیم باشندے دراوڑ جو آریاؤں کے حملوں اور سماجی ناانصافیوں سے جنوبی ہندوستان کی طرف پسپا ہو چکے تھے۔ ان میں ایک قبیلہ تامل کے افراد سمندر عبور کر کے سری لنکا آتے رہتے، پہلے پہل تو یہ آمد پرامن رہی، لیکن بعد میں یہ سلسلہ خونی جنگوں کی صورت اختیار کر گیا۔ 2 صدی ق م میں تامل بادشاہ، جزیرہ کا شمالی علاقہ جس کا بڑا شہر انورادھاپورا تھا فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چالیس سال تک برسراقتدار رہا۔ پہلی صدی ق م کے خاتمے پر جنوبی سلطنت ڈیوگھمن کے بادشاہ نے تامل بادشاہ کو نکال باہر کیا اور سارے جزیرے کو اپنے تسلط میں شامل کر لیا۔ اور ایک مضبوط ریاست وجود میں آئی جو صدیوں تک قائم رہی۔۔۔ سنہالی ریاست کا استحکام ثقافت میں ترقی کا باعث بنا۔ پہلے پہل سنہالی ہندوستان کا طرز تحریر استعمال کیا کرتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے اپنی طرز کی تحریر کا نظام تشکیل دیا۔ یہ لوگ کھجور کے پتے کو مستطیل کے طور پر کاٹ کر اس پر لکھتے، مہاواسا ایک شاندار ادبی کام ہے، علاوہ اس کے کئی ایک گیت، کہاوتیں اور نظمیں تخلیق کی گئیں۔ ایک چینی سیاح نے سری لنکا کے قدیم دارالحکومت انورادھاپورا کے متعلق بتایا ہے کہ اس شہر کی گلیاں بالکل سیدھی تھیں۔ اگرچہ اس سیاح کی تحریریں ساتویں صدی عیسوی کی ہیں، لیکن یہ شہر اس سے بہت پہلے آباد تھا۔ سیدھی گلیاں شہر کو

بلاکوں میں تقسیم کرتیں۔ مندروں کے سونے کا پترا چڑھے مینار اور گنبد دھوپ میں خوب چمکتے، گلیوں کے اوپر پل تعمیر کئے گئے تھے، پھولوں سے بھرے مرتبان جا بجا رکھے ہوتے، خاص خاص جگہوں پر مجسمے نصب تھے جن کے ہاتھوں میں روشنی کے شمع دان ہوتے۔ قدیم آثار سے پتہ چلتا ہے کہ سنہال فن تعمیرات کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا۔ رواں ویلی کا مندر سینکڑوں میل دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس مندر کی تعمیر ڈیو نجمن کے زیر نگرانی شروع ہوئی۔ اس عمارت کا کمال فن تعمیرات کے ماہرین ہی نہیں بلکہ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان ماہرین کا علم ریاضی پر کتنا عبور تھا۔ اس عمارت کی دیواروں پر بنی ہوئی تصاویر اور رنگ انتہائی شاندار اور اعلیٰ ہیں۔

قدیم چین:

چین ہندوستان اور مشرق وسطیٰ سے بہت مختلف ہے چین کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول دریائے زور کی وادی یا عظیم میدانی علاقہ، روم، مرکزی چین کا پہاڑی علاقہ اور دریائے ینگ سی کی وادی۔ سوم، جنوبی چین دریائے زور کا سیلاب ہر سال اعلیٰ درجے کی زرخیز مٹی اپنی وادیوں میں پھیلا دیتا، مرکزی چین اور خاص طور پر جنوبی چین کا علاقہ کم زرخیز ہے لیکن معدنی دولت کے لحاظ سے مالا مال ہے، تانبا، ٹن اور قیمتی پتھروں میں نیلم، قدیم چین کی قدرتی دولت ہے۔ چین کے مشرق میں سمندری ساحلوں کے ساتھ نشیبی علاقے ہیں اور چین کے مغربی علاقوں کو چٹانی بلندیوں اور پہاڑیوں نے گھیرا ہوا ہے ساحلی علاقوں میں کافی بارش ہوتی ہے سمندر سے دور مغرب کی طرف چلے جائیں تو بارش کم ہوتی ہے ان علاقوں کو اکثر و بیشتر خشک سالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے دو بڑے دریا ہوانگ اور ینگ سی نشیبی زمینوں سے گزرتے ہیں۔ ینگ سی کے کنارے بھربھری زرد ریت ہے جہاں کھرپے اور ہل سے کاشتکاری ہو جاتی ہے۔ جب مناسب بارش ہو جائے تو یہ علاقہ بڑا ذرخیز ہو جاتا ہے۔ بارش کے دنوں میں ہوانگ سینکڑوں میل کے علاقوں کو سیراب کرتا ہے۔ ہوانگ ہر سال اپنی گزرگاہ تبدیل کرتا ہے، تمام دیہات دریا میں ڈوب جاتے، چینی اسے ''گشت کرنے والے دریا،'' ''چین کا الم'' ''ہزاروں تباہ کاریوں والا دریا'' کہتے ہیں قدیم زمانے میں دریائے ینگ سی کے کنارے گھنے جنگلوں سے پر تھے۔

2000 ق م میں وادی ہوانگ، دریائے ہوانگ کے وسطی علاقوں میں کاشت کاری بڑے وسیع پیمانے پر ہوتی تھی۔ وہ باجرہ چاول، گندم اور سبزیاں کاشت کرتے اور مویشی پالتے، وہ ریشمی کیڑے پالتے اور ریشمی دھاگے سے خوبصورت کپڑا بناتے۔ ماہرین آثار قدیمہ نے کوئی دو ہزار ق م کی قبروں کو تلاش کیا ہے۔ کئی قبروں میں جسموں کو کپڑوں میں لپیٹ کر ان کے قریب کسی برتن میں کھانا رکھ کر دفنایا گیا تھا۔ کئی قبریں بالکل ایسے مکانات کی طرح تھیں جو زیر زمین بنائے گئے ہوں سونے کی اشیاء، ہتھیار، پتھر

اور کانسی کے قبرستان زیورات کے ڈبے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ بعض اوقات درجنوں اور سینکڑوں افراد مردہ شخص کے ساتھ دفن کردیئے جاتے تاکہ مردہ شخص کی روح کی مذمت کرسکیں، کچھ کے دفن کرنے سے پہلے سر قلم کردیئے جاتے اور بقایا زندہ دفن ہونے کے پابند ہوتے۔ اس دور کی ایک تحریر جو پتھر پر لکھی گئی ہے، ہم تک پہنچی ہے'' ہم ایک غلام کو جلا دیتے تاکہ زمین پر بارش ہو خشک سالی کا خوف اور سیلابوں کی دہشت نے لوگوں کو بارشوں، آندھیوں اور دریاؤں کے شیطانی دیوتاؤں پر یقین کرنے پر مجبور کیا۔ غلام کو دیوتاؤں کے نام پر قربان کیا جاتا، انہیں زندہ جلا دیا جاتا، یا دریا میں ڈبو دیا جاتا۔'' مادی اور تحریری ذرائع ظاہر کرتے ہیں کہ غلام داری نظام، دو ہزار ق م میں ہوانگ وادی میں تشکیل پا چکا تھا اور چین میں ابتدائی غلام دارانہ ریاست وجود میں آئی۔

قدیم چین کی تاریخ کے ابتدائی دور کو شانگ ین (1122-1765) ق م کا دور کہا جاتا ہے، دریائے زور کی وادی میں بسنے والے قبائل نے اس کے لیے اتحاد کرلیا کہ وہ مجموعی طور پر جنوب کی طرف سے آنے والے خانہ بدوش قبائلیوں کے خلاف جدوجہد کرسکیں۔

(Hsiung nu) سونگ نو۔۔۔ آبپاشی کا نظام ترقی یافتہ تھا اور کسانوں کو اس نے صرف کاشت کاری کی حد تک محدود کر رکھا تھا۔ وہ قبائل جو اس اتحاد کے لیے سب سے زیادہ کوشاں تھے ان کو ین کہا جاتا۔ اور وہ ریاست جس کی انہوں نے بنیاد رکھی اسے شانگ کہتے تھے۔ 1930ء میں جب شانگ ین ریاست میں کھدائی کی گئی اس میں سے جو آثار ملے ہیں قدیم قصبات، ایک شاہی خاندان، ایک عبادت گاہ، مکانات اور ورکشاپ وغیرہ اس کے علاوہ تین سو مقبرے بھی کھدائی کے دوران ظاہر ہوئے۔ جن میں چار واضح طور پر شاہی مقبرے تھے ان میں سے سونے کی ایک بڑی مقدار بھی برآمد ہوئی اور ہیرے جواہرات جو کہ ان مقبروں میں دفن کیے گئے تھے۔ شانگ ین ریاست کے لوگوں کا سب سے اہم پیشہ زراعت تھا اور وہ خوراک پیدا کرتے، جس میں جو، باجرہ، گندم قابل ذکر ہیں بعد میں انہوں نے چاول کی کاشت کی، چاول کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتدائی عہد میں چاول کی نشوونما چین کے اسی خطے میں ہوئی۔ کام کرنے کے اوزار انتہائی قدیم تھے کلہاڑے اور لکڑی کے حل کاشت کاری کے لیے استعمال کیے گئے۔ چنانچہ اسی دور میں چینیوں نے شہتوت کے درخت کی کاشت شروع کی اور ریشم بنانا شروع کیا، ریشم بنانے کی حکمت کو انہوں نے انتہائی خفیہ رکھا، اور جو بھی اس راز کو افشا کرتا اس کو سزائے موت دی جاتی چینیوں نے اس راز کو ڈھائی ہزار سال تک باقی دنیا سے چھپائے رکھا۔ آخر کار یہ فن جاپان اور ایران تک پہنچ گیا۔ دوسرے پیشوں میں مویشی پالنا، تاکہ گوشت حاصل کیا جاسکے (دودھ حاصل کرنے کے لیے نہیں کیونکہ چینی اس وقت دودھ نہیں پیا کرتے تھے) اور ماہی گیری کا پیشہ بھی عام تھا بہت ساری دستکاریاں بھی ترقی کرچکی تھیں۔ لکڑی کا کام (تیر کمان، چھکڑے اور کشتیاں) پتھر کا کام اور

برتن سازی، کھدائی سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ کانسی کے دور کا کانسی کا کام بھی کھدائی میں ملا ہے، تجارت کا رواج تھا اور آہستہ آہستہ ارتقا کرتا گیا لیکن تجارت میں اشیا سے اشیا کا تبادلہ کیا جاتا۔ بادشاہ کی خصوصیات اور اختیارات میں سب سے اہم یہ تھا کہ وہ سرداری نظام کے تحت ایک قبیلے کا سردار ہوتا اور بعد میں یہ ہوا کہ مختلف قبائل کے بزرگوں اور بڑوں کی کوششوں نے امور سلطنت میں اس کی امداد کرنا شروع کر دی، وہ ایک فوجی جرنیل کے علاوہ ایک مذہبی پیشوا کا کردار بھی ادا کرتا، ین معاشرے میں، سلسلہ پشت کے حوالے ملکیتی نظام تھا اور اشرافیہ کا زمانہ تھا، جن کے ہاتھوں میں علاقوں اور زمین کی ملکیت تھی۔ غلام قبائلی نظام کا ایک فاصہ تھا، عوام کی اکثریت کسانوں کی تھی جو کمیون نظام کے تحت زندگی گزارتے تھے اس ابتدائی سطح پر ایک تحریری زبان کا وجود پیدا ہوا۔ اس زبان کی خصوصیات کا تعلق قدیم تصویری طریقہ تھا۔ اس کا مسودہ انتہائی مشکل اور پیچیدہ ہوتا۔ قدیم مسودات میں سے کوئی تین ہزار حروف ظاہر ہوئے ہیں۔ 1200 ق م میں ایک مشکل اور تکلیف دہ صورتحال اس وقت پیدا ہو گئی جب چاؤ نے 1124 ق م میں دارالحکومت شانگ پر قبضہ کر لیا اور اپنی ریاست کی بنیاد رکھی۔

(771-1122) ق م چاؤ خاندان کی زیر حکمرانی چین کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی، بادشاہوں نے خود کو دیوتا کہنا شروع کر دیا۔ خود کو خدا کا بیٹا یا اس کا نائب کہتے۔ ریاست کا خاص محکمہ جسے اعلیٰ انتظامیہ کہا جاتا تھا اس کے علاوہ انتظامی امور کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر ایک حصے کا سربراہ اعلیٰ حیثیت کا مالک ہوتا۔ ان محکموں اور ان تینوں اعلیٰ افسران کے ذمے خزانہ، فوجی امور اور سماجی معاملات کے محکمہ جات ہوتے سماجی محکمے کے ذمے نظام آبپاشی کو درست حالت میں رکھنا بھی تھا۔ انتظامی امور کی تقسیم کچھ اس طرح کی گئی تھی کہ محکمہ جات کے افسران سماجی حوالے سے گھروں اور خزانوں کا معائنہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ عدالت، انصاف اور بادشاہ کے آباؤ اجداد کی پوجا پاٹ کو ریاستی امور سمجھا جاتا۔ اس دوران آبادی کی اکثریت معاشی بدحالی کا شکار تھی۔ ان کی پسماندگی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ کسانوں سے ان کی آمدنی کا 1/10 فیصد حصہ بطور ٹیکس لیا جاتا۔ اس ناانصافی نے کسانوں میں بے چینی پیدا کر رکھی تھی، اگرچہ کسان دیوتاؤں سے بارش کے لیے کہتے تھے لیکن وہ زیادہ سے زیادہ اپنی محنت پر انحصار کرتے تھے۔ ''میں نے بادل کی طرف دیکھنے کی بجائے بیلچہ اٹھالیا، بارش کی بجائے نہر کھود لی، پانی اور کھاد۔۔۔ میری فصل بہت اچھی ہوگی۔'' زراعتی پیداوار کی اشیاء کا زیادہ تر حصہ بطور ٹیکس سرکاری خزانے میں چلا جاتا۔ کسانوں کے پاس کھانے کے لیے انتہائی کم کھانا اور برے کپڑے ہوتے۔ چین میں غلاموں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ بادشاہ کی ملکیتی کانوں میں ستر ہزار غلام کرتے تھے۔ چین کے جنگجو جب کسانوں کے خلاف مہم سے واپس آئے تو ان کے پاس 2 لاکھ کسان (قیدی) غلام تھے، یہ وہ غریب کسان تھے جو ٹیکسوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں غلام بنا لیے گئے تھے، قحط کے دنوں میں کسان اپنے

بچوں کو غلامی کے لیے فروخت کر دیا کرتے تھے معمولی جرم پر عدالت، غلام بنا دیئے جانے کی سزا کا حکم صادر کرتی۔ غلام دار سزائے موت کے قیدیوں کو اس طرح خریدتے جس طرح منڈی سے جانور خریدے جاتے ہیں۔ غلاموں کو جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ہوتے، انہیں سڑکوں پر ہانکا جاتا یا انہیں پنجروں میں بند کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا، غلاموں کے سر منڈے ہوتے اور ان کے چہروں پر غلامی کے مخصوص نشان ہوتے۔

کسانوں اور غریبوں کی مخدوش حالت انہیں بغاوت کرنے پر مجبور کرتی چنانچہ 845 ق میں ایک بغاوت کے نتیجے میں بادشاہ کو اقتدار سے محروم ہونا پڑا، اس کے فوراً بعد چینی سلطنت کی مرکزی حیثیت ختم ہوگئی اور چاؤ خاندان کا شیرازہ بکھر گیا اور چین میں کئی ایک سلطنتیں وجود میں آ گئیں۔ 5 تا 3 صدی ق م تک چین کی اندرونی صورتحال باہمی تصادموں اور جنگوں کا شکار ہوگئی۔ چوتھی صدی ق م میں چاؤن سلسلے کا ظہور ہوا، کوئی ایک سو سال تک چاؤن شہزادے چین پر بالادستی کے لیے جنگ لڑتے رہے۔ شئ ہوانگ (210-246) چی اس خاندان کا پہلا بادشاہ تھا اور اس وقت اس خاندان کا اقتدار اپنے عروج پر تھا اس بادشاہ نے چین کے کئی علاقوں کو جو اس کی حدود سے باہر تھے، انہیں اپنے زور سے فتح کر لیا اور مکمل چین پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے بعد اس نے پنچوریا اور منگولیا کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے عہد میں ملک کو چھتیس انتظامی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک بہت بڑا انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا۔ آبپاشی کا جال پھیلا دیا گیا، بہت بڑی شاہراہیں تعمیر کی گئیں۔ شی وانگ نے فوج کو نئے سرے سے منظم کیا اور گھڑ سوار دستے کو اعلیٰ تربیت دی اور اسلحے سے لیس کیا اور یہی اس کی سب سے بڑی قوت تھی۔ بہت ساری معاشی اور ثقافتی اصلاحات کا اعلان کیا گیا، سب سے اہم یہ کہ پیمائش اور وزن کا ایک نظام قائم کیا گیا۔ مسودات لکھنے کا اعلیٰ سطح پر انتظام کیا گیا۔ ہمسایہ خانہ بدوش قبائلیوں سے بچنے کے لیے اور اپنی ریاست کے دفاع کے لیے عظیم دیوار چین کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔ شی وانگ کے عہد حکومت میں کسانوں اور غلاموں کی حالت بدستور خراب رہی، اصلاحات کا تعلق صرف تجارت اور پیداوار سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس وصول کرنا تھا تاکہ سرکاری اخراجات پورے کیئے جا سکیں۔ شی وانگ کی حکومت عوام کے بہت سارے طبقات میں انتشار اور محاذ آرائی کی صورت اختیار کر گئی اسی دوران کنفیوشس کی تعلیمات کو بہتر خیال کرنے والوں اور قدیم مذہبوں کے درمیان محاذ آرائی چلتی رہی، کنفیوشش ازم پر عقیدہ رکھنے والے سینکڑوں عالموں کو زندہ دفن کر دیا گیا اور تمام تاریخی تحریریں جلا دی گئیں، شی وانگ کی وفات کے بعد چی ان خاندان کا اقتدار ختم ہوگیا۔

ہان خاندان کا اقتدار (200 ق م تا 220 ع) تک قائم رہا، ہان سلطنت سابقہ حکومتوں سے کسی حد تک کم ظالمانہ تھی۔ ٹیکس کی شرح کل آمدنی کا 1/30 فیصد مقرر کی گئی اور ان لوگوں کی آزادی بحال کر

دی گئی جن لوگوں نے خود کو بطور غلام فروخت کر دیا تھا۔ ہان خاندان کے حکمرانوں نے ہوانگ لی کا لقب اختیار کیا اور کنفیوشش ازم کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ طائی عہد کے حکومت میں بہت سارے ایسے اقدامات کئے گئے جس سے دستکاروں اور تاجروں کو حوصلہ افزائی ہوئی یہ اس وقت ہوا جس وقت چین کی برآمدات مثلاً ریشم، ہاتھی دانت اور جانوروں کے سینگوں کی مصنوعات عروج پر تھیں۔ طائی نے مشرق کی جانب ترکستان اور فرغانہ کے خلاف کئی ایک فوجی مہمیں کیں۔ روم کی طرف پہلا تجارتی راستہ اسی عہد میں قائم ہوا وسط ایشیا سے چینی انگور لائے، اخروٹ کے پودے اور بہت سی سبزیاں بھی جن کو بعد میں انہوں نے اپنے ملک میں کاشت کرنا شروع کیا۔ پہلی صدی عیسوی میں چین ابھرتی اور تیز ہوتی ہوئی طبقاتی جدوجہد سے لرز اٹھا۔ آٹھویں عیسوی میں چین کا حکمران شاہی خاندان کا ایک چھوٹا بچہ تھا جس کا سرپرست وانگ مانگ تھا اس نے بچے کے اقتدار کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کر لی، اس نے کچھ دلچسپ نوعیت کی اصلاحات کیں مثلاً تمام زمینوں کو ریاستی ملکیت قرار دیا اس نے زمین کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کر دی، اس نے امرا اور اشرافیہ کے لیے زمینوں کی ایک حد مقرر کر دی اور باقی زمینوں کو ضبط کرنے کا حکم دیا، غلاموں کو بھی ریاستی ملکیت قرار دیا گیا۔ علاوہ اس کے اس نے لوہے، نمک اور شراب پر ریاستی اجارہ داری قائم کر دی اور بنیادی ضروریات کی اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنے کی کوشش کی ان اصلاحات کو پر تشدد مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اشرافیہ اور امرا زبردست محاذ آرائی کر رہے تھے سب کچھ ایک طرف یہ اصلاحات یوٹوپیائی ثابت ہوئیں کیونکہ ذاتی ملکیت کا تصور چین میں مضبوط تھا۔ اٹھارہ عیسوی میں فانگ چنگ کی قیادت میں ایک زبردست کسانوں کی بغاوت ہوئی تحریک کو "سرخ ابرو والوں کی بغاوت" کہتے ہیں۔ کسانوں نے پچیس عیسوی میں وانگ مانگ کے فوجیوں پر فتح حاصل کی لیکن جلد ہی اس تحریک کا رخ بدل گیا اور اشرافیہ نے اس تحریک کو ہان خاندان کا اقتدار بحال کرنے کے لیے استعمال کیا۔ ہان خاندان کے حکمرانوں نے ملک کی مرکزیت اور معیشت کی بہتری کے لیے کچھ نہ کیا تاہم بڑے جاگیرداروں اور کسانوں کے درمیان تضادات، دوسری طرف غلاموں اور ریاستی اقتدار کے خلاف تضادات شدید ہو رہے تھے۔ قدیم سوسائٹی غلام دارانہ اصولوں پر قائم تھی اسے زبردست بحران کا سامنا کرنا پڑا اس کے نتیجے میں استحصال کا طریقہ کار بدل گیا، غلاموں کو زمینیں دی گئیں اور انہیں اجازت دی گئی کہ وہ اس پر کاشت کریں۔ 184ء میں کسانوں کی ایک اور بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی اسے "زور پگڑیوں والوں کا ظہور" کہتے ہیں۔ اس کی قیادت جوانگ شاؤ اور اس کے بھائیوں کے ہاتھ میں تھی۔ ان کا سب سے اہم نعرہ عالمی مساوات تھا۔ باغی فوج ہزاروں افراد پر مشتمل تھی او. بغاوت پچیس سال تک جاری رہی تاہم یہ تحریک کچل دی گئی اور چین ایک بار پھر کئی ریاستوں میں تقسیم ہو کر انتشار کا شکار ہو گیا۔

قدیم چین کے ثقافتی حالات:

چینی لوگوں نے کوئی 2000 سال ق م میں تحریر ایجاد کر لی تھی۔ تصویری خطوط کو حروف کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ایک تصویر ایک لفظ کی نمائندہ تھی۔ لیکن یہ تحریر مشکل تھی اور کسانوں کے لیے اس کو پڑھنا مشکل تھا۔ اس کے علاوہ غریب لوگ اپنے بچوں کو پڑھا نہیں سکتے تھے۔ قدیم چینی ہڈیوں، ریشم، بانس کی چھال پر لکھا کرتے تھے، ریشم کافی مہنگا تھا اس لیے اہم دستاویزات اسی پر لکھی جاتیں، بانس کی چھال کے بنڈل کتابوں کے طور پر استعمال کیے جاتے۔ پہلی صدی عیسوی میں چینیوں نے کاغذ ایجاد کر لیا، یہ کپڑے کے چیتھڑوں، درخت کی چھال اور بانس سے بنایا گیا۔ کاغذ سستا اور بہتر طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا اس لیے کاغذ کی ایجاد تعلیم کے پھیلاؤ کا سبب بنی۔ چینی علماء نے کئی ایک سائنسی کارنامے انجام دیئے، زراعت کے شعبے کا علم چینیوں کے تجربے کی علامت ہے کھیتی باڑی، مویشی پالنا ریشم کے کیڑوں کی افزائش، دراصل ان کے ہزاروں سالوں کے تجربات کا نچوڑ تھی۔ قدیم چینی طبیب کئی ایک بیماریوں کا علاج جانتے تھے۔ وہ زخموں کا علاج بھی کر لیتے تھے چائے کو بطور دوائی استعمال کیا جاتا تھا تا کہ مریض کی قوت کو برقرار رکھا جا سکے۔ بعد میں چائے عام طور پر پی جانے لگی۔ چینی ماہرین فلکیات دنیا کو ایک بڑے انڈے سے تشبیہ دیتے، زمین کو انڈے کا مادہ اور انڈے کے چھلکے کو آسمان سے۔ ستاروں نے اندر سے آسمان کو باندھ رکھا ہے اور یہ آسمان سمیت زمین کے گرد گھومتے ہیں، سیاحوں نے پہاڑوں اور سمندروں پر کتابیں لکھیں، چین کا جغرافیہ جس سے ملک کی نیچر کے متعلق فائدہ مند معلومات ملتی ہیں لیکن مصنف نے غیر اہم اور گمنام جگہوں کے متعلق اہم حقائق تحریر کئے ہیں۔ قدیم چینیوں نے پرکار ایجاد کی،۔۔۔ مشہور مورخ سیما کن کا دور دوسری صدی ق م کا آخر اور پہلی صدی ق م کے شروع کا ہے اس نے دستاویزات کی ایک بڑی تعداد اکٹھی کی اور اس کا مطالعہ کیا، اس نے چین کے تمام علاقے کا دورہ کیا اور اس نے ان جگہوں کا بغور مطالعہ کیا جہاں اہم تاریخی واقعات رونما ہوئے تھے اس نے زبانی اور دستاویزی شہادتوں کے ذریعے زمانہ بعید کا سراغ لگایا اس نے کئی واقعات کے عینی شاہدوں کا کردار ادا کیا اور انہی شہادتوں کی بنیاد پر سیما کن نے چین کی تاریخ لکھی۔ اس نے تاریخ کا آغاز زمانہ قدیم سے کیا اور ساری زندگی اس کے لیے وقف کر دی اس کی کتاب تاریخی ریکارڈ کہلاتی ہے۔ سیما کن نے جو کچھ لکھا ہے اس میں اچھائی کو بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کیا اور برائی کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ امرا اور بادشاہوں کے متعلق سچ لکھنے سے خوف زدہ نہیں تھا اس لیے بادشاہ اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔۔۔ چینی لوگوں نے زمانہ قدیم سے بہت سی کہانیاں، ناول اور گیت تخلیق کیے ان میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار کیا ہے قدیم چین میں عمارات زیادہ تر لکڑی کی بنی ہوئی تھیں لیکن ان کا سراغ

ہم تک نہیں پہنچا۔ پتھر، کانسی اور مٹی سے بنی ہوئی اشیاء کھدائی سے دریافت ہوئی ہیں جس سے ہمیں قدیم چینی باشندوں کے اعتقادات اور طرز معاشرت کا علم ہوتا ہے۔ کانسی اور پتھروں کے قدیم مرتبان، مختلف اشکال میں بنائے گئے ہیں۔ مرتبانوں پر مختلف جانوروں کی تصاویر بنائی گئی ہیں۔ ہان بادشاہوں کے دور میں مختلف طبقات کے بنائے ہوئے آرٹ کے نمونے دیکھنے میں آتے ہیں محنت کشوں کے مٹی کے مجسمے، امیر آدمی کے گھر کا ماڈل، غریب آدمی کا جھونپڑا، پتھروں پر کشیدہ کاری، ایک امیر آدمی کے گھر میں دعوت کا منظر دیکھایا گیا ہے۔ سنگتراشوں نے محلات کے رکھ رکھاؤ اور طرز زندگی کی تصویر کشی کی ہے محنت کرتے ہوئے نوکر چاکر اور تھکے ہارے غلام، فن پاروں سے پتہ چلتا ہے کہ سنگ تراش غلاموں کے ہمدرد تھے اور وہ ظلم اور ناانصافی کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ سیماکن کے تاریخی ریکارڈ سے ایک کہانی ''ایک قصبے میں دریا دیوتا کی شادی ہر سال منعقد ہوتی تھی، بزرگ اور مذہبی پیشوا عورت قصبے کی ایک سب سے خوبصورت لڑکی کو ہر سال دریا میں ڈبو دیتے، مذہبی پیشوا شہر کے باشندوں سے بھاری رقم اکٹھی کرتے، لوگ تباہ ہو چکے تھے، خزانے کے لیے ٹیکسوں کی آمدنی کم ہوگئی۔ علاقے کا حکمران اس حقیقت سے پریشان تھا۔ وہ دلہن جسے دریا میں ڈبونے کے لیے تیار کیا گیا تھا وہ خوبصورت نہیں تھی چنانچہ بادشاہ نے بڑی مذہبی پیشوا سے کہا کہ وہ دیوتا سے کہے کہ وہ خوبصورت لڑکی دریافت ہونے تک انتظار کرلے تب اس نے اس مذہبی پیشوا عورت کو دریا میں پھینکنے کا حکم دیا، جب وہ طویل عرصے تک انتظار کے بعد نہ آئی تو بادشاہ نے تین اور مذہبی پیشوا عورتوں کو اس کے پیچھے بھیج دیا۔ تب اس نے کہا کہ عورت پیشوا کے خدا کی اس مسئلے پر کیا رائے ہے! اس لیے شہر کے بزرگوں کو جانا چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں بھی دریا میں پھینکنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد کسی نے بھی دریا کی شادی کرنے کی جرأت نہیں کی۔''

قدیم چینی مصنف، (1) اے میرآقا۔۔۔تم نہ بولتے ہو، نہ (فصل) پکاتے ہو۔

تب کیوں تم، تیس ملین مکئی کے گھٹے لے جاتے ہو۔۔۔تمہارے پاس بیل کیوں ہیں۔۔۔ تمہاری طرح ہڈحرامی کی روئی۔۔۔ اے میرے آقا۔۔۔(2) خدا خود کبھی نہیں بولتا۔۔۔ وہ ایک شخص کا تقرر کرتا ہے جو اس کی نیت کا اظہار کرے۔۔۔ بادشاہ اس نیت کو جانتا ہے۔۔۔ اس لیے تو بادشاہ کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے خدا کے بیٹے کو خدا سے ہدایات ملتی ہیں۔۔۔ اور اس کے اہلکاروں کو بادشاہ کی طرف سے ہدایات ملتی ہیں۔

(3) کیوں دنیا میں لوگ غیر مساوی ہیں۔۔۔ ایک امیر آدمی بکثرت باجرہ اور چاول کھاتا ہے۔۔۔ اور غریب آدمی چونکہ (جانوروں کا چارہ) کھاتا ہے۔۔۔ کیوں ایک غریب آدمی برا ہے اور ایک غلام زیادہ بے وقوف ہوتا ہے۔ اپنے آقا سے؟

○

باب:4

قدیم یونان

جزیرہ نما بلقان یورپ کے جنوب میں واقع ہے اور چھوٹا سا ملک یونان اس کے جنوبی حصے میں واقع ہے یونانی پہاڑوں میں کئی ایک چٹانیں اور چوٹیاں ہیں، پتھریلے ہموار علاقوں میں گھاس اور گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں میدانی علاقوں میں زمین زرخیز ہے۔ یونان میں سنگ مرمر، تانبہ، چاندی اور لوہے کے ذخائر موجود ہیں، یونان کے مشرقی ساحل بحرا ٓگئین (Aegean) کے ساتھ میں، ان میں خلیجیں اور سمندر میں جزائر ہیں، جہاں جہاز با آسانی لنگر انداز ہو سکتے ہیں، سمندر میں مچھلیاں بکثرت ہیں، یونان میں زلزلے آتے ہیں، موسم خزاں میں کچھ بارش اور مسلسل آندھیاں چلتی ہیں باقی سارا سال صاف آسمان پر سورج چمکتا ہے موسم گرما میں دریا تقریباً مکمل خشک ہو جاتے ہیں۔ فطرت نے یونان کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ جنوبی وسطی اور شمالی یونان، خلیجیں، جنوبی یونان (Pelonnessus) کو وسطی یونان سے علیحدہ کرتی ہیں۔ یہ آپس میں ایک تنگ خاکنائے کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں کا ایک سلسلہ وسطی یونان کو شمال سے علیحدہ کرتا ہے۔ ایک تنگ درہ (Thermopylge) پہاڑوں کے درمیان سے ساحلی علاقوں کو ساتھ ملاتا ہے زمانہ قدیم میں وسطی یونان سے شمالی یونان کی طرف یہی واحد راستہ تھا۔ پہاڑوں نے یونان کے ہر ایک حصے کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے، اگر کوئی ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف جانا چاہے تو اسے پہاڑوں کا ایک طویل راستہ یا سمندری سفر کرنا پڑتا۔ کوئی ایک سو سال پہلے دانش ور لوگ یونان کی ابتدائی تاریخ کے متعلق بہت کم جانتے تھے کھدائی کا کام ایک زرخیز میدانی علاقے "Pelonnessus" جو قدیم شہر (Mycena) مائیسنا کا مقام تھا سے شروع ہوا، (19 ویں صدی کے دوسرے نصف میں) کھدائی سے معلوم ہوا کہ یہ شہر دو ہزار ق م کے وسط میں اپنا وجود رکھتا تھا۔ ایک بالائی شہر (Acropalis) پہاڑوں کی ڈھلوان پر اُبھرا۔ اس شہر کے گرد قلعہ بند دیوار تعمیر کی گئی تھی، اس شہر میں ایک ایسی جگہ بھی تھی جہاں پتھروں سے بنا ہوا ایک مقبرہ دریافت ہوا، ایک محل بھی تھا کانسی اور

سونے کی بنی ہوئی اشیا اور اعلیٰ ہتھیار بھی ملے ہیں۔ مائیسنا کی کھدائی کے بعد دو ہزار ق م کے عہد کے کئی شہر دریافت ہوئے ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ نے مٹی کی بنی ہوئی تختیاں دریافت کیں، جن پر نامعلوم رسم الخط تحریر تھا غلاموں کی فہرست، ان کسانوں کی فہرست، جنہیں ٹیکس ادا کرنا تھا اور ان مہمات کے مسودات جن کے تحت بحری اور فوجی مہمیں کرنے کے لیے افواج بھرتی کی گئیں۔ تمام شہروں کے جو نشانات ملے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تباہی آگ کے ذریعے ہوئی یونانی قبائل کو ڈورین (Dorian) کہا جاتا تھا، جو بلقان جزیرہ نما کے شمال میں رہتے تھے، دوسرے ہزار سال ق م کے خاتمے پر ڈورین کے جنگجو قبائل نے وسطی اور جنوبی یونان پر حملہ کر دیا۔ قبیلوں کے سرداران کی قیادت کر رہے تھے انہوں نے مائیسنا کو تباہ کر دیا۔ ڈورین نے زیادہ تر آبادی والے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس آبادی کے کچھ لوگ جزیرہ نما بلقان کی طرف چلے گئے اور ہر جزیرہ آباد ہو گیا اور بحر آگین کے مشرقی علاقے بھی، ڈورین کے حملے مکمل ثقافت اور ترقی کے زوال کا باعث بنے۔ تقریباً کئی صدیوں تک وہاں کوئی بھی پتھر کا مکان نہیں بن سکا۔ مہارت اور زبان معدوم ہو گئی۔ سمندری تجارت زمانہ قدیم ہی سے یونان میں مقبول ہو چکی تھی۔ یونانی ملاح بغیر کسی بھول چوک کے بحر اسود اور ایشیا کوچک تک سفر کیا کرتے، قدیم یونان معدنیات سے مالا مال تھا۔ لوکا تیا میں لوہا، ایٹکا میں چاندی (مرکزی یونان) تھر اس میں سونا (آگین سمندر کا جنوبی کنارہ) اس کے علاوہ چکنی مٹی کی کثرت تھی، عمارتی پتھر اور سنگ مرمر وغیرہ، بنجر زمین کی وجہ سے اناج کی مستقل قلت رہتی، دوسری طرف معدنیات کی کثرت تھی۔ اس وجہ سے تجارت اور دوسری فنی مہارتیں عام ہوئیں، لوہا، پتھر اور فن تعمیر کے کام میں ان لوگوں نے کمال حاصل کیا۔

آثار قدیمہ کی اہم دریافتیں:

قدیم یونان کی ابتدائی تاریخ کا اندازہ صرف قصے کہانیوں اور مشہور طویل نظموں (جن میں ایک تسلسل کے ساتھ کئی ہیروؤں کے کردار کے ساتھ مختلف واقعات منسلک ہوتے ہیں) جن کا تعلق اندھے شاعر ہومر سے ہے، جس میں یونانیوں کی لڑائی جو ایشیا کوچک کے شہر ٹرائے کے ساتھ ہوئی، کا ذکر ہے۔ طویل عرصہ تک لوگ اس کہانی کو صرف کہانی ہی سمجھتے رہے۔ کہانیوں کا یہ مدار حقیقی اس وقت ثابت ہوا، جب جرمن ماہر آثار قدیمہ اور علم انسانی کے ماہر ہنرچ شلمان نے اس علاقے کی کھدائی کا کام شروع کیا جو ٹرائے کے نام سے مشہور تھی۔ اس کی کوششیں بے مثال کامیابیوں سے کامیاب ہوئیں، وہ شہر کی دیواروں سے مٹی ہٹانے میں کامیاب ہوا اور بہت سے ایسے کھنڈرات ملے جو قدیم عمارتوں کے تھے، اس کے علاوہ بڑی مقدار میں زیورات اور دیگر اشیا بھی کھدائی کے دوران ملی ہیں، ٹرائے کی دریافت کے بعد شلمان نے یونان میں کھدائی کے کام کا آغاز کیا۔ اس نے قدیم شہر مائیسنا اور (Tiryns) ٹائرنز کو بھی اتنی ہی

کامیابی سے تلاش کرلیا جیسے ٹرائے کو کیا تھا۔ اس کے آغاز میں انگریز ماہر آثار قدیمہ آرتھ ایوان نے جزیرہ کریٹ پر کھدائی کا کام شروع کیا، جس کا تذکرہ عام طور پر یونان کے قدیم قصے کہانیوں اور کہاوتوں میں ملتا ہے۔ "Knossos" قصبے کے مقام پر اس نے ایک بہت بڑا محل زمین سے تلاش کرلیا۔ جو کہ شاہی رہائش گاہ، پانی کی سپلائی کے خوبصورت نظام سے مزین تھا۔ مرکزی ہال کی دیواریں بہت پیچیدہ اور خوبصورت نقش ونگار سے منقش تھیں، یہ تمام پہلو اور خصوصیات اس بات کے گواہ تھے کہ دو تین ہزار سال ق م میں کریٹ میں انجینئرنگ اور تکنیکی فن کس طرح ترقی یافتہ اور عروج پر تھا، ابھی تک شاید سب سے زیادہ قابل ذکر آثار قدیمہ کی دریافتیں جو "Knossos" قصبہ میں ہوئی ہیں ان میں اہم سینکڑوں چکنی مٹی کی تختیاں ہیں جن پر بڑی پراسرار تحریریں لکھی ہوئیں ہیں ایک طویل عرصے تک ان تحریروں کو پڑھنے کی تمام کوششیں بری طرح ناکام ہوئیں، مفکرین اس بات پر متفق ہوئے کہ ان تختیوں پر کندہ تحریریں دو قسم کی ہیں اردو مختلف زبانوں کا اظہار کرتی ہیں ان دونوں مسودات کو 1953ء میں ایک نوجوان انگریز عالم مائیکل وینٹر یئر نے پڑھنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس پر تمام علما نے اتفاق کیا۔ اس طرح یونان کی قدیم تاریخ کو سمجھنے کا موقع مل سکا، تقریباً 17ویں صدی ق م میں قدیم یونان یا آگین ریاستیں 'پلیو پونیس'' ثقافتی اور اقتصادی لحاظ سے اپنے نقطہ عروج پر تھیں۔ ان ریاستوں میں سب سے زیادہ بڑی آرگویز میں مائیسن اور طائیرین اور ملیسو ینا میں پائیلوئس تھیں مائیسن اور طائیرین کھنڈرات میں آج بھی ناقابل تسخیر اور قلعہ بند قسم کے محلات موجود ہیں اور ان میں روزمرہ کے استعمال کی اشیاء مثلاً برتن، دھات کی بنی ہوئی اشیاء اور زیورات کھدائی کے دوران ملے ہیں۔ ان اشیاء کی دریافتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد میں دستکاری اعلیٰ قسم کی ترقی یافتہ تھی اور غلامی قدیم یونان میں موجود تھی، یونانی سرزمین پر آگین ریاستیں 15 اور 16 صدی ق م میں اپنے عروج پر تھیں۔ آگین، یونان، جنوبی بلقان کے جزیرے تک پھیلا ہوا نہیں تھا بلکہ کئی ایک جزائر جو آگین (سمندر) میں واقع تھے، مثلاً کریٹ بھی شامل تھا یہ لوگ قبرص، مصر اور فونیشیا سے تجارت کرتے تھے۔ 13ویں صدی ق م کے آخر 12ویں صدی کے شروع میں آگین ریاستوں نے مائیسنا کے بادشاہ کی قیادت میں ٹرائے کے خلاف قومی مہم کی، چنانچہ آگین ریاستوں کا سلسلہ نسبتاً مختصر مدت کے لیے قائم کیا، 13ویں صدی ق م میں شمال کی طرف سے ڈورین قبائل نے حملے شروع کر دیئے، ہر حملے چھوٹے چھوٹے حملوں سے شروع ہو کر قومی تصادموں کی صورت اختیار کرتے گئے۔ حملوں اور تشدد کی لہریں اٹھتی رہیں، اس کے نتیجے میں آگین ثقافت کا مرکز تباہ ہو گیا اور زیر تسلط لوگوں کو غلام بنالیا گیا حملہ آور [illegible] تھیسلے کو فتح کرلیا اور پھر پیلو پونیس اور اس کے بعد بقایا جزائر فتح کر [illegible] چنانچہ عظیم ترقی یافتہ تہذیب آگین تباہ ہوگئی، تباہ شدہ قصبے آہستہ آہستہ مٹی تلے دفن ہوتے چلے گئے اور اس عہد کی سائنسی اور فنکارانہ حاصلات بہت بری طرح انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئیں۔

ہومر کا یونان:

قدیم یونانی تاریخ کے 12ویں صدی ق م سے 18ویں تک کے عہد کو ہومر کا عہد کہتے ہیں یونانیوں کا طرز زندگی اور طریقہ کار جو مشہور قصے کہانیوں اور کہاوتوں میں بیان کیا گیا ہے، یونانیوں کے خیال کے مطابق یہ ہومر کی تحریریں ہیں، اور ان کا تعلق ایک خاص عہد سے ہے اس وقت کا معاشرہ ڈورین قبائل کی فتح کے بعد قائم ہوا، جبکہ قدیم یونانیوں کا زوال ہوا اور یونانی معاشرہ کئی طرح سے ایک قدم پیچھے چلا گیا ہومر کے تخلیقی کام سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم یونان میں قدرتی معیشت کا رواج تھا، لوگوں کا تعلق کاشتکاری اور جانوروں کی افزائش نسل سے تھا قدیم تجارتی رابطہ اور ذریعہ تباہ ہو چکا تھا۔ تجارت کو زوال ہوا، ایک تجارت اشیاء کے تبادلے کی بنیاد پر ہوا کرتی تھی۔۔۔ سماجی تعلقات کا تعلق پدرسری طرز معاشرہ سے تھا اور اس معاشرتی تنظیم میں ابتدائی عہد کے انسانی دور اور قبائلی نظام کی باقیات موجود تھیں۔ اس معاشرے میں معززین اور اشرافیہ کا طبقہ (جن کا سلسلہ نسب پر یقین تھا) ایک اہم کردار ادا کرتا تھا اس طبقے کو آبادی میں خصوصی مراعات حاصل تھیں۔ وہ زرخیز زمینوں کے مالک ہوا کرتے اور اس طبقے کے اراکین کو ہومر کی تحریروں میں امرا قرار دیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ معاشرے میں کسان موجود تھے جن کے پاس تقریباً بنجر زمینوں کے چھوٹے چھوٹے قطعات ہوا کرتے تھے یا ان کے پاس بالکل زمین نہیں تھی۔ بے زمین کسان یقینی طور پر زرعی فارموں کے ملازم ہوا کرتے تھے اس معاشرے کی ایک اہم خوبی غلامی تھی لیکن غلام چند تھے اور انہیں گھریلو کاموں کے لیے رکھا جاتا تھا ہر ایک قبیلے کا ایک سردار ہوا کرتا تھا جو جنگ میں اپنے قبیلے کی قیادت کرتا۔ وہ اعلیٰ منصف کا کردار بھی ادا کرتا اور ایک مذہبی پیشوا کا بھی، اس کے اختیارات اگرچہ کافی ہوا کرتے، لیکن بزرگوں کی کونسل اس کے اختیارات پر نظر رکھتی۔ یہ بزرگ قبیلے کے اعلیٰ خاندانوں کے افراد ہوتے، قبائلی سرداروں کو اس وقت مشاورت کے لیے طلب کر لیا جاتا جب معاملہ انتہائی اہم نوعیت کا ہوتا۔ ہومر کی نظموں میں ایک اسمبلی کا کردار بھی نظر آتا ہے لیکن اس کی حیثیت کوئی زیادہ اہم نہ تھی۔

آٹھویں تا چھٹی صدی ق م کا دور اس لیے اہم اور قابل ذکر ہے کہ اس میں بہت زیادہ معاشی اور سماجی ترقی ہوئی، اس دور میں کئی ایک ایجادات ہوئیں، لوہے کے استعمال اور مہارت میں اضافہ ہوا، اور کاویے کا استعمال شروع ہوا اور جزیرہ سموس میں لوہے کو سخت کرنے کا کام شروع ہوا، دھاگہ بنانے کا کام میکارہ قصبے میں اور برتن سازی اور پتھر کا کام ایتھنز میں اسی پیمانے پر ترقی کر گیا۔ تجارت اور مختلف پیشوں کی کئی ایک اقسام سامنے آئیں، تجارتی رابطے دوبارہ بحال ہوئے۔ خاص طور پر فونیشیا کے ساتھ جہاں سے یونانیوں نے حروف ابجد اور مذہب درآمد کیا۔ (یونانیوں کا پہلا ثقافتی اثاثہ ڈورین کے حملوں

کے بعد تباہ ہو گیا تھا) تجارت کی ترقی سے ایک مالیاتی نظام کی تشکیل ہوئی اور یونانیوں نے دھات کے سکے بنانے شروع کر دیئے، دستکاری کا ارتقا اور اس کی زراعت سے علیحدگی اور ان کا باہمی تعلق تجارت سے پیدا ہوا جو کہ بعد میں کئی ایک اقتصادی و سیاسی مراکز کی بنیاد کا سبب بنا اور بہت سے نئے قصبے آباد ہوئے۔ اگر چہ ہومر کی نظموں میں قصبات کا ذکر ملتا ہے لیکن یہ قصبات ان سے بہت چھوٹے تھے جو تباہ ہو گئے تھے۔ آہستہ آہستہ مختلف وجوہات کی بنا پر یہ قبائلی رہائش گاہیں بہت بڑے مراکز میں تبدیل ہو گئیں وسطی یونان میں ایتھنز، لیکونیا میں سپارٹا، کورینتھ خاکنائے میں پیلو۔۔۔ یونانی قصبوں کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ ہر قصبہ محض اقتصادی مرکز نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک سیاسی مرکز بھی ہوا کرتا تھا وہ پورے علاقے کا ایک فیصلہ کن مرکزی کردار ادا کرتا۔ یونانیوں نے کبھی بھی کوئی مرکزی ریاست قائم نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ کئی ایک شہر ریاستوں پر مشتمل رہے ہیں۔ یہ بالکل ایک دوسرے سے علیحدہ حیثیت قائم رکھتے اور ایک دوسرے سے جھگڑا بھی کیا کرتے تھے اس عمل کے ساتھ ساتھ یونان میں آٹھویں اور چھٹی صدی ق م میں نو آبادیاتی نظام کی بھی بنیاد پڑی، لفظ کالونی کا مطلب ہے کہ جب کوئی یونانی کسی غیر ملک میں آباد ہو جاتا، اسے کالونی کہتے۔ یہ کالونی مکمل طور پر کاروبار اور لین دین میں آزاد ہوتی، ہر ایک کا اپنا ضابطہ قانون ہوتا تھا، عدالت اور سکہ بھی علیحدہ علیحدہ ہوتے، کالونیاں مختلف وجوہات کی بنیاد پر قائم کی جاتیں بعض اوقات اس لیے کہ تجارت کو ترقی دی جا سکے اور یہ کالونیاں تجارتی چوکیوں کے طور پر کام کرتیں، بعض اوقات مختلف شہروں کی آبادیاں زیادہ ہو جاتیں تو لوگ بہتر زمین کی تلاش میں کسی اور جگہ آباد ہو جاتے، بعض اوقات سیاسی تنازعات بھی ہجرت کی بنیاد بنتے، آٹھویں سے چھٹی صدی ق م تک یونان کے نو آبادیاتی نظام کے تین اہم مراکز تھے، اول، ایشیا کوچک کے ساحل اور بحر آگین کے جزائر، دوم مغربی بحیرہ روم (جنوبی اٹلی) سسلی، میلیا، ساگونٹم، ہسپانیہ، سوم، بحر اسود کے ساحل اور مشرقی آبی گزرگاہ، ان میں بہت سی نو آبادیاں بہت بڑے بڑے آزاد اور خود مختار مراکز میں تبدیل ہو گئیں، شہری ریاستوں کا ارتقاء ہوا اور انہوں نے مزید کالونیاں قائم کیں۔ چنانچہ آٹھویں اور چھٹی صدی ق م میں بحیرہ روم ایشیا کوچک اور بحیرہ اسود کے ساحلوں تک یونانی اثر و رسوخ پھیل گیا۔

قدیم سپارٹا:

سپارٹا، دریائے یوروٹاس کی زرخیز وادی کے پہاڑوں کے درمیان شمال جنوب کی طرف سے کلونیا کی طرف سے گزرتے ہیں، واقع ہے، سپارٹا کی قدیم آبادی کا تعلق یقینی طور پر آگین لوگوں کے ساتھ ہے جن کو ڈورین قبائل نے فتح کر لیا تھا، اگر چہ قدیم سپارٹا کے متعلق ہمارے تک معلومات بہت کم پہنچی ہیں لیکن جو دلچسپ قوانین اور رواج وہاں رائج تھے کسی حد تک معلوم ہوئے ہیں۔ یہ کہاوت مشہور ہے

کہ یہ قوانین اور معلومات لائی کرگس کے ذریعے ہم تک پہنچیں، مثال کے طور پر لکونیا کو انتالیس ہزار جاگیروں میں تقسیم کیا گیا تھا، چاندی اور سونے کے سکوں پر پابندی تھی اور لوہے کے سکے استعمال کئے جاتے تھے، لکونیا کی آبادی تین حصوں میں تقسیم کی گئی تھی سب سے پہلے وہ لوگ جنہیں عام شہری حقوق حاصل تھے وہ سپارٹن لوگ تھے اور ان کا تعلق ڈورین فاتحین کے ساتھ تھا وہ خود کو مساویانہ حقوق رکھنے والی برادری کا نام دیتے ان کے پاس تمام زمین تھی، جو انہوں نے برابر تقسیم کر رکھی تھی۔ لیکن وہ خود کوئی کام نہیں کرتے تھے یہ کل آبادی کا دس فیصد تھے اور سپارٹا کے مکمل سیاسی اور بنیادی حقوق سے لطف اندوز ہوتے۔

دوسرا گروپ (Perioeci) پیریئوسی، یہ لوگ سپارٹا کے اردگرد رہتے تھے، ان کا تعلق مہاجروں کی نسل سے تھا ان لوگوں کو ذاتی آزادی تو حاصل تھی لیکن انہیں کوئی سیاسی حقوق حاصل نہیں تھے ان میں زیادہ تر لوگ فنکار تھے۔ آخری اور سب سے بڑا گروپ (Helots) ہیلٹس تھا یہ وہ لوگ تھے جو آکین تھے یہ لوگ ہر قسم کے نظریاتی اور سیاسی حقوق سے محروم تھے ان کے ساتھ کمتر سلوک کیا جاتا اس کے باوجود سپارٹا کے لوگ ان سے خوفزدہ تھے۔ یہ لوگ عام طور پر چھوٹی چھوٹی بغاوتیں کرتے رہتے تھے جن کو کچلنے کے لیے فوجی مہمات کی جاتیں اور بے شمار انسانوں کا قتل عام ہوتا۔ سپارٹا کا اپنا ایک خصوصی آئین تھا ''برابر حقوق رکھنے والوں کا کمیون'' اس کی حکمرانی دو بادشاہ کرتے اور ایک ایسی کونسل جس میں بزرگ اور دانشور ممبر ہوا کرتے یہ لوگ اعلیٰ خاندانوں سے منتخب ہو کر آتے ان میں سے کوئی بھی ساٹھ سال سے کم عمر کا نہ ہوتا تھا۔

یہ کونسل ریاستی نظم و نسق کی نگرانی کرتی اور اعلیٰ عدالتی اختیارات رکھنے والے ادارے کا کردار ادا کرتی، اس کے علاوہ ایک عوامی اسمبلی تھی جس کو وقتاً فوقتاً مختلف افسران کی تقرری کی اطلاع دی جاتی۔ اس کے علاوہ انہیں جنگ اور امن کے مسائل سے آگاہ کیا جاتا، سب سے اہم ادارہ (Epharalty) یا اسے آپ پولٹ بیورو کہہ سکتے ہیں جو پانچ ارکان پر مشتمل ہوتا، اس اعلیٰ اختیاراتی ادارے کے سامنے بادشاہ بھی جوابدہ تھا، سپارٹا کے رسم و رواج اور روزمرہ کے رائج شدہ ضابطہ جات ایک انتہا پر اس وقت پہنچے جب فوجی تربیت کا ذکر ہوتا سات سال کی عمر سے بچے سرکاری سکولوں میں بھیج دیئے جاتے جہاں نہیں جرأت، پیش عملی اور محنت اور لگاؤ پیدا کرنے کی تربیت دی جاتی وہاں انہیں جسمانی تربیت ملتی، بیس سال سے زیادہ عمر کا ہر ایک سپارٹین پابند ہوتا کہ وہ فوجی سروس اختیار کرے، اسے اس بات کا پابند بنایا جاتا کہ فوج کی اطاعت کرے۔ ایک جیسا کھانا اور اعلیٰ قسم کی جسمانی اور فوجی تربیت، اس کے علاوہ عوامی اجتماعات میں بزرگوں سے بحث و مباحثہ، یہاں نوجوان سپارٹین سے یہ توقع رکھی جاتی کہ وہ الفاظ کا بہتر استعمال کرتے ہوئے گفتگو کریں، اس طرح اس رواج نے سپارٹا کو اس قابل بنا دیا کہ وہ ایک زبردست فوج تیار کر سکیں، چنانچہ ایک مدت تک سپارٹا کی فوج کو ناقابل تسخیر سمجھا گیا۔ یونان کے جنوب میں سپارٹا نے مارئیسینا فتح کر لیا، اور آرگولیٹس کا کچھ حصہ اس کے علاوہ، کچھ ریاستوں سے فوجی معاہدات کر لیے اس اتحاد کو پولو لیگ

کہا جاتا ہے اس کا سب سے اہم رکن اور لیڈر سپارٹا تھا۔

ایتھنز کی ریاست:

ایتھنز کا قصبہ اٹیکا (وسطی یونان) ایک پہاڑی اور بنجر علاقے میں پروان چڑھا، یہاں کاشتکاری کے لیے زبردست محنت و مشقت درکار تھی اور یہاں کی اہم فصلیں پھل، سبزیاں، زیتون اور انگور تھیں۔ اٹیکا میں کافی مقدار میں مکئی پیدا نہیں ہوتی تھی اور اسے باہر سے درآمد کرنا پڑتی۔ اٹیکا نے اپنے محل وقوع یعنی سمندری ساحلوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا، تجارت اور سمندری سفر میں ترقی کی۔ قدیم زمانے میں اٹیکا پر بادشاہت تھی لیکن ہماری معلومات کا انحصار کہاوتوں پر ہے۔ کلاسیکل عہد میں ایتھنز جمہوریہ تھی اور یہ اشرافیہ طرز کی تھی۔ اشرافیہ کی کونسل بزرگوں پر مشتمل تھی یہ ریاست کا سب سے اہم ادارہ تھا اور یہ لوگ ریاست کی اہم ذمہ داریاں نبھاتے، ان عہدوں کو آرکون کہتے اور یہ ان لوگوں میں سے لیے جاتے جن کا تعلق اعلیٰ قسم کے امراء اور اشرافیہ خاندانوں سے ہوتا۔ ایتھنز کی آزاد آبادی تین گروپوں پر مشتمل تھی، اول اعلیٰ اختیارات اور حقوق رکھنے والی اشرافیہ اور امراء دوم، وہ طبقہ تھا جو ہر قسم کی سیاسی آزادی سے لطف اندوز ہوتا۔ لوگوں کو ڈیمو (Demo) یا عوام کہا جاتا، ایک علامت جو کسانوں، دستکاروں تاجروں اور ملاحوں کے لیے استعمال کی جاتی، یہ لوگ غریب کسانوں سے زیادہ خوشحال تھے یہ بنیادی حقوق سے لطف اندوز ہوتے لیکن انہیں بہت کم سیاسی حقوق تھے۔ تیسرے گروپ کو غیر ملکیوں کا گروپ کہا جاتا۔ یہ وہ لوگ، تھے جو باہر سے آئے اور ایتھنز میں آباد ہوئے تھے یہ وہ لوگ تھے جو تجارت اور دستکاری پیشوں سے وابستہ تھے ان کو بنیادی شہری حقوق حاصل نہیں تھے۔ اس کے علاوہ غلاموں کو انسانوں میں شمار نہیں کیا جاتا تھا اور یہ لوگ ہر قسم کے شہری اور انسانی حقوق سے محروم تھے ایتھنز میں سیاسی جدوجہد روز بروز تیز ہوتی گئی، غریب کسانوں نے اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھائی اور امراء کے خلاف کشمکش تیز ہوگئی۔ کسان آزادی اور زمین کے لیے آواز بلند کر رہے تھے اور عوام شہری اور انسانی حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے۔

سولون اور کلیستھنز کی اصلاحات:

ساتویں صدی کے آخر اور چھٹی صدی ق م کے شروع میں سیاسی ابتری اپنے عروج پر تھی۔ سلامیس جزیرہ کے جھگڑے پر شکست اور بڑی نمبلیں شہری زندگی پر بڑی طرح اثر انداز ہوئیں۔ 594 ق م میں سولون، آرکون منتخب کر لیا گیا اور اس نے انقلابی قسم کی اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا، پہلے مرحلے پر اس نے تمام قرضے معاف کر دیئے اور وہ لوگ جو قرضوں کے عوض غلام بنائے گئے تھے انہیں آزاد کر دیا اور

مستقبل میں اس عمل پر پابندی عائد کر دی، تب اس نے ایک نئے آئین کو متعارف کرایا جس کی وجہ سے ایتھنز کے شہریوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ تقسیم، جائیداد اور آمدنی کے معیار کے مطابق کی گئی۔ اعلیٰ حقوق رکھنے والے طبقے میں شمولیت کے لیے اعلیٰ خاندان ہی نہیں بلکہ زیادہ دولت کی ضرورت تھی۔ سیاسی حقوق بھی ان لوگوں کو دینے کا وعدہ کیا گیا جن کے پاس جائیداد تھی۔ سولُون کے عہد میں چار سو افراد پر مشتمل ایک منتخب کونسل بطور ادارہ قائم کی گئی اور شہری معاملات میں شہریوں کی اسمبلی نے بھی ایک اہم رول ادا کرنا شروع کر دیا، اسے ریاستی امور پر آخری فیصلہ دینے کا حق حاصل تھا۔ سولُون کی اصلاحات سے بالائی طبقے کو اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کا موقع ملا پھر ڈیمو اور آخری مرحلے نافذ پر ایتھنز کے عام شہری، یہ جمہوری اصلاحات کلیستھنز (509-510) ق م کے عہد میں زیادہ بہتر طور پر نافذ کی گئیں۔ اس نے سابقہ معاشرے کے کئی ایک نشانات کو مٹا دیا اور اٹیکا کی نئی حد بندی کی۔ نسل در نسل زمینیں رکھنے والے خاندانوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نئے سرے سے دیگر لوگوں کی بہتری کے لیے اصلاحات کیں گئیں۔ اس نے چار سو کی کونسل کی جگہ پانچ سو افراد پر مشتمل کونسل قائم کی، اور فوجی افسران کو بھی منتخب کیا۔



باب نمبر:5

یونان (چوتھی اور پانچویں صدی ق م)
یونانی معاشرے میں بحران

500 ق م میں ایشیائے کوچک میں ایک زبردست یونانی شہر ملٹس ایرانی تسلط کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور اس علاقے میں یونان کی دیگر بستیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ چونکہ پرانی سلطنت اس وقت بہت طاقتور تھی اس لیے ان شہروں کا اس سے تصادم ان کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ ان کی مدد کے لیے سب سے پہلے ایتھنز نے آواز بلند کی اور مثبت جواب دیا۔ ایتھنز نے 20 جہاز بھیجے ایک چھوٹے جزیرے یوبیا نے ایک، اور ایک چھوٹے قصبہ ارٹریا نے پانچ جہاز بھیجے، لیکن یہ امداد نا کافی تھی، بغاوت کو کچلنے کے بعد ایرانی بادشاہ دریوز نے اس فوجی امداد کو بہانہ بنا کر یونان کی تمام ریاستوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ دریوز نے یونان کی شہری ریاستوں کو سفیر بھیجے اور کہا ''عظیم بادشاہ اور بادشاہوں کا بادشاہ'' ''زمین اور پانی'' کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ دریوز نے یونانی شہری ریاستوں کو مکمل فرماں برداری قبول کرنے کے لیے پیغام بھیجا تھا، یونان کی شہری ریاستوں کی اکثریت ایرانیوں کی اس دھمکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اس لیے انہوں نے اطاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا، صرف دو ریاستوں نے ذرا مختلف جواب دیا، ایتھنز میں دریوز کے سفیروں کو قتل کر دیا گیا اور سپارٹا والوں نے انہیں گہرے کنوئیں میں پھینک دیا اور کہا کہ یہاں آپ کو پانی اور مٹی مناسب مقدار میں مل جائے گی۔ 492 ق م میں ایرانیوں نے یونانیوں کے خلاف ایک فوجی مہم کا آغاز کیا لیکن یہ ناکام ہوئی۔ راستے میں ہی ایرانی بحری بیڑا زبردست طوفان میں پھنس گیا اور مجبوراً فوجیوں کو واپس لوٹنا پڑا۔ 490 ق م میں ایک اور فوجی مہم بحرآ گین سے اٹیکا کے ساحلوں کی طرف روانہ کی گئی۔ ایرانیوں نے بغیر کسی مقابلہ کے ارٹیریا کے قصبوں پر قبضہ کر لیا، لوٹ مار کر کے مقامی باشندوں کو غلام بنا لیا۔ فیصلہ کن لڑائی جو یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان

ہوئی وہ ایکا کے شمالی ساحلوں کے قریب میراتھن قصبے کے پاس لڑی گئی، یونانیوں کے پاس صرف دس ہزار فوجی تھے اور ایک ہزار فوجی پلاٹے کے قصبے والوں نے دینے کا وعدہ کیا، ایرانی فوج یونانیوں سے کئی گناہ طاقتور اور تعداد میں زیادہ تھی تاہم اسے تباہ کن شکست کا سامنا کرنا پڑا، یونانی فوجی جن کی کمان ایک تجربہ کار کمانڈر ملٹی ڈس کے ہاتھ میں تھی وہ ایرانی جنگی چالوں سے واقف تھا، وہ بڑی بہادری اور جرأت سے لڑا، اس نے حب الوطنی، آزادی اور قربانی کے جذبے سے جنگ لڑی، یہ جانتے ہوئے کہ شکست کی صورت میں انہیں غلام بننا پڑے گا، فتح کی خوشخبری دیکر ایک پیغام رساں کو ایتھنز روانہ کیا گیا۔ شہر کے چوک میں جہاں بوڑھے بچے اور عورتیں جنگ کی خبر کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے وہاں پہنچ کر پیغام رساں نے سب کو اکٹھا کر کے فتح کی خوشخبری سنائی اور گر کر دم توڑ گیا۔ آج بھی اولمپکس میں میراتھن دوڑ اسی یاد کو زندہ کرنے کیلئے منعقد کی جاتی ہے اور اس کا فاصلہ ایتھنز اور میراتھن کے درمیان جتنا ہوتا ہے۔

اخسویرس XERXES کی مہم:

میراتھن کی لڑائی کے بعد دس سال کی خاموشی چھائی رہی لیکن دونوں ملکوں کے باشندے جانتے تھے کہ جنگ ناگزیر ہے۔ دریوز کی موت پر شاہی دربار میں افراتفری کا عالم رہا، آخر کار اس کا بیٹا اخسویرس (Xerxes) تخت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس نے فوری طور پر یونان کے خلاف فوجی مہم کی تیاری شروع کر دی، اس نے چار سال تک جارحیت کی تیاری کی، یونانیوں نے بھی مقابلہ کرنے کے لیے جنگی تیاری کر لی، سپارٹا کی قیادت میں ایک دفاعی اتحاد قائم کر دیا گیا، یونان کی شہری ریاستوں کے درمیان ہوا، اس دور میں سپارٹا کی فوج کو بہترین فوج تصور کیا جا سکتا تھا اسے بحری لڑائی میں اتنی مہارت نہیں تھی جبکہ ان کی خواہش تھی کہ میدان جنگ خشکی بنے، اس وقت ایتھنز میں ریاستی امور بھی ایک پیچیدہ صورت حال سے دوچار تھے، امیر مالکان اراضی اس وجہ سے خوفزدہ تھے کہ جنگ کی صورت میں شکست ان کے لیے تباہی کا باعث بنے گی۔ ان کے مفادات کا نمائندہ ارٹی ڈیتھ تھا اس منصوبے میں اس کی مخالفت تھیمی سٹوکل نے کی جو ایتھنز میں ایک غالب حیثیت کا مالک تھا وہ غیر عمولی صلاحیتوں، قابلیت اور امنگوں کا مجسمہ تھا، وہ تیس سال کی عمر میں آرکون منتخب ہوگیا اور اس نے میراتھن کی جنگ میں بے مثال شہرت پائی، لیکن وہ ابھی مطمئن نہیں تھا اور وہ مزید آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ تھمی سٹوکل یہ سمجھتا تھا کہ یونانیوں کے پاس ایرانیوں کو خشکی پر شکست دینا ممکن نہیں۔ وہ اس بات پر زور دے رہا تھا کہ یونانیوں کا مستقبل ایک بحری فوج میں ہے اور ایک طاقتور بحری بیڑے کی ضرورت ہے۔ 480 ق م میں یونانیوں کے خلاف ایران نے تیسری فوجی مہم کی جس کی قیادت اخسویرس Xerxes کے ساتھ تھی جس نے ایرانی افراد پر مشتمل ایک زبردست فوج تیار کر رکھی تھی۔ یہ بات ایک حقیقت ہے کہ ایرانی فوج یونانیوں سے کئی

گناہ زیادہ تھی۔ پہلی بحری لڑائی آرٹ میزیم جو یوبیا کے شمالی ساحلوں کے قریب واقعہ ہے اور پہلی میدانی جنگ ایک تنگ درے، جو تھیسلے اور وسطی یونان سے ملتا ہے، لڑی گئی۔ یہ درہ اتنا تنگ تھا کہ صرف ایک وقت میں ایک گاڑی اس میں سے گزر سکتی تھی، ایک طرف زبردست چٹانیں اور پہاڑیاں اور دوسری طرف ولدلیں جو سمندر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سپارٹا کے بادشاہ لیونائڈس کی قیادت میں اس جگہ پر تعینات تھے، زبردست ایرانی فوج جب اس درے پر پہنچی کہ وہ یونان میں داخل ہو سکے ان کا خیال تھا کہ کسی بھی زبردست مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، ایرانی بادشاہ نے لیونائڈس کو پیغام بھیجا کہ وہ ہتھیار پھینک دے۔ لیونائڈس نے جواب میں کہا ''آؤ اور انہیں لے لو'' ایرانیوں نے جب درے پر حملہ کیا تو یونانیوں کی طرف سے زبردست مزاحمت ہوئی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یونانی فوجیں دفاعی لحاظ سے بہتر پوزیشن پر تعینات تھیں، تاہم ایک یونانی غدار نے ایرانیوں سے ساز باز کر کے انہیں پہاڑی راستوں میں وسطی یونان میں داخل ہونے کی راہ دکھائی۔ لیونائڈس نے جب یہ دیکھا کہ وہ گھیرے میں آگئے ہیں تو اس نے اپنی فوج کے زیادہ تر جوانوں کو میدان جنگ سے بھیج دیا اور اپنے سپارٹا کے ہم وطنوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے تنہا رہ گیا یہ تمام لوگ دفاع کرتے ہوئے مارے گئے۔ جب میدانی جنگ میں یونانیوں کو شکست ہوئی تو اس دوران لڑی جانے والی بحری جنگ میں بھی یونانی بحری بیڑے کو مراجعت کرنا پڑی۔ یہاں اس صورت حال کو مدنظر رکھنا پڑے گا کہ کثیر التعداد جزیروں، خلیجوں اور آبناؤں اور خاکناؤں کی موجودگی میں یہاں بحری لڑائی انتہائی دشوار گزار تھی اور ایرانیوں کے لیے اور بھی زیادہ مشکل جو کہ باہر سے آئے ہوئے تھے، جلد ہی ایرانی افواج میں بددلی پھیلنے لگی اور سمندروں میں بحری جہاز بڑی عجلت میں مراجعت کرنے لگے، سالامس کی لڑائی فیصلہ کن لڑائی ثابت ہوئی جس کے بعد ایرانی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ تاہم اخسویرسXerxes نے کم از کم ساٹھ، ستر ہزار فوجی مارڈونیئس کی قیادت میں پیچھے چھوڑ دیئے۔

479 ق م میں دو اہم جنگیں لڑی گئیں، حکایات کے مطابق ایک ہی دن میں دو جنگیں لڑی گئیں۔ ایک پلیٹے کے قصبے کے قریب جہاں مارڈونیس کے دستوں کو تباہ کن شکست کا سامنا کرنا پڑا جس کے بعد ایرانیوں کو ایران سے بھاگنا پڑا اور دوسری ایشیائے کوچک میں میکل کے مقام پر، بحری لڑائی، اس میں بھی یونانیوں کو فتح ہوئی، اس فتح کے بعد ایشیائے کوچک میں یونانی قصبے ایرانی غلبے سے آزاد ہو گئے اور چھوٹی ریاستوں اور کم افراد نے ایک زبردست فوج کو شکست دیکر اپنی آزادی کو برقرار رکھا۔ ''ایران کا بادشاہ یونانیوں کے ساتھ معاہدہ امن کے لیے مجبور ہوا اس نے ایشیائے کوچک اور جزائر میں آباد یونانی شہری آبادی کی ریاستوں کو تسلیم کر لیا۔''

ایتھنز کی معاشی خوشحالی اور بحری اتحاد:

ایران سے معاہدہ امن ہو جانے کے بعد، یونانیوں نے بحری قوت کی ضرورت کو محسوس کیا اور انہوں نے مشترکہ دفاع کے لیے یونان کی 200 کے قریب ریاستوں پر مشتمل ایک بحری اتحاد قائم کیا، اس اتحاد کے اراکین کو مشترکہ دفاع کے لیے یا تو کچھ جہاز تیار کر کے اتحاد کے حوالے کرنا پڑتے یا فنڈ ادا کرنا پڑتا۔ اس اتحاد کی قیادت ایتھنز والوں کے پاس تھی۔ ایتھنز کے ماہرین حرب اور کمانڈر بحریہ کی کمان کرتے، اتحاد کا مشترکہ خزانہ ایتھنز میں رکھا گیا تھا اور اس رقم کو وہاں خرچ کرتے جہاں ان کی مرضی ہوتی۔ انہوں نے مشترکہ فنڈ میں ادائیگیوں کا تعین کیا اس لیے اس اتحاد کو ایتھنز کا بحری اتحاد بھی کہتے ہیں سلی سمندروں پر بالادستی کے نتیجے میں ایتھنز کی بحری تجارت میں ترقی ہوئی۔ اپنی بحری قوت کی موجودگی میں ایتھنز والے بحر روم سے بحر اسود تک تجارت کرتے۔ ایتھنز میں ایک بندرگاہ تعمیر کی گئی، جہاں مال گودام، شپ یارڈ اور دیگر بحری سہولتوں کا انتظام کیا گیا تھا، مصر، شام،۔۔۔ اور دیگر ملکوں سے آنے والے جہاز یہاں لنگر انداز ہوتے اور یہاں سے یونان کا تیار شدہ مال اپنے اپنے ملکوں کو لے جاتے۔ یہاں سے ماہرین آثار قدیمہ کو یونانی بحریہ کے نشانات والی اشیاء ملی ہیں، وہ تاجر جو یہاں مال لے کر آتے وہ ڈیوٹی ٹیکس ادا کرتے، تجارت میں ترقی سے ایتھنز میں غلام داروں کی ضرورت بڑھنے لگی، امن کے زمانے میں ایتھنز غلاموں کی سب سے بڑی منڈی تھی۔ ایتھنز کی چاندی کی کانوں میں ہزاروں غلام کام کرتے تھے اور یہ بڑی بڑی سلاخوں سے چاندی کی مٹی توڑنے اور زمین کے اندر گہرائی میں، روشنی میں کام کرتے، نوجوان غلام لڑکے مٹی کے ڈھیلے اٹھائے ہوئے گھٹنوں کے بل لیٹ کر کان سے باہر نکلتے غلام اس مٹی کو بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ پیستے، اگرچہ یہ کام بیلوں یا گھوڑوں سے لیا جا سکتا تھا لیکن غلاموں کی محنت سستی پڑتی تھی اور منافع میں اضافہ ہوتا، کان کنی کے کام میں غلاموں سے اس قدر محنت لی جاتی کہ انہیں سونے اور کھانے پینے کے لیے بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ غلام ایتھنز ریاست کی ملکیت نمک کی کانوں میں بھی کام کرتے تھے۔ 5ویں صدی ق م میں ایتھنز یونان کی تمام ریاستوں سے زیادہ دولت مند تھا۔ اس سے ممکن ہو سکا کہ یونان کی تہذیبی روایات میں، ایتھنز میں عوامی عمارات تعمیر کی گئیں اور شہر کی زبردست قلعہ بندی کی گئی اور اردگرد ایک لمبی دیوار تعمیر کی۔ یہ دیوار شہر کا اس سڑک کی جانب سے دفاع کرتی ہے جو بندرگاہ سے شہر کی طرف آتی ہے۔ طویل محاصرے کی صورت میں یہ سڑک شہر کو بندرگاہ سے ملائے رکھتی، شہر میں نہایت شاندار عمارات تعمیر کی گئیں، بے مثال خانقاہیں اور مجسمے بنائے گئے، چونکہ ایتھنز وہ جنگ جو ایران کے خلاف لڑی گئی تھی اس میں تباہ ہوا تھا۔ اس لیے تعمیر نو کے اخراجات مشترکہ فنڈ سے ادا کئے گئے۔ ایتھنز کی زبردست بحریہ تھی اور اس میں ملازمت . نے والے کو ایتھنز کے خزانے سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ایتھنز کے دیگر سرکاری اہلکاروں اور ججوں کو تنخواہ دینے کا رواج ہوا، سرکاری ملازمین زیادہ تر ایتھنز کے شہریوں کو دی جاتیں، ایتھنز کے غریب سرکاری تنخواہوں پر بھی گزارہ

کرتے تھے۔''میرے باپ! اگر جج عدالت کا اجلاس نہ کرے! ہم اپنا ناشتہ کہاں سے کریں گے اور ہمارے رات کے کھانے کا کیا بنے گا'' قدیم معلومات سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ شہریوں میں روٹی مفت تقسیم کی جاتی تھی، ایتھنز کے شہری کوئی ٹیکس ادا نہیں کرتے تھے، ایتھنز کی دولت مند ریاست کا شہری بننا ایک بہت بڑا اعزاز تھا لیکن اس کے ساتھ منافع بخش تھا۔(5ویں 6صدی ق م) ایتھنز میں جو مال باہر سے لایا جاتا، اس میں شمالی افریقہ سے بیلوں کی کھال، بحر اسود کے علاقے سے خشک مچھلی، شمالی یونان سے گوشت اور اناج، سسلی سے سئور، بادبان اور کاغذ مصر سے، خوشبو شام سے، جزیرہ کریٹ قیمتی لکڑی بھیجتا جو خانقاہوں میں استعمال ہوتی، ایشائے کوچک سے غلام اور بادام، فونیشیا سے مکئی اور کھجوریں، ایتھنز لائی جاتیں۔

ایتھنز میں جمہوریت:

ایتھنز میں جمہوریت کا تعلق قریبی طور پر اس کی بحری قوت میں مضبوطی سے ہے۔ ایتھنز میں ہر ایک شہری کسی طور پر بھی مسلح افواج سے منسلک تھا، شہری اپنے اخراجات سے زرہ بکتر اور دیگر سامان حرب اپنے پاس رکھتا۔ یہ قیمتی جنگی سامان وہی لوگ رکھ سکتے تھے جن کے ذرائع آمدنی معقول تھے، بحری جہازوں پر کام کرنے والے زیادہ تر لوگوں کا تعلق غریب طبقے سے تھا۔ امیر ایتھنز والے ان کو تیرتے ہوئے ہجوم کہتے، بحری بیڑے کا جنگ میں ایک اہم کردار تھا، ایسے ہی سیاسی شہری زندگی میں عوام ایک اہم کردار ادا کرنے لگے۔ اس طرح شہر کی زندگی میں عوام باقاعدہ دلچسپی لینے لگے، اس دور کی سب سے اہم سیاسی شخصیت پیریکل تھا۔ پیریکل پندرہ سال ایتھنز کی شہری ریاست کا بلاشبہ اہم راہنما رہا۔ یہ بامہارت سیاستدان اور سحر انگیز مقرر تھا۔ لوگ اسے ''اولیمپین'' کہتے تھے۔ پیریکل کے عہد میں ایتھنز کی جمہوریت اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئی اور اسی عہد میں مصوری، سنگ تراشی اور مجسمہ سازی اور تعمیرات میں گراں قدر کارنامے انجام دیئے گئے۔ ایتھنز میں مشہور و معروف فلسفیوں نے سکول کھولے اور سارے یونان کا بہترین تھیٹر ایتھنز میں تھا۔ پیری کلیز بذات خود، عالمی شہرت یافتہ فنکاروں اور سائنسدانوں اور فلسفیوں کی مجلسوں میں بیٹھتا، اناک گورث، فیڈیاس، اور ڈرامہ نگار یوری پائیڈس اس کے ہم عصروں میں شمار ہوتے تھے۔ پیری کلو نے جمہوری اصلاحات کے سلسلے کا آغاز کیا، انتخابی طرز کی بنیاد ڈالی گئی ریاستی انتظام میں اب غریب آدمی کو بھی شرکت کے مواقع میسر تھے۔ ایک فنڈ کا قیام عمل میں لایا گیا جو غریبوں کے لیے تھا کہ وہ ٹکٹ خرید کے تھیٹر دیکھ سکیں۔ ایتھنز کا تھیٹر صرف تفریح طبع کا ذریعہ نہیں تھا بلکہ اس سے سیاسی تعلیم بھی دی جاتی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب ایتھنز کی جمہوریت اپنے نقطہ عروج پر تھی اور شہر کی تمام زندگی، عوامی اسمبلی سے منسلک تھی سیاسی اور سماجی امور میں اسمبلی کا ایک اہم کردار تھا۔ ملکی اور اہم غیر ملکی معاملات پر

اسمبلی کا اجلاس طلب کیا جاتا، اسمبلی کا اجلاس ہر دس دن کے بعد منعقد ہوتا اور ایتھنز کے ہر شہری کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اجلاس میں تقریر کر سکے اور اپنی تجاویز پیش کر سکے۔ ہر ایک شہری کو نہ صرف ووٹ کا حق تھا بلکہ وہ بطور امیدوار بھی الیکشن میں حصہ لے سکتا تھا۔ ایتھنز میں ایک قانون ساز ادارہ بھی تھا جو چھ ہزار اراکین پر مشتمل تھا اور اسے Heliaea "ہیلیے" کہتے تھے۔ اس کا کام قانون سازی کرنا اور انصاف کا نفاذ تھا اس کے علاوہ پانچ سو افراد پر مشتمل ایک مجلس تھی جس کی ذمہ داری قانون کے نفاذ کے عمل کی نگرانی اور اعلیٰ عہدیداروں کی نگرانی کرنا بھی تھا، اس کے علاوہ دس فوجی جرنیلوں کا ایک بورڈ تھا جسے پیری کلیز کے عہد میں خصوصی اہمیت حاصل ہوگئی۔ ان کا انتخاب نامزدگیوں کے ذریعے عمل میں آتا۔ پیری کلیز کے عہد میں ایتھنز کا یہ جمہوری ڈھانچہ تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ ایتھنز کی جمہوریت کس طبقے کے لیے تھی اور اس سے کون لوگ لطف اندوز ہوتے تھے؟ غلام تمام انسانی حقوق سے محروم تھے صرف ایک مخصوص طبقہ تھا جو اس نظام میں خوشحال اور مطمئن تھا اگرچہ غلاموں اور غیر ملکیوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی اس جمہوریت کو اقلیت کے لیے جمہوریت قرار دیا جا سکتا ہے اس جمہوریہ کی بنیاد غلام دارانہ معاشرے پر تھی۔ ایتھنز کی جمہوریت میں غلام داروں کا غلاموں پر تسلط مضبوط ہوا، ایتھنز کی طرز پر جمہوریت یونان کی کئی شہری ریاستوں میں وجود میں آگئی ہر جگہ آزاد لوگوں کا غلاموں پر اقتدار تھا۔ وہ مرد اور عورتیں یا ان کے بچے جو ایتھنز کے رہنے والے ہوتے انہیں ایتھنز کی شہریت ملتی، دوسرے ملکوں سے آ کر آباد ہونے والوں کو شہریت سے محروم رکھا جاتا، وہ لوگ جو دھوکہ دہی سے شہریت اختیار کر لیے انہیں غلام بنالیا جاتا، باہر سے آنے والوں کو اٹیکا میں رہنے کے لیے خصوصی اجازت نامے حاصل کرنا پڑتے۔ ایتھنز کی عورتیں نہ صرف عوامی اسمبلی میں شرکت نہیں کر سکتیں تھیں بلکہ گھروں سے بھی کبھی کبھار نکلتیں تھیں، عورت کی یہ ذمہ داری سمجھی جاتی تھی کہ وہ گھر کے معاملات میں مکمل دلچسپی لے اور اپنے خاوند کی تابع داری کرے۔۔۔ اگرچہ ایتھنز کی شہریت کو بڑھنے سے سختی سے روکا گیا تھا تاہم قدیم دنیا میں کسی جگہ پر بھی اتنے لوگ حکومت چلانے میں شریک نہیں تھے جس طرح کہ ایتھنز میں تھا۔ مشکل اور سخت کام غلاموں کے حوالے کرنے کے بعد ایتھنز کے شہری زیادہ وقت عوامی مقامات پر گزارتے، آگورہ سب سے زیادہ مشہور و معروف جگہ تھی صبح کے وقت یہ جگہ تاجروں کے سٹالوں سے بھر جاتی، اور شام کو یہ سٹال اٹھا لیے جاتے، ایک طرف ایسے پتھر نصب تھے جن پر ایتھنز کے ریاسی قوانین کندہ تھے۔ عوامی جلسوں والی جگہوں پر نوٹس چسپاں ہوتے، عدالتوں میں مقدمات کی سماعت ہوتی سارے دن کے کام کاج کے بعد تاجر اور دستکار آگورہ کا چکر لگاتے وہ کسان جو اپنی پیداوار بیچنے کے لیے یہاں آتے انہیں یہاں سے شہری معلومات ملتیں، نوجوان لڑکے جمنزیم میں اکٹھے ہوتے جہاں نامور مفکر لیکچر دیتے اور علمی گفتگو کرتے اور یہ بھی کہ تجربہ کار استاد یہاں پر جسمانی ورزش کی تربیت دیتے، یونان کے بہترین موسیقار اور گلوکار ایک بڑے ہال میں اپنے فن کا

مظاہرہ کرتے، موسیقی کے شائقین ان سے لطف اندوز ہوتے اور بہترین فنکار کا انتخاب کرتے ہزاروں افراد سال میں کئی مرتبہ یہاں تھیٹر میں فنکاروں کے فن کا مظاہرہ دیکھتے۔ ایتھنز کی شہری زندگی جہاں ایک آزاد آدمی کی جسمانی تربیت اور نشوونما کا باعث تھی وہاں ایتھنز کے دانشوروں کے نقطہ نظر کو بھی وسعت ملی۔

پیلو پونیسین جنگ:(Peloponnesian war)

یہ جنگ کلاسیکل یونان کی تاریخ کی سب سے بڑی لڑائی ہے اور یہ مختلف وقفوں سے ستائیس سال تک جاری رہی، دراصل یہ جنگ یونان کی شہری ریاستوں کے دو گروپوں کے مابین تھی۔ ایک طرف سلطنت ایتھنز تھی دوسری طرف پیلو پونیسین اتحاد، یونان کی شہری ریاستوں پر ایتھنز کے غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کو سپارٹا کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، کورنیتھ اور میگارا کے شہر تجارتی لحاظ سے اہم تھے اور بڑی کامیابی سے ایتھنز کی تجارت کا مقابلہ کر رہے تھے سیاسی تضادات نے بھی مخالفت میں زیادہ اضافہ کیا کیونکہ ایتھنز والے پورے یونان میں جمہوریت پسندوں کی حمایت کرتے تھے اور خاص طور سے پیلو پونیسیا کے اتحادی شہروں میں جمہوری قوتوں کو، جبکہ سپارٹا والے ایتھنز کے تمام شہروں میں طبقہ امراء کی حمایت کرتے اس صورتحال میں جنگ ایک ناگزیر صورت تھی۔۔۔ 431 ق م میں جنگ اس وقت شروع ہوئی جب سپارٹا والوں نے اٹیکا پر حملہ کر دیا، پیری کلیز بذات خود ایتھنز کی فوج کا کمانڈر تھا اس نے دفاعی لڑائی میدانی علاقوں میں لڑنے کو ترجیح دی۔ جنگ کی صورت حال کو دیکھتے ہوئے دیہاتی لوگوں نے شہر کی چار دیواری میں پناہ لی، پیری کلز یہ جانتا تھا کہ یہ صورت حال شہر کو اناج کی سپلائی منقطع کر سکتی ہے اور شہر میں وبائی امراض پھیل سکتے ہیں۔ لوگوں نے اس پر سخت احتجاج کیا اور پہلی مرتبہ پیری کلیز منتخب نہ ہو سکا اور اسی سال وہ غالباً چیچک سے مر گیا۔۔۔ عہد حکومت تب ایتھنز کے جمہوری نمائندوں تک مشتعل ہو گئی جو اس حق میں تھے کہ جنگ بڑی شدت سے لڑی جائے، نئی قیادت کیلیون جو ایک زبردست مقرر اور سیاستدان تھا کے ہاتھ میں آ گئی، اس نے بحری بیڑے کو پیلو پونیسین کے ساحلوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، 425 ق م میں ایتھنز والوں نے پائیلس پر قبضہ کر لیا اور اس نے مئیا ئیں اپنے قدم مضبوط کر لیے، اس کے علاوہ ایتھنز والوں نے سپارٹا کا ایک فوجی دستہ یرغمالی بنا لیا، سپارٹا والوں کے لیے یہ صورتحال انتہائی مخدوش تھی انہوں نے جنگ کا میدان تھراس کی طرف منتقل کر دیا جہاں کئی ایک شہری ریاستیں ایتھنز کے قبضے سے نجات حاصل کرنے کے لیے انتظار کر رہی تھی اس ان کے لیے موقع تھا کہ وہ آزادی حاصل کر لیں، سپارٹا والوں نے اپنی مسلح افواج کا ایک بڑا حصہ ایک تجربہ کار کمانڈر براسی ڈاس کی قیادت میں تھراس کی طرف روانہ کیا، کئی ایک ایتھنز کے شہر قبضے میں لے لیے گئے اور 422 ق م میں ایمفی

پولیس شہر کے قریب ایک زبردست جنگ لڑی گئی۔ جنگ میں براسی ڈاس اور کیلیون یعنی دونوں کمانڈر مارے گئے اور سپارٹا اور ایتھنز کے درمیان معاہدہ امن طے پا گیا۔

سسلی کی مہم:

تاہم یہ معاہدہ امن زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوا، ایتھنز میں فوجی تیاریاں ایک بار پھر دیکھنے میں آئیں، اس مرتبہ ایلکی بائیڈس وہ اہم شخصیت تھی جو جنگ اور محاذ آرائی جیسی صورتحال کو واپس لانا چاہتا تھا یہ پیری کلیز کا بھتیجا تھا اور اپنے جسمانی فن، فن خطابت اور سیاسی خوبیوں کی وجہ سے مشہور تھا یہ سیاسی مہم جو تھا اس نے سسلی پر حملہ تجویز کیا اور جنوبی اٹلی اور یہاں تک کہ کارتھیج پر قبضہ کرنے کی سوچی۔ ایتھنز کی آبادی کی طرف سے اس منصوبے کو خوش آمدید کہا گیا، 415ق م میں سسلی کی مہم کے لیے تیاریاں شروع کی گئیں۔ 260 جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑہ تیار کیا گیا اور ایک بری فوج جس میں چالیس ہزار سپاہی تھے۔ ایتھنز کی افواج نے سسلی کے کٹانا قصبے پر قبضہ کرلیا اور سائراکس قصبے کا محاصرہ کرلیا۔ ابتدائی طور پر محاصرہ کامیاب رہا، لیکن ایتھنز سے ایلکی بائیڈس کو پیغام ملا کہ وہ واپس آکر ایک مقدمے کا سامنا کرے ایلکی بائیڈس واپس ایتھنز آتے ہوئے فرار ہو گیا اور سپارٹا والوں سے مل گیا۔ ایلکی بائیڈس کا فرار ایک اہم واقعہ تھا اور یکسر سسلی کی صورتحال میں تبدیلی آگئی۔ سسلی کے علاقوں کو محاصرے سے بچانے کے لیے سپارٹا والوں نے فوج بھیجی، ایتھنز والوں نے بحری جنگ کا فیصلہ کیا، تاہم بحری جنگ ایتھنز کی شکست کا باعث بنی اور فوجیں پسپا ہو کر ایتھنز کی طرف روانہ ہوئیں، تباہی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جرنیلوں کو گرفتار کر کے پھانسی دے دی گئی اور ایتھنز کے سات ہزار باشندے غلام بنا لیے گئے اور انہیں پتھر کاٹنے کے کام پر مامور کیا گیا، ایتھنز کی کمزور صورت حال سے اس کی زیر تسلط شہری ریاستوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور آزادی حاصل کر لی۔

جنگ کے بعد:

سسلی کے خلاف قومی مہم میں ناکامی کے ساتھ ساتھ ایتھنز کو کئی ایک ناکامیوں کا سامنا اٹیکا میں بھی کرنا پڑا، 413ق م اسپارٹا نے واضع طور پر معاہدہ امن کی خلاف ورزی شروع کر دی، ایلکیائڈس کے مشورہ کے مطابق ایک زبردست اور مضبوط فوج ڈیکیلیا جو کہ ایتھنز سے پندرہ میل کے فاصلے پر تھا اور جنگی نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت تھی، یہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ پہلے تو سپارٹا والے کبھی کبھار

حملہ کیا کرتے تھے اب انہوں نے اپنی فوج کو یہاں مستقل طور پر رکھنا شروع کر دیا۔ تباہیوں اور حادثات کے سلسلے میں ایتھنز کو آخری شکست کا جب سامنا کرنا پڑا تو ایتھنز کے بیس ہزار باشندے غلام بنا لیے گئے اور انہیں سپارٹا پہنچا دیا گیا اس قسم کے واقعات اور حادثات جو گزشتہ کئی سالوں سے ایتھنز کو پیش آئے، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ جمہوری طرز حکومت کی وجہ سے ہے۔ 411 ق م میں جمہوریت دشمنوں نے اس شاندار صورتحال کا فائدہ اٹھایا اور انقلاب برپا کر دیا۔ 400 افراد کی مجلس نے اقتدار اپنے قبضے میں لے لیا اور آئین کو ختم کر دیا۔ جب انقلاب کی خبریں ایتھنز کے بحری بیڑے پر پہنچیں جو اس وقت ایشائے کوچک میں تیر رہا تھا تو ملاحوں نے بھی بغاوت کر دی اور ایلکیا ئڈس کی بطور کمانڈر حمایت کی۔ یہ کمانڈر سپارٹا کے ساتھ لڑ چکا تھا، ایتھنز میں مجلس کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور ایلکیاہڈس نے پیلوپونیسین کے بحری بیڑے کے خلاف کئی ایک کامیابیاں حاصل کیں، ان کامیابیوں کے بعد وہ واپس ایتھنز پہنچا، تھوڑے ہی عرصے بعد اسے اسمبلی نے سربراہ منتخب کر لیا اور بے پناہ طاقت فراہم کر دی، حالانکہ پیش آنے والے واقعات تباہیوں اور ناکامیوں نے جو ایتھنز کے بحری بیڑے کو پیش آئیں انہوں نے ایلکیاہڈس کو ہمیشہ کے لیے ایتھنز چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ایک فیصلہ کن پہلو یہ تھا کہ ایتھنز کے خلاف ہونے والی کئی ایک لڑائیوں میں ایرانیوں نے سپارٹا کی مدد کی تھی۔ ایتھنز کی طاقت ٹوٹ چکی تھی۔ خاص طور پر اس وقت جب انہیں ہیلس پونٹ کی لڑائی میں بحری شکست ہوئی، یہ واقعہ 405 ق م میں پیش آیا، ایتھنز کے بحری بیڑے کو شکست دینے کے بعد، صورتحال روز بروز ایتھنز کے خلاف ہو رہی تھی۔ آخر کار لائی سنڈر نے ایتھنز کا محاصرہ کر لیا۔ 404 ق م میں ایتھنز والے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے، شرط یہ تھی کہ ایتھنز کا تمام بحری بیڑہ سپارٹا کے سپرد کر دیا جائے گا اور شہر کی مشہور فصیل جو ایتھنز سے بندرگاہ تک جاتی تھی، گرا دی جائے گی اور سپارٹا کو ہیلاس کی قائدانہ حیثیت کے طور پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ سپارٹا کے فوجی دستوں کی حمایت سے اور خاص طور پر لائی سینڈر کی خصوصی توجہ سے ایتھنز میں ایک جمہوریت مخالف حکومت وجود میں آ گئی تاہم اشرافیہ کا یہ نظام بڑی مختصر مدت کے لیے رہا اور 403 ق م میں جمہوری آئین بحال کر دیا گیا۔

پیلوپونیسین جنگ کے نتائج:

وہ تمام ریاستیں جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا بلاشبہ ان میں سب سے زیادہ نقصان ایتھنز کو پہنچا، کسان تباہ حال ہو گئے تجارت کا تقریباً خاتمہ ہو گیا اب ایتھنز کو بحری برتری ہرگز حاصل نہ تھی، سپارٹا والوں نے بھی جنگ کے بعد معاشی اور اقتصادی بدحالی کا سامنا کیا۔ حقیقی طور پر اب وہ دنیائے یونان کی ایک بہت بڑی قوت تھی لیکن سپارٹا یہ کردار ادا کرنے سے قاصر تھی۔ ایرانیوں نے سپارٹا سے ایشائے کوچک میں موجود دیگر ریاستوں کے، اس کے غلبے کے خاتمے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کیا۔ سپارٹا والوں

نے ایسا کرنے سے انکار تو نہ کیا اور ان دونوں ملکوں میں تعلقات خراب ہونا شروع ہو گئے، آخر کار ان دونوں میں ایشائے کوچک میں لڑائی شروع ہوگئی، سپارٹا کی کئی ایک فتوحات کے بعد ایران والوں نے سپارٹا مخالف ایک محاذ قائم کیا جس میں بہت سی یونانی ریاستوں کو شامل کیا گیا۔ جن میں تھیبز، آرگوس، کورنتھ، ایتھنز اور نام نہاد کورتھیائی جنگ شروع ہوگئی۔ اس جنگ کا خاتمہ بھی امن کی صورت میں ہوا، یعنی یہ تسلیم کرلیا گیا کہ سپارٹا کو بالادستی حاصل ہے اور ایرانی بادشاہ، یونانی ریاستوں کے مابین ثالث کا کردار ادا کرے گا۔ سپارٹا نے جلد ہی ایتھنز کے اندرونی معاملات میں مداخلت شروع کردی اور وہاں کی اشرافیہ اور امراء کی اعانت کرنا شروع کردی چنانچہ ایک جمہوری انقلاب اس قصبے میں رونما ہوا، ایتھنز کی سرحدوں سے سپارٹا کی چھاؤنیوں کو ختم کردیا گیا، اور ایتھنز کی حکومت نے ایتھنز سے ایک اتحاد قائم کرلیا۔ اس سے ایتھنز کی قوت میں اضافہ ہوا۔ اس وجہ سے ایتھنز نے ایک بار پھر ایک بحری اتحاد قائم کرلیا اگر چہ یہ اتحاد اور بحری قوت پہلے سے بہت کم تھی، یہ محض ایتھنز اور آگین جزائد پر مشتمل تھی۔ جبکہ ممبر ریاستیں اب زیادہ آزاد اور خودمختار تھیں۔۔۔ جنگ تھیبز اور سپارٹا کے درمیان چھڑ گئی۔ تھیبز کے کمانڈر اپامنیڈ اس نے شاندار بحری فتح، اپنی جنگی چالوں اور حکمت عملیوں سے حاصل کی۔ یہ جنگ تھیبز سے زیادہ دور نہیں بلکہ لیکٹرا کے مقام پر 371 ق م میں لڑی گئی۔ یہ فتح ناقابل تسخیر سپارٹا کے خلاف تھی، اپامنیڈ اس نے پیلو پونیسس پر بھی حملہ کیا لیکن سپارٹا حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ چنانچہ یہ نظر آتا ہے کہ پیلو پونیسم جنگ ایک اچانک طاقت کے عدم توازن صورتحال کا باعث بنی چوتھی صدی ق م کے پہلے نصف میں کئی ایک اہم واقعات رونما ہوئے، جن میں سیاسی اور قومی کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ یونان کے لیے مجموعی طور پر معاشی اور اقتصادی لحاظ سے زوال کا باعث بنی۔

یونانی ثقافت:

قدیم یونانیوں نے افکار و ثقافت کی عظیم ترین حاصلات کے ذریعے پوری دنیا کو متاثر کیا خاص طور پر فلسفہ جو بعد میں وجود میں آنے والے فلسفیانہ نظام اور افکار کا جوہر تھا۔ یونانی فلسفے کے ارتقاء کا پہلا مرحلہ قدرتی فلسفے کا تھا جو ایشیائے کوچک کی یونانی شہری ریاستوں میں چھٹی، ساتویں صدی ق م میں وجود میں آیا، اس مکتبہ فکر کے فلسفی اناکسی مینس، انکسی منیڈر، اور طالیس تھے۔ جنہوں نے دنیا کے متعلق بڑا معصوم مادی رویہ اپنایا، اس عہد کا سب سے اہم فلسفیانہ مظہر ہیرا قلیلس (480-540) ق م ایفیسس کا رہنے والا تھا۔ جسے پہلا جدلیاتی فلسفی کہا جاسکتا ہے۔ اس نے لکھا ''تمام اشیاء بہتی ہیں تم ایک ہی پانی میں دوبار قدم نہیں رکھ سکتے۔'' ہیرا قلیلس نے قرار دیا کہ عالم موجودات کی متضاد فطرت ہے اس نے کہا کہ ہر ایک مظہر ضدین کے مابین کشمکش کا نتیجہ ہے۔ ''تمام اشیاء تنازعات کی صورت میں وجود میں آتی ہیں۔

تھراس کا ڈیموقریطس (5-4 صدی ق،م) ایک مادیت پسند فلسفی تھا۔ اس نے قرار دیا کہ کائنات کی بنیاد ایٹم اور خلا ہے اس نے ایٹم کی تعریف یہ کی "یہ مادے کے باریک ترین ذرات ہیں" اور ان میں یکسانیت موجود ہے۔ اس کی تشریح کے مطابق یہ ذرات خلا میں متحرک رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ متصادم رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے مدغم بھی ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً یہ سارا امتزاج اور مظہر عالم موجودات کی بنیاد ہے۔ ڈیموقریطس کے نظریات، منطق اور جامعیت کے لحاظ سے قابل تحسین ہیں، اس کے مطابق دنیا کی ہر شے کی بنیاد مادے کی حرکت ہے۔ اناکسی منیڈر نے کہا کہ کائنات پانی سے نہیں بنی بلکہ یہ ایک لامحدود شے ہے اور اس کی وجہ سے اشیاء اور مظاہر وجود میں آتے ہیں، حرکت کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ کیفیات مثلاً تر اور خشک، گرم اور ٹھنڈا پیدا ہوتی ہیں، اشیاء ایک مخصوص مدت کے لیے ظہور پذیر ہوتی ہیں اور اپنا وجود قائم رکھتی ہیں اور بعد میں اسی صول کے ساتھ انتشار کا شکار ہو کر غائب ہو جاتی ہیں۔ اناکسی منیڈر کے مطابق دنیا میں ایک دائمی روانی ہے اس سلسلہ عمل میں کچھ اشیاء بنیادی عنصر میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور کچھ وجود میں آ جاتی ہیں چنانچہ اناکسی منیڈر نے اپنے زاویہ نظر کے مطابق دنیا کو جدلیاتی روشنی میں، حرکت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اناکسی مینس نے طالیس اور اناکسی منیڈر سے اتفاق کیا کہ کائنات کا اصل اصول مادی ہے لیکن ہر اصول ہوا ہے اس کی حرکت کی وجہ سے اشیاء وجود میں آتی ہیں اور غائب ہو جاتی ہیں۔ مادیت پسند فلسفیوں کی افلاطون نے سخت مخالفت کی، افلاطون (427-347) ق م قدیم یونان کا ایک مثالیت پسند فلسفی تھا۔ اس کے علمی اصولوں کے مطابق، ایک حقیقی دنیا ہے جو کہ علیحدہ حسیاتی اشیاء اور جو کہ صرف حقیقی دنیا کا عکس ہے اور خیالات کی دنیا ہے خیالات کی دنیا جیسا کہ اس کا یقین تھا ایک اعلیٰ اور اکمل "خیر مطلق" ہے اور یہ ابدی ہے دیگر اشیاء اور مظہر عارضی اور عبوری ہیں۔ یہ بے شکل اور لامحدود مواد سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ان میں کچھ خیالات کا امتزاج بھی ہوتے ہیں جو ہی یہ خیالات اشیاء کو چھوڑتے ہیں، شکل غائب ہو جاتی ہے۔ افلاطون کے مطابق، حقیقی اشیاء اور مظاہر خیال کے ذریعے تشکیل پاتے ہیں۔ جن کا آخر کار آغاز خدا سے ہوتا ہے، افلاطون کے فلسفے اور مذہب کے درمیان تعلق اس کی خیالی نیچر سے ظاہر ہوتا ہے۔ قدیم یونانی فلسفہ اپنے عروج پر ارسطو کے عہد (384-322 ق م) میں پہنچا۔ ارسطو نے اپنے پیش رو مفکروں اور فلسفیوں کے خیالات کو یکجا کیا اور ان کو مزید آگے بڑھایا۔ ارسطو کے افکار میں حقیقت، فطرت، علم اور معاشرہ جیسے موضوعات پر اظہار خیال ملتا ہے۔ ارسطو کا یقین تھا کہ تمام اشیاء ایک مادی جوہر سے وجود میں آئی ہیں جو بے شکل اور لامحدود ہے، حقیقت میں یہ پوشیدہ قوت ہے جو تمام موجود اشیاء کی بنیاد ہے، یہ مخفی قوت اس وقت حسیاتی اشیاء میں تبدیل ہو جاتی ہے، جب مادہ کوئی شکل اختیار کر لے، ارسطو نے مادی جوہر کو حرکت سے علیحدہ کیا ہے اس کے خیال میں حرکت شکل کے ذریعے باہر سے داخل ہوتی ہے مادے کی لامحدود حالت سے محدود حالت

میں تبدیلی اور بعد میں اس کی ایک حالت دوسری حالت میں تبدیلی کا حقیقی سبب خدا ہے جہاں سے حرکت کا آغاز ہوا، ان تمام افکار سے پتہ چلتا ہے کہ ارسطو کے فلسفہ میں جدلیاتی اور مادی رجحانات ملتے ہیں لیکن ان افکار میں مابعد الطبعیاتی اور خیال پرستانہ رجحان بھی شامل ہے ارسطو محض فلسفی ہی نہیں تھا بلکہ وہ ایک ہمہ گیر عالم تھا، اس نے اپنی صلاحیتیں کئی ایک میدانوں کے لیے وقف کیں مثلاً منطق فلکیات، قدرتی سائنس، زبان اور شاعری کے مسائل وغیرہ ارسطو نے فلسفیانہ نظام میں ڈیموقریطس کی مادیت اور افلاطون کی خیال پرستی کو یکجا کرنے کی کوشش کی، حقیقتاً یہی اس کے افکار کا کمزور ترین پہلو ہے کہ مادیت اور خیال پرستی یکجا نہیں ہو سکتے تاہم ارسطو نے مستقبل کے لیے گراں قدر فکری خدمات انجام دیں۔

جو فلسفہ کے ارتقاء کا باعث بنیں اس کی تعلیمات میں شکل اور مواد کی یکجہتی (مادیت) خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ دنیا آج بھی ان خیالات سے استفادہ کرتی ہے .... بہت سے یونانی خداؤں کی نفی کے نظریے سے ناخوش تھے ایک عالم جس نے یہ کہا کہ سورج ایک پتھر ہے اسے ایتھنز میں ملحد قرار دے دیا گیا اس کی تخلیقات جلا دی گئیں تاہم وہ پیری کلیز کی مدد سے بھاگ کر ائیکا پہنچنے میں کامیاب ہوا، ڈیموقریطس کی تحقیقات جس میں اس نے دیوتاؤں کے وجود کی نفی کی تھی اس نے غلام دار آقاؤں کو غیض وغضب میں مبتلا کر دیا۔ ان میں سے ایک نے مطالبہ کیا کہ ڈیموقریطس کی تحقیقات تباہ کر دی جائیں۔'' اس کے کچھ پیروکار پھانسی چڑھا دیئے گئے کچھ کو کوڑے مارے گئے جیل میں ڈال دیئے گئے اور ابھی تک وہ شہریت سے محروم ہیں۔''

تاریخ نویسی:

ہسٹری ایک یونانی لفظ ہے اور یہ پہلے پہل یونان میں ہی استعمال کیا گیا، ہیرووڈوٹس ایشیائے کوچک کے ساحلوں پر واقع ایک قصبے ہیلی کارنس کا رہنے والا تھا اور اس کا عہد پانچویں صدی ق م ہے اور اسے عام طور پر ''بابائے تاریخ'' کہا جاتا ہے۔ اس کی تاریخی کتب کی نو جلدیں ہیں جن کا زیادہ تر تعلق یونان اور ایران کی لڑائیوں سے ہے۔ اس کے علاوہ اس نے مصر، ایران کی تاریخ پر بھی تحریر کیا ہے۔ اپنے موضوع کا مواد اکٹھا کرنے کیلئے اس نے مصر، بابل، فونیقیا، بحر اسود کے ساحلوں اور جزیرہ نما بلقان کا سفر کیا، اس نے وہ کچھ بیان کیا جو اس نے دیکھا یا وہ جو اس نے مقامی آبادی سے معلوم کیا۔ ہیرووڈوٹس نے ان لوگوں کے متعلق جو جنگوں میں حصہ لیتے تھے کئی ایک حقائق درج کئے ہیں اس نے ان لوگوں کے قدیم ماضی کے متعلق بھی بیان کیا ہے۔ ہیرووڈوٹس کا تاریخی کارنامہ آج کے زمانے میں بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک اور عظیم مؤرخ ایتھنز کا تھیوسی ڈیڈس (460-395) ق م تھا جس نے پیلوپونیس جنگ کا شاندار خاکہ کھینچا ہے جس میں کہ اس نے بذاتِ خود حصہ لیا تھا۔ تاریخ کا یہ شاندار کارنامہ ہے جس میں

کہ اس نے بڑی غیر جانبداری سے حالات و واقعات بیان کیے ہیں۔ ایتھنز کا ایک اور مؤرخ زینوفون (430-355 ق م) یہ کئی ایک تاریخی کُتب کا مصنف تھا اس کی سب سے مشہور کتاب Anabasis ہے ارسطو نے بھی کئی ایک تاریخی تحریروں کی تدوین کی تھی ان میں صرف پالیٹکس ہمارے تک پہنچی ہے جس میں ایتھنز کی ریاست کے ارتقاء، ایتھنز کے آئین کے بنیادی اصول کی وضاحت کی گئی ہے یونان کے مؤرخوں کے کارنامے بعدازاں تاریخ کے بنیادی اصول قرار پائے۔

تھیٹر اور ادب:

یونانیوں نے فن کے سلسلے میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ تھیٹر، شاعری اور تعمیرات میں یونانی فن کاروں نے اپنے نقوش مرتب کیے ہیں یونانی زندگی میں تھیٹر کو ایک اہم سماجی حیثیت حاصل تھی حقیقی طور پر یہ مذہب سے منسلک تھا اور بعد میں یہ یونان کی سیاسی زندگی کا اہم پہلو بن گیا۔ یونانی تھیٹر میں دو طرح کی صورتیں وجود میں آئیں یعنی المیہ اور مزاحیہ کھیل، اور انہوں نے نشو ونما حاصل کی، یہ رقص اور دیگر سماجی نفسیات کا مظہر تھے۔ دائینوسس شراب کا دیوتا ہے اور دائینوسس کے میلے یا تہوار کے موقع پر یونانی اس کے اعزاز میں بڑے جلوس نکالتے، وہ بکرے کی کھال پہن کر خود کو دیوتا سٹائرز (آدھا انسان آدھی بکری) ایسے گیت گاتے جن کا تعلق دائینوسس کی داستان سے ہوتا ہے۔ اس رواج سے المیہ یا ٹریجڈی کا رواج پڑا، ٹریجڈی کا حقیقی مطلب ''بکری کا گیت'' ہے۔ کھیل عوامی چوکوں میں پیش کئے جاتے بعد میں ان کیلئے عمارات تعمیر کردی گئیں جو کھلے آسمان کے نیچے ایک سٹیڈیم شکل جس کے درمیان میں سٹیج ہوتا، ایتھنز کا سب سے بڑا تھیٹر اکروپلیس کی ڈھلوان پر تعمیر کیا گیا تھا جس میں تیس ہزار افراد کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ تھیٹر ایک یونانی لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''دیکھنے کی جگہ'' تمام یونانی شہروں اور کالونیوں میں تھیٹر تعمیر کئے گئے۔ چھٹیوں کے دنوں میں تھیٹر میں زیادہ تر کھیل پیش کئے جاتے اور تسلسل کے ساتھ صبح سے شام تک جاری رہتے ہر روز کئی ڈرامے پیش کئے جاتے، کھیل میں صرف مرد کام کرتے تھے مرد بعض عورتوں کے کردار بھی خود ادا کر لیتے، عورتوں اور مردوں کے روپ دھارنے کیلئے مختلف قسم کے ماسک تیار کیے جاتے جن سے غصہ، خوشی، پریشانی اور افسردگی کا اظہار ہوتا کھیل کے دروان فنکار ماسک تبدیل کرتا، اداکار کوقد آور دکھانے کیلئے اس کے پاؤں کے نیچے سٹول رکھے جاتے۔ ان ڈراموں میں طائفے نے اہم المیہ کھیل پیش کئے جاتے۔ ٹریجڈی لفظ کا مطلب ہے ''بکری کا گیت'' لفظ اس دور کا ہے جب کردار، بکری کی کھال پہن کر ادا کئے جاتے المیہ کردار زیادہ تر دیوتا یا پھر داستانوں کے ہیرو ہوتے۔ المیہ میں اہم شخصیات کے درمیان جدوجہد، ان کی شاندار فتوحات، ان کے نقصانات اور اموات کے متعلق واقعات پیش کئے جاتے، پہلا نامور المیہ نگار ایشلس تھا۔ اس کی ایک المیہ تحریر ہے

''پرومیتھویس زنجیروں میں'' المیہ میں۔ پرومیتھویس طائفہ بتاتا ہے کہ زیوس لی مرضی کے خلاف وہ لوگوں کے لیے آگ ترسل کے ڈبے میں لایا، انہیں سکھایا کہ مکان تعمیر کریں، جانوروں کو سُدھارئیں، پڑھنا اور گننا سیکھیں اور کشتیاں تعمیر کریں۔ زیوس قب میں آ گیا اور اس نے حکم دیا کہ پرومتھیوس کو ایک چٹان کے ساتھ باندھ دیا جائے، پرومیتھوس جانتا ہے کہ کون زیوس کو اس کی طاقت سے محروم کرے گا۔ زیوس کے کہنے پر ہرمز پرومیتھوس کو اذیت پہنچانے کی دھمکی دیتا ہے۔ اگر اس نے راز اُگلے تو اسے اذیت دی جائے گی۔ ...... میں زیوس کی مذمت کی گئی۔ پرومیتھوس سے ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے لیکن پرومیتھوس کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ جدوجہد ترک کرے۔ پرومیتھوس زیوس کے نوکر کو دلیرانہ جواب دیتا ہے ''اس کا کوئی حربہ اور اذیت مجھے نہیں روک سکتی، میرے لبوں کا کھلنا اور زنجیروں کا ڈھیلا ہونا...... بس اسے اپنی جلتی ہوئی بجلیاں گرانے دو...... اس کی سفید برف، طوفانی ہلچل، زلزلے وہ مجھے کہنے پر مجبور نہیں کر سکتے...... کیا وقت ہے جو اس کے ہاتھ اعضا شاہی چھین لے گی'' یہ کھیل اس منظر کے ساتھ ختم ہوتا ہے کہ کڑکتی بجلیوں اور طوفان میں زنجیروں سے بندھا سے پرومیتھوس زیرِ زمین گر جاتا ہے۔ دوسرے یونانی مصنفوں میں سوفوکلز کا ڈرامہ ''Antigone'' سب سے زیادہ مشہور ہوا، یہ پہلے ایتھنز کے تھیٹر میں پیش کیا گیا اس کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ایک کشتی کے دوران دو بھائیوں نے ایک دوسرے کو ہلاک کر دیا، ان میں سے ایک دشمن کو اپنے آبائی وطن لایا تھا۔ بادشاہ نے اس کی لاش کو دفن ہونے سے روک دیا اور حکم دیا کہ اسے کھلے میدان میں پھینک دیا جائے تاکہ اسے جنگلی جانور کھائیں ایک محافظ مرنے والے شخص کی بہن اینٹی گون کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے آیا اسے اس نے اس وقت پکڑا تھا جب وہ اپنے بھائی کی لاش مذہبی رسومات کے مطابق دفن کر رہی تھی۔ بادشاہ نے غصے میں حکم دیا کہ لڑکی کو مقبرے میں زندہ دفن کر دیا جائے بادشاہ کا بیٹا جو اینٹی گون کا عاشق تھا اس نے بڑی کوشش کی کہ بادشاہ کو سمجھا سکے کہ فیصلہ غیر منصفانہ ہے لیکن بادشاہ اپنے فیصلے پر قائم رہا ایک عقل مند نابینے شخص نے پیش گوئی کی کہ بادشاہ کو مذہبی رسومات کی خلاف ورزی اور ظلم کی ضرور سزا ملے گی ''جلد بہت جلد، عورتوں اور مردوں کے رونے کی آواز تمہارے گھر سے سنائی دے گی، اور سارا شہر تمہارے پر غضب ناک ہوگا۔'' خوف میں مبتلا ہو کر بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ اینٹی گون کو رہا کر دیا جائے لیکن اسی وقت ایک پیغام رساں دوڑتا ہوا آتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اینٹی گون مر گئی ہے اور اس کے عاشق نے تلوار سے خود کو ہلاک کر لیا ہے۔ ایک اور پیغام رساں یہ اطلاع دیتا ہے کہ بیٹے کی موت کا سُن کر اس کی بیوی نے خودکشی کر لی ہے...... طنز و مزاح، خوشی کے کھیل اُنکا آغاز چھٹیوں کے ایام اور مزاحیہ مناظر سے ہوتا، کامیڈی کا مطلب ہے ''شاداں و فرحاں لوگوں کے گیت'' مزاحیہ کھیل تماشائیوں کیلئے ہی لطف کا باعث نہ بنتے بلکہ ان میں ان سوالوں کو بھی اٹھایا جاتا جو ان دنوں شہر کو درپیش ہوتے، مثلاً کیا ''جنگ جاری رکھی جائے یا معاہدہ امن کیا جائے'' عوامی اسمبلی میں جو جدوجہد

شروع ہوتی وہ تھیٹر میں جاری رہتی، مزاحیہ لکھاری اپنے دشمنوں کو مزاحیہ انداز میں پیش کرتے، تماشائی بڑی آسانی سے جان لیتے تھے کہ کھیل میں اہم شخصیت کون ہے اور کس کے متعلق کھیل پیش کیا جا رہا ہے۔ ایتھنز کے مصنف ارسطوفینز کے کھیل بذلہ سنجی اور...... ہجو یہ انداز سے بہت مشہور تھے مزاحیہ کھیلوں میں اہم شخصیت کے طور پر بعض اوقات دیوتا ہوتے۔ مصنف لوگوں کا ان کی غلطیوں کے سلسلے میں مزاق اڑاتا اور دیوتا کو لالچی اور جھوٹا قرار دیتا۔ ارسطو...... کی ایک کہانی...... ایتھنز کے ایک باشعور، باشندے کی تجویز پر، پرندوں نے زمین اور آسمان کے درمیان ایک شہر بسایا۔ اس سے پہلے دیوتا اس دھوئیں پر زندہ تھا جو قربانی کے جانوروں کے جلنے سے اُٹھتا تھا، اب یہ دھواں پرندوں کی وجہ سے رک گیا زیوس سے خفیہ طور پر دتھیوس پرندوں کے پاس ایک لڑکی کے روپ میں پہنچا اور اس نے پرندوں سے کہا کہ دھواں نہ ملنے سے دیوتا بھوکا مر جائے گا۔ زیوس کے وفد پوزڈین اور ہیراکلیز کے پاس آئے، ایتھنی نے مطالبہ کیا کہ زیوس اسے اپنی بیٹی عقد میں دے دے اور ساری دنیا کی قوت پرندوں کے حوالے کر دے، اس نے ایک پُر آسائش شادی کی دعوت کرنے کا وعدہ کیا، ہیراکلیز کو ایک مزاحیہ کردار کے طور پر پیش کیا گیا جو پیٹو ہے اور وہ جو کچھ بھی ملے کھا جاتا ہے جبکہ پوزیڈین ایک سادہ ذہن آدمی ہے، ایتھنز کے لوگ زیوس کی بیٹی سے شادی کا وعدہ برقرار رکھتے ہیں۔ ___ یونانی تھیٹر کے بہت شوقین تھے جب کھیل پیش کیا جا رہا ہوتا تو وہ صبح ہی سے کھانے کا سامان لیکر کھیل دیکھنے کے لیے آجاتے دوسرے شہروں کے لوگ بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے ایتھنز آتے کھیل کے بعد تماشائیوں میں سے منتخب شدہ ایک کمیشن بہترین کھیل لکھنے والے کو انعام دیتا۔ بہترین اداکاروں کو بھی انعام دیا جاتا، انہیں پھولوں کے گچھے اور قیمتی انعامات دیئے جاتے ہزاروں تماشائیوں سے دادِ تحسین وصول کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ڈرامہ نگاروں کی یونان میں بے مثال عزت کی جاتی تھی تھیٹر کو ''جوانوں کا سکول'' قرار دیا جاتا، ایتھنز میں غریب شہریوں کو تھیٹر دیکھنے کے لیے امداد دی جاتی......

دو ہزار ق م میں جو تحریریں یونانی بھول چکے تھے ان کی طرف لوٹنا ان کے لیے مشکل تھا بلکہ ان کی طرف وہ نہیں لوٹے، ہومر کے عہد کے خاتمے پر انہوں نے فونیشیائی تحریر اپنائی، یونانیوں نے حرف علت کا اضافہ کیا تا کہ زبان میں یکسانیت اور وضاحت پیدا کی جا سکے۔ انہوں نے جو حروف ابجد تشکیل دیئے ان کی تعداد 24 تھی اور یہ تحریر کی ترقی میں اہم کارنامہ تھا۔ یونانی قدیم کاغذ، مٹی کی تختیوں جو موم سے لپٹی ہوئی ہوتیں ان پر لکھتے، وہ موم پر ایک تیز لوہے سے تحریر کرتے۔ یونانی لکھتے وقت زبان اور صحت کا خصوصی خیال کرتے وہ کہتے ''اپنے سٹائل کی طرف ہمیشہ توجہ دو'' مطلب تھا ''جو آپ نے لکھا ہے اس کو درست رکھو'' قدیم یونانی کتابوں کے شوقین تھے جو لکھتے اس سے بڑی احتیاط سے محفوظ رکھتے۔

مکتب:

آزاد یونانیوں کے بچے سات سال کی عمر میں سکول جانا شروع کر دیتے۔ دستکاروں اور کسانوں کے بچے ابتدائی پرائمری سکول میں پڑھائے جاتے کیونکہ انہیں ابتدائی عمر ہی سے اپنے والدین کا کام کاج میں ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔ امیر لوگوں کے بچے 18 سال کی عمر تک تعلیم جاری رکھتے۔ بچے ہومر کے اشعار پڑھتے اور دیگر شاعروں کے کلام بھی دل و جان سے پڑھتے، ہومر کی طویل نظمیں یاد کرتے نوجوان رقص موسیقی، ڈرائنگ، گیت اور ڈرامہ سیکھتے، یونانی اس شخص کو تعلیم یافتہ نہیں سمجھتے تھے جو گانا اور رقص نہیں جانتا تھا، بہترین سکول ایتھنز میں تھے۔ یونانی نوجوانوں میں جرات، پھرتیلا پن، اور قوت پیدا کرنے کی طرف خصوصی توجہ دیتے۔ سکول کھولنے کا ایک اور مقصد ریاستی دفاع کے لیے جنگجو تیار کرنا تھا۔ طالب علم جتنا بڑا ہو جاتا، ومتانت، علم اور جسمانی قوت میں بھی وہ نشوونما حاصل کرتا جو لڑکے گستاخ ہوتے انہیں چھڑی سے پیٹ دیا جاتا۔ ایک دولت مند گھرانے کا بچہ بوڑھے غلام کے ذریعے سکول آتا۔ بوڑھا غلام یقین دلاتا کہ بچے نے کہیں بھی گستاخی نہیں کی اور بڑوں کو راستہ دیا ہے۔ غلاموں کے بچوں کے لیے تعلیم کے دروازے بند تھے۔ یونان میں لڑکیوں کے لیے کوئی سکول نہیں تھا۔

اولمپیا:

چھٹی کے دن یونانی کھیل کود کے مقابلے منعقد کرتے، سب سے مشہور کھیل چار سال بعد اولمپیا میں منعقد ہوتے، یہ گاؤں پیلو پوتیسا میں واقع تھا، یہ جگہ یونانیوں کے لیے بڑی مقدس تھی، وسط میں ایک پُرکشش اولمپین زیوس کی خانقاہ تھی، خانقاہ سے شہر کا نام پڑا۔ خانقاہ میں زیوس کا شاندار مجسمہ پڑا تھا جسے مشہور ماہر فیڈیاس نے تعمیر کیا تھا زیوس کی خانقاہ کے گرد، ہزاروں مجسمے جو دیوتاؤں کھیل میں جیتنے والوں، ہیرؤں کے تھے، رکھے ہوئے تھے۔ خانقاہ کے پیچھے ورزش کرنے کے لیے ایک عمارت تھی، سارے یونان سے ہزاروں افراد کھیل دیکھنے کے لیے یہاں اکٹھے ہوتے اور یہاں بیل گاڑیوں، گھوڑا گاڑیوں، بحری جہازوں کے ذریعے اور پیدل آتے۔ یہاں تک کہ دور دراز کالونیوں میں آباد یونانی بھی کسی طرح یہاں پہنچنے کی کوشش کرتے اولمپیا کے گرد خیموں کا ایک شہر وجود میں آ جاتا۔ عورتوں کا اس گاؤں میں داخلہ ممنوع تھا۔ اس قانون کے توڑنے والوں کو سزائے موت دی جاتی۔

اولمپک کھیل:

بہترین کھلاڑی، دوڑ، چھلانگیں، کشتیوں اور کلائی پکڑنے، ڈسک تھرو کے مقابلے منعقد

ہوتے۔ اور اس میں نوجوان حصہ لیتے، سب سے زیادہ خطرناک مقابلہ چار گھوڑوں والی گاڑیوں کے درمیان ہوتا۔ میدان کے اردگرد ہزاروں تماشائیوں کی موجودگی اور ان کے شور میں گاڑیوں کو بارہ چکر لگانے پڑے۔ گاڑی بان گاڑی پر کھڑا ہو جاتا اور گھوڑوں کو دوڑاتا اس کے لیے چابکدستی اور مہارت کی ضرورت تھی۔ تیزی سے دوڑتی ہوئی گاڑیاں موڑ پر بنی ہوئی پوسٹ یا دیگر گاڑیوں سے ٹکرا جاتی۔ ایک دوڑ میں دس گاڑیوں میں سے آٹھ تباہ ہو جاتیں، تمام آزاد یونانی ان مقابلوں میں حصہ لے سکتے تھے۔ لیکن اس کے لیے کئی سال درکار تھے تاکہ تیاری کی جا سکے۔ کسان اور دستکار کھیلوں کے لیے وقت صرف نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے امراء اور غلام دار ہی ان کھیلوں میں شرکت کرتے۔ انعام جیتنے والوں کو زیتون کے پھولوں کا گچھا انعام میں دیا جاتا۔ ان مقابلوں میں کامیابی حاصل کر کے جب بھی کھلاڑی واپس اپنے علاقے میں آتا تو اس کا شاندار استقبال کیا جاتا کیونکہ اعزاز اس کے علاقے کے لیے باعثِ فخر ہوتا۔ جیتنے والے کے اعزاز میں مجسمے کھڑے کیے جاتے جس مہینے میں اولمپک کھیل ہوتے اسے مقدس خیال کیا جاتا اور اس دوران جنگیں بند ہو جاتیں۔ یونان سال بہ سال اس وقت سے گنتے جب پہلی بار اولمپک کھیل ہوئے تھے۔

فنِ تعمیرات سنگتراشی اور مصوری:

یونانی عوامی مقامات کی خوبصورتی کے معاملے میں بڑے حساس تھے۔ آگورہ، جمنیزیم اور تھیٹر وہ تمام عام طور پر غلام گردشوں کے سائے میں اکٹھے ہو جاتے آرام کرتے اور گپ شپ لگاتے پہلے پہل محض چھتیں تھیں جو لکڑی کے ستونوں سے کھڑی تھیں، تب انہوں نے یہ ستون پتھر کے بنانے شروع کر دیئے عام طور پر اس میں سنگِ مرمر استعمال کرتے، غلام گردشیں لوگوں کو سخت دھوپ سے محفوظ رکھتیں لیکن سرد ہواؤں کو نہیں روک سکتیں تھیں، قدیم یونانی فن تعمیرات کے بنیادی اصولوں کا پتہ خانقاہوں کی تعمیر سے چلتا ہے شہری ریاستوں میں خانقاہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی یہاں خزانے رکھے جاتے اور تقریبات کا اہتمام ان کے قریب ہی ہوتا خانقاہ کی بنیاد اونچی رکھی جاتی تاکہ یہ دیگر عمارات سے ممتاز نظر آئیں، خانقاہ عام طور پر مستطیل شکل میں ہوتی، چھت تکونی اور ڈھلوان، خانقاہ کے چاروں اطراف غلام گردشیں، اگر یونانی چاہتے کہ خانقاہ زیادہ بارُعب اور سحر انگیز نظر آئے تو وہ ایک اور ستون بنا دیتے جو غلام گردش کیلئے ستون کا کام کرتا اور ایسے لگتا جیسے یہ فرش پر اُگا ہوا ہے۔ ان ستونوں کو ڈورک کہتے ہیں خانقاہ کے اندر اور باہر بے شمار مجسمے اور نقش و نگار بنائے جاتے، شہر کے چوک میں نامور لوگوں کے مجسمے رکھے جاتے، عوامی جگہوں پر بھی مجسمے نصب تھے پلوٹارچ نے ازراہِ مذاق کہا تھا کہ شہر میں اتنے آدمی نہیں جتنے مجسمے ہیں۔ سرخ سنگ مرمر، لکڑی اور کانسی کے مجسمے بنائے جاتے، سنگ مرمر کے مجسموں پر انسانی جسم

سے ملتا جلتا رنگ کیا جاتا تھا جبکہ کانسی کے مجسموں کی آنکھیں رنگدار پتھروں سے بنائی گئی تھیں، لکڑی کے مجسموں کو ہاتھی دانت سے مُرصع کیا گیا۔ ایسا لگتا جیسے کوئی زندہ انسان کھڑا ہو، یونانی اپنے خداؤں کی مورت بناتے اور انہیں خوبصورت انداز میں پیش کرتے، خوبصورت جسموں والے انسانوں کے مجسمے اور شاندار خدوخال والی عورتوں کے مجسمے بناتے، وہ ان لوگوں کی تصوراتی شبیہیں پیش نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس طرح کرتے کہ ان کو اس طرح ہونا چاہئے۔ انسانی جسم کی خوبصورتی کو مزید نکھارنے اور واضح کرنے کیلئے اسے ننگا یا نیم عریاں صورت میں پیش کرتے، پانچویں صدی ق م میں سنگتراشوں نے یہ جان لیا تھا کہ متحرک جسم کا مجسمہ کس طرح بنایا جاتا ہے وہ دوڑتے اور لڑتے ہوئے لوگوں کے مجسمے بناتے، ڈسک پھینکتے ہوئے یا نیزہ پھینکتے ہوئے آدمی کا مجسمہ، سنگتراشوں کے پیشِ نظر صرف انسانی جسم کی خوبصورتی دکھانا ہی نہیں تھا بلکہ انسانی جرات، تیزی اور مضبوطی کو بھی پیش کیا جاتا، ہومر کے جنگجو ہیرو اپنے ہموطنوں کو وطن کا دفاع کرنے کیلئے لوگوں کو اُکساتے ہیں، سنگ تراش شہریوں اور حکمرانوں کو زیوس اور پوزیڈین کے خدوخال میں پیش کرتے ہیں سنگِ مرمر اور کانسی کے مجسمے مہنگے تھے۔ یونانیوں نے مصوری میں بھی اعلیٰ مقام حاصل کیا وہ لوگ مرتبانوں (Vases) پر مختلف رنگوں سے مصوری کا کام کرتے، کئی ایک مرتبان تو حقیقی آرٹ کا نمونہ تھے۔ مصور اس عہد کے معمولات زندگی کی تصویر کشی ان پر کرتے، داستانوں اور ہومر کی نظموں کا منظر مرتبانوں پر کھینچتے۔ چھٹی صدی ق م میں مصور سرخ مٹی پر سیاہ لاکھ سے تصاویر بناتے ان مرتبانوں کو سیاہ خدوخال والے مرتبان کہا جاتا ہے۔ پانچویں صدی ق م میں پس منظر میں سیاہ رنگ جبکہ قدرتی سرخ رنگ کو خدوخال کیلئے چھوڑ دیا گیا ان مرتبانوں کو سرخ خدوخال والے مرتبان کہا جاتا ہے۔ (Hellenic) ہیلنک آرٹ پانچویں صدی ق م میں اپنے نقطہ عروج پہنچا فنِ تعمیرات، سنگ تراشی اور مصوری یونان کے علاوہ کالونیوں میں بھی پروان چڑھنے لگی، آرٹ کی نشوونما کا مرکز ایتھنز تھا۔ اٹیکا کے مرتبان پورے یونان میں بہترین تھے امتیازی حیثیت رکھنے والے ماہرینِ تعمیرات اور سنگ تراش ایتھنز میں رہائش پذیر تھے۔ اکیروپولیس (بالائی شہر) عمارات اور مجسموں کے لحاظ سے یونانی آرٹ کی چوٹی قرار پایا۔ چوتھی، پانچویں صدی ق م میں یونانی ثقافت اپنے نقطہ عروج پر تھی اس کی تخلیق یونان کے عوام نے کی تھی، غلام دارانہ معاشرے اور جمہوریت میں یونان کے زیادہ سے زیادہ لوگوں نے تخلیقی سرگرمیوں میں حصہ لیا، یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک تسلسل کا نتیجہ تھا ایتھنز میں جمہوریت یونان کی دیگر شہری ریاستوں سے بہت پہلے قائم ہوگئی تھی لیکن ثقافت غلاموں پر کئے جانے والے ظالمانہ استحصال کی صورت میں تخلیق ہوئی جنہوں نے سخت محنت کی غلاموں کیلئے یونان ایک قید خانہ تھا جہاں مایوسی، جسمانی سزا اور تضحیک انسانی مقدر تھی۔ یونان کی ثقافت نے بعدازاں پوری دنیا کی ثقافت کو متاثر کیا اولمپک مقابلوں کے شروع ہونے سے پہلے ایک بڑی شمع روشن کی جاتی، یہ دراصل کھیلوں کے شروع

ہونے کا ایک اعلان تھا۔ آج بھی جب اولمپک کھیل منعقد کئے جاتے ہیں تو سابقہ روایت اور رواج کو اپناتے ہوئے اولمپک شمع روشن کی جاتی ہے۔

یونان میں غلامی:

5ویں صدی میں یونان میں غلاموں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا، اس کی ایک بنیادی وجہ جنگ تھی۔ یونانی صرف جنگجوؤں کو ہی غلام نہیں بناتے تھے بلکہ غیر ملکی علاقوں سے عام آدمیوں کو بھی پکڑ لاتے، عورتوں بچوں اور دیگر لوگوں کو بھی غلام بنا لیتے، ایشیائے کوچک کی طرف ایک حملے میں 20 ہزار افراد کو غلام بنا کر ملکی منڈی میں فروخت کر دیا گیا۔ بحری قزاق گہرے سمندروں میں لوٹ مار کرتے اور تاجروں کے جہازوں کو اپنا نشانہ بناتے اور ساحلی علاقوں پر حملے کرتے جن لوگوں کو پکڑتے انہیں بھی بطور غلام فروخت کر دیتے۔ بحیرہ روم اور بحر اسود کے ملکوں سے جو غلام لائے جاتے ان سے یونان کی بنی ہوئی اشیا سے تبادلہ کیا جاتا۔ ایک غلام عورت کا بچہ پیدائشی غلام ہوتا اور اس کی ملکیت اس کی ماں کے ملک کی ہوتی لیکن ایسے بچے یونان میں بہت کم تھے کیونکہ جس قسم کے حالات میں عورت کو رکھا جاتا تھا اس میں ان کا بچ جانا ہی مشکل تھا۔ ابھی تک کئی شہری ریاستوں میں قرض کی بنیاد پر غلام بنا لیے جاتے تھے...... یونان کے تمام شہروں میں غلاموں کی منڈیاں تھیں، بچے عورتیں، معصوم یہاں سب فروخت کے لیے لائے جاتے، ایک تعارفی تختی غلام کی چھاتی پر لگی ہوتی جس پر لکھا ہوتا اس کی عمر کتنی ہے، وہ کیا کام کر سکتا ہے خریدار ''زندہ جنس'' کا معائنہ کرتا، غلام کے جسم کو دیکھا جاتا کہ اس میں کتنی طاقت ہے۔ اس سے وزن اُٹھوا کر چھلانگیں لگوا کر اور دوڑا کر، اس کا امتحان لیا جاتا__ غلام زیادہ ان علاقوں میں تھے جہاں پتھروں کو کاٹا جاتا تھا۔ دھات ملی مٹی کی چٹانیں ہوتیں اور جہاں دستکاری ترقی یافتہ ہوتی، یونانی غلاموں کے ذمے بھاری کام لگاتے، صرف غلام ہی کان کنی کا کام اور سنگِ مرمر کاٹنے کا کام کرتے تھے۔ بحری جہازوں پر غلام چپو چلاتے ۵ صدی ق م دولت مند یونانیوں نے بڑی دستکاری کی دکانیں کھول لیں، ان میں کچھ میں ایک سو سے بھی زیادہ غلام کام کرتے، غلاموں کو سادہ اور انتہائی محنت طلب کام دیا جاتا۔ برتن سازوں کی دکانوں میں غلام پانی اور ایندھن لاتے، مٹی گوندتے اور اسے برتن ساز کے چکے میں رکھتے۔ عام طور پر آزاد لوگ برتن سازی کرتے اور رات یہ تصویریں بناتے۔ دستکاری کی نسبت زراعت میں کم غلام تھے کسان بذاتِ خود کام کیا کرتے تھے نہ صرف بڑے جاگیردار بلکہ زمیندار بھی غلام رکھا کرتے تھے۔ غلام جو اور مکئی پیتے، زیتون اور انگوروں کو پاؤں یا کولہو سے مسلتے اور تیل اور سرکے کو منڈیوں میں لے کر جاتے۔ یونانی غلاموں کو گھریلو نوکروں کے طور پر عام استعمال کرتے تھے۔ دولت مند لوگ تین اور چار غلام رکھتے جبکہ امیر ترین افراد کے گھروں میں پچاس سے زیادہ غلام ہوتے__ غلاموں کو سخت قسم کی جسمانی سزا اس

وقت دی جاتی جب کام کے سلسلے میں ان سے کوتاہی یا غلطی سرزد ہو جاتی اور انہیں سزا کے مسلسل خوف میں مبتلا رکھا جاتا انہیں اپنی محنت سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی کہ اس کے کیا نتائج ہوں گے، ہر وہ چیز جو غلام پیدا کرتے وہ مالک کی ملکیت ہوتی، ایک نظم میں کہا ہے ''غلام ست ہے__ جب تک مالک اس پر سختی کر کے اس سے کام نہیں کروائے گا__ کیونکہ غلام اپنے لئے کام نہیں کرتا'' غلام کی نگرانی ایک نگران کے ذمے ہوتی جب غلام کام میں سُستی کرنے لگتا نگران اس پر تشدد کرتا، غلاموں کی کمر اور کندھوں پر کوڑوں کے نشان عام طور پر ہوتے تھے، آقا غلاموں پر کس قدر تشدد کرتے، اس کے لئے ایک ہم عصر شہادت ''غلام کو کوڑے مارو! اس کا گلا گھونٹ دو! اس کی ٹانگیں اور بازو مروڑ دو__ تم اس کے نتھنوں میں سرکا ڈال سکتے ہو۔ اس کے پیٹ پر اینٹ مارو۔ تم اس کے خلاف سب کچھ کر سکتے ہو۔''

غلاموں کی جہد و جہد:

غلاموں نے ہر وہ کام کیا جس سے وہ غلام داروں کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ انہوں نے اوزار توڑ دیئے مویشیوں کو زخمی کیا اور جتنا ممکن ہو سکا خراب کام کرنے کی کوشش کی اکثر و بیشتر غلام اپنے آقاؤں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرتے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اگر وہ پکڑے گئے تو انہیں سخت ترین سزا دی جائے گی۔ انہوں نے کبھی تو زیادہ ظالم غلام داروں کو قتل بھی کر دیا، یکے بعد دیگرے غلاموں کی بغاوتیں ہوئیں۔ یہ طبقاتی جدوجہد تھی جو غلام داروں اور غلاموں کے درمیان ہوئی، پانچویں صدی ق م کے وسط میں ایک زبردست زلزلے نے سپارٹا کو تباہ کر دیا۔ تمام علاقوں سے غلام اکٹھے ہو کر آ گئے، اس امید کے ساتھ کہ وہ غلام داروں کو آسانی سے قابو کر لیں گے اور انہیں شکست دیں گے سپارٹا والوں نے حملہ تو روک دیا لیکن وہ بغاوت کو اپنی افواج سے کچل نہ سکے۔ انہوں نے دیگر غلام دار شہری ریاستوں سے مدد کی درخواست کی۔ خوف زدہ اور ڈرے ہوئے سپارٹا کے سفیروں نے مدد کی بھیگ مانگی کچھ شہری ریاستوں نے سپارٹا والوں کی امداد کی تاہم کچھ غلام اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوئے اور سپارٹا چھوڑ گئے۔

○

باب 6:

سلطنتِ مقدونیہ کا ظہور اور سکندر اعظم

چوتھی صدی ق م کے وسط میں مقدونیہ، بلقان کے علاقے میں ایک نئی ریاست کے طور پر ممتاز حیثیت حاصل کرنے لگی۔ معاشی اور سیاسی لحاظ سے مقدونیہ یونان کی دوسری ریاستوں سے مختلف تھی اسے کوئی بھی سمندری راستہ نہیں تھا اسی لئے تو یہ سمندر پار تجارت اور نئی کالونیاں قائم کرنے سے محروم رہی اسی لئے تو مقدونیہ یونان کی دوسری ریاستوں سے کم ترقی یافتہ تھی یہ ایک زرعی ملک تھا اور یہاں کے لوگوں کی اکثریت کسان تھی، پیلو پونیشین جنگ کے بعد مقدونیہ نے بڑی تیزی سے یونانی تہذیب اپنائی۔ اگر چہ مقدونیہ نے صنعت، تجارت اور دیگر کاروبار میں زیادہ ترقی حاصل نہیں کی تھی البتہ فوجی مہارت اور ایک طاقتور فوج کا قیام اسے یونانی تجربات سے ہوا، فلپ دوم (359-336) ق م عظیم مقدونیائی فوج کا بانی تھا اور اس کی وجہ سے ہی مقدونیہ کا تعارف دنیا سے ہوا۔ ایک طاقتور پیدل فوج جس کے جوان پندرہ اور بیس کی قطار میں کھڑے ہوتے یہ جنگجو جن نیزوں سے مسلح تھے ان کی لمبائی پندرہ فٹ تک تھی اور یہ اگلی قطاروں میں کھڑے ہوئے فوجیوں کے کندھوں پر رکھے جاتے اور پچھلی قطاریں انہیں اٹھائے رکھتیں یہ طاقتور پیدل فوج اپنے چاروں اطراف سے مضبوط ڈھال سے محفوظ ہوتی چنانچہ یہ فوج کا ایک مضبوط اور بااعتماد دستہ تھا۔ اس کے علاوہ مقدونیائی فوج کی سب سے اہم اور قابلِ فخر قوت اس کا گھڑ سوار دستہ تھا جوان شرفاء اور معززین پر مشتمل تھا جنہیں بادشاہ کے ساتھی کہا جاتا تھا۔ مقدونیائی فوج کی سب سے اہم خصوصیت اس کے مختلف قسم کے جدید ہتھیاروں سے مسلح ہونا تھا۔ چوتھی صدی ق م کے وسط میں مقدونیہ شمالی بلقان میں ایک بڑی قوت بننے میں کامیاب ہوگیا، ایپی رس کے کچھ حصوں اور تھریس کو مقدونیہ نے فتح کرلیا۔ اس وقت سے مقدونیہ یونانی ریاستوں کے معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کر رہا تھا۔

مقدونیہ اور یونان:

یونان کے معاملات میں فلپ دوم کی مداخلت کی بنیادی وجہ وہ جنگ تھی جو 355ق م میں تھیبز اور ایک چھوٹی ریاست فوسیز کے درمیان ہوئی جس میں ایتھنز بھی ملوث ہو گیا تھا۔ فلپ دوم نے فوسینیز کو تباہ کر ڈالا اور شمالی یونان کا آقا بن گیا وہ تھسلیے کو فتح کرنے میں بھی کامیاب ہوا، چنانچہ اب مقدونیہ ایک بحری قوت بننے کے قابل ہو گیا جو یونان اور بحر اسود کے درمیان کے سمندروں پر کنٹرول کر سکتی تھی۔ یونان کی صرف ایک ریاست فلپ کی مزاحمت کرنے کے قابل تھی اور وہ ایتھنز تھی حالانکہ ایتھنز میں دو متحارب گروپ تھے ایک مقدونیہ کا حامی جس کا استدلال تھا کہ مقدونیہ سے اتحاد ہی اندرونی طور پر موجود تضادات اور اندیشوں کو ختم کر سکتا ہے اور فلپ کی قیادت میں ممکن ہے کہ یونان اس قابل ہو سکے کہ وہ ایران سے ''مقدس جنگ'' لڑ سکے۔ علاوہ اس کے کہ اس جنگ سے ایران والوں سے ''مقدس مقامات کی'' بے حرمتی کا بدلہ لیا جا سکے بلکہ بے تحاشا مال و متاع ملنے کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ مقدونیہ کے مخالف دھڑے کا راہنما ڈیموتھینیس تھا جو ایک اعلیٰ پایہ کا مقرر تھا اس نے یہ نقطہ نظر پیش کیا کہ فلپ کے ساتھ اتحاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنی آزادی جمہوریت اور خود مختاری کھو رہے ہیں ڈیموتھینیس اس قابل تھا کہ وہ مقدونیہ مخالف مخلوط طاقت جمع کر سکے، جس میں ایتھنز کے ساتھ تھیبز، کورینتھ اور دیگر کئی ریاستیں اکٹھی ہو گئیں۔ اگست 338ق م میں کایرَونیا کی جنگ جو بوئٹیا کے مقام پر لڑی گئی فیصلہ ہو گیا۔ مقدونیہ کے فوجی دستوں نے اپنی بھرپور قوت کا مظاہرہ کیا اور یونانی شکست کھا گئے، مقدونیائی فوج کا بایاں حصہ فلپ کے بیٹے سکندر کی کمان میں تھا جو اس وقت صرف اٹھارہ سال کا تھا اس فتح کے بعد کورینتھ میں فلپ نے کانگرس طلب کی جس میں اہم فیصلے کیے گئے یعنی ریاستوں کا ایک اتحاد قائم کیا گیا (pan-Hellenic) اور باہمی جنگوں کو ممنوع قرار دیا گیا، یونانی ریاستوں کے وفاق نے فیصلہ کیا کہ دفاع اور جارحیت کے سلسلے میں مقدونیہ کے بادشاہ سے اتحاد کیا جائے اور یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ ایران سے جنگ کی جائے، فلپ دوم نے اس نئی جنگ کے لیے بڑی محتاط تیاری شروع کر دی۔ 336ق م میں اس کے دستوں نے ہیلس پونٹ عبور کر لیا اور ایشیائے کوچک میں اپنے قدم جما لیے۔ ایران کے ساتھ جنگ شروع ہو چکی تھی اس موقع پر فلپ کا قتل ہو گیا۔

سکندر کی مشرقی مہم:

سکندر اس وقت بیس سال کا تھا جب وہ تخت نشین ہوا، اپنی زندگی کے ابتدائی ایام ہی سے وہ اپنے والد کے ساتھ مختلف جنگوں میں شرکت کرتا رہا تھا اور ایک مشہور فوجی کمانڈر کی شہرت حاصل کر چکا تھا

علاوہ اس کے اس نے اپنے عظیم استاد ارسطو سے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی سکندر ادب کا بڑا شیدائی تھا وہ ہومر کی نظمیں پڑھا ہوا تھا اور کیلیے اس کا پسندیدہ ہیرو تھا اپنے والد کی غیر متوقع مدت کے بعد جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے خود کو ایک مشکل صورت حال سے دو چار پایا جیسے ہی فلپ کے قتل کی خبریں یونانی ریاستوں میں پہنچیں وہاں بے چینی اور ابتری پھیلنے لگی ایتھنز میں مقدونیہ مخالف دھڑے کا سربراہ ڈیموتھینیس ابھی زندہ تھا اس نے دوبارہ آواز بلند کی، تھیبز میں بغاوت پھیل گئی سکندر نے اس بغاوت کو بڑے ظالمانہ طور پر کچل ڈالا اور یہاں کے لوگوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا، اس طرح بغاوت ختم ہوگئی۔ 334 ق م میں سکندر نے اپنی مشہور فوجی مہم مشرق کی جانب شروع کی، سکندر کی فوج تیس ہزار پیادہ اور پانچ گھوڑ سواروں کے علاوہ 160,150 جنگی بحری جہازوں پر مشتمل تھی۔ سکندر نے ہیلس پونٹ عبور کیا اور ایشیائے کوچک کے راستے پیش قدمی کی، ایران والوں کے ساتھ پہلی لڑائی دریائے گرانی کس کے کنارے پر ہوئی اگر چہ وہ ایرانیوں کے زبردست مقابلے کے باوجود دریا عبور کرنے میں کامیاب ہوا لیکن وہ ایرانیوں کو شکست نہیں دے سکا۔ چنانچہ وہ ایشیاء میں اپنا راستہ کھولنے میں کامیاب ہوگیا تب اس نے جنوب کی طرف ساحلوں کے ساتھ ساتھ پیش قدیم کی اور اس نے ایران کے زیر تسلط یونانی ریاستوں کو آزاد کرایا، 333 ق م میں قصبہ اشیئو کے قریب (ایشیائے کوچک کا جنوبی مشرقی حصہ) سکندر کو ایرانی بادشاہ دریوز سوم کی افواج سے مقابلہ کرنا پڑا، اس زبردست لڑائی میں سکندر نے اپنی حکمت عملی سے ایرانی افواج کو گھیرے میں لے لیا اور دریوز سوم گرفتاری سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ سکندر فونیشیا کے ساحلوں کی طرف روانہ ہوا اور طائر پر قبضہ کرنے کے بعد وہ مصر میں داخل ہوا، یہاں اس نے خود کو مصریوں کا ایرانیوں سے نجات دہندہ قرار دیا اور مذہبی پیشواؤں نے اسے خدا کا بیٹا قرار دیا اور فرعون کا صحیح وارث۔ 331 ق م میں سکندر ایک بار پھر ایشیا میں بہت اندر تک چلا گیا اور یہاں اس نے نینوا کے قریب گھاگ میلہ کے مقام پر دریوز سے آخری جنگ لڑی ایک بار پھر ایرانیوں کو شکست ہوئی اور دریوز بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ دریوز کا پیچھا کرتے ہوئے سکندر کی فوج ایران میں داخل ہوگئی اور راستے میں اس کے تین دارالحکومتوں بابل، سوزا اور پرسی پولس پر قبضہ کرلیا۔ جہاں سکندر کے ہاتھ انتہائی قیمتی خزانے آئے، بابل میں اس نے ایران کا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا، دریوز کا پیچھا کرتے ہوئے اور مزید علاقوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے سکندر نے دریائے آمو عبور کیا اور ازبکستان اور تاجکستان کے علاقوں میں قدم جما لیے، یہاں اس نے تقریباً دو سال گزارے، (327 ق م تک) یہاں اس نے ہندوستان کے خزانوں اور مال و دولت کے متعلق کہانیاں سنیں اور اس نے شمالی ہندوستان پر حملہ کر دیا یہاں اس نے ہندوستانی بادشاہ پورس کو شکست دی، یہاں پہلی مرتبہ مقدونیہ اور یونان والوں نے ہاتھیوں کے ساتھ جنگ لڑی، سکندر کی فوج دریائے سندھ کے بائیں جانب پیش قدمی کرنے لگیں، یہاں حادثاتی طور پر سکندر کے

فوجیوں نے جو انتہائی وفاداری سے جنگیں لڑتے آئے تھے انہوں نے آگے بڑھنے سے انکار دیا تب سکندر نے افواج کو واپس اپنے ملک کی طرف جانے کے لیے حکم دیا واپسی کا سفر مزید دو سال تک جاری رہا، فوج کا کچھ حصہ بحری جہازوں کے ذریعے اور کچھ خشکی کے ذریعے واپس گیا، دونوں افواج 324 ق م میں بابل میں اکٹھی ہوئیں۔ سکندر کی مشرقی مہم جو کم از کم دس سال تک جاری رہی اس کے نتیجے میں سکندر کی سلطنت ایک طرف دریائے سندھ اور دوسری طرف مصر تک پھیل گئی جس میں ایشیائے کوچک کے کئی علاقے شامل تھے، لیکن سکندر کی مہماتی اور جنگی خواہشات ابھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچی تھیں کہ 32 سال کی عمر میں اس کی موت واقع ہوگئی اور اس کی عظیم سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔۔۔ وہ علاقے جہاں سکندر نے فوج کشی کی، وہاں مقامی لوگوں نے اس کے خلاف زبردست مزاحمت بھی کی، وسط ایشیاء کے لوگوں نے زبردست مقابلہ کیا۔ تین سالہ جنگوں میں سکندر صرف مختصر سے علاقے کو زیرنگیں کرنے میں کامیاب ہوا، کیونکہ جہاں سے فاتح فوجیں آگے بڑھ جاتیں وہاں لوگ ایک بار پھر پہلی حالت میں واپس آنے کے لیے کوششیں کرنے لگتے۔ تاہم ان جنگوں میں اس نے ہزاروں کو قتل اور تباہ و برباد کردیا، وسط ایشیاء سے سکندر نے اپنے فوجیوں کے ساتھ جب ہندوستان پر حملہ کیا تو مقامی لوگوں نے زبردست مقابلہ کیا۔ جب سکندر نے ہندوستان سے واپسی کا سفر کیا تو وہ واپس مقدونیہ نہیں گیا بلکہ اس نے بابل میں قیام کرلیا اور اسے اپنا دارالحکومت بنالیا، یہاں اس نے ایرانی بادشاہوں کے طور اطوار اپنانے شروع کردیئے اور حکم دیا کہ امرا اس کے سامنے حاضری دیا کریں۔ سکندر کی وفات کے بعد اس کی ریاست منتشر ہوکر تین سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی، مقدونیہ، مصر اور شام یہاں سکندر کے جرنیل بادشاہ بن گئے۔ مصر اور ایشیائے کوچک کے باشندے یونانی اور مقدونیائی غلام داروں کے استحصال کا شکار بن گئے۔

سکندر اعظم کے متعلق بہت ساری کہانیاں ہمارے تک پہنچی ہیں، ان میں بہت ساری پلوٹارچ کی تالیف شدہ سکندر اعظم کی سوانح عمر سے لی گئی ہیں۔ نوجوان سکندر اپنے باپ فلپ دوم کی فتوحات کا سن کر بہت جوشیلا ہوتا، اس نے کہا" باپ ہر ایک چیز پر قبضہ کرلے گا اور میں اس قابل نہیں ہوں گا کہ کوئی عظیم اور شاندار کارنامہ انجام دے سکوں۔"

اس کا اصول تھا کہ پیچیدہ معاملات کو فیصلہ کن طریقے سے حل کرنا چاہیے۔ ایک صحرا میں سے گزرتے ہوئے مقدونیائی پیاس میں مبتلا ہوگئے، کچھ پانی بادشاہ کے لئے حاصل کیا گیا، لیکن سکندر نے پانی پینے سے انکار کردیا" اگر میں نے ہی صرف پانی پیا تو میرے ساتھی گرم جوش نہیں رہیں گے۔" ایران سے حاصل شدہ مال غنیمت میں ایک بھاری اور قیمتی زیور کا ڈبہ تھا، سکندر کے دوستوں نے کہا کہ وہ اپنے پاس رکھے، تاکہ قیمتی اشیائے اس میں رکھی جاسکیں، سکندر نے کہا کہ وہ اس میں ایلیاڈ رکھے گا۔۔۔ سکندر کو اپنے دو ساتھیوں پر غداری کا شبہ ہوا، اس نے ان میں سے ایک کو اذیت دینے اور بعد میں ہلاک کر

دینے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے خود ایزا رسانی کا منظر دیکھا۔ پھر اس نے دوسرے کے قتل کا حکم دیا، اگر چہ وہ فلپ کا نائب اور دوست تھا۔۔۔۔۔ یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ سکندر کی فوجی مہم جو کامیاب ترین مہم قرار دی سکتی ہے اور اس کے بعد جو سلطنت قائم ہوئی وہ سکندر کی وفات کے فوراً بعد ختم ہوگئی، تاریخی نتائج کی حامل نہیں تھی سکندر کی موت کے بعد اور رومنوں کی یونان پر فتح تک کے عہد کو (Hellenistic Age) کہتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ عہد جب مشرق وسطیٰ اور مشرقی تہذیبوں پر یونان کی معیشت تجارت اور سیاست اور ثقافت کا اثر ہوا اور مقامی لوگوں نے اثرات قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی حاصلات کو بھی ان میں مدغم کیا۔ سکندر اعظم خود بھی مشرقی روح سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اس نے اپنا دارالحکومت بابل میں بنایا، مشرقی بادشاہوں والے طور اطوار اپنائے اپنے خدا ہونے کا اعلان کیا اس پر یونانی ہنسا کرتے تھے۔ یہ وہ عہد تھا (ہیلن ازم) ایک ترقی پسند عمل تھا جس میں نئے شہر اور قصبے آباد ہوئے صنعت کو فروغ حاصل ہوا، مشرق وسطیٰ نے مغربی بحیرہ روم اور ہندوستان کے راستے مشرق بعید سے ثقافتی، تجارتی اور سیاسی تعلقات قائم کئے۔ دو ثقافتوں کا ایک دوسرے پر باہم اثر ورسوخ فائدہ مند ثابت ہوا، اور کئی شہروں میں علم اور دانش کدوں کو نشو ونما حاصل ہوئی، اہم سائنسی اور فنی مراکز، مثلاً اینٹوچ، سیلوسیڈ سلطنت کا دارالحکومت، سکندریہ مصر کا دارالحکومت وجود میں آئے اور پروان چڑھے۔ سکندریہ کو سائنسی علوم کے حوالے سے بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی، یہاں ایک بڑی لائبریری آرٹ اور سائنسی تحقیقاتی مرکز قائم تھے۔ یہاں مفکر حضرات اکٹھے ہو کر معلومات کا تبادلہ کرتے۔ بحث ومباحثہ کئے جاتے، سکندریہ میں یونان اور مشرقی ملکوں کی علمی حاصلات تحریری صورت میں اکٹھا ہوئیں، کھالوں اور کپڑوں پر لکھی ہوئی دستی تحریریں رکھی تھیں۔ علوم کے باہمی تبادلے سے نئے افکار کو نشو ونما حاصل ہوئی ایسا ہی بحیرہ روم کے کئی ملکوں میں ہوا، علم ریاضی، قدرتی سائنس کو ترقی حاصل ہوئی قدیم دنیا میں ارتقاء کے حوالے سے دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح میں سائنس مشرقی بحرہ روم کے ملکوں میں نقطہ عروج پر تھی اس عہد میں یونانی زبان بحیرہ روم کے مشرقی ملکوں کے مابین رابطے کی زبان بن گئی، علوم کو سمجھنے اور اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرنے میں اس وجہ سے بھی آسانی ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ ثقافتی، سیاسی، علمی وفکری قربت نے بحیرہ روم کی ریاستوں کو اکٹھا ہونے میں مدد دی۔

○

باب:7

سلطنت روم

ابتدائی عہد:

رومن ریاست کا گہوارا، بحیرہ روم کے وسط میں جزیرہ نما اینپا ئین تھا، جو قریبی جزیرہ سسلی سے مل کر ایسے لگتا ہے جیسے یہ افریقہ اور یورپ کے درمیان قدرتی پل ہے اور یہ جزیرہ نما بلقان کے مغرب میں واقع ہے، پہاڑوں کا سلسلہ اینپا ئین جزیرہ نما کے ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ یہ پہاڑ یونان کے چٹانی پہاڑوں سے بلند ہیں۔ پہاڑوں اور سمندر کے درمیان ساحلی نشیبی علاقے میں پہاڑی چوٹی ایلپس جزیرہ نما کو شمالی ہواؤں سے محفوظ رکھتی ہے، یہاں یونان کی نسبت زیادہ بارش ہوتی ہے، وادیاں اور ساحلی علاقے زرخیز ہیں۔ پہاڑی ڈھلوانوں پر گھنی گھاس والی چراگاہیں ہیں اس وجہ سے یہاں مویشی کثرت سے پالے جاتے تھے۔ جزیرہ نما کے جنوبی علاقے کو ''بچھڑوں کا ملک'' اٹلی کہتے ہیں، بعد میں یہ نام پورے جزیرہ نما کے لیے استعمال ہونے لگا، خلیجیں بحری جہازوں کے لیے موزوں ہیں۔ جزیرہ نما کے گرد جزائر۔ جزیرہ مسلسل، جزیرہ نما کے جنوبی حصے کو تقریباً چھوتا ہے، سسلی کی آب وہوا گرم ہے اور علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔

شہر روم کا آغاز:

اینپا ئین جزیرہ نما کے وسط میں دریائے ٹائیبر بہتا ہے اس دریا کا منبع پہاڑوں میں ہے اور یہ میدانی علاقے پر بہتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے۔ میدانی علاقے میں پہاڑ سر اٹھائے ہوئے ہیں، قدیم زمانے میں میدان دلدل تھے اور پہاڑوں پر بے تحاشا جنگلات اُگے ہوئے تھے۔ (Latin) لیٹنز کا قبیلہ

میدانوں میں رہتا تھا، ایک چھوٹی سی بستی روم دریائے ٹائبر کے علاقے سے 25 کلومیٹر دور، پہاڑوں پر، دریا کے بائیں کنارے پر ابھری، حکایات کے مطابق، آٹھویں صدی ق م کے وسط میں اس کی بنیاد رکھی گئی روم کی ابتدائی آبادی کو Patricians کہا جاتا تھا، یہ لفظ لاطینی لفظ Pater سے ہے، جس کا مطلب باپ کے ہیں۔ یہ لوگ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ان کے باپ شہر کے بانی ہیں انہوں نے ایک برادری تشکیل دی جو زمینوں اور چراگاہوں کی مشترکہ مالک تھی۔ ہر ایک پیٹرسنین خاندان کو مشترکہ زمین سے ایک قطعہ اراضی دیا جاتا اور اس کے مویشی مشترکہ چراگاہوں میں چرائے جاتے۔ پہلے پہل پیٹرسنین گھروں اور کھیتوں میں مشترکہ کام کرتے تھے غلام اپنے آقاؤں کے ساتھ ملکر محنت کرتے تھے۔ لیکن ان میں سے چند ایک غلاموں کو خاندان کا فرد سمجھتے اور وہ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر اہل خانہ سے کھانا کھاتے ان لوگوں کے مکانات، سادہ اور پرکشش نہیں تھے، صرف ایک کمرے کے وسط میں پانی کا تالاب ہوتا، چھت میں ایک مربع شکل کا سوراخ جس سے بارش کا پانی اکٹھا ہوکر نیچے تالاب میں گرتا۔ اسی سوراخ کے ذریعے روشنی بہم پہنچائی جاتی، ان لوگوں کے بزرگوں نے ایک کونسل قائم کی ہوئی تھی۔ لاطینی میں ہے "سینٹ" کہتے ہیں روم پر بادشاہ اور سینٹ کی حکمرانی تھی۔ اس شہر کی بنیاد کے متعلق ایک مشہور کہاوت ہے "لاطینی قصبے کے بادشاہ نے اپنی بھتیجی کے بیٹوں رومولس اور ریموس کو دریائے ٹائبر میں پھینکنے کا فیصلہ کیا۔ وہ خوفزدہ تھا کہ جب بچے جوان ہونگے تو اسے اقتدار سے محروم کردیں گے۔ اس وقت دریا میں طغیانی آئی ہوئی وہ تھیلا جس میں بچوں کو ڈال کر پھینکا گیا تھیلا درخت کی شاخوں سے اٹک گیا۔ بچے محفوظ ہوگئے اور مادہ بھیڑیا انہیں دودھ پلاتی رہی تب ایک چرواہے نے دیکھ لیا اور وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ بچے پروان چڑھتے ہوئے اور مضبوط، بہادر اور جنگجو بنے۔ انہوں نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کردی اور اسے ہلاک کردیا۔ رومولس اور ریموس نے ایک شہر کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا، لیکن شہر کی تعمیر کے محل وقوع پر ان میں اختلاف ہوگیا اور یہ بھی کہ اس پر حکومت کون کریگا۔ رومولس نے ریموس کو ہلاک کردیا اس نے اس شہر کی بنیاد اس جگہ رکھی، جہاں گڈریئے نے انہیں گود لیا تھا۔ یہ شہر روم تھا۔" رومی اپنے سالوں کی گنتی اپنے شہر کی بنیاد رکھے جانے کے سال 753 ق م سے شروع کرتے ہیں۔ ایک مادہ بھیڑیئے کا مجسمہ "Capitoline" پہاڑی پر رکھا ہے۔۔۔ روم کا محل وقوع شہر کے لئے بڑا سودمند تھا جس کے چاروں طرف زرخیز زمینیں تھیں، ٹائبر کے دھانے پر بڑی موزوں اور آرام دہ گودی تھی۔ اس سے ایک سڑک نکل کر دور اندر تک اٹلی میں چلی جاتی، تاجر اور دستکار روم میں آباد ہونا شروع ہوگئے قریبی قصبوں کو زیر کرنے کے بعد روم کی آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ کیپی ٹولین پہاڑی کی ڈھلوان پر ایک قلعہ تعمیر تھا، اس علاقے کے لوگ دشمن کی طرف سے حملے کی صورت میں اس کی دیوار کے پیچھے پناہ لیتے۔ رومنوں نے ایک دلدلی علاقے کو خشک کرکے ایک تجارتی مرکز فورم قائم کیا تھا پتھریلی اور بغیر فرش کے گلیاں جو تنگ

تھیں وہ فورم سے مختلف علاقوں کی طرف جاتیں، کچی اینٹوں، لکڑی اور گھاس پھوس کی چھتوں اور ٹائیلوں والے مکان گلیوں کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ تانبے کا کام کرنے والے، جفت ساز اور دیگر دستکار فورم میں اور گلیوں میں کام کرتے، وہ لوگ جو روم میں دوسری جگہوں سے آئے ہوئے تھے ان کو اور ان کی نسل کو "Plebians" یا ادنیٰ طبقے کے لوگ کہا جاتا تھا، ان میں سے زیادہ تر لوگ غریب تھے لیکن کچھ امیر بھی تھے یہ لوگ ٹیکس ادا کرتے تھے فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے لیکن اس مشترکہ ملکیت سے انہیں قطعہ اراضی نہیں دیئے جاتے تھے جس سے اصل رومی لطف اندوز ہوتے، ادنیٰ طبقے کے لوگ جو ٹیکس ادا کرنے سے قاصر تھے انہیں غلام بنالیا جاتا۔

جمہوریہ کا قیام:

داستانوں کے مطابق روم میں چھٹی صدی ق م میں ایک ظالم بادشاہ تھا، 509 ق م میں رومنوں نے اس کو روم سے نکال باہر کیا اور اس کے اختیارات کو ختم کردیا، عوامی اسمبلی نے دو حکمران منتخب کرنا شروع کر دیئے، جنہیں کونسل کہا جاتا تھا، انہیں طبقۂ امراء سے ہر سال منتخب کیا جاتا، کونسل روم پر ایک سال حکومت کرتے۔ یہ عدلیہ کے فرائض بھی انجام دیتے اور حالت جنگ میں فوجوں کی قیادت بھی کرتے، ان کی مدد دیگر سیاسی عہدیداران کرتے انہیں بھی عوامی اسمبلی ایک سال کے لیے منتخب کرتی، سال کے خاتمے پر اعلیٰ ترین عہدیدار سینٹ کے رکن بن جاتے، انہیں سینیٹرز کہا جاتا، سینیٹرز کو بے پناہ اختیارات حاصل تھے، امن کے زمانے میں ہر ایک معاملے میں کونسل کو اس سے مشورہ کرنا پڑتا۔ سینٹ، بجٹ اور خزانے کے معاملات کے علاوہ کئی اہم فیصلے کرتی یہ اپنے فیصلے عوامی اسمبلی کے سامنے پیش کرتی جو عام طور پر تسلیم کر لیے جاتے تھے امراء طبقہ اپنے اقتدار کو جمہوریہ قرار دینا جبکہ ادنیٰ طبقے کے لوگ ابھی تک بنیادی حقوق سے محروم تھے وہ اپنے حالات میں بہتر تبدیلی کا مطالبہ کرتے تھے۔

روم میں گالز:

چوتھی صدی قبل مسیح میں جنگجو قبائل گالز شمالی اٹلی میں آباد ہونا شروع ہو گئے اور روم کی طرف بڑھنا شروع ہو گئے ان کے قد لمبے، گھنے بال اور یہ لمبی تلواروں اور بھاری ڈھالوں سے مسلح تھے۔ لوگ انہیں دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتے انہوں نے برق رفتاری سے رومن افواج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا، روم پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے شہر کو لوٹ کر جلا دیا، رومنوں کی آبادی کا کچھ حصہ ناقابل تسخیر قلعہ جو کیپی ٹولین پہاڑی پر واقع تھا اس میں پناہ لے لی۔ انہوں نے گالز کے ایک حملے کو پیچھے دھکیل دیا، رات کے وقت خاموشی میں گالز پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ایک مختصر لڑائی کے بعد گالز نے شہر سے نکل جانے کا وعدہ اس شرط پر

کیا کہ انہیں تاوان کی صورت میں تین سوکلوسونا دیا جائے، جب سونا تولا جاچکا تو گالز کے سردار نے ترازو کے پلڑے میں اپنی تلوار پھینک دی جب رومنوں نے احتجاج کیا تو اس نے کہا "Woe to the Defeated" اس کے بعد رومنوں نے بڑی تیزی کے ساتھ اپنے شہر کی تعمیر نو کی اور اس کے اردگرد ایک قلعہ بند دیوار تعمیر کردی۔ یہ دیوار آج تک موجود ہے۔

اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے کے درمیان جدوجہد:

پانچویں صدی ق م میں ادنیٰ طبقے کے لوگوں نے ایک اختیار حاصل کرلیا کہ وہ اپنے نمائندے ٹرائیبیون منتخب کر سکتے ہیں، کونسل کے کسی بھی حکم کے خلاف ٹرائیبیون ویٹو کا حق رکھتا تھا۔ لاطینی میں اس کا مطلب ہے "میں منع کرتا ہوں" ایک ٹرائیبیون کے دروازے دن رات ہر شخص کے لئے کھلے تھے اور ادنیٰ طبقے کا فرد کسی بھی وقت ٹرائیبیون سے مدد طلب کرسکتا تھا۔ ٹرائیبیون کا قتل انتہائی سخت جرم تسلیم کیا جاتا، دراصل عوامی ٹرائیبیون ادنیٰ طبقے کا بن چکا تھا، اس طبقے کے اراکین نے مزید جدوجہد کرکے اپنی پوزیشن کو مستحکم کیا، ٹرائیبیون نے ایسے قوانین تشکیل کئے جن میں ادنیٰ طبقے کی حمایت کی گئی تھی، امراء طبقے کو ان قوانین کے تسلیم کئے جانے پر مجبور کرنے کے لیے ادنیٰ طبقے نے دھمکی دی کہ وہ فوجی خدمات سرانجام نہیں دینگے اور ٹیکس بھی ادا نہیں کریں گے انہوں نے روم چھوڑ کر چلے جانے کی بھی دھمکی دی، کچھ مسلح تصادم بھی ہوئے اس خوف سے کہ فوج کمزور ہوجائے گی خزانہ خالی ہوجائے گا اور لوگ بغاوت کر دینگے امرا طبقہ ادنیٰ طبقے کے لئے رعایتیں اور اصلاحات پر تیار ہوگیا۔ ادنیٰ طبقے نے یہ حق حاصل کرلیا کہ وہ کونسل بھی منتخب ہو سکتے ہیں، اعلیٰ عہدوں پر بھی کام کرنے کے مجاز ہیں اور انہیں مشترکہ زمین سے قطعات اراضی بھی دیئے جائیں گے اس بات کو ممنوع قرار دے دیا گیا کہ کسی بھی رومی شہری کو قرضہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں غلام بنایا جاسکتا ہے۔ امراء ادنیٰ طبقے کے درمیان دوسو سال تک مسلسل جاری رہنے والی جدوجہد ادنیٰ طبقے کی فتح کی صورت میں ختم ہوئی اور یہ لوگ روم کے مکمل شہری بن گئے۔

اشرافیہ کا غلبہ:

ادنیٰ طبقے کی فتح کے بعد روم کا ہر ایک شہری ریاست کے اعلیٰ ترین عہدے اور اعلیٰ افسر کے عہدے تک پہنچنے کا اہل قرار پایا۔ تاہم کسی بھی عہدے کے لیے کوئی تنخواہ نہیں تھی، اس لیے وہ غریب لوگ جو زندہ رہنے کے لیے سارا دن، محنت کرتے تھے، وہ اس عہدے تک نہیں پہنچ سکتے تھے، ادنیٰ اور اعلیٰ اور اعلیٰ طبقے یہ امیر لوگ، غلام دار کونسل منتخب کر لیے جاتے، 3 صدی ق م میں امیر رومن اپنی جاگیروں پر کام نہیں کرتے تھے، ان کی زمین دن کے وقت کام کرنے والے ضرور کاشت کرتے تھے، یا وہ غلام جنہیں

درآمد کیا گیا ہوتا، ان کے ذریعے کاشت کروائی جاتی، رومن آبادی سے درجنوں دولت مند خاندان پیدا ہوئے، ان خاندانوں کے اراکین نے انتہائی اہم عہدے حاصل کئے چنانچہ ایک طبقہ امرا روم میں پیدا ہوگیا جن کے پاس ریاستیں عہدے، جاگیریں اور غلام تھے، روم کے دوسرے شہری بڑی مشکل سے کونسل اور سینٹر بن سکتے تھے۔ روم کی جمہوریہ غلام دارانہ اور اشراقیائی تھی۔

رومن فوج: (3 صدی ق م)

رومن جمہوریہ کے پاس ایک مضبوط منظم اور اعلیٰ تربیت یافتہ فوج تھی، یہ زیادہ تر کسانوں پر مشتمل تھی، کیونکہ وہی لوگ جن کے قطعات اراضی تھے، فوجی خدمات ادا کرتے، فوج مختلف (legions) ڈویژن میں تقسیم ہوئی۔ ایک لیجن میں چار ہزار پانچ سو تک جنگجو ہوتے۔ پھر لیجن سب یونٹ میں تقسیم کئے جاتے۔ یہ صرف زمین پر ہی نہیں بلکہ جنگلات میں بھی لڑ سکتے تھے اور پہاڑوں اور شہر کی گلیوں میں انہیں لڑنے کی تربیت دی گئی تھی، ہلکے ہتھیاروں سے مسلح جنگجو، جنگ کا آغاز کرتے، وہ تیر اور پتھروں سے دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوتے، پھر وہ بھاری اسلحہ سے لیس فوجوں میں آگے بڑھنے کے لیے راستے چھوڑ دیتے، یہ لیجن کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ یہ پہلے دشمن پر تیر پھینکتے پھر تلواروں سے حملہ کردیتے دست بدست لڑائی میں ان کی چھوٹی تلوار دشمن پر کارگر ثابت ہوتی، اطراف میں موجود دستوں سے گھوڑ سوار دستہ محفوظ رہتا اور فتح کی صورت میں، دشمن کا پیچھا کرتا۔ رومی افواج میں بڑا سخت نظم وضبط تھا، وہ جن کے ہتھیار گم ہو جاتے، یا وہ جو ڈیوٹی کے دوران سو جاتے، انہیں پھانسی دی جاتی۔ کمانڈر کا حکم بغیر کسی حیل وحجت کے تسلیم کرنا پڑتا تھا۔

اٹلی پر روم کی فتح:

(تیسری اور پانچویں صدی قبل مسیح) ان تین صدیوں میں روم تقریباً حالت جنگ میں رہا، سینٹ کی تشکیل شدہ خارجہ پالیسی انتہائی جارحانہ تھی، پانچویں صدی کے دوران روم نے اپنے قریبی شہروں اور ہمسایہ قبائل وولسی اور ایکی کے خلاف جنگیں لڑیں ان مہمات میں فتوحات سے روم کے دریائے ٹائیبر کے نچلے علاقوں تک اثر ورسوخ میں اضافہ ہوگیا یہ جنگیں روم کی پہلی کامیابی تھیں، چوتھی صدی میں کچھ مختلف تصویر سامنے آئی جبکہ گالز نے روم پر حملہ کیا تھا لیکن آخری فتح پھر بھی رومنوں کے ہاتھ میں رہی۔ چوتھی صدی ق م کے دوسرے نصف میں رومنوں نے وسطی اٹلی پر قبضہ کرنے کے لیے سخت لڑائی

لڑی، وہ اپنے سابقہ اتحادی ٹینز کے خلاف جنگ لڑنے پر مجبور تھے اور انہوں نے سیمنائٹس قبائل کے خلاف تین جنگیں کیں، تیسری جنگ میں رومنوں کی سیمنائٹس نے ہی مزاحمت نہیں کی بلکہ ایڑوسکین سے بھی انہیں مقابلہ کرنا پڑا۔ اطالویوں کے قبائل کے اتحاد کے خلاف جنگ میں اتار چڑھاؤ سے کامیابیاں حاصل ہوئیں لیکن آخر کار میدان جنگ رومنوں کے ہاتھ میں رہا اور انہوں نے وسطی اٹلی پر قبضہ کرلیا۔

تیسری صدی قبل مسیح میں اٹلی پر قبضہ کے لیے جنگ کے آخری مرحلے کا آغاز ہوا، اس مرتبہ جنگ میں قبائلیوں اور شہریوں کی وفاداریاں بھی فیصلہ کن حیثیت رکھتیں تھیں، کچھ نے روم کی اعانت کی اور اس کی قیادت کو تسلیم کرلیا لیکن جنوبی شہروں میں سے ایک بڑے شہر ٹارنیٹم نے رومنوں کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ٹارنیٹم کے لوگوں نے پائیرس سے مدد کی درخواست کی۔ یہ شمال مغربی یونان کی ریاست کا بادشاہ تھا۔ پائیرس بذات خود اٹلی پر قبضہ کرنے کا خواہش مند تھا اور سکندر کی طرح شہرت اور نام چاہتا تھا۔ 280ق م میں پائیرس اور اس کے فوجی اٹلی میں اترے، پہلی جنگ میں اس نے رومیوں پر زبردست فتح حاصل کی، اس کے ساتھ ہی اس نے شمال کی طرف پیش قدمی شروع کی، اور جلد ہی اس کولم کے مقام پر دوسری بار رومنوں سے مقابلہ کرنا پڑا، اس مرتبہ پائیرس کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا اور اس جنگ کے بعد وہ سسلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہاں اس نے کچھ عرصہ گزارا، لیکن وہ جزیرے کو فتح نہیں کر سکا، بعد میں وہ اٹلی آیا اور 275ق م میں اس نے اٹلی والوں سے آخری جنگ بنی وینٹم میں لڑی یہاں بھی اسے تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اٹلی چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ دو سال بعد ٹارنیٹم نے رومیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جو جنوبی اٹلی کے قصبوں پر بتدریج کنٹرول کر رہے تھے۔ ان جنگوں کے نتیجے میں جو رومنوں نے چوتھی، پانچویں اور تیسری صدیوں میں مسلسل لڑیں انہوں نے تمام اٹلی شمالی ساحلوں سے سیز ایلپائن گال تک غلبہ حاصل کرلیا۔ اب بحیرہ روم کی بڑی قوتوں میں سے ایک تھے۔ اب رومنوں کی امنگیں اپنے جزیرہ نما سے دوسری سرحدوں کی طرف تھیں اور رومنوں نے بحیرہ روم کے تمام علاقوں پر غلبہ حاصل کرنے کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔

روم اور کارتھیج:

جب رومنوں نے جزیرہ نما اسپنائن سے باہر نظریں گاڑھیں تو ان کی توجہ کا پہلا مرکز جزیرہ سسلی تھا اس پر انہوں نے بآسانی قبضہ کرلیا، اب ان کا مقابلہ افریقہ کے شمالی ساحلوں پر واقع (خلیج تیونس کے ساحل) ایک غلام دارانہ ریاست تھ، جس کی روایات کے مطابق نویں صدی ق م میں بنیاد پڑی تھی اور اب یہ روم سے پہلے بحیرہ روم کی ایک زبردست قوت بن چکا تھا۔ کارتھیج کی معاشی قوت کا انحصار تجارت میں اس کی مرکزی حیثیت سے تھا، کیونکہ جغرافیائی لحاظ سے یہ علاقہ خام مال کی درآمد اور برآمد کا

مرکز تھا اور تیار شدہ مال بھی بحیرہ روم کے دیگر علاقوں کی جانب یہاں سے ہی روانہ کیا جاتا، علاوہ اس کے شہر کے اردگرد کارتھیج کے امراء کی کاشتکاریاں تھیں، غلام دار کارتھیج ہزاروں غلاموں سے کام کرواتے، اسی عہد میں کارتھیج والے اپنے بہترین طریقہ زراعت سے بہت مشہور تھے۔ اب کارتھیج کی سیاسی اور معاشی قوت اس کی تجارت اور زراعت کی اہمیت پر تھی اور یہاں قوت متحرکہ تاجر اور زمیندار تھے کارتھیج ریاست کا ڈھانچہ جمہوری تھا لیکن یہاں آزاد کسان بہت کم تھے اس کا مطلب یہ تھا کارتھیج کے آئین میں جمہوری بنیادیں بہت کمزور تھیں، عوامی اسمبلی ایک معمولی کردار ادا کرتی، انتظامی طاقت دو "Suffetes" کے ہاتھوں میں تھی جن کا کردار رومنوں کے کونسل کی طرح تھا یہ فوج اور بحری بیڑے کی کمان کرتے، رومنوں کی سینٹ کی طرح یہاں تین سو افراد پر مشتمل ایک ایسی ہی کونسل تھی ان میں سے تیس افراد کو مزید منتخب کیا جاتا، جو کونسل کی میٹنگ کے درمیان عبوری وقت میں مختلف ذمہ داریاں نبھاتے، کارتھیج والوں کے پاس زبردست فوج اور بحریہ تھی ان کی فوج کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ فوجی کرائے کے تھے۔ تاہم فوج کے پیشہ وارانہ مہارت اور تکنیکی ہتھیار بہت ترقی یافتہ تھے۔ کارتھیج والے کالونیاں ہتھیانے کے ماہر تھے انہوں نے افریقہ کے شمالی ساحلوں، جنوبی سپین اور بلارک جزائر پر کالونیاں قائم کیں۔ کارتھیج والے گورسیکا اور سارڈینیا میں آباد ہو گئے تھے۔ روم سے اپنی پہلی محاذ آرائی کے وقت انہوں نے سسلی کا کنٹرول ماسوائے سائیراکس اور میٹیا نے سنبھال لیا، ان کی موخر الذکر شہر کو زیر تسلط کرنے کی کوشش تھی۔ جس سے ان کا روم کے ساتھ تنازعہ پیدا ہو گیا۔

پہلی اور دوسری پیونک جنگیں:

(رومن کارتھیج والوں کو پیونک لوگ کہتے تھے) پہلی پیونک جنگ 23 سال تک (264-221 ق م) جاری رہی، پہلا آمنا سامنا سسلی میں ہوا جہاں رومنوں نے کئی ایک فتوحات حاصل کیں تاہم کامیابی اس وقت تک فیصلہ کن نہیں تھی جب تک کہ رومنوں کے پاس بحری بیڑہ نہیں تھا اور وہ کارتھیج کی بحری قوت کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے۔ جوں ہی رومنوں نے بحری بیڑہ تعمیر کر لیا اور انہوں نے سمندروں میں پہلی فتح حاصل کی تو وہ میدان جنگ کو افریقہ منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے تاہم افریقہ کی طرف ان کی پہلی مہم مکمل طور پر ناکام ہوئی...... جنگ ایک بار پھر ناگزیر ہو گئی اور سسلی ایک بار پھر دونوں افواج کے درمیان تصادم کا مرکز بن گیا اور یہ بحری لڑائی فیصلہ کن ثابت ہوئی جو سسلی کے مغرب میں اگیڈین جزیروں پر 241 ق م میں لڑی گئیں، جب کارتھیج والوں کا بحری بیڑہ ہمیشہ کے لیے شکست کھا گیا اب کارتھیج والوں کے پاس معاہدہ امن کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا انہوں نے سسلی روم کے حوالے

کر دیا اور کثیر تاوان ادا کیا۔ کچھ عرصہ بعد رومنوں نے کورسیکا اور سارڈینا پر قبضہ کر کے بلاوجہ جارحیت کا ارتکاب کیا، کارتھیج والے یہاں کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کی سرحدوں کے قریب فوج نے بغاوت کر دی تھی خاص طور پر صورتحال اس وقت اور بھی سنگین ہوگئی جب لیبیا کی فوج باغیوں سے مل گئی، اس بغاوت کو کارتھیج کے جنرل ہملیکر بارکا نے کچل دیا جس نے پہلی پیونک جنگ میں زبردست شہرت پائی تھی۔ بغاوت کو کچلنے کے بعد اسے کارتھیج میں ایک اہم مقام حاصل ہوگیا اور فوجی کمانڈروں کے درمیان اسے خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ وہ رومنوں سے انتقام کے لئے نئی جنگ کرنے کی سوچ رہا تھا۔ جنگ کی بہتر تیاری کے سلسلے میں ہملیکر کارتھیج کی فوج کے ساتھ سپین کی طرف روانہ ہوا اس امید کے ساتھ کہ وہ سپین کو فتح کر کے روم کے خلاف جنگ کا ایک اہم مرحلہ طے کرے گا لیکن سپین سے جنگ کے دوران ہملیکر مر گیا۔ فوجوں کی قیادت اس کے بیٹے ہنی بال کے ہاتھ میں آ گئی۔ کہاوت یہ ہے کہ جب ہملیکر سپین کے لیے روانہ ہوا تو اس کے بیٹے ہنی بال نے جس کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی، نے باپ سے کہا کہ وہ ساتھ جانا چاہتا ہے ہملیکر اس شرط پر رضا مند ہوا کہ وہ روم کے ساتھ ابدی دشمنی رکھے گا۔ ہنی بال نے ساری زندگی اس وعدے کو نبھایا۔۔۔۔ دوسری پیونک جنگ 218 ق م میں شروع ہوئی اور یہ سترہ برس تک جاری رہی۔ ہنی بال نے اٹلی کی سرزمین پر روم کے ساتھ مقابلہ کرنے کا منصوبہ بنایا اس مقصد کے لئے اس نے الپس کو عبور کرنے کا ایک مشکل ترین راستہ اپنایا۔ اپنی جنگوں میں ہنی بال نے زبردست جنگی مہارت کا مظاہرہ کیا اور رومنوں کو تباہ کن شکستیں دیں، سب سے اہم لڑائی (216 ق م) کنائے کی جنگ تھی۔ جب ہنی بال دشمن کی فوج کو گھیرے میں لینے اور تباہ کرنے میں کامیاب ہوا۔۔۔۔ ہنی بال کی جنگیں ایک فرد کی ذاتی کوششیں ثابت ہوئیں۔ کیونکہ کارتھیج نے اپنے فوجی کمانڈر کو ضروری امداد بہم نہیں پہنچائی تھی اس وجہ سے، اگرچہ اس نے کوئی ایک بھی شکست نہیں کھائی تھی ہنی بال نے خود کو اٹلی میں تنہا پایا، جو شہر ہنی بال نے قبضے میں لیے تھے رومنوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ روم کے نوجوان کمانڈر پبلیئس کارنیلئس، سیپیو نے سپین میں کارتھیج کے خلاف کئی ایک کامیابیاں حاصل کیں۔ سپین میں کارتھیج کے فوجیوں پر قابو پانے کے بعد سیپیو نے افریقہ میں فوجی تعلیم کی تجویز پیش کی، اس نے ایک فوج تیار کی اور کارتھیج کے قریب اترا، یہاں کارتھیج والوں نے عجلت میں ہنی بال کو اٹلی سے واپس بلایا۔ 202 ق م میں زاما کے مقام پر فیصلہ کن لڑائی لڑی گئی جو ہنی بال کو پہلی اور آخری شکست ہوئی، اس موقع پر رومنوں نے جو امن کے لیے شرائط پیش کیں ان میں پہلے سے زیادہ مطالبات تھے۔ کارتھیج والے اپنی کالونیاں کھو بیٹھے اور انہوں نے اپنا بحری بیڑہ اور تمام ہاتھی روم کے حوالے کر دیئے اور بھاری تاوان ادا کیا۔ ان شرائط سے

کارتھیج کی سیاسی، معاشی اور فوجی قوت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا چنانچہ دوسری پیونک جنگ کے نتیجے میں روم بحیرہ روم کی ایک زبردست قوت بن گیا۔

ہنی بال کے متعلق قدیم رومی مورخوں کی شہادت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہنی بال بہادر تھا اور وہ خطرات میں کود جاتا تھا، لیکن وہ اپنے لیے خطرہ کھڑا کرنے کے معاملے میں محتاط تھا۔ کوئی ایسا عمل اس نے نہیں کیا۔ جس میں وہ دل ہار بیٹھا ہو وہ سردیوں اور گرمیوں کو مساوی طور پر برداشت کرنے کی قوت رکھتا تھا۔ وہ آرام دہ بستر پر کبھی نہیں سویا۔ وہ جنگوں کے دوران سو جایا کرتا، وہ پہلا شخص ہوتا جو جنگ میں کودتا اور آخری ہوتا جو میدان جنگ چھوڑتا، جنگجو ہنی بال کی زیر کمان زیادہ بہادر اور پر اعتماد ہوتے۔

تیسری پیونک جنگ:

کوئی پچاس سال کے بعد دوسری پیونک لڑائی کے بعد رومنوں کو تیسری لڑائی لڑنا پڑی۔۔۔ اس عرصے میں روم والوں نے مشرقی بحیرہ روم کے ملکوں میں اپنی سرحدوں کو پھیلایا انہوں نے اپنے سب سے خطرناک مشرقی دشمن ہیلینی مقدونیہ کے خلاف تین جنگیں لڑیں، دوسری مقدونیائی جنگ کے بعد شامی بادشاہ انیٹی اوچس کے ساتھ تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے جس نے روم مخالف اتحاد بنانے کی کوشش کی اور اس کے بعد ایک اور جنگ ہوئی جب مقدونیہ کے بادشاہ پرسیوز نے روم مخالف اتحاد بنانے کی کوشش کی، لیکن اسے شکست ہوئی اور مقدونیہ روم کا ایک صوبہ بن گیا، جب یونان میں ایک تحریک آزادی اٹھی تو رومنوں نے اسے وحشیانہ طور پر کچل دیا اور یونانیوں کو تباہ برباد کرنے اور سبق سکھانے کے لیے انہوں نے کورینتھ (ق م146) شہر جو یونان کا قدیم اور قابل دید شہر تھا اسے تباہ و برباد کر دیا۔۔۔ اپنی بحریہ اور بری فوج کی تباہی کے بعد اب کارتھیج روم کے زیادہ خطرناک نہیں رہا تھا۔ لیکن کارتھیج نے تجارت کے معیار کو مزید بلند کیا اور زیادہ دولت مند ہو گیا۔ روم کے اشرافیہ اور تاجروں نے اس قابل ...... شہر کی تباہی اور اس کی دولت پر قبضہ کرنے کی ٹھانی، ایک بااثر سینٹر کارتھیج کا غیر مفاہمت پسند دشمن اپنی ہر تقریر کا خاتمہ ان الفاظ سے کرتا" کارتھیج کو ہر صورت میں تباہ کرنا چاہیے" دوسری صدی ق م کے وسط میں رومن فوج ایک بار پھر افریقہ گئی اور کارتھیج کا محاصرہ کر لیا" تیسری پیونک جنگ شروع ہوگئی" اگرچہ کارتھیج والے روم کے مقابلے میں بہت کمزور تھے انہوں نے اپنی آزادی کے دفاع کا فیصلہ کیا، وہ بڑی بہادری سے اپنے آبائی شہر کا تین سال تک مقابلہ کرتے رہے۔ انہوں نے آہنی ہتھیاروں سے شہر کی دیواروں کی مرمت کی اور عورتوں نے اپنے بال کاٹ کر منجنیق کی رسیاں بنائیں۔ رومن صرف اس وقت شہر میں داخل

ہونے میں کامیاب ہوئے جب کارتھیج والے بھوک اور بیماریوں کی وجہ سے نڈھال ہو گئے۔ کارتھیج جل اُٹھا۔ اس کے مدافعت کاروں نے آگ اور دھویں سے بھری ہوئی گلیوں اور مکانوں میں لڑائی جاری رکھی۔ شہر میں لڑائی ایک ہفتے تک جاری رہی۔ کارتھیج والوں نے بہادری سے جانیں دیں، رومنوں نے آخر کار شہر پر قبضہ کرلیا اور پچاس ہزار باشندوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ رومنوں نے شہر کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔

سلطنت شام کی شکست:

رومن مغربی بحر روم کو فتح کرنے کے بعد مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے بلقان جزیرہ نما اور ایشیائے کوچک پر حملہ کیا۔ رومن مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے شام سے جنگ لڑنے کے لیے آئے۔ شامی بادشاہ کے پاس ایک زبردست فوج ہاتھیوں، رتھوں جن پر درانتیاں لگی ہوئی تھیں اور اونٹوں پر سوار جنگجو تھے یہ وہ افواج تھیں جو شامی بادشاہ نے اپنے زیر تسلط علاقے سے بھرتی کیں تھیں، وہ ایشیائے کوچک میں روم کے ساتھ لڑے۔ لیکن انہیں زبردست شکست ہوئی، بادشاہ مکمل طور پر روم کے تابع ہو گیا اور جلد ہی اس کی ریاست کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔

مقدونیہ اور یونان کی فتوحات:

جزیرہ نما بلقان میں رومنوں نے بڑی مہارت سے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کے اصول کو استعمال کیا تھا۔ مقدونیہ کے خلاف جدوجہد میں رومنوں نے یونان والوں کو اپنی طرف کھینچا، اس وعدے سے کہ انہیں بعد میں آزادی دے دی جائے گی، مقدونیہ کی فوج نے رومن ڈویژنوں کو ایک فیصلہ کن لڑائی میں پہنچا دیا، نیزوں سے مسلح مقدونیائی دستے بڑے مستحکم تھے انہوں نے پہلے رومن حملے کو پسپا کر دیا، اس سلسلہ عمل سے مقدونیائی دستوں کی ترتیب بری طرح متاثر ہوئی، تیزی سے متحرک رومی دستے ان کی صفوں میں گھس گئے، رومنوں نے مقدونیہ فتح کرلیا۔ مقدونیائی سلطنت کے زوال کے بعد یونانیوں نے اپنی آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی، رومنوں نے بڑی تیزی سے بغاوتوں پر قابو پالیا۔ اور یونان نے اپنے اقتدار کا اعلان کر دیا (146 ق م) مزاحمت کاروں کو سزا کے طور پر رومنوں نے کورینتھ شہر کو تباہ کر دیا۔ جو یونانی ثقافت کا مرکز تھا اور ساری آبادی کو غلام بنالیا۔

رومنوں کی طرف سے لوٹ مار اور فتوحات:

رومنوں نے بے رحمانہ انداز میں مفتوح علاقوں کے لوگوں کو لوٹا، انہوں نے قیدیوں کو غلام بنا

کرفروخت کردیا۔ فوجوں کے ساتھ جو تاجر تھے وہ قیدیوں کو یک مشت خرید کر پھر انہیں منافع کے ساتھ منڈیوں میں فروخت کرتے، رومنوں نے صرف ایک فوجی مہم کے بعد ڈیڑھ لاکھ افراد کو فروخت کیا۔ جب ایک شہر کو فتح کرلیا جاتا تو کمانڈر عام طور پر فوجیوں کو حکم دیتا کہ شہر کی لوٹ مار کی جائے، مال غنیمت کا ایک حصہ روم کے سرکاری خزانے میں جاتا، بقایا کمانڈروں اور فوجیوں میں تقسیم کیا جاتا، کمانڈر جب جنگ سے واپس لوٹتے تو ایک دولت آدمی ہوتے وہ کمانڈر جو فتح حاصل کرتے، ان کے اعزاز میں جشن منعقد کئے جاتے، یہ ایک قدیم رومی رسم تھی کہ فاتح کمانڈر اپنے فوجیوں کے ساتھ ایک رتھ گاڑی میں سوار ہوکر، جسے چار سفید گھوڑے کھینچ رہے ہوتے داخل ہوتا۔ وہ مال و دولت جو اسے لوٹ مار سے حاصل ہوتا اور وہ قیدی جو جنگ میں پکڑے جاتے، جلوس کے آگے ہوتے۔

رومن صوبوں کی صورتحال:

وہ ملک جو رومنوں نے فتح کیا تھا انہیں (Province) یا صوبے کہا جاتا، رومنوں نے نمک اور دھاتوں کی کانوں، بندرگاہوں، بہترین ذرخیز زمینوں اور چراگاہوں پر قبضہ کرلیا ہوا تھا۔ یہ مقامی آبادی سے بھاری ٹیکس وصول کرتے، وہ جو ٹیکس ادا نہ کرتے انہیں غلام بنا کر بمعہ اہل خاندان کے فروخت کردیا جاتا۔ صوبوں پر حکمرانی گورنر کرتے، جو سینٹ کی طرف سے نامزد کئے جاتے، گورنر کے پاس لامحدود اختیار ہوتے تھے۔ وہ صرف تین چار سال کسی صوبے کا گورنر رہنے سے بے شمار دولت اکٹھی کر لیتا امیر صوبے میں ایک غریب آدمی پہنچا اور سب کو غریب کر کے، ایک امیر آدمی چلا گیا'' تمام علاقوں میں آبادی کم ہونے لگی، ایشیائے کوچک میں ایک چھوٹی سی ریاست کے بادشاہ نے جو روم سلطنت کے تابع تھا اس نے اطلاع کی کہ اس کے ملک کے تمام نوجوان غلام بنا لیے گئے ہیں'' دوسری صدی ق م میں روم ایک بہت بڑی سلطنت بن گیا، بحیرہ روم کے بہت سارے لوگ رومن اقتدار کے زیر تسلط تھے۔''

روم کی مقدونیہ پر فتح کا جشن، پلوٹارچ کا بیانیہ:

''لوگ ان جگہوں پر امنڈ آئے جہاں سے کہ جلوس دیکھا جا سکتا تھا پہلے دن دو سو پچاس گھوڑا گاڑیاں جو قبضے میں لی گئی تھیں، مجسمے اور تصاویر صبح سے شام تک لائی گئیں، اگلے روز بڑی بیل گاڑیاں جو شاندار، خوبصورت اور قیمتی ہتھیاروں سے لدی ہوئی تھیں جو مقدونیہ سے لائے گئے تھے شہر میں سے گزریں۔ ہتھیار، چمکیلے تانبے اور لوہے سے چمک رہے تھے، ہتھیاروں کے ڈھیروں میں تلواریں اور نیزے تھے، گاڑیوں کے پیچھے سات سو پچاس جار جو چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے تھے آدمی اٹھائے ہوئے آرہے تھے۔ تب چاندی کے کپ اور ڈوئیاں آئیں۔ ہر ایک مرتبان چار آدمیوں نے اٹھایا ہوا تھا،

ایک سوبیس موٹے تازے بیل جن کے سینگوں پر سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے، تیسرے دن قربانی کے لئے لائے جا رہے تھے تب 77 جار اتنے بڑے، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جو سونے کے سکوں سے بھرے ہوئے تھے، لائے گئے اس کے بعد وہ لوگ آئے جو اپنے سروں پر ایک بہت بڑی ڈولی اٹھائے ہوئے تھے جو سونے کی بنی ہوئی تھی اور اس پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے اور کچھ سونے کے مرتبان...... آگے مقدونیہ کے بادشاہ کی گھوڑا گاڑی آئی جو ہتھیاروں سے بھری ہوئی تھی ان ہتھیاروں کے اوپر اس کا تاج رکھا ہوا تھا بادشاہ کے بچے دو لڑکے اور ایک لڑکی گاڑی کے پیچھے تھے وہ اتنے چھوٹے تھے کہ اس بدقسمتی کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے تھے جس کا وہ شکار ہو گئے تھے۔ بادشاہ جو سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھا اپنے بچوں کے پیچھے تھا۔ کمانڈر انچیف بذات خود سرخ کپڑوں میں ملبوس تھا جس کے اوپر سونا جڑا ہوا تھا، بگھی میں سوار تھا۔ فوجی جن کے ہاتھوں میں لچکدار ٹہنیاں تھیں اس کے پیچھے گاتے ہوئے آرہے تھے۔

روم میں غلام داری:

رومیوں نے جنگوں میں جو سینکڑوں ہزاروں افراد قیدی بنائے انہیں غلاموں میں تبدیل کر دیا۔ اس سے روم میں غلاموں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ بحری قذاقوں نے لوگوں کو پکڑنے کا عمل جاری رکھا اور انہیں بطور غلام فروخت کرتے رہے۔ روم کے مقبوضہ علاقوں میں غلاموں کی سینکڑوں منڈیاں تھیں سب سے بڑی منڈی بحیرہ آگین میں جزیرہ ڈیلوس میں تھی۔ یہاں روزانہ دس ہزار افراد فروخت ہوتے، زیادہ تر لوگ اٹلی سے لائے جاتے۔۔۔۔ اٹلی میں غلاموں کو زرعی شعبہ میں رکھا جاتا تھا رومن امراء نہ صرف وسیع وعریض زمینوں کے مالک تھے بلکہ یہ عام کسانوں سے بھی زمینیں خرید لیا کرتے تھے وسیع جاگیروں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی جاگیروں پر غلام بھاری ہلوں سے زمین کاشت کیا کرتے تھے اور اسے بیلچوں اور کھرپوں سے نرم بناتے، ہاتھوں سے اناج پیتے، انگور اور زیتون کا تیل نکالتے، مویشیوں کے گلے چراتے۔ کوئی پچاس ہزار غلام چاندی کی کانوں میں کام کرتے تھے ایک بڑے بحری جہاز پر 150 سے 200 تک غلام ہوتے، عمارات، سڑکوں کی تعمیر، شپ یارڈ میں سینکڑوں غلام کام کرتے۔۔۔ رومی غلام دار کہا کرتے تھے کہ بیل گاڑی، ہل، چھوٹے اوزار اور جانور خاموش اوزار ہیں جبکہ بولتے ہوئے اوزار غلام ہیں جب ایک آدمی غلام بنتا تو اس کا نام ختم ہو جاتا، اسے ایک عرف دیا جاتا۔ غلام دار غلاموں کے لیے کوئی رحم نہیں رکھتے تھے انہیں سخت ترین مشقت دی جاتی۔ فصلوں کی بوائی اور کٹائی کے زمانے میں غلام دن میں اٹھارہ گھنٹے کام کرتے تھے۔ غلام آٹے کی چکیاں پیتے لیکن بھوکا غلام خشک آٹے کی ایک مٹھی بھی منہ میں نہیں ڈال سکتا تھا، غلام کو سال میں ایک صدری پہننے کے لیے دی جاتی، سال کے خاتمے تک یہ صدری پھٹ جاتی لیکن اس کے چیتھڑے بھی غلام کی ملکیت نہیں ہوتے تھے ان ٹکڑوں کے لحاف بنائے

جاتے تھے چند سالوں کی غلامی کے بعد ایک نوجوان بے کار ہو جاتا، جو غلام کام نہ کر سکتے انہیں صحرائی جزیرے میں منتقل کر دیا جاتا جہاں وہ بھوک سے مر جاتے، غلام داران کی جگہ منڈیوں سے نئے غلام خرید لاتے۔

تماشاگر:

رومن کسی پھرتیلے اور مضبوط غلام کو ہتھیار کا استعمال سکھاتے اور انہیں ایک دوسرے سے لڑائی کے لیے کہتے ان غلاموں کو (Gladiators) تماشاگر کہتے۔ موجودہ دور کی سرکسوں کی طرح غلاموں کی لڑائی دکھانے کے لیے بھی تماشا گاہ کے وسط میں ریت کا ایک اکھاڑہ ہوتا اور اس اکھاڑے کے گرد تماشائیوں کے بیٹھنے کے لیے جگہ ہوتی، اٹلی کے تمام بڑے شہروں اور صوبوں میں بڑی بڑی تماشا گاہیں تعمیر تھیں۔ چھٹی کے روز یہاں دنگل ہوتے اور کئی آدمیوں کے درمیان بیک وقت گروپوں کی صورت میں لڑائی کے مقابلے ہوتے ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے بڑی تعداد میں لوگ آتے۔ وہ تماشاگر جو بہت بہادری اور پھرتی سے لڑنے میں ناکام رہتے انہیں کوڑے لگائے جاتے۔ ان تماشاگروں کی کارکردگی کا تعین وہ تماشائی کرتے ان کے متعلق جو زندہ بچ گئے ہوتے، اگر تماشائی ہاتھ اٹھا دیتے تو اس کا مطلب تھا کہ انہیں زندہ رہنے کی اجازت دے دی گئی ہے اگر تماشائی اپنے انگوٹھے نیچے کر دیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ فاتح کو اجازت مل گئی ہے کہ وہ ہارنے والے کو قتل کر دے۔ ان تماشاگروں کے شیر اور چیتوں سے بھی مقابلے کروائے جاتے۔

آقا اور غلام:

غلاموں کے بھاگ نکلنے کے امکان کو ختم کرنے کے لیے انہیں قید خانوں میں بند کر دیا جاتا اور ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی رکھی جاتی، بہت سارے غلام بھاری زنجیروں میں کام کرتے اور اسی میں ہی سوتے، جس سے ان کے جسموں پر گہرے نشان پڑ جاتے۔ یہاں تک کہ غلام کے چہرے پر غلام دار کی مہر لگائی جاتی۔ نگران، غلاموں کی کڑی نگرانی کرتے اس خطرے کے پیش نظر کہ کر غلام کہیں کوئی سازش ہی نہ تیار کر لیں وہ ان کے بولنے پر پابندی لگا دیتے، غلام کو کام کرتا ہوتا یا پھر سونا۔ غلام داروں کی کوشش ہوتی کہ وہ مختلف ممالک سے غلام خریدیں۔ تا کہ وہ ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھ سکیں۔ رومن غلام داروں کے خیال کے مطابق ان کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا ''ماسوائے خوف کے ذریعے سے'' غلام کو خوف زدہ رکھنے کے لیے انہیں اذیت پہنچائی جاتی۔ کوڑے مارے جاتے انہیں جلایا جاتا۔ ایک غلطی پر غلام کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے جاتے اور اسے دھوپ میں پھینک دیا جاتا، چنانچہ غلام اس طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر خوف

ناک موت مرتا۔ غلام اپنے آقا سے شدید نفرت کرتے اور ان کے خلاف زبردست جنگیں کرتے۔ دنیا میں اس وقت کہیں بھی اتنی تعداد میں غلام نہیں تھے اور نہ ہی اتنے ظالمانہ سلوک کے تحت غلام تھے جتنے کہ قدیم روم میں۔ غلام داری نظام نے روم میں اپنی ترقی کی حدوں کو چھولیا۔

کسانوں کی بدحالی:

کئی ملکوں اور شہروں رومی فتوحات سے لاتعداد غلام روم لائے گئے جس سے غلام دار بے انتہا دولت مند ہو گئے جبکہ کسان برباد ہو گئے غلام محنت کے ذریعے اراضی کاشت کرتا اور غلام کی محنت زیادہ مہنگی نہیں تھی۔ علاوہ اس کے رومی مقبوضات سے سستا اور زیادہ مقدار میں اناج ساتھ لایا جاتا۔ اس لئے اناج کی قیمتیں گر گئی۔ کسان جو صرف اناج ہی پیدا کرتے تھے وہ اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ اپنی زمینیں غلام دار کے پاس فروخت کر دیں۔ اس دور کی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح وہ علاقے آبادی سے خالی ہو گئے، غلام ان جگہوں پر کاشت کرنے لگے اور وہاں مویشی چرانے لگے، جہاں کے دیہات خالی ہوئے تھے تباہ شدہ کسان روم یا دیگر علاقوں میں چلے گئے۔ تاکہ زندہ رہنے کے لئے ذریعہ معاش پیدا کر سکیں ہزاروں کسان شہروں میں اکٹھے ہو گئے ان کے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں تھا کیونکہ سارے کام غلام کرتے تھے۔ فوجوں کی تعداد میں کمی واقع ہونے لگی اور روم کی فوج کمزور پڑنے لگی۔ اس کے لیے 138 ق م میں سسلی میں غلاموں کی بغاوت کو کچلنا مشکل ہو گیا۔ اس بغاوت سے پورے اٹلی میں غلام داروں میں خوف وہراس پھیل گیا کچھ غلام داروں نے تو تسلیم کیا کہ کسانوں کی بربادی اور غلاموں کی بڑھتی ہوئی تعداد کتنی خطرناک صورتحال ہے یہ بات برادران گراچی ٹائبیرس اور گالیس کی سمجھ میں بھی آئی جن کا تعلق ادنیٰ طبقے کے امرا خاندان سے تھا ان کا بڑا بھائی ٹائبیرس روم میں اپنی ذہانت بہادری اور دیانت داری کی وجہ سے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عوامی اسمبلی نے اسے 133 ق م میں ٹرائیبون منتخب کرلیا۔ ٹائبیرس نے ایک قانون بنایا جس کے مطابق ایک خاندان مشترکہ زمین میں سے 250 ہیکٹر سے زیادہ زمین نہیں رکھ سکتا۔ باقی ماندہ زمین ان سے حاصل کر کے غریبوں میں تقسیم کر دی۔ اس پابندی کے ساتھ کہ وہ اسے فروخت نہیں کر سکتے ٹائبیرس نے اپنی تجاویز کے ساتھ لوگوں سے خطاب کیا، اس نے فورم میں بڑے مجمع کے سامنے نہایت شاندار اور مدلل تقریر کے ذریعے لوگوں تک اپنی بات پہنچائی۔ لوگوں نے اپنے ٹرائیبون کی حمایت کی۔ مکانوں کی دیواریں ستون اور یہاں تک کہ مقبروں کے پتھروں پہ بھی لوگوں نے لکھ دیا تھا کہ جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ وہ یقین محکم کے ساتھ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنائے ٹائبیرس کے اراضی قوانین کی اسمبلی نے منظوری دے دی۔ سینٹ جس میں دولت مند امرا تھے وہ ان قوانین پر ناراض ہوئے لیکن وہ خوف زدہ تھے کہ کہیں ان کی مخالفت میں عوامی سیلاب نہ اٹھ کھڑا ہو۔

ٹائبیرس کی قیادت میں ایک کمیشن قائم کیا گیا جس نے لوگوں سے فالتو زمین حاصل کرنا شروع کر دیا اور اسے غریبوں کے حوالے کیا۔ جب اگلے سال عوامی اسمبلی کا اجلاس ہوا کہ اگلے سال کے لیے ٹرائیبون کا انتخاب کیا جائے تو ٹائبیرس کے دشمنوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ وہ بادشاہ بننا چاہتا ہے انہوں نے ایک شور کا طوفان اٹھا دیا کہ وہ ایک بھی لفظ نہ کہہ سکے۔ اس وقت سینٹ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ جو فورم سے زیادہ دور نہیں تھی، سینٹروں نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اس قابل نفرت لڑائیوں سے نپٹ لیا جائے بزرگ سینٹر اجلاس سے نکل کر فورم کی طرف بھاگے، سینٹروں نے بیٹھنے والے بنچ کی لکڑی سے نہتے ٹائبیرس کو ہلاک کر دیا۔ اس کے تین سو ساتھی بھی ہلاک کر دیئے گئے ان کی لاشوں کو دریائے ٹائبیر میں پھینک دیا گیا جس طرح یہاں مجرموں کی لاشیں پھینکی جاتی تھیں اراضی کی تقسیم بند ہو گئی۔ گائیس گراچس نے اپنے بھائی کے مشن کو جاری رکھنے کا ارادہ کیا وہ 123 ق م میں عوام کی طرف سے ٹرائیبون منتخب کر لیا گیا اور زمین کی تقسیم کا عمل شروع ہو گیا گراچی کی سرگرمیوں سے کوئی ہزار غریب لوگوں کو زمینیں ملیں۔ گراچی اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کوئی انصاف نہیں ہے کہ چند امرا روم پر حکومت کریں۔ اس نے ارادہ کیا کہ سینٹ کے اختیارات کو محدود کیا جائے اور غریبوں کے لیے راہ ہموار کی جائے کہ وہ بھی اقتدار میں شرکت کر سکیں۔ سینٹ کے خلاف جدوجہد کے لیے اس نے روم کے تمام غریب شہریوں کو متحد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھ اس نے اٹلی کے لوگوں کو بھی ساتھ ملانے کی پیشکش کی، لیکن آبادی کے ایک حصے نے اس کی مدد کی۔ سینٹ نے گراچی پر الزام لگایا کہ وہ اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اس مدت تک کے لیے جس کے لیے گراچی کو منتخب کیا گیا تھا وہ ختم ہو گئی مسلح غلام داروں اور فوجیوں نے گراچی پر حملہ کیا۔ گراچی کے سر کے لیے سینٹ نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اتنے وزن کا سونا دیا جائے گا۔ روم کی گلیوں میں ایک حقیقی جنگ شروع ہو گئی۔ اس لڑائی میں گراچی اور اس کے تین ہزار حامی جو سینٹ کے خلاف اس کی جدوجہد میں، اس کے ساتھ تھے، ہلاک کر دیئے گئے، زمینوں کی تقسیم کا عمل ایک بار پھر رک گیا۔ کسانوں کی بربادی اور غلام داروں کی طرف سے ان کی زمینیں خریدتے جانے کا عمل جاری ہو گیا۔ روم پر دباؤ بڑھ گیا کہ وہ بے زمین کسانوں کو فوج میں بھرتی کرے تا کہ اس کی کمزور قوت میں اضافہ کیا جا سکے غریب اور مفلس لوگ فاقہ کشی سے تنگ آ کر تنخواہ کے لیے فوج میں شامل ہونے کے لیے تیار تھے، دوسری صدی کے آخر پہلی صدی کے شروع میں روم کی فوج ایک بار پھر مضبوط اور طاقتور ہو گئی لیکن اس کا سماجی ڈھانچہ تبدیل ہو گیا۔ اب فوج ان افراد پر مشتمل تھی جو اپنی خدمات، معاوضہ کے لیے فروخت کرتے۔۔۔ گراچی ان غلاموں کے متعلق برہم تھا جو فوجی خدمات کے لئے ناموزوں تھے اور جو ہمیشہ اپنے آقاؤں سے غیر وفادار تھے اس نے یاد کروایا کہ کس طرح سسلی میں آقاؤں کو نقصان برداشت کرنا پڑا، رومنوں کے لیے غلاموں پر قابو پانا کتنا طویل اور مشکل کام تھا اور وہ جدوجہد کتنی خطرناک تھی۔۔۔ پلوٹارچ لکھتا

ہے'' ٹائیبرس ایک مضبوط اور پرعزم انسان تھا جب وہ لوگوں سے خطاب کرتا تو وہ اس کے اردگرد کھڑے ہوتے، جنگلی جانور پورے اٹلی میں شکار کر رہے ہیں اور ان کے اڈے اور پناہ گاہیں ہیں وہ رات بسر کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جو اٹلی کے لیے لڑتے اور مرتے ہیں ان کے پاس کچھ بھی نہیں سوائے ہوا اور روشنی کے وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خانہ بدوشوں کی طرح مارے مارے پھر رہے ہیں، جنگجو دوسروں کے لیے دولت اور عیاشی کے لیے لڑتے ہیں اور جان دیتے ہیں انہیں پوری دنیا کا آقا کہا جاتا ہے ابھی تک ان کے پاس ایک بھی قطعہ اراضی نہیں ہے۔

سپارٹکس کی قیادت میں غلاموں کی بغاوت:

پہلی صدی ق م میں غلاموں کی مسلسل بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی مخدوش حالت کی وجہ سے غلام داروں کے خلاف غلاموں کی بغاوت ہوئی۔ کالوا کے شہر میں کئی ایک بازیگری سکھانے کے لیے سکول تھے۔ 74 ق م میں ان بازیگروں نے ایک بغاوت کی سازش کی۔ سکول کے قید خانے کی عمارت جہاں بازیگر رہتے تھے اس کا محافظ سازش کا بانی تھا، اس سازش میں ملوث چند درجن ارکان بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے انہوں نے ماؤنٹ ویسیوائیس کی چوٹیوں پر پناہ حاصل کرلی، ان بھاگنے والوں نے سپارٹکس کو اپنا لیڈر منتخب کرلیا، وہ ایک مضبوط، باصلاحیت اور زبردست قوت ارادی کا مالک تھا، اس کا تعلق جزیرہ نمائے بلقان سے تھا اسے رومیوں نے قیدی بنایا تھا، بھاگ جانے کی ایک کوشش کے جرم میں بطور سزا، اسے تماشا گر بنا دیا گیا تھا۔ پہلے پہل تو باغی چند ایک تیز دھار لاٹھیوں اور گھریلو چاقو سے مسلح تھے ان بہادر افراد نے تجارتی قافلوں اور امراء کی جاگیروں پر حملے کئے۔ انہوں نے اپنے دشمنوں سے اسلحہ چھینا اور نواحی علاقے کے غلاموں نے بھی ان کے ساتھ شامل ہونا شروع کر دیا، رومنوں کی تین ہزار فوج نے غلاموں کی پناہ گاہ کا محاصرہ کرلیا، رومنوں نے اس واحد راستے کو جو پہاڑی کی چوٹی کو زمینی راستے سے ملاتا تھا اسے کاٹ دیا، ان کا خیال تھا کہ بھوک غلاموں کا ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گی۔ غلاموں نے پہاڑ کی ایک چٹان سے اسی سے بنائی ہوئی سیڑھی نیچے پھینکی، رومنوں کا خیال تھا کہ ان پر حملہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اسے ناممکن قرار دیتے انہوں نے رات کو کسی محافظ کو بھی کھڑا نہیں کیا۔ اس طرح باغیوں نے رات کو حملہ کر کے رومنوں کی فوج کو تباہ کر دیا۔

آزادی کی طرف راستہ:

پورے ملک میں غلاموں کی کامیابی کی خبریں پھیل گئیں۔ وہ غلام جو اپنے حالات سے تنگ تھے، انہیں موقع مل گیا اور وہ بھاگ کر پورے اٹلی سے سپارٹکس کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اب ان کی تعداد

ہزاروں میں پہنچ چکی تھی۔ وہ مختلف زبانیں بولتے تھے اور ایک دوسرے کو نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ لیکن وہ مقصد کو سمجھتے تھے سپارٹکس نے سخت نظم وضبط نافذ کیا اس نے ایک ہراول دستہ منظم کیا، گھوڑ سوار دستہ اور ایک دیکھ بھال کرنے والا دستہ جس طرح کہ رومنوں کا تھا۔ لوہاروں نے باغیوں کے کیمپوں میں دن رات ہتھیار تیار کرنے شروع کر دیئے، سپارٹکس اپنی افواج کو شمال کی طرف لے گیا، بظاہر وہ غلاموں کو اٹلی سے باہر لے جانا چاہتا تھا تا کہ وہ اپنے آبائی علاقوں میں جا سکیں، سینٹ کو احساس ہوا کہ غلاموں سے کس قدر خطرہ درپیش ہے انہوں نے دونوں کونسلوں کی کمان میں افواج کو غلام کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے روانہ کیا، کونسل غلاموں کا قتل عام کرنا چاہتے تھے جنہوں نے سپارٹکس کو چھوڑ دیا تھا وہ غلاموں کی فوج کو گھیرے میں لیکر تباہ کر دینا چاہتے تھے لیکن سپارٹکس نے کونسل کے منصوبوں کو ناکام کر دیا اور اس نے رومی افواج کو یکے بعد دیگر شکست دے دی۔ وہ اٹلی سے لڑتے ہوئے راستہ بناتے گئے اور دریائے پو کی وادی میں پہنچ گئے اچانک سپارٹکس واپس مڑ گیا کئی ایک غلاموں نے اٹلی چھوڑنے سے انکار کر دیا، جب رومنوں نے سنا کہ باغی واپس آ رہے ہیں تو وہ خوفزدہ ہو گئے انہوں نے نہایت عجلت میں ایک بڑی فوج تیار کی، کئی ایک غلام دار تو بذات خود غلاموں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک دولت مند مارکوس لائینس کراسس کو فوجوں کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ علاوہ اس کے سینٹ نے سپین سے افواج واپس بلا لیں اور جزیرہ نمائے بلقان سے بھی تا کہ بہتر طور پر غلاموں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ سپارٹکس نے دیکھا کہ اس کے پاس کافی فوج نہیں ہے کہ وہ روم کا محاصرہ کر سکے۔ وہ اپنی فوج کو جنوبی اٹلی کی طرف لے گیا۔ کراسس نے راستے کی ناکہ بندی کر لی لیکن باغیوں نے اس دستے کو شکست دے دی۔ رومی فوجی باغیوں سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ روم کی پوری فوج ان سے مقابلے کے لیے آ گئی۔ کراسس نے سخت نظم و ضبط نافذ کیا کیونکہ باغیوں سے خوفزدہ ہو کر رومی فوجی بھاگ جاتے تھے اس نے باغیوں سے مقابلے کے دوران بھاگ جانے والے اپنے فوج کے ہر دسویں آدمی کو پھانسی دے دی۔ سپارٹکس اٹلی سے سسلی پہنچا، جہاں اس نے ایک اور بغاوت کا منصوبہ بنایا لیکن باغیوں کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں کراسس میں اتنی جرات نہ تھی کہ وہ سپارٹکس کی فوج پر حملہ کرے، اس نے ایک تنگ آبنائے جو یہاں سے گزرنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا رومنوں نے ایک گہری خندق کھود دی اور آبنائے کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک ایک مٹی کی دیوار کھڑی کر دی، باغی گھیرے میں آ چکے تھے اور ان میں بھوک پھیلنے لگی۔۔۔

باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے سپارٹکس نے کہا کہ بھوک سے مرنے کی بجائے دشمن سے جنگ کرتے ہوئے مارا جانا بہتر ہے، سردیوں کی ایک طوفانی رات کو وہ دشمن کی ناکہ بندی توڑنے کے لیے حملہ آور ہوا، ایک بار پھر سپارٹکس کی فوج کے ایک حصے نے اس چھوڑ دیا۔ کراسس نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ سپارٹکس کی بغاوت کو کچلنے کے لیے جزیرہ نما بلقان کے کئی حصوں سے افواج واپس آ رہی

تھیں۔ اس درمیان سپارٹکس نے کراسیس پر حملہ کر دیا تا کہ اس کے ساتھ مدد گار افواج شامل نہ ہو سکیں۔۔۔ باغیوں اور رومنوں کے درمیان آخری لڑائی 71 ق م میں لڑی گئی سپارٹکس نے کوشش کی کہ کراسیس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دے تا کہ رومنوں کو ان کے لیڈر سے محروم کیا جا سکے۔ سپارٹکس کے بھرپور حملے میں رومیوں کے کئی ایک کمانڈر ہلاک ہوگئے۔ لیکن اس کی بھی ٹانگ پر زخم آئے۔ زخمی سپارٹکس ایک گھٹنے پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا۔ رومن اسے زندہ گرفتار کرنے میں ناکام رہے۔ سپارٹکس میدان میں جنگ میں اتنا شدید زخمی اور جسمانی قطع و برید کا شکار ہو گیا کہ اس کے جسم کا پتہ نہ چل سکا۔۔۔ رومنوں کے اپنے خیال کے مطابق باغیوں نے آخری لڑائی میں بڑی جواں مردی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن وہ تعداد میں بہت کم رہ گئے تھے۔ باغیوں کی فوج کو شکست ہوئی اور باقیماندہ منتشر ہوگئی۔ پامپی کے دستے جو ہسپین سے اس کی قیادت میں بغاوت کچلنے کے لیے آئے تھے انہوں نے شکست خوردہ اور نڈھال غلاموں کا قتل عام شروع کر دیا روم کی غلام دارانہ ریاست نے اپنے بنیادی مقاصد حاصل کر لیے۔ انہیں غلاموں کی بغاوت کچلنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا قدیم دور کی ایک غیر مفاہمانہ جدوجہد کو غلام اور غلام داروں کے درمیان ہوئی اس کی انتہائی شکل بڑی پرتشدد تھی اور اس میں غلاموں کی اکثریت نے حصہ لیا، یہ غلام داری سماج کا نقطہ عروج تھا۔

روم میں جمہوریہ کا زوال:

رومی افواج نے مختلف جنگی معرکوں میں زبردست کامیابیاں حاصل کیں تھیں اور فوج کا زیادہ تر حصہ ان فوجیوں پر مشتمل تھا جو تنخواہ دار تھے اس سے فوج کے کمانڈروں کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوا، سینٹ نے تجربہ کار کمانڈروں سے کہا کہ وہ جنگوں کے لیے فوج بھرتی کریں جنگجو تنخواہ حاصل کرنے کے علاوہ مال غنیمت سے بھی حصہ وصول کرتے تھے۔ فوجی صرف اپنے کمانڈروں کا حکم مانتے تھے، خواہ وہ کسی سے بھی لڑنے کے لیے کہیں۔ بہت سارے غلام داروں کو امید تھی کہ غلاموں کی بغاوتوں کو کچلنے کے لیے ایک تجربہ کار اور باصلاحیت کمانڈر کی ضرورت ہے۔ جو کونسل اور سینٹ کی نسبت بہتر طور پر کام کر سکے۔ وہ کسی طاقتور شخص کو روم کا کاروبار سلطنت سونپنا چاہتے تھے "Pompey" پومپی اس مقصد کے لیے مناسب آدمی نظر آتا تھا۔ اس نے جنگوں میں شہرت حاصل کی تھی اور 71 ق م میں اس نے بڑے بے رحمانہ انداز میں غلاموں کی بغاوت کو کچلا تھا۔ جیولیس سیزر بھی روم پر اقتدار حاصل کرنے کا خواہشمند تھا اس نے جوانی میں ہی اقتدار کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے تھے یہ روم کے غریبوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے تو وہ مطالبہ کر رہا تھا کہ غریبوں میں روٹی مفت تقسیم کی جائے اور بازی گری کے مقابلے میں ان کو بھی شرکت بطور تماشائی، موقع دیا جائے سیزر 58

ق م کونسل منتخب ہوااور اسے گالز کا گورنر نامزد کر دیا گیا۔

گال کی فتح:

گالز دریائے پو کی وادی میں رہتے تھے۔ اس علاقے کو آج کل فرانس کہتے ہیں۔ گالز کئی قبائل میں منقسم تھے اور آپس میں لڑتے رہتے تھے اس دوران سیزر کو گورنر نامزد کر دیا۔ روم کے پاس دریا پو کی وہ وادی جس میں بحیرہ روم کے ساحل تھے سیزر نے گالز کے خلاف جنگ کا آغاز کیا تا کہ ان کی تمام سرزمین پر قبضہ کیا جا سکے، گال میں جنگیں آٹھ سال تک جاری رہیں، سیزر نے اپنے آپ کو ایک باصلاحیت فوجی لیڈر اور انتھک جنگجو ثابت کیا۔ اس نے گال کے امرا کے ایک خاص حصے کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ وہ سکاؤٹوں اور گائیڈ کے طور پر اس جنگلاتی اور دلدلی علاقوں میں سیزر کی مدد کرتے تھے، گالز بڑی بہادری سے لڑتے، لیکن ان کے منتشر جتھے رومنوں کی زبردست طاقتور اور نظم وضبط کی پابند فوج کے سامنے نہ ٹھہر سکے رومنوں نے سارے ملک پر قبضہ کر لیا اور ہزاروں قیدیوں کو بطور غلام فروخت کر دیا۔ جنگوں سے حاصل مال غنیمت سے سیزر اس قابل ہو گیا کہ اس نے اپنے فوجیوں کی تنخواہیں بڑھائیں۔ اس نے انہیں زمین دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اس کے نام پر جشن منائے گئے اور روم میں غریبوں میں مفت روٹی تقسیم کی گئی۔

اقتدار کے لیے رومن جنگیں:

گال کی فتح کے بعد سیزر کے پاس وفادار فوجی تھے۔ اس کی شہرت ایک باصلاحیت کمانڈر کی تھی اور اس کے پاس بے پناہ دولت تھی، 49 ق م میں سیزر اپنی فوجوں کے ساتھ روم کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ سینٹ کے پاس بڑی تعداد میں فوجی تھے لیکن وہ مختلف صوبوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ سینٹ نے پومپی کو فوج کی قیادت سونپ دی۔ سیزر نے اتنی تیزی سے روم کی طرف پیش قدمی کی کہ پومپی کو فوج منظم کرنے کا موقع بھی نہ ملا وہ اور عجلت میں بھاگ کر جزیرہ نما بلقان پہنچ گیا۔ کچھ غلام دار اور غریب سیزر کی طرف ہو گئے، رومن غریبوں کا خیال تھا کہ وہ ان کے حالات زندگی میں بہتری لائے گا۔ تقریباً کوئی مزاحمت نہ ہوئی، سیزر کے فوجیوں نے سارے روم اور پھر اٹلی پر اقتدار قائم کر لیا۔ پومپی جزیرہ نما بلقان میں ایک بڑی فوج اکٹھی کرنے میں کامیاب ہوا، سیزر کی فوج نے بلقان میں جا کر اس کی فوج کو نیست و نابود کر دیا باقی ماندہ فوجیوں نے ہتھیار پھینک دیئے پومپی بھاگ نکالیکن مارا گیا۔ سیزر کو اپنے دشمنوں کے ساتھ آئندہ تین سال تک ایشیا، افریقہ اور سپین میں لڑنا پڑا۔ سیزر کے حامیوں اور پومپی کے طرفداروں کے درمیان جو مسلح جنگ ہوئی اسے روم کی خانہ جنگی بھی کہتے ہیں۔

سیزر روم کا حکمران:

سیزر خانہ جنگی میں کامیابی کے بعد واپس روم آیا اس کے پاس لامحدود اختیارات تھے، سینٹ اور کونسل اس کے تمام احکامات کی تعمیر کرتے، سیزر نے اپنے آپ بادشاہ قرار دیا جس کا مطلب تھا حکمران (Empror) سیزر نے ہر لقب عارضی طور پر لیا تھا کہ یہ مستقل حیثیت اختیار کر گیا، یہ عظیم حکمران بادشاہ بن گیا۔ اس کی تصاویر سکے پر کندہ کی گئیں اس نے اپنے جنگجوؤں کو مراعات سے نوازا لیکن غریبوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے غریبوں میں تقسیم کی جانے والی روٹی کی مقدار میں کمی کر کے نصف کر دی۔ سیزر کی موت کے متعلق یوں ہے کہ بہت سے سینٹر سیزر سے ناخوش تھے کہ سیزر کا اقتدار شاہانہ تھا۔ انہوں نے اشرافیہ اقتدار قائم کرنے کی نیت کی اور یہ کہ وہ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے تھے سینٹروں نے ایک سازش تیار کی جس کا سرغنہ بروٹس تھا جو ایک دولتمند غلام دار تھا اسے سیزر کا دوست سمجھا جاتا تھا 44 ق م میں سینٹ کے اجلاس کے دوران سازشیوں نے سیزر کو گھیر لیا۔ انہوں نے چھپائے ہوئے خنجر نکالے اور سیزر پر خنجروں کے 23 وار کئے جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگیا، سیزر کی رومن میں بادشاہت قائم کرنے کی کوشش ناکام ہوئی لیکن اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ روم کی جمہوریت کتنی کمزور ہے۔۔۔ سیزر کی سوانح عمری میں پلوٹارچ رقمطراز ہے کہ 49 ق م میں سیزر اپنی فوج کے ساتھ روبیکن دریا تک پہنچا، جو دریا گال کی جنوبی سرحد کے قریب بہتا تھا۔ فوج کے ساتھ سرحدیں عبور کرنے کا مطلب جمہوریہ کے خلاف بغاوت تھی، سیزر کو جنگ جیت کر اقتدار پر قبضہ کرنا تھا یا پھر شکست کی صورت میں پھانسی کی سزا۔ ''اپنی گاڑی کو کھڑا کرتے ہوئے اس نے اپنے منصوبے پر طویل غور وفکر کیا اور یکے بعد دیگرے کئی ایک فیصلے کئے، آخر کار اپنے شکوک وشبہات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے بہادرانہ انداز میں کہا زندگی داؤ پر لگائی جائے گی اور دریا عبور کرلیا۔''

آگسٹس اوکٹاوین:

وہ منصوبہ ساز جنہوں نے سیزر کو ہلاک کیا تھا انہیں روم کی [illegible] سے کوئی [illegible]یت نہ مل سکی۔ کچھ لوگ جمہوریہ کا دفاع کرنا چاہتے تھے جس کے مطابق اقتدار میں چند [illegible] شریک ہوا کرتے تھے۔ سیزر کے افسران سازشیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے جو مشرق کی طرف بڑھ چکے تھے جمہوریت پسندوں نے ایک وسیع فوج مقدونیہ میں اکٹھی کی اور اٹلی کی طرف بڑھنے [illegible] کرنے لگے ایک بار پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی سیزر کے حامیوں نے ایک نیا لیڈر منتخب کرلیا جو سیزر کا سابقہ ساتھی تھا۔ مارک [illegible] اور ایک نوجوان اوکٹاوین۔ طویل القامت اور مضبوط مارک ایک تجربہ کار جنگجو تھا اور نحیف [illegible] اوکٹاوین

نہ تو ایک فوجی کمانڈر کی قابلیت رکھتا تھا اور نہ ہی وہ تجربہ کار تھا لیکن وہ مکار اور محتاط تھا جو یہ جانتا تھا کہ کس طرح اپنے نائبوں کا انتخاب کیا جاتا ہے انتھونی اور اوکتاوین ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے تھے لیکن جمہوریاؤں سے لڑنے کے لیے اکٹھے تھے وہ اپنے فوجیوں کو روم میں لے گئے اور ہزاروں افراد کو قتل کر دیا اور ان کی جائیدادوں پر قبضہ کرلیا۔ تب اوکتاوین اور مارک بحری راستے کے ذریعے مقدونیہ پہنچے۔ فیلپی شہر کے قریب ایک لڑائی میں ان کے فوجیوں نے جمہوریت پسندوں کو شکست دی، بروٹس نے اپنی ہی تلوار سے خودکشی کرلی،۔۔۔انتھونی اور اکتاوین رومن سلطنت کے مختلف حصوں میں حکومت کرتے تھے انتھونی کی حکومت مشرقی حصے میں تھی وہ مصری دارالحکومت سکندریہ میں رہتا تھا، اکتاوین روم میں رہ کر مغربی حصوں پر حکومت کرتا تھا دونوں ایک دوسرے کے خلاف جنگ کے لیے تیار تھے۔ 31 ق م میں انتھونی نے ایکٹیم میں بحریہ تیار کی۔ یہیں اس کا اوکتاوین کی بحریہ سے تصادم ہوگیا، یہاں انتھونی کو شکست ہوئی اور وہ اپنی فوج چھوڑ کر سکندریہ آگیا۔ اس کی فوج نے کمانڈروں کی عدم موجودگی میں ہتھیار ڈال دیئے 30 ق م میں اکتاوین کے فوجی دستے سکندریہ پہنچے، انتھونی نے خود کو ہلاک کرلیا اور مصر، روم کا حصہ بن گیا۔

اکتاوین کا اقتدار:

انتھونی پر فتح حاصل کرنے کے بعد اوکتاوین نے فوج پر کمان حاصل کرلی اور بادشاہ (Empreor) کا خطاب اختیار کیا (حالت جنگ میں رومی کمانڈر کو ایمپرر کہا جاتا تھا) رومی ریاست جمہوریہ ریاست کہلاتی رہی، روم میں سینٹ کا اجلاس ہوا اور اسمبلی ہر سال کونسل اور اعلیٰ عہدیداروں کا انتخاب کرتی لیکن فوج پر انحصار کرتے ہوئے اوکتاوین نے ان تمام کو موم کی ناک بنائے رکھا، یہاں تک کہ اسمبلی اوکتاوین کا انتخاب عمل میں لاتی، کونسل اور ٹرائیون، اوکتاوین کے احکامات کی تعمیل کرتے، کوئی بھی رومن جو اس کے مقابلے میں انتخاب میں حصہ لیتا یا پھر اس کی مرضی کے خلاف عمل کرتا، اسے جیل میں ڈال دیا جاتا جہاں اس کی موت واقع ہو جاتی، اوکتاوین نے اپنے مخالفوں کو سینٹ سے نکال دیا اور اپنے حامیوں کو نامزد کر دیا۔ وہ سینٹ میں پہلے خود ووٹ ڈالتا بعد میں باقی سینیٹرز اس کی تقلید میں بڑی تابعداری سے ووٹ ڈالتے، انہوں نے اسے آگسٹس کا لقب دیا۔ جس کا مطلب ہوتا ہے مقدس۔ اوکتاوین نے 30 ق م سے 14 عیسوی تک حکومت کی۔ پرتشدد انداز سے روم پر اس نے اپنے اقتدار کی گرفت قائم کرتے ہوئے، حکومت کی آگسٹس ساری عمر سازشوں سے خوف زدہ رہا، سینٹ میں وہ زرہ بکتر کپڑوں کے نیچے پہن کر رکھتا اور اسے اس کے وفادار ساتھی گھیرے میں لئے رکھتے۔

رومی بادشاہت اوراس کی غلام دارانہ خصوصیات:

وہ نظام جن کی بنیاد آگسٹس نے رکھی تھی اس کی موت کے بعد بھی برقرار رہا۔ روم پران لوگوں کی حکومت تھی جنہوں نے بروز شمشیر اقتدار پر قبضہ کیا تھا یا نسلاً ان تک منتقل ہوا تھا۔ "Empror" لفظ کو نئے معنی حاصل ہوئے رومن سلطنت کے حکمرانوں کو شہنشاہ کہا جاتا تھا، اگرچہ جمہوری عہدے ابھی تک موجود تھے دراصل جمہوریہ مطلق العنانیت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ رومن مطلق العنانیت کو شہنشاہیت کہا جانے لگا فردواحد کی حکومت کے نفاذ سے روم میں غلام داری نظام مضبوط ہوا اوراس کے صوبوں میں بھی اسے تقویت حاصل ہوئی۔ اوکتاوین نے بڑے فخر کے ساتھ لکھا کہ اس نے بھاگے ہوئے غلاموں کو تیس ہزار کی تعداد میں پکڑا اور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا اگر کوئی غلام اپنے آقا کو قتل کر دیتا تو قانون کے مطابق وہ تمام غلام جو اس کے گھر میں ہوتے، انہیں قتل کر دیا جاتا ایک موقع پر چار سو غلام ایک ہی دفعہ قتل کر دیئے گئے روم کے علاوہ اس کی نوآبادیوں اور مقبوضات میں، غلام داروں نے بادشاہ کے اقتدار کو مضبوط کیا۔

سلطنت روم کی آخری فتح:

(116-115) بادشاہ ٹراجان (Trojan) کے فوجیوں نے میسوپوٹیمیا پر قبضہ کرلیا۔ روم کے فوجی دستے مشرق میں اتنی دور تک پہلے کبھی نہیں آئے تھے لیکن محکوم بناتے ہوئے علاقوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ ٹراجان نے پیش قدمی روک دی اور اپنے فوجی باغیوں کو کچلنے کے لئے روانہ کر دیئے ٹراجان کی فوجی مہمات روم کی آخری فتوحات تھیں وہ ایک تجربہ کار اور انتھک لیڈر تھا سلطنت میں بغاوتوں کو کچلنے اور اپنی سرحدوں کے دفاع کے لیے زیادہ فوجیوں کی ضرورت تھی۔ ٹراجان کی تمام فتوحات اس کے قبضے سے جاتی رہیں۔ کیونکہ وہاں قبضہ برقرار رکھنے کے لیے مناسب تعداد میں فوجی نہیں تھے۔

''آگسٹس کے کارخیر'':

''ایک بار پھر میں نے 400 چاندی کے سکے ایک شخص کو بطور تحفہ دیئے جب میں دسویں بار کونسل منتخب ہوا اور میری گیارویں کونسل کے دوران، میں نے 12 مرتبہ اپنی رقم سے کھانا تقسیم کروایا جب بارھویں مرتبہ ٹرائیبون بنا، میں نے ایک شخص کو تیسری مرتبہ 400 چاندی کے سکے دیئے، جب میں اٹھارویں مرتبہ ٹرائیبون بنا اور 12 ویں مرتبہ کونسل، میں نے 32 ہزار شہری غریبوں کو 240 سکے فی کس کے حساب سے دیئے۔ میں نے ایک ہزار سکہ فی کس اپنے فوجیوں کو مال غنیمت سے دیئے۔ جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، میری 13 ویں مدت کونسل میں میں نے دولاکھ افراد کو 240 چاندی کے سکے فی کس دیئے

جو زمین میں نے اپنی فوجیوں کو دیں، اس کی قیمت 86 کروڑ سکے تھی، جو میں نے ادا کی۔"

رومن ثقافت:

قدیم یونان کی ترقی یافتہ ثقافت نے رومنوں کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ رومنوں نے یونانی زبان میں مہارت حاصل کی اور اٹلی کے جنوب میں واقع یونانی نو آبادیوں سے سائنس اور آرٹ سیکھا، انہوں نے یونانی حروف ابجد کی بنیاد پر لاطینی حروف ابجد ترتیب دیئے۔ جب رومنوں نے یونان فتح کر لیا تو۔۔۔ ثقافت کے گہرے اثرات ان پر مرتب ہوئے، ایک رومن شاعر نے لکھا "یونانیوں کو ان کے جنگی فاتحین نے قیدی بنالیا اور انہوں نے انہیں آرٹ سکھایا" رومن یونان سے مجسمے اور تصاویر لائے، امیر رومنوں کے حکم سے یونانی ماہر تعمیرات، سنگتراش اور فنکار کام کرتے، یونانیوں کی طرز پر روم میں تھیٹر قائم کئے گئے۔ امرا کے نوجوان لڑکے یونان کے قدیم سکولوں میں تعلیم حاصل کرتے، رومن اولمپئین کی پوجا کرتے تھے اگر چہ اسے مختلف نام سے پکارتے تھے۔ وہ زیوس کو جیوپیٹر کہتے تھے تاہم رومن ثقافت کی بنیاد صرف یونانی ثقافت میں نہیں تھی بلکہ اس میں ان کی اپنی بھی گراں قدر حاصلات تھیں اور انہوں نے اعلیٰ تخلیقات کیں۔

رومن ادب:

رومن ادب کے مختلف کاموں میں سے، سب سے اہم حیثیت "اشیاء کی خصلت کے بارے میں" نظم کو حاصل ہے۔ اس کا تخلیق کار لیکریشس تھا، پہلی صدی ق م کا شاعر اور عالم اس نظم میں اس نے فطرت کے سائنسی قوانین کو سامنے رکھا ہے اور انسانی تاریخ کو، جو اس وقت ایک ترقی پسند نقطہ نظر تھا۔ لیکریشس نے لکھا کہ دنیا ایٹموں پر مشتمل ہے۔ یہ ایٹم مل کر ستارے زمین اور حشرات الارض اور یہاں تک کہ روح بھی بناتے ہیں۔ اس نے روح کی لازوالیت اور قبر کے بعد زندگی کے نظریے کو مسترد کیا اس نے کہا کہ یہ انسان ہی ہیں جنہوں نے لوہے کے کام اور آگ جلانے کے فن کو سیکھا۔ چنانچہ انسان کا مرہون منت ہونا چاہیے جس نے محنت کر کے سب کچھ حاصل کیا نہ کہ دیوتا کا۔ لیکریشس نے مذہب کو ایک لگام قرار دیا جو کہ انسانی افکار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس نے قدرتی عناصر سے انسان کی لاعلمی اور خوف کو مذہب کے وجود میں آنے کی بنیاد قرار دیا۔ اس نے طوفان، زلزلوں اور نیند کے متعلق سائنسی نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی۔ لیکریشس نے اپنی تخلیقات شاعری میں تحریر کیں۔

رومن شاعری:

"The Aeneid" ''انیس نامہ'' قدیم یونان کے عظیم اور باصلاحیت شعرا، پہلی صدی ق م کے آخر اور پہلی صدی عیسوی کے شروع میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس دور کو ''سنہرا دور'' کہا جاتا ہے۔ آگسٹس نے شاعروں کو اپنی طرف کرنے کا ارادہ کیا، اس کے دوست (Maecenas) میسکینز کے دروازے شاعروں کے لئے ہمیشہ کھلے تھے، میزبان شاعروں کو گراں قیمت تحائف پیش کرتا، لفظ (Maecenas) کا مطلب، آرٹ کا سرپرست، یہیں سے نکلا ہے۔ ورجل ایک مشہور رومن شاعر تھا، اس نے نظم ''انیس نامہ'' تحریر کی، اور اس پر دس سال لگے، نظم انیس کے متعلق ہے جو شہر ٹرائے کا داستانی مدافعت کار تھا، وہ اپنے بوڑھے باپ کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر جلتے ہوئے شہر سے نکالتا ہے، کچھ غیر معمولی مہمات کے بعد وہ اٹلی میں سکونت اختیار کر لیتا ہے، انیس مردوں کی نچلی دنیا میں چلا جاتا ہے جہاں اس کے مردہ باپ کی روح اسے روم کی مستقبل کے متعلق بتاتی ہے کہ رومنوں کو ساری دنیا پر حکومت کرنا ہے، مفتوح لوگوں پر رحم اور سرکشوں کو دبانا، اس کے باپ کی روح اسے اس کی نسل کے متعلق بتاتی ہے آگسٹس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ امن لوٹائے گا اور وہ لوگ جو روم سے دور دراز رہتے ہیں ان پر بھی لرزہ طاری ہوگا۔

انیس ہومر کی نظم کا تسلسل ہے شاعر نے بڑی مہارت کے ساتھ مذہبی اعتقادات کا استعمال کیا ہے اور یونان اور روم کی قدیم کہاوتیں استعمال کی ہیں تاکہ آگسٹس کی سلطنت کی مدح سرائی ہو سکے۔ اس عہد کا ایک اور مشہور شاعر ہورمن تھا یہ گیت لکھا کرتا تھا، ورجل کی طرح اس نے بھی آگسٹس کی مدح سرائی کی، اس دور کا ایک اور عظیم شاعر اویڈ (43 ق م تا 17 عیسوی) تھا اس کی شاعری زیادہ تر عشقیہ ہے، آٹھ عیسوی میں اسے نامعلوم وجوہات کی بنیاد پر ملک بدر کر دیا گیا، اور اس نے اپنی زندگی کے آخری دن وہیں گزارے۔ لیوی (Leve) (59 ق م، 17ء) ایک مورخ تھا۔ اس نے روم کی تاریخ کے متعلق 142 کتابیں لکھیں، جس میں شہر کے عظیم ماضی کا ذکر کیا گیا ہے، اس دور کا ایک اور مفکر پلینی تھا، پہلی صدی عیسوی میں اس نے قدرتی سائنس کے موضوعات فلکیات، نباتات، حشرات الارض اور کان کنی کے موضوعات پر لکھا ہے۔ آگسٹس کے عہد میں فن تعمیرات اور اعلیٰ فنون کو نشوونما حاصل ہوئی، رومن فورم کی دوبارہ تعمیر کی گئی اور عوامی عمارتیں اور خانقاہیں تعمیر کی گئیں، آگسٹس خود کہا کرتا تھا کہ اس نے اپنے اقتدار کا آغاز اینٹوں کے شہر سے کیا اور اپنے پیچھے سنگ مرمر کا شہر چھوڑا، بلاشبہ آگسٹس کے عہد میں رومی فن تعمیرات کو نشوونما حاصل ہوئی۔

تعمیرات:

رومنوں کا شاندار طرز تعمیر اس بات کا مظہر تھا کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند اور سب

سے بڑی عالمی طاقت ہیں، رومنوں نے یونانی طرز تعمیر کی حاصلات کا بہت اچھی طرح استعمال کیا اور اس میں کئی ایک نئے عنصر ایجاد کئے، رومنوں نے کنکریٹ ایجاد کی، جس سے پتھر آپس میں نہایت مضبوطی سے جڑ جاتے ہیں اور اس سے قوس اور گنبد کی تعمیر ممکن ہوگئی، فتوحات کی یادگاریں، فوجی کمانڈروں اور جرنیلوں کی یاد میں شہر کے چوک اور بازاروں میں تعمیر کی گئیں، قوس کا استعمال زیادہ تر پلوں کی تعمیر اور پانی کی گزر گاہوں میں ہوا کرتا تھا، رومنوں نے محرابی نالے تعمیر کئے روم کے لیے پہاڑوں سے آنے والے پانی کی سپلائی کے لیے دس محرابی نالے تعمیر کئے گئے۔

سنگتراشی:

بڑے اور مکمل مجسمے اور نیم انسانی مجسمے رومن فن سنگتراشی کی نہایت اعلیٰ حاصلات تھیں، سنگتراشی میں نہ صرف کسی انسان کے خدوخال ہو بہو ابھارے جاتے بلکہ اس کے کردار کے متعلق بھی اظہار کیا جاتا، ساہوکاروں کے مجسمے، ان میں سنگتراش ان کے محسوسات اور جذباتی اظہار کو پیش کرتے جس سے ان کے لالچی اور حریص ہونے کا پتہ چلتا، کہ یہ شخص صرف اور صرف منافع کے لیے سوچتا ہے۔ ایک سنگتراش نے پومپی کو کند ذہن اور ناکام انسان کے طور پر پیش کیا ہے۔ رومن سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی سنگتراشوں نے رومنوں کے رتبے کو اعلیٰ اور بلند کر کے پیش کرنا شروع کر دیا، فوجی جرنیلوں کی شان کو خاص طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا، سنگتراشوں نے انہیں خدا کے طور پر پیش کیا اور انہیں داستانوں کے جن اور ہیرو بنا دیا، نحیف اور کمزور آگسٹس کو عظیم جیوپیٹر کے طور پر، جس کے ہاتھ میں فتح کی دیوی ہے، پیش کیا گیا۔ رومنوں کی فتوحات اور کامیابیوں کے متعلق تصویر کشی رومن عمارتوں پر کی گئی ہے۔

دوران سلطنت، روم شہر:

عیسائی عہد کے شروع میں روم بحیرہ روم کا ایک سب سے بڑا شہر بن گیا۔ اس کی آبادی اس وقت دس لاکھ تک پہنچ گئی، دریائے ٹائبر کے دونوں اطراف لوگ آباد تھے شہر کی تمام بڑی گلیاں فورم پر آ کر ختم ہوتیں۔ تقریباً تمام حکمرانوں نے فورم کے قریب اور شہر میں عمارات تعمیر کروائیں اور اپنے وقار اور عزت کے لئے اپنے مجسمے بنوائے جو سڑکوں کے ساتھ ساتھ اور عمارتوں پر نصب تھے۔ اپنی فتح کے اعزاز میں ٹراجان نے ایک مینار چالیس میٹر بلند تعمیر کروایا، اس کے چاروں طرف سنگ مرمر کی نقاشی کی گئی۔ جس میں جنگی فتوحات، قیدی، دشمن کے دیہاتوں کی تباہی اور جنگوں کے دیگر مناظر پیش کئے گئے تھے، اس کام کے اوپر ٹراجان کا مجسمہ تھا۔ ایک سادہ خرید و فروخت کی مارکیٹ سے فورم ایک بڑا عجائب گھر بن گیا۔ پہاڑی پر شاہی محلات، سونے اور ماربل کے کام ایک پرشکوہ منظر پیش کرتے، رومن امراء کے

مکانات محل کے اردگرد تعمیر تھے، دولت مند غلام داروں کے مکانات، سایہ دار پارکوں میں تھے۔ کمروں کی دیواروں پر مصوری کا کام تھا اور فرش پر گل کاریاں تھیں، کمروں کے وسط میں فوارہ بنایا جاتا، فرنیچر پہ سونے چاندی اور ہاتھی دانت کے پترے چڑھے ہوتے تھے۔ یونان اور روم میں تیار شدہ مجسموں سے محلات بنائے جاتے، دولتمند غلام داروں کی خدمت کے لیے غلام رکھے جاتے، نوکروں میں طبیب، فنکار، جو عام طور پر اپنے آقاؤں سے زیادہ پڑھے لکھے ہوتے، زیادہ تر یونانی تھے۔ ایک غلام کو زنجیروں میں جکڑ کر مکان کے اندر دروازے کے قریب کتے کے فرائض انجام دینے کے لیے باندھ دیا جاتا۔ غلام داروں کی دعوت کے لیے سلطنت کے دوسرے حصوں سے لائے گئے قیمتی اور نایاب پھل اور کھانے پینے کی اشیاء پیش کی جاتیں۔ آسائش اور عیاشی کے ساتھ روم میں بے پناہ غریب بھی تھے۔ سارا بلاک چھ یا سات منزلہ عمارت پر مشتمل ہوتا، گلیاں اتنی تنگ و تاریک تھیں کہ سورج کی روشنی مشکل ہی سے یہاں تک پہنچتی، عام طور پر مکان گر جاتے۔ ان گلیوں میں آتش زدگی ہو جاتی غریب لوگ چھوٹے چھوٹے مکانوں میں رہتے اور لوگ عام طور پر آگ کے شعلوں کا شکار ہو جاتے کچھ غریبوں کے پاس رہنے کے لیے مکانات بھی نہیں تھے۔ یہاں تک کہ وہ گلیوں میں یا شہر کے چوک میں رات بسر کرتے، شہر کے غریبوں میں بے چینی روکنے کے لیے حکمران ان میں مفت روٹی تقسیم کروا دیتے اور ایک چھوٹا سکہ دیتے اور ان کے لیے تفریح کا بندوبست کر دیتے۔ کم از کم دو لاکھ افراد روم میں مفت روٹی حاصل کرتے۔ ہزاروں غریب غلام داروں کے گھروں کے باہر اکٹھے ہو جاتے اس امید کے ساتھ کہ انہیں کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔

روم میں سرکس:

رومن غلام داروں اور غریبوں کی پسندیدہ تفریح بازی گری کا تماشا تھا، بادشاہت کے زمانے میں جمہوریہ کی نسبت زیادہ مقابلے منعقد ہوتے، آگسٹس نے روم کے ملحقہ علاقے میں ایک جھیل کی تعمیر کا حکم دیا جس میں بحری جنگ کا مقابلہ سٹیج پر کیا جاتا، اس لڑائی میں تین ہزار افراد تیس بڑے اور کئی چھوٹے جہاز حصہ لیتے، پہلی صدی کے دوسرے نصف میں ایک شاندار سرکس تعمیر کی گئی جس میں تماشا گر لڑائی کے مناظر پیش کرتے، اس میں ہزاروں تماشائی بیٹھ کر تماشا دیکھتے، ٹراجان کے عہد میں میلے کے موقع پر ایک سرکس کے اکھاڑے میں گیارہ ہزار جنگلی جانور چھوڑ دیئے گئے، دس ہزار تماشا گروں نے ایک دوسرے سے لڑائی کا مقابلہ کیا، جنگلی جانوروں سے بھی لڑائی کی گئی، یہ تقریبات 123 دن تک جاری رہیں، بگھیوں کی دوڑ رومنوں کا ایک پسندیدہ کھیل تھا۔

رومی ثقافت کی خصوصیات:

رومن ثقافت روم اور اٹلی میں ہی نہیں بلکہ تمام رومی مقبوضات میں بھی مقبول تھی۔ جہاں بھی رومی گئے انہوں نے اپنے فن تعمیرات کے نمونے وہاں بھی کھڑے کیئے۔ لاطینی روم سے دور دراز کے ملکوں میں بھی بولی جاتی تھی، یونانی اور مشرقی غلام کے ترجمے لاطینی میں کیئے گئے۔ ایک زمانے میں مغربی یورپ میں تمام تعلیم یافتہ لوگ، لاطینی بولتے اور سمجھتے تھے، آج بھی معدنیات پودوں اور جانوروں کے نام لاطنی میں ہیں، سائنسی ادب جسے تمام دنیا کے سائنس دان پڑھ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر لاطینی میں نسخے لکھتے ہیں، کئی اقوام لاطینی حروف ابجد استعمال کرتی ہیں، کئی جدید الفاظ لاطینی سے آئے ہیں، جدید کیلنڈر جسے زیادہ تر ملکوں نے اپنایا ہوا ہے یہ روم میں ایجاد ہوا، لاطینی مہینوں اور دنوں کے نام برقرار ہیں۔ جولائی کا نام جولیس سیزر کے نام پر رکھا گیا ہے، اگست، آگسٹس کے نام پر، ستمبر کا مطلب سات ماہ اور اکتوبر کا مطلب آٹھواں (روم میں سال مارچ میں شروع ہوتا ہے) لیکریشش، ورجل اور دیگر رومی شاعروں اور مفکروں کی تخلیقات نے پورے یورپی ادب کو متاثر کیا، یہ آج بھی چھاپا جاتا ہے۔ دنیائے تعمیرات میں قوس اور گنبدوں کی تعمیر اور ایجاد ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔

پومپی کے شہر کی کھدائی:

پہلی صدی میں اچانک آتش فشاں پھوٹ پڑا، آتش فشاں کے دھانے سے بڑی مقدار میں راکھ نکلی۔ پومپی شہر 10 میٹر موٹی راکھ کی تہہ کے نیچے آ گیا۔ کچھ آبادی بروقت نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ وہ جنس جسے شہر میں دیر ہوگئی وہ بربار ہوگئی۔ وہ غلام بھی جو اس وقت کوٹھڑیوں میں بند تھے۔ اٹھارویں صدی میں پومپی شہر کی کھدائی کا کام شروع ہوا زیادہ تر شہر کو راکھ سے صاف کیا جاچکا ہے۔ گلیاں مکانات فورم، سرکس اور محلات کھدائی میں تلاش کر لئے گئے ہیں۔

سلطنت روم کا زوال:

غلام داروں کو غلاموں کی محنت بڑی سستی پڑتی تھی، لیکن یہ خراب کام کرتے، غلامانہ سرگرمیوں سے پیداوار بہت کم حاصل ہوتی، جو غلام زمین کاشت کرتے ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا کہ فصل اچھی ہوگی یا نہیں۔ فصل جیسی بھی ہوتی، ان کا معیار زندگی کھانا پینا اور کپڑے وہی رہتے۔ انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، چنانچہ وہ جتنا ممکن ہوتا کم اور خراب کام کرنے کی کوشش کرتے۔ اپنے مالکوں سے نفرت کے اظہار کے طور پر، آلات توڑ دیتے اور مویشیوں کو زخمی کر دیتے، غلام دار، غلاموں کے کام کاج کے متعلق یوں کہتے "غلام کھیتوں کو نقصان پہنچاتے ۔۔۔۔ مویشیوں کو اچھی طرح نہیں چراتے تھے۔ وہ ٹھیک طرح سے ہل نہیں چلاتے، وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ بیج ٹھیک طرح سے بویا گیا ہے کہ نہیں۔ وہ خود اناج

چوری کرتے اور دوسروں کو چوری کرنے سے باز نہ رکھتے''۔۔۔غلامی جدید ٹیکنالوجی کی راہ میں رکاوٹ تھی، نئے اور پیچیدہ زرعی آلات اور ہل وغیرہ قیمتی تھے اس خوف سے کہ غلام انہیں توڑ دیں گے، مالکان اراضی انہیں زمانہ قدیم سے زیر استعمال اوزاروں سے محنت کرواتے، اگر اسی زمین پر کسان کاشت کرتے تو فصل زیادہ ہوتی، غلاموں کی محنت سے پیداوار کم ہوتی، دستکاروں، لوہاروں، اور کانوں میں غلاموں کو وہی اوزار دیئے جاتے جنہیں توڑنا مشکل ہوتا، اس طرح پیداوار وہاں بھی کم ہوتی، پیداوار کا معیار بھی ناقص ہوتا اور تجارت کا فروغ رک گیا دراصل غلاموں نے زیادہ تر کام زراعت، مویشی پالنا اور دستکاری میں کیا، چنانچہ ان شاخوں میں پیداوار کم اور خراب آنے لگی، اٹلی میں سب سے زیادہ غلام تھے معیشت کا زوال ہونے لگا، غلام محنت، غلام داروں کے لیے اب زیادہ منافع بخش نہیں تھی، اس کے علاوہ زیادہ غلاموں کا ہونا بھی خطرناک تھا، ایک غلام دار نے کہا'' آپ کے پاس جتنے غلام زیادہ ہیں اتنے دشمن بھی زیادہ ہیں۔'' دوسری صدی میں بہت سارے امراء نے زمینوں کو چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی میں تقسیم کر کے آزاد غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ پٹے پر زمین حاصل کرنے والوں کو "Coloni" کالونی کہا جاتا، کالونی اپنی پیداوار کا آدھا حصہ مالکان اراضی کو دے دیتے بقایا اپنے پاس رکھ لیتے، اس طرح کالونی پیداوار کے اضافے میں دلچسپی لینے لگے وہ کسانوں سے زیادہ بہتر طور پر کام کرتے، مویشیوں اور اوزاروں کی نگہداشت کرتے، کچھ غلام داروں نے غلاموں کو چھوٹے قطعات اراضی اور اوزار دیئے اور انہیں اجازت دی کہ وہ اپنے طور پر گھر بنا کر رہیں، جب وہ مقروض ہو گئے تو پھر وہ جاگیریں چھوڑ کر کہیں نہ جا سکے اور مالکان زمین، زمینوں کے کرائے کے حصے بڑھاتے رہے، مالکان کا خیال تھا کہ اس طرح غلام بہتر طور پر کام کریں گے اور اپنے آقاؤں کے لیے خطرناک نہیں ہونگے، شہروں میں غلاموں کو ورکشاپ کھولنے کی اجازت دے دی گئی، غلام اپنے آقاؤں کو اس منافع کا خاطر خواہ حصہ ادا کرتے اگرچہ غلاموں کی زندگی میں کچھ آسودگی آئی لیکن ان کے حالات زندگی اور تنگدستی برقرار رہی، ابتدائی طور پر وہ آقاؤں کے رحم وکرم پر تھے اور بعد میں وہ ان کے خلاف جدوجہد کرنے لگے، کالونی نے بھی مسائل سے تنگ آکر احتجاج شروع کر دیا، سلطنت کے کئی حصوں میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی، تیسری صدی کے وسط میں خاص طور پر ان میں شدت آ گئی، گال میں بغاوت پھیل گئی، باغی اپنے آپ کو "Bagandae" یعنی لڑنے والے کہتے تھے، بھیڑیں چرانے والوں نے اپنا گھوڑ سوار دستہ بنا لیا اور کاشتکاروں نے بھی حملہ آور دستے تیار کر لیے۔ ان باغیوں نے غلام داروں کے مکانات جلا دیئے اور جو جائیداد لوٹی، سے باہمی طور پر تقسیم کر لیا۔ شمالی افریقہ میں ایک بڑی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی، باغیوں نے کئی شہروں پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کی، یہاں تک کہ روم میں بھی غلام اور دستکاروں نے بغاوت کر دی۔ انہوں نے روم کی

ایک پہاڑی پر قبضہ کرلیا، گلیوں میں جنگ لڑی گئی اگر چہ فوجیوں نے پہاڑی کو اڑا دیا لیکن انہوں نے بے پناہ جانی نقصان اٹھایا۔ سلطنت کے سرحدی علاقوں میں بھی بغاوت اور جدوجہد شروع ہوگئی، دوسری صدی میں ابھی تک رومن سلطنت بڑی طاقتور تھی تاہم غلامی کی وجہ سے معیشت کو زوال ہوا اور سلطنت کمزور ہوگئی۔

باربرین کے حملے:

عیسائی عہد کے شروع میں دریائے ایلب کے مشرق میں زمینیں غلاموں سے آباد تھیں، ایلب اور رائن کے درمیان جرمن قبائل آباد تھے، جرمنی گھنے جنگلات اور دلدلوں سے بھرا ہوا تھا، مشترکہ زندگی گزارنے والے خانوادے دلدلوں اور جنگلات کے درمیان آباد تھے، خانوادوں نے جنگلات صاف کر کے قطعات اراضی حاصل کئے۔ ان مشترکہ زندگی گزارنے والے خاندانوں کے بزرگوں نے سب لوگوں میں قطعات اراضی تقسیم کئے، جرمن، دو، تین سال کے بعد جنگلات صاف کر کے نئے کھیت حاصل کر لیتے، جرمن جنگلات میں مویشی بھی چرایا کرتے تھے، زرخیز زمینیں جرمنوں کے لیے بھی باعث کشش تھیں، اس دوران جرمن قبائل نے سلطنت روما کے مقبوضات پر حملے شروع کر دیئے۔ مسلح لوگ آگے پیش قدمی کرتے، عام آدمی پیادہ اور قبیلے کا سردار گھوڑے پر سوار ہو کر حملے کے لیے جاتا۔ ان کے پیچھے بھاری بیل گاڑیاں ہوتیں۔ جب سلطنت طاقتور تھی تو انہوں نے ان قبائلیوں کے حملوں کو پسپا کر دیا۔ رومنوں نے ان کو پکڑ کر کئی ایک کو غلام بنالیا۔ تیسری صدی میں سلطنت کی طاقت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ حکمران طبقے میں اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوگئی یہاں تک کہ دو تین سال کے بعد حکمران بدل دیا جاتا اور بعض اوقات چند ماہ کے بعد ہی حکومت تبدیل ہو جاتی۔ ان میں چند ایک قدرتی موت مرے، زیادہ تر قتل ہوئے یا سازشوں کا شکار۔ بعض اوقات ایک ہی وقت میں کئی لوگ حکمرانی کے دعویٰ دار ہوتے اور باہمی طور پر متصادم ہو جاتے۔ اس طرح یہ صورتحال سلطنت کی کمزوری کا باعث بنی۔ تیسری صدی کے وسط میں روم کی تمام بڑی مقبوضات گال، سپین، مصر اور دیگر ایشیائی مقبوضات روم سے علیحدہ ہوگئیں، سلطنت اس طرح اپنی سرحدوں کا دفاع بھی نہ کر سکی۔ جرمن قبائل اور دوسرے باربیرین ان علاقوں پر ٹوٹ پڑتے۔۔۔ اٹلی میں غلام دار، بادشاہت برقرار رکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے اس لیے وہ ڈائیکولیشن کی حمایت کرتے تھے اور اس کی طاقت میں اضافہ کر رہے تھے۔ ڈائیکولیشن ایک عام جنگجو تھا اور ترقی کر کے بادشاہ کے محافظ دستے کے سربراہ کے عہدے تک پہنچ گیا۔ 284ء میں فوجی دستوں نے اس کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور اس نے 21 سال تک حکومت کی۔ ڈائیکولیشن نے ان تمام جمہوری اداروں کو ختم کر دیا جو کسی صورت میں موجود تھے وہ اپنے نامزد عہدے داروں کے ذریعے حکومت کرنے لگا۔ بادشاہ

کے منہ سے نکلا ہوا لفظ قانون ہوتا۔ ڈائیوکلیشن نے اپنے آپ کو جیوپیٹر کا بیٹا قرار دیا۔ اس کے مجسمے خانقاہوں میں رکھ دیئے گئے امراء بھی اس کے سامنے جھکتے، خصوصی حمایت کے طور پر بادشاہ انہیں اپنے پاؤں یا اپنے کپڑوں کی جھالر چومنے کی اجازت دیتا۔ فوج کی جسامت کو بڑھانے کے لیے اور باغیوں کے ساتھ ٹھیک طور پر پیش آنے کے لیے بادشاہ نے تمام جنگلی قبائل میں سے کچھ کو ساتھ ملا لیا۔ اس نے بغاوت کچلنے کے لیے فوجی اخراجات میں اضافہ کے لیے ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا۔ بغیر کسی رحم کے باغیوں کو پھانسیاں دیں اور اپنے فوجی دستوں کے نظم و ضبط میں اضافہ کیا۔ ڈائیوکلیشن نے گال پر حملہ کیا۔ دیہاتوں اور شہروں کو تباہ کر دیا اور آباد لوگوں کو قتل کر دیا۔ جنگ میں باغیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دیگر نے قلعہ میں پناہ لے لی۔ فوجی دستوں نے ان کی ناکہ بندی کر دی۔ بھوک نے باغیوں کو ہتھیار پھینکنے پر مجبور کر دیا۔ قیدیوں کی ایک خاص تعداد کو قتل کر دیا گیا اور باقی اپنے بیوی بچوں سمیت غلام بنا لیے گئے۔ گال کے غلام دار بادشہ کو دیوتا سمجھتے تھے۔ سلطنت کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ باربیرین کے حملوں سے بچنے کے لیے قلعہ بندیاں کی گئیں، رومنوں نے خندقیں کھودیں، مٹی کی دیواریں کھڑی کیں اور نوکیلے ڈنڈوں سے باڑیں بنائیں۔ دیواروں پر مینار تعمیر کئے گئے جہاں سنتری کھڑا ہو کر نگرانی کرتا۔ بعض دستوں اور باربیرین کو فوجی خدمت کے لیے رکھا گیا۔ تاکہ سرحدوں کا دفاع کیا جا سکے رومن ریاست ایک بار پھر استحصال زدہ لوگ کی بغاوت کچلنے میں کامیاب رہی۔ انہی سرحدوں کے اندر اور باہر کے حملوں سے دفاع کرنے میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔۔۔

عیسائیت کا ظہور:

غلاموں کی بغاوتوں، کالونی اور وہ لوگ جو رومن مقبوضات میں رہتے تھے وہ اپنی مخدوش سیاسی اور سماجی حالت کے خلاف جو بغاوتیں کرتے رہے اور حکمران انہیں تشدد سے دباتے رہے بہرصورت ان کا خاتمہ شکست پر ہوا، سلطنت ناقابل تسخیر معلوم ہوتی تھی استحصال زدہ لوگ امیدیں ختم کر چکے تھے کہ ان کی آزادی کی جدوجہد ایک روز کامیاب ہو جائے گی، صرف موت ہی غلام کی آزادی کا سبب بنتی اور کالونی پر جبر مشقت، تضحیک اور تشدد ان کی زندگی کا ضروری حصہ بن چکا تھا، استحصال زدہ لوگوں کا ان دیوتاؤں سے ایمان اٹھ چکا تھا جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے وہ کسی ایسے خدا کا انتظار کر رہے تھے جو انہیں استحصال سے نجات دلائے۔۔۔ پہلی صدی میں یہ کہانیاں پھیلنے لگیں کہ فلسطین میں انسان کے روپ میں ایک خدا تھا اور اس کا نام یسوع مسیح تھا یہ بھی کہا جاتا کہ رومنوں نے اسے سولی پر چڑھایا ہے۔ اپنی موت کے بعد یسوع دوبارہ زندہ ہو گیا، اور جنت میں چلا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ وہ آئے گا تاکہ لوگوں کو جانچ سکے، اس نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں دکھ برداشت کر رہے ہیں اس کا انعام انہیں

جنت میں ملے گا اور ان لوگوں کو جنہوں نے اسے دنیا پر خدا تسلیم کیا ہوگا، دوسرے ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے، یہ کہانیاں قدیم داستانوں جو اوسائرس کے متعلق لکھی گئی تھیں اور ان دیوتاؤں کے متعلق جو مر گئے اور زندہ ہوئے تاکہ آخری فیصلہ کریں، دوسری صدی کے آخر میں تحریری کہانیاں لکھی گئیں، یسوع کے متعلق واقعات کتابی صورت میں تحریر کئے گئے۔ ان میں بہت سارے تضادات اور ناقابل اعتبار واقعات ہیں، لیکن یہ وہی کچھ تھا جس کے استحصال زدہ لوگ منتظر تھے۔۔۔ استحصال زدہ لوگ یہ تسلیم کرنے کے خواہشمند تھے کہ وہ تمام زیادتیاں اور تشدد جو دنیا میں ان کے ساتھ ہو رہا ہے اس کا انہیں انعام و اکرام ضرور ملے گا اور وہ ان لوگوں کو سزا دے سکیں گے جو ان کے ساتھ ناروا سلوک کے ذمے دار ہیں، وہ لوگ جو ان کہانیوں پر یقین رکھتے تھے انہیں عیسائی کہا جانے لگا اور جو مذہب وجود میں آیا سے عیسائیت کہا جانے لگا۔ عیسائی مبلغ شہروں اور ملکوں میں تبلیغ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے عیسائیت پوری رومن سلطنت میں پھیلنا شروع ہوگی پہلے پہل غربا اور غلام عیسائی ہوئے، یہ مختلف اقوام کے باشندے تھے، مصری، گالز، یونانی، رومن اور یہودی وغیرہ، عیسائیوں نے ایک خدا کو ماننا شروع کیا بادشاہ کو خدا ماننے سے انکار کر دیا۔ اس جرم پر بادشاہ کی طرف سے انہیں سنگین سزائیں دی جاتیں، عیسائیوں نے اپنے بچاؤ، تحفظ اور تبلیغ کے لیے ''خفیہ برادریاں'' قائم کر لیں، اس برادری کے رکن ایک دوسرے کی مدد کرتے اکٹھے کھانا کھاتے، عبادت اکٹھی کرتے اور اپنی مقدس کتاب کو اکھٹے بیٹھ کر پڑھتے۔ یہ لوگ عام طور پر پہاڑوں کی غاروں یا خفیہ مقامات پر اکھٹے ہوتے۔۔۔ امیر لوگوں نے اس ہیئت کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا، عیسائیت تابعداری اور رحم کی تلقین کرتی تھی غلاموں اور غریبوں کو غلام داروں کے خلاف جدوجہد سے روکتی تھی ''عیسائیت ایک برے غلام کو اچھا بناتی ہے۔'' ایک عیسائی مبلغ نے لکھا ہے، اس کے علاوہ رومن سلطنت میں زندگی خطرات سے پر تھی۔ لوگ بغاوتوں اور جنگوں میں ناصرف اپنی جائیدادوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے بلکہ اپنی زندگی سے بھی محروم کر دیئے جاتے، ہر ایک کا مستقبل غیر یقینی کا شکار تھا لوگ ایک مستقل خوف میں مبتلا رہتے، امیر لوگ چاہتے تھے کہ جس طرح وہ پر آسائش زندگی گزارتے ہیں اس طرح مرنے کے بعد بھی ان کی زندگی پر سکون رہے، اس طرح خوشحال لوگوں نے عیسائی برادری میں شامل ہونا شروع کر دیا، مسلسل جنگوں اور سلطنت کی تباہی سے تعلیم اور دیگر سائنسی علوم کے تسلسل کو سخت نقصان پہنچا تھا، باعلم لوگوں کی تعداد میں کمی واقع ہوئی، اس طرح عام آدمی کے لیے مذہب پر یقین رکھنے کے جذبے کو تقویت ملی، دولتمند عیسائیوں نے عیسائی برادری کی ضرورت کے مطابق انہیں رقم دی۔ امیر لوگ عام طور پر پادری منتخب کر لیے جاتے اور برادری کے سربراہ، تمام علاقے کی ساری برادری، ان کے احکامات پر عمل درآمد کرنے کی پابند تھی، تیسری صدی کے خاتمے تک عیسائیت رومن سلطنت میں وسیع طور پر پھیل چکی تھی۔ مختلف شہروں کے عیسائی ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے تھے، اس

وقت عیسائیوں کی ایک خفیہ تنظیم وجود میں آئی جس میں سینکڑوں عیسائی برادریاں تھیں جس کا سربراہ ایک بشپ ہوتا، اسے چرچ کہتے تھے، عیسائی چرچ کا روم کی وسیع تر آبادی پر موثر اثر و رسوخ تھا۔۔۔عوام کے استحصال میں اضافہ ہوتا رہا، سلطنت میں حصول اقتدار کے لیے جنگ زانئی قوت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا کہ فوجی لیڈر کنسنٹائن Constantine کامیاب ہوا، اس نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں اور اتحادیوں تک کو قتل کر دیا، یہاں تک کہ اسے اپنے بیٹے پر شبہ ہوا کہ وہ اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، کنسنٹائن نے اسے بھی قتل کر دیا۔ کنسنٹائن عام آدمی کے لیے بھی انتہائی بے رحم تھا اس نے کالونیوں کے جاگیریں چھوڑنے پر پابندی عائد کر دی، تا کہ جاگیرداران سے بھرپور مشقت لے سکیں، بھاگے ہوئے کالونیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر واپس لایا جاتا اس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ اگر غلام دار غلام کو مار مار کر ہلاک کر دے تو اسے اچھا سلوک کہنا چاہیے کیونکہ وہ اس سے اصلاح چاہتا ہے، وہ جو شاہی ورکشاپ میں کام کرتے ان پر غلاموں کی طرح کے نشان لگا دیئے جاتے، بادشاہ اور امراء شاہانہ زندگی گزارتے، سرکاری اخراجات کو پورا کرنے کے لیے کئی بار ٹیکسوں میں اضافہ کیا گیا جو ٹیکس ادا کرنے سے قاصر ہوتے انہیں کوڑے مارے جاتے، شہریوں سے باقاعدگی کے ساتھ ٹیکس لیے جاتے ان پر پابندی تھی کہ وہ دوسرے شہر نہیں جا سکتے اور نہ ہی اپنا پیشہ تبدیل کر سکتے ہیں، بچوں کو وہی کام کرنا پڑتا جو ان کے والدین کیا کرتے۔

عیسائیت، ایک غالب مذہب ہے:

کنسنٹائن نے یہ تسلیم کر لیا کہ لوگوں کو پھانسیاں، کوڑے اور زنجیریں سر تسلیم خم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتیں۔ بادشاہ نے یہ محسوس کیا کہ عیسائیت ہی لوگوں کے استحصال کا بہتر ذریعہ بن سکتی ہے، عیسائی چرچ کا غلاموں اور غریبوں پر بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ ''یسوع نے پھانسی پر چڑھ کے تکلیف اٹھائی اور تمہیں پابند کر دیا ہے کہ تم بھی اذیت برداشت کرو، جس کے لیے تمہیں موت کے بعد جنت میں انعام و اکرم ملے گا''۔ ''بادشاہ کے اقتدار کو خدا نے منظور کیا ہے۔ غلامو، ہر مسئلے پر اپنے آقا کی فرماں برداری کرو'' 313 میں کنسنٹائن نے عیسائیوں کو آزادی دی کہ وہ کھلے عام اکٹھے ہوں اپنے اجلاس منعقد کریں اور چرچ تعمیر کریں، امراء غلام داروں اور دولتمندوں نے عیسائی چرچ کو رقم عطا کی، اور زمینیں بھی چرچ کے لیے الاٹ کی گئیں۔ جلد ہی چرچ ایک بڑا ساہوکار زمیندار اور غلام دار ادارہ بن گیا ہے۔ ان ذرائع سے حاصل شدہ رقم تمام برادری کے اراکین استعمال نہیں کر سکتے تھے بلکہ پادری اور مبلغ ہی ایسا کرنے کے مجاز تھے۔ کنسنٹائن کے ظلم ناانصافی اور جبر کے باوجود چرچ اسے سینٹ (ولی) قرار دیتا۔ دراصل کنسنٹائن یا حکمران طبقے کی طرف سے عیسائیت کو قبول کر لیا جانا اور عیسائی مذہبی پیشواؤں کا بادشاہوں یا حکمرانوں کی تائید و حمایت حاصل کرنے کے لیے ان کی مدح سرائی کرنا، ایک سمجھوتہ تھا جس نے دونوں

مذہب کے نام پر غریبوں اور غلاموں کا استحصال کیا جانے لگا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ اس دنیا میں معاشی، سماجی اور جسمانی دکھ اور تکلیف اٹھائیں اور اگلی زندگی میں انہیں خوشحالی ملے گی۔۔۔ کنسٹائن نے باس فورس کے ساحلوں پر ایک شہر تعمیر کیا پہلے یہ جگہ یونانی کالونی "Byzantium" بائیزنٹیم کہلاتی تھی شہر کا نام (Constantinpal) کنسٹائن پول کہلایا۔ جس کا مطلب تھا، کنسٹائن کا شہر۔ یہ شہر سلطنت کے مشرقی حصے کے وسط میں، سمندری اور خشکی کے راستوں کے درمیان واقع تھا اس شہر کی تعمیر پر سرکاری خزانے کا بے تحاشا استعمال کیا۔ شاندار عمارات تعمیر کی گئیں، عیسائی خانقائیں تعمیر کی گئیں۔ 330ء میں دارالحکومت کنسٹائن پول منتقل کر دیا گیا۔۔۔ شاہانہ اختیارات اور وسیع وعریض سلطنت کے طاقتور شخص کنسٹائن نے دیگر مذاہب کے لوگوں پر عذاب نازل کرنے شروع کر دیئے، دیوتاؤں کے مجسمے توڑ دیئے گئے اور قدیم خانقاہیں تباہ کر دیں یا انہیں عیسائی چرچ بنالیا۔ آرٹ کے نادر نمونے تباہ کر دیئے گئے۔ 4 صدی کے آخر تک بادشاہ نے اولمپک کھیلوں پر پابندی عائد کر دی جو دیوتا زیوس کے اعزاز میں منعقد ہوتی تھیں۔ عیسائیوں نے سائنس کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ کیونکہ سائنسی اصول مذہبی خیالات سے متصادم تھے۔ عیسائیوں نے سکندریہ کی مشہور لائبریوں میں قدیم علمی مسودات تباہ کر دیئے اور دیگر شہروں میں علمی تحقیقات کو بھلا ڈالا۔ سکندریہ کی گلیوں میں عیسائیوں کے گروہوں نے ایک خاتون عالم "Hypatia" ہائے پائیا کو قتل کر دیا۔ ہائے پائیا پہلی عالمہ تھی جو عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہوئی۔

4 صدی عیسوی طبقاتی جدوجہد:

اگرچہ عیسائیت نے غریبوں اور غلاموں کو طبقاتی جدوجہد میں حصہ لینے سے باز رکھا۔ اس کے باوجود مذہب استحصال زدہ افراد کو استحصال کرنے والوں کے خلاف جدوجہد سے نہیں روک سکا۔ غلام اور کالونی جبر وتشدد اور سماجی ومعاشی استحصال سے تنگ آ کر جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، اس سے پہلے کہ ٹیکس اکٹھا کرنے والا کوڑا لیکر شہریوں کے دروازے پر آئے وہ شہر چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ انہوں نے گروپوں کی شکل میں سرکاری عہدیداروں، جاگیرداروں اور غلام داروں پر حملے کئے ایک بشپ نے برہم ہو کر کہا ''شہریوں کی اپنے آقاؤں کے خلاف گستاخیاں بڑھتی جارہی ہیں اور بھاگے ہوئے غلام عیسائی تعلیمات کے برعکس نہ صرف اپنے آقاؤں کو چھوڑ جاتے ہیں بلکہ ان پر حملے بھی کرتے ہیں۔'' سلطنت کی معیشت مکمل تباہی کا شکار تھی تجارت تقریباً ختم ہو چکی تھی بہت سارے شہر اور علاقے آبادیوں سے خالی ہو رہے تھے خاص طور پر سلطنت کے مغربی حصوں میں ابتری زیادہ تھی۔۔۔ کالونی کے متعلق رومن قوانین یہ تھے، کالونی کو زمین سے محروم کر دیا جانا ایک غیر انسانی فعل ہے اور کالونی کی طرف سے اپنے آقا کی زمین سے علیحدہ رہنا اس کے لیے (مالک) سخت نقصان کا باعث ہے اسی لیے ہم نے کہا کہ

کالونی کولازمی طور پرزمین سے منسلک ہونا چاہیے، کالونی کے بچوں کو کسی دوسرے گاؤں نہیں جانا ہوگا اور اس زمین سے ہمیشہ کے لئے منسلک ہونا پڑے گا جس سے اس کے باپ دادا رہے ہیں، کالونی اور غلام اگر بھاگنے کی کوشش کریں تو دونوں کو زنجیروں میں رکھا جائے۔

مغربی رومن سلطنت کا زوال:

جیسے جیسے سلطنت کمزور ہوتی گئی ویسے ہی باربیرین نے سرحدوں پر حملوں میں اضافہ کردیا، باربیرین قبیلوں نے ایک زبردست اتحاد قائم کیا یہ بے ترتیب اور منتشر قبیلے اکٹھے ہوکر سلطنت روم کی قلعہ بند چوکیوں پر حملہ آور ہوگئے، بادشاہ ان قبیلوں کے حملوں کو روکنے کے لیے انہیں بطور رشوت سونا دینے پر مجبور ہوا، اس کے علاوہ اس نے دوسرے قبیلوں سے کہا کہ وہ ان کا مقابلہ کریں، لیکن یہ تمام رقم ملک کے باشندوں سے اکٹھی کی جاتی اور وہ ان ٹیکسوں کے بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔۔۔ چوتھی صدی کے دوسرے نصف میں بحیرہ کیسپین سے خانہ بدوشوں کے جتھے (Hun) ہن یورپ میں داخل ہوگئے وہ اپنے برق رفتار گھوڑوں پر سواری کرتے ہوئے اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو روندتے چلے گئے، زیادہ عرصہ پہلے نہیں جب جرمن قبائل گوتھ بحرہ اسود کے شمالی علاقوں میں آباد ہوگئے تھے۔ وہ ہن قبائل کے سامنے کھڑے نہ ہوسکے اور دریائے ڈینوب کے کناروں کی طرف مراجعت کرگئے، گوتھ نے بادشاہ سے سلطنت میں آباد ہونے کی اجازت حاصل کرلی، ہزاروں گوتھ ڈینوب کے دائیں کنارے کی طرف کشتیوں اور بجروں میں بیٹھ کر اپنے بیوی بچوں سمیت اتر گئے، شاہی مجسٹریٹ نے گوتھ کو کھانا فراہم کرنے کا وعدہ کیا لیکن اس نے انہیں دھوکہ دیا، گوتھ والوں نے روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے خود کو اور اپنے بچوں کو فروخت کردیا، انہوں نے بغاوت کردی اور کنسٹنٹائن پول کی طرف پیشقدمی کرنے لگے بادشاہ فوجوں کی قیادت کرتا ہوا گوتھ کی پیشقدمی روکنے کے لیے آیا۔ 378ء میں باغیوں نے ایڈرین پول کے شہر کے قریب رومی افواج کو شکست دی، بادشاہ قتل کردیا گیا اور نیا بادشاہ گوتھ سرداروں کو رشوت دینے میں کامیاب ہوگیا اور بغاوت ختم ہوگئی۔ گوتھ قبائل نے جزیرہ نما بلقان کے مغربی حصوں میں زمینیں حاصل کیں اب جنگجو گوتھ سلطنت کے وسط میں مسلسل خطرے کی علامت تھے۔ سلطنت روم 2 بھائیوں کے درمیان تقسیم ہوگئی دونوں بادشاہ بنے ایک مغربی سلطنت کا اور دوسرا مشرقی سلطنت کا۔ جزیرہ نما بلقان، مصر اور ایشیاء میں رومی مقبوضات مشرقی سلطنت میں آئے اٹلی یورپ کے، مغربی صوبے اور افریقہ مغربی سلطنت میں تھے۔ مغربی سلطنت کی صورتحال اپنے شہریوں کی تباہی کی وجہ سے بدترین تھی جبکہ مشرقی سلطنت میں صورتحال بہتر تھی علاوہ اس کے بغاوتوں کے خطرات کا سامنا تھا۔۔۔ گوتھ نے مغربی سلطنت کی کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور انہوں نے (Alaric) الارک کو اپنا سردار منتخب کرلیا اور اٹلی پر حملہ کر

دیا، روم کے سفیر نے گوتھ سردار کو ڈرانے کے لیے کہا کہ شہر کے لاتعداد مدافعت کار ہیں، اس نے جواب دیا "جتنی گھاس گھنی ہوگی اسے کاٹنا اتنا ہی آسان ہوگا۔" کوئی بھی روم کا دفاع نہ کر سکا، بادشاہ قلعے میں چھپ گیا، غلام اور کالونی جو سلطنت سے شدید نفرت کرتے تھے انہوں نے غلام داروں کی جاگیروں پر حملے کر دیئے، دولتمندوں اور سرکاری عہدیداروں کو نقصان پہنچایا، گوتھ روم پہنچ گئے اور انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا، الارک قلعہ بند شہر پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کر رہا تھا لیکن رات کو غلاموں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور گوتھ شہر میں داخل ہو گئے۔ 410ء میں دنیا کا سب سے بڑا شہر جو اس وقت تھا جس کی پوری دنیا پر دھاک تھی بغیر کسی مزاحمت کے باربیرین قبائل کے قبضے میں چلا گیا، گوتھ شہر کو تین دن تک لوٹتے رہے، اس کے بعد انہوں نے شہر کو چھوڑ دیا۔۔۔ گوتھوں کے بعد دوسرے جرمان قبائل نے مغربی سلطنت پر حملہ کر دیا، بغیر کسی قابل ذکر مزاحمت کے جرمنوں نے گال، اٹلی اور سپین پر قبضہ کر لیا، اور پھر سپین سے جرمنوں نے شمالی افریقہ پر حملہ کر دیا، جرمن پوری سلطنت پر ایک طوفان کی طرح گزر گئے، زرخیز زمینوں پر آباد ہوئے انہوں نے انگوروں کے باغات کاٹ لیے تا کہ رائی اور جو کی کاشت کریں، انہوں نے چراگاہیں بنانے کے لیے زیتون کے باغات کاٹ دیئے، جرمنوں نے محلات اور خانقاہیں تباہ کر دیں تا کہ ان کے پتھروں سے قلعے تعمیر کر سکیں، کئی شہر تو مکمل طور پر تباہ ہو گئے اور ان پر گھاس اور جھاڑیاں اگ آئیں، پانچویں صدی کے وسط میں جرمن قبائل ونیڈل افریقہ سے اٹلی آئے اور انہوں نے روم پر قبضہ کر لیا، شہر میں لوٹ مار اور تباہی دو ہفتوں تک جاری رہی، وینڈلوں نے مجسمے توڑ دیئے، کتابیں تباہ کر دیں اور مکانوں کو آگ لگا دی۔ ان کے حملے کے بعد صرف سات ہزار باشندے روم میں رہ گئے۔۔۔ 476ء میں ایک جرمن سردار نے روم کے آخری بادشاہ کو معزول کر دیا، مغربی رومن سلطنت کا خاتمہ ہو گیا، مشرقی رومی سلطنت نے بڑی مشکل سے باربرین کے حملوں کو روکا۔

مغربی رومن سلطنت استحصال زدہ لوگوں کی بغاوتوں اور باربیرین قبائل کے حملوں کے نتیجے میں تباہ ہوئی۔ مغربی یورپ میں غلام دارانہ نظام سلطنت روم کے خاتمے کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچا، اسی لیے مغربی رومن سلطنت کے زوال کو دنیائے قدیم کی تاریخ کا اختتام کہتے ہیں۔

تاریخ کا وسطی دور:

بہت سارے مفکر، مغربی سلطنت روما کے زوال (476ء) اور مشرقی طلطنت روما یا بائیزینٹم کے زوال (1453ء) کے درمیانی وقت کو عہد وسطی قرار دیتے ہیں، دیگر مفکرین، کولمبس کی امریکہ دریافت کو سابقہ عہد کا اختتام کہتے ہیں بعض مفکرین اور مورخین نے عہد وسطی کی اصطلاح کو کتابوں اور تحریروں میں سترھویں صدی میں استعمال کیا ہے۔ اسے سائنس اور فن و ادب میں نمود اور نشوونما کے تسلسل کے

دوبارہ شروع ہو جانے سے لیا جاتا ہے۔ اس سے قبل جنگلی قبائلیوں کے حملے، فن و ادب سے ناآشنائی اور زمانہ جہالت تھا۔ جب ثقافت کا زوال ہوا اور لوگوں نے اپنے شاندار علمی و فکری کارناموں سے علیحدگی اختیار کر کے مافوق الفطرت اور پراسرار اعتقادات اپنا لیے۔۔۔ ترقی پسند مورخین عہد وسطیٰ کو سماجی ڈھانچے کی خصوصیات کے حوالے سے دیکھتے ہیں، جاگیرداری نظام اور معاشرے سے قبل غلام دارانہ معاشرہ، جن کی بنیاد استحصال پر تھی اور لوگ غلام تھے، لیکن جاگیردارانہ معاشرہ میں غلامی نہیں ہوتی بلکہ استحصال کی شکل اور انسان کی سماجی حیثیت بدل جاتی ہے۔ جاگیردارانہ معاشرے نے انسانی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا اور غلام دارانہ سماج کی نسبت یہ ایک ترقی پسندانہ معاشرہ تھا۔ یہ انسانی محنت ہے جو سماجی و معاشی ارتقاء انسانی مستقبل اور نئی راہوں میں ترقی اور نشوونما کا باعث بنتی ہے۔ غلام دارانہ محنت میں سماجی ڈھانچے کی بنیادی اور لازمی شرط غلاموں کی محنت تھی۔ جو تشدد اور جبر کے ذریعے حاصل کی جاتی۔ رومن سلطنت کے بحران کے دوران غلام داروں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ پیداواری عمل میں غلاموں کا مفاد متعین کرنے کی ضرورت ہے اس لیے انہوں نے غلاموں کو چھوٹے قطعات اراضی دیئے اور انہیں اپنے خاندان بنانے کی اجازت دی۔ اس طرح مستقبل کی جاگیردارانہ معاشرت کی بنیاد پڑی۔۔۔ جاگیردارانہ معاشرے میں زمینوں کی ملکیت جاگیرداروں کے پاس تھی۔ لیکن وہ قطعات اراضی مخصوص کر کے اپنے آدمیوں یا مزارعوں کو برائے کاشت دے دیتے اور پیداوار میں سے کچھ حصہ ان کے پاس رہنے دیتے۔ ان مزارعوں کے کچھ حقوق تھے اور خاندان بنا کر یہ زندگی گزارتے تھے مزارعین یہ جانتے تھے کہ اگر وہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کریں گے تو ان کے حصے میں بھی اضافہ ہوگا اور وہ اپنے خاندان کی حالت زندگی کو بہتر بنا سکیں گے، چنانچہ غلاموں کی نسبت مزارعوں کی پیداواری عمل میں دلچسپی تھی، یہاں ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ جاگیردارانہ معاشرہ غلام داری کی نسبت ترقی پسندانہ تھا۔ جو بعد میں سرمایہ دارانہ معاشرے کے قیام کا باعث بنا۔

○

باب:8

جاگیرداری میں عبوراور یورپ میں ابتدائی جاگیردارانہ ریاستوں کا وجود

جاگیرداری میں عبوراور یورپ میں ابتدائی جاگیردارانہ ریاستوں کا وجود:

سلطنت روم کے زوال کے بعد، مختلف علاقوں پر باربیرین قبائل کے قبضے اور مجموعی طور پر بے یقینی اور سماجی سیاسی ابتری کے نتیجے میں ثقافتی انتشار اور تباہی بھی ہوئی۔ عہد ماضی کی چند شاندار حاصلات کے علاوہ کچھ باقی نہ بچا۔ باربیرین ۔۔۔ جرمنی اور سلاو ۔۔۔ وہ کچھ لوٹ مار اور قتل و غارت سے حاصل کرنا چاہتے تھے جو وہ اپنی فکری تخلیقات اور جسمانی محنت سے حاصل کرنے کے قابل نہیں تھے۔ انہوں نے قصبے اور دیہات لوٹ لیے۔ انہوں نے دولت مند شہریوں کو لوٹ لیا اور انہیں قیدی بنالیا اور ان کی رہائی کے لیے بھاری تاوان کا مطالبہ کیا۔ عام طور پر وہ لوگوں کو اپنی آمدنی کا 1/3 فیصد حصہ ادا کرنے کے لیے کہتے۔ روم بذات خود کئی بار لوٹا گیا۔ ان علاقوں میں دستکاری اور تجارت کو سخت نقصان پہنچا۔ جو باربیرین کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ شہروں اور قصبوں کے درمیان رابطے ٹوٹ گئے۔ چھوٹی چھوٹی باربیرین ریاستیں وجود میں آ چکی تھیں، جو قدرتی معاشی یونٹ تھیں۔ سلطنت روم میں معاشی لوٹ کھسوٹ اور استحصال کا جو عمل جاری تھا، اس سے لوگ تنگ تھے، اس لیے جہاں بھی باربیرین گئے مقامی آبادی نے ان کو خوش آمدید کہا وہ امراء اور خوشحال طبقے سے بڑے ظالمانہ اور وحشیانہ طور پر پیش آئے جبکہ عام لوگوں کو انہوں نے کوئی گزند نہیں پہنچائی انہوں نے غلاموں کو آزاد کر دیا اور شاہی اہلکاروں کے اثر ورسوخ کا خاتمہ کر دیا۔ لوگوں نے باربیرین کو اپنے لیے نجات دھندہ قرار دیا۔ جنہوں نے ان پر بھاری محصول ختم کر دیئے تھے اور انہیں آزاد کر دیا تھا۔ لوگوں نے رومیوں کی بجائے باربیرین کو ترجیح دی۔

سیلٹک اور جرمن قبائل کا سماجی ڈھانچہ:

رومن سلطنت کے شمال اور مشرق میں، وسطی اور شمالی یورپ میں کئی ایک باربیرین قبائل رہتے تھے رومنوں کے قریب تر ہمسائے مغربی یورپ کے سیلٹس قبائل تھے اور وسطی یورپ کے جرمن قبائل سیلٹک قبائل کو جرمن قبائل نے جلدی ہی نکال باہر کیا۔ کسی حد تک ایرش، سکاٹ، ویلز، لوگ سیلٹک ہیں اور شمال مغربی فرانس کے بریٹون لوگ باقی سیلٹک قبائل کی تاریخ بعدازاں جرمن قبائل کی تاریخ سے منسلک ہے ابتدائی طور پر جرمن قبائل مغرب میں رائن اور مشرق میں اوڈر کے درمیان رہتے تھے۔ ان کے مشرق میں لیتھوانی، فن اور کئی ایک سلوانیک قبائل جنہوں نے انہیں ایلب کے پار مغرب کی طرف دھکیل دیا تھا۔ جرمن قبائل آہستہ آہستہ سارے مغرب میں، سارے مغربی یورپ اور برطانوی جزائر میں آباد ہو گئے۔۔۔ جرمن قبائل کے متعلق معلومات جولیس سیزر سے ملتی ہے جس نے ان کے مقابلے کئے تھے، اس کے علاوہ رومن مورخ "Tacitus" ٹیسیٹس بھی ان کے متعلق بتاتا ہے جس نے ان کی زندگی کا گہرائی سے مطالبہ کیا تھا۔ جولیس سیزر کے وقت میں (پہلی صدی ق م کے وسط میں) جرمن قبائل کا پیشہ، شکار، ماہی گیری اور مویشی پالنا تھا اور وہ کھیتی باڑی میں کم دلچسپی لیتے تھے، قبائلیوں کے بڑے بڑے خانوادے کسی قطعہ اراضی پر آباد ہو جاتے اور مشترکہ طور پر کاشت کاری کر کے پیداوار کو باہمی طور پر تقسیم کر لیتے۔ کم از کم 150 سال کے عرصہ میں زراعت ان کا بڑا پیشہ بن گیا اور انہوں نے زمین کو چھوٹے خاندانوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن اگر انہیں مزید زرخیز زمینوں کی ضرورت ہوتی تو وہ مجموعی طور پر جنگلات کاٹتے اور حاصل شدہ زمینوں کو تقسیم کر لیتے۔ وہ لکڑی کا قدیم بل استعمال کرتے، ان کے پاس زمینوں کی کوئی قلت نہیں تھی اور انہوں نے نئی زمینوں کی تلاش میں روم پر حملے شروع کر دیئے، یہ قبائلی دیہاتوں میں رہتے اور دیہات کی تشکیل برادری بنیاد پر ہوتی، زرخیز زمین خاندانوں میں تقسیم کر دی جاتی جنگلات اور چراگاہیں مشترکہ ملکیت میں رہتیں، قبیلے کے اراکین کی حیثیت آزادانہ تھی اور سب مساویانہ حقوق رکھتے تھے تاہم جلدی ہی باربیرین میں سماجی تفریق نظر آنے لگی، فوجی اور قبیلہ کے امراء وجود میں آنے لگے، قبیلہ کے عام لوگوں سے زیادہ یہ زمینوں کے مالک ہوا کرتے، ان کے پاس مویشی بھی زیادہ ہوتے اور غلام بھی، باربیرین میں غلاموں کو زمینیں دی جاتی تھیں جو اپنے آقاؤں کے لیے کام کرتے اور انہیں پیداوار کا کچھ حصہ مل جاتا، تاہم ان کی معیشت غلام دارانہ نہیں تھی، غلام اپنے آقاؤں کے ساتھ رہتے تھے اور ان کے کام میں ان کی مدد کرتے، رومن یہ دیکھ کر حیران تھے کیونکہ یہاں غلاموں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا جاتا تھا، ٹسی ٹس لکھتا ہے کہ باربیرین غلاموں کو زمینیں دیتے اور ان سے معمولی سا کرایہ وصول کرتے، اس طرح چھوٹے چھوٹے کمیون وجود میں آ چکے تھے جہاں کے مسائل حل کرنے کے لیے قبیلہ

کے سرکردہ افراد کا اجلاس منعقد ہوتا، قبیلے کے تمام ارکان کسان بھی تھے اور جنگجو بھی، ہتھیار ہونے کا مطلب یہ تھا کہ مذکورہ شخص آزاد شہری ہے، قبائل کے مسلح دستے ہمسائیوں پر مسلسل حملے جاری رکھتے۔ امراء نے اپنے فوجی دستوں میں مختلف قبائل کے اراکین کو بھرتی کر رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ قبائلی تعصب کمزور پڑ گیا اور قبائل انتشار کا شکار ہونے لگے، حکمران پہلے امراء سے رابطہ قائم کرتے اور پھر ان کی مدد سے فوجی مہمات کرتے۔ اس قسم کی فتوحات تیسری اور پانچویں صدی عیسوی کے درمیان باربیرین کی وسیع پیمانے پر ہجرت تک جاری رہیں، جس میں باربیرین نے سابقہ رومن سلطنت کے علاقوں پر کئی ایک ریاستیں قائم کرلیں، تاریخ میں اس کو عظیم ہجرت کہتے ہیں۔ چوتھی صدی میں باربیرین قبائل کی بڑی یونین ڈینپر "Dnieper" کے مقام پر گوتھ کی قیادت میں، جس کا سردار Germanarix جرمین رکس تھا۔ قائم کی گئی۔ یہ اتحاد نئے باربیرین قبائل ایشیاء سے خانہ بدوشوں کے حملوں کا شکار ہوگیا۔ یہ لوگ ہن تھے۔

لوگوں کی عظیم ہجرت کا آغاز اور باربیرین سلطنت کی تشکیل:

چوتھی صدی کے دوسرے نصف میں، ہنز نے وولگا عبور کرنے کے بعد جرمینارکس کے اتحاد کو تباہ کر دیا اور جرمن قبائل کو مغرب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ مغربی گوتھ (قبائل) یا ویسی گوتھ (376) میں مشرقی سلطنت کی سرحدیں عبور کر گئے اور آج کل جسے بلغاریہ کہتے ہیں وہاں آباد ہو گئے شاہی انتظامیہ نے ان کا ظالمانہ طور پر استحصال کیا اور جلد ہی انہوں نے بغاوت کر دی اور بائیزیم فوج کو ایک زبردست شکست دی، بائیزیم ان سے گفتگو کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان میں سے کچھ کو انہوں نے ملازمت میں رکھ لیا اور انہیں سلطنت کے مغربی حصے میں آباد ہونے کے اجازت دی یہاں ویسی گوتھ نے (alaric) الارک کی قیادت میں فوج میں شمولیت اختیار کر لی اور روم جانے سے پہلے نواحی بستیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ چھ دن تک شہر کی لوٹ مار کرنے کے بعد وہ جنوبی اٹلی کی طرف چلا گیا جہاں اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس معاہدے کے مطابق جو بائیزیم کے ساتھ طے پایا تھا، الارک کے پیرؤوں کو گارون اور بائیزنی کے درمیان زمین دی گئیں، یہاں وہ آباد ہو گئے اور بتدریج اپنی قوت بڑھانے لگے، یہاں پہلی باربیرین سلطنت جس میں جنوبی مغربی فرانس اور سپین شامل تھے وجود میں آئی (419) چوتھی صدی میں ہن گوتھ فتح کرنے کے بعد، ڈینسٹر کے کناروں پر جہاں وہ پہلے آباد تھے وہاں نہ رہے۔ 5ویں صدی میں انہیں ایک بے مثال لیڈر اٹیلا کے روپ میں مل گیا۔ جس نے ہن اور جرمنوں کی ایک بڑی فوج تیاری اور مغرب کی طرف پیش قدمی کرنے لگا اس نے کئی موقع پر بلقان پر حملے کئے اور بائیزیم کے وسیع وعریض علاقوں پر قبضے کر لیے۔ 450 میں اٹیلا نے مغرب کی جانب مہم کا آغاز کیا۔ اگرچہ وہ بلاگے کی زمینوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا لیکن اس کی پیش قدیم کئی رومی قبائل نے روک دی اور انہوں نے

اسے کیٹا لینیس کے میدانی علاقوں میں شکست دی۔ اگر چہ اٹیلا اور اس کے ساتھیوں نے شمالی اٹلی کے کئی شہروں کو لوٹنے کا عمل جاری رکھا لیکن وہ کسی نئی فتح اور جنگ کے لیے تیار نہیں تھا۔ 453ء میں اس کی وفات کے بعد اس کی سلطنت انتشار کا شکار ہوگئی اور ہن بتدریج مقامی آبادی میں گھل مل گئے۔۔۔ وسطی یورپ کی طرف ہن کی پیش قدمی نے دوسرے جرمن قبائل کو مجبور کر دیا کہ وہ نئی زمینوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔ وینڈلز نے جب گوتھ کو جنوبی سپین سے زبردستی نکالا تو گوتھ شمالی افریقہ چلے گئے وہاں انہوں نے ایک ریاست قائم کی۔ علاقائی لوٹ مار اور بحری قزاقی کر کے وہ اپنا وقت گزارتے تھے 455ء میں انہوں نے روم پر قبضہ کرلیا اور مسلسل دو ہفتوں تک اسے لوٹتے رہے۔ برگنڈین بتدریج رومن وادی میں آباد ہوتے چلے گئے اور فرانکس نے دریائے رابن کی طرف سے پیش قدمی کی، جب دریا خشک ہوا تو وہ شمال گال پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دریائے لوائیر پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ 449ء میں اینگلز، سیکسن، جیوٹس اور تھرنیکیسن نے برطانیہ پر حملہ کر دیا اور کئی ایک باربیرین ریاستیں قائم کر دیں جو نویں صدی تک انگلینڈ کی صورت میں متحد ہو گئیں اس دوران 493ء میں اُوسٹر گوتھ نے اٹلی، تھیوڈورک کی قیادت میں فتح کرلیا۔ اگر چہ بائیز یئم، اُوسٹر گوتھ کو کمزور کرنے میں کامیاب ہوئے (555) ء پہلے پہل اٹلی والوں نے بائیز یئم کو اپنے نجات دھندہ قرار دیا۔ لیکن جلد ہی وہ ایک بار پھر ظالم افسر شاہی اور بھاری ٹیکسوں کا شکار ہو گئے۔۔۔ جرمن قبائل کے مشرق میں، کسی تعداد میں سلاوک قبائل رہتے تھے یہ تین گروپوں پر مشتمل تھے، مغرب، مشرق اور جنوبی سلاو۔۔۔ مغربی سلاو، ویسٹولا، اُوڈر، اور دریائے ایلب کے طاس میں رہتے تھے۔ چیک اور فوراوین قبائل ایلب کے بالائی حصے میں رہتے تھے، پولش قبائل اوڈر اور وسٹیولا دریاؤں کے کناروں پر، پومیرین قبائل بائزک کے جنوبی ساحلوں پر رہتے تھے۔ اس دور کے سلاوز جرمن قبائل کی طرح ابتدائی کمیون کے تحت زندگی گزارتے تھے۔ سلاوونک قبائل میں ریاستیں اور طبقات بعد میں وجود میں آئے، نویں صدی میں ایک بڑی سیلاو سلطنت مراو یا کے نام سے وجود میں آئی لیکن یہ مختصر مدت کے لئے قائم رہ سکی، 906 میں مغرب میں یہ ریاست جرمن قبائل کے زبردست دباؤ میں تھی اور مشرق میں خانہ بدوش قبائل کے دباؤ کا شکار تھی، مراوین سلطنت کے ایک حصے بوہیمیا نے اپنی آزادی برقرار رکھی اور بعد میں مقدس رومن سلطنت کا حصہ بن گئی۔ گیارہویں صدی میں چیک شہزادے نے بوہیمیا کے بادشاہ کا لقب اختیار کرلیا اس کی سلطنت اگر چہ رومن سلطنت کا حصہ تھی لیکن اس نے اپنے اختیارات کا بھرپور استعمال کیا۔ دسویں صدی میں سلاوونک قبائل ویسٹولا اور اوڈر کے باشندوں نے پولینڈ کی بنیاد رکھی، پومیرین اور پولا بین قبائل نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی بنیاد رکھی لیکن وہ زیادہ عرصے تک اپنی آزادی برقرار نہ رکھ سکیں۔ مشرقی سلاوز جو کہ پولز کے مشرق میں رہتے تھے انہوں نے نویں صدی میں ایک بڑی روسی سلطنت کی بنیاد رکھی، جنوبی سلاوز نے

چھٹی صدی سے ہی بازنطینی کی جانب اپنا اثر ورسوخ بڑھانا شروع کر دیا تھا، ساتویں صدی کے آخر میں سلاوونک قبائل جو دریائے ڈینوب کی نشیبی وادیوں میں رہتے تھے مسلسل جنگوں کے ذریعے ترک قبائل نے انہیں کمزور کر دیا، بلغارز نے ایک طاقتور بلغاریائی ریاست کی بنیاد رکھی، نویں صدی میں یہ سلطنت اپنی وسعت کے اعتبار سے جزیرہ نما بلقان کے زیادہ تر حصے پر قابض تھی اور بازنطینی کے لیے ایک مسلسل خطرہ تھی چنانچہ گیارہویں صدی کے شروع میں بازنطیم نے بلغرزز کو شکست دینے میں کامیابی حاصل کی، بارہویں صدی میں سلطنت بلغاریہ دوبارہ اپنی آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی لیکن چودھویں صدی میں یہ سلطنت عثمانیہ کے زیر قبضہ چلی گئی اور پھر انیسویں صدی تک ترکوں کے تسلط میں رہی، دریائے ڈینوب کی وسطی وادیاں سیورو، کروئسن قبائل سے آباد تھیں جنہوں نے چھٹی اور ساتویں صدی میں ڈینوب کو عبور کیا اور جزیرہ نما کے وسطی علاقوں میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر دیں۔ تاہم ان ریاستوں کو گیارہویں صدی میں بائیزنٹیم نے زیر تسلط کر لیا اور بارہویں صدی کے نصف تک ایک طاقتور سربین ریاست وجود میں آئی، 1339ء میں ترکوں نے سوُرکی جنگ میں انہیں شکست دی اور دوسرے سلاوَلوگوں کے ساتھ یہ بھی کئی صدیوں تک ترکوں کے زیر تسلط رہے۔

بائیزنٹیم سلطنت (4 تا 7 صدی ء)

395ء میں مشرقی اور مغربی رومن سلطنت ٹوٹ گئی اور بائیزنٹیم ایک علیحدہ ریاست کے طور پر وجود میں آگئے۔ اس کا نام اس قدیم یونانی نو آبادی پر رکھا گیا۔ بائیزنٹیم کی آبادی مختلف العناصر تھی۔ یہاں کئی یونانی قبائل اور بیلتا کے آبادکار رہا کرتے تھے۔ تاہم ان کی زبان یونانی تھی۔ ساتویں صدی میں یہ زبان دفتری قرار پائی بائیزنٹیم نے کسی حد تک معاشرتی ٹوٹ پھوٹ کے اس عمل کو روکنے کی کوشش کی، جو رومن سلطنت کے زوال کا باعث بنی تھی اور اس معاشرے کی بنیاد غلام داری معاشرہ تھی۔ بائیزنٹیم سلطنت کی کامیابی کا راز اس کے معاشرتی اور معاشی ڈھانچے میں مضمر تھا۔ زراعت میں غلاموں کی محنت کا استعمال بہت کم ہوا، لیکن اس وقت مغرب میں غلاموں کی محنت کا استعمال زیادہ تھا، غلاموں کو کافی عرصہ پہلے ہی زمین کی ملکیت رکھنے کے حقوق دے دیئے گئے تھے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غلاموں کی حیثیت کسی حد تک مزارعوں کی تھی۔ مغربی سلطنت کی نسبت، بائیزنٹیم سلطنت کے آبادکار'' کالونی ''طریقہ زراعت زیادہ گہرا تھا۔ زمین کو طویل مدت کے لیے کرایہ پر دیئے جانے کا رواج عام تھا اور یہ سلسلہ وراثت اختیار کرتا گیا۔ کئی ایک آزاد کمیون اس سلطنت میں اپنا وجود رکھتے تھے۔ ایک اور پہلو جو کہ بائیزنٹیم سلطنت کے توازن اور ترقی کا باعث بنا وہ یہ تھا کہ معاشی طور پر خوشحال ریاست باربیرین حملہ آوروں سے محفوظ رہی۔ سلطنت کے بڑے شہر اور تجارتی مرکز خاص طور پر باسفورس، شام میں انطاکیہ، مصر میں سکندریہ،

سلطنت کے لیے برآمدات کا سب سے زیادہ موثر ذریعہ ثابت ہوئے بائزنٹیم کو جو سب سے اہم مقام حاصل تھا وہ یہ کہ سلطنت یورپ اور مشرقی ممالک کے درمیان تجارتی رابطے کا ایک مرکز تھی، 5،4 اور 6 صدی میں غلام دارانہ معاشرہ ختم ہونے لگا اور آہستہ آہستہ جاگیردارانہ تعلقات جنم لینے لگے۔ بائزنٹیم میں مرکزی انتظامی ڈھانچے کے تحت جاگیرداری جڑیں پکڑ رہی تھی، سابقہ مالکان غلام کی نشوونما کی طرح طاقتور جاگیرداروں کا ارتقاء مرکزی افسر شاہی میں کوئی تبدیلی لے کر نہیں آیا جس کی وجہ سے انتہائی استبداری طرز کے ریاستی ڈھانچے کے لیے راہ ہموار ہوئی، ایسے ہی جاگیرداروں نے اپنی نئی حیثیت کو مضبوط کیا اور صدیوں میں اپنی طاقت بنائی مرکزی حکومت میں جس حد تک ممکن ہو سکا ان کو محدود رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہیں منع کیا گیا کہ وہ اپنی جاگیروں پر، جیلیں نہ بنائیں اور پرائیویٹ افواج نہ رکھیں اس کے علاوہ حکومت نے کوشش کی کہ عہد غلام داری کی باقیات کو قائم رکھیں۔ اگرچہ غلاموں کی حیثیت کو آباد کاروں میں بدلنے کی اجازت دی گئی۔۔۔ جسٹینین کے عہد (527-565) میں بائزنٹیم سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ یہ حکمران ایک غیر معمولی قابلیت کا مالک، سیاست دان اور راہنما تھا۔ شہری قوانین اور ضابطے کا نظام وجود میں آیا۔ بادشاہ کے لامحدود اختیارات کا تعین ہوا، پرائیویٹ ملکیت اور چرچ کی جائیداد کو تحفظ حاصل ہوا اور ریاستی ڈھانچے کو استحکام حاصل ہوا جس کے نتیجے میں غلاموں اور آباد کاروں کو تمام حقوق سے محروم کر دیا گیا، جسٹینین کی حکمت عملیوں کی وجہ سے عوام کے مختلف طبقات میں انتشار اور بے اطمینانی نے جنم لیا۔ سلطنت کے کئی ایک علاقوں میں بغاوت کی لہریں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سب سے زیادہ سنگین بغاوت کیسنطائن پول میں ہوئی۔ جسٹینین نے اس بغاوت کو کچل دینے کے بعد، اپنی توجہ خارجہ تعلقات کی طرف دی۔ اٹلی کے معاملے میں اسے کامیابی حاصل ہوئی اور سپین اور افریقہ کے سلسلے میں بھی، مگر یہ صورتحال عارضی ثابت ہوئی۔ جسٹینین کے عہد کے بعد بائزنٹیم کو کئی ایک مقبوضات سے ہاتھ دھونا پڑا اور اس پر باربیرین نے بھی حملے کئے۔ ساتویں صدی میں شام، فلسطین اور مصر کو عربوں نے فتح کر لیا۔

باربیرن سوسایٹی:

جب باربیرین قبائلی راہنما اپنے نئے مفتوح علاقوں میں بس گئے تو انہوں نے وہ رسم و رواج اور برادری نظام جو اپنے ساتھ لائے تھے ان کی ترویج کی، باربیرین سوسائٹی جلد ہی اپنے سابقہ خدوخال کھو بیٹھی اور اس کا طبقاتی کردار سامنے آنے لگا، اسی طبقاتی طرز نے ریاست کی تشکیل کے لیے راہ ہموار کی، اور سابقہ مساوات جو قدیم برادری نظام میں تھی اس میں تبدیلی جاگیردارانہ نظام کی بنیاد بنی۔ قانون اور قانون نافذ کرنے والے، استحصال کرنے والے استحصال زدہ وجود میں آئے۔ بڑے قطعات

اراضی جو امراء کی ملکیت میں آئے وہ انہوں نے کسانوں اور غلاموں میں تقسیم کر دیئے اور پھر ان سے پیدا وار کا حصہ اور زمین کا کرایہ وصول کیا جانے لگا۔ جب باربیرین نئی زمینیں قبضے میں لیتے تو وہ انہیں اپنے اعلیٰ عہدیداروں میں تقسیم کرتے، ان پر آباد غلام اور کالونی بھی انہیں مل جاتے، اس کے علاوہ ایک اور صورت بھی تھی کہ وہ لوگ جنہیں زمینیں الاٹ کی جاتیں ان کی یہ ملکیت نسل در نسل چلتی اور وہی ذمہ داریاں پوری کرتے جو ان کے آباؤ اجداد نے کی ہوتیں، مثلاً محصول اور ٹیکس وغیرہ۔ وہ کسان جو ابتدائی طور پر آزاد تھے وہ آہستہ آہستہ زیر نگیں کسانوں اور مزارعوں کی صورت اختیار کر گئے جو جاگیردار کے رحم و کرم پر تھے۔

مغربی یورپ میں جاگیردارانہ تعلقات کا وجود:

چھوٹے کسان جو عام طور پر سیاسی اور جنگی ابتری کا شکار ہو کر معاشی بدحالی اور عدم تحفظ کا شکار ہو جاتے تھے، امراء اور رئیس ان کا تحفظ کرتے، انہوں نے یہ تحفظ تو حاصل کر لیا لیکن اس کے لیے انہیں آزادی جیسی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی، یہ لوگ اب امراء پر انحصار کرنے لگے کئی معاملات میں غیر محفوظ کسانوں کو اس قدر تحفظ دیا گیا کہ وہ اپنے نئے آقاؤں کے علاوہ ان کے آباؤ اجداد کے بھی کارندے بن گئے۔ کچھ کسان ایسے بھی تھے جو قطعات اراضی کے مالک تھے اور وہ جاگیردار گھرانوں کی خدمت گزاری اور محافظوں کا کردار ادا کرتے تھے، انہوں نے اپنے تمام حقوق اور زمینیں اپنے نئے آقا کے حوالے کر دیں اور ایک مخصوص مدت کے لیے اس سے زمین حاصل کر لی، اب ایک ایسا رشتہ پیدا ہو گیا جس کے تحت کسان جاگیرداروں کو زمینوں کا کرایہ ادا کرتے۔ کلیسا کے پاس بھی وسیع و عریض زمینیں تھیں اور یہ ادارہ بڑا مضبوط تھا، کسانوں نے اپنی زمینیں ان کے حوالے کر دیں اور دوبارہ انہی سے کرائے پر حاصل کر لیں۔ کسانوں کو پانی اکٹھا کرنے کے لیے تالاب اور لکڑی پیدا کرنے کے لیے بھی زمینیں دی گئیں۔ وہ آزاد کسان جو اپنے لیے محنت کرتے تھے اب ان کی حیثیت مزارعوں جیسی ہو گئی اور ان کی محنت میں بالائی طبقے کا قانونی حصہ ہو گیا، اب وہ اپنے آقا کی زمین کے ساتھ رہنے کے پابند تھے۔ ایسی سلطنت منافع بخش تھی اور جاگیرداروں اور بادشاہوں کی عیاشیوں کے لیے ضروری بھی، چنانچہ کسانوں کے لیے خراب ذرائع مواصلات کی وجہ سے مرکزی حکومت تک اپنے مسائل لیکر پہنچنا مشکل تھا اس لیے نچلے سرکاری اہلکاروں امراء اور جاگیرداروں نے بادشاہوں سے مقامی آبادی کے حقوق و فرائض کے تعین اور انہیں عدالتی انصاف فراہم کرنے کے اختیارات حاصل کر لیے، اگرچہ یہ اختیارات ان کے پاس پہلے سے ہی موجود تھے۔ اس کے عوض وہ سرکاری ٹیکس جو جاگیردار اکٹھا کر کے بادشاہ کو فراہم کرتے اس میں کمی واقع ہوئی، لیکن جاگیردار کے مقامی اقتدار میں اضافہ ہوا، مقامی حکمرانوں نے پیداوار اور کاروبار کے ہر

شعبے میں ٹیکس عائد کردیئے، انہوں نے عام لوگوں میں سے فوج بھرتی کی، جو صرف انہی راہنماؤں کا حکم مانتے تھے، رومن افواج کا مقابلہ اور سامنا کرنے کے لیے دھات کے اسلحہ پر عبور حاصل کرنا ضروری تھا، دیگر جنگی ساز و سامان ایک طاقتور فوج کے لیے ضروری تھا، عام کسان کے لیے اپنے طور پر فوجی سامان رکھنا مشکل تھا چنانچہ فوجی شعبہ کسانوں سے علیحدہ ہوگیا اور امراء نے خود مختار اور علیحدہ فوجی دستے قائم کئے، ان امراء کو جو مرکزی حکومت کے لیے فوجی دستے تشکیل دیتے اور ان کے اخراجات برداشت کرتے، انہیں جو زمین تقسیم کی جاتی اسے فیوڈ (Feud) کہا جاتا اور ان کے مالکان کو فیوڈل لارڈ یا جاگیردار کہا جاتا، بادشا کو فوج مہیا کرنے کا یہ سلسلہ نسل در نسل چلنے لگا اور زمین کی ملکیت بھی وراثتاً ہوگئی چنانچہ اب ایک نئی حکمران جماعت یا جاگیردار وجود میں آگئے، جنگجوؤں کا ایک طبقہ جو بڑی جاگیروں کا مالک تھا۔ چھوٹے مالکان اراضی ریاستی طاقت کے تحت کام کرتے تھے، کسان اس دوران اپنی زمینوں کے کرائے اور محصولات سرکاری خزانوں میں جمع کرواتے تھے۔ چنانچہ فوج، عدلیہ بادشاہت، سرکاری اہلکار، غرض کہ ایک ایسا ریاستی ڈھانچہ وجود میں آگیا جو اپنے اندر ایک ایسی قوت رکھتا تھا جو جاگیردارانہ طرز معاشرت کا مکمل دفاع کرسکے۔

شارلی مان کی سلطنت:

جس طرح بار بیرین ریاستیں وجود میں آئیں، شارلی مان کی ریاست فرانکس تھی (814-768) دور جدید کے نقطۂ نظر سے اس ریاست کا کوئی صدر مقام نہیں تھا صدر مقام وہی علاقہ کہلاتا جہاں فی الوقت بادشاہ رہائش پذیر ہوتا، بادشاہ اپنے قبائل کے ہمراہ اپنی سلطنت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا، وہ جہاں قیام کرتا، مقامی منصب دار، اس کے سٹاف، محافظین اور ہمرکاب افراد کے کھانے پینے کا انتظام کرتے، بادشاہ کے ان دوروں کا مطلب یہ بھی تھا کہ سلطنت کی سرحدوں کا تعین کیا جاسکے، بار بیرین ریاستوں میں ملکوں کی واضع نشاندہی کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ شارلی مان کی سلطنت میں شمالی سپین، شمالی اٹلی، مغربی جرمنی کا بڑا حصہ اور فرانس مکمل طور پر اس کی قلمرو میں شامل ہوگئے۔ 800 میں پوپ نے شارلی مان کو شہنشاہ قرار دیا اور اس کی سلطنت کو شہنشاہیت، چونکہ یہ سلطنت کئی ریاستوں کا کمزور الحاق تھا اس لیے شارلی مان کی وفات کے فوراً بعد یہ سلطنت انتشار کا شکار ہوگئی،

عہد وسطیٰ کے شروع میں جاگیردارانہ تعلقات کی نشو و نما:

گیارہویں صدی کے شروع میں جب یورپ میں جاگیردارانہ نظام مکمل ہو چکا تھا تو عوام زیادہ تر حکمران طبقے پر مکمل انحصار کرنے لگے، انحصار کی انتہائی قسم وہ مظاہرہ تھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد سمیت جاگیرداروں کی خدمت اور زمینوں پر کام کرنے کے پابند تھے اور وہ پیداوار کا ایک خاصا حصہ جاگیرداروں

کوادا کرتے، صرف مزارع ہی کھیتوں پر کام نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا خاندان جاگیردار کے گھریلو کام کاج کرتا اور جوتے اور کپڑے کی تیاری بھی مزارعوں کے ذمے تھی۔ جاگیردارانہ معاشرہ کی ساخت، جاگیردارانہ تعلقات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ سماجی ومعاشی وحدت نے کس طرح عہد وسطیٰ کے سماجی وسیاسی تعلقات پر اثرات مرتب کئے۔۔۔ Seigniory یا تعلقہ جاگیردارانہ معاشرے کی ابتدائی وحدت تھی اور جاگیردارانہ ذرائع پیداوار کی بھی اس کا معاشرے کے معاشی وسماجی حالات اور سیاسی ڈھانچے پر گہرا اثر تھا، عہد وسطیٰ میں تمام اراضی چند مستثنیات کے علاوہ حکمران طبقے اور جاگیردار طبقے کے قبضے میں تھی ہر ایک جاگیردار مالک جس نے اپنے سے بڑے جاگیردار سے زمین حاصل کی ہوتی یا اس کا نامزد ہوتا اس سے وہ اپنی خدمات کا معاوضہ حاصل کرتا، اس کے علاوہ وہ بادشاہ کو زرہ بکتر اور گھوڑے فراہم کرنے کا پابند تھا، ایسے افراد اپنے آقا کے منصب دار ہوتے تھے ان پر عسکری ذمہ داریوں کے علاوہ کئی اور فرائض ہوتے یعنی جب جنگ میں اس کا آقا قیدی بنالیا جائے گا تو وہ تاوان کے طور پر اپنی جائیداد بھی دے گا۔ اگر منصب دار اپنے فرائض ادا کرنے میں ناکام رہے تو اسے منصب سے ہٹایا جاسکتا تھا۔ ملکیت ایک تو جاگیرداروں کی زمین تھی دوسرا مزارعوں کو ایسے قطعات اراضی بھی دیئے جاتے جن پر وہ ذاتی اوزاروں اور جانوروں سے اپنے اہل خانہ کے لیے پیداوار حاصل کرتا، مزارع ذاتی طور پر منصب دار کے رحم وکرم پر تھا، وہ تمام زمین جو جاگیردار ملکیت اور وہ زمین جس پر مزارع ذاتی ضروریات کے لیے کاشت کرتا یہ دونوں ملکتیں مجموعی طور پر بادشاہ کی ملکیت تھیں اگر ایک طرف منصب دار آزاد تھا تو دوسری طرف وہ بادشاہ کا کارندہ بھی تھا، اس کے علاوہ منصب دار جنگجو بھی ہوا کرتے تھے، چنانچہ مزارعوں سے ان کا سلوک غیر انسانی ہوا کرتا تھا، عہد وسطیٰ کی معیشت کم پیداوار کی حامل تھی زرعی آلات جسامت میں چھوٹے تھے وہ ایک فرد کے استعمال کے لیے بنائے گئے تھے ایسے ہی دستکاروں نے جو اوزار استعمال کیے وہ ایک فرد کے استعمال کے لیے تھے چنانچہ عہد وسطیٰ کی ثقافت کی مادی بنیادیں کسان محنت اور کسان معیشت پر ہیں، دیہاتوں میں محدود سطح پر آزادانہ پیداوار ہوتی اور دستکار محدود پیمانے پر پیداواری عمل میں حصہ لیتے، بہتر پیداواری عمل کے لیے پرامن حالات کی ضرورت ہوتی ہے حکمران اپنے ملکوں میں لوٹ کھسوٹ کرنے کے لیے اور انہیں پرامن ماحول دینے کے لیے اندرونی بغاوتوں اور بیرونی حملوں پر نظر رکھتے، جاگیردارانہ معاشرے میں پیداوار میں اضافہ ہوا، پیداوار میں دلچسپی کی وجہ سے غلاموں نے بھی محنت اور جانفشانی سے کام کیا، اگرچہ جاگیردارانہ معاشرت غلام دارانہ معاشرے کے کھنڈرات پر قائم ہوتی پھر بھی کئی ایک ثقافتی اصطلاحات ہوتیں اور بعد میں آنے والا نظام پہلے سے ترقی یافتہ تھا۔

جاگیردارانہ معاشرے میں جنگیں:

جاگیردار امراء کی طاقت کا انحصار ان منصب داروں پر تھا جو انہیں محصول اور ٹیکس ادا کرتے، اس لیے جاگیردار منصب داروں کی تعداد بڑھاتے رہتے، اور وہ ہمسایہ جاگیرداروں کے منصب داروں کو ساتھ ملاتے رہتے، اس طرح جاگیردار امراء کے درمیان جنگیں معمول کی کارروائی تھیں۔ ان لڑائیوں میں دیہاتوں اور قصبوں کو جلا دیا جاتا اور کسانوں کا قتل عام ہوتا ان تمام حرکتوں سے پیداواری قوتیں کمزور ہو جاتیں، یہ امراء کسی قانون اور ضابطے کے پابند نہیں تھے اس لیے تمام قدروں کو پامال کر دیتے کیونکہ مرکزی ریاستوں اور قوانین کا فقدان تھا، باربیرین ریاستوں کے زوال کا معاشی پہلو یہ تھا کہ معیشت کا مستقل نظام اور قانون نہیں تھا چھوٹے چھوٹے علاقائی حکمران اپنی اپنی ریاستوں کی مرکزی قوت تھے، مقامی جاگیردار، عدالتی، انتظامی اور اختیارات کے حوالے سے جاگیر کا اعلیٰ ترین شخص ہوتا۔۔۔ اگرچہ بادشاہتیں تھیں لیکن اختیارات مقامی جاگیرداروں کے پاس تھے وہ خود کو بادشاہ کا ہم مرتبہ اور برابر سمجھتے، اگرچہ وہ بادشاہ کے منصب دار اور کارندے تھے۔ کم طاقتور جاگیردار جنہوں نے زمینیں جاگیرداروں سے حاصل کر رکھی تھیں وہ اپنے آقاؤں کی منصب داری کے پابند تھے، ان سے چھوٹے جاگیردار ان کی تابعداری کے پابند تھے، اس طرح تمام حکمران طبقہ پادریوں کی مذہبی تنظیم کی طرح تھا، لیکن ان لوگوں میں ایک خصوصیت مستقل تھی کہ وہ محنت کش طبقہ کا استحصال کرنے میں ایک ساتھ تھے۔ ریاست فرانکس میں جاگیردارانہ سماجی ڈھانچہ واضح طور پر نکھرا ہوا تھا، وہاں یہ اصول تھا کہ یہ ''میرے منصب دار کا منصب دار میرا منصب دار نہیں ہے۔'' عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور کی معیشت کا انحصار بنیادی طور پر زراعت پر تھا اس کا سماجی تشخص جاگیرداریت تھی۔ اس عہد میں سیاسی ارتقاء ایک عبوری صورت میں تھا جو پہلے باربیرین قبائل سے ریاستوں کی صورت میں ہوا، اور یہ نظام جلدی ہی انتشار کا شکار ہو کر جاگیرداریت میں تقسیم ہو گیا ان ریاستوں کی انتظامی بنیادیں منصب داروں اور مزارعوں پر کھڑی تھیں۔۔۔ اس دوران جب کسانوں کے ابتدائی کمیون نظام تباہ ہوئے اور ان کی جگہ جاگیردارانہ نظام نے لے لی تو وہ کسان جو کبھی دیہاتوں میں برادریوں اور خاندانوں کی صورت میں مساوی حقوق کی بنیاد پر زندگی گزارتے تھے اب وہ آزاد کسان سے مزارع بن چکے ہیں اور یہ صورت حال ان کے لیے کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں تھی چنانچہ وہ کسی نہ کسی انداز میں کھلم کھلا یا خفیہ طور پر جاگیرداروں، منصب داروں ان کے اہلکاروں، کارندوں اور افسر شاہی کے جبر و تشدد کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ابتدائی کمیون نظام کی مساوات قائم کی جائے۔

چرچ کا کردار:

حکمران طبقہ یہ جانتا تھا کہ ننگا تشدد ہی صرف کسانوں کو تابعدار نہیں بنا سکتا، دنیاوی تلوار سے

علاوہ روحانی طریقوں کی بھی ضرورت ہے اور عیسائی چرچ جسے لوگوں کے اعتقادات پر غلبہ حاصل تھا۔ چرچ لوگوں کو پڑھاتا کہ دنیا کو ایک فیاض اور سخی خدا نے تخلیق کیا ہے اس لیے دنیا کی موجودہ حالت میں کچھ لوگ امیر ہیں اور کچھ غریب، کچھ حاکم ہیں اور کچھ محکوم، جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے حکم سے ہوتا ہے جو کوئی بھی اس عمل کے خلاف بغاوت کرے گا سوچے گا، حکم عدولی کرے گا وہ گناہ کا مرتکب ہوگا اس لیے ہر شخص کو اپنی ذمہ داریاں بغیر کسی سوال اور مطالبے کے پورا کرنا چاہیں، عہد وسطیٰ کے لوگ ماقوالفطرت اعتقادات رکھتے تھے اور ایسے نظریات پر یقین رکھتے تھے جو چرچ کی طرف سے پڑھائے جاتے تھے، اس لیے چرچ کا اثر روزمرہ کی زندگی میں بڑھتا گیا اور چرچ جاگیردارانہ معاشرے میں حکمران طبقات کا اقتدار قائم رکھنے کا ایک ذریعہ بن گیا، ریاستی حکمرانوں نے چرچ کے کردار کو بے حد سراہا اور وہ عام طور پر ان کو عطیات دیا کرتے تھے۔ نتیجے کے طور پر چرچ کو عطیات کے طور پر بے بہا زمینیں دی گئیں اور اس کے ساتھ ساتھ چرچ کے کئی ایک اہم ممبران کو حکمران طبقے میں اعلیٰ منصب حاصل ہوئے، چرچ کے بڑے پادری خود کو امراء اور بڑے جاگیرداروں سے کم نہیں سمجھتے تھے روم کا بشپ جسے پوپ کہا جاتا ہے انتظامی اور مذہبی فریضے ساتھ ساتھ ادا کرتا تھا اور مقامی باشندوں کو باربیرین کے حملوں سے بچاتا، اس وجہ سے پوپ کی انتظامی برتری مستحکم ہوگئی اور جلد ہی پوپ آف روم ساری دنیا کی عیسائیت کا روحانی پیشوا ہونے کا دعویدار ہوگیا۔

○

باب:9

مشرقی جنوبی مشرقی اور جنوبی ایشیا میں جاگیردارانہ تعلقات کا ظہور اور ارتقاء۔۔۔چین

تیسری صدی عیسوی میں غلام دارانہ معاشرے میں انتشار ہان سلطنت کے زوال کا باعث بنا اور اس سلطنت کے وسطی حصوں کا سیاسی زوال بھی اسی وجہ سے ہوا، ہان سلطنت کا علاقہ (دریائے زورکا طاس) ریاست (Wei) وی قائم ہوئی جبکہ دریائے ینگ سی کے طاس کا حصہ جو ہان سلطنت میں شامل ہوگیا تھا وہاں اور دو سلطنتیں وجود میں آئیں، چنانچہ عہد وسطیٰ کے چین میں دو اہم مرکز تھے، جنوب میں جہاں زمین کا زیادہ تر حصہ بغیر کاشت کے پڑا تھا اور یہاں ارتقاء بڑا سست تھا۔ شمال میں انتہائی ضروری تھا کہ ایک بڑے آبپاشی نظام برقرار رکھنے کے لیے قلعہ بندیاں تعمیر کی جائیں تاکہ خانہ بدوشی کے حملوں سے بچا جاسکے۔ ایک مرکزی ریاست وجود میں آ گئی اور تیزی سے ترقی کرنے لگی۔ شمال میں Tsin ریاست میں، ایک جاگیردارانہ معاشرے کا ارتقا جاری تھا، اور غلام داری سے جاگیرداری میں عبور تیسری صدی سے ہی شروع ہو چکا تھا "چمو"... اور کمیون کے کسان رست نگر ہو گئے۔ طاقتور غلام داروں کو وسیع تر زمین الاٹ کی گئیں۔ "لیکن ان کی شرائط غلام دار معاشرے سے آسان تھیں" اس دوران روایاتی الاٹمنٹ نظام کے تحت، کسانوں کا ایک اور طبقہ ریاستی پلاٹوں پر بطور مزارع کام کرنے لگا۔ افسر شاہی کو وسیع و عریض قطعات اراضی الاٹ کئے گئے۔ جبکہ دریائے زور کی وادی میں جاگیردارانہ تعلقات جڑیں پکڑ رہے تھے، خانہ بدوش قبائل (من اور ٹوبہ) حملہ آمد ہوئے اور ٹی سین ریاست تباہ ہوگئی۔ ہان ریاستیں بالکل محفوظ رہیں جو دریائے ینگ سی کے طاس میں واقع تھیں۔۔۔ چونکہ خانہ بدوش قبائلیوں سے حملوں کا مسلسل خوف تھا، اس لیے ضرورت تھی کہ ریاست کی صورت مضبوط ہونا چاہیے، کسانوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے نہری نظام کی ضرورت تھی تاکہ پیداوار زیادہ ہو سکے۔ ہم ایک مضبوط ریاست خوشحال

جاگیرداروں اور جنگجوؤں کا مطالبہ کرتی تھی۔ شمالی وئی کی ہان ٹو بہ میں ایک نیا اور آسان الاٹمنٹ کا نظام متعارف کرایا گیا، ریاستی زمینوں پر لازمی محنت کی جگہ کسانوں سے ٹیکس وصول کئے جانے کے نظام کی بنیاد رکھی گئی اس ٹیکس کا کچھ حصہ ریاست کو چلا جاتا اور باقی سرکاری اہلکاروں اور مقامی علاقے میں انتظامات کے لیے رکھ لیا جاتا، ذاتی ملکیتی زمینوں پر استحصال کی سنگین وجہ بھاری ٹیکس تھے جو ادا کرنا کسانوں کے بس میں نہیں تھا۔ اس نئے نظام سے شمالی علاقے مستحکم ہوئے انہوں نے 589 میں جنوب پر جہاں جاگیردارانہ تعلقات بڑی سستی سے وجود میں آ رہے تھے ان پر قبضہ کر لیا،۔۔۔ سوئی خاندان کے عہد میں الاٹمنٹ نظام جنوب میں بھی پھیل گیا، استحصال کے طریقہ کار پورے چین میں ایک جیسے ہو گئے سرکاری مذہب کنفیوشش ازم قرار پایا، جس میں ریاست کی فرماں برداری کا درس دیا جاتا تھا۔ اس عہد میں وسیع پیمانے پر تعمیراتی کام ہوئے ایک بہت بڑی نہر جو دریائے زرد اور ینگ سی کو آپس میں ملاتی، تعمیر کی گئی۔ ریاستی زمینوں پر محنت کے اوقات بڑھا دیے گئے جس کے نتیجے میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ تانگ خاندان کا بادشاہ (618ء،907ء) جس نے سوئی خاندان کا خاتمہ کیا تھا نے جاگیردارانہ افسر شاہانہ نظام کو قائم کرنے کا عمل جاری رکھا۔ ٹیکس اور محصولات میں باقاعدگی پیدا کی گئی تاجروں، دستکاروں اور غلاموں کو زمینیں الاٹ کی گئیں۔ اس سے کسانوں کی بغاوتوں میں کمی پیدا ہوئی، تجارت، دستکاری اور ثقافت کو فروغ ملا، ایک انتظامی ڈھانچے کی تشکیل کی گئی، فوج کو نئے خطوط پر منظم کیا گیا، تانگ خاندان نے جنوبی منگولیا، جنوبی منچوریا، دریائے ینگ سی کے بالائی علاقوں تارم کے خلاف فوجی مہمات کیں۔ ان لڑائیوں نے چین کے اقتصادی نظام کو کمزور کر دیا، ریاست کے مرکزی ڈھانچے کو بھی نقصان پہنچا، جاگیردار افسر شاہی کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی جب خانہ بدوشوں نے انہیں شکست دی، جنوب کے متاثرہ لوگ (مثلاً ویتنام) نے اپنی دوبارہ آزادی حاصل کر لی۔ مقامی سرداروں نے جو طاقتور تھے انہوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا، ان حالات میں ذاتی ملکیت کا رجحان پھیلنے لگا اور سرکاری ٹیکسوں میں کمی واقع ہو گئی، اس دوران مقامی سرداروں نے کسانوں اور مزارعوں پر اپنا غلبہ مضبوط کر لیا، چین میں جاگیردارنہ نظام کے ارتقاء نے کئی چھوٹی جاگیروں کو جنم دیا، نویں صدی میں تانگ خاندان کے عہد حکومت میں جاگیرداروں کا طبقہ کسانوں پر استحصال کے پنجے گاڑ چکا تھا اس سے کسانوں اور حکمران طبقے کے درمیان تصادم کی صورت پیدا ہو گئی، 881ء میں ہوانگ چاؤ باغیوں نے چانگ ان کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا اگرچہ بغاوت کچل دی گئی، دوطرفہ استحصال کا نظام ختم ہو گیا اور اقتدار طاقتور امراء کے ہاتھوں میں چلا گیا انہیں مضبوط ریاستی ڈھانچے کی ضرورت نہیں تھی، ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں چینی ثقافت میں شاندار ترقی ہوئی، بارود ایجاد ہوا، کاغذ بنانے کا طریقہ اور لکڑی کے بلاکوں سے چھپائی کا کام چینی سیکھ چکے تھے۔ سکولوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم ہوئے اور بہت سے قصبے اہم ثقافتی مرکز بن گئے۔

علم ریاضی، علم فلکیات، طبعیات، جغرافیہ اور تاریخ میں چینی مفکرین نے گراں قدر دریافتیں کیں، تانگ عہد کو عظیم شاعری کا دور بھی کہا جاتا ہے یہ وہ دور تھا جب لی پو، ٹوفو، یوچی اور تانگ چنانگ چی جیسی کہانیاں وجود میں آئیں۔ان منصفوں کے کاموں میں مادیتی نقطہ نظر ملتا ہے، مصوری اور سنگتراشی کے کئی مکتبہ فکر وجود میں آئے جنہوں نے شہرت حاصل کی، دسویں صدی کا پہلا نصف چین میں جنگجو سرداروں اور جاگیرداروں کے درمیان جنگوں کا زمانہ تھا، سابقہ سلطنت کے کھنڈرات پر کھتان قبائل نے سلطنت قائم کی، کھتان قبائل کا دریائے زور کی وادی پر حملہ، مذہبی پیشواؤں اور قصبوں کی مدد سے جاگیرداروں کے درمیان اتحاد کا باعث بنا۔ ملک کی مرکزیت کے پس پردہ جو قوت متحرک تھی وہ زمیندار جنگجوؤں کا ایک چھوٹا طبقہ تھا جنہوں نے چاؤ کوانگ ین بادشاہت قائم کی اور سنگ (1279-960) خاندان کی بنیاد رکھی۔ مرکزیت کی جانب تحریک کا ایک نیا مرحلہ زیادہ ترقی یافتہ معیشت سے شروع ہوا، سنگ خاندان تانگ۔ ایک چھوٹے علاقے پر قابض تھا ابھی تک سنگ ریاست کی پیشقدمی کے راستے میں کھتان کے حملے مائل تھے، اس کے ساتھ ساتھ مرکزیت کے حامیوں اور طاقتور زمینداروں کے درمیان جدوجہد شدت اختیار کر گئی اس جدوجہد کے نتیجے میں سماجی تنظیم کی قدیم شکل ختم ہوگئی ان کی جگہ نئی سماجی شکلوں نے لے لی، اس عہد کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ پرائیویٹ اراضی ملکیتیں وجود میں آئیں جن پر مزارعے کسان کام کرتے تھے جو کہ زمین کا کرایہ ریاست کو ادا کرنے کے پابند تھے، قصبے تجارتی راستوں کو ملانے والے اہم مرکز بن گئے اور پیچیدہ کاروبار اور منافع کا نظام وجود میں آ گیا۔ شہری دستکاروں نے تاجروں کے ساتھ ملکر صنعتی انجمنیں قائم کیں، اس کے ساتھ انہوں نے کسی خاص مال کے پیدا کرنے کا سوال طے کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ انتظامی نوعیت کے معاملات، لیڈر کا انتخاب، ضرورت کے وقت کسی ممبر کی امداد، ضلعی انتظامیہ کے ساتھ کوئی تنازعہ وغیرہ طے کرنا۔ قصبوں میں طاقت شاہی نمائندوں کے ہاتھوں میں تھی، کوئی بھی ایسا قصبہ نہیں تھا جس کی انتظامیہ آزاد ہو۔ اگر ہو تو پیداوار کے ریاستی اجارہ دار اور مختلف جنسوں کی فروخت پر پابندی عائد کر دی جاتی۔ دسویں اور گیارہویں صدی میں آزاد زمینوں کی کمی، اور شہری محنت کشوں پر استحصال میں اضافے سے ریاستی ٹیکسوں میں اضافہ ہوا، اس کے نتیجے میں کسانوں کی بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سب سے پہلے یہ بغاوتیں غیر ہان کسانوں میں ہوئیں۔ جو کہ زبردست استحصال کی زد میں تھے۔ ریاستی ملکیت قائم کرنے کے لیے کوشش کی گئی۔ لیکن یہ مکمل طور پر ناکام ہوئی۔ صورتحال انتہائی مخدوش ہوگئی۔ جب ایک بڑا خانہ بدوشوں کا حملہ ہوا، تو ریاست کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی 1122ء میں ایک ھانجور چن ریاست شمال کے علاقے میں چین کے نام سے قائم ہوئی جبکہ جنوب میں ہان صوبے سنگ خاندان کے تسلط میں دونوں ریاستیں سیاسی اور معاشی لحاظ سے کمزور تھیں شمال میں جنگوں نے معیشت تباہ کر دی اور جنوب میں جورچن کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ اس سے جنوبی سنگ ریاست معاشی طور پر کمزور

ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں کاروبار اور تجارت کو زوال آیا۔ شہروں کی ترقی میں رکاوٹ آئی اور اس کے ساتھ ساتھ فوجی طاقت میں بھی کمی واقع ہوئی۔

کوریا:

کوریا میں جاگیردارانہ تعلقات، ابتدائی طبقاتی ریاستوں Paekene, Koguryo اور Silla کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ ان ریاستوں میں طاقت جاگیردار امرا کے ہاتھوں میں تھی، جو برادریوں اور قبائلیوں کے لیڈر سلسلۂ پشت تھے۔ جبکہ کسان جو کمیون میں رہتے تھے بنیادی پیداواری قوت تھے۔ کسان براہ راست ریاست، ریاستی افسران، مالکان زمین اور جنگجوؤں کے دست نگر تھے۔ کوریائی معاشرہ میں تین چار اور پانچ صدی میں غلاموں کا کوئی قابل ذکر کردار نہیں تھا، بلکہ ان کی تعداد روز بروز کم ہو رہی تھی۔ جاگیردارانہ کوریائی معاشرہ کا قدیم مذہب کنفیوشش ازم تھا۔ بعد میں اس کی جگہ بدھ ازم نے لے لی۔ 4,3 صدی میں کوریائی قصبوں نے ترقی کی اور تجارتی رابطے ترقی یافتہ ہوگئے، حقیقت میں کوریائی ریاستیں ایک واحد نسلی، ثقافتی اور جغرافیائی وحدت اختیار کر گئیں جو کہ ایک سیاسی یکسانیت کا تقاضا کر رہی تھیں۔ یہ چینی بادشاہت سے مستقل خوفزدہ تھیں۔ چین نے 598ء، 611ء، 613ء، 614ء، 645ء، اور 660ء میں کوریا پر حملے کئے۔ ساتویں آٹھویں صدی کے شروع میں کوریائی ریاستیں کئی ایک جنگیں لڑنے کے بعد ایک وحدت اختیار کر گئیں۔ اس وحدت کا نام جنوبی ریاست سیلا Silla کے نام پر رکھا گیا۔ متحدہ سیلا ریاست وہ تمام جاگیردارانہ حدوخال رکھتی تھی جو کسی بھی مشرق بعید کے ملک میں ہو سکتے تھے۔ ریاستی ڈھانچہ کی بنیاد زمین کی ریاستی ملکیت تھی۔ زمین کی تقسیم الاٹمنٹ پیداوار اور اس کی تقسیم کا نظام اس جاگیردارانہ ریاست کی انتظامیہ کے تابع ہوتا۔ پیداوار سے متعلقہ افراد سے ٹیکس وٹول کئے جاتے۔ زمین کی تقسیم اور الاٹمنٹ کے نظام نے ریاست کے تقسیم کی۔ سرکاری اعلیٰ حکام کی تنخواہ کے بجائے زمین الاٹ کی جاتی تھی۔ زمین کے ساتھ ساتھ وہ کسان بھی جو اس پر کام کرتے ملک کی یونین وجود میں آنے سے دست کاری اور تجارت کو فروغ حاصل ہوا، کوریا کی غیر ملکی تجارت نچلے معیار پر تھی کیونکہ اسے چین کے ساتھ محاذ آرائی کرنا پڑی تھی۔ الاٹمنٹ کا نظام معاشی ترقی میں رکاوٹ بنتا تھا۔ اگر اصلاحات نہ کی گئیں ہوتیں۔ 9ویں صدی میں الاٹمنٹ نظام میں ایک زبردست ٹھہراؤ آ گیا اور بحران کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ جب زمین کے مالک عسکری طبقے نے وسیع پیمانے پر زمینداریاں قائم کرلیں۔ بدھ مذہبی راہب بھی بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔۔۔ نئے جاگیرداروں کے ہاتھوں غریب کسانوں کے استحصال میں شدت آ گئی۔ ٹیکس ادا کرنے والے کم ہونے لگے اور وہ ریاستی ڈھانچہ جو مالکان زمین افسران چلاتے تھے وہ کمزور ہونے لگا۔ ریاست اس قابل نہ تھی کہ وہ کسانوں کو کچل سکتی۔ (896ء-889ء) جاگیردار

امرائے کسانوں کے خلاف کارروائیاں کیں جس کے نتیجے میں وہ اور ریاست کی مرکزی حکومت کمزور ہوگئی اور یہ ریاست جلد ہی دو ریاستوں کے طور پر ظاہر ہوئی۔۔۔ کسانوں کی بغاوتوں کو کچلنے کے لئے مہمات اور چین کی طرف سے یکے بعد دیگرے حملوں کا سلسلہ اس سے یہ بات اشد ضروری ہوگئی کہ ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم ہو۔918ء میں جب وانگ کون نے ملک کو دوبارہ اکٹھا کرنے کے لیے کوششیں کیں تو کئی ایک جاگیرداروں نے رضا کارانہ طور پر اس کی مدد کی۔ نئی متحدہ ریاست KORYO میں الاٹمنٹ نظام کو تسلیم کیا گیا۔ تمام کسانوں کو ریاست کے لیے زمین کا کرایہ بطور ٹیکس ادا کرتا تھا، اس کے نتیجے میں الاٹمنٹ نظام مستحکم ثابت ہوا، اس کے ساتھ شمال مغرب میں، جو زمین خالی پڑی تھی اس پر کاشت کاری شروع ہوگئی، سرحدوں کے ساتھ ساتھ کسان آباد ہوگئے۔ وہ ایک تو حملہ آوروں کے سامنے محافظوں کا کردار ادا کرتے تھے اور دوسرا وہ بنجر زمینوں کو کاشت کرتے وہ لوگ جو ریاستی امور کے ذمہ دار تھے انہیں معاوضہ کے طور پر زمین دی جاتی۔ پھر تمام جاگیردار یہاں تک کہ وہ جاگیردار بھی زمینوں کے مالک ہوتے، اپنی کل آمدنی جو کہ وہ ٹیکس کی صورت میں اپنے کسانوں سے حاصل کرتے تھے اس کا ایک طے شدہ حصہ وہ حکومت کو ادا کرتے۔ اس وقت کوریا میں زمین کا ایک بڑا حصہ جو بنجر پڑا تھا۔ الاٹمنٹ کے وقت اس کے ساتھ زرخیز زمین بھی شامل کر لی جاتی (اس لئے مزارعوں کی بڑی اہمیت تھی لیکن جاپان اور ویتنام میں ایسی صورت نہیں تھی کیونکہ وہاں زمین کی قلت تھی)۔ مزارع زمینوں پر کاشت کرنے کے پابند تھے، دیگر مالکان زمین اور جاگیرداروں کی مزارعوں کے مسئلے پر آپس میں ٹھن جاتی۔ کیونکہ ان مزارعوں کے بغیر جاگیردار کے لیے مشکل تھا کہ وہ اپنی جاگیروں میں اضافہ کرے رسویں صدی کے آخر تک جاگیردارانہ نظام ایک نئے یکساں، استحصالی نظام کی صورت میں سامنے آیا۔ ایک متحرک اور قابل عمل ریاستی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا۔ جس کے مطابق سول افسران اور فوجی کمانڈروں کے درمیان اختیار و فرائض کے سلسلے میں حد فاضل کھینچی گئی۔ ایک باقاعدہ فوج تشکیل دی گئی جس میں کسانوں کو شامل کیا گیا۔ اس فوج نے کوریا کو اس قابل بنا دیا کہ کھتان حملہ آوروں سے محفوظ رہ سکے، (11ویں صدی کے شروع میں) اور کسان تحریکوں کو کچل سکیں۔ ایسا ہی معاملہ ویتنامیوں کا تھا۔ چین کے جاگیرداروں کا دباؤ آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا یہی وجہ تھی کہ 11ویں اور 12ویں صدی کے شروع میں کوریا کی ایک مرکزی جاگیردارانہ ریاست مستحکم ہوگئی اور نشوونما حاصل کرنے لگی۔ اس عہد کے دوران کسانوں کے دو واضح گروپوں کے درمیان امتیاز کرنا ممکن ہوگیا۔ وہ جو کہ آزاد تھے اور وہ جو کہ ریاستی خدمات یا کسی مالک زمین کی خدمت کرنے کے پابند تھے۔ پہلی قسم پر جو استحصال کیا جاتا اس کی شکل ٹیکس ریٹ، محنت و مشقت اور فوجی سروس جو کہ ریاست، بادشاہ یا کسی جاگیردار کے لیے مخصوص تھی۔ دوسری قسم ان مزارعوں کی تھی جو زمینوں کے ساتھ پابند تھے جو کہ طاقتور جاگیردار یا بادشاہ کی خدمت کرنے کے پابند تھے۔ 11ویں اور 12ویں صدی میں

شہری آبادی میں پھیلاؤ ہوا اور صنعتی ترقی میں اضافہ، لیکن یہ سلسلہ عمل سست رفتاری سے آگے بڑھتا رہا۔ یہ عمل ریاستی کنٹرول میں تھا۔ کوریا میں جو پیداوار برآمد کے لئے تیار کی جاتی، بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح کے چینی تیار شدہ مال ہوا کرتے اس برآمد کے معاملے میں چین سے مقابلہ بڑا سخت تھا۔ کوریا کا دارالسلطنت ایک قصبے کی طرح تھا اور پھر چین کے ساتھ ثقافتی رابطے، اس وقت چینی، سائنس، آرٹ اور ادب نے کوریائی ثقافت پر گہرے نقش چھوڑے اور اسے متاثر کیا۔

جاپان:

جاپان میں طبقاتی معاشرے کا ظہور ایشیاء کے کئی ملکوں میں جاگیردارانہ معاشرے میں ظہور سے مطابقت رکھتا ہے جاپان کے نوزائیدہ طبقاتی معاشرے کے بعد (انڈونیشیا اور دیگر) کئی دوسرے ملکوں میں جاگیردارانہ معاشرے کا قیام عمل میں آیا۔ غلام دارانہ معاشرے کے طاقتور عناصر سماج میں جڑیں نہ پکڑ سکے، ابتدائی طبقاتی معاشرہ Yamato ''ریاست'' پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں آزاد کسان کمیونوں میں رہتے تھے اور نسل در نسل دست نگر کسان اور غلام، غلاموں کی نچلی پرت بھی اس ریاست کا حصہ تھی۔ اس عہد میں ایک ایسا طبقہ جو پہلے خانوادوں کا سربراہ تھا اور وہ بعد میں امراء کی صفوں میں شامل ہو گیا، چھٹی صدی کے آخر میں ایک بڑا حکمران خاندان وجود میں آیا، یعنی سرجی خاندان، اس دوران قصبے ترقی کر رہے تھے اور صنعت پھیل رہی تھی، انتظامی افسران کا ایک گروہ اور مذہبیوں کا ایک خاص طبقہ شنتو جاپان کا روایتی مذہب تشکیل پا رہا تھا۔ طبقاتی معاشرے کی تشکیل بڑی سخت جدوجہد کے نتیجے میں ہوئی۔ 592ء میں اقتدار سوگا قبیلہ کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ وہ کسان جنہوں نے سرجی کے خلاف بغاوت کی تھی، ان کے لیے کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا تھا۔ سوگا کے عہد حکومت میں، استحصال کرنے والے حکمران طبقے کو ایک مذہب کی ضرورت تھی جو طبقاتی معاشرہ اپنا لے۔ شنتو کے علاوہ، جو بدھ ازم کی پرچار کرتے تھے سوگا کے عہد میں جاپانی معاشرے کا اندرونی ڈھانچہ تبدیل نہیں ہوا۔ اس دوران اندرونی سماجی تضادات میں شدت اور چین اور کوریا کی ریاست سیلا سے تصادم کے نتیجے میں انتظامی ڈھانچے کی تشکیل کی ضرورت کو محسوس کیا گیا، نئے جاگیردارانہ معاشرے کے بنیادی اصول، شوٹوکو، تائی شی کے قوانین میں درج کئے گئے جو چینی ضابطوں اور قوانین کی مقامی شکل تھی۔ مرکزی ریاست کے استحکام کے ساتھ ساتھ بدھ راہبوں نے وسیع وعریض جاگیریں حاصل کی جن کا انتظام وانصرام جاگیردارانہ طرز پر تھا۔ سوگا کی زیر قیادت اشرافیہ نے اس نئے ارتقاء کی مزاحمت کی، نئی مستحکم اور مرکزی حکومت قائم کرنے کے بعد جاگیرداروں نے کمیونوں میں کام کرنے والے آزاد کسانوں کے خلاف مہم کا آغاز کیا، اس مہم کا اظہار تاہیو کے ضابطہ قوانین (701ء) میں ہوتا ہے اقتدار اعلیٰ تمام زمینوں کا مالک تھا آزاد کسانوں کو

زرخیز زمینوں پر کام کرنے کے عارضی اختیارات دیئے گئے تھے اور بادشاہ انہیں اس شرط پر دیتے تھے کہ وہ ٹیکس ادا کریں گے اور اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔ کسان قطعات اراضی کو نہیں چھوڑ سکتے تھے اس طرح آزاد اور پابند کسان ریاستی مزارع بن گئے اور انہوں نے غلاموں کے علاوہ سماج کی سب سے نچلی پرت کی تشکیل کی، ریاستی عہدیدار اور القاب یافتہ امراء نے وسیع وعریض قطعات اراضی حاصل کئے جس طرح ریاستی عہدے توارث سے ملتے تھے اس طرح زمینوں کی بھی وارثت تھی انہیں اجازت تھی کہ وہ حکومت کے لیے اکٹھا کئے جانے والے ٹیکس سے کچھ حصہ اپنی خدمات کے عوض رکھ سکتے ہیں۔ سماجی اور معاشی تنظیم جو آٹھویں صدی میں جاپان میں وجود میں آئی وہ اس کے ترقی یافتہ ہمسائیوں خاص طور پر چین کے نمونے کی تھی۔ ریاستی مزارعے اور زمینوں کی الاٹمنٹ کا نظام تضادات سے پر تھا، تائیکوا اصلاحات نے جاپان کی تاریخ میں ایک نیا راستہ دکھایا اس کو نارہ عہد (784ء-710ء) بھی کہتے ہیں۔ یہ دور مجموعی طور پر معاشی اور سیاسی توازن کا دور تھا۔ پیداواری تعلقات جو کچھ ہی عرصہ پہلے واضح کئے گئے تھے ابھی تک وہ پیداواری قوتوں سے نہیں ٹکرائے تھے زیر کاشت رقبہ میں اضافہ ہوا، ذرائع آبپاشی کے نظام میں ترقی ہوئی اور چاول کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ کان کنی اور شہر ترقی یافتہ ہو گئے، قوانین ضابطوں کے تحت لائے گئے، ادب میں انتہائی اہم کام ہوئے مثلاً آٹھویں صدی کے دوسرے نصف میں سمرجی خاندان نے نارہ جاپان پر حکومت کی، یہ خاندان وراثتی سلسلہ منب کے امراء سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس کے ساتھ جاگیردارانہ طبقہ کے قابل ذکر اور ممتاز راہنما شامل تھے۔ آٹھویں صدی کے آخر میں قدیم امراء اور اشرافیہ کو شکست ہوئی۔ جاگیردار افسر شاہی اقتدار میں آ گئی، جاگیردارانہ معاشرے کی بنیاد میں یہ سماجی تبدیلی جاگیردارانہ معاشرے کے کردار، ساخت میں تبدیلی اور ان کے مابین جدوجہد کا باعث بنی، یہ جدوجہد دربار کے اعلیٰ امراء کی قیادت میں تھی یہ لوگ انتظامی عہدے دار تھے اور طاقتور جاگیردار صوبوں میں انتظامی سربراہ تھے، یہ دونوں گروپ حسب ونسب کے حوالے سے ایک ہی طرز سے تعلق نہیں رکھتے تھے انہوں نے شہنشاہیت کے خلاف جدوجہد کو جاری رکھا ان کا مقصد یہ تھا کہ جائیداد کے انتقال میں وارثت کو مدنظر نہ رکھا جائے۔ یہ کام کرتے وقت انہوں نے شاہی طاقت کا غلط اندازہ لگایا۔ حقیقی طاقت سمرجی کے ہاتھ میں تو نہیں تھی لیکن مالکان اراضی کے خاندان "فوجی وارا" کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ تبدیلی ہیان عہد کا آغاز ہے (9ویں، 10ویں اور 11ویں صدی کا آغاز) اس عہد میں سب سے اہم ذمہ دار شوئن تھا یہاں ٹیکس عائد نہیں تھے اور یہ زمین کسانوں نے بنجر زمینوں سے قابل کاشت رقبے میں تبدیل کی تھی۔ ان کاشتکاروں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا، یہ علاقے پہلے بنجر تھے اور اس پر کاشتکاروں نے محنت کر کے قابل کاشت بنایا تھا اور ان کے ٹیکس سے مستثنیٰ ہونے سے حکومت کے لیے ٹیکس میں کمی واقع ہوئی، زیادہ کسان اسی طور پر کاشتکاری کرنا چاہتے تھے، ان علاقوں کے وجود میں آنے سے مرکزیت کمزور ہوئی کیونکہ

یہ علاقے اپنے طور پر کسی حد تک خود مختار تھے اور مرکزیت کے کمزور ہونے کی ایک اور وجہ کسی غیر ملکی دشمن کا نہ ہونا بھی تھا اور نہ ہی ایک بڑی فوج کی تشکیل کی ضرورت پڑی، ایک اور وجہ نظام آبپاشی کی عدم موجودگی تھی۔ طاقتور مالکان اراضی کے خلاف انتظامیہ نے ٹیکسوں کے بوجھ میں اضافہ کر دیا، اس سے کسان شوئن کی طرف متوجہ ہوئے، نویں، دسویں اور گیارہویں صدی میں کسانوں کی بغاوتیں ہوئیں، چونکہ مرکزی طور پر کسانوں کی محنت کو یکجا کرنا مشکل تھا، اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ زمینوں کو خاندانی جاگیروں کے طور پر (Knights) یا سمورائی میں تقسیم کر دیا جائے، اس سلسلے میں ان امراء کی ریاستی خدمات کا لحاظ رکھا جائے، زمین رکھنے والا یہ طبقہ تیزی سے پروان چڑھنے لگا اور اس نے مقامی انتظامیہ کو زیر نگیں کر لیا گیا 11 ویں اور 12 ویں صدی عیسوی خاص طور پر ملک کے شمال اور مشرقی حصوں میں سمورائیوں کو عروج حاصل ہوا، جن کا شوئن کے ساتھ سیاسی مناقشہ ہو گیا کہ مرکزی قوت پر قبضہ کسے کرنا ہے ملک کے مرکزی اور جنوبی حصوں میں شوئن اس قابل نہیں تھے کہ وہ بادشاہ کو تابع رکھ سکیں، جاگیرداروں اور سمورائیوں کے درمیان طاقت کے توازن نے مذہبی پیشوائیوں کی مدد سے بادشاہ کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنی آزادانہ پالیسیاں قائم کر سکے۔ (1069ء-1067ء) ابھی تک مرکزی سطح کا استحکام محدود پیمانے پر تھا، اس عہد کے دوران کچھ چھوٹی جاگیردارانہ ریاستی وجود میں آئیں، ان کی نشوونما کمیون سسٹم کے ٹوٹنے سے ہوئی۔ خاص طور پر یہ جاپان میں جہاں آبپاشی کا باقاعدہ نظام اپنا وجود نہیں رکھتا تھا۔ مرکزی قوت کی کمزوری سے ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو زیادہ تقویت ملی۔ ریاست ملکیت کی بنیاد پر قائم معیشت کا زوال، جاگیردارانہ اور افسر شاہی کے زیر اثر زرعی پیداوار اور کمیون طرز کی کھیتی باڑی جاپان میں، کوریا، چین اور ویتنام جیسے مشرق بعید کے کئی ملکوں سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی جاگیردارانہ طرز کے تعلقات کی ایک قسم سے دوسری قسم میں تبدیلی خون خرابہ کے بغیر ممکن نہیں ہو سکی۔ ایک ہی نوعیت کے تعلقات ایک خاص گروپ کے مفادات کے حامل ہوتے ہیں۔ کوئی بھی اپنے حق سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا۔ 12 صدی کے وسط میں مالکان اراضی کے تین گروپ تھے۔ سمورائی اور ان کے جانثار امرا جو شمال میں تھے (مینا موٹو خاندان) بڑی بڑی جاگیروں کے مالک جو جنوب میں تھے جہاں سمورائی زیادہ کمزور تھے (تائرہ خاندان) اور دارالحکومت کے ریاستی افسران جو بڑے بڑے مالکان زمین بھی تھے جو شاہی نوکر چاکر تھے۔ شمال اپنی زیادہ سماجی ترقی کی وجہ سے فاتح مند کی حیثیت سے سامنے آیا۔ تائیرہ کو 1185ء میں شکست ہوئی اور بادشاہ کے حامیوں کو 1192ء میں منیا موٹو یوری ٹو مو نے خود کے لیے جاپان کا نیا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور (Shogun) شوگن کا لقب اختیار کیا۔ بادشاہت کا سلسلہ نسل در نسل طے پایا۔۔۔ سمورائی کی فتح کے بعد زمین کی سابقہ طرز ملکیت کو نئے طرز سے تبدیل کیا اور زمین کی تقسیم نو کا وسیع طور پر آغاز ہوا، پورے ملک میں سمورائی جاگیریں پھیل گئیں۔ بادشاہ، سرکاری اہلکاروں اور بدھ بھکشوؤں کے پاس زمین کے رقبے میں کمی واقع

ہوگئی۔اب کسان ریاست کوٹیکس ادا کرتے تھے اور سمورائی اور بڑے جاگیرداروں کو کرایہ۔۔۔۔12ویں صدی میں جاپان کے قصبے، تجارت اور صنعتی ترقی کے لحاظ سے نقطہ عروج پر تھے۔(guild) پورے ملک میں انجمنیں وجود میں آئیں۔سمورائی کی چھوٹی اور درمیانی حیثیت کی جاگیریں، اقتصادی یونٹ کی صورت اختیار کر گئیں، ہر ایک میں کئی ایک بڑے قصبے تھے۔اس صورت نے جاپان کو دیگر ایشیائی ریاستوں سے ممتاز کر دیا۔جس میں ایک شاندار دارالحکومت اور چھوٹے صوبائی مراکز تھے اندرونی نشوونما کے نتیجے میں اور کسی حد تک غیر ملکی تجارت کی وجہ سے بڑے بڑے تجارتی گروپ اور باربردار وجود میں آئے۔12ویں صدی میں جاپان ایک جاگیردارانہ ریاست تھی جس کی اقتصادی اور ثقافتی ترقی کا معیار بہت بلند تھا۔اس کی سماجی اور ثقافتی زندگی پر خاصہ اثر ورسوخ چین کا تھا۔

ہندوستان:

گپتا عہد کی غلام دارانہ معاشرت کی زوال اور ہندوستان کے جنوب میں غلام دارانہ ریاستوں میں جاگیردارانہ عنصر جو5 ویں صدی سے ظاہر ہونا شروع ہوگئے تھے اور اب ہندوستانی معاشرے پر غلبہ حاصل کر رہے تھے۔سابقہ کیمون طرز کی کھیتی باڑی کی جگہ چھوٹی زمینی ملکیت وجود میں آگئیں اور انہوں نے استحصال کا جاگیردارانہ طریقہ اپنانا شروع کر دیا۔جس نے آخر کار ہندوستانی معاشرے پر غلبہ حاصل کرلیا۔سابقہ کیمونوں کے غریب کسانوں، زمینوں سے وابستہ غلاموں اور وہ اراضی جن پر جاگیردار غالب آگئے تھے، ان کے کسانوں نے ایک غیر آزاد محنت کی قوت کی تشکیل کی۔ ہندوستان کے شمال اور جنوب میں جاگیردارانہ نظام کے قیام کے سلسلے میں مختلف صورتیں پیش آئیں۔ ابھی تک ہندوستان کا جاگیردارانہ نظام مختلف امتیازی خصوصیات رکھتا تھا۔خاص طور پر زمین کی ریاستی عمل کے استحکام کے عمل میں ست روی اور امرا کی ریاستی خدمات کے عوض مشروط ملکیت۔۔۔اور اندرونی ملک کیمون کا جاگیردارانہ طور پر استحصال، اس سے ایک قسم کی مقامی آزادی جو محدود پیمانے پر تھی وہ برقرار رہی۔جاگیردارانہ معاشرے کے استحکام میں اور سلسلہ عمل میں ہندوستان میں ذات پات کے نظام نے ایک اہم کردار ادا کیا۔استحصال کا ایک بڑا طریقہ زمین کو Lease یا طویل المدت کرائے پر دیتا اور اس سے کرایہ وصول کرتا تھا۔۔۔ہندوستان کی ابتدائی جاگیرداریت سیاسی عدم مرکزیت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھی۔تاہم شہری اور ثقافتی زوال اس وقت محسوس نہیں کیا گیا۔اس کی زیادہ تر وجہ ایک موثر انتظامیہ تھی اور قصبوں کی تجارت کا بڑا ذریعہ قصبوں کی بیرونی تجارت تھی، جو اس وقت خاصی ترقی یافتہ تھی۔دیہاتی کیمون میں کاریگروں کی موجودگی اس بات کا مظہر تھی کہ شہروں اور دیہاتوں کے درمیان مال کا تبادلہ ہندوستان میں کم اہم کردار ادا کرتا ہے یہ نسبتاً دیگر ایشیائی ملکوں (چین اور جاپان) سے۔۔۔ابتدائی جاگیردارانہ عہد

کی پہلی سلطنت ہندوستان کی وردھن ریاست تھی۔ اس ریاست کے حکمرانوں کا زیادہ تر انحصار علاقائی جاگیرداروں کی قوت پر تھا زمینوں کی ریاستی ملکیت ابھی تک وسیع پیمانے پر نہیں تھی اور زمیندار سرکاری افسران اس عہد کے معاشرے پر غلبہ حاصل نہیں کر پائے تھے۔ افواج جاگیرداروں کے وفادار افراد کے مسلح دستوں پر مشتمل تھی۔ اور جزوی طور پر تنخواہ دار فوجیوں پر اس وقت جو زیادہ ظالمانہ اور سخت قوانین نافذ کئے گئے ان کا مقصد کسانوں کا زیادہ سے زیادہ اور مختلف انداز سے استحصال کرنے کے لئے کسانوں کو بندھنوں میں پابند کرنا تھا۔۔۔ ساتویں صدی کے وسط میں وردھن ریاست جو شمال میں واقع تھی اس کی جگہ کئی چھوٹی ریاستیں وجود میں آ گئیں۔ جن پر جنگجو اشرافیہ، راجپوتوں کی حکومت تھی۔ یہ لوگ فوجی پیشہ سے تعلق رکھتے تھے اور فوجی امراء (جاگیرداروں) کی صورت میں انہوں نے مسلح افواج کے دستے اپنی کمان میں رکھ کر خود کو مستحکم کیا تھا اور اس دوران مرکزی قوت کمزور رہی۔ جنوبی ہندوستان میں بڑی ریاستیں (پال واس اور چلوکیاس) وجود میں آئیں اور ان کی نشوونما میں ساحلی علاقوں کے قصبوں نے اہم کردار ادا کیا۔ پہلے ایک ہزارء کے وسط میں کسانوں کے مندر جاگیرداروں سے منسلک ہو چکے تھے اور کسانوں کو جو سابقہ کمیونوں میں آزادی حاصل تھی وہ چھن گئی اور وہی کسان جب زمین کا ٹیکس اور محصول ادا نہیں کرتے تھے تو بے دخل کر دیئے جاتے تھے ان کے قبیلوں کے سردار اب طاقتور جاگیردار بن چکے تھے۔ 11ویں 12 ویں صدی میں شمال اور وسطی دکن کو متحد کرنے کا رجحان نظر آیا۔ جن پر چاولوکیا خاندان کی حکومت تھی اور جنوبی ہندوستان کی ریاستیں چولا خاندان کے زیر قبضہ تھیں۔ اسی وقت زمین کی ریاستی ملکیت وسیع طور پر جنوبی حصوں میں دیکھنے میں آئی۔ جاگیردار طبقہ کے بہت سے نمائندے خاندانی حق جاگیر سے محروم ہو گئے۔ ریاستی مشینری کو استحکام حاصل ہوا۔ گیارہویں اور بارہویں صدی میں اقتصادی، معاشی اور ثقافتی ڈھانچے میں ایکتا پیدا ہوئی اور ہندوستان کی کئی ایک ریاستوں کے مابین خارجہ پالیسی میں یکسانیت آئی، قصبوں میں تاجروں کی انجمنوں اور دستکاروں نے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ بحر حال یہ سب کچھ جاگیردارانہ نظام کے زیر اثر تھا کسانوں کے کیمون سسٹم کی جگہ جاگیردارانہ نظام نے لے لی تو کسانوں کی حالت بدتر ہوئی اور ردعمل کے طور پر کسانوں نے بغاوتیں کیں، یہی وہ دور تھا جب مذہبی فرقوں کی بنیاد رکھی گئی۔ ان فرقوں نے خیال پیش کیا کہ انسانوں کے مابین مذہبی ایکتا اور مساوی مساوات کی ضرورت ہے (بھگتی تحریک، بنگ پاٹس) انہوں نے ذات پات کے نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس وقت ذات پات کا نظام کسی فرد کو اس کے پیشے کے اعتبار سے پہچانتا تھا، نئی مذہبی تحریکوں نے ذات پات کے حوالے سے سماجی استحقاق کو تنقید کا نشانہ بنایا، ہندوستان میں جاگیرداریت کا ابتدائی مرحلہ کئی ایک متاثر کن ثقافتی حاصلات کا باعث بنا۔

جنوب مشرق ایشیاء:

چین اور ہندوستان کے لوگوں کے برعکس جنہوں نے نسبتاً ترقی یافتہ غلام دارانہ معاشرے سے جاگیرداریت میں عبور کیا، جنوب مشرق ایشیاء کے لوگوں نے عربوں کی طرح غلام دارانہ تہذیب میں نشوونما حاصل نہیں کی۔ ریاستوں کا سماجی ڈھانچہ جو تیسری صدی کے بعد دنیا کے اس حصے میں وجود میں آیا، اسے واضح کرنا ذرا مشکل ہے کیونکہ کسی حد تک غلام داری، بادشاہت اور قبائلی اشرافیہ اپنا وجود رکھتی تھی، اس کے علاوہ کمیون بھی موجود تھے۔ ابتدائی عہد اور عہد وسطیٰ میں، جنوب مشرق ایشیاء کے لوگوں نے متحدہ قسم کی ریاستوں کی تشکیل کی، جن کے معاشی، سیاسی اور ثقافتی خدوخال اپنے اپنے سے اور ہر ایک کا ڈھانچہ اپنے مقامی حالات کے مطابق تھا۔ دوسری اور تیسری صدی میں جنوب مشرق ایشیاء کی ریاستیں دریاؤں کے ڈیلٹاؤں میں اور نہایت اہم تجارتی گزرگاہوں پر جو ہندوستان سے مشرق بعید اور کئی جزائر تک تھیں، ان ریاستوں کا انحصار تجارتی گزرگاہوں اور اپنے مقامی کاروباری مناسبت سے وجود میں آیا اور اس میں زرعی ترقی نے اہم کردار ادا کیا۔ برما، ویتنام، انڈونیشیا، اور دیگر کئی ملکوں نے ہندوستانی تہذیب وثقافت، سماجی نظام اور مذہبی خیالات، بدازم وغیرہ کو بڑی تیزی سے قبول کیا۔ جنوبی ہندوستان کی ریاستوں کی تجارت زمانہ قدیم سے ہی ان ممالک کے ساتھ تھی۔ جب ہندوستان میں زرعی مہارت اور تجارت کو فروغ حاصل ہوا تو دنیا کے اس حصے کے لوگوں نے ابتدائی جاگیردارانہ بادشاہتیں قائم کرنا شروع کر دیتیں، ان ریاستوں کی معیشت کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ یہ تجارتی راستوں کے درمیان کسی مرکز کا کردار ادا کرتے تھے۔ ان ریاستوں میں سب سے بڑی جنوبی کھیمر (Khmer) سلطنت آف فونان (2 تا 6 صدی) تھی۔ مغربی انڈونیشیا میں سرائی ویجایا سلطنت (7 تا 14 صدی) اور ریاست چمپا جو وسطیٰ ویتنام میں (دوسری تا پندرہویں صدی) واقع تھی۔ جیسے جیسے بحری تجارت میں ترقی ہوئی اس پر عربوں کو غلبہ حاصل ہو گیا طاقتور مالکان زمین جنوبی مشرقی ایشیا میں ایک اہم کردار ادا کرنے لگے ابتدائی عہد وسطیٰ میں ہند چینی میں زمینوں کو ریاستی ملکیت میں لے لیا گیا اور اس طرح کے واقعات انڈونیشیا میں بھی ملے، فوجی اور انتظامی امراء جو نویں، دسویں اور گیارہویں صدی میں پروان چڑھے وہ قدیم امرا جو کہ نسل در نسل حکمران چلے آرہے تھے ان کے خلاف اقتدار کی جنگ لڑنے لگے۔ نویں صدی میں کمبوڈیا دسویں صدی میں ویتنام، گیارہویں صدی میں انڈونیشیا اور برما اور تیرہویں صدی میں سیام، یہ ریاستیں وجود میں آچکی تھیں جو کہ جاگیردارانہ نظام معیشت اپنائے ہوئے تھیں۔ معیشت کا انحصار زمین کے کرائے اور کسانوں کے لیے کمیونوں پر لازمی خدمات جیسے عوامل پر تھا۔ وہ سلطنتیں جن کا انحصار تجارت پر تھا وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگیں اور وہ ریاستیں جن کی شکل ہم آج دیکھ رہے ہیں یہ وجود میں آنے لگیں۔ ہر ایک

ریاست میں چھوٹے اور درمیانے جاگیردار کے درمیان اقتدار کے لیے رسہ کشی شروع ہوگئی اور طاقتور جاگیردار ملک کو کئی بڑے صوبوں میں تقسیم دیکھنا چاہتے تھے تاکہ وہ اپنے اقتدار کو قائم رکھ سکیں، لیکن ان دونوں گروپوں نے کمیونوں میں کام کرنے والے کسانوں کے مفادات کی سخت مخالفت کی، جو بتدریج زمین سے منسلک ہوتے جا رہے تھے۔ جنوبی مشرق ایشیاء کے شمالی حصوں میں زمینوں کی ریاستی ملکیت جنوب کی نسبت پہلے ہی مضبوطی سے قائم تھی لیکن باوجود اس کے گیا ہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں اس علاقے میں زیادہ سے زیادہ لوگ زمینوں سے منسلک ہوگئے اور ایک پیچیدہ انتظامی ڈھانچہ تشکیل پانے لگا جبکہ مذہب میں اصلاحات کی جانے لگیں تاکہ نئے حالات سے مناسبت پیدا کی جا سکے۔۔۔ان صدیوں کی سیاسی تاریخ مختلف ریاستوں کے اتحاد کے لیے مسلسل کوششوں اور عمل سے تعبیر ہے، اس کے علاوہ کمیون کسانوں نے اپنی سابقہ آزادی بحال کرنے کے لیے جو بغاوتیں کیں، تاریخ میں اس کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ 7ویں اور 12ویں صدی کا درمیانی وقت ثقافتی پیش رفت کا ہے جب عظیم تعمیراتی شاہکار انڈونیشیا میں Stupa of Borobudur اور اینگر واٹ کے مندر جو کمبوڈیا میں ہیں، اور برما میں پاگان تعمیر ہوئے۔

باب(8) کیورس KiEV RUS:

قدیم مشرقی سلاوقبائل:

آج کل جن جگہوں پر مشرقی سلاو رہائش پذیر ہیں یہ وہاں کے قدیم باشندے ہیں۔ زمانہ قدیم سے یہ ڈینپئر، ڈینسٹر، ویٹولاواری اور کارپیتھین کے دامن میں رہا کرتے تھے، مغرب میں ان کی زمینیں دریائے ڈینئوب، اوڈر اور ایلب کے بالائی علاقوں تک تھیں۔ سلاوونک قبائل آج کل کے سوویت یونین کے جنوبی حصوں میں پائے جاتے تھے، سلاوونک قبائل میں پولیانی دریائے ڈینپئر کے مشرقی کناروں پر آباد تھے اور ان کا بڑا قصبہ کیو تھا۔ سیوری اینی، وادی ڈیسنا میں دریائے ڈینپئر کے مغربی کناروں کے رہائش پذیر تھے۔ پرائیپٹ اور روس کے درمیان ڈریورلی اینی آباد تھے۔ ان کا قبائلی مرکز اس کوروسٹن تھا، مزید شمال کی جانب ڈریگووچ رہتے تھے اور ڈینپئر اور سوز کے درمیان راڈی مچی رہتے تھے۔ جھیل ایلمن کے ساحلوں پر ایلمن سلاوز یا سلوؤنیز رہتے تھے، وہ قبائل جو مزید شمال کی طرف رہتے تھے وہ وائیٹچی کہلاتے تھے۔ جو دریائے اوکا او، موسکوا کی وادی میں رہتے تھے اور مغرب میں کارپاتھیا کے پار سفید کروٹس اور جنوبی بگ وادی میں وولینئین آباد تھے۔ مذکورہ بالا قبائل کے علاوہ اور بھی سلاوونک لوگ آباد تھے، مشرقی سلاوقبائل روسی یوکرینی اور بائیلوروسی لوگوں کے آباؤاجداد ہیں۔۔۔ان تمام قبائل کا بڑا

پیشہ زراعت تھا اور دنیا کا یہ حصہ کھیتی باڑی کے لحاظ سے مشکل ترین تھا کیونکہ یہاں زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے لئے جنگلات کو صاف کرنے کی ضرورت تھی۔ درختوں کو کاٹنے اور زمینوں پر اگے ہوئے دیگر نباتات صاف کرنے کے لئے ایک سال درکار ہوتا تھا۔ درختوں کی باقیات کو جلا کر ان کی راکھ زمین کی اوپری تہہ پر بچھا دی جاتی۔ سلاو لوگ رائی، گندم، جو اور باجرہ کاشت کرتے تھے گائے، گھوڑے اور بھیڑیں پالتے تھے۔ لوہے کے اوزار ابتدائی زمانے میں ہلوں کے طور پر اور کلہاڑیوں کی صورت میں ان کے زیر استعمال رہے یہ ایک حقیقت ہے کہ سلاو نے بہت پہلے زمینوں کو زرخیز بنا کر ان پر کاشت کاری شروع کر دی تھی۔ لوہے کے اوزار حاصل کرنے تک ارتقاء سست رہا لیکن بعد میں بڑی تیزی سے ترقی ہوئی، اور جنگلات صاف کرنے کے لیے بھی لوہے کے اوزار استعمال کئے گئے۔ سلاوونک لوگوں کے دوسرے پیشے ماہی گیری اور شکار تھا، جنگلات اور دریاؤں میں بھاری مقدار میں شکار موجود تھا، سلاو لوگ درختوں کے تنوں میں شہد کی مکھیاں پالتے اور شہد کو ذخیرہ کرتے، چنانچہ جنگلی مکھیوں کا شہد سلاو لوگوں کی خوراک کا اہم حصہ بن گیا۔ یہ قدیم لوگ قبائلی برادریوں میں جو خانوادہ بنیادوں پر منظم تھی اس میں رہتے تھے جیسے جیسے معاشی نظام پیچیدہ ہوتا گیا کمیون کو امتیازی حیثیت حاصل ہوتی گئی ۔ دریاؤں کے کناروں پر قلعہ بند تعمیرات ہوئیں، دستکاریوں کو نشو ونما ملی اور کاریگر لوہاروں، برتن سازوں، معماروں، پتھر اور لکڑی تراشنے والے کاریگروں کی کھیپ تیار ہوگئی، قصبے وجود میں آنے لگے کیو اور نوگوورڈ پہلے اہم سلاو قصبے ہیں، قبائلی ڈھانچہ ٹوٹنے لگا اور سب سے پہلے جنوب میں پولیٹیانی قبائل میں یہ ڈھانچہ ختم ہوا سلاوونک برادریوں میں سردار اور امراء پیدا ہونے لگے ان میں سے ہر ایک مسلح وفادار فوجی رستوں پر انحصار کرتا تھا سربراہ اپنے زیر تسلط کسانوں سے ٹیکس وصول کرتا تھا اس کے علاوہ ہمسایہ ریاستوں پر حملے کر کے وہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہتا، ان سرداروں کے درمیان طویل المدتی معاہدات وجود میں آئے، جن کا آغاز چھٹی صدی میں شروع ہوا، مسلاوزنک لوگ مسلسل مشرقی خانہ بدوشوں ین اور ایورز کے حملوں کا شکار رہے ہیں یہ حملہ آور خون کی ندیاں بہاتے ہوئے لوٹ مار کرتے، دیہاتوں اور قصبوں کو جلاتے اور عورتوں، بچوں اور مردوں کو اپنا قیدی بنا لیتے، سلاوز لوگوں نے اچانک حملے سے بچنے کے لیے محافظ رکھے ہوتے تھے، مسلسل حملوں کے نتیجے میں وہ جلد ہی فن حرب میں مہارت حاصل کر گئے ابتدائی سلاوز نیچر کی پوجا کرتے تھے وہ سورج، ہوا، طوفان، جنگلات اور دیگر مظاہرات قدرت کو جاندار سمجھتے تھے، سورج کے دیوتا کو (Dazhdbog) ڈازہڈ بوگ، ہوا کے دیوتا کو (Stribog) سٹرائی بوگ اور طوفان کے خدا کو (perun) پیر کہا جاتا تھا۔ سورج کے اعزاز میں میلے منعقد کئے جاتے تھے۔ موسم بہار کے تہوار، موسم خزاں کی خوشی میں منائے جاتے اور موسم بہار کو خوش آمدید کہا جاتا۔ مخصوص قسم کے گیت گائے جاتے اور رقص کئے جاتے۔ سلاوز مضبوط اور توانا لوگ تھے اور اپنی مہمان نوازی کی وجہ سے مشہور تھے۔

مشرقی سلاو کے لوگوں میں جاگیردارانہ تعلقات کا ظہور:

سلاوونک لوگوں میں بتدریج کئی ایک ممتاز معاشی اور سماجی تبدیلیاں رونما ہوئیں، ابتدائی تبدیلیاں معاشی نوعیت کی تھیں۔ جنوب میں ارض سیاہ کے علاقے میں کاشتکاری کے لیے بیلوں کا استعمال بڑھنے لگا، زیادہ سے زیادہ زمینیں کاشت کی جانے لگیں اور کاشتکاری کے لیے جنگلات صاف کئے گئے، بار برداری کے لیے گھوڑوں کا استعمال شروع ہوا، شمال کی طرف نئے کاشتکاری کے علاقے وجود میں آگئے جہاں ترقی یافتہ طریقوں سے کاشت کی جاتی، گرم اور سرد موسموں کی مطابقت سے کاشت کی جانے لگی، سلاو لوگ زیادہ تر رائی، گندم، باجرہ اور جو کاشت کرتے تھے، مونگ پھلی اور شلجم بھی کاشت کئے جانے لگے اس کے ساتھ ساتھ کسانوں میں مویشی اور پولٹری کی افزائش میں بھی اضافہ ہوا، لیکن اگرچہ یہ ترقی کی آخری شکل نہیں تھی اور انسان کو ابھی مزید جدت اختیار کرتے ہوئے خطرت کے خلاف جدوجہد کرنا تھی، سردست اس کے آلات پیداوار ابھی تک قدیم تھے تاہم ان کو استعمال کرنے کا طریقہ پہلے سے نسبتاً بہتر تھا، اور پیداوار بھی پہلے کی نسبت زیادہ ہو رہی تھی، سماجی زندگی کا ڈھانچہ اور پیداوار تیزی سے ارتقاء پذیر تھی۔ کمیون کے افراد جو کہ دوسروں کی نسبت زیادہ امیر تھے اور قدیم قبائلی امراء معیشت نے ترقی کرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط ہونے لگے انہوں نے کھیتی باڑی کے لیے زیر استعمال زمینوں کو وسیع کیا، اور اس بنیادی پیداواری ذریعے کی حدود میں اضافہ کیا، اس طرح معاشرے کے ایک خوشحال طبقے نے اپنی قوت کو مستحکم کرنے کے لیے زمینوں پر قبضہ کیا اور کسانوں کو پابند کر دیا کہ وہ انہی کی زمینوں پر کام کریں چنانچہ آزاد کسان یا (Smercds) یمرڈ نے روس کے ابتدائی سلطنتوں کے دیہاتی ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا تھا وہ بتدریج اپنی آزادی کھو بیٹھے اور بڑی بڑی جاگیریں جن کا تعلق امراء یا (Boyars) بوائر سے تھا، نے نشوونما حاصل کی۔۔۔ کچھ غلاموں کی محنت استعمال کی گئی لیکن ابتدائی سلاو معاشرے میں کسانوں نے اہم کردار ادا کیا، غلام کو غیر مہارت شدہ افراد کے طور پر استعمال کیا جاتا، کسانوں نے زمینوں پر زبردست محنت کی، جاگیرداروں نے زمینوں پر قبضے کرنے کے بعد کسانوں کو قطعات اراضی الاٹ کئے تاکہ ان پر وہ کام اپنے خاندان کی کفالت کے لیے کر سکیں اور باقی ماندہ وقت وہ جاگیردار کے لیے وقف کر دے، جلد ہی معاشرے میں دو طبقات واضح طور پر وجود میں آگئے، کسان اپنے آقاؤں کی زمین پر اپنے لیے اور اپنے آقا کے لیے کام کرنے کے پابند تھے اس نظام نے روس میں عہد وسطیٰ کا آغاز کیا۔

پہلی روسی ریاست:

چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں کئی ایک چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے درمیان اتحاد وجود میں

آ گیا۔ یہ سلسلہ عمل دریائے ڈنیپر کی اردگرد کی زمینوں پر رونما ہوا، نویں صدی کے آخر میں جب کہ شہزادہ اولگ (912-879) کے عہد میں سلطنت کیو اور لووگوؤ نئی روسی ریاست کا مرکز بن گئے جو کہ کئی ایک بڑی سلطنتوں جن کے باشندے پولیناتی، سیورانی، ڈریورائی اور سلاونک قبائل کے دیگر اتحادوں پر مشتمل تھی، اس ابتدائی روسی ریاست کے بادشاہ، اپنے اپنے علاقوں سے نذرانے اکٹھے کرتے۔ یہ موسم خزاں کے شروع میں اپنے فوجیوں کی مدد سے ٹیکس اکٹھا کرنے کی مہم کا آغاز کرتے، گاؤں کا سربراہ اس وقت ٹیکس اکٹھا کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا، جب بادشاہ اس کے گاؤں میں داخل ہوتا۔ گاؤں سے انہیں مختلف جانوروں کی اون اور کھالیں پیش کی جاتیں وہ لوگ بڑے بڑے برتنوں میں شہد اور زرعی پیداوار بطور نذرانہ پیش کرتے عام لوگوں نے اس ظلم اور ناانصافی کے خلاف بغاوت کردی اور 945 میں بادشاہ اگور کو قتل کر دیا گیا۔ اولگ جو کہ اگور کی بیوہ تھی (969-945) نے بڑے ظالمانہ طریقے سے باغیوں سے اپنے خاوند کا انتقام لیا مشہور کہاوت یہ ہے کہ اس نے مکان اور دیہات زندہ لوگوں سمیت جلا دیئے۔ تاہم یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے چند ایک اصلاحات بھی کیں۔ آہستہ آہستہ ریاست رس کا پھیلاؤ ہونے لگا اس کا اسلحہ اور فوجی قوت ایک زبردست طاقت بن گئی۔ سائنو سلاؤ (972-942) نے ملک کی سرحدوں میں خاصا اضافہ کیا اور اس نے ویتا یچی وولگا بلگرز اور قازار سلطنت کو زیر نگیں کیا۔ اس نے دریائے ڈنیوب کی وادی بلغاریہ کی سرزمین پر بھی قبضہ کرلیا۔

عیسائیت کی قبولیت۔ جیسے ہی ریاست رس جسامت اور قوت میں بڑھنے لگی اس کا رابطہ قریبی طور پر بائزنٹیم اور یورپ سے ہوگیا۔ یہاں عیسایت پہلے ہی ایک مذہب کے طور پر تسلیم شدہ تھی جبکہ روسی ریاست ابھی تک ایک ملحد ریاست تھی۔ سلاو کا فطرت کے متعلق جانکاری کا رویہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن حکمرانوں نے اس قوت کو صرف اس لیے استعمال نہ کیا کہ ان کا اقتدار کمزور ہو جائے گا، عیسائیت اس وقت ہمہ پہلو نوعیت کا مذہب تھا اس نے کافی عرصہ پہلے ہی یہ فتویٰ دیا تھا کہ بادشاہ خدا کا زمین پر نمائندہ ہے۔ عیسائی بادشاہ دراصل ایسی ہی حیثیت کا مالک ہے۔ یہ ایک ایسا اہم پہلو تھا جس کے مطابق ایک حکمران فرد کی شخصیت ناقابل تقسیم تھی (ظل الٰہی) اس طرح ایک اور سماجی رشتہ، سماج میں ابھر آیا وہ یہ کہ بادشاہ کو ایک ایسے مذہب کی ضرورت تھی جو اس کی طاقت کو ناقابل تسخیر بنا دیتا۔ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ خدا کے علاوہ، کوئی بھی طاقت کا سرچشمہ نہیں ہے اور تمام عیسائی لوگوں کو چاہیے کہ وہ زمین پر حکمران، خدا کے نائب بادشاہ کی فرماں برداری قبول کرلیں۔ عیسائی مذہب نے یہ بھی درس دیا کہ موت کے بعد زندگی کا وجود ہے ہر وہ شخص جو اپنی قسمت پر شاکر رہے گا اسے آئندہ زندگی میں جنت ملے گی۔ جبکہ وہ لوگ جو گنا گار ہوں گے، انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ان پڑھ اور بے علم لوگوں نے ان تعلیمات کو قبول کیا اور اطاعت کرلی۔ نہایت عالیشان چرچ تعمیر کر لیے۔ شاندار نغموں سے عبادت کی

جانے لگی چرچ میں چراغاں کیا گیا۔ یہ سب کچھ اس بات کا مظہر تھا کہ جاگیردارانہ ریاست ارتقاء کر رہی ہے اور یہ صورت عام آدمی کے لیے پر کشش تھی۔ کیو حکمران ولادی میر (جو 1015ء) تک حکمران رہا، سایتوسلاو کا بیٹا تھا، اس نے عیسایت قبول کر لی اور ریاست رس کا سرکاری مذہب عیسائیت قرار دیا۔ 988ء میں سابقہ ملحد ریاست کیو میں دیوتاؤں اور بتوں کی عبادت ممنوع کر دی گئی اور ان کو تباہ کر دیا۔ کیو کے تمام باشندوں کو دریائے ڈنیپر کے کناروں پر اکٹھا کیا گیا اور انہوں نے ولادی میر کی قیادت میں عیسائیت قبول کر لی۔ ریاست کیو کے امراء نے اس نئے مذہب کو بڑی خوشی کے ساتھ قبول کر لیا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے محنت کش لوگوں پر اپنی طاقت کو مستحکم کیا۔ تاہم کئی ایک اضلاع میں عام آدمیوں نے اس نئے مذہب کی مخالفت کی۔ کئی موقوں پر تو عیسائیت کو جبر کے ساتھ نافذ کیا گیا نوگوورڈ اور کئی ایک قصبوں میں نئے مذہب کے خلاف بغاوتیں ہوئیں۔ چرچ کو وسیع وعریض قطعات اراضی حکمرانوں کی طرف سے عطیات کے طور پر دیئے گئے، اس کے علاوہ انہیں ریاستی ٹیکس کا 1/10 فیصد حصہ بطور نذرانہ دیا گیا۔ عیسائیت نے ریاست کو ایک نئی قوت دی اس کی وجہ سے حکمرانوں کی قوت پر کشش اور دلکش ہوگئی، ان حکمرانوں نے دیگر ریاستوں سے تعلقات قائم کئے جو کہ پہلے ہی عیسائیت قبول کر چکے تھے، اب غیر ملکیوں کے لیے یہ بات قابل نفرت نہیں تھی کہ وہ سلاو کو بری نظر سے دیکھیں۔ عیسائی پادری پڑھے لکھے تھے اور چرچ کی لائبریریوں میں کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا گیا ان کی نقلیں تیار کی گئیں۔ چرچ سکول قائم کئے گئے، ملحدانہ دور کی نسبت، ثقافت کو زیادہ ترقی ملی، (1054ء-1019ء) بادشاہ یاروسلاو کے عہد میں خاص طور پر تعمیرات میں شاندار ترقی ہوئی۔ سینٹ صوفیا کا بے مثال کیتھڈرل اور نو تعمیر شہر کی فصیل، جس کے دروازے سونے کے تھے۔ اس کے عہد حکومت میں بہت سارے ماہرین فنکار اور ماہر تعمیرات ملازم رکھے گئے، ان میں روسی بھی تھے اور غیر ملکی بھی۔ اگر چہ فن تعمیرات اور رنگوں میں بائیزنٹیم کا اثر نمایاں تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ رنگوں کے استعمال اور تعمیرات میں ایک روسی انداز نمایاں ہونے لگا۔ یاروسلاؤ کے عہد میں اس کی قوت میں بے مثال اضافہ ہوا، غیر ملکی بادشاہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ یاروسلاؤ سے اتحاد قائم کر لیں۔ یاروسلاو نے بذات خود ایک سویڈش شہزادی سے شادی کی۔ اور اپنی بیٹیوں کی شادیاں فرانس، ہنگری اور ناروے کے بادشاہوں سے کیں، جبکہ اس کے بیٹے نے بائیزنیٹم شہزادی سے شادی کی۔ ان تمام اتحادوں کی وجہ سے اس ریاست اور دوسرے ملکوں کے درمیان مستحکم تعلقات قائم ہو گئے۔ یاروسلاؤ کے عہد میں روسی قوانین کو باضابطہ شکل دی گئی۔ ایک نیا ضابطہ قوانین جسے (Ruskaya pravada) کہا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد روس کے قدیم رسم ورواج پر رکھی گئی، یاروسلاوز کے بیٹوں نے ایک نئے انداز سے اس قانون میں اضافہ کیا جو کہ خاص طور پر اہم ہیں مثلاً قبائلیوں میں خونی تنازعوں پر پابندی اور قبائلی معاشرہ کی باقیات کا خاتمہ، ایسے قوانین کا نفاذ ریاستی انتظام وانصرام میں چستی پیدا کرنے

کی طرف ایک اہم قدم تھا۔

عوامی بغاوت: (11 ویں صدی عیسوی میں)

جیسے ہی جاگیردارانہ ریاست مستحکم ہوئی ایسے ہی دو واضح طبقات یعنی کسان اور جاگیردار سامنے آئے حکمران امراء نے کسانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ان کی محنت کے تناسب میں اضافہ کیا اس وقت چرچ بھی وسیع و عریض زمین کا مالک بن چکا تھا اس نے بھی کسانوں کا استحصال شروع کر دیا، استحصال شدہ طبقات کی طرف سے مزاحمت بتدریج بڑھنے لگی، خاص طور پر ان دنوں جب فصلیں اچھی نہ ہوتیں اور لوگ قحط سے دو چار ہو جاتے۔ 1024ء میں فصلیں انتہائی خراب ہوتیں اور امراء نے اناج کے ذخیرے قبضے میں لے لیے۔ قدیم ملحد مبلغوں نے لوگوں کے درمیان اس انتشار اور مزاحمت کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال کیا، لوگ امراء کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے روٹی کا مطالبہ کیا اور عیسائی چرچ کی مذمت کی، اس وقت کیو کے حکمران نے بغاوت کو کچل دیا اور باغیوں کو پھانسیاں دیں، کیو میں 1068ء میں محنت کشوں نے اپنے حکمران کے خلاف بغاوت کر دی، یہ اس وقت کی بات ہے جب خطرناک خانہ بدوش قبائل پولوسٹوی مشرق کی طرف سے ریاست کیو کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ کیو کے بادشاہ کی فوج کو شکست سے دو چار ہونا پڑا اور بادشاہ Izyaslav نے شہر کی دیواروں کے پیچھے پناہ لے لی، ملک کی زمینوں پر دشمن نے قبضہ کر لیا اس سے شہری اور دیہاتی باشندوں کو خطرہ پیدا ہو گیا، لوگوں نے عوامی اسمبلی (vyeche) ووچی کا اجلاس طلب کیا، اور اعلان کیا کہ پولوسٹوی ہماری زمینوں پر ایک بوجھ ہے، ''اے بادشاہ ہمیں ہتھیار اور گھوڑے دو اور ہم سوار ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں۔'' بادشاہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لوگ یہی اسلحہ اس کے اور بائیوں کے خلاف استعمال کریں گے۔ اس انکار سے لوگوں میں شدید ردعمل ہوا، انہوا ، نے ایزائے سلاو کو شہر سے نکال باہر کیا محل پر قبضہ کر لیا اور دولت کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا، اس کا سونا پ ندی اور گرم کھالیں سب لوگوں نے بانٹ لیں، عوامی اسمبلی نے ایک اور حکمران منتخب کر لیا اور پولوٹسوی کو کامیابی سے نکال باہر کیا۔

آزاد ریاستوں کی تشکیل:

12 ویں صدی تک اس ایک متحدہ ریاست کے طور پر کیو کے Grant prince زیر تسلط تھی لیکن یہ اتحاد زیادہ مضبوط اور مستحکم نہیں تھا، معیشت کی شکل قدرتی تھی اندرونی رابطے انتہائی کمزور تھے ملک کی سیاسی اور معاشی تنظیم پس ماندہ تھی بتدریج زمین کی ملکیت کا جاگیردارانہ ڈھانچہ اس میں جڑیں پکڑنے لگا، اس میں ولادی میر، نوگوورڈ، چرنی گوف، رائیزان اور کئی ایک دوسرے علاقے شامل تھے۔ حکمرانوں

اور بوئیر جاگیرداروں نے کسانوں سے زیادہ سے زیادہ زمینیں ہتھیانا شروع کر دیتیں، زرعی محنت پہلے زیادہ مستحکم اور منظم ہوگئی، کسانوں سے مشقت لیتے وقت ان پر نگران مقرر کئے جاتے، کسانوں کا ایک گروہ بوئیر کے گھریلو اور دیگر کاموں کے لیے وقف ہوتا، طریقہ کاشتکاری میں تبدیلی اور اوزاروں میں ترقی سے پیداوار میں اضافہ اور خوشحالی دیکھنے میں آئی مقامی حکمران طاقتور ہوگئے اور کیو کی مرکزی قوت کمزور ہوگئی۔ چنانچہ علاقائی حکمرانیاں زیادہ آزاد اور خود مختار ہوگئیں اور یہ ایک تاریخی مظہر تھا کئی ایک آزاد صوبوں میں جو کہ سابقہ اس سے تعلق رکھتے تھے ان میں نوگوروڈ اور ولادی میر خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ نوگوورڈ معاشرے میں بوئیر کی بے پناہ قوت تھی ان کے بعد امیر تاجر موثر تھے لیکن یہ بوئیر کی طرح طاقتور نہیں تھے، چھوٹے جاگیردار بوئیر اور تاجر کا نوگوورڈ پر غلبہ تھا، محنت کش لوگ کسان، دستکار، ملاں بھی ان کے ملازم تھے۔ دیہاتوں اور قصبوں کی پیداوار نوگوورڈ کی منڈی میں فروخت کی جاتی، بہت سارے تاجر جنہیں مہمان کہا جاتا نوگوورڈ آتے اور شہر کا قیمتی ترین مال خریدتے۔ ان میں غیر ملکوں سے تعلق رکھنے والے تاجر اور سیاح بھی تھے۔ سمندر پار سے تاجر قیمتی کپڑا، شراب، تانبا، خشک میوہ اور خشک گوشت لاتے، جرمن تاجروں نے ایک تجارتی مرکز شہر میں قائم کر رکھا تھا، مشرق سے بھی لوگ نوگورڈ آتے، ہندوستان، ایران اور افغانستان سے تاجر نوگوورڈ کا رخ کرتے، نوگوورڈ ثقافتی حاصلات میں ایک رہنما کردار ادا کر رہا تھا اس عہد میں یہ ایک ترقی یافتہ شہر تھا سڑکیں پختہ اور پائپوں کے ذریعے پانی مہیا کیا جاتا شہر میں دستکاروں کی اکثریت تھی اور زیادہ تر شہری پڑھے لکھے تھے۔ آثار قدیمہ کی کھدائی میں کئی ایک تحریر شدہ مسودات ملے ہیں۔ نوگوورڈ کے حکمران کو (posadnik) پوساڈنک کہا جاتا تھا اور اسے طاقتور بوئیروں میں سے منتخب کیا جاتا، وچی شہر کا ایک کمانڈر منتخب کرتے، قصبوں میں سے خصوصی فوج تیار کی جاتی اور شہر کے معاملات میں آرچ بشپ ایک اہم کردار ادا کرتا، ایک پرنس بھی ہوتا لیکن یہ نسل در نسل نہیں چلتا تھا، نوگوورڈ کے حکمران کا انتخاب ہوتا اور پھر اسے شہر میں مدعو کیا جاتا وہ افواج اور عدلیہ کے انچارج ہوتے اور یہ بھی اختیار رکھتے تھے کہ نوگوورڈ کی رسم و رواج کے مطابق عدالتی فیصلے کریں۔ امراء طبقے کے خلاف نوگوورڈ کے ادنیٰ طبقے نے کئی ایک بغاوتیں کیں، 13ویں اور 14ویں صدی میں تقریباً پچاس بغاوتیں نچلے طبقے نے اعلیٰ طبقے کے خلاف کیں، جیسے ہی کیو کی طاقت کو زوال ہوا، ولادی میر کی علاقائی قوت کو استحکام ملا اور اس نے ایک اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا، یہ علاقہ جنگلات، شہد اور مچھلیوں سے مالا مال ہے یہاں زمینیں زیادہ زرخیز ہیں اور اس کے قدیم ترین مراکز روستوف اور سوزڈال ہیں۔۔۔ اسی (princdom) میں ماسکو پروان چڑھا۔ 1147ء کے تاریخی مسودات میں اس کا پہلی بار ذکر ملتا ہے جب پرنس یوری ڈلگور کی (1090ء تا 1157ء) نے اپنے اتحادی پرنس چرنیگوف کو ماسکو بلایا اور اس کے اعزاز میں ایک بہت بڑی ضیافت دی تو اس وقت ماسکو ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ آج کے کریملن جتنی جگہ گھیرے ہوتی تھی۔ یہ

دریائے موسکوا کے کناروں پر قلعہ بند صورت میں تھی جہاں ایک قلعہ تھا جس کے اردگرد دستکاروں کی رہائشیں تھیں۔

قدیم رس کی ثقافت:

قدیم رس کی ثقافت مختلف النوع ہے۔ زبانی قصہ خوانی کا فن، ایک مضبوط روایت تھی دیومالائی کہانیاں، قصے اور کہاوتیں نسل در نسل منتقل ہوتے آئے ہیں۔ دیومالائی ہیرو جنہیں شہرت حاصل ہوئی الیامر مومنٹ، ڈوبرائیا نکینا، چالاک اور بزدل الائشوا پوپ وچ اور نوگوورڈ کا امیر تاجر سادکو، جس کی مہمات اسے زیر آب، سمندر کے بادشاہ کی سلطنت میں لے گئیں۔ ان قصے کہانیوں میں لوگوں کے مزاج، نفسیات امنگوں، خواہشوں اور مستقبل کے متعلق ان کے خیالات کی ترجمانی ملتی ہے۔ قدیم رس کی اپنی ایک تحریری زبان تھی جو عیسائیت قبول کرنے سے پہلے ہی ان کے لیے رابطے کا کام کرتی تھی۔ اس زبان میں یونانی حروف ابجد کا اثر بھی ہے اور قدیم زبان میں ابتدائی روسی تحریروں کی غماز ہے۔ تمام کتابیں دستی تحریریں ہیں اور انہیں بچھڑے کی کھال پر لکھا گیا ہے۔ تحریر کے لیے درختوں کی کھالیں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ کتابیں بڑی دیر بعد تیار ہوتیں اور ان کی قیمت بھی زیادہ ہوتی۔ قدیم رس کے باشندے اپنی دستکاری کے فن سے بھی مشہور تھے۔ برتن ساز اعلیٰ قسم کے برتن تیار کرتے اور انہیں سجاتے تھے۔ رنگین، جگ، پیالے، ڈش، بچوں کے کھلونے تیار کئے جاتے تھے۔ ایک اور اہم فن قرس میں دھات کو پگھلانا تھا۔ اس فن نے کاشتکاری اور دست کاری اور عسکری ساز و سامان کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا۔ کیوکے سنار اعلیٰ قسم کے زیورات تیار کرتے تھے یہ دھات میں مختلف نقش و نگار بنا لیتے تھے بعض اوقات یہ کاریگر بڑی مہارت سے ایک مکمل منظر کو پیش کرتے، اس میں وہ لوک کہانیاں، قصے کہاوتیں، تصویری صورت میں پیش کرتے۔ یہ فنکار اپنے فن کو اپنے شاگردوں کے توسط سے آگے منتقل کرتے، اس کے علاوہ رزمیہ شاعری میں جنگوں اور فتوحات کے تذکرے ملتے ہیں۔

○

باب:10

مشرق وسطیٰ اور وسطی ایشیا میں جاگیرداریت

ایران میں جاگیرداری تعلقات کا ظہور:

ساسانی شہنشاہیت تیسری سے ساتویں صدی تک ایران پہ مسلط رہی، اس کی تاریخ براہ راست ایرانی عوام اور ان کی ریاست سے متعلق ہے، جس نے ریاست کے مرکزے کی تشکیل کی، یہاں جاگیردارانہ تعلق کی نشوونما ایک طرف قدیم غلام دارانہ عہد کی روایات، جیسے ہندوستان یا دریائے زرد کی وادی میں ہوا، نشوونما پائی اور دوسری طرف ایرانی قبائلی معاشرے کی بنیاد جو کہ خانوادے اور کمیون پر تھی۔ اس کے زوال کے نتیجے میں سماجی تبدیلی رونما ہوئی، سماجی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی تبدیلیاں ایک جاگیردارنہ معاشرے کے ظہور کے ساتھ منسلک تھیں اور یہاں نسلی طور پر ایک وحدت تھی جو کہ مرکزی کردار کا باعث بنی، سن طبقے کا ظہور اس طرح ہوا کہ وہ بطور غلام اپنے آقاؤں کی ذاتی ملکیتی زمینوں پر کام کرتے تھے کمیون سسٹم کے ختم ہونے سے اور مالکان اراضی کا اثر و رسوخ بڑھنے سے انہیں ایک مزارع کی حیثیت حاصل ہوگئی اس سے ایک نیا طبقہ وجود میں آگیا، جنہیں (Azat) ایذات کہا جاتا تھا۔ یہ خوشحال گھوڑ سوار فوجی تھے، دستکاروں کی انجمنیں وجود میں آگئیں لیکن وہ عہد وسطیٰ تک کوئی اہم کردار ادا کرنے سے قاصر رہیں۔ ذات پات کا ایک نظام جو ہندوستان سے کم پیچیدہ تھا، اس وقت جڑیں پکڑ رہا تھا، تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی میں سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے ایران ایک مضبوط ترین ریاست تھی، زیادہ تر طاقت زمیندار اشرافیہ اور (Zooastrian) زرتشت چرچ کے پاس تھی ان کے پاس وسیع و عریض زمین اور کثیر تعداد میں غلام تھے۔ زرتشت، سورج، آگ، چاند اور ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ زرتشت

مذہب سرکاری طور پر اپنایا گیا تھا، اس بااثر اور طاقتور مذہبی ادارے نے ایران میں ایک زبردست سماجی قوت کا کردار ادا کیا۔ ایران کو اس وقت غلام دارانہ عہد میں زبردست بحران کا سامنا کرنا پڑا جب استحصال زدہ عوام کی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی، اگرچہ (Manichaeans) مینیچ ین رائج الوقت سماجی نظام پر تنقید کرتے تھے اور اسے غیر منصفانہ قرار دیتے لیکن ان کی مزاحمت موضوعی نوعیت کی تھی۔۔۔ اندرون ملک کسی بھی بڑے بحران کی عدم موجودگی نے ساسانیوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنی سرحدوں کو کاکیشیا، میسوپوٹیمیا، ایشیائے کوچک اور وسط ایشیا تک پھیلا سکیں۔ ان فتوحات نے غلام دارانہ اشرافیہ کو بے پناہ دولت سے مالا مال کر دیا، لیکن اسی دوران وہ کسان جن کی آزادی چھن گئی تھی اور معاشی بدحالی کا شکار تھے انہوں نے بھوک ہڑتالیں اور عوامی بغاوتیں حکمران طبقے کے خلاف جاری رکھیں۔

مزدک ازم:

بہت سے گروہوں نے اپنی قوت کو مزدکی تحریک میں یکجا کر لیا، (مزدک اس تحریک کا لیڈر تھا) مزدک سماجی برائیوں کے خلاف کھلی جنگ کا نعرہ دیتے تھے خاص طور پر یہ کہ اشرافیہ سے فالتو جائیداد چھین لی جائے ساسانی حکمران (Kavadh i) کاودھ نے مزدکیوں اور ایذات سے اتحاد کر لیا اور اس نے امراء کی قوت کو توڑ دیا، ذات پات کا خاتمہ کر دیا اور مزدک ازم کو ریاستی مذہب قرار دیا، اس فتح کے فوراً بعد کسانوں اور دستکاروں کے درمیان اور دوسری طرف باغیوں کے سب سے سرکردہ گروپ ایذات اور دربار کے درمیان مفادات کا تصادم ہو گیا، ایک بار پھر ایذات اور کاودھ نے اپنی قوت کو یکجا کیا اور انہوں نے سیکولر اور مذہبی اشرافیہ سے ملکر 529ء میں کسانوں کی بغاوت کو کچل دیا۔

خسرو کے عہد میں ساسانی سلطنت:

ایران میں جاگیردارانہ معاشرہ 5ویں صدی اور 6 صدی کے شروع میں قائم ہوا اس وقت جبکہ خسرو اول (579ء تا 531ء) کا عہد تھا امراء اور جاگیرداروں پر فتح حاصل کرنے کے بعد بادشاہ نے اپنی قلمرو میں وسیع وعریض علاقے شامل کیے، ایک وسیع رقبہ ایذات کے حوالے کر دیا، تمام محنت کش لوگوں کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنی آمدنی پر انفرادی طور پر ٹیکس ادا کریں لیکن یہ ٹیکس مجموعی طور پر پہلے ٹیکسوں سے کم تھا، ریاستی زمین کی ملکیت کے نئے طریقہ کار نے معیشت اور پیداوار میں بہتری پیدا کی، کسانوں کو قرضے جاری کئے گئے وہ طبقہ جو بادشاہت کے لیے قابل اعتبار تھا وہ ایذات طبقہ تھا جاگیردارنہ معاشرے میں بادشاہ کی مستقل فوج عربوں کے برعکس، تنخواہ دار فوجیوں اور ایذات کے دستوں پر مشتمل تھی اور سلطنت کے انتظامی ڈھانچے کی تشکیل میں افسر شاہی اور ایذات کو خصوصی اہمیت حاصل تھی، جاگیردارانہ تعلقات،

استحکام اور کسان بغاوتوں پر قابو نے ساسانیوں کو موقع فراہم کیا کہ وہ جنوب کی طرف اپنی سرحدوں کو وسیع کریں اور مغرب کی طرف چند ابتدائی فتوحات کے بعد ایران نے خود کو بائیزنٹیم کے ساتھ ایک مہنگی اور طویل لڑائی میں ملوث کرلیا۔ 7ویں صدی کے شروع میں۔ عربیہ:۔ جزیرہ نماء عرب میں اور اس کے ملحقہ علاقوں میں تقریباً500ء میں جاگیردارانہ تعلقات کے پروان چڑھنے کا آغاز ہوتا ہے جزیرہ نما کے جنوب اور جنوب مغرب میں غلام دارانہ معاشرے کا زوال اور ابتدائی قبائلی نظام اور خانہ بدوش زندگی میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوگیا۔ اس وقت مویشیوں کے گلے اور چراگاہوں کا زیادہ تر حصہ قبائلی امراء کے قبضے میں تھا۔ لیکن آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اناج اور کھانے پینے کی اشیاء کی قلت ہونے لگی کیونکہ پیداوار ناکافی تھی۔ قبائلیوں کے درمیان جنگیں شروع ہوئیں اور کئی ایک اتحاد وجود میں آئے، ہمسایہ قبائل کو فتح کر کے اپنی علاقائی سرحدوں میں اضافہ کا رجحان زور پکڑنے لگا، ایک اور پہلو جو اتحاد کے قیام کا محرک بناوہ یہ تھا کہ زیادہ ترقی یافتہ عرب جہاں کے جاگیردارانہ ڈھانچہ پہلے ہی ایک واضح شکل اختیار کر چکا تھا، قبائلی اور خانہ بدوش لوگوں کے درمیان سماجی، معاشی اور سیاسی تعلقات قائم ہونا شروع ہوئے، عربوں کے اتحاد کے لئے ایک تحریک کا آغاز ہوا جس کی بنیاد خانہ بدوشوں اور آباد لوگوں کو جاگیردارانہ سماج میں لانا تھا۔ یہ تحریک جلد ہی ایک نئے مذہب اسلام کی بنیاد بن گئی۔

طلوع اسلام:

اسلام ایک وحدانی مذہب ہے، جو ایک خدا کو تسلیم کرتا ہے، زمین پر اس کی نمائندگی ایک پیغمبر وراس کے ساتھی کرتے ہیڈ یعنی خلیفہ، یہ مذہب اپنے پیروکاروں سے بلاحیل وحجت خدا کی تابع فرمانی کے لیے کہتا ہے، مذہبی تنظیموں میں اور ریاستی ڈھانچے میں کافی حد تک مماثلت ہے۔ اسلام کی تبلیغ، پیغمبر حضرت محمدؐ سے منسلک ہے، اس تحریک نے مذہبی اتحاد، عربوں کے درمیان اتحاد پیدا کیا اور غلام داری کو تنقید کا نشانہ بنایا، جس سے حضرت محمدؐ کے پیروکاروں میں بہت زیادہ اضافہ ہوا، اسلام کا ایک اہم پہلو جس کا اظہار عربوں کے اتحاد اور اس کی علاقائی توسیع پسندی سے ہوتا ہے (عربوں کی زندگی کے لیے بودوباش، مویشیوں پر تھی) پیغمبر کی تعلیمات کو قوت اور تبلیغ کے بل بوتے پر ہمسایہ علاقوں میں پھیلانے کا رجحان تھا۔

عربوں کا اتحاد اور خلافت کا ظہور:

مدینہ کی ریاست جو ساتویں صدی کی پہلی تہائی میں قائم ہوئی، نے جلد ہی اپنی سرحدوں میں وسعت پیدا کرنا شروع کردی، یہ سرحدی وسعت اسلام کے پھیلنے کی وجہ سے آئی۔ حضرت محمدؐ نے جس

مرکزی دینیات کی تشکیل کی اس کو فوجوں کی اعانت حاصل تھی جو کہ زمین سے نہیں بلکہ اس مال و دولت سے اپنا حصہ وصول کرتے جو جنگوں سے حاصل کیا جاتا، اس نظام کو محمدؐ کے پہلے جانشین کی حوصلہ افزائی بھی ملتی رہی اور خلیفہ کے عہد میں ایک طویل عرصہ تک فوجی قوت اور اس کی کارکردگی کو مضبوط بنایا گیا، مرکزی قوت کے استحکام کو جس اہم پہلو نے جلد بخشی وہ زمینداروں سے ٹیکسوں کا حصول تھا، اگرچہ جاگیرداروں کے معاملے میں ٹیکسوں کا تناسب بہت کم تھا اور زمین کا صرف تھوڑا سا حصہ ہی ریاستی ملکیت میں تھا۔ خلیفہ نے ریاستی زمینوں میں فوجی اور انتظامی عہدیداروں کو زمینیں الاٹ کیں جو صرف ان کے عہدوں پر فائز رہنے تک ان کی ملکیت ہوتیں، اس سے مالکان اراضی اور طاقتور امراء کا ایک نیا طبقہ وجود میں آیا، یہ زمینیں اس وقت ان سے واپس لے لی جاتیں جب وہ ریاستی امور اور سرکاری فرائض ادا کرنے سے قاصر ہوتے یا ان کی جگہ نئے لوگ آجاتے۔ زمینداری کا یہ نظام، جو جلد ہی ایشیائے کوچک اور شمالی افریقہ میں پھیل گیا، بنیادی طور پر مشرق بعید اور ہندوستان میں پائے جانے والے نظام سے مختلف تھا۔ 7ویں صدی کے وسط سے عرب متحد ہو گئے لیکن کسی مستقل استحکام کی امید نہیں تھی اور یہ اتحاد زمینوں کی تقسیم جیسے مسائل کا حل بھی نہیں تھا۔ طاقتور جاگیرداریاں قائم کرنے کے بعد عرب سرداروں نے توسیع پسندی کے لیے اپنے ہمسایوں کی طرف توجہ کی، اسی دوران کئی مہمات کے سلسلے میں وہ خانہ بدوش جن کے لیے جاگیردارانہ عرب میں کوئی جگہ نہیں تھی وہ پیشہ ور جنگجو بن گئے اور بعد میں ان علاقوں کے زمیندار جن کو انہوں نے فتح کیا تھا، اس طرح جاگیردارانہ سماجی ڈھانچے میں مزید استحکام آیا اس کے علاوہ یہ بھی کہ خلیفہ کے پاس قابل اعتبار فوجی تھے جو اس کی صوابدید پر تھے، یہ مشترکہ عقیدہ اور نسلی پس منظر کے حوالے سے ایک معاشرے میں جڑے ہوئے تھے، ان فوجیوں نے جنگ میں فتح کے بعد حاصل کئے جانے والے مال غنیمت کو ذریعہ بنایا۔۔۔ 7ویں صدی میں عربوں نے بائزنٹیم اور ایران کے خلاف بڑی فوجی مہمات کیں، دونوں باہمی تنازعات اور دشمنیوں کی وجہ سے اور اندرونی بحرانوں کا شکار ہو کر کمزور ہو چکے تھے۔ 636ء میں شام اور فلسطین سے بائزنٹیم بزور شمشیر نکال دیا گیا اور 651ء میں عربوں نے ایران فتح کر لیا۔ یہ پہلو انتہائی اہم ہے کہ عربوں کی کامیابی کی بڑی وجہ ان کی مذہبی رواداری تھی مثلاً انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کی جائیداد کی حفاظت کی جائے گی جو بغیر مقابلے کے ہتھیار ڈال دیں گے اس وجہ سے مفتوح علاقوں کی اکثریت خود کو غیر جانبدار رکھتی۔ مفتوح علاقوں کی ریاستی ملکیت قرار دیا گیا اور مقامی آبادی کو ٹیکس ادا کرنے کا پابند کر دیا گیا اور مقامی سرداروں کے ٹیکسوں میں کمی کر دی گئی۔ وہ لوگ جو اسلام قبول کر لیتے انہیں بھاری ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا، جو غیر مسلم ادا کرتے تھے۔ خلافت کے معاشی نظام کی بنیاد زمینوں کی مشروط ملکیتیں تھیں جو ریاستی خدمات سے منسلک تھیں۔ اس کے علاوہ زمینوں کو (جو فتح کی گئیں) ان کی تقسیم نو کی گئی طاقتور سرداروں کی زمینیں ان مزارعوں سے کاشت کروائی جاتیں جو ان سے

منسلک تھے جب خلافت کے ساتھ کئی وسیع وعریض علاقے منسلک ہوگئے ان کی معاشی آزادی اور مختلف علاقوں کے مختلف لوگ جن کی روائتیں اور تاریخی پس منظر مختلف تھے ریاست میں بدامنی کا باعث بنے۔ ابتدائی جاگیردارانہ ریاستوں میں ایسی صورتحال نظر آتی ہے وہ گھوڑ سوار دستے جن کو یہ حق تھا کہ وہ فوجی لوٹ مار سے اپنا حصہ حاصل کر سکتے تھے علی کی قیادت میں (602ء تا 661ء) عرب اشرافیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، جن کے پاس وسیع وعریض زمینیں تھیں، 656ء میں حضرت علیؓ خلیفہ بن گئے، لیکن اشرافیہ متحد ہوگئی اور انہوں نے معاویہ کی قیادت میں جس کا تعلق اُمیہ خاندان سے تھا جن کا گڑھ شام تھا، جو کہ ایک نئے مفتوح علاقوں میں سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھے، نے ایک مزاحمتی قوت تیار کر لی،۔۔۔ سماجی تضادات جو امراء اور فوجیوں کے درمیان ابھر کر سامنے آئے یہ نظریاتی مخاصمت اختیار کرنے لگے حضرت علیؓ کے حامیوں نے شیعہ فرقہ کی بنیاد رکھی (اس فرقے نے جلد ہی ایران میں بڑی تیزی سے نشوونما حاصل کی۔) جبکہ معاویہ کے حامیوں نے سنی فرقہ کی بنیاد رکھی۔ جو اُمیہ کی فتح کے بعد قدامت پسند قرار پائے، سنیوں کی تعلیمات کی بنیاد اسلامی کہاوتوں یا سنت پر ہے جو قرآن کے بعد وجود میں آئیں، ان تعلیمات میں عرب معاشرے میں تبدیلیوں کی جھلک ملتی ہے۔ ایک اور فوجیوں کا گروہ تشکیل پا گیا جنہیں خوارجی فرقہ کہا جاتا ہے جنہوں نے اسلام پر یقین رکھنے والوں کو مساوات کا درس دیا۔

عرب فتوحات:

شام کی افرادی قوت اور مادی وسائل پر انحصار کرتے ہوئے معاویہ نے جسے طاقتور سرداروں کی حمایت حاصل تھی وہ محاذ آرائی میں کامیاب ہوا۔ اس نے شام کو انتظامی مرکز کے طور پر استعمال کرتے ہوئے عراق اور ایران کی آبادیوں کا ظالمانہ استحصال کیا۔ اُمیوں نے بائزنٹیم اور ایشیائے چک میں ناکامیاب فوجی مہمات کیں، لیکن ان افواج نے شمالی افریقہ میں سے بائزنٹائن اقتدار کا خاتمہ کر دیا، مقام بربر سرداروں نے جو عرصہ دراز سے شمالی افریقی خانہ بدوشوں کے خلاف برسرپیکار تھے انہوں نے عربوں کا ساتھ دیا۔ 711ء تا 714ء میں عرب افواج نے جس کی قیادت طارق کے ہاتھ میں تھی جزیرہ نما البرین (سپین) پر قبضہ کر لیا اور پھر فرانس پر حملہ کر دیا۔ پوائیٹرز کی جنگ میں (732ء) میں ان کی شکست نے انہیں پائیرین کے پار تک محدود کر دیا، جو اس وقت عرب ریاست کی سرحد تھی۔۔۔ اس عہد میں عربوں کی فوج کا کیشیا کے پار بھی پہنچ شمال مغربی ہندوستان اور وسط ایشاء تک قابض ہوئیں۔ چنانچہ آٹھویں صدی کے وسط سے، ایک عظیم اموی سلطنت قائم ہوگئی، اور اس کی بنیادی وجہ اس کی طاقتور فوج تھی۔ اس کے علاوہ مقامی انتظامی ڈھانچے میں تبدیلیاں اور وہ استحقاق جو مقامی سرداروں کو دیئے گئے مفتوح علاقوں میں مقامی سرداروں کو زمین کے قطعات اراضی دیئے گئے۔

اُمیہ سلطنت:

اُمیہ خاندان کا اقتدار (661ء تا 750ء) مقامی حکمرانوں اور عربوں کے درمیان قریبی تعلق کا دور ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ عرب زبان، محنت کے طریقہ کار، حصول ٹیکس، مذہب اور قانونی نظام کی وجہ سے بالادستی رکھتے تھے۔ جب زیادہ تر لوگوں نے مسلمان ہونا شروع کر دیا تو سرکاری ٹیکسوں میں کمی واقع ہونا شروع ہوتی۔ بعد میں اُمیہ خلیفہ نے ٹیکس میں تیزی سے اضافہ کیا، ایسی فوجی مہمات کے اخراجات جو کہ وسیع وعریض سلطنت کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے اٹھائے جاتے تھے اس استحصال کی وجہ سے اکٹھا کی گئی رقم سے کہیں زیادہ تھے جو ریاست میں شامل علاقوں سے کیا جاتا، 8 ویں صدی کا پہلا نصف ان بغاوتوں سے پر ہے جو اُمیہ سلطنت میں حکومت کے خلاف ہوئیں، یہی بغاوت بعد میں شام میں بھی پھیل گئی وسط ایشیاء میں بھی زبردست بغاوتیں ہوئیں جو بعد میں ایران اور عراق میں پھیل گئیں اور یہی بغاوتیں اُمیہ سلطنت کے زوال کا باعث بنیں، لیکن باغی پھر بھی اقتدار پر قابض نہیں ہو سکے، اور اقتدار عباسی خاندان کے ہاتھ میں چلا گیا، اس خاندان نے اس بے چینی اور افراتفری کو اپنے مفاد اور مقاصد کے لیے استعمال کیا اس خاندان کے خلیفوں نے عراقی صوبوں سے حمایت حاصل کی اور بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنالیا (1258ء-750ء)۔

خلافت عباسیہ:

جب اُمیہ خاندان کی حکومت کو زوال شروع ہوا تو چھ سال بعد عباسیوں نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ خلیفہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود مفتوح علاقوں میں فوج ایک ایسے طبقے میں تبدیل ہوگئی جس کے پاس زمین اور بے پناہ دولت تھی اس کے علاوہ وہ طاقتور بھی تھے اور وہ اس جگہ اور مقام کے ساتھ زیادہ لگاؤ رکھتے تھے جہاں کہ وہ رہتے تھے۔ انہوں نے خلیفہ کے ساتھ مرکز میں روابط مضبوط رکھنے کو مقامی علاقے سے تعلق کو ترجیح دی۔ اگرچہ عباسی خاندان نے خلافت کو منتشر ہوتے دیکھا لیکن 8 ویں اور 9 ویں صدی نے عربوں کو معیشت اور ثقافت کو عروج پر دیکھا، خاص طور پر عراق میں۔ یہاں نسبتاً ایک یکساں حالت میں جاگیردارانہ معاشرہ وسیع وعریض رقبے پر قائم تھا لیکن سماجی استحکام زراعت، دستکاری اور تجارت میں ترقی کی وجہ سے پیدا ہوا، اس وقت عرب ملک دنیا کے دوسرے ملکوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے عربوں کے تجارتی رابطے یورپ، ایشیا اور افریقہ تک پھیل گئے۔ اب لوٹ مار کا مال ہی معاشی استحکام کا ذریعہ نہیں تھا۔ زمین کی تقسیم کی ایک شکل غیر کاشتکار رقبہ تھی یہ خلیفہ کی جائیداد سمجھی جاتی اور ریاستی خدمات کے عوض زمینیں عطا کی جاتیں اس کے علاوہ لوگوں کی ذاتی زمینیں بھی تھیں، وہ مالکان زمین جو ریاست پر

انحصار کرتے۔ یہ لوگ فوجی خدمات انجام دینے کے پابند تھے۔ عہد خلافت کے خاتمے کے بعد ان لوگوں نے سرکاری تعلق رکھنے والے امراء کے ساتھ جنگیں کیں، ان جاگیروں پر کام کرنے والے کسان ریاست کو ٹیکس اور اپنے آقاؤں کو زمین کا کرایہ ادا کرتے، ریاست کا ذریعہ آمدنی زرعی ٹیکس تھا۔ دوسری ریاستوں میں جو زمینیں ریاستی خدمات کے عوض عطا کی گئیں، وہ آہستہ آہستہ پرائیویٹ ملکیت بنتی گئیں۔ یہ سلسلہ 9ویں صدی میں جاگیرداروں کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتا ہے اس کے علاوہ وقف املاک جو مسلمان مذہبی اداروں کے زیر قبضہ تھیں ان جاگیروں پر نہ تو ٹیکس تھا اور نہ ہی یہ لوگ فوجی خدمات ادا کرنے کے پابند تھے۔ یہ جاگیریں بتدریج وارثتی جاگیریں بنتی گئیں اور جاگیروں پر کام کرنے والے کسان کا انحصار ریاست سے زیادہ اپنے آقا پر بڑھ گیا ابھی تک ریاست ان کی آمدنی کا آدھا حصہ وصول کیا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مالکان زمین بھی کسانوں پر زیادہ سے زیادہ بوجھ ڈالتے، کسانوں کی حالت پہلے سے زیادہ خراب تھی اور غیر کسانوں کی اس بھی بدتر، یہ وہ دور تھا جب کسان نقد رقم کی صورت میں ٹیکس ادا کرتے اور اس کا نتیجہ نکلا کہ سودخوری کا نظام پھیلنے لگا۔

خلافت کا زوال:

کسانوں میں بے چینی روز بروز بڑھتی گئی خاص طور پر سلطنت کے بالائی غیر عرب علاقوں میں ایک ایسی جدوجہد کا آغاز ہوا جو کہ طاقتور زمینداروں اور مرکزی حکومت کے درمیان تھی، یہ امراء معاشی اور سیاسی آزادی چاہتے تھے۔ خلیفہ نے صوبائی گورنروں کو وسیع تر اختیارات دے رکھے تھے کیونکہ ریاستی انتظامیہ کا اثر ورسوخ روز بروز کم ہو رہا تھا اور ان پر غلبہ کمزور ہو رہا تھا۔ مصر میں ایک آزاد خاندان (Tulunid) وجود میں آیا اور (Tahirid) خاندان ایران میں ظہور پذیر ہوا۔ ریاستی ڈھانچے کو نئے سرے سے تشکیل دینے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ علیحدگی کے رجحانات خطرناک صورت میں اٹھ رہے تھے، خلیفہ نے وزیروں کا تقرر کیا جو براہ راست خلیفہ کو جواب دہ تھے۔ لیکن اب یہ ناممکن تھا کہ ریاست کے سابقہ اتحاد کو قائم کیا جا سکے۔ خلیفہ کی قوت کا سرچشمہ وہ وامداتی خانہ بدوش فوج تھی۔ اس فوج کا گزارہ لوٹ مار پر تھا اور اس کی کوئی بنیاد نہیں تھی اب مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی۔ تنخواہ دار فوج کرائے کے فوجیوں پر مشتمل تھی، جن میں بربر، قورساتی فوجی اور ان مفتوح علاقوں کے فوجی تھے جو خلافت کے زیر قبضہ تھے، لیکن یہ فوج بے اعتماد تھی۔۔۔ خلافت کی مرکزی قوت کا زوال روکنے کے لیے خلیفہ کو مذہب اسلام کا روحانی راہنما قرار دیا گیا، 9ویں صدی کے بعد خلافت اپنی بنیاد سے منحرف ہو گئی اور عام لوگوں کو کنٹرول میں نہ رکھ سکی۔

816ء تا 837ء بابک بغاوت جو آذربائیجان اور شمال مغربی ایران میں شروع ہوئی خلافت

کے خاتمے کا باعث بنی۔ جلد ہی عراق میں کسانوں نے بغاوت کردی۔ 869ء تا 883ء شمالی عرب کے خانہ بدوشوں نے بغاوت کردی، اس طرح کی صورت حال 10 ویں صدی تک برقرار رہی۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 9 ویں صدی کے وسط میں وسط ایشیاء نے آزادی حاصل کرلی۔ 9 ویں صدی کے دوسرے نصف میں شام، مصر اور فلسطین نے آزادی حاصل کرلی۔ 10 ویں صدی کے وسط میں خلافت صرف بغداد اور اس کے گردونواح تک حدود ہوگئی۔ 1258ء میں منگولوں نے بغداد پر قبضہ کرلیا اور خلیفہ کو قتل کردیا۔

عرب ثقافت:

8، 9ء اور 10 ویں صدی میں عربوں نے ثقافت میں کئی ایک اہم اصلاحات کیں، خاص طور پر علم ریاضی، فلکیات، ادبیات، جغرافیہ اور تاریخ میں گراں قدر کارنامے انجام دیئے۔ عرب، چین سے کئی ایک دریافتیں یورپ لائے مثلاً پرکار، کاغذ اور بارود، اگرچہ ان کے فلسفے کا تسلسل وارثانہ تھا لیکن کئی ایک نئی پیش عملیاں کی گئیں۔ مذہبی اثر ورسوخ کے باوجود عربوں کی تعلیمات میں عقلیاتی پہلو نمایاں تھا، عربوں نے بحری فن میں فوجی حکمت عملیوں، دستکاری اور تعمیرات میں کامیابیاں حاصل کیں، عرب ادب کو نشو ونما حاصل ہوئی اور بین الاقوامی معیار کے لکھاری ابن اسحاق اور طاباری پیدا ہوئے جبکہ مشرق وسطیٰ کے اسلامی ادب نے اور وسطی ایشیاء نے دنیا کو فردوسی اور عمر خیام جیسے عظیم شاعر دیئے۔

وسط ایشیاء:

(5 ویں اور ساتویں صدی) معاشرے کا جاگیردارانہ ڈھانچہ، سب سے پہلے خوازم اور سوگوڈیا کے لوگوں میں رو پذیر ہوا، ان علاقوں میں ایک نیا طبقہ دست نگر کسانوں کا وجود میں آیا۔ یعنی مزارع۔۔۔ جیسے غلاموں کو قطعات اراضی عطا کیے گئے اور سابقہ کمیونوں کے کسان جن کا قبیلہ سردار استحصال کررہے تھے، وسطی ایشیا کی چھوٹی سلطنتیں جو زرعی پیشہ لوگوں سے آباد تھیں (ان کی تعداد 20 کے قریب تھی) یہ خانہ بدوش (Ephtalites) جاگیردارانہ ریاستوں کے سرداروں کو نذرانہ ادا کرتے، لیکن اندرونی طور پر یہ انہیں خودمختاری حاصل تھی صرف خوازم کو مکمل آزادی حاصل تھی۔۔۔ 567ء میں Ephtalites کو شکست ہوئی جو ترک قبائل کے ہاتھوں ہوئی۔ اقتدار "Kagan" کے ہاتھوں مستقل ہوگیا۔ یہاں صورتحال جزیرہ نما عرب سے خاصی مختلف تھی۔ جہاں عرب خانہ بدوشی اور مقامی آبادی میں جاگیردارانہ ڈھانچہ تشکیل پاچکا تھا کاشتکاران اراضی سگوڈین اور خورزیم خانہ بدوشوں کی مختلف ستوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مختلف مذاہب کے پیروکار تھے اور دوسری زبانیں بولتے تھے لیکن چھٹی صدی تک جاگیردارانہ تعلقات کو نمود حاصل نہیں

ہو سکی۔ لیکن باوجود اس کے استعمال کے خلاف مقامی کسانوں کی بغاوت روکی نہیں جا سکی۔ (583ء-586ء) میں خانہ بدوش سرداروں اور قبائلی سرداروں کے خلاف بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی بغاوت کچلی گئی لیکن سابقہ کمیونوں پر کام کرنے والے کسانوں کو بدترین استحصال کا نشانہ بنایا گیا۔ ساتویں صدی تک وسط ایشیاء میں جاگیردارانہ تعلقات کو پذیرائی ہوئی۔۔۔ ایک ترقی یافتہ سماجی تعلق کا ارتقاء زرعی نظام میں نشوونما کا باعث بنا۔ ریشم کی صنعت اور آبپاشی کو ترقی ہوئی۔ قلعہ بند قصبے تعمیر ہوئے وسط ایشیاء کے تاجر خاص طور پر سوگوڈین وسیع پیمانے پر ہمسایہ ملکوں سے تجارت کرتے تھے خاص طور پر ہندوستان اور مشرق وسطیٰ سے ان کے تجارتی روابط تھے ابتدائی طبقاتی نظام جو وسط ایشیاء میں قائم تھا۔ اس وقت ان کا مذہب زرتشتی تھا۔ 7ویں صدی میں وسطی ایشیائی ریاستوں میں کسی نے بھی کسی کے خلاف کوئی بڑی لڑائی نہیں لڑی۔ Turkic سلطنت کے زوال کے بعد ساری ریاستیں آزاد ہوگئیں وہ ریاستیں جو آزاد تھیں ان میں کسانوں کو کافی حد تک محکوم بنا کر رکھا ہوا تھا۔ ان کی طرف سے 7ویں صدی کے آخر میں اور آٹھویں صدی کے شروع میں بغاوت ہوئی۔ ان باغیوں کا نظریاتی عقیدہ مزدواک ازم تھا۔۔۔ وسطی ایشیاء کے عوام نے بتدریج جاگیرداریت کو اپنا لیا۔ کئی ایک نسلی گروپوں اور ثقافت نے اہم حیثیت حاصل کی۔ ان میں سوگوڈیا اور خورازم قابل ذکر ہیں۔ تاہم وسطی ایشیاء ثقافتی اور نسلی لحاظ سے ایکتا رکھتا تھا۔ ان علاقوں میں ہندوستان، عرب اور ایران کی طرف سے ادبی شاہکار لائے گئے۔ مقامی زبان ضبط تحریر میں آئی۔ ثقافتی اور تجارتی رابطے، ہندوستان اور چین سے مستحکم ہوئے وسط ایشیاء میں مصوری اور سنگ تراشی کے سکول کھلے اور یہاں ایرانیوں اور ہندوستانیوں سے مختلف فنکارانہ روایاتوں کی بنیادیں پڑیں۔ 651ء میں عرب افواج نے وسط ایشیاء پر حملہ کیا۔ لیکن اس وقت انہیں سخت قسم کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن (705ء-715ء) میں ایک طویل جنگ کے نتیجے میں یہ مزاحمت برقرار نہ رہ سکی۔ اس کی بنیادی وجہ مقامی جاگیرداروں میں ذاتی جھگڑے اور علاقائی تنازعات تھے۔ ان میں سے کچھ نے اپنے ملک کے عوام سے غداری کی۔ ملک میں سخت قسم کی بدحالی پھیل گئی اور خاص طور پر آبپاشی کا نظام بری طرح متاثر ہوا۔ کسان غربت کا شکار ہو گئے۔ اسلام نے سختی کے ساتھ نفاذ کے عمل نے کئی ایک بغاوتوں کو جنم دیا اور یہ اس وقت تک جاری رہیں جبکہ وسطی ایشیائی ریاستوں نے دوبارہ اپنی آزادی حاصل نہیں کر لی۔ لیکن (737ء-705ء) بغاتوں کا خانہ بدوشوں اور کسانوں کے مفادات سے گہرا تعلق تھا۔ مقامی جاگیردار اور قبائل سردار خود کو ان قومی آزادی کی تحریکوں سے علیحدہ رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے تحفظ اور مفادات کے لیے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن جلد ہی ایک سماجی گروہ جو مالکان اراضی اور جنگجوں پر مشتمل تھا وجود میں آ گیا۔ اس نئے طبقے کی مدد سے عرب اس قابل ہوئے کہ انہوں نے ایک ایسا معاشی نظام تشکیل دیا جو استحصال پر مبنی تھا اور انہوں نے ایک خاص بڑی اکثریت کو مسلمان کر لیا۔ انہوں نے زمین کی ریاستی

ملکیت اور کئی ایک جاگیردارانہ ادارے قائم کئے۔ تاہم یہاں خلیفہ کے اقتدار کا پوری طرح نفاذ نہیں ہوا تھا۔ 745ء کی بغاوت جو وسط ایشیاء میں شروع ہوئی۔ اُمیہ سلطنت کے زوال کا باعث بنی۔ وسطی ایشیاء کے لوگوں نے 754ء، 776ء، 783ء تا 806ء، 810ء میں اُمیہ حکمرانوں کے خاتمے کے بعد، نئے حکمرانوں کے خلاف بغاوتیں کیں۔ ان بغاوتوں کو کچلنے کے لیے خلیفہ کو فوجی مہمات کی ضرورت تھی، لیکن اس دوران مقامی امراء اور خاص طور پر تاجک امراء کے لیے مراعات اس مسئلے کا حل تھیں 8ویں صدی میں تاجک امراء سابقہ کمیون کی وسیع تر اراضی پر اپنے مالکانہ حقوق قائم کر چکے تھے۔ اس کے بعد کسانوں کی اکثریت جاگیردارانہ بندھنوں میں بندھ گئی۔ 819ء میں تاجک سرداروں نے اپنی آزاد ریاست کی بنیاد رکھی اور ایک مقامی خاندان (Samanid) نے 999ء تک وسطی ایشیاء پر حکومت کی۔

کاکیشیا کے عوام:

کاکیشیا میں آرمینیاء، جارجیا، سلطنت کورٹلی اور لازکیا شامل ہیں اور البانیائی سلطنتیں، البنیہ اور آدان، جو سماجی ارتقاء کے حوالے سے مختلف معیار رکھتے تھے۔ یہاں 4ویں صدی میں معاشرے کا جاگیرداریت میں ارتقاء ہوا۔ جب جنگجو امراء کے کمیونوں پر قبضہ کر کے انہیں اپنی ملکیت میں لے لیا۔ نئے پیداواری تعلقات ان جگہوں پر جہاں غلام دار امراء جاگیروں پر قابض تھے قائم ہو رہے تھے۔ یہاں عیسائی چرچ بھی نئے پیداواری تعلقات کو مستحکم بنانے کے لیے ایک اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ چوتھی صدی تک ان ملکوں میں نہ تو زمین کی ریاستی ملکیت تھی اور نہ ہی کرایہ اور ٹیکس کا کوئی یکساں نظام رائج تھا ساری آبادی تین حصوں میں تقسیم تھی، جنگجو امراء پادری اور دست نگر کسان جو مالکان زمین کی خدمت کرنے کے پابند تھے۔ پانچویں اور چھٹی صدی میں نہایت اہم معاشی اور ثقافتی نشوونما ہوئی بین الاقوامی تجارتی راستوں پر خوشحال قصبے وجود میں آئے اور مقامی خاندان اس علاقے میں بائزنٹیم یا ایران کے برائے نام تسلط میں حکومت کرتے تھے، آرمینیا، جارجیا اور البانیہ کے لوگوں کی طرف سے غیر ملکی تسلط کے خلاف زبردست مزاحمت ہوئی، یہ لوگ ٹیکسوں میں اضافے کے خلاف تھے، عیسائیت پر پابندی اور آرمینیا کے حکمرانوں کی ان کے عہدوں سے برطرفی 450ء تا 451ء میں ایک بغاوت کا پیش خیمہ بنی۔ اس بغاوت کا لیڈر آرمینیا کا کمانڈر وردن، مامی کونیئن تھا۔ باغیوں کو شکست ہوئی۔ لیکن غیر ملکی قبضہ کی کوشش کچھ وقت کے لیے رک گئی۔ ایرانیوں کی طرف سے اس علاقے پر قبضہ کرنے کی اور مضبوط تسلط قائم کرنے کی کوشش 481ء تا 484ء میں ایک زبردست بغاوت کا باعث بنی اور ساسانی حکمران اپنی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ ایک اور کوشش خسرو اول (531 تا 579ء) عہد میں ہوئی۔ جب ٹیکسوں میں اضافہ ہوا اور مقامی انتظامیہ کی جگہ، ایرانی افسر تعینات کئے گئے، اس کا ردعمل آرمینیا میں بھی ہوا اور اس بغاوت کی جارجیا،

البانیہ اور بائزنٹیم کے لوگوں نے حمایت کی۔ 591ء میں ایک امن معاہدہ ہوا اور ایران اس علاقے کے وسیع رقبے سے دستبردار ہو گیا۔ 628ء میں یہ خطہ مکمل طور پر بائزنٹیم کے برائے نام اقتدار تلے آزاد ہو گیا۔ 5ویں اور 6 صدی کی مسلسل جنگوں کے بعد ایذت کی قوت میں بتدریج اضافہ ہوا اور انہوں نے اپنے کسانوں کا زیادہ سے زیادہ استحصال شروع کر دیا تاہم ایران کو بائزنٹیم کی طرف سے مستقل خوف کی وجہ سے اور نسلی تفریق کی وجہ سے ایک ایسی متحد ریاست اور مرکزی حکومت اور ریاستی ملکیت کا نظام اس علاقے میں ناممکن تھا۔ مسلسل جنگوں نے بڑے تجارتی مراکز کے ارتقاء کو روک دیا۔ ساٹھ سال تک کی لگاتار جنگوں کے بعد عربوں نے خود کو یہاں مضبوط کیا اور اب گورنروں نے لوگوں کو زبردستی مسلمان کیا اور زرعی استحصال کے ایک مخصوص نظام کی بنیاد رکھی۔ تاہم عرب شہنشاہیت دوسرے خطوں کے برعکس یہاں اسلام کی ریاستی ملکیت کا نظام صرف البانیہ میں رائج ہو سکا۔ چند عرب یہاں آباد ہوئے، اور ان کی پوزیشن اقلیت میں تھی۔ امن کے دور میں، خلیفہ کے اہلکار ٹیکس اکٹھا کرنے کی طرف توجہ دیتے۔ تاہم ٹیکس اکٹھا کرنے کا یہ نظام، کسانوں اور شہریوں کے بغاوت اور بے چینی کا باعث بنا۔ 748ء، 750ء، اور 775،774 میں آرمینا میں ہونے والی بغاوت نے خلیفہ کو مجبور کیا کہ وہ ٹیکسوں کو کم کرے، 781ء اور 795ء میں ایسی ہی بغاوتیں البانیہ میں ہوئیں آرمینیا اور آران کے حکمرانوں نے ان بغاوتوں کی مدد کی۔ اور خلیفہ کی قوت کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ سب سے اہم بغاوت جو البانیہ میں ہوئی اس کی قیادت ہیرامائینس اور ان کے لیڈر بابک (37-816) نے کی۔ اس کی امداد آرمیناوالوں نے کی۔ بابک کے ہمراہیوں نے خلیفہ کے فوجیوں کو کئی جگہوں پر شکست دی۔ 14 سال کے بعد، 855ء میں ایک اور بغاوت پھوٹ پڑی، اگرچہ اس کو ظالمانہ طور پر کچل دیا گیا لیکن اس کے بعد جلد ہی عربوں نے اس خطے کو خیر باد کہا۔ اس علاقے میں خلیفہ کی طرف سے کی گئی جنگوں کے اخراجات اس آمدنی سے زیادہ تھے جو اس علاقے سے حاصل ہوئی۔

○

باب:11

مغربی یورپ (گیارہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں)

زراعت سے دستکار صنعت کی علیحدگی اور قصبوں کا ظہور:

اگر چہ پیداواری قوتیں عہدِ وسطیٰ میں بتدریج ترقی کر چکی تھیں تاہم ترقی مسلسل تھی اور اس کا پہلا نتیجہ محنت کی ایک نئی سماجی تقسیم کی صورت میں سامنے آیا، جس نے پورے یورپ میں مزید معاشی ترقی میں اضافہ کیا، آہستہ آہستہ صنعت اور زراعت کے درمیان ایک واضح حد فاصل کھینچ دی گئی زیادہ سے زیادہ قصبے قائم ہوئے اور ان کے پھیلاؤ میں اضافہ ہوا، یہ صنعت اور تجارت کے مرکز کے طور پر ترقی کرنے لگے اور اسی ارتقاء کا ایک اور نتیجہ جنس اور زر کے تعلق کی صورت میں سامنے آیا۔۔۔11ویں صدی کے بعد عہد وسطیٰ کے معاشرے کی بڑھتی ہوئی ضروریات نے ان کسانوں کو جو اپنے بنیادی پیشے زراعت کے ساتھ تجارت بھی کرتے تھے انہوں نے لوہار، جولوہا، درزی اور بطور موچی کے کام کرنا شروع کر دیا، ان کا مقصد یہ تھا کہ اس منافع بخش تجارت میں زیادہ سے زیادہ اور کھیتوں میں کم سے کم کام کیا جائے۔ ان کسانوں نے دیہاتوں کو خیر باد کہا اور ان جگہوں پر اپنے مکان تعمیر کئے جہاں انہیں مال بیچنے میں آسانی ہوتی اور ایسی چیزیں حاصل کرنے میں جو ان کے خاندانوں کی ضروریات اور زندہ رہنے کے لیے ضروری تھیں۔ (شاہراؤں، دریاؤں کے کناروں اور محفوظ مقامات پر) تاجر بھی ایسی ہی جگہوں پر رہائش اختیار کرنے لگے اور ایک ایسے تجارتی نظام کو دوبارہ زندہ کرنے میں کامیاب ہوئے جو سلطنت روما کے زوال کے ساتھ ختم ہو چکا تھا۔ تجاروت کی پہلی قسم جو یورپ میں پیدا ہوئی وہ ان اشیاء کی تھی جو قیمتی ہوتیں اور اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں آسانی ہوتی، خاص طور پر مشرقی ممالک کی طرف لے جانے

میں، اس طرح بائزنٹیم سے ہاتھی دانت، ہندوستان اور ایشیائے کوچک سے سونا اور عرب ملکوں سے خوشبو لائی جاتی۔۔۔ وہ تاجر جو دستکاروں کے ساتھ رہنے لگے وہ مقامی دستکاروں کی پیدا کردہ اشیاء فروخت کرتے۔ اس طرح دستکاروں کی اشیاء مقامی اضلاع سے باہر جانے لگیں۔ اس طرح نئے یورپی قصبے جو تجارتی اور صنعتی مراکز تھے وجود میں آئے، ابتدائی طور پر یہ قصبے ایک دیہات سے کچھ بڑے تھے اور مقامی لوگ زراعت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی کرتے، ان کی چراگاہیں زرعی، زرخیز زمینیں، جنگلات، جھیلیں اور دریا کے کنارے ان کی بہتر زندگی کے ضامن تھے۔ لیکن صنعت بتدریج زیادہ وقت کا تقاضا کر رہی تھی۔ اکثر و بیشتر قصبوں کے لوگ ہمسایہ دیہاتی لوگوں سے اپنی اشیاء کا تبادلہ کرتے اس سے وہ زیادہ خام مال حاصل کرتے اور اپنے خاندان کے لیے ضروری اشیاء کاروباری انجمنوں نے ترقی کی، ان کے ممبران چھوٹے پروڈیوسر تھے جو اپنی اپنی آزادانہ حدود میں کاروباری ملازم اور محنت کش بھرتی کرتے، یہ محنت کش قواعد وضوابط کے مطابق محنت کرتے، یہ لوگ محنت فروخت کرتے۔ نیم کاریگر اور شاگرد کا مفاد کاریگر یا اپنے آقا کے مفاد سے میل نہیں کھاتا تھا اور ان دونوں گروپوں کے درمیان طبقاتی کشمکش روز بروز بڑھتی گئی۔ کاریگر یا آقا معاشرے کے اس طبقے میں شامل ہونے لگے جنہیں دوسروں سے زیادہ مراعات حاصل تھیں اور ان کے تحت کام کرنے والے نچلے طبقے کے لوگ تھے۔

قصبوں اور مالکان اراضی کے درمیان تنازعہ:

وہ آبادی جو قصبوں میں آباد تھی، ایک دوسرے کے ساتھ قریبی طور پر منسلک اور جڑی ہوئی تھی اور ان کے مقابلے میں اٹھ کھڑی ہو سکتی تھی، جن کی زمینوں پر قبضے آباد ہوئے تھے۔ آخر کار براہ راست تنازعہ یا کئی ایک حقوق خریدنے سے، کئی ایک قصبے مکمل طور پر آزاد، خود مختار کمیون کی حیثیت اختیار کر گئے۔ قصبوں نے یہ حق بھی حاصل کیا کہ وہ قصباتی مجلس قائم کر سکیں۔ اس کے افسران کو منتخب کر سکیں، ٹیکسوں کے حصول کے بعد تمام شہریوں کو ان کی آزادی کی ضمانت دی جاتی۔ ان دنوں کا ایک مقولہ تھا کہ قصبوں کی ہوا انسان کو آزاد بنا دیتی ہے اٹلی کے قصبے خاص طور پر وینس، جنیوا، المیقائی، نیپلز، میلان اور فلورنس، انہوں نے سب سے پہلے نشوونما اور وسعت اختیار کی، اور انہوں نے مشرق کے ساتھ اپنے تجارتی روابط بحال کئے۔ ان کا آغاز نویں اور دسویں صدی میں ہو چکا تھا ان قصبوں کے تاجر مشرق کے ساتھ تجارت کے ذریعے خوشحال ہوئے اور ایک مختصر مدت میں قصبوں نے ان مالکوں سے مکمل آزادی اور حقوق حاصل کر لئے جن کی زمینوں پر قصبے آباد ہوئے تھے، خواہ وہ پادری تھے یا امراء یہ قصبے ایک چھوٹی سی آزاد ریاست کا درجہ حاصل کر گئے۔ فلانڈر کے قصبے انتہائی خوشحال تھے، اس کا کریڈٹ یہاں کی ٹیکسٹائل صنعت کو جاتا ہے، جس کی پیداوار شمالی یورپ میں مہنگے داموں فروخت ہوئی اور بارہویں صدی میں جرمنی کے جنوب

مغرب کے قصبے بھی ایک خصوصی اہمیت حاصل کر گئے۔ 11ویں صدی میں انگلستان اور فرانس میں قابل دید ارتقاء ہوا، ان قصبوں میں تجارت اور صنعت کو نشوونما حاصل ہوئی۔ یہ سلسلہ بارھویں تیرہویں صدی تک جاری رہا۔

ترقی یافتہ جاگیردارانہ معاشرہ:

شہری ترقی اور صنعت وحرفت اور تجارت میں وسعت پورے یورپ میں بڑی متفرق صورت میں ہوئی اس وقت جبکہ یہ سب کچھ ظاہر ہو رہا تھا اور بعدازاں ترقی، اس کو ہم ترقی یافتہ جاگیرداریت کا نام دیں گے۔ جب پیداواری قوتیں، اپنی ترقی کے اعلیٰ معیار پر پہنچ چکی تھیں۔ جو کہ ایک چھوٹی جاگیردارانہ معیشت میں ممکن تھا۔ بلاشبہ شہری صنعت نے زراعت کو ایسے مزدور دیئے جن کے پاس لوہے کے اوزار تھے۔ قصبے کے لوگوں کو بڑھتی ہوئی ضروریات کا تعلق، زرعی پیداوار سے تھا۔ اس عمل نے کسانوں کو مجبور کیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ رقبہ کاشت کریں، گلہ بانی، ہل میں جدت، باغبانی میں ترقی ہوئی، زراعت کو نشوونما حاصل ہوئی۔ سب سے زیادہ اہم ترقی مہارت میں ہوئی اور نتیجتاً شہروں میں پیداواری قوتوں نے عہد وسطیٰ میں اہم ارتقاء کیا۔ صنعتی شہر ترقی کر گئے، جو اپنی اشیاء کو پورے یورپ میں برآمد کرتے۔ (ٹیکسٹائل، اون، ریشم، سوت، چمڑے کی صنعت، دھات کا کام، شیشہ اور ظروف سازی کے مراکز) یورپی قصبوں میں ترقی اور پیداواری قوتوں کی اس کے نتیجے میں پیش قدمی نے سیاسی اور سماجی ارتقاء میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ وہ قصبے جو تجارت اور دستکاری کا مرکز بن گئے، یہ وہ جگہیں تھیں جہاں حکمران طبقہ اس قابل تھا کہ ٹیکس اکٹھا کر سکے۔ بعض اوقات یہ ٹیکس کسانوں سے بھی زیادہ شہروں سے حاصل کئے جاتے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دستکار اور تاجر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تا کہ وہ کسانوں کی نسبت اپنے مفاد کا دفاع کر سکیں، ان کا یہ عمل مالکان اراضی، امراء اور ان کے حواریوں کے خلاف تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کسان اگرچہ قصبے کے لوگوں کو اپنا اتحادی بنانے میں ناکام رہے کم از کم انہیں جاگیرداروں کے خلاف جدوجہد میں شہری لوگوں سے ہمدردی ضرور حاصل ہوئی۔ شہری ترقی کئی ایک سیاسی تبدیلیوں کا باعث بنی اور اس کا اظہار اس وقت پورے یورپ میں ہوا، دستکار اور تاجر یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے مال کی کھپت کے لیے، زیادہ سے زیادہ منڈیاں تلاش کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان تنازعات اور مسائل سے بچنا چاہتے تھے جو انہیں مقامی امراء اور حکمرانوں کے ساتھ کشمکش کے نتیجے میں پیش آتے اور وہ یہ بھی چاہتے کہ امن عامہ کا مسئلہ حل ہونا چاہیے۔ تا کہ وہ اس اطمینان کے بعد، اپنی تجارتی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں چنانچہ قصبے کے باشندے عام طور پر مرکزی حکومت کے مضبوط ہونے کا مطالبہ کرتے جس کے پاس مناسب قوت ہوتا کہ وہ جاگیردار امراء کے مابین ثالث کا کردار ادا کر سکے۔ یہ امراء عام طور پر شاہراہوں پر اپنی قوت کا مظاہرہ

کرنے کے لیے ڈاکہ زنی کرواتے، چنانچہ شہری ارتقاء کے ساتھ ساتھ یورپی بادشاہوں اور ان کے متعلقین کے درمیان جو شہروں میں آباد تھے اتحاد ہو گیا۔ قصبوں نے نقد زر اور فوجی لحاظ سے بادشاہ کی مدد کی تاکہ وہ اپنے حقوق کا تحفظ حاصل کر سکیں، اس عمل کے باعث یورپ کے کئی ایک ملکوں میں مضبوط مرکزی حکومتیں قائم ہوئیں۔

جہاد کے اسباب:

تقریباً تمام یورپ میں، گیارھویں صدی کے دوران جاگیردارانہ نظام کے مکمل ہوتے ہی اور پیداواری قوتوں میں ابھار اور مستحکم ارتقاء کے بعد تجارت اور صنعت میں تازگی آئی، دستکاری اور زراعت میں ایک واضح تقسیم ہوگئی قصبے تجارتی اور صنعتی مرکز بن گئے، غیر ملکی تجارت میں نشوونما اور مشرقی ممالک کے ساتھ ان کے تجارتی مقاصد میں اضافے، ان قصبوں کے لوگوں میں، مزید دلچسپی پیدا کر دی۔ اس نئے مقصد نے یورپی فوج کو مشرق کی جانب ''جہاد'' کرنے پر اُکسایا مختلف سماجی اور معاشرتی گروپوں کے نمائندوں جن کی قسمت اپنے ملکوں میں بارآمد ثابت ہو رہی تھی، نے ان ''مقدس جنگوں'' میں حصہ لیا۔ ان ''برائے جہاد'' افراد کی ریڑھ کی ہڈی دراصل حکمران طبقے کا نچلا حصہ تھا، Knights, جو جاگیردار امراء کی اولاد تھے اور وراثتاً زمین کے حقوق سے محروم تھے، اس کے علاوہ خوشحال کسان اور یہاں تک کہ مزارع بھی ان عوامل میں شریک ہوئے جو نوآبادیاں چلانے کے لیے ضروری تھیں، اس وقت وہ کمزور ہتھیاروں سے مسلح تھے اور شاہراہوں پر ڈاکے اور لوٹ مار کرتے۔ وہ اپنے آدمیوں کے علاوہ راہ گیروں کو بھی لوٹ لیتے اور کسی بھی مہم کے لیے تیار رہتے۔ اس وقت کسانوں میں بے چینی پھیل گئی وہ ان مطالبات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور ان سے مفاہمت کرنے سے قاصر تھے 1095ء تا 1097ء میں فصلیں انتہائی خراب ہوئیں اور کسانوں کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ گھاس کھانے پر مجبور ہو گئے کئی جگہوں پر انسانی گوشت کھانے کے بھی واقعات ہوئے، کئی ایک کسانوں نے اپنی زمینوں کو خیر باد کہا اور ان جگہوں پر آباد ہوتے جوان کے لیے مناسب تھیں۔ جب ''مقدس جہاد'' کے لیے بھرتی ہوئی تو بھوک سے مارے ہوئے ان کسانوں کا جم غفیر ان افواج میں شامل ہو گیا، تاکہ مشرق کی طرف پیش قدمی کی جا سکے، کئی ایک قصبے خاص طور پر اٹلی کے اس تحریک میں شامل ہوئے تاکہ اپنی تجارت کو آگے بڑھا سکیں اور مشرق کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔ کیتھولک چرچ نے اس عمل میں ایک اہم کردار ادا کیا اور لوگوں کو لڑائی کے لیے اکسایا اور کہا کہ وہ ''مقدس سرزمین'' کو شام اور فلسطین کو ترکوں سے آزاد کروائیں یہ وہ جگہ ہے جہاں یسوع پیدا ہوئے اور عیسائیوں کے مقدس مقامات ہیں۔ دراصل اس سارے سلسلے میں چرچ کے دو مقاصد تھے اول یہ۔ وہ اپنے اثر اور قوت میں اضافہ کرنا چاہتے تھے دوسرا یہ کہ چھوٹے امراء کو یورپ سے باہر منتقل کرنا

چاہتے تھے جو کہ چرچ اور اس کے عہدیداروں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔

بائزنٹیم:

7 ویں سے 11 ویں صدی تک، اس "مقدس جہاد" کا بائزنٹیم ریاست سے فوری اور گہرا تعلق تھا جو ایک طویل عرصے سے اپنے ہمسائیوں ایران اور عربوں سے جنگیں کر رہا تھا، اس کے علاوہ بلغارین اور سلجوک ترکوں کے ساتھ بھی محاذ آرائی تھی۔ کئی ایک مسلسل فوجی کامیابیوں کے بعد خاص طور پر (867ء تا 1056ء) جب بلغارین کو شکست ہوئی، شام کے کئی قصبے آرمینیا، میسوپوٹیمیا عربوں سے دوبارہ حاصل کر لیے گئے اور قدیم روس سے اتحاد مستحکم کیا گیا۔ بائزنٹائن تک سلطنت تیزی سے زوال پذیر ہوئی، 11 ویں صدی میں جاگیردارانہ نظام اچھی طرح واضح ہوگیا آزاد کسان منظر سے ہٹ گئے ایسی ریاستوں کی تعداد میں اضافہ ہوا جن پر امراء قابض تھے اور کاشتکاری میں مزارع رکھنے کا رواج تھا، بھاری ٹیکس عائد کئے گئے جاگیردارانہ پیداواری تعلقات کے ظہور میں آنے کے بعد اور زمینوں کی تقسیم میں شدت، جاگیردار امراء کے مابین جھگڑوں اور تنازعوں کا باعث بنیں۔ حکمران طبقے کے درمیان تاج وتخت کے حصول کے لیے جھگڑوں میں شدت آئی، ان تمام وجوہات کی بنیاد پر بائزنٹیم سلطنت کمزور ہوتی چلی گئی اور یہاں تک کہ اندرونی تنازعات کو حل کرنے اور اپنی سرحدوں کا دفاع کرنے کے بھی قابل نہ رہا۔ اس وقت ایک نیا خاندان برسر اقتدار آیا کومنینن خاندان، سلطنت کی پوزیشن مخدوش تھی تاہم بادشاہ الیکیس کومنینن (1081-1118) اور اس نے پیشروں کے عارضی طور پر بائزنٹیم سلطنت کو استحکام دیا۔

پہلی صلیبی جنگ:

1095ء میں جنوبی فرانس کی کونسل کلرماونٹ میں پوپ اربان دوم نے پہلی صلیبی جنگ کا اعلان کیا اور اعلان کیا کہ وہ تمام لوگ جو اس جہاد میں حصہ لیں گے ان کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور انہیں جنگ سے حاصل شدہ مال متاع میں سے حصہ ملے گا۔ پہلی فوج جو اس مقدس لڑائی کے لیے تیار ہوئی وہ غریب کسانوں پر مشتمل تھی کسانوں کا یہ ہجوم جو اچھے ہتھیاروں سے مسلح نہیں تھا استنبول پہنچا اور لوٹ مار کرنے لگا۔ بائیزنٹائن بادشاہ نے نہایت عجلت میں ان سے کہا کہ وہ ایشیا کے علاقوں کی طرف جائیں جہاں ترکوں نے انہیں بری طرح مارا پیٹا، کسانوں نے شکست خوردہ دستے واپس آگئے اور اس فوجی ٹیم کا انتظار کرنے لگے جسے نائٹس کی قیادت میں 1096ء میں یورپ سے یروشلم کے لیے روانہ ہونا تھا۔ 1099ء میں ایک سخت اور مشکل راستہ طے کرتے ہوئے یہ فوج یروشلم پہنچی انہوں نے زبردست حملے کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا اور انتہائی بے دردی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا، شام اور فلسطین کی سرزمین پر ان

''جہادیوں'' نے کئی ایک ریاستیں قائم کیں ان پر یورپ کے طاقتور امراء کی حکمرانی قائم ہوئی، ان حکومتوں کے کرتا دھرتا قدرے کم حیثیت کے مالک امراء تھے۔ یورپی کسان جو جہاد کی غرض سے آئے تھے انہیں سخت ریاستی قوانین کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی قسمت میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی مقامی آبادی نے بغاوت کردی اور 1144ء میں ''جہادیوں'' نے ایڈیسا کھودیا جو کہ ان کے اہم گڑھوں میں سے ایک تھا۔ اس شہر پر قبضہ کرنے کے لیے ایک زبردست مہم کی گئی لیکن ناکام رہی بارھویں صدی کے وسط میں چھوٹی عرب اور ترک ریاستوں کا ایک نیا چیمپئن منظر عام پر آیا۔ ایک باصلاحیت فوجی کمانڈر جس نے کئی چھوٹی ریاستوں کو اکٹھا کرنے میں کامیابی حاصل کی اور اس نے جہادیوں کو شکست دیتے ہوئے یروشلم پر قبضہ کرلیا۔ وہ صلاح الدین تھا۔ لیکن اس کے بعد کم از کم پانچ بار جہادی حملے ترتیب دیئے گئے جو ناکام ہوئے۔ چوتھی صلیبی جنگ میں مغربی دوستا نے استنبول Consatantipole لوٹ لیا (1204ء)۔ چنانچہ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ ان مقدس جنگوں کا مقصد ''مقدس علاقوں'' یروشلم وغیرہ کو آزاد کروانا نہیں تھا۔ بلکہ لوٹ مار تھا۔ جبکہ بائزنٹیم کا دارالحکومت عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ جلدی ہی ترکوں نے مقدس جہادیوں کو ایشیائے کوچک سے نکال باہر کیا۔ ان کا آخری گڑھ فلسطین میں Acre قصبہ تھا جس پر ترکوں نے قبضہ کرلیا (1291)ء۔ چنانچہ یہی سال جہادی حملوں کے فاتحوں کا سال ثابت ہوا اگرچہ ان جہادوں نے کوئی سیاسی مقاصد حاصل نہ کئے جس کی یوپی حملہ آوروں کو امید تھی لیکن اس تحریک نے پوری ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ یورپین کے مشرق کے ساتھ قریبی ثقافتی رابطے قائم ہوئے اور یورپ والوں نے کاشت کاری کے شعبے میں جدید غلام مشرق سے لئے، علاوہ دستکاری سرگرمیاں بھی اس علاقے کی دنیا بھر میں مشہور تھیں، یہ لوگ مشرق سے کئی ایک فائدے مند اور قیمتی پودے یورپ لائے مثلاً چاول، سنگتروں کے درخت، گنا، سیب، ریشم بنانے کا فن اور شیشہ پگھلانے کا فن بھی انہیں مشرق سے حاصل ہوئے۔

انگلستان:

5ویں صدی میں یہ جزیرہ سیلٹک قبائل سے آباد تھا اور ان پر جرمن قبائل نے حملہ کی جن میں اینگلز، سیکسن، جیوٹس اور تھرنیکیسنز شامل تھے۔ بعد میں یہاں سات باربیرین ریاستیں قائم ہوئیں جو بتدریج کم ہو کر ساتویں اور چھٹی صدی میں تین میں متحد ہوگئیں بعدازاں ایک اینگلوسیکسن ریاست، ویکس کے بادشاہ ایگرٹ کی قیادت میں قائم ہوئی جب زمانہ (829)ء کا تھا۔ اینگلوسیکسن ریاست میں جاگیردارانہ معاشی ڈھانچہ کا ظہور اسی عہد میں ہی شروع ہوا، اور گیارہویں صدی کے بقایا نصف میں، جب تاج پر نارمن بارنز نے جس کی قیادت ولیم آف نارمنڈی کررہا تھا (جسے تاریخ میں ولیم فاتح کہا جاتا

ہے 1066ء) نے قبضہ کرلیا۔ جاگیردارانہ تعلقات پیداوار پہلے ہی نشوونما حاصل کر چکے تھے۔۔۔ نارمن بیرن (Barons کا مطلب ہے برطانوی امراء کے نچلے درجے کارکن) ولیم کے ساتھ ہی انگلستان آئے تھے اور انہوں نے اینگلوسیکسن زمینوں پر قبضہ کرکے جاگیرداریت کا سلسلہ مکمل کیا۔ تب انہوں نے محسوس کیا کہ مقامی آبادی انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتی، اب ان کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ وہ اکٹھے ہوکر اپنے مفادات کا تحفظ کریں اور سخت قواعد وضوابط نافذ کریں۔ اس وجہ سے انہوں نے مرکزی حکومت کی قوت اور اختیار کی حمایت کی۔ ولیم مجبور تھا کہ وہ زمینوں کو اپنے بیرنز میں تقسیم کرے کیونکہ اس مہم میں انہوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اس نے زمینوں کے سروے کا حکم دیا تاکہ زمینوں کی قیمتوں، ٹیکس اور اس کے متعلق دیگر معلومات حاصل کی جاسکیں یہ سروے مقامی آبادی کی شہادتوں سے کیا گیا، جس میں ان سے حلفیہ سچ کہنے کو کہا گیا اور کہا گیا کہ وہ سچ کے سوا کچھ نہیں کہیں گے جس طرح کہ وہ روزمحشر یسوع کے سامنے پیش ہوں۔ وہ ریکارڈ ایک کتاب میں محفوظ کیا جو آج تک محفوظ ہے اس کتاب کو "Domesday Book" کہا جاتا ہے۔۔۔ اس کتاب میں کسانوں کی پوزیشن ناقابل بیان ہے اسے کیرا، مزارع کہا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت جاگیردارانہ نظام مکمل ہو چکا تھا۔ یہاں اس کا ذکر ضروری ہے کہ کسانوں کے ایک خاص حصے نے اپنی آزادی برقرار رکھی۔ اینگلوسیکسن بیرن جو نئے نظام کو اپنا نہ سکے، ان کی جگہ ناراض بیرن نے لے لی۔ انگریز کسانوں کی ایک اکثریت غلام کاشت کاروں میں تبدیل ہوگئی۔۔۔ صرف ایک لحاظ سے انگریزوں کا جاگیردارانہ نظام، اس براعظم سے مختلف ہے۔ انگلستان میں بادشاہ کی طاقت، مذکورہ بالا وجوہات کی بنیاد اتنی مضبوط تھی کہ حکمران طبقے اور اعلیٰ امراء سے نائیس تک سب یہ غلبہ برقرار رکھ سکتی تھی کہ وہ بادشاہ کی اطاعت کریں حکمران طبقے سے ایک حلف لیا جاتا تھا جس میں بادشاہ سے وفاداری کا عہد لیا جاتا۔ اسی وجہ سے انگلستان ان مشکلات اور تکالیف کا شکار نہیں ہوا جو ملکی اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بنیں، انگلش معاشرے کو کمزور مرکز اور عدم استحکام کا دوسری ریاستوں کی نسبت کم شکار ہونا پڑا۔

پارلیمینٹ کا آغاز:

انگلستان میں انتہائی مضبوط مرکزی حکومت کا وجود کئی ایک کوششوں کے بعد شاہی خاندان کے اختیارات میں کمی کا باعث بن گیا۔ بادشاہ جان (لیک لینڈ 1199ء تا 1216ء) کے عہد میں بیرنز نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ میگنا کارٹا (1215ء) پر دستخط کرے، جس کا مقصد بادشاہ کی قوت کو محدود کرنا اور امراء کے استحقاق اور جائیدادی ملکیتی حقوق کو تسلیم کرنا تھا۔ 1265ء میں پہلی پارلیمنٹ وجود میں آئی۔ 13-ویں صدی میں وجود میں آنے والا یہ ادارہ آج کی پارلیمنٹ سے ملتا جلتا تھا۔ ایک بورژوازی آئینی ادارہ

اگر چہ یہ ایک قدیم تسلسل کا نتیجہ تھا۔ انگریز مورخ اور قانون دان انگریزوں کی طویل آئینی تاریخ پر فخر کرتے ہیں، بعد میں اس قسم کے ادارے یورپ کے دوسرے علاقوں میں وجود میں آئے، تاہم انگلستان کی تیز رفتار معاشی ترقی ان کے قصبوں اور تجارت میں نشو ونما کی وجہ سے حکمران طبقہ اور قصبوں کی آبادی خوشحال ہوگئی۔ ریاستی ڈھانچے کو بھی استحکام ملا۔ 14ویں صدی کی ابتدا میں بادشاہ کو ٹیکس لگانے کے حق سے محروم کر دیا گیا اس کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ پارلیمینٹ کی منظوری حاصل کرے۔ پارلیمنٹ جس میں امراء شہروں اور دیہاتوں کے نمائندے موجود تھے ایک بااثر ادارے کی حیثیت سے نشو ونما حاصل کرنے لگی۔ شہروں میں وسعت اور جنس اور زر کے درمیان تعلق کے ارتقاء کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال یورپ کے لیے خصوصی اہمیت کی حامل تھی۔ انہوں نے جاگیردارانہ معاشرہ کے معاشی ڈھانچے میں مناسب تبدیلیاں کیں اس کے علاوہ انتظامی معاملات میں بھی تبدیلیاں ہوئیں، یعنی حقوق ملکیت کے جاگیردارانہ رشتوں پر قائم معاشرہ، امراء نے اپنے کسانوں سے نقد صورت میں حصہ وصول کرنے کا مطالبہ کر دیا چنانچہ کسان اب اپنی پیداوار کو مقامی مارکیٹ میں فروخت کرنے لگے۔ 14ویں صدی میں اشیاء اور جنس کا تبادلہ عام ہو چکا تھا، مالکان اراضی نے زمینوں کو خود کاشت کروانے کی بجائے زمینوں کو کسانوں میں قطعات کی صورت میں کرائے پر دے دیا۔ اس طرح جاگیرداروں کے حلقہ اثر میں کمی واقع ہوئی وہ اپنی زمینوں کا کرایہ وصول کرتے اس کے علاوہ کسانوں پر مزید کوئی بوجھ نہیں تھا، دولت کے حصول کے لیے جاگیرداروں نے مویشی پالنے کے فارم قائم کئے اس طرح انہیں زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے میں آسانی ہوئی۔ یہ نئی قسم کی آزادی معاشی آزادی کے ساتھ منسلک تھی جن زمینوں پر انہوں نے مویشی پالے وہ دیہاتوں میں کام کرنے والے کسانوں کے علاقوں میں تھیں، مویشی پالنا کاشتکاری کی نسبت زیادہ فائدے مند تھا۔ اس کے ساتھ کسانوں کی حالت خراب ہوئی اور پورے یورپ میں کسانوں کی بغاوتوں کی لہریں اٹھ کھڑی ہوئیں انگلستان میں کسانوں کی قیادت واٹ ٹائیر، اٹلی میں ڈول سائینو اور فرانس میں جیک وائرے کے ہاتھ میں تھی۔ انگلستان میں (1381ء) کسانوں کی بغاوت کا براہ راست سبب اس نئے ٹیکس کا نفاذ تھا جو عام لوگوں پر اس لیے لگا دیا گیا کہ فرانس کے ساتھ جنگوں کے اخراجات پورے کئے جاسکیں۔ وہ افسران جو ٹیکس اکٹھا کرتے انہوں نے ٹیکس کی وصولی کے سلسلے میں غیر انسانی اور پر تشدد طریقے استعمال کئے۔ لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے بغاوت پورے ملک میں پھیل گئی کسانوں کی فوج نے لندن کی طرف پیش قدمی کی اور شہر کے غریبوں نے شہر کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے، کسانوں کا ایک دستہ جس کی قیادت واٹ ٹائیر کر رہا تھا شہر میں داخل ہو گیا۔ باغیوں نے بادشاہ کو مندرجہ ذیل مطالبات پیش کئے، تمام کسانوں کی مکمل آزادی، کم معاوضے پر مزدوروں سے محنت کروانے کی ممانعت، مکمل آزادی کہ کسان اپنی پیداوار کو اپنی مرضی سے فروخت کر سکیں، اس خطرے

کے پیش نظر کہ مطالبات نامنظور ہونے کی صورت میں حالات خراب ہو سکتے ہیں، انہوں نے کسان فوجی دستوں کو مراعات دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ کسان محاصرہ ختم کر کے واپس لوٹ گئے تاہم بادشاہ کے ساتھ ایک تصادم میں واٹ ٹائیر دھوکہ دہی سے قتل کر دیا گیا۔ اس سے خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں دوبارہ بغاوتوں کا سلسلہ شروع نہ ہو جائے، چنانچہ امراء نے افواج اکٹھی کرنا شروع کر دیں اور انہوں نے بڑی بے دردی سے بغاوت کو کچل دیا۔ لیکن انگریز ایسے واقعات سے بچنا چاہتے تھے وہ کسانوں کو وقتاً فوقتاً مراعات دیتے رہے اور پندرہویں صدی کے آخر تک انگلستان میں کوئی مزارع نہیں تھا اگرچہ کسان اس وقت اپنی زمینوں کے کرائے مالکان اراضی کو ادا کرتے تھے۔

گلاب کی جنگیں "The wars of Roses"

اس دوران فرانسیسیوں کے ساتھ سو سالہ جنگ جاری رہی اس جنگ میں انگلستان کے بادشاہوں نے زیادہ تر انحصار تنخواہ دار فوجیوں پر کیا لیکن ان کے ساتھ جاگیردارانہ امراء بھی اپنے اپنے فوجی دستوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے، انہوں نے فرانس کی سرزمین پر لوٹ مار کی اور زیادہ سے زیادہ خوشحال ہوتے گئے باوجود کئی فتوحات کے جیسے 1415ء میں آگین کورٹ کی لڑائی، انگریز فرانس سے نکل جانے پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد انگریز امراء کے مابین انگلستان کی سرزمین پر تصادم شروع ہو گئے، 15ویں صدی کے دوسرے نصف میں امراء خاندانوں پر مشتمل دو اتحاد وجود میں آئے ایک لینکسٹر اور یارک۔ لینکسٹر کا نشان سرخ اور یارک کا سفید گلاب تھا اور یہ دونوں گروہ اقتدار کے لیے باہمی طور پر متصادم تھے۔ اس جنگ کے دوران طاقتور بیرن کا طبقہ جنہوں نے سیاسی اتحاد اور سیاسی قوت کے لیے اہم کردار ادا کیا تھا انتشار کا شکار ہونے لگے، 15ویں صدی کے دوسرے نصف میں، دونوں خاندانوں یا اتحادوں کا زوال ہو گیا اور نیا شاہی خاندان ظہور پذیر ہوا یہ Tudor تھے۔ جب ہنری ٹوڈور (ہنری viii) تخت نشین ہوا۔ ملک میں ترقی پسند قوتیں، بشمول امرا کے طبقے، جو بھیڑوں کی افزائش کے کاروبار میں ملوث ہو چکے تھے اور بعد میں اسی طبقے نے بورژوازی کی بنیاد رکھی۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ مضبوط مرکزی حکومت اور شہنشاہیت کی ضرورت ہے غالب قوت بن گئے۔۔۔ 15ویں صدی کے آخر سے انگلستان ایک مضبوط مرکزی ریاست کے طور پر قائم ہو چکا تھا، جس کی خارجہ پالیسی بڑی موثر تھی جو کامیابی سے نشوونما حاصل کر رہی تھی اور یہ تاجر پیشہ افراد کے مفاد میں تھا۔ اول یہ کہ انگلستان کا کاروباری طبقہ یورپ کے دیگر ملکوں کی نسبت زیادہ منظم اور ترقی یافتہ تھا دوم یہ کہ اس وقت آزاد کسان، بطور سپاہی کے اس وقت لڑی گئی جنگوں میں شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے۔ سوم یہ کہ انگلستان کی زمیندار اشرافیہ کے تجارت میں وسعت سے مفادات تھے۔ کیونکہ یہ طبقہ بھی خود کو زیادہ منافع بخش کاروبار تجارت میں شریک کرنے

کے لیے پر تول رہا تھا۔۔۔زمیندار طبقے نے اپنی زمینوں پر چھوٹے پیانے پر اون حاصل کرنے کی صنعت قائم کی اور اس کاروبار میں انہوں نے اٹلی اور فلانڈرز کی مارکیٹ سے خاطر خواہ منافع حاصل کیا۔ انگلستان کے امرا نے جلد ہی وسیع طور پر منافع اور تجارت کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے فرانسیسی ہم پیشہ افراد کی نسبت بہتر طور پر حکمت عملیاں اختیار کیں۔ 13 ویں صدی سے وہ جانتے تھے کہ حکومت کی کامیاب پالیسیوں سے تجارت اور کاروبار کو کیا فائدہ ملتا ہے، اگرچہ کئی ایک پالیسیوں میں جنگ کے خطرات مضمر تھے لیکن اس کے لیے وہ ہر قسم کا سٹہ کھیلنے کے لیے تیار تھے۔ اندرون ملک اور بیرون ملک ایک منظم تجارتی طریقہ کار کی ضرورت تھی۔

فرانس:

فرانس کی ایکتا کا عمل زیادہ پیچیدہ تھا۔ ملک میں سیاسی حلقہ بندیوں یا ڈویژن کی مضبوط بنیاد تھی۔ ہر ایک (Seigneury) ایک آزاد اور خود مختار سیاسی اور معاشی اکائی تھی۔ کارولینگین بادشاہ روز بروز اپنی طاقت کھوتے گئے۔ 10 ویں صدی تک کہ نام کی حد تک اختیارات ان کے پاس تھے۔ نئے Capetin خاندان کا پہلا بادشاہ ہوکپٹ تھا کو صرف اس لئے بادشاہت کے لیے منتخب کر لیا گیا (937ء) کہ وہ کمزور تھا اور امراء کی مخالفت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس نے شاہی اختیارات کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیا۔ نئے خاندان نے فرانس کے وسط میں ایک چھوٹا راجواڑہ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ جہاں دریائے سینئی (جو پیرس سے گزرتا ہے) اور دریائے لوایئر (جو اورلین سے گزرتا ہے) کا سنگم ہے اور دو دریاؤں کا یہی سنگم جلد ہی ایک تجارتی اور معاشی مرکز بن گیا اور یہ وہی علاقہ تھا جہاں فرانس کے حقیقی باشندے آباد تھے۔ اس خاندان کے پہلے بادشاہ انتہائی کمزور تھے اور ان کی حیثیت مقیداروں سے زیادہ نہیں تھی۔ تمام امرا اور جاگیردار پتھروں کے بنے ہوئے بڑے بڑے محلات میں رہتے تھے۔ جن سے وہ اپنی جاگیروں کو کنٹرول کرتے اور مزارعوں اور کسانوں کا استحصال کر کے اور باہمی طور پر جنگوں میں مصروف رہتے اور ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرتے رہتے۔ کسان زمینوں کا کرایہ اور پیداوار سے حصہ ادا کرنے کے پابند تھے، دیہاتوں سے شہروں کی طرف جاتے ہوئے کسان سڑکوں، پلوں اور منڈیوں میں ٹیکس ادا کرتے۔ چھوٹی موٹی بغاوتوں کو عام طور پر امراء سختی سے کچل دیا کرتے تھے۔ 12 ویں صدی کے بعد فرانس کے بادشاہوں نے اپنی قوت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ کیپٹن خاندان (987ء۔1328ء) نے بتدریج اختیارات حاصل کر لئے۔ Valois والویس خاندان (1328ء-1589ء) نے فرانس کو متحد اور منظم کرنے اور شاہی اختیارات کے حصول کے عمل کو مکمل کیا۔ ان دونوں خاندانوں کی فرانس کو منظم اور مضبوط کرنے کے عمل کے پس پردہ محرکات کا تعلق معاشی ترقی اور فرانسیسی معاشرے میں تبدیلی کی

ضرورت کے رجحان سے تھا۔۔۔قصبوں اور قصبوں کے لوگوں نے بادشاہ کے اختیارات میں اضافے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ دستکاروں اور تاجروں کا مفاد اس میں تھا کہ ریاستی قوت میں استحکام رہے اور تجارتی راستے لوٹ مار سے محفوظ رہیں اس کے لیے ایک مرکزی حکومت جو مضبوط ہو اس کی ضرورت تھی جو قانون کی بالادستی تسلیم کروائے اور انہوں نے امراء کے مقابلے میں بادشاہ کی حمایت کی۔ اس کے عوض بادشاہ بھی قصبوں کے مقامی باشندوں کی امراء کے مقابلے میں حمایت کرتا تھا اور تجارت کی حوصلہ افزائی کرتا۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک ایسا کردار ادا کیا جس کا مقصد قومی وحدت قائم کرنا تھا اور انتشار اور افراتفری کے رجحان کو ختم کرنا تھا، ترقی پسند عناصر کی حمایت بادشاہ کے لیے تھی چنانچہ بادشاہوں نے شہری لوگوں کی حمایت سے امراء کو ناکام بنا کر شاہی اقتدار کو مضبوط اور مستحکم کیا اور ریاست کی وحدت قائم کی۔

جون آف آرک اور سو سالہ جنگ:

فرانس کے بادشاہوں کو جس مشکل صورتحال سے دوچار ہونا پڑا وہ ان کی مجبوری تھی کہ ایک طرف تو وہ علاقائی جاگیرداروں، منصب داروں سے برسرپیکار تھے اور دوسری طرف برطانیہ نے (1453ء-1337ء) سے فرانس کے خلاف سو سالہ جنگ جاری رکھی اور اسے لوٹتے رہے، اس دوران برطانیہ اور فرانس میں کسانوں نے بھی بغاوتیں کر رکھی تھیں، جنہیں بے دردی سے کچلا جاتا رہا۔ برطانیہ کی سو سالہ جنگ مکمل طور پر فرانس کی سرزمین پر لڑی گئی پہلے پہل فرانسیسیوں کو یکے بعد دیگرے کئی ایک ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا، دو جگہوں پر تو فرانسیسی امراء منہ کے بل گرے (1346ء) میں کریلیں اور 1356ء میں پویٹرز، اس لڑائی میں تو گھوڑ سوار فرانسیسی دستے کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا اور انگریزوں نے بادشاہ جان کو قیدی بنالیا۔ دونوں اطراف کی فوج نے ملک کی لوٹ مار کی حکومت جس کا سربراہ چارلس تھا، نے لوگوں پر بھاری ٹیکس عائد کر کے رقم کا مطالبہ کیا تاکہ بادشاہ کو رہا کروانے کے لیے تاوان ادا کیا جا سکے۔ اس کی وجہ سے عوام میں اور زیادہ بے چینی پھیل گئی، شمالی علاقے جن کی قیادت پیرس کے پاس تھی، انہوں نے مطالبہ کیا کہ حکومت کی باگ دوڑ ریاستی (State general) کے حوالے کی جائے (جنرل ایک ایسا ادارہ تھا جو 1302ء میں وجود میں آیا) جب چارلس نے اس ادارے کو ختم کر دیا، پیرس میں بھی بغاوت ہوگئی اس کی قیادت پیرس کے میئر ای ٹاینے مارسل کر رہے تھے۔ جو کہ ایک امیر کپڑے کا تاجر تھا۔ شمالی قصبوں کی بغاوت کے بعد کسانوں نے بھی بغاوت کر دی (1358ء) اس بغاوت کو جیکوائر بغاوت کہتے ہیں۔ یہ بغاوت اگرچہ دو ہفتے جاری رہی لیکن ملک کے کئی حصوں میں پھیل گئی یہ دراصل نفرت کا مجموعی اظہار تھا جو بھاری ٹیکسوں اور ریاستی مظالم کے خلاف تھی۔ باغیوں نے امراء کے محلات اور جائیدادیں جلا کر راکھ کر دیں لیکن اُمراء نے جلد ہی بغاوت پر قابو پالیا۔ تاہم اس بغاوت کے کئی حوصلہ افزا نتائج بھی

برآمد ہوئے، 15 ویں صدی کے آخر تک زرعی غلام داری کا نظام ختم ہو چکا تھا۔ فرانسیسی عوام جنہیں دونوں افواج نے بری طرح لوٹا تھا انگریز حملہ آوروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ ایک کسان لڑکی جون آف آرک نے کہا کہ خدا نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ملک کو غیر ملکی تسلط سے آزاد کروائے اور بادشاہ کو دشمن سے چھڑائے، اس نے فرانسیسی فوجوں کی قیادت کرتے ہوئے اورلین کے محاصرہ کو توڑنے کے لیے پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے انگریز افواج کو کئی جگہوں پر شکست دی۔ اب وہ پورے ملک کو انگریز فوج سے آزاد کروانے کے لیے تیار تھی لیکن جنگ کے دوران اسے برگنڈین نے قیدی بنالیا۔ جو کہ انگریزوں کے اتحادی تھے اور جین آف آرک کو حملہ آوروں کے حوالے کر دیا۔ انگریزوں نے جون آف آرک کو سزائے موت کا حکم سنایا اور الزام لگایا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کر رہی ہے۔ 1431ء میں اسے جلا کر موت کی نیند سلا دیا گیا۔ 1453ء فرانسیسی اپنے ملک کو مکمل طور پر آزاد کروانے میں کامیاب ہوئے اور لوئیس (1461ء-1483ء) کے عہد میں ملک میں سیاسی وحدت قائم ہوئی۔

دیگر یورپی ریاستوں کی تشکیل:

15 ویں صدی میں کئی یورپی ریاستیں متحد ہوئیں اور ان میں اقتصادی استحکام آیا۔ مغربی یورپ میں ایک مضبوط سلطنت سپین وجود میں آئی۔ شمال میں تین سکینڈے نیوین ملک، ڈنمارک، ناروے اور سویڈن اور مشرق میں کئی ایک سلاوونک ریاستیں، پولینڈ، بوہمیا اور ایک اور سلطنت مسکوئے وجود میں آئی۔ جنوبی سلاو ملک جنہوں نے 13 ویں اور 14 ویں صدی میں واضح شکل اختیار کی (سربیا اور بلغاریہ) ترکی کے زیر تسلط تھیں۔

ترکی:

16 ویں سے 18 ویں تک ترکی یورپ کی طاقتور ترین ریاستوں میں شمار ہوتی تھی اور اس نے اپنے ہمسایہ ملکوں پر دہشت طاری کر رکھی تھی 14 ویں صدی میں ترکی نے جزیرہ نما بلقان فتح کر لیا اور 1453ء میں ترکوں نے Constantinpul پر قبضہ کر لیا اور بائزنٹیم کی تمام زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے اپنے زیر تسلط لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ ٹیکس ادا کریں انہوں نے لوگوں کو غلام بنالیا اور فروخت کر دیا ترکوں نے اپنے محکوم لوگوں کو غربت میں مبتلا کر دیا اور قدرتی معیشت کو بری طرح متاثر کیا۔

اطالوی سیاسی عدم اتحاد:

یورپ میں دو اقوام جو 15 ویں صدی تک سیاسی استحکام حاصل نہیں کر سکیں بلکہ کئی سو سالوں

تک سیاسی اتحاد اور یکجہتی سے محروم رہیں۔ وہ ہیں جرمن اور اطالوی۔۔۔10 ویں صدی میں اطالویوں نے مشرق کے ساتھ تجارتی رابطوں کو بحال کیا اور پھر وہ مشرقی مال کی کھپت کے لیے اسے یورپ میں فروخت کرتے۔ خوشبو، ہاتھی دانت، سونا، ریشمی کپڑا یورپ کے اُمرا مہنگے داموں خریدتے۔ اس کے نتیجے میں ترکی میں بڑے تجارتی مرکز وجود میں آ گئے صرف مشرقی تجارت ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اٹلی کے مال کی درآمد اور برآمد نے اسے اپنے تجارتی شہروں کی ترقی کے موقع دیئے۔ میلان، فلورنس، وینس یہاں کے تاجروں نے مقامی صنعت کاری شروع کر دی۔ 14 ویں صدی میں ترکی میں بڑے تاجر اور صنعتکار نظر آنے لگے۔ برطانیہ اور فرانس میں قصبوں کے لوگ قومی معیشت کے فروغ کے لیے کوشاں تھے جن کی مدد سے بادشاہ ایک مرکزی قوت کے طور پر برسرِ اقتدار تھے اٹلی میں تجارت میں ترقی کی وجہ سے کئی تجارتی قصبے وجود میں آ گئے اور ان کی درحقیقت وجہ مشرقی مال کی فروخت تھی اور حاصل شدہ منافع، لیکن اٹلی کی غریب آبادی یہ مہنگا سودا خریدنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ کئی عناصر اٹلی میں ایسے بھی تھے جو چاہتے تھے کہ ملک کو سیاسی استحکام حاصل ہو روم جو سیاسی طور پر خصوصی اہمیت رکھتا تھا یہاں پاپائے روم تھا جو ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ وہاں اُمرا کی حکومت قائم ہو جائے جو اس پر حکم چلاتے پھریں۔ چنانچہ اٹلی کی سیاسی یکجہتی میں پوپ سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ 19 ویں صدی تک اٹلی اتحاد حاصل نہیں کر سکا کئی ایک اطالوی شہر آزاد جمہوریتیں تھیں جن کے اُمرا طفیلی حکمران تھے اور وہاں کے شہری اٹلی کی یکجہتی میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لیتے تھے یہی وجہ تھی کہ اٹلی اپنے ہمسایہ ملکوں کی توسیع پسندی کا شکار ہو جایا کرتا تھا۔ 10 ویں صدی کے بعد جرمن امراء نے اٹلی پر مسلسل حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ 13 ویں صدی کے بعد یہی کام فرانسیسیوں نے شروع کر دیا۔ 16 ویں صدی میں اٹلی سپین والوں کے ہاتھ لگ گیا اور پھر 17 ویں صدی سے 19 ویں صدی کے وسط تک آسٹرین قبضہ میں رہا۔

جرمنوں کے سماجی اور اقتصادی ارتقا کے خصوصی خدوخال (12 تا 15 صدی)

جرمنی میں ابھی تک کوئی بھی سیاسی مرکز قائم نہیں ہوا تھا بلاشبہ ابھی تک اس قسم کے حالات بھی پیدا نہیں ہوئے تھے، اگرچہ اس پسماندہ علاقے کی معیشت سیاسی مرکزیت کا تقاضا کر رہی تھی بادشاہت کے تحت قائم ہونے والے ڈھانچے نے اس وحدت کو ناممکن بنا دیا تھا، آبادی نسلی طور پر مخلوط تھی۔ وسط میں جرمن، مغرب میں فرانسیسی، جنوب میں اطالوی کئی ایک سلوانک لوگ جو جنوب مشرق میں رہتے، لیتھوانیئن، فنس اور سلاو شمال مشرق میں رہتے تھے، بذاتِ خود جرمن بھی علاقائی سلطنتوں میں تقسیم تھے جن پر حکمرانی مذہبی اور جاگیردار امراء کرتے تھے یہ کسی مشترکہ مفاد کے تحت اکٹھے نہیں تھے بلکہ ان کے مقاصد

ایک تھے وہ یہ کہ کسی بھی مرکزی حکومت کے قیام میں رکاوٹ کھڑی کی جائے اگرچہ بادشاہ یا قیصر شہنشاہ کہلواتا تھا لیکن وہ منصب داروں اور امراء کے سامنے انتہائی کمزور تھا۔۔۔ جرمن قصبے جو یورپی قصبوں کے برعکس ست روی سے ترقی کرتے رہے وہ ابھی تک کمزور تھے اور فرانسیسی اور انگریزی قصبوں کی طرح کردار ادا کرنے سے قاصر تھے، جرمن شہر خاص طور پر شمال اور جنوب مغرب میں تجارتی مراکز، اٹلی کے شہروں کی طرح تھے اور وہ بین الاقوامی تجارتی گزرگاہوں کے لیے بڑے مددگار تھے۔

ہان سیٹک لیگ:

جرمن قصبے جو بالٹک کے کناروں کے ساتھ ساتھ واقع تھے اور وہ دریا جو اس طرف بہتے مغربی اور مشرقی یورپ کے لیے تجارت میں دلکشی کا باعث تھے ان قصبوں نے متحد ہو کر ہان سیٹک لیگ بنائی۔ ان کے جہاز مشرق سے مغرب کی طرف قیمتی اشیاء لاتے اور مغرب سے وہ اون اور ٹیکسٹائل لے جاتے۔ ان قصبوں نے باقی ملک سے واجبی سا تعلق رکھا ان کو صرف ایک ہی خوف تھا کہ جرمن جاگیردار انہیں لوٹ نہ لیں، اسی خوف نے انہیں اپنی افواج اور بحری بیڑہ بنانے کی ترغیب دی۔ ہان سیٹک لیگ کا مرکز لیوبک تھا۔ اس لیگ کا ہر ایک ملک سے اس طرح تعلق تھا کہ انہوں نے وہاں اپنے تجارتی مراکز قائم کر رکھے تھے۔ لندن سے نوگورڈ تک جب لیگ کی طاقت اپنے عروج پر تھی (13 ویں اور 14 ویں صدی میں) لیگ ڈنمارک کے ساتھ تصادم کے لیے تیار تھی۔ کیونکہ لیگ کی فتح ایک قدرتی امر تھا چنانچہ ڈنمارک کا بادشاہ لیگ کی منظوری سے منتخب ہو سکا۔ جنوب مغربی جرمنی کے بڑے شہر شمال کی طرح مشرق و مغرب کے درمیان تجارتی رابطوں کی وجہ سے پروان چڑھے۔ 14 ویں صدی میں انہوں نے مقامی طور پر تیارہ شدہ مال کی تجارت شروع کر دی۔ شمالی قصبوں کی طرح یہ باقی ملک کے ساتھ قریبی طور پر تعلقات نہیں رکھتے تھے اور انہوں نے مقامی طور پر اپنی آزادی اور خود مختاری کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ مقامی امراء کے خلاف انہوں نے جدوجہد کی۔ لیکن بعد میں یہ سب لیگ میں شامل ہو گئے اور وہ مرکزی حکومت اور شاہی قوت کی مدد سے بے نیاز ہو گئے۔ کسی بھی ملک میں اُمراء کو اتنی آزادی اور خود مختاری حاصل نہیں تھی جتنی 11 تا 14 صدی تک جرمنی میں اس طبقے کو حاصل رہی ہے۔ مرکزی حکومت کی مسلسل کمزوری حکومت کو ان ''اُمرا'' کو ڈاکوں کے بارے میں پالیسیاں بنانے پر مجبور کر رہی تھی اور انہوں نے کئی دوسرے ملکوں پر جارحانہ اقدامات کرنے کے لیے مہمات منظم کیں تاکہ اپنی بھوک مٹا سکیں۔

اطالوی جنگیں:

10 ویں صدی سے بعد جرمن کے بادشاہ نے اٹلی پر مسلسل حملے کیئے۔ اٹلی اس کی اپنی سرزمین

سے زیادہ امیر تھا۔ اٹلی کی لوٹ مار نے جرمنی اُمراء امیر کر دیا اور یہی شاہی قوت کے زبردست مخالف کے طور پر ابھرنے لگے جب بارہویں صدی کے بعد شمالی اٹلی کے شہر اور زیادہ مضبوط ہونے لگے اور اس قابل ہوئے کہ موثر مزاحمت کرسکیں تو جرمن اُمراء اپنی توجہ مشرق کی طرف کرلی۔۔۔ جرمن قبائل اور اُمراء نے مذہب کا لبادہ پہن کر مشرقی یورپ اور روس میں اندر تک اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کی، حیران کن بات یہ ہے کہ انہوں نے مذہب کے نام پر لوگوں کو قتل کیا قیدی بنایا اور لوٹ مار کی اور تشدد کرنے والے عیسائیت کے نام پر عیسائیوں پر ہی تشدد کر رہے تھے۔ انہوں نے روس پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی، جھیل پیلپس کے قریب الیگنڈر نوسکی نے انہیں شکست دی۔ (اپریل 1247ء) تاہم پر حملے جرمنوں کے حق میں اچھے نہ نکلے اور باہمی منافرت اور انتشار کا عمل جاری رہا۔

بوہمیا:۔ (11ویں صدی تا 15ویں صدی تک)

ہوسیٹ جنگیں:

مقدس رومن سلطنت میں کئی ایک جرمن ریاستیں شامل تھیں اور بوہیمیا کی ریاست بھی، 11ویں صدی سے پہلے جرمن بادشاہ نے بوہیمیا کے حکمران کو شاہی خطاب دیا اور وہ ایک خودمختار ملک بن گیا یہ ایک امیر ترین علاقہ تھا جہاں صنعت اور تجارت نے تیزی سے ترقی کی، کئی ایک قیمتی دھاتیں دریافت ہوئیں اور قصبوں کو نشو و نما حاصل ہوئی تاہم قصبے ابھی تک کوئی اہم سیاسی کردار ادا نہیں کر رہے تھے جرمنوں کو ملک پر کنٹرول حاصل تھا، بوہمیا کسی حد تک جرمنوں کی نو آبادی تھی۔ جرمن یہاں عیسائیت لائے تھے اسے اپنانے کے بعد بوہمیا میں مذہبی مبلغوں اور پادریوں نے جال پھیلا دیا، جرمن امیر مالکان زمین، کلیسا کے اراکین، کانوں کے مالک قصبوں کے پنچائتی زیادہ تر حکمران طبقے کے آدمی تھے۔ بوہمیا کی سیاسی حیثیت کا عروج چارلس چہارم کے عہد میں ہوا جس نے اسے اپنا دارالحکومت بنالیا۔ 14ویں صدی کے خاتمے پر بوہمیا میں مفاداتی تضادات اس نکتہ پر پہنچ چکے تھے جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ چیک بدیسیوں، منصب داروں اور چھوٹے امراء نے جرمن غلبے کے خلاف مذہبی عالموں اور مالکان اراضی کی مزاحمت کی، انقلابی مزاحمت کا سب سے بڑا گروہ چیک کسان تھے۔ جو کہ خود کو جاگیردارانہ استحصال سے آزاد کروانا چاہتے تھے اور کیتھولک چرچ کا جوا بھی اتار پھینکنا چاہتے تھے چنانچہ فوجی اور سماجی مسائل اور موضوعات آپس میں گھلے ملے ہوئے تھے اور جلد ہی تحریک مذہبی رنگ اختیار کر گئی۔ پندرھویں صدی میں بوہمیا میں وسیع پیمانے پر انقلابی تحریک نے تاریخ میں ہوسیٹ جنگوں کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے یہ نام پراگ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جین ہس کے نام پر دیا گیا (1415ء-1371ء) اس نے پاپا لیگ کو بے نقاب

اور چرچ کی اصلاحات کا مطالبہ کیا اور کیتھولک راہبوں اور پادریوں میں بدعنوانیوں کو بے نقاب کیا۔1415ء میں اسے چرچ کونسل نے طلب کیا اور سزا کے طور پر زندہ جلا دیا گیا۔اس کے ساتھ ہی بوہمیا میں بغاوت پھوٹ پڑی اور ملک کے جنوب میں عوامی سطح پر زبردست لڑائیاں ہوئیں۔ ہوسٹ کے انقلاب بازوں کا مرکز تابور تھا1419ء تا1417ء تک انقلابی فوجوں نے شاہی فوجوں سے زبردست محاذ آرائی کی۔ تاہم ہوسٹ میں اختلاف پڑ گیا جو آخر کار ان کی شکست کا باعث بنا۔ تاہم چیک لوگوں کی تاریخ میں ہوسٹ جنگوں کو اہم مقام حاصل ہے، انہوں نے کیتھولک چرچ اور پاپا۔۔۔ کے خلاف زبردست مزاحمت کی بعد میں اس کے نتیجے میں اصلاحات ہوئیں۔ان جنگوں کے نتیجے میں چیک شعور کا آغاز ہوا اور چیک ثقافت کو ارتقاء حاصل ہوا۔

o

باب:12

کاکیشیا

مشرقی اور وسطی یورپی، لوگوں ، چین، وسطی ایشیاء، کاکیشیا کی غیر ملکی حملوں کے خلاف جدوجہد (13 صدی) منگول سوسائٹی اور منگول ریاست کا قیام:۔ 13 ویں صدی کے شروع میں ایک طاقتور منگول ریاست نمودار ہوئی یہ افراتفری کا زمانہ تھا جب منگولوں نے جنگی مہمات کیں۔ یہ جہاں بھی گئے انہوں نے قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا منگول چین کے شمالی علاقوں کے لق ودق صحراؤں میں سے آئے تھے۔ ان کی اکثریت خانہ بدوش چرواہوں کی تھی ابتدائی طور پر خانوادہ معاشرہ میں رہتے تھے۔ لیکن بارھویں صدی میں یہ معاشرہ کمزور ہوگیا۔ سرداروں اور قانون نے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر دولت اپنے قبضے میں لے لی۔ یہ خان چھوٹے اُمراء اور غریب کسانوں پر انحصار کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے سرداروں کو بہترین مویشی فراہم کرتے۔ یہ غریب لوگ اپنے آقاؤں کے لیے فوجی خدمات بھی انجام دیئے۔ 13 ویں صدی میں ایک منگول ریاست جو جاگیردارنہ طرز پر تھی ایک واضح شکل اختیار کرنے لگی۔ اسی نئی ریاست میں ایک اہم کردار Nukut نے ادا کیا جو خان کے فوجی افسران تھے جو بعد میں خواتین کے تابع رہے۔ اُمرا نے نوکٹ کی امداد سے اپنی پوزیشن مضبوط کی۔ 13 ویں صدی کے شروع میں تمام خواتین نے (1155-1227ء) تموجن کی مدد کی جولق ودوق صحراؤں کے قانون کا نمائندہ تھا۔ جب یہ منتخب ہوا تو پھر اسے خان اعظم کہا گیا اور اس نے چنگیز خان کا لقب اختیار کیا۔ چنگیز خان نے تمام منگولوں کو اپنے اقتدار کے تحت منظم کیا اور ایک زبردست فوج تشکیل دی، ہر ایک منگول ایک فوجی بھی بن گیا۔ ایک مختصر مدت میں ایک زبردست گھوڑ سوار منگول فوج تیار ہوگئی۔ یہ فوج دس ہزار افراد پر مشتمل تھی اور یہ ایک ایک ہزار کے ٹولے میں منظم تھی منگول فوجی اپنے دشمنوں کے سامنے نا قابل تسخیر تھے یہ لوگ زرد بکتر اور ہیلمٹ پہنتے، تیر کمان نیزے اور ان کے پاس زبردست گھوڑے تھے ان کی جنگی حکمت عملی

نہایت اعلیٰ تھی شمال چین کو فتح کرنے کے بعد چنگیز خان نے اپنی قلمرو کو ٹھوس طریقے سے منظم کیا۔ چین کے انجینئروں نے منگول فوج کو منظم کیا اور چینیوں نے منگولوں کو ریاستی افسر شاہی کا نظام دیا بعد میں منگولوں نے جنوبی چین کو فتح کر لیا۔ اس لڑائی میں بھاری پتھر پھینکنے کے لیے توپ نما ہتھیار استعمال کئے اور شہروں کی دیواریں جلانے کے لیے جلتے ہوئے تیل کے پیالے پھینکے گئے، منگول فوج باقی دنیا کے لیے خطرہ بن گئے فوج انتہائی متحرک، منظم اور ایک فرد واحد کی زیر قیادت تھی چنگیز خان نے جلد ہی سائبریا کے عوام کو فتح کر لیا۔ جھیل بیکال کے کناروں پر رہنے والے قبائل چنگیز خان کے ہاتھوں فتح ہوئے ان فتوحات کے بعد چنگیز خان کی فوج وسط ایشیاء کی طرف پیش قدمی کر گئی۔ تاکہ وسط ایشیا اور دریائے کا کسس کے علاقے کو فتح کیا جاسکے۔

وسط ایشیا اور کاکیشیا کے علاقوں میں چنگیز خان کی فتوحات:۔

وسط ایشیا کی تہذیب بڑی قدیم اور وہاں کے شہر بڑے امیر تھے یہاں لوگ قبل از تاریخ سے آباد ہیں یہاں کی مقامی آبادی زرخیز وادیوں میں رہتی ہے اور ان کا بڑا پیشہ زراعت تھا اس کے علاوہ یہ لوگ مویشی پالتے، سبزیاں اور پھل اگاتے، یہ لوگ زمانہ قدیم سے ہی فن زراعت کے ماہر تھے اس کے ذریعے انہوں نے زمینوں کو زرخیز اور قابل کاشت بنایا۔ ان لوگوں نے بڑے شہر تعمیر کئے۔ ان خوشحال شہروں میں فنن اور دستکاری اور یہاں کے کاریگر پوری دنیا میں مشہور تھے۔ جب وسط ایشیاء نے خود کو منگولوں تاتاریوں کی زد میں پایا اس وقت یہ لوگ ایک جاگیردارانہ معاشرہ میں رہتے تھے اور کوئی مضبوط مرکزی حکومت نہیں تھی اس لئے چنگیز خان کو یہ علاقہ فتح کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔۔۔ چنگیز خان خوارزم میں شہروں اور دیہاتوں کو تباہ و برباد اور لوٹ مار کرتا ہوا داخل ہوا اور لوگوں کو قیدی بنالیا۔ وسط ایشیاء کے لوگوں نے بڑی جرأت مندانہ مزاحمت کی۔ ان کے پاس ہر ایک قصبے میں مضبوط فوجی چھاؤنیاں تھیں سمرقند میں 20 جنگی ہاتھی بھی تھے لیکن اس شہر کے دروازے چنگیز خان کے لیے دیگر شہروں کی طرح کھلے تھے اس میں شہر کے غدار برابر شریک تھے صرف سمرقند میں ہی چنگیز خان نے تیس ہزار دستکاروں کو غلام بنالیا اور انہیں اپنے مقیداروں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح کے حربے اس نے دوسرے شہروں میں بھی استعمال کئے مقامی سرداروں میں اتحاد کا فقدان، چنگیز خان کے خلاف کمزور مزاحمت کا باعث بنا۔۔۔

وسط ایشیاء پر قبضہ کرنے کے بعد 13 ویں صدی کے شروع میں چنگیز خان نے جارجیا کی طرف پیش قدمی کی کاکس کے لوگوں نے اپنی آزادی کی برقراری کے لیے طویل جدوجہد کی۔ لیکن آخر کار ان کی مزاحمت کمزور پڑ گئی منگولوں نے جارجیا اور آرمینیا کے دستکاروں کو غلام بنالیا علماء اور فنکار بھی غلام بنالیے گئے،

مقامی آبادی کو مجبور کیا گیا کہ وہ نئے آقاؤں کو نذرانے ادا کریں منگولوں نے ہر ایک سے 1/10 حصہ جائیداد کا مطالبہ کیا۔ علاوہ اس ٹیکس کے جو انہوں نے وصول کئے۔ ہر ایک سے ضروریات زندگی کی اشیاء بھی وصول کی جاتیں۔ جو ایسا نہ کر سکتے انہیں غلام بنالیا جاتا۔ ایک دفعہ تو انہوں نے کاکسس کے علاقے میں خود کو مضبوط کر لیا۔ منگول سرداروں نے مقامی سرداروں اور حکمرانوں کو ٹیکس وصول کرنے کی ذمہ داری دی۔ اس علاقے پر منگولوں کا اقتدار کوئی دو سو سال تک برقرار رہا۔ یعنی 14 ویں صدی کے خاتمے تک۔

منگولوں کے روسی علاقوں پر حملے:

وسط ایشیاء جارجیا اور آرمینیا کے فاتحین منگول اس کے دروازے تک آ پہنچے، چنگیز خان کی فوج نے کاکسس کے پہاڑوں کو عبور کیا اور جنوبی روس کے میدانی علاقے میں داخل ہو گئے یہاں ان کی مزاحمت پولوٹسلی خانہ بدوشوں نے کی اور وہ روسی حکمرانوں کے پاس مدد کے لیے پہنچے، "آج وہ ہمارا قتل عام کریں گے اور کل آپ کی باری ہوگی اگر آپ ہماری مدد کیلئے نہ آئے۔" یہ الفاظ ان کے سفیر کے تھے۔ روسی حکمرانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ چنگیز خان کا مقابلہ کریں گے اور وہ پولوٹسلی علاقے میں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پہنچے۔ مئی 1223ء میں دریائے کاتھا کے کنارے پر جنگ ہوئی یہ ایک چھوٹا سا دریا ہے جو آزو سمندر میں گرتا ہے اور دریائے ڈان کے دھانے سے زیادہ دور نہیں ہے۔ روسی فوجیں تباہ کر دی گئیں۔ منگول خانوں نے زخمی اور قیدی افراد کے جسموں کو لکڑی کے تختے سے ڈھانک دیا اور اس پر بیٹھ کر دعوت اڑائی اور فتح کا جشن منایا۔ روس میں منگولوں کا یہ پہلا تعارف تھا اور روسی انہیں تاتار بھی کہتے ہیں اس مرتبہ انہوں نے اپنی فتح کو مستحکم نہیں کیا بلکہ ایشیا کی طرف مراجعت کر گئے اور 12 سال تک ان کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا۔ جب چنگیز خان مرا تو اس کا بیٹا اور گڈائی اس کا جانشین بنا جس نے اپنے بھتیجے خان باٹو (1255ء) کو یورپ فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ یورپ پر اس وقت منگولوں کے قتل عام اور مظالم کی دہشت طاری تھی۔۔۔ اس وقت روس میں کوئی متحدہ ریاست نہیں تھی، کئی ایک روسی سلطنتیں چھوٹی چھوٹی اور کمزور تھیں لیکن نووگوروڈ یا ولادی میر کی صورت حال مختلف تھی۔ اس میں جاگیرداروں نظام کی توڑ پھوڑ نے اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لیے مزاحمت کرنا مشکل تھا۔ اس کی حکومت جلد ہی دشمن کے نرغے میں آ گئی۔ 1236ء میں باٹو نے کیسپئین کے ساحلی علاقوں کو فتح کر لیا اور سلطنت وولگا بلگار پہ حملہ کر کے اس کے دارالحکومت پہ قبضہ کر لیا۔ یہاں سے اس نے روس پر حملہ کیا۔ 1237ء کے خزاں میں باٹو نے وولگا کو اپنی زبردست فوج کے ذریعے عبور کیا اور سلطنت رائیزان کی طرف پیش قدمی کی۔ زبردست جنگ کے بعد رائیزان نے ہتھیار ڈال دیئے اور یہ شہر جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ دوسری سلطنتوں کے

ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا انہوں نے ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی پر عمل کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ مشترکہ دشمن کا متحد ہو کر مقابلہ کرتے چنانچہ ولادی میر اور سُوزڈان کے دوسرے قصبے دشمن کے قبضے میں چلے گئے............ ماسکو کو بھی منگول افواج نے جلا کر راکھ کر دیا۔ بادشاہ ولیسولُوڈوچ اپنی عام افواج کے ساتھ مقابلے کے لیے شہر سے باہر آ گیا۔ کسانوں کے گروہوں نے دریا کے کناروں پر اجتماع کر لیا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ روسی جنگ میں ہار گئے اور ان کا بادشاہ میدانِ جنگ میں ہلاک کر دیا گیا...... باٹو بتدریج ڈنیپر وادی کا مالک بن گیا۔ 1240ء میں اس کی افواج نے کیو پر حملہ کیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ باٹو شہر کے حُسن سے بہت متاثر ہوا، شہر کی خوبصورت عمارتوں کے نقشے، چرچوں کے دھوپ میں چمکتے ہوئے سونے کے گنبد دیکھے، چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ شہر کو تباہ کیے بغیر اس پر قبضہ کیا جائے۔ انہوں نے کیو شہر کے باشندوں کو تجویز پیش کی کہ لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیں۔ انہوں نے انکار کر دیا اور لڑتے ہوئے موت کو ترجیح دی۔ محاصرہ کے دوران تمام شہر کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔

روسیوں اور بالٹک عوام کی جرمن اور سویڈش حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد

ایک تباہی کے بعد دوسری تباہی آتی رہی، اس دوران باٹو انتشار شدہ روسی سلطنتوں پر حملے کرتا رہا اور ادھر شمال مغرب کی طرف سے ایک اور بڑا دشمن نمودار ہوا، جرمن نائٹس نے نوگوورڈ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اس خواہش کے ساتھ کہ وہ یہاں کے کسانوں اور زمینوں پر قبضہ کر کے روس کے زیادہ سے زیادہ علاقے پر قبضہ کرنا چاہتے تھے انہوں نے بالٹک کے لوگوں کو غلام بنا لیا اور ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا، دریائے ڈیوینا کے دہانے پر لیوونیا میں انہوں نے ریگا کا قلعہ تعمیر کیا جو کہ بعد میں ظلم اور استحصال کا گڑھ بن گیا...... ایک اور نائٹس کا اتحاد جو مغرب سے لیتھوانیا کو زیرِ عتاب لے آئے، جلد ہی یہ دونوں اتحاد پکوف اور نوگوورڈ کی طرف متوجہ ہوئے، اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے سویڈن کے جارحیت پسند امراء اور زمیندار بھی ایسا ہی کرنے کیلئے پر تول رہے تھے، وہ منگولوں کے حملے کے تعلق سُن کر بہت خوش تھے کہ روس اب مشرق کی طرف سے تاتاریوں کے غلبے میں رہے گا اور یہ شمال سے پیش قدمی کریں گے اور اس ملک کی زرخیز اور خوشحال زمین کو اپنے لیے استعمال کریں گے، 1240ء میں سویڈن کا حکمران جارل برگیر اپنی افواج کے ساتھ نیوا کے کناروں پر اُترا، روسی افواج نے سینٹ صوفیہ سکوائر، نوگوورڈ میں اجتماع کیا، شہر کے محافظ بھی فوج میں شامل ہو گئے۔ الیگزنڈ زیور سلاوچ (1220ء تا1263ء) نے نوگوورڈ کی فوج کی قیادت کی اور برگیر کی فوج کا مقابلہ کرنے کیلئے سامنے آ گیا۔ نیوا کے مقام پر دونوں افواج کا آمنا سامنا ہوا، روسیوں نے سویڈن والوں کو اچانک جا لیا اور قتل عام شروع ہو گیا، جنگ

کے دوران بادشاہ الیگزینڈر کا بریگر سے آمنا سامنا ہو گیا اس نے اس کے چہرے پر نیزے سے زخم لگا دیئے نوجوان جنگجو ساوا، بریگر کے سونے کے خیمے تک جا پہنچا اور اس کی طنابیں کاٹ دیں خیمہ گر گیا اور روسی خوش ہوئے، نیوا کے کنارے پر زبردست جنگ روسیوں کی فتح پر ختم ہوئی اس طرح الیگزینڈر کو خوشی سے الیگزینڈر نیوو سکی کہا جانے جانے لگا، اس دوران جرمن نائٹس بے ضرر نہیں بیٹھے تھے وہ ایک بڑی فوج لیکر اس کی طرف مارچ کرنے لگے۔ اپریل 1242ء میں جھیل پیپس کی برف پر مشہور جنگ لڑی گئی تاریخ میں اسے "برف پر قتل عام" کہا جاتا ہے جرمنوں نے ایک تنگ راستے پر اپنی افواج رکھ کر ایک حملے میں روسی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جرمن فوج کی فرنٹ لائن زرہ بکتر پہنے ہوئے گھوڑ سوار دستوں پر مشتمل تھی ان کے پیچھے تلواروں اور نیزوں سے مسلح دستے تھے، الیگزینڈر نیوو سکی نے دشمن کا منصوبہ سمجھ لیا وہ اپنی افواج کو مرکز میں جمع کرنے کی بجائے اطراف کی طرف لے گیا اور وہاں سے جرمن افواج پر حملہ کر دیا اور چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا، ایک قتلِ عام شروع ہوا خون سے برف سرخ ہو گئی جرمن نائٹس بُری طرح تباہ ہو گئے اور چند ایک قیدی بنا لیے گئے۔ الیگزینڈر نیوو سکی کی فتوحات اہم نوعیت کی حامل ہیں اس نے شمال مغربی روس کو مربوط رکھا اور اسے جرمنوں اور سویڈن کا غلام بننے سے بچا لیا۔

روس تا تاروں کے غلبے میں:

جب روس والوں نے شمال مغربی دشمنوں کو مار بھگانے میں کامیابی حاصل کر لی تو منگول حملوں کے سامنے ان کی قسمت نے ساتھ نہ دیا، وہ حملے جو باٹو نے کیے ملک کا زیادہ تر حصہ تا تاریوں کی طرف سے کی گئی تباہی کا شکار ہو گیا، یہاں تک کہ نوگورڈ بھی نہ بچا، اگرچہ تا تاریوں نے اس طرف پیشقدمی نہ کی لیکن وہ نذرانہ ادا کرتے تھے، .... روس اب منگول خانوں کے شکنجے میں تھا۔ اور یہ 200 سال تک ان کے زیر تسلط رہا۔ 13 ویں صدی کے وسط سے 14 ویں صدی کے آخر تک باٹو نے گولڈن ہولڈ ریاست کی بنیاد رکھی، باٹو نے اپنا دارالحکومت وولگا کے کنارے سرائی نامی قصبے میں قائم کیا، بعد میں اس دارالحکومت کو وولگا کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ نئے دارالحکومت کو نووی (نیا) سارائی کہا جانے لگا۔ گولڈن ہولڈ ریاست کے ساتھ وسطی ایشیا اور قازقستان، وولگا کی وادی کریمیا، ڈینیپر وادی اور روس کا تمام شمال مشرقی علاقہ شامل تھا۔ تا تار فاتحین نے روسی لوگوں سے نا قابلِ برداشت ٹیکس وصول کئے، ان کی تمام جائیداد کا 1/10 فیصد حصہ اس کے علاوہ وہ اناج، مویشی اور دولت کی صورت میں بھی جزیے کا مطالبہ کرتے۔ یہ تمام اشیاء ٹیکس کلیکٹر جو خان کا نامزد تھا وصول کرتا، جو لوگ ٹیکس ادا نہ کر سکتے وہ انہیں غلام بنا لیتے۔

''وہ جس کے پاس رقم نہیں اپنا بچہ گنوائے گا
وہ جس کے پاس بچے نہیں بیوی گنوائے گا
وہ جس کے پاس بیوی نہیں اپنا سر گنوائے گا''

اگر تا تاریوں کے خلاف ذرا سی بھی مزاحمت ہوئی تو انہوں نے اس کا جواب لوٹ مار اور قتلِ عام سے دیا، روس کے حکمران اپنی آزادی کھو بیٹھے اور خانوں کے غلبے میں آ گئے، انہیں مجبور کیا جاتا کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر قیمتی تحائف پیش کریں اس سے ان کی دربار میں پذیرائی ہوتی، خان بذاتِ خود کسی علاقے کے والی کا تقرر کرتا روس اب خانوں کی نوآبادی تھی تا تاریوں نے روس کی ثقافت کو بالکل تباہ و برباد کر دیا اس کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی حاصلات کو تباہ کر دیا اور اسے ایک پسماندہ ملک بنا دیا۔ منگولوں نے مزید مغرب کی طرف کئی ایک مہمات کیں، پولینڈ، ہنگری اور وینس تک حملے کئے تاہم تا تار شکنجے کے خلاف روس کی جدوجہد جس سے تا تاریوں کی قوت اور وسائل خرچ ہوتے رہے، نے مغرب کو انکی تباہ کاریوں سے بچالیا۔



باب:13

متحدہ روسی ریاست کا ظہور

منگولوں کی تباہی کے بعد معیشت کی بحالی، مسکوئی کا ظہور:

منگولوں کے حملوں نے روسی معیشت کو نا قابل تلافی حد تک برباد کر دیا بہت سارے قصبے اور شہر جلا کر راکھ کر دیئے گئے ہزاروں کسان قتل کر دیئے گئے یا انہیں غلام بنالیا گیا اور کئی ایک روسی خاندان روٹی تک کو ترسنے لگے۔ دستکار اور کاریگر گولڈن ہولڈ منتقل کر دیئے گئے تھے اور ان کے آگے کام سکھانے کے عمل کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اس سارے بحران نے روسی عوام کو نا قابلِ تلافی معاشی بدحالی سے دوچار کر دیا ان کے فن اور آرٹ کو شدید نقصان پہنچا تاتاریوں کی ٹیکس وصولی کے طریقہ کار نے زمینوں کو بنجر اور بے آباد کر دیا۔ خاص طور پر اس وقت جب ان لوگوں کے سروں پر غلام بنا لیے جانے کے خطرے کی تلوار لٹکتی رہتی تھی جو ٹیکس ادا نہیں کر سکتے تھے.......... آہستہ آہستہ روزمرہ کی زندگی معمول پر آنے لگی خاص طور پر اس وقت جب مقامی حکمرانوں نے ٹیکس اکٹھا کرنے کی ذمہ داری خود سنبھال لی، اب خان کے آدمی مقامی حکمرانوں سے ٹیکس وصول کر لیتے اور خود عوام کے سامنے بہت کم آتے...... اب ایک وفاقی طرز کا زراعتی ڈھانچہ تشکیل پا چکا تھا گلہ بانی اور رزاعت میں ترقی ہونے لگی دھات کا کام کرنے والے برتن ساز اور چمڑے کا کام کرنے والے دستکار نشوونما حاصل کرنے لگے، کسانوں کو زمین کا کرایہ کسی نہ کسی صورت میں اپنے آقاؤں کو ادا کرنا پڑتا تھا، پادری یا مذہبی پیشوائیت جواب ایک ادارہ کی شکل اختیار کر چکی تھی ایک اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ علاقائی حکمرانوں نے بے آباد اور بنجر زمینوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا اور نئے لوگوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ ان پر کام کریں۔ امرا نے ان زمینوں کو جو زیادہ عرصہ تک کسانوں کے زیرِ استعمال رہیں انہیں دے دیں، ان قطعاتِ اراضی کے مالک پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی تھی کہ وہ

حالتِ جنگ میں شاہی پرچم تلے فوجی خدمات ادا کریں گے، ان کی زمینیں ان کی خدمات کے ساتھ مشروط تھیں چنانچہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو شاہ کا وفادار تھا اور وہ مرکزی حکومت کی قوت کا باعث بنا اور اسی طبقے کی وجہ سے روسی اتحاد کے عمل کو تقویت حاصل ہوئی...... ماسکو بتدریج اپنے کھنڈرات اور راکھ میں سے دوبارہ نمودار ہونے لگا یہ آہستہ آہستہ خوشحال شہر بن گیا اور اس کے حکمران کی طاقت میں اضافہ ہونے لگا۔ ماسکو کے اردگرد کا تمام علاقہ وہ تمام ضروری لوازمات رکھتا تھا جو اچھی زراعت کے لیے ضروری تھے۔ مقامی آباد کار تجربہ کار کسان تھے اس کے علاوہ یہ دھات ساز، لوہار، برتن ساز، چمڑے کا کام اور اچھے ماہرین تعمیرات تھے۔ ماسکو دفاعی نقطہ نظر سے بھی خصوصی اہمیت کا حامل تھا تاتاری گھوڑ سواروں کو شہر تک پہنچنے کیلئے کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا، ہمسایہ سلطنتیں رائزان، نوگوورڈ، دشمن کے سامنے عدم وجود کا سا رویہ اختیار کرتیں، اس لیے کئی ایک کسان ان حالات سے ماسکو میں آباد ہو گئے، ماسکو ان اہم تجارتی راستوں کے ملاپ پر واقع تھا جو مغرب اور وولگا وادی کو آپس میں ملاتے تھے، نوگوورڈ کے تاجر ماسکو یا دریا کے راستے اُوکا کی طرف جاتے، اور وولگا سے وہ گولڈن ہولڈ سے تجارت کرتے، ایک اور تجارتی راست۔ ڈان اور بحرآزد کے ذریعے بحرِ اسود تک تھا، اس وقت اٹلی کے امیر سوداگر جو جنیوا کے رہنے والے تھے پہلے ہی کریمیا میں آباد ہو چکے تھے سوداگروں کے بحری جہازوں سے جو ٹیکس وصول ہوتا ماسکوتا کے حکمران کو ملتا جس سے انہیں کافی دولت حاصل ہوتی، ماسکو یا کو کئی ایک روسی سلطنتوں میں اہم مقام حاصل ہو گیا اور یہ جلد ہی سرزمینِ روس کا مرکزی علاقہ بن گیا۔ یوری ڈوگورگی کے عہد میں یہ ابھی تک ولادیمیر کے حکمران کی نو آبادی تھی یہ 13 ویں صدی تک یہ آزاد نہیں ہوا تھا آزاد ماسکو یا کا پہلا حکمران الیگزینڈر نووسکی کا بیٹا ڈانیل الیگزینڈروچ (1261ء تا 1303ء) تھا۔ اس نے رائزان کے حکمرانوں سے کولومونا قصبہ ہتھیا کر اپنی سلطنت میں توسیع کی۔ اس کے بیٹے نے بعد میں سمولینسک کے حکمران سے قصبہ Mozhaisk چھین لیا کولو ملانا، دریائے موسکوا اور اُوکا کے سنگم پر ہے اور موزائے سک ما..... لوسکوا کے بالائی علاقوں میں ہے چنانچہ 14 ویں صدی کے شروع میں موسکوا کا حکمران وادی موسکوا کا حکمران بن گیا.......... اس کے بعد جلد ہی ایوان اول (جس کی حکومت 1340ء تک رہی) موسکوے کا حکمران بن گیا جسے ایوان کالٹیا کہا جاتا ہے (دولت کا تھیلا) وہ انتہائی لالچی اور حریص تھا اس نے اپنی سلطنت کو ہمسایہ حکومتوں پر قبضہ کر کے وسعت دی اور اس نے گولڈن ہولڈ کے حکمران سے تعلقات بنا لئے۔ یہ اکثر و بیشتر وہاں کے دورے کرتا اور انہیں قیمتی تحائف پیش کرتا۔ شاہی خواتین میں اس کی خاصی شہرت ہو گئی اور ان میں یہ مشہور ہو گیا کہ جب بھی ایوان آئے گا ان کے لیے سونا چاندی لائے گا، اس دوران روسی علاقوں پر تاتاریوں نے پہلے سے بہت کم حملے کیے اس طرح لوگ اس قابل ہوئے کہ اچھی فصلیں پیدا کر سکیں۔ الیگزینڈر جو Tver

' کا حکمران تھا (1301ء تا 1339ء) اسے تاتار خانوں نے رُس کا سربراہِ اعلیٰ مقرر کیا۔ 1327ء میں تاتاروں کا سفیر چول خان ٹیور سے نذرانہ وصول کرنے کیلئے آیا، بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی اور چول خان کو قتل کر دیا گیا۔ خان نے گولڈن ہولڈ سے فوجیں بھیجیں تاکہ باغیوں کو سزا دی جا سکے اور اس ٹیم کی قیادت ایوان کو سونپی گئی، ٹیور کو برطرف کر کے قتل کر دیا گیا اور ایوان کو سلطنت کا حکمران اعلیٰ مقرر کیا گیا (1328ء) ایوان کے عہد میں مسکوی طاقت بے حد بڑھ گئی اور ماسکونشوونما پاتا ہوا ایک خوبصورت شہر بن گیا۔

گولڈن ہورڈ کے خلاف بغاوت:

کئی ایک مرتبہ روسی علاقوں میں منگول تسلط کے خلاف بغاوتیں پھوٹیں۔ 1259ء کے خزاں میں تاتار ٹیکس کلکٹر نوگوورڈ شہر آیا تاکہ مقامی آبادی کا اندراج کر سکے، تاکہ ان سے ٹیکس وصول کیا جا سکے۔ مقامی آبادی نے خان کے آدمی کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور اسے شہر میں داخل نہ ہونے دیا، نوگوورڈ کے لوگوں کی مزاحمت کو کچلنا بڑا مشکل تھا، گھنٹیاں بجادی گئیں اور لوگ ولادی میر شہر کے چوک میں جمع ہونا شروع ہو گئے، ایسا سوزڈال، روستوف، پیرے اسلوای اور یاروسلاوی میں بھی ہوا، ان لوگوں نے اپنے پر تسلط قائم کرنے اور استحصال کرنے والوں کو شہر سے نکال باہر کیا، وہ جنہوں نے تاتاریوں کے مطالبات کی حمایت کی انہیں قتل کر دیا گیا، تاتاروں نے باغیوں کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کیا تاہم الیگزینڈر نیوسکی نے گولڈن ہورڈ کا خصوصی دورہ کیا اور خان ک و بڑے قیمتی تحائف ادا کر کے شہروں کو تباہی سے بچا لیا۔ 1289ء میں روستوف کے لوگوں نے تاتار استحصال کرنے والوں کو شہر سے نکال باہر کیا، دولت اور قیمتی اشیاء پر قبضہ کر لیا، 13ویں صدی کے دوسرے نصف میں سلطنتِ کرسک کے لوگوں نے تاتار ٹیکس کلکٹر کو اپنے قصبوں سے نکال دیا اور تاتار آبادکاروں کو قتل کر دیا۔ 14ویں صدی میں مسکوی ایک نئی شان و شوکت کے ساتھ اُبھرا جبکہ گولڈن ہولڈ انتہائی کمزور ہو گیا، صدی کے وسط میں بیس سال کے عرصے میں چودہ مرتبہ شاہی حکومت بدلی کئی ایک خان اپنے مخالفین سے قتل ہوئے۔ 14ویں صدی کے دوسرے نصف میں تاتار کمانڈر مامائی (1380) تمام تاتاروں کو اپنے ساتھ ملانے اور اپنی زیرِ قیادت اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گیا، یہ وہی زمانہ تھا جب مسکوی نے ابھی خانوں سے آزادی حاصل کی ہی تھی۔ مامائی نے فیصلہ کیا کہ اس کمزور مرکزیت کو مضبوطی میں بدلنے کے لیے ایک زبردست جنگ کی ضرورت ہے اس نے ایک زبردست فوج تشکیل دی اور لتھوانیا سے ایک فوجی اتحاد قائم کیا۔ اگست 1380ء میں مامائی نے ماسکو کی طرف پیش قدمی کی، ایوان اول کا پوتا ڈیمٹری ایوان وچ (84-1350) جو مسکوی کا حکمران تھا اس نے

ایک فوجی اجتماع کیا اس زبردست دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے کئی ایک روسی حکمرانوں نے اپنے تنازعات وقتی طور پر نظر انداز کر دیئے۔ روسٹوف، یاروسالو، بائیلوزرسک کے حکمرانوں نے اپنی افواج کو مشترک کر لیا، اس کا فیصلہ کن پہلو یہ تھا کہ اس کے عوام نے تاتاروں کے خلاف مزاحمت کرنے کا فیصلہ کیا۔ ملک کے ہر کونے سے کسان، دستکار، اور فنکار مسلح ہو کر روسی فج اس وقت تعداد میں ڈیڑھ لاکھ تھی، انہوں نے ڈان کی طرف پیش قدمی کر کے اسے عبور کیا کیولیکوف کے مقام پر، اپنی افواج کو اکٹھا کیا، ایک چھوٹے دریا نیریاڈیو کے منبع پر جو کہ ڈان کی یا جگزار ہے، اس جگہ واقع ہے۔ جنگ کا میدان چار مربع میل کے علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔ روسی مزاحمت اس وقت کمزور ہونے لگی جب ریزو دستوں نے جھاڑیوں سے نکل کر تاتاریوں پر حملہ کر دیا، مامائی کی افواج کچل دی گئیں۔ جو بچے وہ میدان جنگ سے بھاگ گئے، حکمران ڈیمٹری کو ڈلون مسکوئی کا خطاب دیا گیا، اس سے حکمرانوں کو یہ سبق ملا کہ فتح کا انحصار اتحاد پر ہے۔ کولیکوف کی جنگ سے تاتاروں کا شکنجہ پہلی بار ٹوٹا ہی نہیں بلکہ ان کا اقتدار ہمیشہ کے لیے کمزور ہو گیا اور روسی عوام کو نئی اُمیدیں ملیں۔

روسی ریاستوں کے اتحاد کی طرف پہلا قدم:

مسکوئی کے حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو وسعت دینے کی کوششیں جاری رکھیں، انہوں نے نوگوروڈ سلطنت کی زرخیز زمینوں پر قبضہ کر لیا.......... نزھلاتی توگورڈ (موجودہ گورکی) وولگا کے کناروں پر پروان چڑھا، یہ قصبہ روسی سرحدی چوکی تھی اور ایک اہم تجارتی مرکز بھی، کئی ایک مشرقی تاجر یہاں آتے جاتے تھے، ایوان سوم (1462-1505) کے عہد میں روس کو ایکتا اڑیشکل تو ہوں لیکن یہ مسکوئی کے زیر اثر ہوا، یہ بات بعد میں متحدہ ریاست کی حکمرانی کا باعث بنی، 1478ء میں بہادر اور باجرات تاریخی شہر نوگوروڈ کو مسکوئی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ایوان نے نوگوروڈ کے کئی علاقوں خاص طور پر وولگا ڈا پر قبضہ کر لیا۔ دریائے ویچنڈا کے کنارے پر کومی کے علاقے کو بھی مسکوئی نے زیرِ تسلط کر لیا سب سے اہم پہلو جو روسی اتحاد اور ایکتا کا باعث بنا وہ لوگوں کی قوت اور محنت تھی، اس نے دس کے عوام کو تاتاریوں کی پیدا کردہ بدحال اور تباہی سے چھٹکارا دلایا۔ راکھ اور کھنڈرات سے شہر اور قصبے عذر دار ہوئے۔ انہوں نے کثرت سے زمین کاشت کیں اور کنواری زمینوں پر بھی کاشت کی۔ تجارت اور دستکاری کو ترقی دی جو کہ زوال کا شکار ہو چکی تھی، صنعت کی وجہ نے لوگوں میں مزاحمت کی بنیاد رکھی، ملک کی اقتصادیات کو جدید اور پُرکشش بنانے کے بعد لوگوں نے مزید ترقی کی طرف قدم بڑھائے، ایوان سوم نے بہت سے علاقوں کو ہدایات یا فوجوں کے استعمال سے مسکوئی حکومت میں شامل کیا۔ بہت سے چھوٹے حکمران ایوان کی طاقت سے

آگاہ تھے۔ انہوں نے فتح ہونے کی بجائے اس کی بالادستی قبول کی چنانچہ یارولاؤ کے حکمرانوں نے اسے اپنا سربراہ تسلیم کیا اور اپنا علاقہ اس کے حوالے کر دیا۔ جب ایوان کے فوجی ٹیور پہنچے تو اس علاقے کے حکمران ایک کے بعد دوسرے، ایوان کی خدمت میں پیش ہوئے اور انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ انہیں خدمت کا موقع دیا جائے۔ ٹیور اور مسکوئی کی طاقت ورفیڈریشن ہمیشہ سے اہم رہی ہے۔ ٹیور اور مسکوئی ہمیشہ رس کے علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کے مخالف رہے ہیں۔ لیتھوانیا کے اُمرا نے بڑی دلچسپی سے ان واقعات کا جائزہ لیا اور کئی ایک نے ایوان سوم کی بالادستی قبول کرتے ہوئے اسے اپنا آقا تسلیم کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی جاگیریں بھی روسی حکومت کے تسلط آ گئیں۔ ایوان سوم کے عہد میں لتھوانیا اور رس کے درمیان جنگ چھڑ گئی لیکن رس والوں نے اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ رس والوں کی قوت آہستہ آہستہ بڑھتی رہی۔ کئی چھوٹی ریاستوں کے درمیان اتحاد کے بعد ایک مضبوط رس ریاست وجود میں آ گئی۔ ایک ایسی ریاست جو منگولوں کے شکنجے کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

منگول تسلط سے آزادی:

15 ویں صدی کے خاتمے پر گولڈن ہوڈ کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی اور آخر کار ٹوٹنے لگی۔ ایوان سوم کے عہد میں رس والوں نے کسی بھی قسم کا کوئی ٹیکس، نذرانہ وغیرہ خانوں کو پیش نہیں کیا تھا۔ 1476ء کے بعد تاتاروں کو کسی قسم کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا گیا۔ تاتار خان احمد نے روسیوں کو زیرِ تسلط کرنے کی آخری کوشش کی۔ 1480ء میں اس نے اپنے فوجیوں کو اریکا اور اوکا کے سنگم کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا لیکن وہ دریا عبور کرنے کی کوشش میں ناکام ہوا، 4 دن کی زبردست جنگ کے بعد روسیوں نے اسے پیچھے دھکیل دیا، تاتار فوج ایک طویل عرصہ تک دریا کے کنارے پر کھڑی رہی۔ وہ طاقتور اور قابلِ اعتماد مسکوئی فوج پر حملہ کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔ دونوں میں سے کسی طرف سے بھی لڑائی کا آغاز نہیں ہوا۔ تو خان احمد نے مراجعت کی اور گولڈ ہورڈ کو لوٹ گیا اور اس بات کو تسلیم کیا کہ وہ اس پوزیشن میں نہیں کہ رس پر تسلط جما سکے۔ نذرانہ کے حصول کے لیے یہ تاتاروں کی آخری کارروائی تھی۔ رس پر منگولوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ ملک نے آخر کار 1480ء میں آزادی حاصل کر لی، اسی دوران ماسکو ایک ترقی یافتہ اور متاثر کن شہر بن گیا۔ یہ ایک نئے اتحاد اور قوت کی علامت تھا۔ ماسکو میں پتھروں کے نئے محلات تعمیر کئے گئے، کریمین کے قلعہ کے چاروں طرف پتھروں کی موٹی دیوار بنائی گئی۔ ایوان سوم نے اٹلی کے ممتاز ماہرِ تعمیرات اوسٹوٹل فائرڈائن کو پانچ گینددوں والے کیتھڈرل کی نگرانی کرنے کے لئے بلایا جو کہ کریمن کی دیوار کے ساتھ ہے، نئے کریمن کی دیواروں کے ساتھ ساتھ ہتھیار بنائے گئے۔ فائرواینٹی کے شاگردوں

نے ایک بیرونی محل کی تعمیر کی۔ جہاں غیر ملکوں سے آنے والے سفیروں کا استقبال کیا جاتا تھا اور تقریبات منعقد کی جاتیں۔ اس دوران روس کے باصلاحیت فنکاروں، دستکاروں اور کارکنوں نے روس کے دارالحکومت کی تعمیر میں حصہ یا۔ رومن شہنشاہ اپنے ساتھ سیزر کا لقب رکھتے تھے۔ ایوان سوم نے بھی ایسا کرنے کا فیصلہ کیا اور زار کا لقب اپنایا۔ (سیزر کا مطلب بھی یہی ہے) اس کے علاوہ زار نے بائیزنٹیم سلطنت کا دوعقابوں کا نشان بھی اپنایا۔ جو فروری 1917ء کے انقلاب تک سرکاری نشان رہا۔ غیر ملکی سفیروں کی ایک بڑی تعداد نے ایوان سوم کے دربار میں حاضری دی اور ویسیلی سوم (1479ء-1533ء) کے دربار میں بھی سفراء حاضر ہوئے۔ جرمنی، ہنگری، ڈنمارک، وینس اور ترکی کے سفیر حاضر ہوئے اور استقبالیہ تقریبات کی نئی روایات نے جنم لیا۔ مسکوئی کے پہلے حکمرانوں نے خود کو (ایوان سوم) زار کا خطاب دیا لیکن اس کا پوتا Iran the terribal ''ایوان باکمال'' پہلا حکمران تھا جس نے تاج اُسپنسکی کیتھڈرل میں پہنا اور خود کو تمام رشیا کے زار کا خطاب دیا۔



باب:14

مغربی یورپ میں ابتدائی سرمایہ دارانہ تعلقات کا ظہور

عہدِ وسطیٰ کے تیسرے مرحلے میں سرمایہ دارانہ ذریعہ پیداوار کے عنصر جاگیردارانہ تعلقات پیداوار سے ظاہر ہونا شروع ہوئے اس عمل میں لوہے کی کان کنی نے انتہائی اہم کردار ادا کیا اس وقت سے صنعت وزراعت میں لوہا ایک اہم کردار ادا کرتا تھا لوہے کی بھٹی یا فرنس نے دیگی لوہا اور سٹیل بنانا شروع کر دیا۔ بہت ساری قیمتی دھاتیں تانبا، ٹن، سکہ، کانوں سے نکالا گیا اور کان کنی کی مہارت میں جدید حکمت عملیاں دریافت ہوئیں، زمین سے پانی نکالنے کے جدید طریقے، بھاپ سے چلنے والی مشینیں اور پہیے ایجاد ہوئے، ٹرانسپورٹ میں جدید حکمتِ عملیاں دریافت ہوئیں، بحری سفر جہازوں کے راستے، ہواؤں کے رُخ جاننے کیلئے آلات ایجاد ہوئے اِن تمام دریافتوں اور ایجادات سے کئی ایک جغرافیائی دریافتیں ہوئیں۔

+92-307-7002092 Baig_Raj

جغرافیائی دریافتیں:

کرۂ ارض کے مختلف علاقوں کی طرف جانے والے گمنام راستے تلاش کیے گئے یورپ والوں نے کئی ایک نئے ملک دریافت کیے، 1492ء میں سپین کے بادشاہ کے ملازم ملاح کرسٹوفر کولمبس نے امریکہ دریافت کیا، امریکہ کا نام ایک اور ملاح امریگو ویسلوسی جس نے براعظم کا سفر کیا تو اس کے نام پر رکھا گیا، 1497ء تا 1498ء میں واسکوڈے گاما جس کا تعلق پرتگال سے تھا نے راس امید کا چکر کاٹ کر ہندوستان دریافت کیا، 1519ء میں ایک پرتگال کے بحر نورد میگے لان نے سپین کے بادشاہ کے حکم پر دنیا کا چکر لگایا، اس نے اس آبی گزرگاہ کو دریافت کیا جو جنوبی افریقہ کو ٹیرا ڈیل فیوگو (آبنائے میگے لان) سے ملاتی ہے دریافت کیا اور بحرالکاہل کو عبور کر کے فلپائن کے جزائر تک جا پہنچا، یہاں وہ مقامی لوگوں سے ایک جھڑپ میں مارا گیا لیکن اس کے ساتھیوں نے ڈیل کانو کی قیادت میں سفر جاری رکھا اور ستمبر 1522ء

کو وہ سپین پہنچ گئے اس دوران بھوک اور بیماریوں سے ان کے عملے کے 234 ارکان میں سے 218 مر چکے تھے، 17ویں صدی میں ہالینڈ والوں نے آسٹریلیا دریافت کیا۔

سرمایہ دارانہ ذرائع پیداوار کا ظہور:

پیداوار کے طریقۂ کار میں جدت اور دریافتوں نے محنت کی پیداوار کا معیار بلند کر دیا، تاہم چھوٹے پیمانے پر پیداوار جو کہ عہدِ وسطیٰ کا خاصہ تھی بہتری کے عمل کو مزید آگے نہ بڑھا سکی۔ عہدِ وسطیٰ کی انجمنیں اس راستے سے باہر نکل گئیں، جس کے ذریعے حکمتِ عملی اور محنت کے استعمال میں بہتری لائی جا سکتی تھی۔ اسی دوران پیداوار بڑھانے کی ضرورت نے اس معاملے کو سمجھا اور اس کی ضرورت کو محسوس کیا یہ خصوصیت ٹیکسٹائل صنعت کی ہے جو ایک طویل عرصے تک گھریلو اور غیر ملکی ضروریات پوری کرتی رہی۔ ریشم اور اُون کی صنعت، پیداوار، کپڑے کی صنعت، انہی سے سرمایہ داری کی طرف عبور کے خدوخال ظاہر ہونے لگے۔ ترقی کے نئے خدوخال مستقبل میں بڑی تبدیلیوں کیلئے راہ ہموار کر رہے تھے اور بتدریج اعلیٰ محنت کی پیداوار اور مختلف قسم کی صنعتی پیداوار میں نا قابلِ فہم حد تک اضافہ ہوا، پیداوار کے عمل میں تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا، چنانچہ ٹیکسٹائل صنعت میں تکلے، کھڈیاں اور رنگ کرنے والوں کی انجمنیں وجود میں آئیں، یہ ایک مثال ہے کہ کس طرح محنت کی تقسیم مختلف انجمنوں کے تابع ہوگئی۔ اس کے علاوہ دیگر کئی تبدیلیاں بھی رونما ہو رہی تھیں، سوداگر تھوک کے حساب سے مال خرید لیتے ایک انجمن سے یا مختلف سے اور کسی ایک ہی علاقے کی سپلائی کرنے کیلئے ٹرانسپورٹ کا انتظام کر لیتے۔ انہی تاجروں نے خام مال کی سپلائی کا انتظام بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا، بعد میں وہ آلاتِ پیداوار بھی فراہم کرنے لگے اس طرح انجمنوں کے ارکان اسی قسم کے تاجروں پر انحصار کرنے لگے تاجروں نے اپنی توجہ کا مرکز دیہاتوں کو بنایا جہاں کسان کئی ایک کاروباروں میں حصہ لیتے تھے، اور ہزاروں سالوں سے اپنی پیداوار (کپڑا وغیرہ) فروخت کرتے چلے آ رہے تھے۔ یہ تاجر دستکاروں، اور کاریگروں کو اوزار اور خام مال بھی سپلائی کرتے تھے۔ چرخے، کھڈیاں اور سانچے وغیرہ بعد میں یہ مؤخر الذکر مکمل طور پر ان پر انحصار کرنے لگے۔ سوداگر جس حد تک ممکن ہو سکتا کم سے کم معاوضہ ان دستکاروں کو ادا کرتے اور وہ اشیاء جو سوداگر ان کو فراہم کرتے ان کی بھاری قیمت وصول کرتے، یہ دستکار اور دیہاتی جو اشیاء بنا کر ان سوداگروں کو فروخت کرتے ان کو اپنی مرضی کی قیمتوں پر فروخت کرتے۔ جلد ہی دیہاتوں کے دستکاروں نے خود کو ان کے تابع پایا، خاص طور پر اس وقت جب تاجروں نے پیداوار کے عمل کی موقع پر نگرانی شروع کر دی۔ اس قسم کے سوداگر دستکاروں کو خام مال اور اوزار قرض پہ دیتے اور یہ شرط عائد کرتے کہ دستکار جو بھی پیدا کرے گا صرف اور صرف انہیں کو فروخت کرے گا۔ تاجر ایک تو خام مال اور اوزار سپلائی کر کے منافع حاصل کرتے اور دوسرا

پیداوار کی قیمتیں اپنی مرضی سے طے کر کے فروخت کرتے، اس سے بھی انہیں منافع ملتا۔ تیار شدہ مال کی خام مال سے قیمت زیادہ ہوتی۔ نا صرف اس لیے کہ پیدا شدہ مال میں خام مال کی قیمت شامل ہے بلکہ اس لیے کہ اس پر انسانی محنت صرف ہوتی ہے۔ تاجران کی محنت کے ایک خاص حصے کا معاوضہ دستکاروں کو ادا کر کے جو کہ تیار شدہ مال پر ہوتی تھی باقی اپنے پاس رکھ لیتے۔ وہ محنت جو تاجر اپنے پاس رکھتا اسے زائد محنت کہتے ہیں، تیار شدہ مال زائد محنت پیدا کرتا ہے جو بعد میں مارکیٹ میں فروخت ہونے کے بعد تاجر کو قدرِ زائد یا منافع فراہم کرتا، صرف اس لیے کہ تاجر ایک اتھارٹی تھا، جو کام کرنے والے کے اوپر نافذ تھی، سماجی ارتقا کے اس مرحلے میں وہ پیداوار کی نگرانی کے عمل میں براہ راست کردار ادا نہیں کرتا تھا، تاجر اپنے کرائے گئے آدمیوں کو قدرِ زائد وصول کرنے کیلئے استعمال کرتا۔ ایک کام کرنے والے آدمی کی محنت کی قوت پر تاجر کے کنٹرول کی قیمت بعد میں تنخواہ کہلائی، وہ رقم جو تاجر دستکاروں اور کارکنوں میں لگاتا اسے سرمایہ کہا جاتا ہے اور وہ رقم جو قدرِ زائد سے اکٹھی ہوا ایسا کرنے والا سرمایہ دار کہلاتا ہے..... قدرِ زائد سرمایہ دارانہ ذرائع پیداوار کا لازمی عنصر ہے یہ سرمایہ دار کے رُخ کی انتہا ہے اور اس کا حصول سرمایہ دار کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔

مینوفیکٹری:

اب ہم وہ راستہ دیکھتے ہیں جن پر چل کر ابتدائی سرمایہ داروں نے اپنے منافع میں اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے انفرادی طور پر پروڈیوسر سے تیار شدہ مال حاصل کیا، پھر انہوں نے کاریگروں کو خام مال اور اوزار مہیا کرنا شروع کر دیئے اور آخر انہوں نے پیداوار کے عمل کی نگرانی شروع کر دی۔ پیداواری عمل کی نگرانی نے کئی ایک اشکال اختیار کیں۔ مثلاً تاجر نے کاریگر سے کہا کہ وہ کپڑے کی رنگائی اور مزید پیچیدہ قسم کے عمل کو اپنی جگہ پر کرے، یعنی جہاں وہ کام کرتا ہے وہاں اس کا بندوبست کرے، اور اس کام کی نگرانی براہ راست تاجر کرتا۔ پھر اس تاجر نے ایک ہی قسم کے مختلف جگہوں پر ہونے والے کاموں کو ایک جگہ یکجا کر دیا اور اس کے لیے جگہ کا بندوبست کر دیا۔ یہی جگہ بعد میں کارخانے (Manufactory) کی صورت اختیار کر گئی اور یہ سرمایہ دارانہ پیداوار کا ابتدائی ادارہ تھا اور یہ طریقہ 15 ویں صدی تک پورے یورپ میں وسیع طور پر پھیل چکا تھا اور 18 ویں صدی تک اسے سرمایہ دارانہ پیداوار میں خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ نتیجہ کے طور پر اس کو دور (Manufactory) کہتے ہیں۔ یہ لفظ لاطینی سے حاصل کیا گیا ہے۔ (میں ہاتھ سے بناتا ہوں "Manufacio" اس لحاظ سے جتنے بھی پیداواری عمل ہوئے وہ ہاتھ سے کئے گئے۔ محنت کرنے والے نے مال یا اشیاء کی تیاری میں اُوزاروں سے مدد لی جو وہ اپنے ہاتھوں میں استعمال کے وقت رکھتا اگر سرمایہ دار اپنے مال یا اشیاء کی تیاری، جن کی صورت یکساں ہوتی اور

وہ اسے ایک ہی جگہ پر اپنی نگرانی میں کرواتا اسے (مرکزیت) Centralise صنعت کہتے ہیں اور دوسری طرف سرمایہ دار ایسے افراد کو تنخواہ یا معاوضہ پر رکھتا جو اپنی اپنی جگہوں پر کام کرتے تو ایسے کام کو (Scatterd) یا بکھرا ہوا کہتے، آخر پر ایک اور طریقہ کار بھی رائج تھا جس میں کچھ پیداواری عمل انفرادی طور پر وہ کاریگروں کی ورکشاپوں میں کرتے اور بقایا سرمایہ دار کی زیرِ نگرانی اس کی اپنی جگہ پر ہوتا۔

معاوضہ پر کام کرنے والے طبقے کا ظہور:

جس قسم کے پیداواری عمل کو مندرجہ بالا سطور میں تحریر کیا گیا ہے ان میں تین قسم کے تاجر یا سرمایہ دار واضح ہوئے ہیں، ان میں کام کرنے والے افراد کرائے کے کارکن تھے۔ یہ لوگ اپنی محنت کی قوت سرمایہ دار کو فروخت کرتے اور وہ سرمایہ دار، اس قوتِ محنت کا استحصال کر کے قدر زائد حاصل کرتا اور یہ اس کے منافع کا بڑا ذریعہ تھا۔ منافع حاصل کرنے کی طمع دراصل تمام سرمایہ داروں کے پس پردہ قوتِ متحرکہ ہے اور وہ ہمیشہ اس منافع کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس کے لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ محنت کرنے والوں کو جہاں تک ممکن ہو سکے کم سے کم معاوضہ دیا جائے، اور اسے مجبور کیا جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کام کرے۔ جہاں تک سرمایہ دار کے پہلے مقصد کا تعلق ہے، تو اس میں اس کا مفاد تھا کہ معاشرے میں زیادہ سے زیادہ غریبوں کا ہونا ضروری ہے تا کہ وہ اپنی محنت کی قوت فروخت کرنے پر مجبور ہو۔ غریبوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی سرمایہ داران کو کام کرنے کا معاوضہ اتنا ہی کم دے گا۔ محنت کی پیداوار میں اور زیادہ اضافہ کرنے کے لیے سرمایہ کار نے تقسیم محنت کو زیادہ تفصیل سے کیا۔ ہر ایک محنت کش کو صرف ایک واحد کام کرنا پڑتا۔ مطلب یہ کہ ایک ہی اوزار کب طرح کا کام کرنے کا اسے عادی بنا دیا گیا۔ چنانچہ ہوا ایسا کہ محنت کرنے والا وقت کے ایک مخصوص محدود حصے میں کافی سارا کام کر لیتا جیسا کہ عہدِ وسطیٰ کے کاریگر کے لیے ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ سارا کام اکیلا ہی کرتا تھا، مثلاً وہ مکمل شے بناتا تھا نہ کہ اس کے کچھ حصے اس طرح کئی ایک طرح کی جسمانی محنت اور اُوزاروں کے استعمال سے متفرق محنت سے ایک یہ طرح کی کئی چیزیں تیار ہو جاتیں اس سے پیداوار میں اضافہ ہوا...... ایک اور اہم پہلو جو محنت کی پیداوار میں اضافے کا باعث بنا وہ اوزاروں میں ترقی تھی جو پیداواری سرگرمیوں میں استعمال ہوتے، جتنے بہتر اوزار ہوتے اتنا ہی انفرادی محنت کے زمرے میں کام اچھے طریقے سے اور زیادہ ہوتا۔ اس پر وقت بھی کم خرچ ہوتا، قدرتی طور پر بہتر اوزاروں کا حصول صنعتکار اور تاجر کے مفاد میں تھا جو کہ منافع میں اضافے کا باعث بنا...... نئے ذرائع پیداوار نے ان لوگوں کے منافع میں اضافہ کیا جنہوں نے سرمایہ کاری کی ہوئی تھی۔ اس طرح صنعت کاری میں شامل افراد میں اضافہ ہونے لگا۔ ہر ایک صنعتکار کے قریب کوئی ایسا

صنعتکار بھی تھا جو اشیاء کو اول الذکر سے کم داموں میں فروخت کرتا، اس طرح ایک مقابلہ شروع ہو گیا اور اس میں وہی خود کو محفوظ سمجھ سکتا تھا جس کا مقابلہ نہ ہو۔ مثلاً مال کا معیار بہت اچھا ہو یا پھر ایسا مال تیار کرے جو کوئی دوسرا تیار نہ کرتا ہو۔ سرمایہ دارانہ ذرائع پیداوار نے اوزاروں کی بہتری میں انقلاب برپا کر دیا۔ ساتھ ہی پیداوار کے لیے حکمتِ عملی میں بھی ترقی ہوئی۔ نئی اور ترقی یافتہ تکنیک میں اعلیٰ کارکردگی اور اس کا استعمال جو ابتدائی سرمایہ داروں نے اپنے منافع میں اضافے کے لیے کیا تھا، یہ اسی ذریعہ پیداوار کی ایک خصوصی صنعت تھی۔ اس خواہش کے تحت کہ پیداوار کا سلسلہ عمل جاری رہے، انہوں نے انسانی ہاتھوں کی جگہ مشینوں سے کام لینے کیلئے سوچا جو اس طرح کے کام کر سکے۔ جس طرح کہ انسان کرتا ہے، اس فکر و عمل کے نتیجے میں مشین وجود میں آنے لگی۔ اس طرح دستکاری کی جگہ مشینی کارخانے وجود میں آئے۔ اور کئی ایک جدید تکنیکیں دریافت ہوئیں۔ ابتدائی سرمایہ دار نے اپنے پیداواری عمل میں تیزی اور اضافے کے لیے اپنے کارکنوں کی بہتر تربیت کا بندوبست بھی کیا، اس طرح کئی لوگ مخصوص شعبوں میں ماہرین گئے اور نئے اور بہتر انداز سامنے آئے .... ایک نیا سرمایہ دارانہ ذرائع پیداوار تاریخی نتائج کا حامل تھا اور اس نے انسانی تاریخ کو ایک نیا راستہ دکھایا۔ ان نتائج کا پہلا اظہار وہ بحران تھا جس کا سامنا دیہاتوں اور قصبوں میں اشیاء بنانے والوں کو کرنا پڑا، قصبوں اور دیہاتوں میں کام کرنے والے جلد ہی غریب پرولتاری بن گئے۔ وہ لوگ اپنی قوت محنت فروخت کرنے پر مجبور ہوئے۔

سرمائے کا ابتدائی حصول:

بامعاوضہ محنت کرنے والوں کا استحصال اسی وقت ممکن تھا جب انہیں معاشی اور سماجی لحاظ سے بے یار و مددگار کر دیا جائے مثلاً یہ کہ کسانوں اور کاریگروں کو اوزاروں اور ذرائع پیداوار سے محروم کرنا اور انہیں زندگی گزارنے کیلئے حصولِ آمدنی کے دیگر معاملات سے محروم کرنا، تاکہ وہ اپنی محنت کی قوت فروخت کرنے پہ مجبور ہوں۔ بلاشبہ یہ مظہر سرمایہ دارانہ ذرائع پیداوار کا ابتدائی قدم تھا، اور یہ ساری دنیا میں دیکھنے میں آ رہا تھا چنانچہ کسانوں کی زمینوں سے بے دخلیاں دستکاروں کی غربت اور ان کی تباہی، تمام ذرائع پیداوار، زمین، پیدوار کے اوزار اور یہاں تک کہ ان کا ذریعہ معاش، یہ سب کچھ سرمایہ داروں کی ایک اقلیت کے ہاتھوں میں مُرتکز ہو گیا۔ وہ جو جی چاہے کر سکتے تھے مزدوروں کے ساتھ بے زمین کسانوں اور کام کرنے والوں کے ساتھ جنہیں محنت کی قوت فروخت کرنے پہ مجبور کر دیا گیا تھا، سرمائے کے بنیادی حصول کی نشوونما کو اس وقت آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ انگلستان سرمایہ دارانہ ارتقاء کی ایک کلاسیکی مثال تھا، بارشوں کی کثرت کی وجہ سے یہاں سبزہ زار تھے، صدیوں تک انگریز بھیڑیں پالتے اور

اُون دوسرے ملکوں کوفروخت کرنے کی وجہ سے خوشحال تھے۔فلورنس میں اس اُون سے کپڑا بنتا تھا اس طرح اُون سے تیار شدہ کپڑے کی ضرورت پڑتی گئی۔ اُون مہنگی ہوتی گئی، دسویں صدی کے خاتمے تک انگریز بذات خود کپڑے کی پیداوار کرنے کے لیے مینوفیکچرر بن گئے۔ اُون کی ضرورت پڑی اور انگلستان کے حکمران طبقے کے نمائندے اپنے منافع کی خاطر اُون کی پیداوار کو بڑھانے کے لیے، انہوں نے کسانوں کو زمین سے نکال دیا اور پابندی عائد کر دی کہ کوئی بھی زمینوں پہ کام نہیں کر سکتا۔ انہوں نے بھیڑوں کے بڑے بڑے ریوڑ بنائے اور انہیں یہاں چرنے کے لیے بھیج دیا۔ بعض اوقات تو اس میں کئی گاؤں تباہ ہو گئے، جہاں کاشت کاری ہوتی تھی اور بہت سارے کسان زراعتی عمل میں حصہ لیتے تھے وہاں چند افراد بھیڑیں پالنے کے عمل میں شریک ہو سکتے تھے اور وہ کسان جو زمین چھوڑنے کے بعد قصبوں اور شہروں میں چلے گئے تھے، وہ کارخانہ داروں کے پاس کام کاج تلاش کر رہے تھے۔

کسانوں کی بید خلیاں:

سولہویں صدی کے ایک نامور انگریز عالم تھامس مُور نے لکھا ہے کہ انگلستان میں ''بھیڑیں لوگوں کو کھا رہی ہیں۔'' اٹھارویں صدی کے نصف کسان بحیثیت طبقہ ختم ہو چکے تھے، زمینیں لارڈ اور طاقتور زمینداروں کے قبضے میں تھیں، وہ زمینیں کسانوں کو کرائے پہ دیتے تھے تا کہ وہ اس پہ کرائے حاصل کئے گئے آدمیوں سے کام لے سکیں۔ اس طرح انگلستان کی زراعت پہ سرمایہ دارانہ ذرائع پیداوار نے غلبہ حاصل کر لیا۔ چھوٹے کارخانے دار کی تباہی ہو گئی لیکن اقتصادی ترقی اس قیمت پر ہی حاصل کی گئی۔ اس وقت مینوفیکچرر اس قابل نہیں تھے خاص طور پہ ابتدائی سطح پہ کہ وہ ان کسانوں کی کھپت کر سکیں جن کو زمینوں سے بے دخل کیا گیا تھا۔ ان کسانوں کی اکثریت ذریعہ معاش کی تلاش میں شہروں میں ماری ماری پھرتی تھی۔ اگر انہیں نوکری نہ ملتی تو وہ بھیک مانگنے پہ مجبور تھے یا وہ چوریاں کرتے، حکومت نے آوارہ گردی کے خلاف سخت قوانین بنائے، معمولی سی چیز چُرانے پر بھی سزائے موت تھی۔ 1547ء میں ایڈورڈ چہارم کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق وہ لوگ جو کام سے جی چُراتے ان کو ان لوگوں کا غلام بنا دیا جائے گا جو ان کی آوارہ گردی کی اطلاع کریں گے۔ ایسے لوگوں کو زنجیروں میں جکڑ کر اُن سے کام لیا جاتا تھا۔ اگر کوئی محنت کش دو ہفتوں تک نوکری سے غیر حاضر رہے گا اسے ساری عمر تک غلام رہنے کی سزا دی جائے گی، لفظ ''S'' اس کے ماتھے یا گال پر بنا دیا جاتا اگر وہ تیسری مرتبہ بھاگ نکلے گا تو اسے مجرموں کی طرح پھانسی دے دی جائے گی۔

دستکاروں کی زبوں حالی:

اگر چہ کسانوں کی زمینوں سے بے دخلی ایک ظالمانہ اقدام تھا لیکن دستکاروں سے جو کچھ ہوا وہ کچھ کم نہیں تھا۔ صنعت کے مختلف شعبوں میں مینوفیکچرر کا اضافہ ناگزیر طور پر دستکاروں کی تباہی کا باعث بنا۔ یہ دستکار اس قابل نہیں تھے کہ وہ مینوفیکچر کے سستے اور معیار کے لحاظ سے تیار شدہ اعلیٰ مال کا مقابلہ کر سکتے۔ دستکاروں نے اپنی ورکشاپیں بند کر دیں۔ اگر وہ خوش قسمت تھے تو انہیں مینوفیکچرر کے ہاں ملازمت مل گئی۔ یہاں انہوں نے خانہ بدوشی، مفلسی اور بے روزگاری کی زندگی اختیار کر لی۔

نوآبادیاتی لوٹ مار:

اپنے ہی کسانوں میں غربت پھیلانے کے بعد، انگلستان کا حکمران طبقہ (جو خاص طور پر سرمایہ دارانہ تعلقات، پیداوار میں داخل ہو چکا تھا) مالکانِ اراضی جو ایک سرمایہ دار بن گئے تھے۔ وہ اُمرا کے طبقے میں شامل ہو گئے تھے اور دولت کی ہوس میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنی توجہ نوآبادیات کی طرف متوجہ کی۔ یہ اس وقت ہوا جب یورپی قوتوں کی نوآبادیاتی پالیسیوں، جن کے تحت نوآبادیوں کو زیرِ تسلط کر کے وہاں کے لوگوں کو غلام بنالیا جاتا، انہیں زمینوں سے بیدخل کر دیا جاتا۔ اس حصہ میں یہ طریقہ اور عمل تیزی سے فروغ حاصل کر رہا تھا۔ پہلے پہل سپین اور پرتگال والوں نے اور پھر برطانیہ بھی ان میں شامل ہو کر عالمی لوٹ کھسوٹ کرنے لگا۔ انگریزوں نے نئے دریافت شدہ ملکوں کو حریصانہ نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ پرتگال اور سپین نے وسطی ایشیاء کو معاشی اور اقتصادی لحاظ سے تباہ و برباد کر دیا۔ انگریزوں نے شمالی امریکہ میں سے مقامی باشندوں کو بے دخل کر دیا اور ہالینڈ والے جنوب مشرقی ایشیاء میں گھس گئے .... ہالینڈ والوں کا انگلستان اور سپین سے مفاداتی جھگڑا تھا، 17 ویں صدی میں ہالینڈ کی نوآبادیاں ابتدائی نوآبادیاتی نظام کی اعلیٰ مثالیں تھیں، قتل، ظلم، رشوت یہ سب کچھ مقامی باشندوں کے ساتھ کیا جاتا، ڈچ نوآبادیوں کے لوگوں کو اغواء کر کے جزائر سیلی بس میں بھیج دیتے تا کہ جاوا کی غلام آبادی میں اضافہ کیا جا سکے، اس مقصد کیلئے اغوا کرنے والے خصوصی دستے تشکیل دیئے گئے تھے۔ چور، تاجر اور ترجمان اس گندی تجارت میں جو انسان انسانوں کے خلاف کرتے، بنیادی کردار ادا کر رہے تھے جبکہ مقامی سردار اس کاروبار کے بڑے تاجر تھے .... نوآبادیاتی نظام، تجارت اور جہاز رانی میں ترقی کا باعث بنا۔ ''اجارہ دار تجارتی کمپنیاں'' جنہوں نے طاقتور محرک کا کردار ادا کیا، نوآبادیوں میں مینوفیکچرر پیدا ہوئے جہاں مال کیلئے خام مال، افرادی قوت اور تیار شدہ مال کی کھپت کا راستہ موجود تھا۔ یورپ کے باہر خوش قسمتی کا معیار نوآبادیوں میں لوٹ مار، قتل، مقامی آبادی کو غلام بنا کر کام لینا وغیرہ تھا۔ اس سے بین الاقوامی تجارتی کمپنیوں کو فروغ حاصل ہوا اور ان کی تجوریاں سرمائے سے بھر گئیں اور ان محنت کشوں کو جو اپنی ہی سرزمین پر رہتے تھے، کے استحصال میں اضافہ ہوا۔ سرمائے کے ابتدائی حصول کے زمانے میں

لوگ انتہائی غربت کا شکار ہو گئے۔ نوآبادیاتی نظام لوگوں کیلئے بے رحمانہ استحصال کا باعث بنا اپنے اس لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ناانصافی کے اس عمل کو برقرار رکھنے کیلئے انہوں نے مقامی آبادی کو جہالت اور غربت میں مبتلا رکھیں گے اتنی کہ یہ کم تنخواہوں پر کام کریں گے چنانچہ غیر ملکی قابضین نے نوآبادیوں کی صنعتی ترقی کو روک دیا اور مقامی آبادی کو مجبور کیا کہ وہ درآمد شدہ مال خریدیں، جو استحصالیوں کے مادرِ وطن میں پیدا ہوتا ہے اور ان کی صنعت چلانے کیلئے مقامی آبادی کو خام مال پیدا کرنے کیلئے مجبور کیا گیا۔ استحصال کا یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا ماضی میں سپین، انگلستان، ہالینڈ اور فرانس عالمی سطح پر نوآبادیاتی نظام قائم رکھے ہوئے تھے جن کی جگہ بعد میں امریکی اجارہ داروں نے لے لی۔

پرولتاریہ اور بورژوازی کی تشکیل:

سرمایہ دارانہ نظام سے معاشرے میں کئی ایک بنیادی تبدیلیاں رُونما ہوئیں، دو نئے طبقات وجود میں آئے صنعتی بورژوازی، ذرائع پیداوار کے مالک اور پرولتاریہ جو اپنی محنت کی قوت فروخت کرنے پر مجبور تھے۔

مطلق العنانیت:

اسی دوران سیاست کے دائرہ عمل میں محدود بادشاہت نے مطلق العنانیت کو جنم دیا جو سابقہ حکمران طبقہ امراء اور بورژوازی کے درمیان ثالث کا کردار ادا کرنے لگا۔ اس کے علاوہ ان دونوں طبقات کو انقلابی تحریکوں اور عوامی بغاوت سے بچانے والا، اقتدار اعلیٰ یا بادشاہت وجود میں آئی۔ بورژوازی زیادہ سے زیادہ معاشی قوت حاصل کر رہی تھی لیکن ابھی وہ اس قابل نہیں تھی کہ سابقہ حکمران طبقۂ امراء جو ابھی تک طاقتور تھا اس سے اقتدار حاصل کر سکے، حکومت ابھی تک انہی امراء کے ہاتھوں میں تھی لیکن مرکزیتی ملوکیت، ٹیکس بڑھانا چاہتی تھی اور سرمایہ داروں اور بورژوازی کی حمایت کر رہی تھی جبکہ سرمایہ دار بادشاہت سے مکمل حمایت چاہتے تھے کیونکہ غیر ملکی منڈیوں میں کامیاب مقابلہ کیلئے یہ ضروری تھا اور تاجر یہ چاہتے تھے کہ تجارت اور پیداوار کے سلسلے میں ان کی مدد کی جائے .... یورپ کی کئی ایک بڑی اور چھوٹی ریاستوں میں اس طرح کی ملوکیت اُبھری یہاں تک کہ انگلستان میں ٹوڈورز (1485ء تا 1603ء) بادشاہوں نے طاقت اور اختیارات حاصل کئے باوجود اس کے کہ پارلیمینٹ قائم تھی۔ بورژوازی اور اس کی دولت نے امراء کے عہد کا خاتمہ کر دیا، بورژوازی عوامی تحریکوں کو نقطۂ انجام تک پہنچانے کے بعد اپنی طاقت کے حصول کیلئے کوشاں ہوگئی، بورژوا انقلاب کا زمانہ اب زیادہ دُور نہیں تھا۔

جرمنی میں اصلاح کاری کا آغاز:

جرمنی میں ناکام بورژوا انقلاب، ابتدائی طور پر اس کی شکل کیتھولک چرچ کے خلاف بغاوت کی سی تھی جو کہ امراء کے مفادات کا نظریاتی بہروپ تھا۔ ان کے باہمی تنازعات اور اختلافات کے نتیجے میں جرمن سلطنت کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو چکی تھی، ایسی کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی جو امراء کی راہ میں رکاوٹ ہو، ایسی صورت میں امراء کو زیادہ سے زیادہ ٹیکس موصول ہوتا تھا اس وجہ سے جب سرمایہ دارانہ ارتقاء ابھی ابتدائی مراحل میں تھا، جرمنوں نے چرچ کے خلاف زبردست احتجاج کرنا شروع کر دیا کیونکہ مقامی پادری اور خاص طور سے طاقتور بشپ اور پاپائیت، ان سے لامحدود مادی مطالبات کرتے تھے۔

مارٹن لُوتھر:

جرمن بورژوازی نے اپنے مبصر مارٹن لُوتھر (1483ء تا 1546ء) کے ذریعے پاپائیت کی طرف سے کئے جانے والے مطالبات کے خلاف احتجاج کیا اور سیکولر حکومت کی ضرورت کو اجاگر کیا، اور یہ کہا کہ چرچ کو اس کے تابع رہنا ہوگا۔ جرمنی میں یہ تحریک زبردست طور پر پھیل گئی بعد میں اس تحریک کو عوامی حمایت بھی حاصل ہوگئی تاہم عام آدمی نا صرف چرچ کے معاملات میں اصلاحات چاہتا تھا بلکہ وسیع سماجی اصلاحات اور جاگیردارانہ معاشرے میں بنیادی تبدیلیوں کا بھی مطالبہ کر رہا تھا۔ بعض جگہوں پر صورتِ حال انقلابی رنگ اختیار کر تی گئی، محنت کش طبقہ سماجی مساوات کا مطالبہ کر رہا تھا۔

کسانوں کی جنگ:

1524ء میں جرمنی میں کسانوں کی ''عظیم بغاوت'' پھیل گئی اس کا رنگ انتہائی ترقی پسندانہ تھا یہ صورتِ حال بورژوازی کیلئے بھی خطرناک تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود کو کسانوں کی حمایت سے علیحدہ کر لیا اور اُمراء سے اتحاد کر کے بغاوت کو کُچلنے کیلئے ظلم و تشدد پر اُتر آئے اس سے اگلے ہی سال بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں جو تبدیلی آئی وہ صرف چرچ سے متعلقہ تھی کیتھولک چرچ کی زمینیں اور جائیدادیں سرکاری طور پر ضبط کر لی گئیں، اس سے بادشاہوں کی آمدن میں اضافہ ہوا۔ جرمنی مسلسل سیاسی عدمِ اتحاد کا شکار رہا جبکہ بادشاہ کی قوت عارضی نوعیت کی ہوگئی۔

نیدرلینڈز میں انقلاب:

پہلا کامیاب بورژوا انقلاب نیدر لینڈ میں سپین کے خلاف بغاوت تھی یہ ملک ترقی یافتہ معیشت کے ساتھ 15 ویں صدی سے سپین کے زیرِ تسلط تھا۔ 16 ویں صدی کے شروع کے ساتھ ہی مینوفیکچر کی پیداوار اعلیٰ معیار پر پہنچ چکی تھی۔ جنوب میں فلانڈرز اور (Bralant) بارنیٹ، اور شمال میں صوبہ ہالینڈ اور زی لینڈ وغیرہ میں گلہ بانی، ماہی گیری اور جہاز سازی کی صنعت کو فروغ حاصل ہوا، بین الاقوامی تجارت کا مرکز، آنٹورپ تھا۔ نیدر لینڈ 17 صوبوں میں تقسیم تھا۔ یہ تمام صوبے سٹیٹ جنرل میں نمائندگی کا حق رکھتے تھے۔ ابھی تک ملک پر ہیپسبرگ کی حکومت تھی، اور جرمن بادشاہ اور سپین کے بادشاہ کی نمائندگی سپین کا والی کرتا، ملک کی ترقی یافتہ معیشت جہاں سرمایہ داری جڑیں پکڑ رہی تھی اور سپین کے رُجعت پسند جاگیرداروں کے درمیان اختلافات خاص طور پر، کٹر مذہبی فلپ دوم کے عہد میں خطرناک حد تک پہنچ گئے۔ بورژوازی نے پروٹسٹنٹ عقیدہ اپنایا اور اس نے آزادی اور استحقاق کی حفاظت کے لیے خاص طور پر اپنی حکومت کے لیے آواز بلند کی۔ اس دوران فلپ نے ملحدوں پر تشدد کیا اور انہیں جلا دیا۔ اور وہ سپین کی قوت کے حصول کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے اپنے فوجی نیدر لینڈ بھیجے تا کہ وہ ان تمام کوششوں اور لوگوں کو کچل سکیں جو خود مختار حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کی نئی لہر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے بورژوازی ہی پریشان نہیں تھی بلکہ اُمرا بھی پریشان تھے، ان کا خیال تھا کہ حکومت، سپین کے اُمراء کے ہاتھوں میں چلی جائے گی اس کے علاوہ لوگوں کو اُنہی حالات سے دوچار ہونا پڑے گا جو سپین کی امریکی نوآبادیوں میں کیا گیا ہے۔ یہ مخالفت جلد ہی ایک بغاوت کی شکل اختیار کر گئی۔ یہ 1566ء سے 1609ء تک جاری رہی۔ جب شمالی صوبوں نے جس کی قیادت ہالینڈ کر رہا تھا خود کو آزاد کرالیا اور صوبوں کی متحدہ ریاست کے قیام کا اعلان کیا۔ جنوبی صوبوں پر سپین کا قبضہ رہا اور یہ ابتری کی حالت میں رہے جبکہ ہالینڈ جس نے سب سے پہلے نوآبادیاتی نظام کی بنیاد رکھی وہ 1648ء تک اپنی اقتصادی ترقی کی انتہا تک پہنچ گیا۔ اُس نے بلاشبہ 17 ویں صدی میں ایک سرمایہ دارانہ ریاست کی بنیاد رکھی۔ عام آدمی کی حالت انتہائی خراب تھی اور وہ تباہ کن قسم کے استحصال کا شکار تھا۔ بہر حال یہ حال ہر اس ملک کا ہوتا ہے جہاں سرمایہ داری نظام قائم ہو۔ چنانچہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کس طرح ابتدائی طور پر جاگیرداری نظام میں سرمایہ داری نے نشوونما پائی اور کس طرح معاشرتی ڈھانچے میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں دو نئے طبقے وجود میں آئے۔ بورژوا اور پرولتاریہ طبقاتی جدوجہد ایک پیچیدہ صورتحال اختیار کر گئی اس کے نتیجے میں مطلق العنان شہنشاہیت کا وجود پیدا ہوا، مذہب کے غلبے میں جو تبدیلیاں روپذیر ہوئیں ان میں سائنس اور ثقافت اور ساتھ سماج کا بالائی ڈھانچہ تبدیل ہو رہا تھا۔

انسان نوازی اور نشاۃ ثانیہ:

نیا بورژوا طبقہ اور سرمایہ داری کا منتظم جو قصبوں یا شہروں پر غالب تھا، نے محنت کی پیداوار میں اضافے کی ضرورت کو محسوس کیا اور وہ بہتر اور سستا مال پیدا کرتا تا کہ کاروباری مُخاصمت سے فتح مند ہوا جا سکے۔ یہاں پر زیادہ بہتر ہوگا کہ خام مال جس کی ضرورت تھی اس کے معیار کو جانا جائے چنانچہ قدرت اور اس کے قوانین کو سمجھنے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا چنانچہ سرمایہ داری عہد کا آغاز، دانشور اور ثقافتی سطح پر ارتقاء کا آغاز، اس عہد کی نشاۃ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ اس کا تعلق سرمایہ داری کے نئے ذرائع پیداوار سے تھا اور بورژوازی طبقے کے ساتھ اقتصادی ترقی اور اس کی وسعت، قدیم عہد کے فلسفی کے لیے مدت کا پیغام لائی جس کی حمایت مغرب میں کیتھولک چرچ کرتا تھا۔ جس نے لوگوں کو یہ اُمید دلا رکھی تھی کہ انہیں آئندہ زندگی میں خوشحالی میسر آئے گی، وہ لوگوں کو درس دیتے تھے کہ انسان وہ ایام جب تک وہ زمین پر ہے اسے اپنی تمام اُمیدیں خدا سے رکھنا چاہیے۔ اب بورژوازی اور تاجر اپنی امیدیں اپنی قوت سے وابستہ کیے ہوئے تھے۔ نشاۃ ثانیہ کا عہد اس زمانے کو کہا جاتا ہے جب انسانی فلسفے تمام یورپ، میں پھیل گئے اسے کلاسیکی ثقافت کی دوبارہ نمود یا ظہور بھی کہا جا سکتا ہے۔ انسان نوازوں نے سائنس اور فنکارانہ حاصلات جن کا تعلق یونان اور روم سے تھا انہیں تلاش کیا اور ان کے ساتھ وہاں سے رشتہ جوڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ خاص طور پر سائنس کے شعبے میں...... انسانیت نوازی کی ثقافت کا پہلا بیج اٹلی میں ظاہر ہوا اور بورژوا کلچر جلد ہی یورپی ملکوں میں پھیل گیا، ان نئی تعلیمات کے پھیلنے میں سب سے اہم کردار پرنٹنگ پریس نے ادا کیا جو کہ 15 ویں صدی کے وسط میں گٹن برگ نے ایجاد کیا۔ عہدِ وسطیٰ کے مذہبی کلچر اور انسانیت نوازی کے دور کے درمیان جو شخصیت اُبھری وہ دانتے (1265ء تا 1321ء) کی تھی، جس نے اپنی شاعری کے ذریعے پرانی اقدار کی نفی کی، 14 ویں اور 15 ویں صدی میں کئی ایک یورپی ریاستوں میں قومی شعور پیدا ہونے لگا، انسانیت نواز لکھاری کلاسیکی زبانوں پر عبور رکھتے تھے انہوں نے لاطینی زبان میں شاندار تحریریں لکھیں اور قومی زبانوں میں علوم کو منتقل کیا۔ انسانیت نواز مصنفوں نے اپنے ماحول اور سماج کو موضوع بنایا، انہوں نے مذہب کی بجائے سیکولرازم کا انتخاب کیا، اپنی تحریروں میں بادشاہوں اور امرا کے قصے بیان کرنے کی بجائے عام آدمی کو پیش کیا۔ اس عہد میں جن لوگوں نے عالمی شہرت حاصل کی ان میں فرانسکو پیٹرج اور گیوانی بُوکا سیو (اٹلی) فرانکوائس روبیاس (فرانس) اُلرج وون ہٹن (جرمنی) ارمس آف روٹرڈم (نیدر لینڈ) میگویل سروٹس (سپین) ولیم شیکسپئر (انگلستان)..... نشاۃ ثانیہ میں آرٹ، مصوری، سنگتراشی کو نشوونما حاصل ہوئی، جس میں روزمرہ کی زندگی، انسانوں کے قدرتی حسن اور انسانی رُوح کی عظمت کو پیش کیا گیا۔ (لیونارڈو ڈی وینسی، مائیکل اینجلو، رافیل، ٹیٹیسن، ویلاسکویز رمبرانٹ وغیرہ)

...... اس دور میں عظیم سائنسی دریافتیں ہوئی، دنیا کے متعلق انسانیت نوازوں کا رویہ مشاہداتی تھا، یہ اس دور کے سائنس دانوں کا کمال تھا جنہوں نے قدرتی سائنس کی بنیاد رکھی، (کارڈانو اور گلیلیو) میکانیات

(لیونارڈو اور گلیلیو) فلکیات (کوپرنیکس اور گلیلیو) علم الاعضاء اور علم البدن (وی سالیس اور ہاروے) اور فطرت کی مادیتی تشریح (فرانسس بیکن اور گیورڈنوں برونو)............سیاست میں انسان نوازوں نے مرکزیتی ریاستی طاقت کی حمایت کی، جو امنِ عامہ اور قانون کی بالادستی کا یقین دلائے۔ انہوں نے کیتھولک چرچ کو ہدفِ تنقید بنایا، جو یہ تعلیم دیتا تھا کہ جاگیردارانہ نظام اور دنیا کو خدا نے تخلیق کیا ہے اور اس کے خلاف احتجاج کرنا گناہ کا مرتکب ہونا ہوگا۔

اصلاح کاری:

کئی ایک ملک جو سرمایہ دارانہ خطوط پر ترقی کر رہے تھے، انہوں نے چرچ کی اصلاحات کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے رومن کیتھولک چرچ سے خود کو علیحدہ کر لیا اور پوپ کو چرچ کا سربراہ ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے انہیں زمینی حکمرانوں کے تابع کر دیا اور اس کی تعلیمات کے مفاد میں ڈھال دیا۔ ان اصلاحات کا اہم مبلغ جین کالونی تھا۔ اس نے کہا کہ تاجر اور کاروبار کرنے والے جنہوں نے خوشی پیدا کی ہے اگلی دنیا میں نجات پائیں گے۔ جب کہ مزدوروں کو اپنے آقاؤں کے لیے محنت سے کام کرنا چاہیے تاکہ یہ لوگ اپنی باری میں خوشحال ہو سکیں۔ کالوین نے غلام داری اور نوآبادیاتی غلام کو حق بجانب قرار دیا اور ان تمام برائیوں کو جو حصولِ سرمایہ کی ابتداء سے شروع ہوئیں ان کو بھی حق بجانب قرار دیا۔ وہ تمام ملک جن کی معیشت ترقی کر رہی تھی، انہوں نے پروٹسٹنٹ مذہب اپنایا۔ تمام یورپ میں زیادہ لوگوں نے نیا مذہب اپنا لیا، خواہ وہ جرمنی میں لوتھر کی تعلیم کے زیر اثر لوتھری چرچ کے نتیجے میں تھا جو کہ بادشاہوں کی حکومت کی حمایت کرتا تھا یا وہ سوئٹزرلینڈ کے مبلغ اصلاح کار زونگلی کی تعلیمات تھیں۔ اس کی تعلیمات شہری تاجروں اور صنعتی بورژوازی کے مفاد میں تھیں۔ کیتھولک چرچ کی تمام کوششیں کہ وہ دوبارہ وہی قوت حاصل کر سکے ناکام ہوئیں یسوعی نظام جس کی بنیاد 1540ء میں رکھی گئی۔ باوجود سخن ساز مغالطہ آمیزی، ذہنی پھرتیلا پن اور مکارانہ تعریفیں، صرف چند ملکوں میں کامیاب تھی۔ (جرمنی، پولینڈ، لیتھوانیا) وغیرہ۔

o

باب :15

امریکہ اور یورپی فتوحات

وسطی امریکہ کے لوگ:

جب امریکہ دریافت ہوا اور یورپی نو آبادیاتیوں نے اسے فتح کرلیا، اس وقت یہاں مختلف طرز کے انڈین قبائل آباد تھے، ان میں سے کچھ نے مہذب طور پر زندگی گزارنا شروع کردی، جبکہ کئی ایک زمانہ قدیم کی طرز پر رہ رہے تھے۔ براعظم امریکہ میں قدیم ترین مایا ثقافت ہے جسے شمال مغربی وسطی امریکہ میں ارتقاء حاصل ہوا۔ ابتدائی طور پر اس کا مرکز جھیل Peten Itza پیٹن اڑزا کے کناروں پر تھا اور دریائے اُوزوماسینٹا کی وادی کے ساتھ جنوب مشرقی علاقے، میں (شمالی گوئٹے مالا اور تابسکو کی ماڈرن ریاست یونیسکو) بعد میں مایا ثقافت کا مرکز جزیرہ نما یوکاٹن منتقل ہوگیا، جہاں 10 ویں صدی میں چیچن اڑزا، ماپاپان، اُوکسمال اور کئی دوسری شہری ریاستیں وجود میں آئیں جن کے درمیان کئی سالوں تک قبائلی تصادم ہوتے رہے...... مایا معاشرہ کی ساخت اس کے زوال کے وقت ایک طرح کی نہیں تھی۔ امراء اور مذہبی پیشواؤں نے حکمران طبقہ تشکیل دے رکھا تھا امراء کوکا کی کاشت پر قابض تھے، نمک کے ذخیرے، مکھیوں کے چھتوں کے علاوہ یہ لوگ کئی غلام بھی رکھتے تھے۔ یہاں تاجروں کی ایک علیحدہ طبقاتی صورت تھی، لوگ مختلف برادریوں میں رہتے تھے ان میں غالب رُجحان قبائلی معاشرے کا تھا، عام آدمی امراء کی زمینوں پر کام کرنے کا پابند تھا، یہ لوگ ٹیکس ادا کرنے کے علاوہ خانقاہیں، سڑکیں، عمارات اور امراء کے مکانات بھی تعمیر کرتے۔ جنگی قیدی غلام بنالیے جاتے، غلاموں میں جرائم پیشہ افراد قرض دینے والے اور یتیم افراد شامل تھے، ان سے بھاری محنت لی جاتی، چنانچہ قبائلی معاشرہ کے خدوخال اور باقیات کو رکھتے ہوئے مایا آبادیاں عہدِ غلام داری کا نقشہ پیش کرتی تھیں۔ مایا تہذیب نے اپنے گردونواح میں گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہاں زراعت، مکھیاں پالنا، دستکاری اور تجارت ترقی یافتہ تھی، اور ایک اعلیٰ قسم کا حقیقی

آرٹ نشوونما حاصل کر گیا (فنِ تعمیرات، سنگتراشی اور مصوری) علمِ ریاضی اور علمِ فلکیات میں حیران کن احاصلات ہوئیں۔ اس عہد کے شروع میں خطِ تصویری ایجاد کیا گیا...... براعظم امریکہ میں پہلی تحریر...... مایا کے ہمسائے بشمول زپوٹس، اُولمس اور ٹوٹونس تھے۔ میکسیکو کے شمال مشرقی ساحل میں ہواسٹس آباد تھے، جو اگرچہ مایا زبان بولتے تھے لیکن ان کی ثقافتی اصلاحات اعلیٰ معیار حاصل نہ کر سکیں۔ وسطی میکسیکو، جسے اس وقت اینا ہواک وادی (ناہواز بان میں اس کا مطلب پانی کی سرزمین ہے) کہا جاتا تھا۔ پہلے ایک ہزار کے دوسرے نصف میں ٹولٹک ثقافت نے متاثر کن ترقی حاصل کی۔ بڑے شہر وجود میں آئے (ان میں سب سے بڑا ٹیوتھیوکوان تھا) یہاں یادگار عمارات اور ترقی یافتہ تجارت تھی۔ ان لوگوں کے پاس اپنی تحریر اور کیلنڈر تھا لیکن اس کی بنیاد مایا تھی۔ دوسری صدی میں ٹوسٹک تہذیب کو نکال باہر کیا گیا۔ جنگجونا ہوا قبائل اپنے ہواک وادی میں سے حملہ آور ہوئے۔ اس وقت قبائل میں سب سے اہم کل ہواس تھا، جس کا مرکزی شہر کل ہواکن جھیل ٹیکس کوکو کے جنوبی ساحلوں پر واقع تھا۔ ایک اور اہم شہری ریاست ٹیکس کوکو جو جھیل کے مشرقی ساحلوں پر تھی۔ 14 ویں صدی کے آخر اور 15 ویں صدی کے آغاز میں ٹیپارنیس لوگ اُبھرے اور وہ کل ہواکن، ٹیکس ٹوٹو اور اینا ہواک وادی کی کئی شہری ریاستوں کو زیرِ نگیں کرنے میں کامیاب ہوئے، انہوں نے ٹینوچٹلیٹسن کو فتح کر لیا جو جھیل ٹیکس کوکو میں ایک جزیرے میں واقع تھا، جس کی بنیاد 1325ء میں ازٹیکس نے رکھی تھی...... 1426ء میں ٹینوچٹیلٹسن نے ازٹیکس نے ٹیکس کوکو اور ٹلاکو پان قبائل کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ ٹیلیسنک اقتدار کو ختم کرنے کے بعد اتحادیوں نے ہمسایہ قبائل پر حملے شروع کر دیئے، اور آخر کار سارے اپنے ہواک وادی کے سارے علاقے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے، جلد ہی آزٹس اتحاد کے راہنما بن گئے اور کئی جنگوں کے دوران انہوں نے سارے میکسیکو کو اپنے اقتدار میں لے لیا۔ علاوہ ان فوجی کامیابیوں کے، انہوں نے ایک پیچیدہ ثقافت کی بھی تشکیل کی۔ جو انیوا ہواک وادی میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اس ثقافت کو 15 ویں صدی کے شروع میں نشوونما حاصل ہوئی۔ آزٹس زراعت کی بنیادیں ان کے نظام آبپاشی میں تھیں، ان کی اہم فصل مکئی تھی، جو اس وقت کے پس ماندہ طریقہ پیداوار کے باوجود زیادہ پیدا ہوتی۔ دالیں، لوکی، ٹماٹر، کوکا، کپاس اور تمبا کو وہاں کی اہم پیداوار تھیں، سب سے اہم دستکاری جو آزٹس بناتے وہ برتن سازی تھی، اس کے علاوہ بنائی اور دھات کا کام، عمارتی مہارت بہت زیادہ ترقی یافتہ تھی، جس نے لوگوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ دریاؤں پر پشتے، نہریں، قلعے کی مانند رہائشی مکانات تعمیر کریں۔ اشیاء کے بدلے اشیاء کی تجارت ٹیوچٹلین اور دوسرے شہروں میں عدم یقینی، ازٹس قبیلوں میں اپنے منتخب نمائندوں کی زیرِ قیادت رہتے۔ زمین کمہوں کی ملکیت تھی۔ لوگ اس پر کام کرتے، آزٹس کی ملٹری کا بڑا کمانڈر جو مختلف قبیلوں میں سے منتخب ہوتا، وہ جنگ یا امن دونوں حالتوں میں سپریم سربراہ بھی ہوتا تھا۔ وہ مذہبی ذمہ داریاں بھی ادا کرتا۔ ازٹس کمانڈر اور اس

کی کونسل جنگ کی صورت میں مختلف آپریشن کے فیصلے کرتی، اینگلز نے آزٹس کی فیڈریشن کے متعلق یوں کہا ہے ''تین قبیلوں کی کنفیڈریشن اور کئی ایک معاون علاقے جن کا کنٹرول وفاقی کونسل اور مقامی سربراہ کے ہاتھ میں تھا۔'' آزٹس کی طرف سے کئی ایک جنگوں کے نتیجے میں غیر مساوی دولت کی تقسیم کا عمل شروع ہوگیا۔ وہ جنگجو جو جنگوں میں حصہ لیتے۔ وہ لوٹا ہوا مال و دولت اور عہدہ وصول کرتے۔ اس کے علاوہ مفتوح علاقے فاتحین میں تقسیم کردیئے جاتے۔ وہ لوگ جو جنگوں میں قیدی بنا لیے جاتے انہیں بطورِ غلام استعمال کیا جاتا۔ غلامی اَزٹس معاشرہ کا اہم عنصر تھا۔ قبائلی امراء وجود میں آنے لگے اور جنگوں کے نتیجے میں مرکز میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور آخر کار مرکزی حکمرانی کا سلسلہ وراثتاً ہوگیا۔ یہ تمام معاملات آزٹس معاشرے کی ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنے۔ تیرھویں صدی کے آخر اور سولہویں صدی کے شروع میں یہ معاشرہ طبقاتی معاشرہ میں تبدیل ہو رہا تھا۔ اس عہد کا آزٹس کا فن اپنے عروج پر تھا۔ خاص طور پر تعمیرات اور سنگ تراشی کے شعبے میں آزٹس شمسی کیلنڈر استعمال کرتے تھے جو مایا کیلنڈر کے حصوں پر مشتمل تھا۔ فنِ خطاطی بھی خصوصی اہمیت رکھتا تھا۔ اس طرح آزٹس معاشرے کے قبائلی خدوخال آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے۔ آزٹس امراء نے اپنے ہی لوگوں کا استحصال اور لوٹ مار شروع کردی۔ کئی ایک جنگوں کے دوران جو انہوں نے پندرھویں صدی میں جاری رکھیں۔ آزٹس نے دوسرے لوگوں کو شکست ہی نہیں دی بلکہ انہوں نے اپنے ہوالک وادی کے مکینوں کو خلیج میکسیکو کے پہاڑی ساحلوں میں دھکیل دیا اور بحرالکاہل کے ساحلوں پر انہوں نے مفتوح قبائل سے ٹیکس وصول کیا۔ بعض اوقات ان کی زمینوں پر قبضہ کرلیا اور لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ ان میں سے کئی ایک قیدیوں کو آزٹس دیوتا کی قربانی چڑھا دیا جاتا۔ بقایا کو بحیثیت غلام کام پہ لگا دیا جاتا۔ کمزور لوگوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک، مسلسل بغاوتوں کا باعث بنا اور ان قبائل میں مزاحمت کا جذبہ پیدا ہوا جو آزٹس نے زیرِ نگیں کر رکھے تھے۔ مونٹے زیوما (1520-1503ء) کے عہد میں صورتحال انتہائی خراب ہوگئی۔ مونٹے زیوما نے اس انتشار کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔

جنوبی امریکہ کے لوگ:

جنوبی امریکہ کی قدیم تہذیب انڈس جہاں کیوچوا آباد تھے اور آمارا اور دوسرے لوگ جنہوں نے اعلیٰ معیار کی ثقافتی اور مادی ترقی کر رکھی تھی، 15ویں اور سولہویں صدی کے شروع میں انکاس جس کی قیادت بنوشے، یئوپک، پپ اینکوئی، اور ھائینا کیپک کے ہاتھوں میں تھی نے کئی ایک قبائل کو زیرِ نگیں کیا اور ایک بڑی ریاست قائم کی اور اس کا دارالحکومت کازکو بریہ۔ اس ریاست کی قیادت ساپا انکا کے ہاتھوں میں تھی جو خود کو سورج کا بیٹا کہتا تھا اور وہ دیوتا کی طرح پوجا کرواتا تھا۔ انکا ریاست کی سرکاری زبان کیوچوا تھی۔ انکاس واضح طور پر گلہ بانی، زراعت، دستکاری (دھاتی کام، بُنائی، برتن سازی) اور فنِ تعمیرات

میں بہت آگے تھے۔ انہوں نے علمِ ریاضی، علمِ فلکیات، ادویات اور دیگر سائنسوں میں اعلیٰ درجے کی کامیابیاں حاصل کیں۔ وہ تصویری خطاطی سے مسودات تیار کرتے۔ سڑکوں اور عمارات کی تعمیرات بھی ترقی یافتہ تھی۔ انکاس کی سب سے اہم سماجی اکائی "Aylla" آیلویا کیمون تھا اس کے تمام اراکین کاشت کاری کے لیے مل جل کر کام کرتے جو انفرادی خاندانوں میں تقسیم کی گئی تھی تاہم انکاس والوں کو تمام زمین کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ فصل اور جانوروں کی افزائش کا خاصہ حصہ ریاست اور مذہبی مقاصد کے لیے حاصل کیا جاتا...... پیلوانڈین قبائل (ہوپی، زونی، ٹانو، کیرز وغیرہ) دریائے مکوریڈو اور وادیٔ روٗ گرینڈے ڈِل نارٹ میں رہائش پذیر تھے۔ یٹوپی، گورانی، کریبیشن، ارا واک، برازیل، کیاپو، اور اور یونوکو، اور آمازن کے میدانی علاقوں میں رہتے تھے آج کے دور کے پیرو، اور ایکواڈور کے مختلف علاقوں میں بسنے والے قبائل مکوریڈو، جیواروز، اور زیاروز لاپاٹا قبائل، پینٹا گوین ٹیلیجیس، ٹیراؤں فیوجو کے انڈین، تمام ابتدائی طرز کے معاشرے میں مختلف مرحلوں پر رہتے تھے۔ شمالی امریکہ کے رہنے والے انڈین اور شمالی امریکہ کے اسکیمو قبائل پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان میں سے کئی ایک نے بین القبائلی اتحاد قائم کیے۔ الگون کینز، اریوکیز، مسکوگی، سائیوکس اتھا بیکسز وغیرہ۔

امریکہ۔ نوآبادیاتی نظام کے زیرِ اثر:

15 ویں صدی کے آخر اور 16 ویں صدی کے شروع میں امریکی عوام کا قدرتی ارتقاء کا راستہ یورپی فاتحین خاص طور پر ہسپانوی فاتحین نے بُری طرح متاثر کیا، براعظم امریکہ کی مقامی آبادی کے متعلق لکھتے ہوئے اینگلز کہتا ہے ''ہسپانویوں نے آزادانہ ترقی کا راستہ توڑ دیا۔'' نوآبادیاتی فاتحین نے اس علاقے کے لوگوں کو اس سماجی اور معاشی صورتحال میں مبتلا کر دیا جو کہ ان کی ترقی کیلئے کارگر ثابت نہ ہوئی، 15 ویں صدی کے آخر اور 16 ویں صدی کے شروع میں تجارت اور صنعت میں ترقی اور بورژوازی اور سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات جو یورپی جاگیردارانہ معاشرے میں نمودار ہوئے انہوں نے یہ اُمنگ پیدا کی کہ نئے تجارتی راستے تلاش کئے جائیں اور مشرق اور جنوبی ایشیاء کے انتہائی دور دراز علاقوں تک پہنچ جائے اور اسی مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے کئی ایک بحری مہمات خاص طور پر ہسپانویوں نے شروع کیں۔ عظیم دریافتوں میں جو اس عہد میں کی گئیں، سپین کے کردار کا تعین جغرافیائی حیثیت سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس بدحال امراء کے طبقے سے جو مورز (Moors) کو (1492ء) نکالنے کے عمل کو مکمل کرنے کے بعد ابھی تک کوئی دولت اکٹھی کرنے کا ذریعہ اور سونے کی تلاش اور سونے کے خزانوں تک پہنچنے کے خواب دیکھ رہے تھے...... 16 ویں صدی کے شروع میں کولمبس اور کئی بحرنوردوں نے کئی ایک جزائر غرب الہند دریافت کر لیے، وہ جنوبی امریکہ کے مشرقی ساحل اور شمالی ساحلوں تک پہنچ گئے اور وسطی امریکہ کے

کریبیئن ساحل بھی انہوں نے دریافت کر لیے۔ 1494ء کے شروع میں Treaty of Tordesillas سپین اور پرتگال کے درمیان معاہدہ طے پا گیا کہ دونوں ملکوں کی نو آبادیاتی توسیع پسندی کی حدود کیا ہیں...... جزیرہ نما ایبرئین امراء طبقے کے غریب اراکین بحری فوجی اور جرائم پیشہ افراد نئے دریافت شدہ علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔ تشدد اور ظلم کے ذریعے انہوں نے مقامی آبادی کی زمینوں پر قبضہ کرلیا اور انہیں سپین یا پُرتگال کے مقبوضات قرار دیا۔ فاتحین نے لوٹ مار کی، انڈین کو غلام بنایا اور مزاحمت کی ہر کوشش کو سختی سے کچل دیا، انہوں نے بے رحمانہ طور پر قصبوں اور دیہاتوں کو مکمل طور پر جلا دیا جیسے مارکس نے لکھا ہے "لوٹ مار اور تشدد سپینی مہم جوؤں کا شمالی امریکہ میں واحد مقصد تھا۔" سونے کی تلاش حملہ آوروں کو زیادہ سے زیادہ زمینیں دریافت کرنے تک لے گئی۔ 1513ء میں بالبوآ نے خاکنائے پانامہ کو عبور کیا، جسے سونے کا کیسل کہا جاتا ہے اور بحرالکاہل کے ساحلوں تک پہنچ گیا۔ پُونس ڈی لیون نے جزیرہ نما فلوریڈا کو دریافت کیا، یہ شمالی امریکہ میں سپین کی پہلی مقبوضات تھی۔ چند سال بعد جزیرہ نما یوکائن دریافت کرلیا گیا، اور 1521ء میں ہرنان ڈوکوئز نے تین سال کی مسلسل لڑائی کے بعد وسطی میکسیکو فتح کر لیا۔ لیکن قدیم ثقافت جو آزٹس دارالحکومت کی تھی اس کی مکمل طور پر تباہی ہوگئی یہ اس وقت ہوا، جب ماگیلان نے بحراوقیانوس کے ساحلوں کا نقشہ تیار کیا، اور اس آبنائے کو دریافت کرلیا، جو براعظم کوٹیرا ڈیل فیوجو سے علیحدہ کرتی ہے۔ جلد ہی فاتحین اور ان کے آدمیوں نے جنوبی امریکہ کی طرف توجہ دی 1530ء کے شروع میں فرانسیسی مہم جس کی قیادت فرانسس پی زارو اور ڈیگوڈی ایلما گرو کے ہاتھ میں تھی، نے پیرو فتح کرلیا۔ انکاس تہذیب کو نکال باہر کیا۔ انہوں نے مجبور اور بے کس انڈین کا قتلِ عام کیا اور ان کے قصبے کاجہ مارکہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس تباہی کا آغاز کرنے والا پادری وال ورڈے تھا ان کا حکمران اناہولا پا کو یرغمالی بنا لیا گیا، اور یہ دھوکے سے کیا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا، کازکو جو ان کا دارالحکومت تھا اسے بھی حملہ آوروں نے قبضے میں لے لیا۔ جنوب کی طرف پیشقدمی کرتے ہوئے الماگرو اور اس کے آدمیوں نے جس علاقے کی طرف پیشقدمی کی اسے چلی کہا جاتا ہے (1537ء تا 1535ء) یہاں انہیں جنگجو آروکانز کا مقابلہ کرنا پڑا اور وہ عارضی شکست سے دوچار ہوئے، اسی دوران پیٹروڈی مینڈوزا، لاپلاٹا کو زیرِ نگیں کرنے کے لیے اس پر چڑھائی کردی، یورپین کی اکثریت جنوبی امریکہ کے شمالی حصوں پر قبضہ کرنیکی کوشش میں مصروف تھی، یہاں انہیں تصوراتی دنیا ایل ڈوراڈو پر قبضہ کرنا تھا جو سونے اور قیمتی پتھروں کی وجہ سے مشہور تھی۔ ایل ڈوراڈو کی تلاش میں سپین کی مہم جس کی قیادت اورڈاز، جیمنز ڈی کیبوسڈا، بینال کازرا اور جرمن فوجیوں کے دستے جس کی قیادت الفنگر ہ وون سپیرا اور فیڈرمین کر رہے تھے انہوں نے 1530ء میں اورنوکو اور مگدوالیناداوی کی طرف پیش قدمی کی۔ 1538ء میں جیمنز ڈی کیوسڈا، فیڈرمین، اور بیتال کازارا، شمال مشرق اور جنوب سے پیش قدمی کر رہے تھے اور یہ کینڈ-نمار کا

پلسیٹو، بوگاٹا قصبے کے قریب اکٹھے ہوئے......اس دوران 1540ء کے شروع میں برازیل پر پرتگیز والوں نے قبضہ کرلیا اور لینا آمازون پہنچا اور وہ بحرا قیانوس کے ساحلوں کی طرف نکل گیا۔ چلی کی طرف ایک اور مہم روانہ کی گئی۔ لیکن پچاس کی ابتدا میں صرف شمالی اور وسطی ملک کے علاقے پر قبضہ کرنے میں کامیابی ہوئی۔ سپین اور پرتگال کی طرف سے براعظم جنوبی امریکہ کے وسطی علاقوں میں اندر تک چلے جانا سولہویں صدی کے دوسرے تعصب تک نصف نوآبادیاں بنانے کا عمل جاری رہا، جنوبی چلی اور شمالی میکسیکو نے زیرنگیں ہونے میں کافی دیر لگائی تاہم انگریز، فرانسیسی، ہالینڈ والے، اسی نئی دنیا میں سے اپنے مفادات کے حصول کے لیے حریصانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جنوبی اور وسطی امریکہ اور غرب الہند کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی ٹھانی۔



باب:16

مرکزی روسی ریاست
(15 ویں صدی کے آخر سے 17 ویں صدی کے شروع تک)

کسانوں کی جنگ۔ امرا کی بڑھتی ہوئی قوت:

16 ویں صدی میں روسی معاشرے میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ اگر چہ معاشرہ جاگیردارانہ تھا جس میں زمیندار امرا بااثر تھے اور اس میں کئی ایک تبدیلیاں ظاہر ہو رہی تھیں۔ طاقتور بائیر بڑے طاقتور اور جاگیروں کے مالک تھے۔ سابقہ علاقائی حکمرانوں کی نسل سے تعلق رکھنے والے جاگیردار زیادہ بااثر تھے اور اراضی کے زیادہ حصے کے مالک تھے۔ جب ریاست کی یکساں اور متحدہ صورت وجود میں آنا شروع ہوئی تو بائیرز وں کو تشویش لاحق تھی جبکہ Droryane ڈورائینے (وہ امراء جنہیں اراضی ان کی خدمات کے عوض ملی تھی) خوشحال تھے۔ جیسے ہی کوئی علاقائی سلطنت یا ریاست جب اپنی سابقہ آزادی کھو بیٹھتی، تو بائیرز وں کی خوشحالی ختم ہونے لگتی، زمین اور جاگیریں تقسیم ہو جاتیں یا پھر رہن رکھ دی جاتیں۔ ڈورائینے کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ بائیرز زار کے ساتھ طاقت کے حصول کے لئے رسہ کشی کرنے لگے، بائیرز کی قوت کو روکنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے زار نے زیادہ سے زیادہ ڈورائینے کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ بائیرز کی جاگیریں موروثی تھیں اور وسیع تھیں، جبکہ ڈیوارت کی جاگیریں چھوٹی تھیں اور وراثتاً منتقل نہیں ہوتیں تھیں بلکہ سرکاری خدمات کی عدم تعمیل کے سلسلے میں ان کی جاگیریں ضبط بھی ہو سکتی تھیں۔ مطلب یہ تھا کہ حکومت وقت کے ساتھ وفادار رہنا ان کی مجبوری تھی وہ اس صورتحال میں رہنے کے عادی ہو چکے تھے پہلے یہ لوگ علاقائی حکمرانوں پر انحصار کرتے تھے، لیکن یہاں ان کی پوزیشن بہتر نہیں تھی اور انہیں خدمات کے عوض چھوٹی جاگیریں ملتی تھیں۔ اس دوران الگ تھلگ ریاستوں اور

جاگیروں میں رہنے سے وہ باقی دنیا سے کٹ چکے تھے۔ جیسے علاقائی حکمرانیاں اور ریاستیں، روسی ریاست میں مدغم ہونے لگیں، ڈورائینے کی پوزیشن آہستہ آہستہ بہتر ہونے لگی۔ زار روس نے ڈورائینے کو تسلیم کیا اور انہیں جاگیریں عطا کیں۔ اس طرح ان کے لیے ایک بالکل نئی زندگی کا آغاز ہوا، اس طرح ان کے لیے زارشاہی کی مدد واعانت کرنا زیادہ سودمند تھا۔ سماجی واقتصادی لحاظ سے اور سیاسی طور پر بھی ان کی پوزیشن مستحکم ہوگئی۔ جب زار ایوان iv نے سابقہ آزاد سلطنتوں کو اپنی قلمرو میں شامل کیا تو اس نے ڈورائینے کو مدد کے لیے کہا۔

ایوان کی اصلاحات:

روسی ریاست کا وسیع وعریض رقبہ جس میں کئی سابقہ ریاستیں شامل ہوئیں۔ تو ان کی سابقہ روایات اور رسم ورواج میں کافی حد تک تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ معزول حکمران ابھی تک ان ریاستوں میں اپنا اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ کئی دور دراز ریاستوں کے حکمران جو کسی زمانے میں زمین پر خدا کے نائب تھے، ابھی تک حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے ان کے پاس فوجی دستے بھی تھے اور منصب داروں کے ساتھ تعلق ورابطے بھی۔ انہوں نے ایک اعلامیہ جاری کیا، جس میں کہا گیا کہ وہ ابھی تک ریاست کے اقتدار اعلیٰ ہیں، جس طرح عام آدمی پہلے زار کی بجائے بایئر کو اپنا حکمران سمجھتا تھا۔ اس سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یعنی ماسکو میں بھی بایئر ریاستی امور میں روڑے اٹکاتے رہتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ ان میں بھی اُمرا کا خون دوڑتا ہے اور ''سماجی لحاظ سے زار کے برابر ہیں''۔ اُمرا نے ریاست کے استحکام کے عمل میں رخنہ اندازی کی۔ اور وہ آہستہ آہستہ اثر ورسوخ میں اضافہ کررہے تھے۔ اپنے عہد کے آغاز میں ایوان iv نے ایسے راستے تلاش کرنا شروع کردیئے جن کے مطابق وہ مضبوط مرکزی حکومت قائم کرسکے۔ بایئر کے خلاف جدوجہد میں ان نے ڈورائینے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ 1564ء میں جب ایوان نے "oprichnina" (ایسا انتظامی ڈھانچہ جس سے اشرافیہ کو استحکام حاصل ہو) کی تشکیل کی تو ریاست کی وحدت قائم کرنے کی جدوجہد ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوگئی۔ 1564ء میں ایوان نے غیر متوقع طور پر ماسکو کو خیرباد کہا اور الیگنڈ رزویسلکا سلوبوڑا کی طرف روانہ ہوا، جو دارالحکومت سے شمال کی طرف زیادہ دور نہیں تھا اور اس نے بایئر کے لیے اعلان کیا کہ اسے زار بنا رہنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ اس نے مطالبہ کیا کہ وہ ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کریگا۔ ایک حصے میں وہ یک وتنہا جیسے چاہے گا حکومت کریگا اور سب سے پہلے وہ ایسے لوگوں کو انتخاب کریگا جو اس کے حامی ہوں گے اور مختلف شعبہ ہائے جات میں اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرسکیں گے زار کی خواہش پر عمل درآمد کیا گیا اور سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک "oprichnina" اور دوسری "Zemshchina" اول الذکر ایوان کے ذاتی اقتدار میں تھی۔ ایوان نے اپنی ریاستی حدود سے بہترین قصبوں اور شہروں، تجارتی گزرگاہوں کو منسلک کیا اور وہاں سے تمام بایئروں کو

نکا باہر کیا اور انہیں ان کے موروثی حق جائیداد سے محروم کر دیا اور بہت ساروں کو پھانسی دے دی۔ وہ جنہیں زیادہ خطرناک نہیں سمجھتا تھا انہیں زمش چائینا دھکیل دیا۔ جہاں قدیم بائیرو کی حکومت تھی یہاں زار نے ایک اور زار کی تخلیق کی، یعنی تا تار سمون بیکبولٹوبچ، جو زار کا زبردست حامی تھا اور زار کے احکامات کی تابع داری کرتا اوایوان کے احکامات سمون کی طرف سے جاری کر دیئے جاتے۔ دراصل ایوان iv ہی سب کا حکمران تھا۔۔۔ اس طرح صوبوں میں بوایئر کی قوت کمزور پڑ گئی۔ اگر چہ انہیں سابقہ زمیندارانہ استحقاق سے محروم نہیں کیا گیا تھا لیکن وہ جنہوں نے زار سے تنازعہ کیا تھا، ان کی حیثیت دوراینے جیسی ہوگئی، لیکن وہ اس میں بھی خوش تھے، زار نے بوایئر کی موروثی زمینوں کو ویوراتے میں تقسیم کر دیا اور انہیں نئی جاگیریں بھی دیں، جہاں کسانوں کی اکثریت تھی۔ جوان کا کام کرنے کے پابند تھے زار کے حامیوں کے لالچی پن اور حریصانہ خواہشات کی کوئی حدود نہیں تھیں۔ انہوں نے بھی بائیروں کی زمینوں پر قبضہ کیا اور کسانوں کی طرف سے کوئی بغاوت ہوئی تو اسے سختی سے کچل دیا۔۔۔ ایوان کے حامیوں نے متوقع بغاوتوں کے خوف سے مختلف علاقوں میں طاقت کے مظاہرے کئے اور سرزمین کو دشمنوں سے صاف کیا۔ ایوان نے بے پناہ ظلم کر کے اصلاحات کا نفاذ کیا، اس کی دلیل یہ دی گئی کہ بائیر مختلف ریاستوں کے نظام کو واپس لانا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ عمل میں وہ اُمراء جنہوں نے وسیع وعریض جاگیریں زار سے حاصل کی تھیں اور زار کو حقیقی قوت فراہم کی تھی انہوں نے ایک طاقتور گروپ بنالیا اور وہ ایوان کی سلطنت کے بنیادی ستون تھے۔

زرعی غلامی:

جیسے جیسے دوراینے کی قوت میں اضافہ ہوا کسانوں کی حالت مخدوش ہوتی گئی۔ ان کی اپنے آقاؤں کے لیے ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا، طاقتور زمیندار انہیں جبری طور پر کام پر لگا سکتے تھے پہلے کسانوں کے پاس اختیار تھا کہ وہ کام چھوڑ کر کسی اور کی زمینوں پر کام کرنے چلے جاتے تھے۔ ایوان نے یہ قانون بدل دیا، اور کسانوں کو ان کی زمینوں پر پابند کر دیا۔ اس سے زرعی غلامی کی بنیاد پڑی۔

وادی وولگا اور مغربی سائبیریا پر قبضہ:

دریائے وولگا، ریاست روس کی مشرقی سرحدوں سے زیادہ دور نہیں، یہ وسعت کے لحاظ سے چوڑا ہے اور یہاں آسانی سے جہاز رانی ہو سکتی ہے اور یہ مشرق کی طرف، ایران اور ترکی کے لیے شاندار راستہ ہے اور بحر کیسپین کے ساحلوں تک اسے استعمال کیا جاتا تھا۔ ابھی تک روسی پورے دریا کی طوالت پر کنٹرول حاصل نہ کر سکے تھے۔ گولڈن ہورڈ کے انتشار کے بعد تا تاروں نے وولگا پر دو خانائیں قائم کیں

کازان اور آسترا کان۔ 1592ء میں، ایوان نے ڈیڑھ لاکھ فوج اور 150 توپوں کے ساتھ کازان کی طرف پیش قدمی کی۔ روسی افواج نے شہر کا محاصرہ کرلیا اور اس مرتبہ روسی جنگی ہتھیار تا تاروں سے بہتر ثابت ہوئے اور روسی افواج کی حکمت عملیاں تا تاروں کی شکست کا باعث بنیں۔ ایوان ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا اور 4 سال بعد اس نے آسترا خان کو بھی فتح کرلیا۔ اس طرح روسی قوت دریائے والگا کی وادی تک پھیل گئی۔ اس سے بحری تجارتی راستے بھی کھل گئے اور انہوں نے مشرقی سرحدوں کو بھی مضبوط بنایا۔ جنوب میں روسی سرحدیں "Terek" کے نچلے علاقوں تک پہنچ گئیں اور کاکسس کے دامن تک، کابارڈا نے رضا کارانہ طور پر خود کو روس کی حفاظت میں دے دیا اور 16 ویں صدی کے وسط میں باشکیریا نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور ان کے پاس ابھی تک سائبیرین خانائین تھیں۔ جو جنوبی سائبیریا کے حصوں ٹوبول، ارتایش دریا کی وادیوں پر مشتمل تھیں، نوگوورڈ کے تاجر یہاں گرم کھالیں لینے کے لیے عموماً آتے تھے۔ 16 ویں صدی میں اس علاقے پر کوچم خان کی حکومت تھی۔ جو مقامی آبادی کا استحصال کرتا اور ان سے گرم کھالوں کی صورت میں نذرانے وصول کرتا۔ سڑوگوتاف خاندان کے روسی دوراینے جو یہاں آبادکاری کے سلسلے میں آتے تھے، انہوں نے روسیوں کے سائبیریا پر قبضے میں مدد دی۔ انہوں نے آزاد کوساکسس پر مشتمل ایک فوج اکٹھی کی۔ یہ وہ کوساکس تھے جو بایئروں کے استحصال سے تنگ آکر یہاں آباد ہوئے۔ انہوں نے بارود، گولیاں، توپیں اور اناج مہیا کرلیا۔ یرماک کی فوج کی کل تعداد آٹھ سو تھی۔ اس مختصر فوج سے اس کو وسیع علاقے پر قبضہ کرنا تھا میں ایوان نے سڑونگاتوف کو اجازت نامہ دیا کہ وہ سائبیریا کو فتح کرے۔ یرماک کے آدمی یوراں کی مشرقی گھاٹیوں سے نیچے اتر آئے اور سائبیریا کی خاناؤں پر حملہ کردیا تا تار، روس کے آتشیں اسلحہ کا مقابلہ کرنے کی حیثیت میں نہیں تھے۔ یرماک نے فتح حاصل کرلی۔ لیکن وہ سائبیریا سے گھر نہیں پہنچ سکا اور دریائے ارتایش میں اس وقت ڈوب گیا جب تا تاروں نے اس پر شب خون مارا، اور وہ اس سے بچ نکلنا چاہتا تھا۔ سائبیریا کے لوگوں نے اپنی مرضی سے روسیوں سے اتحاد کرلیا اور 16 ویں صدی کے خاتمے تک اس علاقے میں روسی شہر اور گاؤں وجود میں آنے لگے۔۔۔ بعد میں 17 ویں صدی مشرق سائبیریا روسی ریاست سے ملحق ہوگیا اور یورپ کے مشرقی حصے یورال سے آگے تک سلطنت میں شامل ہوگئے۔ ایوان (Terrible) کے عہد میں طاقت اور وسعت کے لحاظ سے روسی ریاست کو بے پناہ ترقی حاصل ہوئی۔

ثقافتی ارتقاء اور پرنٹنگ کا آغاز:

15 ویں اور 16 ویں صدی میں روس میں، جس کا مرکز ماسکو تھا کئی ایک ثقافتی حاصلات وجود

میں آئیں۔ایوان کے عہد میں ماسکو میں پہلا چھاپہ خانہ قائم ہوا،ماسکو کا پہلا پرنٹر ایوان فائیڈوروف تھا۔ (1583ء) فوت ہوا، سب سے پہلے چھپنے والی کتابوں میں سے ایک "The acts of apostles" حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے کام" تھی اس وقت جو لوگ خطاطی کے پیشہ سے وابستہ تھے پریس ان کے غیض وغضب کا نشانہ بن گیا۔انہوں نے روزگار چھن جانے کے خوف سے پریس پر حملہ کر دیا اور فائیڈروف بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔لیکن جلد ایوان نے اسے دوبارہ کام کرنے کا موقع دیا اس مرتبہ اس کا چھاپہ دربار کے بالکل قریب ہی تھا۔ایوان فائیڈروف کی یادگار کریملن کے قریب جہاں اس کا چھاپہ خانہ تھا، بعد میں تعمیر کی گئی اس دوران روسی دستکاری کو بھی نشوونما حاصل ہوگئی۔خاص طور پر دھات کی ڈھلائی کا حکم۔۔۔ لوہے کا کام کرنے والے سب سے مشہور آندرے چوکوف (1630ء میں فوت ہوا) تھا۔اس نے توپیں ڈھالنے کا کارخانہ بنایا۔یہ ماسکو میں تھا اور اس کی تیار شدہ ہر ایک توپ امتیازی لحاظ سے خصوصیت کی حامل تھی،40 ٹن وزن کی ایک توپ جس پر زار کی ایک تصویر جس میں وہ گھوڑے پر سوار ہے کنندہ ہے اور اسے یادگار کے طور پر کریملن کے قریب نصب کیا ہوا ہے۔۔۔اس دوران تعمیر ہونے والی کئی ایک عمارات روس کے اعلیٰ فن تعمیرات کا نمونہ ہیں۔باسل کا شاندار کیتھڈرل، جس کی وجہ سے کریملن آج بھی دلکش ہے۔یہ چرچ ایوان کی زیر نگرانی کازان فتح کرنے کی خوشی میں بنایا گیا اور یہ انتہائی خوبصورت عمارات دیکھنے کے قابل ہے۔۔۔اس دور کا ایک مشہور انجینئر فوایدر کون تھا۔اس نے 16 ویں صدی کے دوسرے نصف میں کئی ایک قلعے تعمیر کئے۔یہ وہی انجینئر تھا جس نے وائٹ ٹاؤن کے گرد دیواریں اور اس کی قلعہ بندی تعمیر کی اس سے ماسکو ایک قلعے کی صورت اختیار کر گیا۔اس نے سمولنیسک کی دیواریں اور مینار تعمیر کیا۔اس مقصد کے لیے چھ ہزار کارکنوں کی ضرورت تھی۔16 ویں صدی کے آخر پر ایوان دی گریٹ مینار، ماسکو کی دیواروں کے اندر 250 فٹ بلندی تک تعمیر کیا گیا، یہ مینار فن تعمیرات کا شاندار نمونہ ہے۔یہ مینار گھنٹہ گھر کا کام دیتا تھا، جس پر وقت دیکھنے کی گھڑی نصب تھی اور اس مینار کے اوپر ہر وقت مخبر تعینات رہتے تھے اور یہ دھیان رکھتے تھے کہ کوئی دشمن ماسکو کی طرف تو نہیں آرہا۔

بولوٹینکوف کی قیادت میں کسانوں کی لڑائی:

17 ویں صدی کے شروع میں کئی ایک بغاوتیں ہوئیں۔اس سے قبل کسانوں کی بے چینی کا پیمانہ اس حد تک نہیں بڑھا تھا۔ایک کے بعد دوسری بغاوتیں ہوتی گئیں۔اس دور کو روسی تاریخ میں بغاوتوں کا دور کہا جاتا ہے کسانوں کی سب سے اہم بغاوت (1608) ایوان بولوٹینکوف کی قیادت میں ہوئی۔یہ پرنس ٹیلائے ٹیوسکی کا مزارع تھا۔اپنی جوانی میں وہ اپنے آقا کے چنگل سے بھاگ گیا۔بعد میں اسے تاتاروں نے قیدی بنالیا اور ترکوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔بحیثیت غلام کئی سال تک سخت مشقت

کرنے کے بعد وہ بھاگ کر وینس پہنچ گیا۔۔۔ یہاں اس نے سنا کہ روس میں کسانوں کی ایک بہت بڑی بغاوت پھوٹ پڑی ہے۔ ایوان iv کے بیٹے فائیڈر (1584ء-1598ء) کے عہد میں یہ سب سے بڑی بغاوت تھی، یہ بغاوت مسلسل بورس گوڈوتوف، جو بادشاہ کا قائم مقام منتخب ہوا اور بعد میں زار بن گیا، فوئیڈر تخت کے وارث کے بغیر ہی مر گیا تھا۔ بورس گوڈوتوف کا عہد (1508ء-1605ء) میں تین سال تک قحط پڑا رہا لوگ درختوں کی چھال کھانے پر مجبور تھے بھوک سے نڈھال ہو کر وہ کتے اور بلیاں بھی کھا رہے تھے۔ مزارعوں کے جتھے اپنے آقاؤں سے بھاگ نکلے۔ اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ بے گھر کسانوں کے گروہ وجود میں آ گئے جو کہ ڈورا اپنے اور تاجروں پر حملے کرتے کئی لوگ کام نہاد طور پر خود کو تاج و تخت کا وارث ظاہر کر رہے تھے۔ پولینڈ کے اُمرا کا چیلا جو پہلے راہب تھا گریگوری اوٹر یپاف اس نے خود کو عظیم ایوان کا بیٹا ڈیمڑی ظاہر کیا ڈیمڑی کا روپ اختیار کرنے والے کو پولینڈ کے امراء نے روس کا زار قرار دیا۔ ملک میں زبردست کسانوں کی بغاوتیں ہو رہی تھیں۔۔۔ بولوٹینکوف غلام داری کا زبردست دشمن تھا اور عام آدمی کے مفادات کا زبردست حامی تھا وہ ایک بہادر اور ذہین شخص تھا جسے زندگی کا شاندار تجربہ تھا اور وہ فن حرب کا ماہر تھا۔ جرمن اور پولینڈ کے راستے وہ واپس روس آ گیا۔ 1606ء میں وہ کسان باغیوں کا لیڈر بن گیا استحصال زدہ کسانوں ۔نے اسے بڑی تیزی سے قبول کیا۔۔۔ بولوٹینکوف نے تمام کسانوں کو پیغام بھیجا کہ وہ مالکان اراضی کے خلاف ہتھیار اٹھالیں "بایئرز اور جاگیرداروں کی رہائش گاہیں ان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادیں لوٹ لو وحشی آقاؤں سے اور جو زار کے خدمت گزار ہیں ان سے انتقام لو۔" اس نے ایک کسان لیڈر کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ جس کا نام الیکا مرویئس تھا، یہ کوسک غریبوں کا لیڈر تھا۔ موروڈیونین جو وولگا کے کناروں پر آباد تھے وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ یورال کے سلسلہ کوہ میں بسنے والے باشکرز اور آسٹرا کان علاقے کالا مائیک میں بے چینی بڑھ گئی، بغاوت کے پیچھے سب سے بڑی قوت زرعی غلام کسان تھے۔ ہر زرعی غلام داری اور جاگیردارانہ استحصال کا مکمل خاتمہ چاہتے تھے۔ بولوٹینکوف چاہتا تھا کہ کسان بایئروں کے شکنجے سے نکل کر زمینوں پر قبضہ کر لیں اور ان کی تمام جائیداد باہمی طور پر تقسیم کر لیں۔ اس نے کسانوں کے جاگیرداروں سے آزاد ہونے کا اعلان کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کسان تحریک اپنے عروج پر تھی۔۔۔ بولوٹینکوف کی فوج نے ماسکو کی طرف پیش قدمی کی۔ اور ماسکو کے باہر خیمے لگا لیے۔ نیا زار وسیلے شوئیسکی (1552-1612) ان سے جنگ لڑنے کے لیے باہر نکل آیا۔۔۔ ماسکو پہنچ کر بولوٹینکوف کی فوج میں غداری پیدا ہو گئی۔ کچھ دور اپنے جو رائیذ ان سے تعلق رکھتے تھے وسیلے شوئیسکی کی طرف ہو گئے۔ بولوٹینکوف کی فوج میں غداری پیدا ہو گئی۔ بولوٹینکوف ماسکو سے مراجعت کرنے پر مجبور ہوا اور اس نے تولا کے قریب اپنی افواج کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ جون 1607ء میں شوئیسکو تولا کا محاصرہ کر لیا۔ اکتوبر میں طولا میں قحط پھیل گیا اس کے باوجود بولوٹینکوف کے فوجی حالت جنگ میں رہے۔

تب زار نے حکم دیا کہ شہر کے قریب دریا او پا پر بند باندھ دیا جائے۔ اس سے شہر میں سیلاب آ گیا۔ اکتوبر میں سقوط شہر ہو گیا۔ بولوٹینکوف کی آنکھیں نکال دیں گئیں اور اسے پانی میں ڈبو دیا گیا۔ بغاوت کو بے رحمانہ طور پر کچل دیا گیا۔

پولینڈ اور سویڈن کے اُمراء کے خلاف عام آدمی کی جدو جہد:

(17 ویں صدی کے آغاز میں) اپنی افواج کے ذریعے جب زار و سلے شوئیسکی کسانوں کی بغاوت کو کچلنے میں ناکام ہوا تو اس نے سویڈن کے بادشاہ کی طرف مدد کے لیے دیکھا۔ 1609ء کے موسم بہار میں غیر ملکی فوج زرہ بکتر پہنے ہوئے تو گورڈ کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ یہ افواج سویڈن کے بادشاہ کی طرف سے بھیجی گئیں تھیں۔ ان کی کل تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی جو جرمن، فرانسیسی، انگریز ورسکاٹ لینڈ کے فوجیوں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے جلد ہی تو ورگورک کا مکمل صوبہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس وقت سویڈن کی پولینڈ سے سخت ناچاقی تھی۔ جیسے ہی سویڈن کے فوجیوں نے روسی سرحد عبور کی۔ پولینڈ کے فوجی بھی روس میں داخل ہو گئے پولینڈ کے اُمرا بھی لوٹ مار میں سے حصہ مانگ رہے تھے۔ پولینڈ والے روس میں بہت آگے تک نکل گئے کلوشنید (ایک گاؤں) کے مقام پر شوئیسکی کے فوجیوں کو شکست ہوئی۔۔۔ جولائی 1610ء میں ماسکو کے بایئروں نے شوئیسکی کو اقتدار سے محروم کر دیا اور انہوں نے آخر کار فیصلہ کیا کہ کسی غیر ملکی شہزادے کو زار منتخب کر لیا جائے۔ چنانچہ پولینڈ کے بادشاہ سگمنڈ سوم (1587-1632) کے 15 سالہ بیٹے ولادی سلاؤ کو نیا زار منتخب کر لیا۔۔۔ اس دوران پولینڈ کی افواج ماسکو کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اس وقت اقتدار سات بایئروں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کا اقتدار غیر موثر ثابت ہو رہا تھا۔ انہوں نے کیتھڈرل میں ملاڈے سلاؤ کی وفاداری کا حلف دیا۔ اور شہر کے دروازے پولینڈ کے امرا کے لیے کھول دیئے 1610ء کے موسم خزاں میں پولینڈ کے فوجیوں نے ماسکو پر قبضہ کر لیا اور ان کے جنگجو آقا ملک کے نئے حکمران بن گئے ماسکو غیر ملکی آقاؤں کے قبضے میں تھا اور پولینڈ کے امرا نے خود کو کریملن میں آباد کیا۔ وہاں محافظ تعینات کیے اور شہر کی چابی اپنے پاس رکھ لی۔ کسانوں پر پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ شہر میں داخل نہیں ہو سکتے اور شہر میں رات کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ پولینڈ کی فوج نے ماسکو کے گرد و نواح میں آباد لوگوں کی لوٹ مار کی اور انہیں دہشت زدہ کیا۔ اُمراء نے شاہی محلات میں سے گراں قدر اشیا چوری کر لیں اور بڑی بڑی جاگیریں اپنے ساتھیوں کو عطا کر دیں۔۔۔ سویڈن والوں نے اس دوران نورگورڈ پر قبضہ کر لیا۔

مینا ئین اور پوزارسکی کی قیادت میں عوامی بغاوت:

غیر ملکی حملہ آور روسی ریاست کی توڑ پھوڑ کر رہے تھے۔ عام آدمی غیر ملکی حملہ آوروں کے لیے مزاحمت کا سبب بنتے رہتے تھے شمالی روس کے کئی علاقوں میں کسانوں کی طرف سے اور عام آدمیوں کی طرف سے وسیع طور پر تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور جلد ہی اس تحریک کا مرکز وولگا کے کنارے نتریتی نوگوروڈ بن گیا۔ اس تحریک کی قیادت نتر ھاتے نوگورڈ کے میئر کے ہاتھ میں تھی (کوزما مینائن)(1616ء) پولینڈ فوجیوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لیے ایک بڑی فوج درکار تھی اس کے ساتھ مالی وسائل کی بھی ضرورت تھی۔ میئر مینائن نے لوگوں سے کہا ''کسی بھی چیز کا خیال مت کرو، ہم اپنے مکانات بیچنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ ہماری بیویوں بچوں کو بھی کرائے پر دے دو اور سپاہیوں کے دینے کے لیے رقم اکٹھی کرو۔'' ملک کے دیگر حصوں سے دولت لے کر لوگ مینائن لائے۔ لوگوں نے عطیہ کے طور پر ہر شے مزاحمتی تحریک کے حوالے کر دی، کچھ علاقوں سے فوجی دستے بھی آئے اور جلد ہی ایک طاقتور فوج تیار ہوگئی۔۔۔ ایک تجربہ کار کمانڈر شہزادہ ڈیمڑی پوزارسکی (1578-1642) کو فوج کی کمان کرنے کے لیے منتخب کیا گیا۔ 1612ء میں روسی افواج یاروسلاؤ کی طرف پیش کرنے لگیں جہاں ان کے ساتھ ملک کے دوسرے حصوں سے آنے والی افواج بھی مل گئیں۔۔۔ کچھ خطرناک خبریں مینائن اور پوزارسکی پہنچنے لگیں۔ پولینڈ کی تازہ دم فوج ماسکو والوں کی مدد کے لئے چوڈ کیواسز کی قیادت میں روانہ ہوئی۔ لیکن مینائی اور پوزارسکی چاہتے تھے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے ماسکو پہنچا جائے۔۔۔ اسی دوران، کسانوں اور کوسکوں کے دستے ماسکو کے گردونواح میں خیمہ زن تھے۔ کیونکہ کئی ایک کسان بغاوتیں ملک کے مختلف حصوں میں ابھی تک جاری تھیں۔ پہلے پہل یہ کسان کسی صورت میں بھی پوزارسکی کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھے اور پھر وہ ماسکو سے دور چلے گئے۔ تاہم بقایا کسانوں نے غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف عوامی جدوجہد کا ساتھ دیا۔ اسی قوت نے جنگ میں اہم کردار ادا کیا۔ چوڈ کیواسز کو پیچھے مار بھگایا گیا اور مینائن اور پوزارسکی کی فوج نے ماسکو کا محاصرہ کر لیا۔ نومبر کے آخر پہ پولینڈ والوں کو ایک بار اور ہمیشہ کے لیے شکست دے دی گئی اور یہ کامیابی عام آدمی کی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ تھا۔

○

باب:17

ایشیا (سولہویں اور سترھویں صدی میں)

ہندوستان:

جزیرہ ہندوستان میں 16 ویں اور 17 ویں صدی میں جو بڑی ریاستیں وجود میں آئیں وہ شمال میں مسلمان بادشاہوں مغلوں کی ایک حکومت تھی اور جنوب میں ہندو سلطنت وجے انانگر تھی۔ ان دونوں سلطنتوں میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن کے الگ الگ حکمران تھے اور سیاسی مراکز بھی۔ مختلف النسل باشندوں اور مذہبی تشکیل کے باوجود یہ ایک مشترکہ سماجی اور اقتصادی ڈھانچے میں بندھے ہوئے تھے، شمالی اور جنوبی سلطنتوں کی اقتصادی ترقی کے دو مختلف راستے تھے جنوب میں تجارتی شہروں کو نشوونما حاصل ہوئی، حقیقی کمیون ٹوٹ پھوٹ چکے تھے بڑی تعداد میں جاگیردار وجود میں آ گئے جو قطعاتِ اراضی کسانوں کو کرائے پر دیتے ان جاگیرداروں کو فوجی خدمات کے عوض جائیدادیں دی جاتیں ماسوائے ان جاگیروں کے جو مندروں اور دیگر مذہبی عبادت گاہوں کے نام وقف تھیں۔ لیکن مرکزی حکومت اور انتظامیہ پوری طرح منظم نہیں تھی جنوبی سلطنت کا انتشار 16 ویں صدی کے آخر میں شروع ہوا، جو آخرکار اس سلطنت کی تباہی پر ختم ہوا، شمالی ہندوستان میں کئی ایک واقعات مختلف صورتوں میں پیش آئے یہاں جنگ کے مسلسل خطرے نے اور نظامِ آبپاشی کی ضرورت نے ایک مضبوط مرکزی حکومت کو جنم دیا۔ جہاں تک قصبوں کا تعلق ہے یہ انتہائی اہم ہے کہ وہ اندرونی تجارت پر انحصار کرتے تھے۔ شمال میں ایک ترقی یافتہ مضبوط مرکز کی حامل مغلیہ سلطنت وجود میں آئی اس سلطنت کی مجموعی ترقی کی ایک اہم وجہ سلطنت کے بین الاقوامی تجارتی رابطے تھے جو 16 ویں صدی میں قائم ہوئے، جب پرتگیز قزاقوں نے سمندروں پر اپنی بالادستی قائم کر لی اس کے علاوہ یہ بھی اہم بات ہے کہ مسلمانوں کو اقتدار مضبوط کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ یہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔

مغلیہ سلطنت:

یہ تمام حالات کابل کے حکمران اور باصلاحیت کمانڈر بابر کیلئے انتہائی سودمند ثابت ہوئے، جس نے اپنی تمام کوششوں سے ایک مرکزی حکومت قائم کی۔ شمالی ہندوستان کے ہندو اور مسلمان حکمرانوں کی سلطنتوں پر تسلط قائم کیا اور انہیں شکست دی اور ایسی ریاست کی بنیاد رکھی جسے یورپ میں مغل ایمپائر کہا جاتا تھا۔ بابر ایک مضبوط ریاستی ڈھانچہ تشکیل دینے کیلئے زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا۔ شیر شاہ سُوری جو ایک طاقتور حکمران تھا (1539ء تا 1545ء) نے ایک مرکزی استحصالی نظامِ معیشت قائم کیا، وہ تمام لوگ جو زراعت پیشہ تھے وہ حکومت کے دستِ نگر تھے ہر ایک کسان ایک مخصوص طے شدہ زمین کا کرایہ ادا کرتا، شیر شاہ کے دور میں کئی ایک کسٹم ڈیوٹیاں ختم کر دی گئیں، سکہ کے نظام کو ترقی ہوئی، اہم سڑکیں تعمیر ہوئیں اور ایک مرکزی ریاستی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا، مالکانِ اراضی ریاستی خدمات ادا کرنے کے پابند تھے۔ جاگیردار طبقے کا استحکام اور واضح انتظامی نظام نے مغلوں کو ترغیب دی کہ وہ ہندوستان کو متحد اور یکساں کریں، تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے یہ اتحاد پہلے ہی موجود تھا۔ اکبر نے (1556ء تا 1605ء) سارے شمالی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان کے شمالی علاقوں پر حکومت کی، ان فتوحات کے نتیجے میں ایک ایسا جاگیردار طبقہ وجود میں آ گیا جو مفتوح مسلمانوں اور ہندوؤں پر مشتمل تھا۔ ریاستی پالیسی مرکزی قوت کو استحکام دینے کی طرف مرکوز رہی۔ اس عمل میں چھوٹے جاگیرداروں نے بھی حکومت کی حمایت کی، انکا مذہب خواہ کچھ بھی تھا مغلیہ سلطنت اور حکمرانوں کے سب سے بڑے حامی راجپوت تھے اور یہ ہندو تھے۔ شمالی ہندوستان کے تاجر بھی اتحاد کے سب سے بڑے حامی تھے چنانچہ ملکی اتحاد نے اقتصادی ترقی میں زبردست اضافہ کیا ایک طے شدہ ٹیکس اور کرائے کا نظام جاری کیا گیا، دیہاتوں میں کسانوں کے کمیون غائب ہو گئے۔ پورے ملک میں اس کی جگہ لینے کیلئے دو گروپ وجود میں آ گئے ایک خوشحال اقلیت اور بے زمین کسانوں کی اکثریت جو زمینوں پر معاوضے پر کام کرتی تھی تاہم کمیون سسٹم کا خاتمہ بتدریج ہوتا رہا۔ قصبوں میں دستکاروں نے جو اشیاء بنوائیں وہ دیہاتوں میں قبول کی گئیں اس طرح دیہاتوں کے دستکاروں کی جگہ قصبوں کے دستکاروں نے لے لی...... شمالی ہندوستان کے بڑے شہروں کا ارتقاء اس پر تھا کہ کیا انکا انحصار مرکز پر ہے یا نہیں جاگیردار مقامی مراکز کے گرد جمع ہو گئے اور وہ اپنے نوکر چاکر بھی ساتھ لے آئے اور ساتھ اپنے رسم و رواج بھی۔ شہری دستکاری کا معیار بلند ہوا۔ شہری انتظامیہ کا انتظامی ڈھانچہ خودمختار انتظامی صورت اختیار کر گیا۔ قصبوں کے باشندے ذات پات کی وجہ سے عدمِ مساوات کے خلاف احتجاج کرنے لگے۔ سب سے اہم مذہبی تحریک جو اس وقت اُٹھی بھگتی تحریک تھی انہوں نے خدا کے سامنے سب کے مساوی ہونے کے نظریے کی وکالت کی۔ انہوں نے اپنی مہم میں پُرامن ذرائع استعمال

کیے اس تحریک کے مقاصد میں ذات پات اور عدمِ مساوات کی نفی کرنا تھا بڑے بڑے جاگیردار جو غریبوں اور نچلے طبقات کو کمتر قرار دیتے تھے اس تحریک سے خوفزدہ تھے اگرچہ پہلے پہل یہ تحریک پُرامن اور عدمِ تشدد پر کاربند رہی اور مغلوں نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن سکھ سماجی مساوات کے مطالبات میں زیادہ آگے نکل گئے اور طاقت کا استعمال کرنے لگے، قصبوں کے مسلمانوں میں بھی اس طرح کی تحریکیں اٹھیں (محدث تحریک) 16ویں صدی کے پہلے نصف میں یہ لوگ اقتصادی مساوات اور سماجی مساوات کے لیے سلطنت کے قیام کا مطالبہ کرتے رہے، قصبوں کے غریبوں نے ان تحریکوں کا ساتھ دیا لیکن جلد ہی اس تحریک کو کچل دیا گیا۔ اس دور کی اصلاحاتی تحریکیں جو دیہاتوں تک پھیل گئیں ان میں سب سے اہم افغان کسانوں کی (Roshanite) روشنائی تحریک تھی۔ یہ افغانستان کے حکمران جاگیرداروں کے خلاف ایک احتجاج تھا یہ سابقہ کمیونوں کی بحالی کا مطالبہ کررہے تھے یہ لوگ امراء کے خلاف تھے۔ اس دور میں اندرونی بے چینیوں کے نتیجے میں جاگیردارانہ حکومتوں نے کئی اصلاحات کا اعلان کیا اس کا مقصد مخالف تحریکوں کو مسلح بغاوتوں میں تبدیل ہو جانے سے روکنا تھا ان اصلاحاتوں سے زیادہ استحصال کیلئے منظم طریقے اختیار کیے گئے زمین کی ملکیت کے جاگیردارانہ ڈھانچے کو استحکام دیتے ہوئے اور ایک مرکزی انتظامی ریاستی ڈھانچہ کی تشکیل کیلئے سارے ملک میں ایک طے شدہ کرائے کا نظام رائج کیا گیا۔ پہلے پہل اس سے کسانوں کی زندگی میں بہتری آئی تاہم ٹیکس وصول کرنے والے ادارے وصولی کے سلسلے میں پُرتشدد طریقے اختیار کرنے لگے ٹیکس نقد رقم کی صورت میں عائد کیا گیا اور لوگوں کیلئے پریشانی یہ تھی کہ نقد رقم کا حصول مشکل تھا اس سے لوگوں میں غربت اور ابتری پھیل گئی اور مغلیہ سلطنت کے لیے مصیبتیں کھڑی ہوگئیں۔ 16ویں صدی کے دوسرے نصف میں ریاستی خدمات کرنے والے جاگیرداروں سے کسانوں کا براہِ راست استحصال کرنے کا حق چھین لیا گیا۔ ان کسانوں سے مرکزی حکومت کے اہلکار ٹیکس وصول کرتے تھے مشروط ملکیتِ زمین کے طریقہ کار نے جائیدادوں کو موروثی کیے جانے کے عمل کو روک دیا اور یہ جاگیرداروں کے لیے باعثِ پریشانی بن گیا، انہوں نے اس وقت تک بغاوت نہیں کی جب تک کہ حاصل شدہ ٹیکس سے ان کو دیئے جانے والے حصے کو برقرار نہیں رکھا گیا۔ مشروط ملکیتِ زمین ابھی تک ایک قوت تھی...... اس دوران ہندو اور مسلمانوں کو برابری کے حقوق دیئے گئے اور اس مذہبی صورت کو پورے ملک پر نافذ کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان تمام اقدامات سے جاگیرداروں کو تو متحد کیا جا سکا لیکن کسانوں کی حالت ابتری کا شکار رہی لیکن اس کے باوجود ریاستی مشینری اور مسلح افواج کی حالت کمزور ہوتی گئی اس کمزوری کا اظہار یورپی ملکوں سے تعلقات کے سلسلے میں بھی ملتا ہے کئی ایک ساحلی علاقوں میں پرتگال والوں نے اپنے مضبوط اڈے قائم کر لیے اور یہ کئی شہروں میں پھیل گئے جبکہ انگریز، ڈچ اور فرانسیسی تاجر کمپنیاں پورے ملک میں قلعہ بند تجارتی مراکز قائم کرنے میں کامیاب

ہوئیں۔

چین: (16 ویں اور 17 ویں صدی میں)

چین نے منگ خاندان کے زیرِ اقتدار بتدریج ترقی کی۔ 16 ویں صدی کے شروع میں کسانوں کو زمینوں کی الاٹمنٹ کا نظام ٹوٹنے لگا ریاستی خدمات کے عوض حاصل شدہ جاگیریں، طاقتور جاگیردار امراء اور بادشاہوں نے خود بڑی بڑی جاگیریں تشکیل دیں تا کہ زرخیز زمینوں پر زیادہ سے زیادہ قبضہ کیا جاسکے اس عمل میں کسانوں سے ان کی ملکیتیں چھین لی گئیں۔ بھوک نے کسانوں کو مزارع بننے پر مجبور کر دیا وہ مالکانِ زمین کو کرایہ اور ریاست کو ٹیکس ادا کرتے۔ ٹیکسوں کا بڑا حصہ نقد رقم کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا یہ نظام دیہاتی زندگی میں مستحکم ہو گیا۔ منگ عہد کے پہلے ڈیڑھ سو سال اندرونی معاملات کے سلسلے میں نسبتاً پُر امن رہے، اقلیت (غیر ھان) کی طرف سے بغاوتیں ہوتی رہتیں جو زبردست استحصال کا شکار تھے۔ جنس اور زر کا ارتقاء ساہو کاروں کی بڑھتی ہوئی طاقت، کسانوں کی گھریلو صنعت کے ساتھ منسلک تھی، دیہاتوں اور شہروں میں دستکار انجمنیں، مینوفیکچرر اور ریاستی ملکیتی صنعت وغیرہ کا ارتقاء ہوا۔ بارُود ایجاد کیا گیا اور اس عہد میں پہلا اخبار جاری ہوا، چینی ملاحوں نے طویل غیر ملکی مہمات کیں۔ 16 ویں صدی میں یورپ والوں نے چین کا رُخ کیا اور چین میں یورپی ثقافت کا تعارف ہوا۔ 16 ویں اور 17 ویں صدی میں منگ حکمرانوں کی خارجہ پالیسی ایک دفاعی انداز میں تھی، شمالی چین میں منگولوں کے مسلسل حملے جاری تھے، مشرق کی طرف سے جاپانی حملے کرتے اور سترہویں صدی کے شروع میں منچوریا والوں نے شمال مشرق کی طرف سے حملے کیے..... صورتِ حال اس وقت انتہائی خطرناک ہو گئی جب حکمران طبقے کے مختلف گروپوں کے تنازعات میں اضافہ ہوا، اس کے علاوہ استحصال زدہ کسانوں میں بغاوتیں بھی اس صورت حال میں کشیدگی کا باعث بن رہی تھیں درمیانے اور نچلے درجے کے انتظامی افسران جن کا تعلق ریاستی افسر شاہی سے تھا ریاستی جاگیرداروں کے خلاف ہو گئے لیکن ان کی طرف سے بغاوت کی کوششیں ناکام ہوئیں اس وقت کوئی بھی بڑے پیمانے پر بغاوت نہیں ہوئی تھی اس لیے حکمرانوں کی طرف سے بھی اصلاحات نہیں کی گئیں، نچلے اور درمیانے جاگیرداروں کی سفارش پر بادشاہوں نے ذاتی طور پر کئی اصلاحات کیں تاہم یہ کوششیں غیر موثر تھیں کہ کسانوں میں بغاوت کی لہریں اٹھنے لگیں۔

چین میں کسانوں کی لڑائی:

1628ء میں ابھی کچھ اصلاحات ہوئی تھیں کہ بادشاہ جاگیرداروں کی قوت کو زیرِ اثر نہ رکھ سکا اس کے علاوہ وسیع پیمانے پر افلاس زدہ کسانوں کی طرف سے بغاوتیں ہونے لگیں اس وقت سرکاری

افواج منچوریائی حملوں کے خلاف مصروف عمل تھیں کہ کسانوں کے کئی جتھے ایک اجتماعی صورت اختیار کر گئے۔1636ء سے کسانوں کی قوت اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ جاگیردار طبقہ، کسانوں کے مسئلے پر اپنے خیالات بدلنے لگا۔ یہ ممکن تھا کہ وہ کسانوں کی بغاوتوں کو ظالمانہ طور پر کچل دیتے، لیکن انہوں نے کئی ایک رعایتیں دے دیں۔ تاہم 1639ء میں کسانوں نے پہلے سے زیادہ قوت میں، احتجاج کا مظاہرہ کیا۔ لی زوچنگ کی زیرِ کمان باغیوں نے شاہی فوج کو شکست دی اور دارالحکومت پر قبضہ کرلیا اور لی زوچنگ کی بادشاہت کا اعلان کردیا، کسانوں کی ابتدائی تحریکوں سے مختلف (1644ء-1639ء) باغیوں کی جدوجہد کے نتیجے میں ایک مرکزی ریاستی انتظامی ڈھانچے کا قیام عمل میں آیا۔ سول اور فوجی انتظامیہ میں بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ کسانوں کی حکومت نے اقتصادی نظام میں کئی تبدیلیاں کیں۔ تاکہ معیشت کو مضبوط بنایا جاسکے۔ باغیوں نے جلد ہی دریائے زرد کے نچلے اور وسطی علاقے پر اپنا قبضہ مضبوط کرلیا۔ جنوب کی آبادی "Yang ze" نے بغاوت میں کم حصہ لیا۔ طاقتور امرا نے اپنی امیدیں ووسانگ ہوکی افواج پر قائم کررکھی تھیں جو کہ اس وقت شمالی سرحدوں پر منچوریائی حملوں کے خلاف تعینات تھا، چینی امرا جو اپنی قوت پر انحصار کرنے سے خوفزدہ تھے۔ ہوسانگ ہو، جوان کا سربراہ تھا۔ اس نے ملکی مفادات سے غداری کی۔ صرف اپنے استحقاق کی خاطر انہوں نے منچوریا والوں سے اتحاد کرلیا تاکہ کسانوں کے اقتدار کو ختم کیا جاسکے، منچوریا اور ووسانگ ہوکی مشترکہ افواج نے کسانوں کی حکومت کو دارالحکومت اور اس کے گردونواح سے نکال باہر کیا جب منچوریائی دارالحکومت میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے سربراہ کو چین کا بادشاہ قرار دے دیا۔ دریائے ینگ سی کے جنوب میں چینی امراء نے ینگ خاندان کے ایک فرد کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ کسان باغیوں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی لیکن ان کی قوت پہلے ہی ٹوٹ چکی تھی لیکن جب لی زوچنگ اور اس کے آدمیوں کو کئی شکستوں سے دوچار ہونا پڑا تو ریاستی انتظامی ڈھانچہ اور کسانوں کی فوج ڈھیر ہوگئی۔ 1645ء میں لی زوچنگ کو قتل کردیا گیا۔ اس کی موت سے جاگیردارانہ عہد اور منچوریائی اقتدار کا آغاز ہوا۔

جنوبی مشرق ایشیا: (16ویں اور 17ویں صدی میں)

سولہویں صدی کے شروع میں، اس علاقے کے اکثریتی لوگوں کی ریاستیں تقریباً اتنے ہی علاقے پر محیط تھیں جتنے کہ آج پر ہیں۔ اس کا اطلاق انڈونیشیا، ویت نام، کھمیر، برما، تھائی، لینڈ، فلپائن اور ملایا پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی ریاست مرکزیت کے ساتھ موجود نہیں تھی۔ علاقائی حکمرانوں کے درمیان مستقل تنازعات چل رہے تھے۔ جنوب مشرق ایشیاء کی اکثریتی ریاستیں، ایک ترقی یافتہ جاگیردارانہ شکل میں تھیں۔ زمینوں کی ملکیت ریاستی تھی۔ ریاستی افسر شاہی موجود تھی اور مالکان زمین کا طبقہ ایک تشخص

اختیار کر رہا تھا۔ ان ریاستوں کے مخصوص خدوخال میں بڑے واضح کمیونوں کا وجود تھا اور وہ بہتر طور پر عمل کر رہے تھے۔ سب سے اہم آبپاشی کا نظام، مرکزی شہنشاہیت کی عدم موجودگی، ثقافت کی واحدانیت علیحدہ اقتصادی اور معاشی مرکزیت کا فقدان وغیرہ، ان جاگیردار ریاستوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ترقی یافتہ جاگیردارانہ ریاستیں، مثلاً ویت نام اور وسطی انڈونیشیا جہاں بہتر طور پر ترقی یافتہ زراعت جو ایک محدود علاقے میں تھی، دیہاتی علاقوں میں آبادی میں اضافے کا باعث بنی اور ایک پیچیدہ قسم کے جاگیردارانہ نظام کا اجرا ہوا، ان علاقوں کے حکمرانوں نے فوجی مہمات کیں جس سے زمینوں کا جزوی طور پر بندوبست ہوا، اور مفتوح لوگوں کو یکجا کیا گیا۔ دوسری قسم انتہائی قریبی طور پر جاگیرداری سے مُنسلک ہے، کمبوڈیا اور سیام جہاں غیر زرعی زمینوں کے وسیع وعریض علاقے تھے اور یہاں زرعی دست نگر کسان انتہائی قیمتی تھے جو پیداواری عمل میں اضافے کا باعث بنتے، زیادہ سے زیادہ کسانوں کو ان زمینوں پر آباد کر کے پیداوار حاصل کرنا زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ تیسرا گروپ برمائی ریاست آوا، لاوس کی ریاست، سلطنتِ فلپائن اور ملایا جزیرہ نما اور مغربی ملایا ان ریاستوں کی اکثریت میں ریاستی انتظامیہ ان جاگیردار امراء پر مشتمل تھی جو قبائل سرداری سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ جاگیردارانہ زراعتی ڈھانچہ خصوصاً زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھا اور آبادی کی اکثریت قبائلی رسم و رواج کے تحت زندگی گزارتی تھی۔

ریاستِ ڈیئویٹ DAIVIET:

ان تمام ریاستوں میں، جو ریاست اقتصادی ترقی کے لحاظ سے انتہائی ترقی یافتہ تھی وہ ویت نامی ریاست ڈیئویٹ تھی اور انڈونیشیائی ریاست، ماجہ پاہٹ، 13 ویں صدی میں ڈائیویٹ تین منگول حملوں کو روکنے میں کامیاب ہوئے۔ 14 ویں صدی کے شروع 15 ویں صدی کے آخر میں اصلاحات کا اعلان کیا گیا جس کے تحت زمین کی ریاستی ملکیت کے نظام کو متعارف کروایا گیا اور افسر شاہی کے چھوٹے اور کم درجے کے افسران کے کردار کا تعین کیا گیا۔ 15 ویں صدی میں زبردست اقتصادی اور زراعتی ترقی ہوئی اور ایک مرکزی ویت نامی ریاست تشکیل پا گئی۔ اس کے ساتھ ریاست جنوب اور مغرب میں وسعت کے لحاظ سے پھیل گئی، 16 ویں میں کمیون کا زراعتی نظام انتشار کا شکار ہونے لگا۔ اس سے چھوٹی اور درمیانے درجے کی جاگیریں وجود میں آنے لگیں جو کہ جنگجو افسران کو دی جاتیں۔ 16 ویں صدی کے آخر اور 17 ویں صدی کے پہلے نصف میں ریاستی افسر شاہی اور مرکزی حکومت آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگیں۔ 17 ویں صدی میں ڈیئوٹ ریاست کے دو مراکز دیکھنے میں آئے، ایک شمال میں اور دوسرا جنوب میں، ایک طویل جدوجہد کے بعد ملک واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ یہ لی LEE خاندان کی برائے

نام حکومت تک آزاد رہا۔

ماجاپاہٹ سلطنت:

انڈونیشیا کی تاریخ نے بڑا مختلف راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ ریاست جزیرہ جاوا کے گرد پروان چڑھتی رہی ہے۔ جہاں ماجاپاہٹ سلطنت 13 ویں صدی کے شروع تک واضح ہو چکی تھی۔ (1239ء) متحدہ ریاست کی تشکیل جو کہ زیادہ تر اپنا مرکزی مقام جاوا رکھتی تھی۔ تیزی سے ترقی کرتی گئی کیونکہ جاوا کے دیگر دوسرے جزائر کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے اس کے علاوہ یہ ان جزائر کا ثقافتی مرکز بھی تھا ساتھ یہ بھی کہ جاوا میں چاول کی پیداوار زیادہ ہوتی تھی اور یہ چاول زیادہ تر دیگر جزائر کو برآمد کیے جاتے اس کے عوض کئی اشیاء جاوا آئیں۔ جاوا اپنے سیاسی تجارتی، ثقافتی تعلقات کی وجہ سے تمام جزائر کا مرکز رہتا تھا اس کے علاوہ یہاں سے دیگر جزائر کے خلاف کامیاب فوجی مہمات کی گئیں۔ ان ترقیوں کے عمل میں ایک باصلاحیت سیاست دان گاڑھا ماڈھا(GADJAH MADA) سامنے آئے اور یہ ماجاپاہٹ سلطنت کا 1328ء تا 1364ء تک بادشاہ رہا۔ طویل جنگوں کے ایک سلسلے کے بعد وہ جاوا کے جاگیرداروں کے مفاد میں ایک یکساں پالیسی نافذ کرنے میں کامیاب ہوا، اس نے مغربی جاوا کو فتح کیا۔ سماٹرا کے ساحلوں، جزیرہ نما مالاکانا کے مغربی حصے، بانگا، اور میناوائی جزیرے، کالی مینٹسن کے جنوبی اور شمالی ساحل، بانڈا جزائر، مالوکس اور دوسرے جزیرے ان تمام علاقوں میں جاگیردار ماجاپاہٹ سلطنت کے منصب دار بن گئے۔ زراعت کے جاگیردارانہ ڈھانچے کے ظہور نے زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پرائیویٹ زمین، عبادت گاہوں کی زمین اور کمیون کی زمین وغیرہ۔ جاگیردار طبقے میں ایک طاقتور طبقہ مالکانِ زمین کا اُٹھ کھڑا ہوا، انہیں دربار میں اہم مقام حاصل تھا اور وہ عام طور پر حکمرانوں کے رشتہ دار تھے۔ اور دوسری طرف ان مالکان زمین کا بھی کافی احترام تھا جنہیں زمین ان کی خدمات جو کہ انہوں نے ریاست کے لیے ادا کیں، اس کے عوض عطا کی گئی تھیں۔ ریاست کا مرکزی ڈھانچہ اس نیت کے تحت بنایا گیا کہ زمین کی تقسیم اور زمینداری کے نظام کی حفاظت کی جا سکے کیونکہ زراعت ہی اہم ذریعہ تھا۔ جس سے حکومت کو ٹیکس آمدن ہوتی۔ عدالتوں اور پولیس کے نظام کو باہمی طور پر مربوط کیا گیا۔ ضابطہ قوانین جاری کیا گیا۔ 14 ویں صدی جنگ اور اصلاحات کی صدی تھی۔ جس میں عہد وسطیٰ کے انڈونیشیا کا ثقافتی نشوونما کا زمانہ تھا۔ عظیم شاعرانہ نظم "Negara Karatagama" اس دور میں لکھی گئی۔ اس دور میں کئی ایک اور آرٹ کے نمونے تشکیل ہوئے اور متاثر کن عبادت گاہیں تعمیر ہوئیں۔ اسی دوران ہندوستانی ثقافت کا اثر، زوال پذیر تھا۔ اگر چہ اس عہد میں ذات پات کا نظام اور اس کے متعلق قوانین اور ضابطے موجود تھے۔ پندرہویں صدی کے وسط میں ساحلی مسلم ریاست جزیرہ نما مالاکا تا اور سماٹرا زیادہ آزاد ہوئے اور ماجاپاہٹ کی غیر ملکی

تجارت کے لیے خطرہ بن گئے۔ 15 ویں صدی کے خاتمے تک ماجاپاہٹ حکمران اپنی علاقائی حکمرانی کھو بیٹھے۔ جو زیادہ تر جزیرے تھے جاوا کا شمالی حصہ بھی ان سے چھن گیا۔ 16 ویں صدی کی دوسری دھائی میں شمالی جاوا کے تاجروں کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہوا اور انہیں اقتدار میں زیادہ سے زیادہ حصہ ملنے لگا۔ جلد ہی نئی دشمنیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جب سلطنت ماتارام نے اپنی علیحدہ مرکزی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کوششیں ناکام ہوئیں۔

پرتگیزی فتوحات:

1511ء میں مالاکاتا کو پرتگیزیوں نے فتح کرلیا جنہوں نے دنیا کے اس خطے میں تجارتی غلبہ حاصل کرنے کی مہم شروع کررکھی تھی، پرتگال والے مالاکاتا میں اپنا تجارتی گڑھ بنانے میں کامیاب ہوئے جہاں گرم مصالحہ کی فراوانی تھی، کئی دوسرے جزیروں میں بھی پرتگیزیوں کا قبضہ ہو گیا، جب پرتگیزیوں نے بحری راستوں پہ کنٹرول حاصل کرلیا تو مقامی تاجروں کو نقصان ہوا، اس طرح جاگیرداروں اور زمینداروں نے اپنے تجارتی خسارے پورے کرنے کے لیے کسانوں کا زبردست استحصال شروع کر دیا۔ اس سے انڈونیشیا کی ریاستی قوت میں کمزوری واقع ہوگئی____ ڈچ تاجروں کے پہنچنے سے انڈونیشیا کی صورتحال میں یکسر تبدیل ہوگئی۔ (1603ء) مولوکا جزائر پر قبضہ کرنے کے بعد اور مقامی راجاؤں کو زیرنگیں کر کے نیدرلینڈ، ایسٹ انڈیا کمپنی نے پورے ملک میں قلعہ بندیوں کا نظام تشکیل دیا، کمپنی کا انحصار جزائر میں ان کی تجارتی لوٹ کھسوٹ پہ تھا۔ ڈچ تاجروں نے جاوا کے شمال مغربی ساحلوں پہ اپنے مراکز قائم کر کے تجارت کی اور انہوں نے باٹاویا قصبے کی بنیاد رکھی، ڈچ تجارت ہر لحاظ سے نشوونما حاصل کرنے لگی تاہم 17 ویں صدی کے وسط میں جاوا میں نہیں ماتارام اور بانثام حکمرانوں کا سامنا تھا۔ جاپان 16 ویں اور 17 ویں صدی کے شروع میں منگولوں کے مسلسل حملے جاپانیوں کی زندگی میں کئی تبدیلیاں لائے، مرکزی شوگونات جو سمورائی کی مدد پہ انحصار کرتا تھا، ختم ہوگیا۔ طاقتور جاگیردار سمورائی پہ حکمرانی کرتے تھے اس عہد کی نئی سیاسی قانون سازی کو متعارف کرایا گیا جب ریاستی اقتدار شوگن سے آشی کا آگا کے ہاتھ 14 ویں صدی میں منتقل ہوگیا۔ آشی کاگا خاندان کے دور حکومت میں کئی جاگیریں محدود ہوگئیں اور سمورائی جو طاقتور امراء پہ انحصار کرتے تھے انہوں نے ایک نئے طبقے کی تشکیل کی۔ 15 ویں صدی میں سمورائی میں انتشار دراصل عمومی زرعی بحران کا اظہار تھا۔ اس کی بنیادی وجہ زمینوں کی قلت تھی، کسانوں کا بے تحاشا استحصال اور مقامی حکمرانوں کے مابین تنازعات، اسی دوران شہری دستکاری اور تجارت کو فروغ ملا، ٹیکس کا انتظام بڑے بڑے تاجروں کو دے دیا گیا جن کی سہرٹ کی پیداوار پر اجارہ داری تھی۔ اس دوران

جاگیرداروں نے خود کو ساہوکاروں اور تاجروں کے نرغے میں پایا۔ تجارت اور صنعت وحرفت میں ترقی سے شہری اور تجارتی لوگوں کی زندگی میں بہتری آئی۔ انہیں زیادہ حقوق حاصل ہوئے، جاپان مشرق بعید میں وہ واحد ملک تھا جہاں تجارتی خوشحالی تھی۔ فنکاری کے اعلیٰ نمونے اور تانبے کی مٹی، جاپان کی بڑی برآمدات کئی ایک بندرگاہیں خودمختار تھیں اوران کے اپنے محافظ تھے۔ سونا، چاندی اور تانبا کی برآمد سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہوتا لیکن اس دوران مالکان اراضی انہیں کم آمدنی سے بھی آگاہ تھے۔ پہلے پہل وہ شہری لوگوں کو خوفزدہ کرتے رہے پھر انہوں نے خود کان کنی کے منصوبے بنائے۔ اس دوران کسانوں کے استحصال میں اضافہ ہوتا رہا، ان کی کل پیداوار کا 1/2 حصہ جاگیردار لیتے۔ یہ لوگ مستقل طور پر ساہوکاروں کے رحم وکرم پہ تھے۔ 15ویں اور 16ویں صدی میں کسانوں کی بغاوتیں عام طور پر ہوا کرتی تھیں۔ یہ تحریکیں منظم تھیں اور عام طور پر ان کی قیادت شہروں کے غریب اور مختلف مذہبی فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ کرتے تھے۔ اس دوران امرا کے درمیان اختلافات اور جھگڑوں نے جاپان کو 16ویں صدی کے وسط تک کئی ریاستوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان فسادات اور ہنگاموں کا بنیادی مطالبہ یہ تھا کہ زمین کی تقسیم روکی جائے۔ اس وقت رائج الوقت نظام، سماجی اور اقتصادی نظام کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ 16ویں صدی نہ ختم ہونے والی اندرونی جنگوں کا زمانہ تھا۔ اس کے علاوہ کوریا کی طرف سرحدی توسیع کی کوشش کی گئی۔ یورپ والوں نے جاپان کو آتشیں اسلحہ سے متعارف کروایا اور انہیں اس کی پیداوار کے مختلف طریقے بتائے۔ اس طرح ایک مختصر عرصہ میں جاپان کے کسانوں نے ایک فوجی کردار ادا کرنا شروع کر دیا___ یورپ کے ساتھ تعلق کیتھولک مذہب کے پھیلنے کا بھی باعث بنا۔ اس طرح جاپانی عوام کا اتحاد کمزور ہوا۔ کسانوں کے مسلح ہونے سے جاگیردار طبقہ پریشان تھا اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ ایک مرکزی اور مستحکم جاپانی حکومت ہو۔ اس کے لیے اس نے کوششیں شروع کر دیں۔ نئے جاپان کا مرکز، ملک کا وسطی علاقہ تھا جو طبقہ اس اتحاد میں اہم کردار ادا کر رہا تھا وہ زمیندار طبقہ کا نچلا اور درمیانہ پرت تھا۔ اس طبقہ کا سربراہ "Oda Nolanga" تھا۔ (82-1568ء) تک جو سخت جدوجہد جاری رہی، نولنگا ملک کے شمالی حصوں میں ایک مرکزی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ (98-1583ء) ہائیڈوشی نے بھی نولنگا کے کام کو جاری رکھا۔ اس نے کوریا کو فتح کے لیے ایک مہم کا آغاز کیا لیکن ناکام رہا لیکن ملک کے اندر وہ کسانوں کی بغاوتوں کو سختی سے کچلنے میں کامیاب ہوا۔ ہائیڈوشی نے زمین کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کسانوں کو غیر مسلح کرنے کی کوشش کی تا کہ انہیں زرعی غلام بنایا جا سکے۔ زراعت میں محنت کی پیداوار میں اضافے سے مالکان زمین نے پیداوار کا 66% حصہ مانگنے کا مطالبہ کر دیا جبکہ اس سے پہلے وہ 50% وصول کرتے تھے جبکہ نئی حکومت کسانوں کو غیر مسلح کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی اور انہیں علاقہ پابند بھی کر سکتی

تھی۔ کسانوں نے اپنے آقاؤں کو زمین کے کرائے اور ٹیکس ادا کیے۔ ان ٹیکسوں کو اکٹھا کرنے کی نگرانی آقا کرتے تھے۔ اندرونی استحکام نے بیرونی مارکیٹ میں وسعت کے راستے کو ہموار کیا۔ ٹوکوگاواشوگون ایک ایسا جاگیردارانہ نظام جس میں کسان زمینوں پر پابند کر دیئے جاتے۔ ٹوکوگاواشوگون جو 1603ء میں برسر اقتدار آئے ان کے زمانے میں مکمل ہوا، اس دور نے کسانوں کی بغاوتوں کو کچل دیا۔ (1637ء) اس نے عیسائیت پر پابندی عائد کر دی۔ غیر ملکیوں کے ساتھ تجارت اور کاروبار کی سرحدیں متعین کر دیں۔ اس نے ساحلی قصبوں کی آزادی کو بھی محدود کیا اور جنوب میں امراء پر پابندی عائد کی۔ غیر ملکی تجارت ریاستی اجارہ داری میں آ گئی تمام سماجی ذمہ داریوں اور حقوق کو تفصیلی طور پر طے کیا گیا۔ زمین کی ملکیت کے متعلق ریاست کے حقوق کا تعارف کروایا۔ امراء کے پاس یہ حق تھا کہ وہ منصب داروں کو سزا دے سکیں، اسلحہ رکھ سکیں گے اور ٹیکس اکٹھا کریں گے لیکن شوگون کے قوانین کے تابع ہوں گے اور ہمسایہ کے خلاف جنگ کا ارتکاب نہ کر سکیں گے۔ 17 بڑے قصبوں کو امراء کے کنٹرول سے نکال کر براہ راست شوگون کے اختیار میں دے دیا گیا۔ ان قواعد وضوابط کی فہرست نے تاجروں اور دستکاروں کو متاثر کیا، انہیں کسانوں سے زیادہ نقصان ہوا۔ مضبوط مرکز اور مرکزی اختیار وسلطنت کی قوت کے زیر تابع طاقتور امراء اور جاگیرداروں نے چاہا کہ اب وہ کسانوں کے خون کا آخری قطرہ تک بھی نکال لیں۔ مختصر یہ کہ اقتصادی ترقی کی اس سطح پر یہ ممکن تھا کیونکہ ملک اب تجارتی لحاظ سے غیر ممالک سے کٹ چکا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قصبے اپنی ساری قوت گھریلو مارکیٹ پر صرف کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ زراعت کی پیداوار میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ پیداوار کے نئے آلات اور تکنیکی ایجادات ہوئیں۔ دیہاتوں کی حد تک جنس اور دولت کا تعلق قائم ہو گیا اور قدرتی معیشت کا زمانہ قصہ پارینہ بن گیا۔ بکھرے ہوئے اور مرکزی مینوفیکچر کو نشوونما ملی۔ ان سب چیزوں کے باوجود 17 ویں صدی کی اقتصادی ترقی نے جاپان کے جاگیردارانہ نظام میں نشوونما پائی لیکن اس دوران حکومت نے اس کو استحکام دینے کی کوشش نہیں کی۔

باب:18

انگلستان کا بورژوا انقلاب (17ویں 18ویں صدی میں)
یورپ میں جاگیردارانہ مطلق العنانیت

جب جاگیردارانہ تعلقات میں سرمایہ دارانہ خدوخال ابھر رہے تھے تو سرمایہ داروں کی دولت اور معاشرے پر ان کے اثرورسوخ میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ مطلق العنانیت جو دراصل جاگیرداروں کی نمائندہ تھی وہ بھی بورژوا طبقہ کی اہمیت کو مدنظر رکھ رہی تھی۔ بورژوا طبقہ طاقت کے حصول کے لیے ایک ایسا نظام چاہتا تھا جہاں ان کے حقوق و مفادات کو بالادستی حاصل رہے اور جاگیرداران کی بالادستی کو تسلیم کریں۔ سرمایہ دار جاگیرداروں کو دم چھلے قرار دیتے اس طاقت کے جو ریاست پر حکمران تھی، طاقت کے حصول کے لیے کئی بار کوششیں ہو چکی تھیں۔ پہلا بورژوا انقلاب و بغاوت تھی جو نیدرلینڈ والوں نے سپین کے خلاف کی، ان دونوں ملکوں میں سب سے اہم سوال جاگیرداروں سے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں اقتدار کی منتقلی تھا اور اس دوران نئے سماجی نظام کی فتح جو سرمایہ داروں نے سابقہ جاگیرداروں پہ غلبہ حاصل کر کے حاصل کی۔ یہ ایک انقلابی تبدیلی تھی، ایک فتح جو ایک نظام نے دوسرے نظام پر حاصل کی......

یورپ کی تاریخ میں بیشک پوری دنیا کی تاریخ میں ایک اہم کردار اس انقلاب نے ادا کیا جو برطانیہ میں 17ویں صدی کے وسط میں برپا ہوا تھا۔ ابھرتی ہوئی بورژوازی اور امراء کا ایک خاص طبقہ کے باہمی مفادات مشترکہ تھے۔ جاگیردارانہ نظام کے آخری نشانات جو زراعت اور صنعت میں موجود تھے ان کا خاتمہ برطانیہ کو ترقی پسند ملک کے قیام کی طرف لے گیا۔ دنیا کا ایک بڑا طاقتور ملک جن کے قبضے میں کئی نوآبادیاں اور مقبوضات تھے۔ یہ سب کچھ برطانوی بورژوازی کے لیے فائدے مند تھا۔ انگلستان کے تاجر اور فیکٹری مالکان اس سے بھرپور فوائد حاصل کر رہے تھے۔ یہ انگلستان تھا جہاں پہلے پہل سرمایہ دارانہ معاشرہ وجود میں آیا اور بعد میں یہ نظام پوری دنیا پر چھا گیا تھا چنانچہ برطانیہ کا بورژوا انقلاب انسانی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ مارکسی مورخین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ جدید تاریخ کا آغاز تھا اور سرمایہ

دارانہ معاشرے کی تاریخ کا آغاز۔

انقلاب کے حالات:

جیسے جیسے بورژوا انقلاب زیادہ طاقتور ہوتا گیا اور سرمایہ دار طبقے نے بادشاہ کی مطلق العنانیت کو چیلنج کرنا شروع کر دیا، اس وقت بادشاہ اور اس کے وفادار یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ سرمایہ دار معاشرہ اور سرمایہ دارانہ معیشت میں مضبوطی کے لیے جاگیرداریت ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ سٹوورات خاندان کا نیا بادشاہ جیمز اول (1803ء تا 1625ء) اور چارلس اول (1625ء تا 1649ء) نے پارلیمنٹ کے دباؤ کے باوجود مطلق العنانیت اور مکمل اختیار کے لیے جدوجہد کی۔ ان بادشاہوں کی اقتصادی پالیسیاں کوئی خاص اہمیت نہ حاصل کر سکیں۔ 16ویں صدی کے ایک منظور شدہ قانون کے مطابق نئے ٹیکس صرف اور صرف پارلیمنٹ کے مشورے سے ہی عائد کئے جا سکتے تھے۔ کئی مرتبہ پارلیمنٹ نے نئے ٹیکسوں کو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ چارلس اول کے زمانے میں (جیمز اول کا بیٹا) پارلیمنٹ اور بادشاہ کے درمیان تنازعہ شدت اختیار کر گیا۔ 1628ء میں پارلیمنٹ نے حقوق کی ایک عرضداشت بادشاہ کی خدمت میں پیش کی۔ اس نے پارلیمنٹ توڑ دی اور گیارہ سال تک اس کا اجلاس نہیں بلایا۔ چارلس کا چیف کونسلر اس وقت تھامس ونٹ ورتھ تھا۔ اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ پارلیمنٹ کو نظر انداز کرے اور ذاتی اختیار استعمال کرتے ہوئے اعلامیہ جاری کرے...... فوج پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے 1631ء میں بادشاہ نے ارل آف سٹرافورٹ کو لارڈ ڈپٹی بنا کر آئرلینڈ بھیجا اور کہا کہ وہ ایک فوج اس آڑ میں اکٹھی کرے کہ آئرش بغاوت کو کچلنا ہے۔ دولت اکٹھی کرنے کے سلسلے میں 1635ء میں چارلس نے بحری جہازوں کے متعلق ایک ٹیکس عائد کر دیا۔ اس ٹیکس کا اجراء پارلیمنٹ سے پہلے کیا گیا، ساحلی علاقوں کے باشندوں سے ٹیکس اکٹھا کیا گیا اور کہا گیا کہ نارمن حملوں سے دفاع کرنا مقصود ہے۔ بادشاہ نے کئی اور ٹیکس نافذ کرنے کا اعلان کیا لیکن پارلیمنٹ کی زبردست مخالفت سے وہ ایسا نہ کر سکا۔ 1631ء میں اسکاٹ لینڈ میں ایک بغاوت پھوٹ پڑی، یہ چارلس کی اس خواہش کے اظہار کا جواب تھا جس میں وہ اس علاقے میں اپنی سلطان قائم کرنا چاہتا تھا اور اس نے چرچ آف انگلینڈ کو متعارف کرایا جو کہ بادشاہ کا وفادار تھا یہ کہ اس وقت قانون ازم اور "Presbyiterians" نظریات اسکاٹ لینڈ میں جڑیں پکڑنے لگے...... بغاوت سے بہت پہلے صورتحال بادشاہ کے لیے انتہائی مخدوش ہو رہی تھی۔ اس کے پاس دولت کی سخت کمی تھی اور کوئی فوج نہیں تھی جو براست راست اس کی کمان میں ہو تب وہ مجبور اہوا کہ پارلیمنٹ کا اجلاس بلائے۔ اپریل 1640ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا جو کہ گیارہ سال بعد ہو رہا تھا تاہم نئی پارلیمنٹ نے نہ صرف بادشاہ کو رقم دینے سے انکار کیا بلکہ اس نے بڑے بڑے مطالبات پیش کرنا شروع کر دیئے جن کا مقصد شاہی قوت کو کم کرنا تھا

یہاں تک کہ انہوں نے سکاٹ لینڈ والوں کے ساتھ خفیہ بات چیت کو بھی مسترد کر دیا، بادشاہ نے ایک بار پھر پارلیمنٹ توڑ دی اور چند ہفتوں کی اس پارلیمنٹ کو مختصر پارلیمنٹ کہا جاتا ہے۔ بادشاہ کو ابھی تک رقم کا قلت کا سامنا تھا اور باغی مضبوط ہو رہے تھے۔ اس طرح اسی سال کے نومبر میں چارلس نے پارلیمنٹ کا اجلاس طلب کر لیا، اس مرتبہ اسے پہلے سے بھی زیادہ سخت اپوزیشن کا سامنا کرنا پڑا۔ بادشاہ کی کمزور حیثیت کو دیکھتے ہوئے پارلیمنٹ نے اپنے مطالبات کے حصول کے لیے زیادہ زور دیا ___ لندن کی دیواریں جلد ہی انقلابی نعروں سے بھر گئیں اور حکومت پارلیمنٹ توڑنے سے خوفزدہ تھی اور یہ پارلیمنٹ انگلستان کے بورژوا انقلاب کی حامی تھی۔ اس پارلیمنٹ کو طویل پارلیمنٹ کہتے ہیں جو بارہ سال تک برقرار رہی۔ پارلیمنٹ نے ارل سٹی فورٹ کی مذمت کی اور اسے غداری کے الزام میں سزائے موت دی۔ جلد ہی ایسا سلوک مطلقیت کے سخت حامی آرچ بشپ کے ساتھ ہوا۔ پارلیمنٹ نے بادشاہ کے خصوصی اختیار والی عدالتوں کو توڑ دیا، نومبر 1641ء میں بادشاہ کے چند قانونی عمل اور وہت مام عہدے جو بنیادی نوعیت کے تھے پارلیمنٹ کو اختیار تھا کہ وہ ان پر اثر انداز ہو سکے۔ یہ حق پارلیمنٹ نے زبردست بحث کے بعد حاصل کیے۔ بادشاہ پارلیمنٹ کے اجلاس میں شریک ہوا اور اس نے اپوزیشن کے لیڈروں کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن وہ پہلے ہی شہر میں چھپ گئے تھے (بورژوازی پارلیمنٹ ان کی حمایت کر رہی تھی) شہر میں بے چینی پھیل گئی۔ بندرگاہوں سے ملاح گروہوں کی صورت میں شہروں میں داخل ہوئے تاکہ اپوزیشن کے اراکین کا دفاع کر سکیں۔ 1642ء میں بادشاہ نے لندن چھوڑ دیا اور شمال مغرب میں اپنے حامیوں کو اکٹھا کرنے کے لیے چلا گیا۔ اگست میں اس نے پارلیمنٹ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ انقلاب کا آغاز شمال مغرب کے زمیندار اقتصادی لحاظ سے پس ماندہ تھے اور بادشاہ کے حامی تھے۔ زیادہ ترقی یافتہ جنوب مشرق اور لندن، امراء کا ایک حصہ اور بورژوازی پارلیمنٹ کے حامی تھے۔ بحری فوج پارلیمنٹ کی حمایت کرتی تھی اور اس سے لندن کی حفاظت ہو سکتی تھی تاکہ غیر ملکی مداخلت نہ ہو سکے۔ چرچ آف انگلینڈ بادشاہ کا حامی تھا۔ امیر بورژوازی کی پارٹی جو پارلیمنٹ میں قائدانہ کردار ادا کرتی تھی پریس بائیٹرین (Presly terians) کہا جاتا تھا جو کہ متحدہ کالوینسٹ چرچ کی حمایت کرتے۔ جسے ''بزرگوں کی کونسل'' چلاتی تھی۔ چھوٹے امراء، بورژوازی آباد تھے۔ یہ لوگ مذہبی آزادی کی حمایت کرتے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو بادشاہ کا پلہ بھاری تھا۔ مالکان اراضی جو بادشاہ کی طرف تھے وہ پیشہ ور جنگجو تھے۔ ان کا گھوڑا سوار دستہ منظم اور تجربہ کار تھا جو فوج پارلیمنٹ نے اکٹھی کی تھی وہ ناتجربہ کار اور کمزور اسلحہ سے لیس تھی علاوہ اس کے وہ کمانڈر جو پارلیمانی فوج میں تھے ان کا تعلق چھوٹے زمیندار طبقے سے تھا اور انہوں نے کم جوش و خروش سے مہم کی اور وہ اس دوران بادشاہ سے جلد از جلد مفاہمت کی سوچتے رہے۔ پارلیمانی پارٹی بھی مفاہمت کے لیے سوچ رہی تھی۔ پارلیمنٹ کی پالیسیوں اور ان کی فوج کی شکست انگلستان کی سوسائٹی کے

ترقی پسند طبقے کے لیے عدم اطمینان کا باعث بنیں جنہوں نے اپنے عہدوں اور حیثیتوں کو خیر باد کہتے ہوئے آزاد پسندوں کی مدد کی۔ آزاد پسندوں کی قیادت کرادویل (1658-1599ء) نے کی۔ اس نے ایک جدید فوج اکٹھی کی اور فوج میں کسانوں کو شامل کیا۔ انہیں اسلحہ سے لیس کیا۔ اس فوج میں دستکار، اور چھوٹے بورژوا طبقے کے لوگ تھے۔ اس کے علاوہ کالوین ازم کے سخت حامی بھی تھے۔ (گھوڑ سوار دستے کے لوگوں کو ان کی تنظیم کی وجہ سے فولادی سپاہی کہا جاتا تھا) اس منظم فوج نے جولائی 1644ء میں مارسٹن مور کے مقام پر بادشاہ کو شکست دی۔ اس کے بعد پارلیمنٹ نے کرامویل کو اجازت دی کہ وہ فوجی اصلاحات کرے اور اس کی نئی منظم فوج نے ناسبائی کے مقام پر ایک بار پھر بادشاہ کو شکست دی۔ کئی لوگوں کو قیدی بنالیا گیا۔ شاہی توپخانہ اور ان کے ہتھیاروں کا بڑا حصہ قبضے میں لے لیا اور بادشاہ کے سفارتی ذرائع قید کردیئے گئے۔ اس کا بعد میں پتہ چلا کہ بادشاہ ایک طرف سے پارلیمنٹ سے جنگ نہ کرنے کے لیے بات چیت کررہا تھا اور وہ دوسری طرف یورپی ملکوں کو مدد کے لیے کہہ رہا تھا۔ ایک خط کے ذریعے جو اس نے اپنے دوست کو لکھا کہ اگر وہ کامیاب ہوگیا تو باغیوں کو عبرتناک سزا دے گا۔ جب خطوط چھپ گئے اور بے عزتی کا باعث بنے۔ اس سے بادشاہ کی حیثیت کو زبردست جھٹکا لگا۔ ناسبائی کی جنگ کے بعد چارلس کو کئی ایک مزید شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مارچ 1646ء تک بادشاہ کے وفاداروں کے تمام گروہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بادشاہ اور اس کی افواج سکاٹ لینڈ بھاگ گئیں تاہم سکاٹ جنہوں نے چار لاکھ پونڈ امداد کرنے کے عوض لیے تھے، انہوں نے بادشاہ کو جنوری 1642ء کو انگریزوں کے حوالے کردیا جب جنگ لڑی جارہی تھی۔ پارلیمنٹ نے کئی ایک اصلاحات کا اعلان کیا۔ انہوں نے جاگیرداریت کے جزوی خاتمے کا اعلان کیا۔ بادشاہ اور چرچ کی زمینوں کا ایک حصہ، اور وہ زمین جو بادشاہ کے حامیوں کی تھی، انہیں ضبط کرکے فروخت کردیا گیا۔ 1646ء کے قانون کے تحت بادشاہ کی جائیدادوں کے خاتمے نے بھی کئی ایک دوررس نتائج مرتب کیے۔ وہ تمام زمین اور حقوق جو امراء کی زمینوں سے وابستہ تھے، اب شرفا اور معززین کو دیئے گئے۔ ان زمینوں کے متعلقہ جاگیردارانہ اقتدار منسوخ کردی گئیں۔ عام کسانوں کی سابقہ حیثیت وہی رہی۔ ابھی تک وہ ٹیکس اپنے آقاؤں کو ادا کرتے تھے۔ انہیں انقلاب سے کچھ بھی نہیں ملا تھا یہ لڑائی طاقتور بادشاہ، چرچ کے اتحاد کے خلاف بورژوازی اور شہری معززین کے درمیان تھی۔

دوسری خانہ جنگی:

جب بادشاہ کو ایک قیدی کی حیثیت سے فوج کے حوالے کیا گیا تو پریس باترائین نے پارلیمنٹ میں یہ خیال پیش کیا کہ انقلاب ختم ہوچکا ہے اور بادشاہ سے امن کی بات چیت کی جائے تاہم انقلابی تحریک جس کا تعلق عوام سے تھا انہیں اس پانچ سالہ جنگ وجدل سے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ وہ

مطمئن نہیں تھے۔ عام سپاہی نے لڑائی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور ایک نئی پارٹی جسے Levellers کہا جاتا تھا، وجود میں آ گئی۔ اس کی قیادت جان للبرن (Jhon Liburne) کے ہاتھوں میں تھی (1618 تا 1657ء) اس نے عام انتخابات کا مطالبہ کیا۔ مطلق العنانیت کا خاتمہ اور کسانوں کو زمینوں کی واپسی، سیاسی قوت فوج کے ہاتھوں میں تھی اور پارلیمنٹ نے فیصلہ کیا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے فوج کے پاس سیاسی اختیارات نہیں رہے۔ اس اعلامیے سے فوج میں بے عزتی محسوس کی گئی اور فوجی رجمنٹوں نے اپنے نمائندے منتخب کرنا شروع کر دیئے۔ فوجیوں کو مطمئن اور قابو میں رکھنے کے لیے کرامویل نے جنرل آرمی کونسل کی تشکیل کی تا کہ فوجی اپنے افسران کی نگرانی میں رہیں۔ جلد ہی فوجیوں نے لندن پر قبضہ کر لیا، درحقیقت اب ملک ان کے قبضے میں تھا تاہم فوج میں طبقاتی تنازعہ پھوٹ پڑا، لیولرز اور افسران ریاست کے مستقبل میں تشکیل پانے والے ڈھانچے (سیاسی) سے مطمئن اور اتفاق نہیں کرتے تھے۔ گرانٹس (آزاد فوجی رہنما) نے عام رائے دہندگی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ غریبوں کو اقتدار اور دولت دونوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ یہ مفاداتی تنازعات جلد ہی ایک بغاوت کی صورت اختیار کر گئے۔ کرامویل نے بغاوت کو کچل دیا اور آرمی کونسل پر پابندی عائد کر دی اور افسران کی مجلس کو قائم رکھا___ انقلاب دشمن عناصر اب منظر عام پر آنے لگے وہ فوج کے درمیان تصادم سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ پریس بائٹر تین نے شاہ پرستوں سے تعلقات بنانا شروع کر دیئے۔ بادشاہ سکاٹ امراء میں پناہ لینے میں کامیاب ہوا۔ اس نے بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج تشکیل کی اور کرامویل سے برسرپیکار ہونے کے لیے لندن کی طرف مارچ کیا___ اس خطرناک صورتحال کو سمجھتے ہوئے، گرانٹس لیولرز نے اپنے تعلقات ٹھیک کر لیے اور کرامویل کی فوج سکاٹ فوج کو شکست دینے میں کامیاب رہی۔ بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اسے اس تمام خون کا حساب دینے کے لیے کہا گیا جو اس کے حکم پر بہایا گیا تھا اور وہ نقصان جو اس نے غریب انگریزوں کو پہنچایا تھا۔ فوج نے پریس بائٹری کو پارلیمنٹ سے علیحدہ کر دیا اور Independent جو اپنے عہدوں پر برقرار رہے انہوں نے بادشاہ کو غداری کے جرم میں سزائے موت دی۔ 30 جنوری 1649ء کو بادشاہ کو پھانسی دے دی گئی اور انگلستان ایک "ریپبلک" (Republic) قرار پایا 1653ء___ میں پارلیمنٹ کو کرامویل نے توڑ دیا۔ اس نے لارڈ پروٹیکٹر آف ریپبلک ہونے کا اعلان کیا اور وہ انگلستان کا واحد مکمل حکمران بن گیا جب تک وہ حکمران رہا اس نے لیولرز اور شاہ پسندوں سے انتہائی غلط سلوک کیا۔ اس نے سکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ میں بغاوتیں کچل ڈالیں اور اس نے ان ملکوں کو انگلستان کا ایک حصہ قرار دیا (1654ء) کرامویل نے خارجہ امور میں کئی کامیابیاں حاصل کیں اپنے بڑے تجارتی حریف ہالینڈ کو تباہ کرنے کے بعد اس سے کہا کہ وہ جہاز رانی کے قانون جو 1651ء میں عمل میں آیا تھا کو تسلیم کریں جس کے مطابق انگلستان میں جو مال فروخت ہو گا وہ انگلستان کے ساحلوں پر انگلستانی جہازوں کے ذریعے لایا

جائے گا یا ان ملکوں کے ذریعے جو مال پیدا کرتے تھے۔ اس سے ہالینڈ کی تجارت کو تباہ کن نقصان پہنچایا، کرامویل نے جزیرہ جمیکا، سپین سے چھین لیا جو کہ اس وقت غلاموں کی تجارت کا مرکز تھا اور سپین کے نیدر لینڈ میں ڈنکرک پر قبضہ کر لیا___ 1658ء میں جب کرامویل اپنے اقتدار کے عروج پر تھا اس کی موت واقع ہوگئی تاہم بوژوازی جو ایک حکمران طبقہ تھا وہ انقلاب کی ایک نئی لہر سے خوفزدہ تھا۔ صورتحال کو سمجھتے ہوئے وسیع تر عوام کی حمایت سے چارلس دوم (1660ء تا 1685ء) کی صورت میں مطلق العنانیت بحال ہوگئی اس کے بعد جیمز دوم (1685ء تا 1688ء) بادشاہ بنا، جب یہ آخری سٹورڈ بادشاہوں اپنے پیش روں کی پالیسیوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کی تو بورژوازی نے اس حکمران خاندان کو ہمیشہ کے لیے "شاندار انقلاب" کے ذریعے اقتدار سے نکال باہر کیا جب خون کا قطرہ بہائے بغیر ولیم آف اورنج اور اس کی ملکہ ماری، جو سٹوورڈ خاندان کے قریبی رشتے دار تھے انہیں کہا گیا کہ وہ تاج وتخت سنبھالیں۔ یہ واقعہ پارلیمنٹ کی بے مثالی کامیابی تھی___ انگلستان کے انقلاب نے جاگیرداریت کے آخری نشانات بھی ختم کر دیئے اور ایک نئی مطلق العنانیت نے جنم لیا جس کی قوتیں پارلیمنٹ نے محدود کر رکھی تھی۔ اس نظام کی بنیادی روح پارلیمنٹ تھی اور اس میں جس کی اکثریت ہوتی وہ پارٹی حکومت کرتی۔ وزراء کو اکثریتی پارٹی سے منتخب کیا جاتا اور حکومت پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر حکومت پارلیمنٹ کے مفاد میں نہیں ہے تو اسے اقتدار چھوڑنا پڑتا تھا۔ پارلیمنٹ میں حکمران جماعتیں عوام کے درست مقامات کے لیے آواز بلند نہیں کرتی تھیں صرف ایک اقلیت تھی، امرا، معززین، جنہیں ووٹ کا حق حاصل تھا وہ ملک جس کی پندرھویں صدی میں کل آبادی تیس چالیس لاکھ سے زیادہ نہ تھی اور وہ آئرلینڈ اور سکاٹ لینڈ میں بھی اقتدار قائم نہیں رکھ سکتی تھی۔ برطانیہ اب یورپ کا سب سے طاقتور ملک تھا اور اس کی حکومت برطانوی جزائر اور شمالی امریکہ کے علاوہ مکمل ہندوستان پر بھی۔ سولہویں صدی میں انگلستان نے سپین پر فتح حاصل کر لی۔ 17ویں صدی میں ہالینڈ اور 18ویں صدی میں فرانس پر، انگلستان کی دلکش قوت دراصل ملک میں سرمایہ دارانہ ارتقاء کا براہ راست نتیجہ تھی۔ انگلستان کا انقلاب پہلا بورژوا انقلاب تھا جو اپنی نوعیت کا پہلا انقلاب جس کے دوررس نتائج برآمد ہوئے۔ یہ تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا، لیکن ابھی سرمایہ دارانہ معیشت کے نفاذ میں دیر تھی اور بورژوا حکمرانی پورے یورپ میں یہ غلبہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔

فرانس میں مطلق العنانیت:

اس دوران فرانس میں جہاں سرمایہ دار عناصر 15ویں صدی کے خاتمے تک ظاہر ہو چکے تھے اور مینوفیکچرر سولہویں صدی میں پیدا ہوئے۔ بورژوا انقلاب سے کوئی 150 سال پہلے، انگلستان میں

بورژوا انقلاب آیا تو وہی مطلق العنانیت تھی۔ لوئیس XIV کی حکومت تھی___ لوئیس 1643XIV ء میں برسراقتدار آیا جبکہ اس کی عمر صرف 5 سال تھی۔ اس نے 1661ء میں حکومت سنبھال لی اور وہ پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک برسراقتدار رہا۔ (1661ء تا 1715ء) "I shall be my own minister" نوجوان بادشاہ نے کہا میں اپنا وزیر خود ہوں۔ بلاشبہ وہ ایک طاقتور بادشاہ تھا۔ بادشاہ اور اس کے قریبی حواری زبردست قوت کے مالک اور انتہائی عیش وعشرت کی زندگی گزارتے تھے اور ایسے معلوم ہوتا کہ اس ریاست میں زندگی کا آغاز اور انجام بڑے بڑے ہالوں، شاندار محلات اور دریاؤں سے ہوتا ہے۔ لوئیس کے طویل دور حکومت کو عظیم عہد کہا جاتا ہے۔ اس کے عہد میں ایک نیا شاہی محل تعمیر کیا گیا۔ یہ خوبصورتی تزئین وآرائش میں یورپ کے تمام محلات سے زیادہ خوبصورت تھا۔ امراء اور جاگیرداروں نے امراء کی تقلید کرتے ہوئے شاندار رہائش گاہیں تعمیر کروائیں۔ لوئیس کے عہد میں فرانس میں سپین، ہالینڈ، انگلینڈ، سویڈن اور آسٹریا کے خلاف پے درپے جنگیں لڑیں۔ ان میں فرانسیسی افواج نے کئی ایک فتوحات حاصل کیں اور فرانسیسی جرنیلوں نے بڑی شہرت پائی۔ لوئیس کے عہد میں فرانس تمام دنیا میں سب سے بڑی طاقت تھا تاہم اس عہد کے سال جیسے جیسے گزرتے رہے۔ کسان دستکاروں اور عام آدمی کی محنت نے امراء کو تازہ دم کیے رکھا۔ بادشاہ اور دربار بھی انہیں کی بدولت قائم تھا۔ نچلا طبقہ اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ ان کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی ہے، ملک روز بروز غریب ہو رہا ہے اور ہر دنیا ان کے مسائل میں اضاف کا باعث بنتا ہے۔ کئی ایک بغاوتیں ملک کے مختلف حصوں میں اٹھیں اور ان پر بڑی مشکل سے قابو پایا جا سکا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام کا لوئیس دی گریٹ کے متعلق کیا رویہ تھا جب 1715ء میں بادشاہ مرا تو اس کا جنازہ ایک خفیہ مقام پر رکھا گیا تا کہ کوئی بغاوت اٹھ کھڑی نہ ہو___ لوئیس (XVI1715-1774ء) کے عہد میں جاگیردارانہ مطلق العنانیت انتہائی خراب ہو رہی تھی۔ حکمران طبقہ اور خاص طور پر بالائی پرت، بادشاہ اور اس کے درباری جنگ سے تباہ شدہ صورتحال سے نظریں چرا رہے تھے۔ حقیقت میں ان کی شاہ خرچیاں سرکاری خزانے پر بہت بڑا بوجھ تھیں۔ مایوس اور منتشر بورژوازی اور بدحال کسان زندگی کا بوجھ اٹھائے پھر رہے تھے جبکہ امرا رقص وسرور کی محفلوں، استقبالیے اور شکار سے جی بھلا رہے تھے___ ان امراء کی آمدنی کا ذریعہ کسانوں کا معاشی استحصال تھا اور بورژوازی سے حاصل شدہ ٹیکس تھا۔ کسان اور نچلا طبقہ معاشی بحران کا شکار تھا بے چینی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ کسانوں نے جب بغاوتیں کی تھیں تو امرا کے محلات لرز اٹھے تھے۔ سڑکوں پر کام کرنے والا غریب آدمی کئی بار سڑکوں پر آ چکا تھا اور انہوں نے کھانے پینے کے گودام لوٹے تھے۔ اس وقت بورژوازی شاہی محل سے مفاہمت کرنے کو تیار نہیں تھی بلکہ دانشور لوگ ایک طاقت کے طور پر اپنا وجود رکھتے تھے۔ استحصالی زدہ طبقات اور حقوق سے محروم طبقات ہونا شروع ہو گئے کہ اس اقلیت کا مقابلہ کر سکیں جو حقوق سے مالدار ہے۔

روشن خیالی:

بورژوازی کی مختلف پرتوں میں عدم اطمینان اور عوام میں تشخص کا شعوری کا اظہار اس عہد کی سیاسی، فلسفیانہ اور ادبی تحریروں میں ملتا ہے۔ اٹھارویں صدی میں فرانسیسی ثقافت میں بے پناہ تخلیقات ہوئیں۔ حقیقی طور پر اس عہد کو فرانسیسی ثقافت کا سنہرا دور کہا جاتا ہے اواس زمانے کو نور کے ظہور کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ روشن خیالی کے عہد میں مصنفوں نے کسی ایک مکتب فکر کی ترجمانی نہیں کی بلکہ وہ متفرقات خیال کے حامل تھے۔ جین میسلر (Jean Meslier) ایک سادہ دیہاتی مبلغ تھا۔ (1664-1729ء) شاید یہ کبھی بھی گمنامی سے نہ نکلتا، اس کی موت کے کئی سال بعد اس کی وصیت کا مسودہ خفیہ طور پر تقسیم کیا گیا جس میں اس نے مادیتی خیالات پیش کیے۔ اس نے ریاست اور جاگیردارانہ استحصال کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ میسلر کے برعکس پرانی نسل کے روشن خیال مفکروں مونٹیسکو (1689-1755ء) اور وولیٹر (1694-1798) ان دونوں نے اپنی زندگی میں ہی بڑی شہرت پائی۔ مونٹیسکو نے ظلم، ناانصافی، غیر انسانی قوانین اور مطلق العنان شہنشاہیت کے خلاف آواز بلند کی اور آزادی کے حقیقی مفہوم کے ساتھ اس کا موازانہ کیا اور سیاسی آزادیوں کا مطالعہ کیا۔ مونٹیسکو کو بورژوالبرل ازم کا بابائے آدم کہا جاتا ہے۔ والیٹر ایک باصلاحیت، بذلہ سخن، لکھاری تھا۔ یہ الہیات، شاعری، تاریخی تحریروں، فلسفیانہ ناول، ہجویہ نظمیں، سیاسی اعلامیوں اور مسودات کا مصنف تھا۔ وہ چرچ کا دشمن اور باجرات نقاد تھا۔ وہ جاگیردارانہ معاشرتی قدروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ غیر قانونیت اور اس گناہ کو جو مطلق العنانیت میں ہے۔ اسے برا کہتا، تاہم اس کی اصلاحات میں تعمیری رویہ تھا، ایسا ہی رویہ اس کا لوگوں کے متعلق تھا۔ وہ ایک اعتدال پسند شخص تھا۔ روشن خیالی کے عہد میں اس کا کردار امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ حریت پسند نوجوان اس سے متاثر تھے۔ اس سے بلاواسطہ یا بلواسطہ طور پر لوگ انقلابی جدوجہد پر چل نکلے ___ روشن خیالی کی تحریک کے فلاسفر جن میں ڈاکٹر جیولین ڈی لامیٹری (1709-1751ء) منصف کتاب "L,Homme Machine" جس نے اس وقت لوگوں میں تہلکہ مچا دیا۔ ڈینس ڈیڑوٹ (1713-1784ء) ان سائیکلو پیڈیا کی جلدوں کا آغاز کرنے والا مصنف جس نے کئی ایک سیاسی اور فلسفیانہ تحریریں لکھیں۔ ہیلویٹس (1715-71ء) اس نے اپنی کتاب "De. lespirt" میں مذہب کو تنقید کا نشانہ بنایا اور چرچ اور عقیدے کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ ہولباخ (1723-1789ء) مشہور کتاب "System de La Nature" کا منصف، ان کی مادیت کئی ایک متضاد خیالات رکھتی ہے اور مکمل طور پر میکا کی ہے تاہم ان مصنفوں نے، ایک مثبت اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس دور کی ثقافت کے ارتقاء میں ان کا بڑا کردار ہے۔ انہوں نے جہالت اور ناانصافی کے خلاف قلم اٹھایا اور ترقی پسندانہ خیالات کی ترویج کی ___ ماہرین معیشت کیندن ے، ترگوت، ڈی پونٹ دی

لیمورس، انہیں فطرت پسند کہا جاتا ہے جنہوں نے لامحدود آزادی رائے، کاروبار اور تجارتی پیش عملی کا مطالعہ کیا۔ یہ خیالات بورژوازی کے مفادات کے نمائندہ تھے ___ ان مفکروں کے علاوہ روشن خیالی کے دور میں جو دانشور ابھرے ان کی تحریروں میں بورژوازی کے حامی نظریات کی جھلک ملتی ہے اور ایسے لکھاری بھی ہوئے ہیں جن کی تحریروں میں عوامی امنگوں اور خواہشات کا اظہار ملتا ہے۔ جین جیکو ئیس (78-1712ء) جس کی تحریروں نے اس دور کے نوجوانوں پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ وہ ساری زندگی بے گھر اور مفلسی کی زندگی بسر کرتا۔ اگر چہ روسو کی تحریروں میں تضادات موجود ہیں لیکن اس نے اپنے ہم عصروں پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ اس کے نظریات میں دو رجحانات ہیں جو مل کر ایک بڑی قوت بنتے ہیں ایک تو اس کا نظریہ مساوات ہے جسے روسو صرف سیاسی نقطہ نظر ہی سے نہیں دیکھتا بلکہ اس کو اس نے سماجی مساوات کے طور پر بھی پیش کیا ہے اور دوسرا عوامی قوت کا نظریہ ___ اس نے ایک مثالی ریاست کا نظریہ بھی پیش کیا ہے جہاں مساوات کا دور دورہ ہوگا جہاں کوئی فرد بھی غربت کا شکار نہیں ہوگا اور وہاں دولت بھی نہیں ہوگی اگر چہ مختلف طبقات کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں ہے، لیکن پھر بھی روسو کا مثالی ریاست کا نظریہ، غریب کسانوں، محنت کشوں کی امنگوں کا ترجمان ہے۔ معاشرے میں غربت سے مارے ہوئے انسانوں کی خواہشات کا اظہار کئی دوسرے مصنفوں کی تحریروں میں ملتا ہے۔ خاص طور پر یوٹوپیائی کمیونسٹوں کی تحریروں میں ___ مورلے نے اپنے مقالات اور مابلے نے اپنی سیاسی تحریروں میں، اس معاشرے کو جس کی بنیاد ذاتی ملکیت پر رکھی گئی ہوا سے تنقید کا نشانہ بتایا ہے لیکن ان کے خیال میں انسانیت کا سنہرا دور روشن خیالی کے ساتھ منسلک ہے۔ مختلف الخیال تصورات کے باوجود، روشن خیالی ایک پر عزم انقلاب تھا جس میں مذہبی نظریات کی حامل ریاستیں، جاگیرداریت، رجعت پرستی اور ان کو بچانے والے اداروں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ مطلق العنانیت کے دور کی سماجی قدروں کی نفی کی گئی ہے۔ یہ عبوری حصہ براہ راست عوامی انقلاب کی راہیں ہموار کر رہا تھا ___ اگر چہ 18 ویں صدی میں فرانس میں روشن خیالی نے ایک اہم کردار ادا کیا لیکن اس تحریک نے تمام یورپ کو بڑی تیزی سے متاثر کیا جہاں پہلے سے جاگیرداروں کے خلاف کسانوں کی بغاوت موجود تھی اور رجعت پرستانہ خیالات، مطلق العنانیت کسانوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ مشرق یورپ میں مطلق العنانیت، فرانس میں سرمایہ دارانہ ارتقاء سیدھا تھا اگر چہ اس کی رفتار انگلستان سے ست تھی، مشرقی یورپ میں جاگیردارانہ ذرائع پیداوار اور جاگیردارانہ ریاستیں ابھی تک بڑی مستعد تھی، یہاں تک کہ انقلابی خیالات کو بھی کم پذیرائی حاصل ہو رہی تھی۔ انگلستان میں ارتقاء کی نسبت، یہاں جو سرمایہ دارانہ ترقی ہو رہی تھی اور خیالات پھیل رہے تھے۔ جاگیرداروں کی طرف سے ان کے خلاف سخت ردعمل کا امکان تھا۔ یہاں پروشیا اور آسٹریا کے نام سے دو ریاستیں وجود میں آئیں یہاں کی معیشت زراعت پر تھی۔ کسان امرا کی زمینوں

کے ساتھ منسلک اور پابند تھے۔ امرا کسانوں کی محنت اور استحصال کی بنیاد پر اقتصادی و معاشی نظام قائم کیے ہوئے تھے، دریائے ایلب (Elbe) کے مشرق میں واقع مشرقی ریاستیں زیادہ تر زراعت پر انحصار کرتی تھیں اور زرعی پیداوار پورے یورپ کی ضروریات کو پورا کرتی تھی، یہاں سرمایہ داری جڑیں پکڑ رہی تھی، پروشیا، پولینڈ اور آسٹریا کے مالکان زمین نے اپنے کسانوں کو پہلے ہی زمینوں سے نکال باہر کیا تھا انہوں نے زمینوں میں وسعت پیدا کی اور زرعی رقبے میں اضافہ کیا اور کسانوں کو محنت و مزدوری کے حساب سے عارضی طور پر رکھ لیا جاتا۔ اس سے کسان بے یار و مددگار اور عدم تحفظ کا شکار ہو گئے۔ اس سے کسانوں کی ذاتی آزادی چھن گئی۔ جاگیرداروں نے اپنی پیداوار کھلے عام مغرب والوں کو فروخت کی اور دن بدن امیر ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے مسلسل مجرمانہ جنگوں کا ارتکاب کیا اس مقصد کے لیے وہ اپنی فوج کی تعداد اور قوت میں اضافہ کرتے رہے۔ اس کی قیادت امراء کے ہاتھوں میں تھی۔ امراء کے خلاف ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے عوام کی طرف سے ایک قدرتی نفرت تھی۔ چھوٹی جرمن ریاستوں کو زیر تسلط کر کے پروشیا اور آسٹریا نے اپنی سرحدوں میں توسیع کی اور جلد ہی ان کے مفادات متصادم ہو گئے اور دونوں نے جرمنی کو متحد کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ ان دونوں کے دست نگر رہیں۔ 19 ویں صدی تک اس سلسلے کوئی خاص کارروائی نہ کی۔ پولینڈ کا معاملہ کچھ مختلف تھا۔ پروشیا کی طرح یہاں کسانوں کی محنت کے عمل میں ترقی ہوئی۔ چند قصبے صنعتی مراکز کی حیثیت اختیار کر گئے۔ قصبوں کے عوام نے اپنی معاشی سرگرمیوں میں خود کو قریبی طور پر زرعی نظام جو اس وقت موجود تھا اس کا دست نگر ثابت کیا اور انہوں نے پولینڈ کے امراء رجعت پرست جاگیرداروں کو معاشی اور سیاسی لحاظ سے مدد دی۔ پولینڈ میں نام نہاد قسم کی مطلق العنانیت تھی جبکہ ملک میں بڑے بڑے جاگیردار تھے اور ان پر مبنی چھوٹی ریاستیں اپنے طور پر آزاد تھیں اور ملک مطلق العنانیت کی نسبت ایک جمہوریہ تھا۔ ریاست کے تمام معاملات اور فیصلہ sejums (امراء کے منتخب نمائندوں کی مجلس) میں کیا جاتا جبکہ پولینڈ کے امراء کو سجمیں کے فیصلوں کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اس کے علاوہ وہ افواج کا استعمال بھی کر سکتے تھے۔ ایسی صورت میں یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ ریاست اپنے اتحاد اور یکجہتی برقرار رکھ سکے گی اور 18 ویں صدی کے آخر میں اس کا خاتمہ ہو گیا اور اسے آسٹریا پروشیا اور روس نے آپس میں تقسیم کر لیا۔

○

باب:19

روس میں مطلق العنانیت

روسی معیشت میں تبدیلیاں (17ویں صدی میں)اندرونی تجارت میں ترقی:

اگر چہ 17ویں صدی میں ابھی تک روس ایک جاگیردارانہ ریاست تھی اور اس کی معیشت میں کئی ایک تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں، نئی زمینوں پر کاشت ہو رہی تھی اور ڈان کا شمالی علاقہ آہستہ آہستہ آباد ہو رہا تھا۔ روس کے کسان Bashkira تک راستے بنا رہے تھے جبکہ شمال کے کسان اُراں سے پرے سائبیریا میں کاشتکاری کر رہے تھے۔ جیسے ہی وسطی علاقوں میں مزارعیت کا بوجھ بڑھا ایسے ہی کسان سرحدی علاقوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ قصبے اور صنعتی علاقے نشوونما حاصل کر رہے تھے، نمک کی کانیں شمال میں ضرورت اور کاروبار کا ذریعہ بن رہی تھیں اور ہزاروں کان کن کانوں میں کام کر رہے تھے۔ دستکاروں کی بڑی اکثریت تیزی سے وجود میں آئی اور ایسے ہی تجارت بھی بڑھی اور دستکاروں نے فروخت کے لیے مال پیدا کرنا شروع کر دیا۔ اس عہد میں روس کی اقتصادی ترقی کی انتہائی اہم وجہ نسبتاً بڑے تجارتی اداروں کا قیام تھا اور صنعتی یونٹ بھی وجود میں آئے۔ ان کی حیثیت محض ورکشاپوں سے زیادہ تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کام جلدی اور پیداواری تھا۔ پہلی روسی مینوفیکچر ماسکو میں توپیں ڈھالنے کا کارخانہ تھا جو کہ 15ویں صدی کے آخر میں قائم ہوا، لوہے کی ڈھلائی اور تانبے کو پگھلانے کے کارخانے کھل گئے، ٹولا اور کالوگا میں لوہے کا کارخانہ قائم ہوا اگر چہ ملک میں اس وقت چند ایک مینوفیکچر تھے لیکن انہوں نے صنعتی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ابھی تک ملک کی اقتصادیات قدرتی تھی۔ خرید وفروخت کے عمل میں اب زیادہ لوگ شریک ہو رہے تھے۔ کسان جو سامان تیار کرتے یا پیداوار کرتے اس کا تبادلہ وہ رقم سے کرتے اور پھر اس سے وہ بیج اور زرعی اوزار خرید لیتے، اس طرح وہ

اپنے مالک کو ٹیکس بھی ادا کر سکتے تھے۔ اسی دوران دستکار جس کا فنی معیار بلند ہو رہا تھا وہ مارکیٹ میں اپنی تیار شدہ اشیاء فروخت کرتا اور زرعی پیداوار خرید لیتا۔ کرائے پر کام کرنے والا مزدور بھی کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کے لیے منڈی کا رخ کرتا۔ اپنی کمائی سے حاصل شدہ رقم سے وہ کپڑے اور جوتے خریدتا۔ 17ویں صدی میں تجارت کے زیادہ راستے کھلنے لگے۔ مالکان زمین اپنی زیادہ پیداوار فروخت کر دیتے جو کہ انہیں ٹیکس کی صورت میں ادا کی گئی ہوتی۔ جیسے ہی موسم خزاں کے شروع میں راستے صاف ہوتے۔ جاگیرداروں کے گھروں سے اناج کی بھری ہوئی گاڑیاں نکلتیں اس کے علاوہ کھالیں، سور کی چربی، کھتان کا کپڑا بھی مقامی مارکیٹ میں لایا جاتا۔ قصبوں میں تجارت مرکزیت حاصل کر رہی تھی۔ ماسکو، آرکینجل، نوگورڈ، نیزھانی اور ولوگڈا بڑے تجارتی مرکز بن رہے تھے۔ مچھلیاں اور نمک لگی ہوئی مچھلی آسڑاخان سے، کھتان کا کپڑا اور کینوس نوگورڈ سے، پاروسلاو اور کوسڑروما سے سور کی چربی اور کھالیں کازان سے، لکڑی کا سامان اور مکھن ولوگڈا سے، Fur فر سائبریا سے، قصبوں کی مارکیٹوں میں پورے ملک سے پہنچ جاتے تھے اور بعض اوقات انہیں برآمد بھی کیا جاتا۔ اناج کی تجارت ہر جگہ ہوتی، نوگورڈ کی اناج منڈی میں بعض اوقات ایک ہزار گاڑی روزانہ اناج کی خرید و فروخت ہوتی۔ ان تجارتی رابطوں نے اقتصادی طور پر ملک کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیا۔ اس طرح جلد ہی ایک قومی منڈی وجود میں آ گئی___ غیر ملکی تجارت نے بھی خاصا اہم کردار ادا کیا۔ انگلستان، سویڈن اور ہالینڈ کے لیے، مشرق کے ساتھ تجارت کے لیے، روس ایک اہم راستہ تھا اور اسی راستے ایران اور ہندوستان کو بھی مال آتا۔ تجارت کی سب سے اہم بندرگاہ آرک اینجل تھی۔ سیکنڈے نیوین اور مشرق کے درمیان تجارتی راستے کے طور پر روسی دریاؤں کو استعمال کیا جاتا۔ مشرق سے ریشم، ململ، گرم مصالحہ، رنگ، قیمتی برتن، زیورات اور قالین لائے جاتے۔ روس کئی طرح کا مال برآمد کرتا تھا مثلاً فر (Fur)، چمڑا، موم، شہد، پوٹاش، گندہ بُروزا جو اشیاء درآمد کی جاتیں ان میں ململ، زیورات، بندوقیں، توپیں، پستول، شراب اور میٹھا وغیرہ۔ سامان کی اکثریت جو روسی منڈیوں میں گردش میں رہتیں۔ وہ انفرادی طور پر تیار کردہ تھیں___ جاگیرداروں نے زیادہ سے زیادہ فائدے کے لیے کسانوں کا استحصال شروع کر دیا۔ اس عمل میں انہیں زار کی حمایت حاصل تھی پھر زار نے ایک فرمان کے ذریعے کسانوں کو ان زمینوں کے ساتھ پابند کر دیا جن پر وہ کام کرتے تھے۔ 1649ء میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے حکم جاری کیا گیا کہ کوئی بھی کسان اپنے آقا کی زمین چھوڑ کر کبھی بھی نہیں جا سکتا، کوتاہی یا بھول چوک کی صورت میں کسانوں پر جسمانی تشدد کیا جاتا اور انہیں جاگیرداروں کے قید خانوں میں بند کر دیا جاتا جہاں کوٹھریوں میں رکھ کر بھی انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔

مطلق العنان بادشاہت کا ظہور:

17ویں صدی میں کسانوں کی جنگ کو کچلنے کے بعد ڈوراینے (Dvoryane) نے ایک مطلق العنانیت کی بنیادی رکھی۔ اس جاگیردارانہ سماجی نظام میں انہیں اس یقین کی ضرورت تھی کہ جو بھی پالیسیاں بنائی جائیں گی وہ اس طبقے کے مفادات کا تحفظ کریں گی۔ 1613ء میں رومل نوف خاندان کا بادشاہت کے لیے انتخاب اور پھر یہی خاندان 1917ء کے فروری انقلاب تک برسر اقتدار رہا۔ جب پولش امراء (پولینڈ) ماسکو سے نکال باہر کیے جا چکے تھے تو 1613ء میں روس کے تمام قومیتوں کے بائیرز ماسکو میں اکٹھے ہوئے، ان کے ساتھ چرچ کے نمائندے، مالکان اراضی اور تاجر بھی تھے۔ ان کا مقصد نئے زار کا انتخاب کرنا تھا۔ (Zemsky Solor) اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس میں کسانوں کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کیا گیا اور نہ ہی انہوں نے اس کاروائی میں حصہ لیا۔ میتھائل رومانوف کو نیا زار منتخب کرلیا گیا۔ اس وقت سے یہ بائیرز کا چیلا ڈوراینے کا بھی مناسب نمائندہ تھا۔ تاجر اور کوسک (cossack) بھی، اپنی مانگیں اور خواہشات کی تکمیل اس میں دیکھتے تھے۔ ڈوراینے اقتدار پر اثرانداز ہونے کے لیے ایک ناتجربہ کار 16 سالہ لڑکے کو اقتدار میں لے آئے۔ میتھائل کا باپ پیٹرویچ فلاریٹ اس وقت پولینڈ والوں کی قید میں تھا۔ جلد ہی فلاریٹ ماسکو پہنچ گیا اور اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر حکومت کرنا شروع کردی اور پھر وہی اقتدار میں اہم کردار ادا کرتا رہا۔ اسی دوران کسانوں کی مسلسل کئی ایک بغاوتیں ملک کے مختلف حصوں میں پھوٹتی رہیں۔ میتھائل اور اس کے باپ نے بغاوت کرنے اور اکسانے والوں کو سخت ترین سزائیں دیں۔ تشکیل شدہ روسی ریاست کو انتہائی نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ جب اس نے اپنی سرحدی سالمیت کو بحال کرنے کی کوشش کی، اس وقت سویڈن ان زمینوں پر قابض تھا جو نوگورڈ کے صوبوں میں بغاوت کے وقت، اس کے پاس چلی گئیں تھیں چنانچہ پولینڈ، سمولینسک اور روسی ریاست کے مغربی حصے پر قابض تھا۔ سویڈن کے خلاف جنگ نے نوگورڈ کو روسی ریاست میں شامل کر دیا۔ (1617ء) جب خلیج فن لینڈ کے جنوبی ساحل ابھی تک سویڈن کے قبضے میں رہے اور اس کے ساتھ روس کا قبضہ یا کوپرائے، ایوان گورڈ، اور ایک اورشیک، ماسکو کے سمندر کے ساتھ رابطے میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

یوکرائن اور روس کا اتحاد:

پولش حملہ آور تمام مقبوضہ علاقوں سے نکال دیئے گئے تھے لیکن سمولینک ابھی تک ان کے قبضے میں تھا۔ روسی ریاست دوبارہ اس حالت میں آ گئی جس میں پہلے تھی۔ روسی تاریخ میں غیر معمولی نوعیت کا

واقعہ اس کا باہمی اتحاد اور پھر یوکرائن کے ساتھ متحد ہونا جو کہ 17 ویں صدی کے وسط میں ہوا۔ یوکرائن اور بائیلورشیا، روس کی اصل ریاست کے حصے رہے ہیں اور کیو (Kiew) جو یوکرائن کا دارالحکومت ہے اس کا قدیم ترین شہر تھا۔ 13 ویں صدی میں یوکرائن کا ایک بڑا حصہ تاتاروں کی حکومت میں تھا، اس کے شہری تاتاری خانوں کا زبردست شکنجہ برداشت کر رہے تھے۔ یوکرائن اور بائیلورشیا پر لیتھوانیا کے نائٹس (Knights) نے غلبہ حاصل کرلیا۔ بعد میں لیتھوانیا نے پولینڈ کے ساتھ اتحاد قائم کرلیا۔ اسطرح پولش لیتھوانیا ریاست قائم ہوئی، جس کے صوبے یوکرائن اور بائیلورشیا قرار پائے۔ بائیلورشیا اور لیتھوانیا کے کسان مشترک طور پر پولینڈ اور لیتھوانیا کے امراء کے ہاتھوں استحصالی کا شکار تھے۔ یوکرائن کے دیہاتوں میں کئی ایک کسان ایسے تھے جن کے ناک اور کان کٹے ہوئے تھے یا ان کے ماتھے پر نشانات بنادیئے گئے تھے۔ پولش امراء کا دوسری قومیتوں پر استحصال انتہائی ظالمانہ تھا۔ کیتھولک پولش امراء نے یوکرائن اور بائیلورشیا کے کسانوں کو کیتھولک بنانے کی زبردست مہم چلائی۔ 16 ویں صدی میں اور 17 ویں صدی کے پہلے نصف میں پولش اور اس کی انتظامیہ کے خلاف کئی حصوں میں بغاوت پھیل گئی۔ پولش امراء کے خلاف جدوجہد میں اہم کردار Zhporozhye اور کوسک جو کہ ڈینیپر کے گرد رہتے تھے، ان کی طرف سے ادا کیا گیا۔ کوسک برادری بائیلورشیا اور یوکرائن کے ان کسانوں پر مشتمل تھی جو پولینڈ کے امراء سے جان بچا کر رہنا چاہتے تھے ان میں روسی کسان بھی شامل شامل تھے جو روسی بائیروں کے استحصال کے ستائے ہوئے تھے۔ 1640ء تا 1650ء پورے یوکرائن میں وسیع پیمانے پر بغاوتیں ہوئیں اور بائیلورشیا میں بھی بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ کسانوں کی حمایت زاپوروزائی کوسک کرتے تھے اور شہروں کے غریب لوگ، کسانوں کی فوج کی قیادت بوگ ڈان (Bogdan Khmelnitsky)، نے کی۔ 1648ء کے موسم خزاں میں جنگ شروع ہوگئی، کسانوں نے پولش امراء اور یوکرائن کے مقامی جاگیرداروں سے مقابلہ کیا، کسانوں کے گروہ پورے یوکرائن اور بائیلورشیا کے دوردراز علاقوں سے کسان فوج میں شمولیت کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ روسی عوام نے یوکرائن اور بائیلورشیا کی پولینڈ کے امراء کے خلاف جدوجہد میں حمایت کی۔ روس کے کسانوں اور قصبوں کے لوگوں نے اس لڑائی میں حصہ لیا، روسی حکومت طویل عرصہ سے یوکرائن میں باغیوں کو اناج اور اسلحے کی صورت میں امداد دے رہی تھی، خلیفنسٹکی زارروس الیکسی کی طرف مدد کے لیے گیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ یوکرائن کو روسی ریاست کا حصہ بنالے۔ روسی یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کے لیے روس کو پولینڈ سے یوکرائن کی سرزمین پر لڑنا ہوگا۔ آخرکار ماسکو رضامند ہوگیا۔ بوائر وئیسلے زار کا نمائندہ بن کر یوکرائن گیا اور ایک جنرل کونسل یا (راڈا) کا شہر پیریا سلاو میں اجلاس ہوا تاکہ اتحاد کا سمجھوتہ کیا جاسکے۔ اس موقع پر مختلف گروہ اکٹھے ہوئے کوسک اور ان کے لیڈر اور یوکرائن کے جتھوں اور دیہاتوں کے لوگوں نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ اتحاد کا سمجھوتہ طے پانے سے قبل صورتحال بڑی

خوشگوار اور جذباتی تھی، بوگ ڈان نے اجلاس سے بڑے پر جوش انداز میں خطاب کیا جس میں اس نے یوکرائنی عوام کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کیا اور کہا کہ ان کی سخت جدوجہد جس میں بے پناہ خون بہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یوکرائن تنہا یہ جنگ نہیں لڑ سکتا تھا چنانچہ اسے رضا کارانہ طور پر روس کے ساتھ متحد ہو جانا چاہیے۔ مجمع نے متفقہ طور پر اتحاد کی منظوری دے دی تب راڈا نے 1653ء میں یہ اعلامیہ جاری کیا کہ یوکرائن اور روس ہمیشہ کے لیے اکٹھے ہو گئے چنانچہ یوکرائن کے لوگوں کی جدوجہد کا یہ ثمر تھا۔ اس واقعہ نے بعدازاں تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ یوکرائن کے عوام پولینڈ کے مذہبی اور امراء کے استحصال سے آزاد ہو گئے۔ پولینڈ کے امراء کے ظالمانہ قوانین قابل نفرت تھے اگرچہ روس کے جاگیردارانہ نظام میں بے پناہ برائیاں تھیں لیکن یہ کسانوں پر ایسا قدر مظالم اور سزائے موت وغیرہ کی امراء کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ پولینڈ کے امراء کو یوکرائن سے نکال باہر کیا گیا۔ روس کے ساتھ اتحاد کے یوکرائن کی مجموعی معاشی، سیاسی اور ثقافتی ترقی میں اضافہ کیا۔ یوکرائن اور روس کے درمیان تعلقات میں اضافہ ہوا اور اب دونوں عوام کے لیے آسان ہو گیا کہ وہ اپنے اوپر استحصال کرنے والے مشترکہ دشمنوں کے خلاف جدوجہد کر سکیں۔ خواہ یہ ملک کے اندر ہوں یا ملک سے باہر، اس اتحاد سے فوراً بعد روس اور پولینڈ کے درمیان جنگ چھڑ گئی جو کہ تیرہ سال تک جاری رہی۔ آندروزوف معاہدہ کے مطابق (1667ء) روس نے وہ تمام علاقہ دوبارہ حاصل کر لیا جو 17ویں صدی میں پولینڈ نے ہتھیا لیا تھا۔ روس نے کیو اور ڈائینیر کے مشرق یوکرائن کا دفاع کر لیا۔ مغربی یوکرائن پھر بھی پولینڈ کے قبضے میں رہا۔

سٹیپن رازین (Stepan Razin)

17ویں صدی میں کئی ایک مشہور بغاوتیں ہوئیں ان میں سب سے اہم بغاوت جس کی قیادت سٹیپن رازین نے کی، بغاوت ڈان کے علاقے میں ہوئی جہاں کسان غربت اور زرعی غلام داری سے بھاگ کر یہاں آباد ہو چکے تھے۔ اس علاقے میں خوشحال کوسک تھے جبکہ اکثریت غربت میں مبتلا تھی۔ خاص طور پر وہ جن کی کوئی ملکیت نہ تھی، غریب کوسک کی قیادت سٹیپن رازین کر رہا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار سپاہی تھا اس نے غربت کے مارے ہوئے کسانوں اور مفلس لوگوں کا بڑا قریب سے مشاہدہ کیا تھا اور وہ اس نفرت کو بھی جانتا تھا جو امراء اور جاگیرداروں کے خلاف ان لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ بغاوت وولگا کے علاقے میں 1667ء میں ایک مہم کے دوران ہوئی۔ رازین اور ان کے آدمیوں نے تاجروں اور زار کے منصب داروں کو لوٹ لیا، اور ان کے سامان پہ قبضہ کر لیا۔ زار کے کئی حامیوں کو انہوں نے ساتھ ملا لیا۔ جہازوں پر کام کرنے والا عملہ اور دوسرے عہدے دار بھی اس بغاوت میں شامل ہو گئے، جہازوں سے بارود اور دیگر ہتھیار لوٹ لیے گئے جو انتہائی فائدے مند ثابت ہوئے، موسم سرما دریائے

یورال کے کناروں پر گزار کر جب موسم بہار میں دریا میں سیلاب آیا، تو رازین اور اس کے آدمیوں نے کیسپین کی طرف سفر شروع کر دیا جہاں انہوں نے ایرانی جہازوں کے قافلے کو پکڑ لیا جس پر قیمتی سامان لدھا ہوا تھا، ریشم کی بڑی مقدار پر قبضہ کرنے کے بعد اور انتہائی قیمتی سامان حاصل کر کے رازین اور اس کے آدمی آسڑاکان وولگا کے کنارے پر آ گئے۔ اس دوران رازین کی ایرانی جہازوں کو لوٹنے کی خبر پھیل گئی۔ 1669ء میں رازین اور اس کے آدمی واپس ڈان کی طرف آ گئے اور ایک نئے حملے کی تیاری کرنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے اس راستے پر قبضہ کیا جو ماسکو کی طرف جاتا تھا۔ انہوں نے مضبوط قلعہ بند چوکیاں تعمیر کیں وہ جہاں بھی گئے مقامی کسانوں نے ہتھیاروں سمیت مقامی سرداروں کو ساتھ لے کر رازین کے ساتھ ہو لیے۔ اس طرح اس کی فوج روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ مئی 1670ء میں بغاوت زیادہ پھیل گئی اور یہ ایک واضح سیاسی رنگ اختیار کر گئی، رازین کے آدمی صرف لوٹ مار کے مال کے لیے ہی نہیں باہر آئے تھے بلکہ انہوں نے مالکان زمین، جاگیرداروں اور زار کے خلاف بھی ایک خطرہ پیدا کر دیا۔ رازین کی فوجوں نے وولگد گوورڈ پر قبضہ کر لیا اور پھر آسڑاکان بھی ان کے قبضے میں چلا گیا وہ تمام شہر جن پر رازین نے قبضہ کیا وہاں کے گورنر یا نامزد افسران یا تو قتل کر دیئے گئے یا انہیں ریاستوں سے نکال باہر کیا گیا۔ رازین اور اس کے آدمیوں نے وولگا کی طرف پیشقدمی کی۔ ساراٹوف اور سمارا پر قبضہ کر لیا، انہی علاقوں کے کسان جتھوں کی صورت میں رازین کے ساتھ آن ملے اور انہوں نے مقامی آقاؤں کے خلاف بغاوت کر دی۔ جلد ہی بغاوت نزھانی، نوگووؤ کے علاقے میں اور یہاں تک کہ پینزا اور ٹامیوف تک پھیل گئی۔ کسانوں نے بائز اور دورائنے کی جاگیریں تباہ کر دیں اور ان کو ہلاک کر دیا۔ ہر طرف رازین کا ایک پیغام پہنچ چکا تھا کہ کسان اپنے آقاؤں کے خلاف ہتھیار اٹھا لیں۔ کچھ نئے کسان راہنماؤں نے جیسے اتامان نیچائے اور چیروک نے بھی شہرت پائی۔ کسان راہنماؤں میں ایک خاتون اولنیا بھی تھی جس کی قیادت میں سات ہزار کسانوں کا ایک دستہ تھا جو میدان جنگ میں بلاخوف حصہ لیتی۔ زار کے علاقائی افسران اس قدر خوفزدہ تھے کہ وہ کہتے تھے کہ الونیا ایک چڑیل ہے ___ باغی کسانوں نے مقامی آقاؤں کو نقصان پہنچانے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رکھی، کسانوں کا خیال تھا کہ آقاؤں کے گھر تباہ کرنے کے بعد زرعی غلام داری کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے، حقیقت میں کسانوں کا بڑا دشمن غلام داری نظام تھا اور اس نظام کا سب سے بڑا نمائندہ زار روس تھا۔ کسانوں کا خیال تھا کہ برے زار کی جگہ اگر کوئی اچھا زار منتخب کر لیا جائے تو ان کی حالت بہتر ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ان جاگیرداروں کی مدد نہیں کرے گا ___ کسانوں کی بغاوت کی آگ ملک کے کئی حصوں میں بھڑک اٹھی لیکن تمام مہم کسی بھی مجموعی انقلابی منصوبے سے عاری تھی اور یہ پوری طرح منظم بھی نہیں تھی۔ کسان جنگی چالوں کے معاملے میں ناتجربہ کار تھے اور انہیں اسلحہ کی بھی قلت تھی۔ زار کی توپوں کے سامنے چاقو، خنجروں اور کلہاڑیوں کی کوئی

حیثیت نہ تھی، زار کی حکومت نے بغاوت کچلنے کے لیے زبردست فوج روانہ کی جو کہ رازین کا مقابلہ کر سکے، زبردست مزاحمت کے باوجود کسانوں کی بغاوت کچل دی گئی۔ اس دوران زار کی فوج نے باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔ صرف ارزان قبضہ میں گیارہ ہزار افراد کو صرف تین ماہ میں پھانسی دی گئی۔ بغاوت کے سربراہ کا بھی افسوسناک انجام ہوا۔ وہ ڈان کوسک کی زمینوں میں چھپنے کے لیے چلا گیا لیکن اس علاقے کے امیر لوگوں نے اسے زار کے حکام کے حوالے کر دیا۔ اسے ماسکو لایا گیا جہاں اس پر ظالمانہ تشدد کیا گیا۔ جون 1671ء میں رازین کو ریڈ سکوائر میں زندہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اگرچہ اس دور کی کسان تحریک غلام داری نظام کا خاتمہ کرنے میں ناکام رہی لیکن انہوں نے اس نظام کو زبردست نقصان پہنچایا اور اس کی زندگی کو مختصر کر دیا۔

روسی سلطنت کی تشکیل:

17ویں صدی میں روس مغربی یورپی ملکوں کی نسبت ایک پسماندہ ملک تھا، تاتاریوں کے حملوں نے ملک کی معیشت اور ترقی کو انتہائی نقصان پہنچایا تھا۔ ظالم تاتاریوں کا شکنجہ کوئی دوسو سال تک کسا رہا۔ جب بھی حملہ آوروں کو مار بھگایا گیا۔ بستیاں اور قصبے دوبارہ آباد کرنے پڑتے اور مقامی دستکاریوں کو دوبارہ چالو کرنا پڑتا۔ سب سے اہم مسائل میں یہ بھی تھا کہ روس میں کئی ایک سلطنتیں اور جاگیردارانہ ریاستیں تھیں۔ تاہم روس کی یکجہتی ایک بڑا مسئلہ تھا کیونکہ ملک کا رقبہ جو یورپ سے بھی زیادہ تھا اسے اکٹھا کرنا مقصود تھا۔ روس میں مناسب بندرگاہوں اور صنعتی ترقی کی کمی تھی نہ ہی اس کے پاس مناسب منظم فوج اور بحری بیڑہ تھا۔ اس کے علاوہ روسی کئی ایک غیر ملکی حملوں کا شکار ہو چکے تھے۔ اس سے ان کی معیشت میں بے پناہ نقصان ہوا تھا۔ یہ خاص طور پر اہم تھا کہ روسیوں کو اس وقت پسماندگی کے خلاف لڑنا چاہیے تھا جبکہ مغربی یورپی ممالک تیزی سے ترقی کر رہے تھے ورنہ یہ ہوتا کہ وہ اس کو زیرنگیں کر کے اس کی معیشت کو مزید کمزور بنا دیتے، اس وقت تک وقت نہیں آیا تھا کہ فضا سرمایہ داری نظام کے لیے سازگار ہو۔ ملک ابھی تک ایک مرکزی جاگیردارانہ ریاست تھی۔ اس کی معیشت غلام داری محنت پر انحصار کرتی تھی تاہم کئی ایک اقدامات کیے گئے جس سے انتظامیہ اور معیشت میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ یہ بنیادی نوعیت کا ایک اہم مسئلہ تھا کہ ایسے نظام کی تشکیل کی بجائے جو حالات سے میل کھاتا ہو جس سے ثقافتی ترقی ہو اور صنعتی طور پر یہ وسعت ملے۔ روس مغربی یورپ کے ساتھ تجارتی راستوں کے لیے سمندری راستے چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے بندرگاہ کی ضرورت تھی چنانچہ وہ اس قابل ہو گیا کہ ایک منظم فوج اور بحری بیڑہ تیار کر سکے۔ اس سے روس کا مغرب سے دفاع ممکن ہو گیا۔ یہ اقدامات پیٹر دی گریٹ (1682ء-1725ء) کے عہد میں کیے گئے۔ پیٹر کے دور حکومت میں وہ روس جو اپنی پسماندگی پر

قابو نہیں پا رہا تھا، اب نمایاں ترقی کی راہ پر گامزن ہوگیا۔ پیٹر ایک باصلاحیت انسان تھا___ روسی سلطنت کو ساحلوں کی ضرورت تھی۔ سفید سمندر سال کے چھ سات ماہ سردی سے منجمد رہتا تھا اور اس میں جہازرانی ناممکن ہوتی۔ بالٹک کے ساحل اس وقت سویڈن کے قبضے میں تھے۔ ترکی بحر اسود پر حکم چلاتا تھا۔ پیٹر نے بالٹک پر قبضے کے لیے ایک طویل جنگ لڑی۔ وہ اراضی جو بالٹک کے ساحلی علاقوں میں تھی مثلاً خلیج فن لینڈ وغیرہ ماضی میں نوگوروڈ کے حکمران اس پر حکومت کرتے رہتے تھے۔ پیٹر کے برسر اقتدار آنے سے 5 سو سال پہلے، نووگورڈ کے پائیلٹ جرمن تاجروں کے جہازوں کو لینے کے لیے خلیج فن لینڈ میں آتے، تب اس وہ نیوا ے (Neva) جاتے، جھیل لاڈوگا کے راستے، وولگا نیوا کی طرف نوگودوڈ کے راستے، یہ وہی علاقہ تھا جہاں الیگزنڈر نوسکی نے سویڈن والوں کو ایک زبردست شکست دی۔ نیوائے ساحلوں پر یہ لڑائی 13 ویں صدی میں ہوئی تھی___ پیٹر دی گریٹ نے پولینڈ والوں اور (Denes) ڈائنس کے ساتھ سویڈن کے خلاف اتحاد بنایا، 1700ء کے خزاں میں سویڈن کے خلاف لڑائی پھوٹ پڑی جو 21 سال تک جاری رہی۔ ابتدائی مرحلہ پر سویڈن کو بالادستی حاصل ہوگئی۔ نومبر 1700ء میں روسی فوجوں اور سویڈن کی فوجوں کے درمیان ناروا کے قلعہ کے قریب لڑائی ہوئی۔ سردی آ رہی تھی اور سویڈن والے زیادہ مسلح اور سردی سے بچنے کا بندوبست کیے ہوئے تھے اور وہ فتح مند ہوئے___ ناروا کی شکست روسی فوج اور پیٹر دی گریٹ کے لیے باعث سبق تھی چنانچہ فوج کو بہتر طور پر مسلح کرنے اور منظم کرنے کے لیے زبردست تیاریاں ہوئیں۔ زیادہ فوجی بھرتی کیے گئے اور انہیں بہتر تربیت دی گئی۔ اسلحہ تیار کرنے کے لیے دھات کی قلت کا سامنا تھا، پیٹر نے حکم دیا کہ چرچ کی گھنٹیا پگھلا کر توپیں بنانے میں استعمال کر لی جائیں۔ اس طرح تین سوئی توپیں بنائی گئیں۔ 1702ء کی خزاں میں پیٹر اس مقام پر جہاں جھیل لاڈوگا سے نیوا بہتا ہے پر تعمیر شدہ زبردست قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا، جہاں سلطنت نوگوروڈ کا قدیم قصبہ آرشیک واقع تھا۔ اس قلعے کو جس سے پیٹر کو سمندر کے لیے راستہ ملا اس کا نام جرمن زبان میں (key-town) تھا___ ان فوجی کامیابیوں کا مطلب یہ تھا کہ روس کو اب خلیج فن لینڈ کے ساحلوں تک کنٹرول حاصل ہے۔ نیوا کے شمالی کناروں پر زاپچی جزیرہ پر قلعے تعمیر کیے گئے۔ اس کا نقشہ بھی پیٹر نے تیار کیا۔ 1703ء میں اسے نیوا کے کناروں پر اپنا دارالحکومت قائم کرنا تھا جس کا نام پیٹر سٹون رکھا گیا اور بعد میں اسے سینٹ پیٹرز برگ کہا گیا۔ سوویت ریاست کے قیام کے بعد اس کا نام لینن گراڈ رکھ دیا گیا___ نئے دارالحکومت کی عمارت کی تعمیر کے لیے کئی ہزاروں مزدوروں اور کاریگروں نے حصہ لیا۔ انتہائی سخت سردی اور غیر انسانی ماحول کے باوجود عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ کئی ایک مزدوروں نے گھٹنوں تک پانی میں کھڑے ہوکر کام کیا۔ ملک کے پاس اب ایک بحری راستہ، شہر یعنی یورپ کی طرف کھڑکی کھل گئی___ 1702ء میں حکمت عملیوں کی توجہ یوکرائن کی طرف ہوگئی۔ جون 1709ء میں رومیوں نے پولٹاوا کے مقام پر ایک فیصلہ کن کامیابی

حاصل کی، جنگ 1721ء تک جاری رہی اس جنگ کے بعد روس لٹویا اور ایسٹونیا، خلیج فن لینڈ کے مکمل ساحلوں کے ساتھ سینٹ پیٹرز برگ کے اردگرد کاریلیا کے علاقے حاصل ہوئے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ روس کو دو بحری بالٹک کی بندرگاہیں ریگا اور ریویل حاصل ہوگئیں اور وہ بالٹک کی ایک زبردست قوت بن گیا۔ ٹائیسٹاڈ کے معاہدے کے بعد پیٹر نے اپنے نئے دارالحکومت میں زبردست تقریبات منعقد کیں اور اسی سال اس نے تمام روس کے شہنشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس کے بعد زشین ریاست کو روسی سلطنت کیا جانے لگا۔ یہ ایک زبردست قوت کا مظہر تھا۔ ''عدم وجود میں رہنے کے بعد اب ہم نے وجود رکھنا شروع کر دیا ہے۔''

پیٹر کے عہد حکومت میں ریاستی اصلاحات کا نفاذ:

پیٹر کے زمانے میں کئی ایک سماجی اور ریاستی اصلاحات کی گئیں، ان کا نفاذ جدوجہد کے ایک تسلسل کے نتیجے میں عمل میں آیا جس میں رجعت پرست بائیروں اور چرچ کے خلاف لڑائی پڑنا پڑی، تاہم ان اصلاحات نے ملک کی ترقی کو نشوونما میں اہم کردار ادا کیا، پیٹر کے عہد سے پہلے ملک میں کوئی ریگولر و مستقل فوج نہیں تھی۔ فوجوں کو صرف جنگ کی صورت میں اکٹھا کیا جاتا تھا۔ پیٹر نے ایک باقاعدہ فوج تشکیل دی اور اس کی تربیت کا انتظام کیا۔ بھرتی کے نظام کی بھی بنیاد رکھی گئی، فوج میں کسانوں اور شہری لوگوں سے جوان بھرتی کیے جاتے۔ بیس کسان گھرانوں میں سے ایک فوجی لیا جاتا۔ امراء طبقہ کے اراکین فوجی خدمات انجام دینے کے پابند تھے۔ وردی کا اجراء ہوا، پیٹر نے بحری بیڑہ تعمیر کروانا شروع کر دیا تھا کہ جنگ شروع ہوگئی، وہ بحر Azov آزوف کی طرف مہم کی سوچ رہا تھا، شمالی جنگ کے شروع پر جب روس کو پہلے ہی بالٹک کے ساحلوں پر غلبہ حاصل تھا ایک نیا بحری بیڑہ تیار کیا گیا۔ جہازوں کا پہلا سکوارڈرن 1703ء میں عمل میں آیا۔ یہ چھ فری گیٹ جہازوں پر مشتمل تھا اور پیٹر کے عہد کے خاتمے پر بالٹک کے بحری بیڑے میں 48 بڑے جنگی جہاز اور ان میں 28 ہزار ملاح کام کرتے تھے۔ پیٹر کو یقین تھا کہ روس کو جتنا ممکن ہو سکے غیر ملکی طاقتوں سے آزاد کروایا جائے اور ہر وہ شے جس کی ملک کو ضرورت ہے اسے پیدا کیا جائے۔ اس کے لیے اپنی قوت پر انحصار کرنا چاہیے، یوران، ٹولا، اولونٹ میں بڑے بڑے لوہے کے کارخانے قائم کیے گئے۔ ٹولا کی اسلحہ ساز فیکٹریوں میں سالانہ ہزاروں پستول اور توپیں منجنیں، خیمے اور رسیاں بنانے والوں سے کہا گیا کہ وہ جہازوں کی ضروریات پوری کریں۔ ضروری افرادی قوت کے لیے ہزاروں زرعی غلام فیوفیکچرر کو فراہم کیے گئے کئی دیہاتوں اور قصبوں کو کرنے کے لیے مخصوص کام دیئے گئے۔ بعض اوقات یہ چار، پانچ سو میل دور ہوتے۔ اوقات محنت بڑے سخت تھے۔ کاریگروں کی قلت تھی، پیٹر نے دھات اور کاغذ کے کام کے لیے غیر ملکی کاریگروں کو بلایا تا کہ وہ روسی لوگوں کو کام سکھا

سکیں۔اب کپڑے کی صنعت شاندار اونی کپڑا تیار کر رہی تھی۔ پیداوار اور کپڑے کی تیاری کونشوونما حاصل ہوئی۔ پیٹر کے عہد سے پہلے بوائزڈوما اپنا وجود رکھتی تھی، زار آف مسکوئے کے دربار میں زار کی موجودگی میں اسمبلی ہوئی جس میں کئی ایک ریاستی معاملات پر بحث مباحثہ ہوتا۔ 17ویں صدی تک یہ ادارہ ترک کر دیا جا چکا تھا۔ ماسکو کے بائیروں کے لیے بڑا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ کس طرح پیچیدہ ریاستی معاملات میں حصہ لیں۔ 1711ء میں پیٹر نے گیارہ رکنی سینٹ بنا کر بوائزڈوما ختم کر دی اس نومنتخب سینٹ کے ارکان کو زار نے خود منتخب کیا تھا اور یہ ریاستی معاملات میں دلچسپی رکھتے تھے۔ پہلے مرکزی ریاستی انتظامی ادارہ میں تقریباً 50 شعبے تھے۔ جب ان کی ضرورت ہوتی، ان کو وسعت دے دی جاتی، یہ انتہائی غیر منظم تھے اور ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت کرتے تھے۔ پیٹر نے اسے بھی بدل دیا اور اس سے بہتر اور موثر انتظامی ڈھانچے کی بنیاد رکھی۔ ماسکو میں پیٹر نے جہاز رانی کے سکول قائم کیے جہاں پہلی مرتبہ علم ریاضی پڑھایا گیا۔ بعد میں اسے سینٹ پیٹرز برگ منتقل کیا گیا اور پھر اسے نیول اکیڈیمی بنا دیا گیا۔ صوبوں میں علم حساب کے سکول کھولے گئے۔ ان سکولوں کے ساتھ ساتھ لکھنے اور پڑھنے کے سکولوں کا بندوبست کیا گیا جن میں علم ریاضی، تعمیرات، انجینئرنگ، بحری مہارت اور ادویات وغیرہ کی تعلیم دی جاتی۔ پیٹر نے اکیڈیمی آف سائنس کے قیام کے احکامات دیئے۔ (1724ء) جس پر اس کی موت کے بعد عمل درآمد ہو سکا۔ پیٹر کے دور میں پہلا اخبار شائع ہوا اور پہلا عوامی تھیٹر قائم ہوا۔ پیٹر نے جن اصلاحات کا اعلان کیا۔ انہیں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، سب سے پہلے مخالف بائیر تھے وہ قدامت پسندانہ زندگی کے محافظ تھے۔ ایک طریقہ جو پیٹر نے ان کے خلاف استعمال کیا وہ یہ تھا کہ انہیں کہا گیا کہ وہ روزمرہ کے معمولات میں یورپین ازم کو اپنایا کریں۔ اس نے اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ لمبے وسیع کپڑے پہننے کی بجائے چھوٹے ملبوسات استعمال کریں اور اپنی ڈاڑھیاں مونڈ دیں۔ ایک استقبالیے میں پیٹر نے بذات خود ان کی داڑھیاں مونڈیں اور ان کے لمبے سکرٹ کاٹ کر چھوٹے کر دیئے۔ یوں یورپی فیشن کو بالائی طبقے نے اپنا لیا لیکن عام معاشرتی زندگی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ 1750ء میں پیٹر نے وہ کیلنڈر جاری کیا جو واقعی یورپ میں استعمال ہوتا تھا اگرچہ پیٹر ماضی سے رشتہ مکمل طور پر نہ توڑ سکا لیکن کئی ایک اہم اقدامات کیے گئے جس سے روس ایک عظیم سلطنت بن گیا۔ اس کے پاس بحری قوت تھی اور بحر بالٹک کے کناروں پر مضبوط گڑھ اور ایک زبردست بحری فوج تعینات تھی۔ صنعت وحرفت کو زبردست فروغ حاصل ہوا، ریاستی ادارے بہتر طور پر کام کرنے لگے اور تعلیم کے شعبے میں اہم پیش رفت ہوئی۔ مغربی یورپ کے ملکوں نے بھی روسیوں کی ترقی کو مدنظر رکھنا شروع کر دیا۔ اس سے بہتر تعلقات کی خواہش کرتے تھے۔ ان کامیابیوں تک پہنچنے میں عام آدمی کی کاوشوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ جنہوں نے ہزاروں جانیں دیں۔ شمالی جنگوں میں ہزاروں افراد غربت، کسمپرسی اور موت کا شکار ہوئے۔ لوگوں نے فوجی سامان تیار کرنے میں مہارت حاصل کی، جہاز بناتے، بحری بیڑے تعمیر کیے۔ اس دوران بھوک،

پیاس بیماریوں سے ہزاروں لوگ ہلاک ہوئے۔ پیٹر کے نئے محل کی تعمیر میں ہزاروں محنت کشوں کا خون شامل تھا۔ یہ عام لوگ ہی تھے جنہوں نے پیٹر کے لیے ممکن بنادیا کہ وہ نئی فیکٹریاں بنائیں۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے زمین کھود کر دھات کی مٹی باہر نکالی اور انہی لوگوں سے ٹیکس وصول کر کے محلات تعمیر کیے گئے۔ روسی سلطنت کا استحکام ڈیورا اپنے تاجروں اور کاروباری افراد کے لیے فائدے مند تھی۔ روس کی زرعی غلام دارانہ معیشت میں انتشار سے روس کی جاگیردارانہ معیشت اسے مزید اقتصادی بحران میں مبتلا کررہی تھی صورتحال کچھ بدل رہی تھی اور بہتری کے آثار نظر آرہے تھے۔ یورپی ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم ہورہے تھے۔ ملک کے اندر بڑے مینوفیکچر رمیدان میں آرہے تھے۔ ریاستی پرائیویٹ جائیدادیں ڈوراینے کے قبضے میں تھیں۔ افرادی قوت کے لیے کسانوں کی جبری مشقت کو حاصل کرکے: جروں اور خوشحال کسانوں نے بھی کاروباری ادارے کھول لیے اور انہیں رضا کارانہ بنیادوں پر ملازم رکھا۔ اس طرح صنعت کے دائرہ عمل میں قدیم غلام داری محنت اور نیا معاشی سرمایہ دارانہ ڈھانچہ ساتھ ساتھ چلتے رہے، چنانچہ غلام دارانہ معیشت کمزور ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ 18ویں صدی کے وسط میں روس میں کل چھ سو پچاس صنعتی یونٹ تھے اور یہاں اسی ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ 18ویں صدی کے خاتمے پر لوہا پگھلانے کی 109 بھٹیاں کام کرتی تھیں اور یہ سالانہ 160000 ٹن کاسٹ آئرن تیار کرتیں۔ ایک زمانہ میں روس میں صنعت کی پیداوار برطانیہ سے زیادہ تھی ___ اس دوران نئے قصبے آباد ہونا شروع ہوئے جہاں دستکاری اور صنعت مرکزی حیثیت حاصل کررہی تھی۔ ان قصبوں نے بڑھتی ہوئی آبادی اور گھروں کی ضروریات کے مطابق پیداوار بڑھانا شروع کردی۔ 18ویں صدی کے خاتمے تک ماسکو کی آبادی دو لاکھ تک پہنچ رہی تھی ___ جاگیرداروں نے زرعی پیداوار کی زیادہ سے زیادہ تجارت شروع کردی اس سے انہیں زیادہ منافع حاصل ہونے لگے۔ اس طرح انہوں نے کسانوں کے استحصال میں بھی اضافہ کردیا۔ قدرتی معیشت، قومی معیشت میں تبدیل ہوگئی۔ اندرونی کسٹم کی رکاوٹیں دور ہوگئیں۔ یہ نیا اقتصادی ڈھانچہ غلام داری محنت سے میل نہیں کھاتا تھا چنانچہ اس سے بھی یہ نظام کمزور ہوگیا۔ 1762ء میں ڈوراینے کو لازمی ریاستی سروس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ ڈوراینے زیادہ بااختیار ہوگئے اور انہوں نے کسانوں پر جبر وتشدد کا نیا دور شروع کردیا اور کسان آزادی اور نجات کے خواب دیکھ رہے تھے، غربت سے تنگ آئے ہوئے کسانوں میں بے چینی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ یورال اور وولگا کی وادی میں کسانوں میں بے چینی اور بغاوت کے زیادہ آثار پیدا ہورہے تھے۔

یملائن پگاچوف کی زیر قیادت کسانوں کی جنگ

دریائے ہائیک کے قریب، یورال میں صورتحال خاص طور پر کشیدہ تھی جہاں سو سال پہلے رازین نے بڑا نام کمایا تھا۔ یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ پیٹر سوم جو قتل ہوچکا تھا اور اسے اس کی بیوی کیتھرائن

نے قتل کروایا تھا۔ (1769ء-1796ء) حقیقت میں زندہ ہے اور یورال میں روپوش ہے۔ وہ جلد ہی منظر عام پر آ کر کیتھرائن کے خلاف جدوجہد شروع کرے گا جو کہ کسانوں پر ظلم وستم ڈھا رہی ہے۔ وہ شخص جس نے خود کو پیٹر سوم ظاہر کیا وہ یملاین پگاچوف تھا۔ یہ ایک غریب کوسک تھا اور اس کا تعلق نہ صرف ویسکیا گاؤں سے تھا۔ جوڈان کے کنارے پر واقع تھا در اصل یہ شخص زار کی فوج کا بھگوڑا تھا اور اس ظلم وتشدد کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ 1773ء میں کسانوں کی بغاوت پھیل گئی۔ کسان اور کوسک بے اطمینانی کا شکار ہو گئے وہ غلام داری محنت کے ہاتھوں تنگ تھے۔ پگاچوف نے کسانوں کے نام جو اپیل جاری کی، اس میں اس نے وعدہ کیا کہ وہ کسانوں کو ان کے آقاؤں سے آزادی دلائے گا اور انہیں وہ ہمیشہ کے لیے آزاد کروائے گا، انہیں زمین دے گا، دریا اور جنگلات کا استعمال، ان کی مرضی کے مطابق ہو گا۔ اس نے کسانوں سے کہا کہ وہ ڈورانیے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور ان کے خلاف جو زار کے اہلکار ہیں۔ انہوں نے کسانوں سے کہا کہ وہ ڈورانیے جس نے آپ کا استحصال کیا ہے انہیں قتل کیا جائے یا پھانسی دی جائے۔ پگاچوف کی فوج نے زار کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا اور ارن برگ یوراں کے قصبے کا محاصرہ کر لیا۔ وہ سمارا اور کراسمیتیسنک پر قبضہ کرتے گئے اور چیلاویسنک کا محاصرہ کر لیا۔ اور برگ میں قبضہ کرنے کی ناکامی سے پگاچوف باشکیریا کی طرف چلا گیا۔ کسانوں نے بڑی حد تک پگاچوف کے ساتھ شرکت کر لی۔ یورال اور وولگا وادی کے استحصال زدہ لوگ پگاچوف کے ساتھ شریک ہو گئے۔ باشکر، تاتار، کالا مائیک، کازاک، چواش، ماری، تورڈویسنی، ارکئی دوسرے لوگ بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ پگاچوف کا منشور روسی زبان میں ہی نہیں لکھا گیا تھا بلکہ تاتار یا شکراء کئی دوسری زبانوں میں بھی اسے تحریر کیا گیا۔ اس تحریک کے راہنماؤں نے ایک اہم کردار ادا کرتا تھا۔ باشکرز کا نوجوان راہنما سلاوت یلایوں وہ ایک شاعر بھی تھا اس نے باغی فوج کے لیے گیت بھی لکھے۔ پگاچوف کی افواج میں غلام مزدوروں کی کافی تعداد تھی۔ اسی دوران یورال میں کئی ایک کارخانے بھی تھے جہاں لوہے اور تانبے کا کام ہوتا تھا۔ اسلحہ سازی کا سامان توپیں اور گولے یہاں بنائے جاتے جو لوگ یہ سامان بناتے وہ انہیں چلانے کے فن کو بھی سمجھتے تھے۔ اورن برگ کے محاصرے کے دوران پگاچوف کے آدمیوں نے ثابت کیا کہ وہ فوجی حکمت عملیوں میں بھی کسی سے کم نہیں، اور فن حرب کا اعتراف زار کے جنرلوں نے بھی کیا ــــــ باشکریا میں چھپنے کے بعد اسے جلد ہی زار کی طاقتور اور مضبوط فوج سے سامنا کرنا تھا۔ اس نے دریائے کو ما عبور کیا اور ازہوسک اور ووٹ کیسک کی فیکٹریوں پر قبضہ کر لیا جو کازان کی طرف جانے والا راستہ کھولتیں تھی۔ کازان کے محاصرے کی قیادت پگاچوف نے خود کی۔ یہ توپخانے کا انتہائی ماہر تھا اور وہ شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا، پگاچوف کی کامیابی مختصر وقت کے لیے ثابت ہوئی اور یہ کسانوں کی بغاوت جس طرح پہلے ہو چکی تھی۔ انہیں کی طرح تھی۔ اس کی مناسب تنظیم نہیں تھی۔ آخر کار اس کا انجام مکمل ناکامی کی صورت میں ہوا، کازان کے بعد

پگاچوف جنوب کی طرف پسپا ہو گیا۔ فیصلہ کن لڑائی۔ سار پٹا کے مقام پر لڑی گئی اگر چہ باغی فوج نے زبردست مزاحمت کی، لیکن ان کا زار کی فوج سے کوئی موازانہ نہیں تھا، امیر کوسکوں نے پگاچوف سے بعد میں غداری کی اور زار کے جرنیلوں سے مل گئے۔ زار کے جرنیل اسے پنجرے میں بند کر کے اور زنجیریں پہنا کر ماسکو لے گئے جہاں سے بولوٹو نیا چوک میں پھانسی دے دی گئی۔ (1775) صرف دورانیے کے نمائندوں کو یہ منظر دیکھنے کی اجازت دی گئی چنانچہ پگاچوف کی طرف سے کی گئی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر چہ اسے بڑے ظالمانہ طریقہ سے پھانسی دی گئی لیکن یہ بھی ایک اہم مرحلہ تھا کہ روسی امرا اور معززین کو پتہ چل گیا کہ غلام داری محنت اور کسانوں پر استحصال کا ردعمل کتنا سخت ہے۔ یہ تحریک غلام داری زراعت کے خد تمے اور اس کی عمر کے دن قریب لے آئی۔

روسی خارجہ پالیسی (18ویں صدی کے دوسری نصف میں)

روس ابھی تک ایک ایسی سلطنت تھی جس میں ریاستی پالیسیاں زیادہ تر ڈورانیے کے ہاتھوں میں تھیں۔ اس طبقے کا مفاد اور تاجروں کا مفاد، زیادہ سے زیادہ سرحدی وسعت چاہتا تھا۔ غلام داری زراعت کے نظام انتشار ہو چکا تھا اور ڈورانیے اس کو سنبھالا دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے وہ قدیم نظام کی حفاظت کر رہے تھے۔ انہوں نے اس کے خاتمہ کے لیے نئی زمینیں حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس لیے بحر اسود کے ساحل کو وہ بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے۔ 1768ء میں کریمن خان کے فوجی، جو ترک سلطنت کا منصب دار تھا، نے روس کے جنوبی علاقے پر حملہ کر دیا۔ روس اور ترک جنگ شروع ہو گئی۔ روسیوں کے ممتاز کمانڈروں رومانیوسوف اور سوروف نے زبردست کامیابیاں حاصل کیں۔ 1774ء میں جنگ کا خاتمہ، کوچیک کینراچی (Kuchuk Kainarji) کا معاہدہ سے ہوا۔ اس معاہدے میں روسیوں کے بڑے مفادات تھے، اس سے روس کو شمالی بحر اسود میں پاؤں جمانے کا موقع مل گیا اور مشرقی ساحلوں پر حقوق حاصل ہو گئے۔ 1783ء میں کریمن خان جس کی آزادی اب محدود ہو چکی تھی، اس نے اس پر اپنے دعویٰ سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا اور کریمیا روس کا حصہ بن گیا۔ اس طرح اس علاقے میں روسی پوزیشن مستحکم ہو گئی اور اس کا راستہ بحر اسود کی طرف کھل گیا۔ 1654ء میں جب روس اور یوکرائن کی یونین وجود میں آئی تو ڈینپر کا مغربی علاقہ بائیلو رسیا ابھی تک پولیش کا حصہ تھا۔ اس وقت پولینڈ کی معیشت انتہائی کمزور تھی اور کسانوں کا بڑی شدت سے استحصال کیا جا رہا تھا۔ جاگیردارانہ استحصال شہری ترقی کی راہ میں بھی رکاوٹ تھا۔ یہ وہ نقشہ ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کیوں پولینڈ اپنے طاقتور ہمسایوں سے پس ماندہ تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں پولینڈ کو روس، آسٹریا اور پروشیا نے باہمی طور پر تقسیم کر لیا۔ یہ اب اپنی آزادی کھو چکا تھا۔ یہ پولینڈ کے عوام کے لیے ایک المیہ تھا، تقسیم کے عمل میں یوکرائن اور

بائیلورشیا کے مغربی علاقے روس کو مل گئے۔

روس میں روشن خیالی (18ویں صدی میں) لومونوسوف:

اٹھارویں صدی روس ثقافت کا اہم عہد ہے۔ اس عہد کی ممتاز شخصیات میں میخائل لومونوسوف (1711 تا 1765ء) تھا جس کا تعلق قا ایک سیدھے سادھے کسان گھرانے سے تھا۔ لومونوسوف کئی ایک صفات اور خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ ایک باصلاحیت ماہر طبیعات، ماہر فلکیات، ماہر ارضیات، جغرافیہ دان، ماہرلسانیات، مورخ، شاعر، مصور اور انجینئر تھا۔ اس نے روس کی پہلی کیمیائی تجربہ گاہ کی بنیادی رکھی۔ اس نے "Law of conservation of matter" دریافت کیا۔ اس عظیم مفکر کے کارناموں میں تھیوری ہمیشہ عمل سے منسلک رہی ہے۔ اس نے معدنی وسائل کو استعمال کرنے اور اس کے خزانے دریافت کرنے کے متعلق اپنا نظریہ پیش کیا۔ علم کے کئی شعبوں میں لومونوسوف نے کئی ایک دریافتیں کیں۔ فلکیات میں اس کی دریافتوں میں اس فکر کی راہنمائی کہ ''وینس کے گرد ماحول ہے'' اس نے آج کے جدید بیلی کوپٹر سے ملتا جلتا ڈھانچہ تیار کیا تھا۔ لومونوسوف نے انتہائی اہم کتابیں تحریر کیں۔ دھات سازی اور روسی گرائمر کے موضوع پر بھی اس نے کتابیں تحریر کیں۔ لومونوسوف نے روس میں تعلیم کے شعبے میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور پہلی روسی یونیورسٹی کے قیام کے عمل میں ایک اہم کردار ادا کیا جو ماسکو میں 1755ء میں کھولی گئی۔ اس یونیورسٹی سے منسلک دو سکول کھولے گئے۔ ایک ڈورانیے اور دوسرا ان آزاد جاگیرداروں کے بچوں کے لیے لیکن تاجروں اور مزارعوں کے بچوں کو سکول میں داخلہ کی اجازت نہیں تھی اور لومونوسوف کے طبقات کو مساوی حیثیت میں داخلہ دینے کو کہا لیکن زارشاہی نے ایسی آزادیاں دینے سے انکار کیا۔ ماسکو یونیورسٹی میں تین شعبہ ہائے جات تھے، فلسفہ، قانون اور ادویات، دوسری یونیورسٹیوں کے برعکس یہاں دینیات کا کوئی شعبہ نہیں تھا، یہ جلد ہی روسی سائنس اور ثقافت کا اہم مرکز بن گیا۔

پروانہ انقلاب اور زرعی غلام داری کی مخالفت

اٹھارویں صدی کے اختتام پر روسی سلطنت اپنے نقطہ عروج پر تھی اور یہ کہ سلطنت مزید تیزی سے ترقی کر رہی تھی۔ یہ جاگیردارانہ سیاست، جو شمال میں بحر بالٹک اور بحر سفید تک پھیلی ہوئی تھی اور مغرب میں بحراسود تک، اب اس کے پاس بڑی منظم سول انتظامیہ تھی۔ ایک بڑی فوج اور ایک بڑا بحری بیڑہ جسے کئی ایک جنگوں میں زبردست شہرت حاصل ہوئی تھی۔ ملکہ کیتھرائن دوم جو تیس سال تک برسراقتدار رہی۔ اپنے خون سے وفادار تھی اور وہ امرا کے مفادات کی زبردست محافظ تھی، کسانوں کا زیادہ

سے زیادہ استحصال اور امرا کو زیادہ سے زیادہ حقوق اس کے اقتدار کا خاصہ تھا۔ پگاچوف بغاوت کو کچلنے کے بعد، کیتھرائن نے ایک خط چھاپا، جس میں امرا کے حقوق اور وقار میں اضافے کے لیے کیا گیا۔ (1785ء) جاگیردار اور امراء طبقہ ملک کی خوشحالی اور دفاعی صورت سے بھرپور طور پر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ کسانوں کے ساتھ جس طرح چاہتے سلوک کرتے، وہ انہیں خریدتے اور فروخت کرتے انہیں تحفے کے طور پر دوسروں کو دیتے، انہیں جوئے پر لگائی ہوئی شرط کے طور پر لگاتے تاہم غلام داری طریقہ پیداوار کے صنعتی عمل کو روکا ہوا تھا۔ دستکاروں نے کئی ایک دریافتیں کیں لیکن وہ تاریکیوں میں چھپ گئیں۔ انگلستان میں بوژروا انقلاب پہلے ہی آ چکا تھا اور اس وقت فرانس میں بھی ایسا ہو چکا تھا، سرمایہ دارانہ نظام مکمل طور پر کرائے کی محنت پر نشوونما حاصل کر رہا تھا اور ایک نئے طبقے کا وجود عمل میں آیا۔ ''پرولتاریہ'' مطلقیت کی ان ملکوں میں پہلے ہی جڑیں نکال جا چکی تھیں لیکن روس کے امراء اور تعلق دار ہر ممکن طور پر اس کوشش میں تھے کہ زرعی غلاموں پر مشتمل اس نظام کو برقرار رکھیں اور اپنے حقوق میں اضافہ کریں لیکن بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں میں شعور پھیل رہا تھا کہ غلام داری محنت کے نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ 1790ء میں ایک تحریر جس کا عنوان تھا ''پیٹرز برگ سے ماسکو تک کا سفر'' ملکہ کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس کے مصنف کا نام تحریر نہیں تھا، اس کو پڑھتے ہوئے کیتھرائن نے خود کو کسی انقلابی کے سامنے پایا۔ اس کے مصنف نے مادر وطن سے احتجاج کیا، کہ غلام داری محنت کے نظام میں بے انصافی، عدم مساوات اور معاشرے کی دیگر برائیاں پائی جاتی ہیں۔ اس نے مالکان زمین کو کھاد جنگلی جانور اور کیچوئے قرار دیا جن کی پیاس کبھی نہیں بجھتی (خون پینے والی جونکیں) ''وہ جاگیردار جو روز بروز امیر ہو رہے ہیں انہیں کسانوں اور غلاموں کا مشکور ہونا چاہیے'' اس نے امراء کو بار بار پیر ہن کیا۔ ''تمہاری امارت لوٹ مار کا سامان ہے۔ تم شہری کہلانے کے مستحق نہیں ہو، انہیں چور کہنا چاہیے، اور ان کے کاشتکاری کے متعلقات تباہ کر دو اس کے کھیت اجاڑ دو، اور ہر قسم کی اشیا جو ان کی ہیں، تباہ کر دو۔'' مصنف نے غلام دارانہ نظام کے مکمل خاتمہ کا مطالبہ کیا اور کسانوں کو آزادی دیئے جانے کے لیے کہا۔ اس نے کسانوں کو حق دیا کہ وہ اپنے آقا کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ مصنف استبدادیت کے بھی خلاف تھا اور اس کے خیالات واضح طور پر جمہوری تھے۔ اس نے کہا طاقت عوام کے پاس ہونی چاہیے۔ اس نے زار کو ''وین'' کہا۔ ''اس سے زیادہ اور کوئی ظالم نہیں ہے۔'' چنانچہ یہ گمنام لکھاری استبدادیت کے مکمل خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے۔ مسودہ پڑھ کر ملکہ کے اندر خود انقلاب آ گیا۔ تشدد کے نتیجے میں اس کے مصنف کا نام پتہ چلا، الیگزنڈر راڈیشچف وہ 1749ء میں پیدا ہوا، اس کا تعلق امراء کے گھرانے سے تھا، اس نے سینٹ پیٹرز برگ میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کسٹم کے طور پر کام کیا۔ کیتھرائن کے قبضے میں راڈیشچف تھا اور مقدمے کے بعد اسے سزائے موت کا حکم سنایا گیا تاہم کیتھرائن اسے سزائے موت دینے پر رضامند نہیں تھی۔ اس نے کئی یورپی فلسفیوں

سے تعلقات قائم رکھے تھے اور انہیں یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک روشن خیال حکمران ہے۔ یورپ میں اس کی شہرت اس معاملے میں اچھی تھی تاہم اس نے راڈیشچف کو سزائے موت نہیں دی اور دس سال کے لیے ایک الگ تھلگ قلعے میں بھیج دیا۔ راڈیشچف نے چھ سال قید میں گزارے۔ اس دوران سینٹ پیٹرز برگ میں اس کے دوست نے اس کا مقدمہ پیش کیا اور اس کی رہائی حاصل کر لی۔ واپس پیٹرز برگ پہنچ کر اس نے نئے قوانین بنانے والے ایک مشن کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اس قسم کا ترقی پسند مسودہ تیار کیا کہ وہ دوسری بار سائبیریا پہنچ گیا۔ پہلے ہی سے بیمار اور اندر سے ٹوٹا پھوٹا راڈیشچف یہ سختیاں جھیل کر زندہ نہیں رہ سکتا تھا چنانچہ ستمبر 1802ء میں اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ الیگزنڈر پہلا شخص تھا جس نے استبداد یت اور غلام دارانہ محنت کے خلاف آواز بلند کی اور نظام کے مکمل خاتمے کا مطالبہ کیا۔



باب:20

انگلستان (17ویں اور 18ویں صدی میں)
شمالی امریکہ کی جنگ آزادی

انگلستان میں سماجی و معاشی ترقی:

انگلستان میں بورژوا انقلاب کے فوری نتائج یہ نکلے کہ زیادہ اور بڑی تیزی سے اقتصادی نشوونما ہوئی، اگرچہ معاشرے میں ابھی تک کئی ایک اقتدار کا تعلق جاگیردارانہ سماج سے تھا۔ اون اور کاٹن کی صنعت، کان کنی، لوہے کی پگھلائی کا کاروبار ترقی حاصل کر رہا تھا۔ صنعتی وسعت سب سے زیادہ اون کے کاروبار کو حاصل ہوئی لیکن یہ ترقی کسانوں کے لیے کوئی اچھے دن نہیں لے کر آئی۔ جاگیرداروں نے فصلوں پر توجہ کم کر کے اون پیدا کرنے کے لیے بھیڑیں پالنے کو ترجیح دی، اور وہ کسان جن کے آباؤاجداد صدیوں سے زمینوں سے وابستہ تھے انہیں بے دخل کر دیا گیا۔ جاگیرداروں نے کھیتوں کو چراگاہیں بنا دیا، بے دخل کسان مزدوریاں تلاش کر رہے تھے اور ان کے پاس محنت بیچنے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا چنانچہ کسان شدید غربت میں مبتلا ہو گئے۔ بے روزگاری بڑھ گئی۔ محنت سستی مل جاتی تھی۔ کسانوں کے جتھے دیہاتوں سے نکل کر شہروں کا رخ کر رہے تھے وہ لوگ جو زمینوں سے منسلک رہے تھے۔ بے روزگار ہو کر گھر کی اشیاء تک فروخت کرنے میں مصروف تھے تا کہ دو وقت کی روٹی کھا سکیں۔ گھریلو ضروریات کی اشیاء شہروں میں زیادہ فروخت ہو رہی تھیں۔

انگلستان کی نو آبادیاتی اصلاحات

صنعت میں ترقی کے لیے وسیع طور پر سرمایہ کاری کی ضرورت تھی۔ بورژوا طبقہ تاجر اور مینوفیکچرر، سرمایہ کاری کے لیے رقم اور مواقع چاہتا تھا، لیکن انگلستان میں اس کی آمدنی اسے وہاں سے باہر نکلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ انگلستان ایک جزیرہ ہے اور اسے تمام سمندری راستے میسر ہیں اور اس کے پاس ایک طاقتور بحری بیڑہ بھی ہے۔ انگلستان اس قابل بھی تھا کہ وہ اپنی کالونی حاصل کرنے والے رقیبوں کو دبا سکے۔ 1607ء میں انگلستان نے ورجینیا تلاش کیا جو شمالی امریکہ میں اس کی پہلی نو آبادی تھی جس کے بعد اس کی کالونیوں میں اور اضافہ ہوا۔ آج کل کے امریکہ پر تیرہ نئی کالونیاں وجود میں آئیں۔ (1701ء تا 1714ء) میں ہسپانیہ کی قبضے کے لیے لڑائی اور سات سالہ جنگ (1756ء تا 1763ء) نے انگلستان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ فرانس سے اس کے اہم مقبوضات کینیڈا اور ہندوستان چھین سکے، بنگال، مدراس، بنارس کی ریاستیں، حیدرآباد اور اودھ اب انگلستان کی کالونیاں بن چکی تھیں ___ انگریزوں نے جن علاقوں پر قبضہ کیا ان کو بے رحمانہ طریقے سے لوٹا اور مقامی آبادی پر بھاری ٹیکس عائد کر دیے اور اپنے مال کو بہت مہنگے داموں فروخت کرنے لگے۔ انگریزی نو آبادیوں سے سونے اور قیمتی پتھروں کے جہاز بھر کر لے جاتے تھے اور مقامی لوگوں کے لیے موت کے سائے، غربت اور مایوسی کی اتھاہ گہرائیاں چھوڑ جاتے۔

صنعتی انقلاب

سرمایہ دارانہ وسیلوں پر توجہ مرکوز کرنے کے بعد کسانوں کو زمینوں سے بیدخل کرنے اور انہیں بے روزگار بنا کر شہروں میں مارے مارے پھرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس سے شہروں میں سستے مزدور میسر تھے۔ اندرونی اور بیرونی ملک تجارت میں اشیاء کی مانگ میں زبردست اضافہ ہوا، پیداوار کا اعلیٰ معیار اور محنت کی تقسیم نے ایسے ضروری حالات پیدا کر دیے جو ٹیکنیکی انقلاب کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ دستکاری کی جگہ ٹیکنیکل محنت نے لے لی، پہلی مشینیں میکانکی کھڈی اور چرخہ 18ویں صدی میں ایجاد ہوا۔ اس کا استعمال کاٹن کی صنعت میں کیا گیا۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ کاٹن کا خام مال امریکہ اور ہندوستان سے آسانی سے مل جاتا تھا۔ مشینری کے وجود میں آنے سے ترقی ایک زبردست چھلانگ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ اس وقت زیادہ کاریگر لوگ نہیں تھے جو مشینوں کا مقابلہ کر سکتے۔ قدرتی طور پر کاٹن کی صنعت میں تیزی سے پیشقدمی دوسری صنعتوں کو پیچھے چھوڑ گئی۔ دیگر صنعت کاروں نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے مشینری تیار کی جائے۔ ٹیکنیکی دریافتیں کسی بھی صنعتی پیداوار اور اس کے اعلیٰ معیار کی ضمانت تھیں۔ کوئلے کی کان کنی اور دھات سازی میں زبردست کامیابیاں حاصل کی گئیں۔ 1784ء میں واٹ نامی

ایک انجینئر نے سٹیم انجن ایجاد کیا اور یہ ٹیکنیکی حاصلات کئی دوسرے شعبوں میں بھی استعمال کی جانے لگیں۔اس ایجاد نے میکانکی عمل میں انقلاب برپا کر دیا اور اس کلیے کو خاص طور پر ٹرانسپورٹ میں استعمال کیا جانے لگا۔ 1807ء میں رابرٹ فلٹن نے پہلا دخانی جہاز ایجاد کیا۔ 1814ء میں جارج اسٹفین سن نے پہلا ریلوے انجن ایجاد کیا اور چند سالوں بعد ریلوے قائم کر دی گئی۔18 ویں صدی میں جو صنعتی ارتقاء انگلستان میں ہوا اس نے اقتصادی ترقی اور سرمایہ دارانہ ارتقاء کے حوالے سے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ 19 ویں صدی کے دوران یورپ کے تمام ملکوں میں اور شمالی امریکہ میں ایسے ہی صنعتی انقلاب برپا ہو رہے تھے۔اگرچہ ان میں کچھ مقامی تبدیلیاں ہو جاتی تھیں اور بعض اوقات یہ انتہائی امتیازی خصوصیات کے حامل ہوتے۔ بہر حال اس صنعتی انقلاب نے برطانوی معاشرت پر جو نتائج مرتب کیے وہ یہ کہ 18 ویں صدی کے خاتمے تک اور 19 ویں صدی کے شروع میں برطانیہ یورپ کی اقتصادی اور صنعتی ترقی میں سب سے آگے تھا۔ پوری دنیا میں صنعت وحرفت کی ترقی کا پیمانہ انگلستان میں سب سے بلند تھا اور یہ دنیا کا پہلا ملک تھا جس کی شہری آبادی اس کے دیہاتوں سے بڑھ رہی تھی۔ اس دوران لندن کے علاوہ کئی دیگر شہر اور قصبے صنعتی بننے لگے۔ برمنگھم، مانچسٹر اور نیوکیسل اس عہد کے مطابق ان کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ کسان جو کہ اس معاشرے کی بہت بڑی طاقت تھے آہستہ آہستہ غائب ہو رہے تھے، شہری آبادی میں اکثریت کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تھی پرولتاریہ کو اس صنعتی انقلاب میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرنا تھا۔ پرولتاریہ کی ملکیت صرف ان کے ہاتھ تھے۔غربت انہیں کارخانوں کے انتہائی گندے ماحول اور بری حالت میں کام کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ صنعتی انقلاب کے ابتدائی مرحلے پر محنت کشوں کو اپنے حقوق اور مفادات کے متعلق علم نہیں تھا اس کے علاوہ مزدوروں کی تعداد زیادہ تھی، بے روزگاری، اور پھر سرمایہ دار مزدوروں کا بے رحمانہ استعمال کرتے تھے وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام لیتے، اوقات محنت سولہ سے اٹھارہ گھنٹے تک تھے، بچوں اور عورتوں سے مشقت لی جاتی جو کہ بہت ارزاں تھی، مزدوروں سے بے پناہ محنت کام لیا جاتا، مزدوروں کی جسمانی طور پر مخدوش حالت انہیں روحانی طور پر پست کر رہی تھی۔ آخر کار مزدوروں کو ان حالات سے نپٹنا تھا، ابتدا میں وہ ناتجربہ کار تھے اور ان کا غصہ اندھا تھا۔ انہوں نے مشینیں توڑ کر اس کا اظہار کیا وہ سمجھتے تھے کہ ان کے مسائل کی بنیادی وجہ مشین ہے لیکن جلد ہی انہوں نے تسلیم کر لیا کہ استحصال مشین نہیں مالک کرتا ہے۔انہیں یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ سرمایہ داران کی محنت کا پھل کھاتا ہے اور امیر ہوتا جا رہا ہے۔ شہری تعمیرات میں سے بھی انگلستان کے اس دور کے معاشرے کی جھلک ملتی ہے۔ ایک طرف غریب مزدوروں کے کچے ٹوٹے ہوئے گندے اور انتہائی چھوٹے مکان تھے اور دوسری طرف امراء، فیکٹری مالکان شاندار مکان بنا کر رہتے تھے، صنعتی انقلاب کے بعد دو علیحدہ علیحدہ انگلستان وجود میں آئے۔ دو گڑھ جو ایک دوسرے کی مخالفت کرتے تھے۔ استحصال

کرنے والوں کی دنیا، صنعتی بورژوازی کالونیائی اور خاندانی اشرافیہ پر آسائش اور دولت مندوں کی دنیا، جو صنعتی مزدوروں، دستکاروں، محکوم قوموں کے باشندوں کا بے رحمانہ استحصال کر رہے تھے اور یہ لوگ سیاسی سماجی اور معاشی لحاظ سے پسماندہ ہوتے جا رہے تھے، اس طرح اپنی بقا اپنے بچوں کے مستقبل اور تمام دنیا کے لیے پرولتاریہ نے استحصال کرنے والوں کے خلاف ایک نا قابل صلح جدوجہد شروع کر دی۔

شمالی امریکہ کی برطانوی نوآبادیوں میں فساد

ظالم اور بے رحم استحصال جو انگلستان کا حکمران طبقہ اپنے ہی مزدوروں پر کر رہا تھا اس کے خلاف ناگزیر مزاحمت کا آغاز ہوا۔ 19ویں اور خاص طور پر 20ویں صدی میں پرولتاریہ کی آزادی کی جدوجہد اور نوآبادیوں میں طبقاتی جدوجہد ایک اعلیٰ معیار پر جا پہنچی اور طاقت کے توازن میں بنیادی تبدیلیوں کا باعث بنی۔ استحصال کرنے والوں اور استحصال زدہ لوگوں کے درمیان تفریق میں اضافہ ہوا اور طاقت کا توازن جدوجہد کرنے والوں کے حق میں ہوا تاہم 18ویں صدی کے شروع میں جب برطانوی سرمایہ داری ترقی کر رہی تھی تو اسے اپنے ہی زیر تسلط ملکوں سے مراجعت کرنا پڑی۔ 1607ء کے بعد گزرنے والے سالوں میں جب مشرقی امریکہ میں برطانوی نوآبادی کی بنیاد پڑی، باطانوی کالونیوں میں کئی ایک بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں، آبادی میں اضافہ ہوا، برطانوی بورژوا انقلاب کے دوران شاہ پسند امریکہ میں آباد ہونے کے لیے آ گئے تھے اور جب شہنشاہیت کی بحالی کا دور آیا تو کرامویل کے حامی بھی اس طرف یہاں آباد ہوئے جو نئے حالات کے تحت مقدمہ چلائے جانے سے خوفزدہ تھے۔ کسان غربت کے مارے ہوئے، لوگ سزا یافتہ اور مبہم جو افراد، نوآبادیوں کی سماجی ساخت مختلف نوع تھی۔ شمالی امریکہ کے ساحلوں پر جہاں یورپی لوگ آباد ہوتے تھے۔ مقامی لوگ انڈین نئے آنے والوں سے اچھی طرح چوکس تھے۔ پہلے پہل جھڑپیں اور کشیدگی رہی لیکن بعد میں باقاعدہ لڑائی کی صورت پیدا ہو گئی۔ یورپ والوں نے بالادستی قائم رکھی اور مقامی آبادی کے نیزے، تیر کمان یورپ کے آتشی اسلحہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ اس وجہ سے یہ جدوجہد جلد ہی یک رخی صورت اختیار کر گئی۔ یورپیوں کا غلبہ ہو گیا اور انڈین پر زیادتیاں کی جانے لگیں جب یورپ والے اس ساحلی علاقے کی بہترین زمین سے انڈین کو نکال باہر کر چکے تو انہوں نے بتدریج مغرب میں اندر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ علاقوں کی وسعت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا اور یہ سلسلہ کوئی 150 سال تک جاری رہا۔ 18ویں صدی کے خاتمے تک یہاں برطانیہ کی تیرہ کالونیاں تھیں اور ان کی آبادی کوئی پندرہ لاکھ تھی۔ کالونیوں کے انتظام گورنر چلاتے جن کو انگریزی بادشاہ نامزد کرتا۔ حکومت برطانیہ نے اس دور دراز آبادی کی طرف بہت کم توجہ دی اور انہیں بہت کم حقوق دیئے۔ بادشاہ پہلے کالونی کا جائزہ لیتا پھر وہ ذریعہ تلاش کرتا جس کے مطابق شاہی

خزانہ بھرا جا سکتا۔ مقامی آبادی پر بھاری ٹیکس تو عائد کر دیئے گئے لیکن اس کے عوض انہیں کچھ نہیں دیا گیا___ برطانوی حکومت کی مفاد پرستانہ پالیسی، گورنروں کا استبدادی قانون، بے رحم انتظامی عملہ، برطانوی فوج کی بڑی تعداد کی امریکی کالونیوں پر تعیناتی، یہ وہ تمام وجوہات تھیں جو عوام میں سخت عدم اطمینان کا باعث بن رہی تھیں۔ 1765ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں نئے نیا سٹپ ٹیکس عائد کیا۔ اس کا اطلاق ہر قسم کی تجارت، دستاویزات، اخبارات اور اعلانات وغیرہ پر ہوتا، امریکی نوآبادیوں کی سماجی حالت ایک ہی طرح کی تھی، مختلف لوگ زراعت میں ملوث تھے، صنعت وتجارت میں بھی لوگوں کی شراکت تھی، ہر جگہ غریب اور امیر کے مفاد کا آپس میں تصادم تھا۔ 1770ء میں طبقاتی نسلی مخاصمت کے باوجود تمام نوآبادکار نئے ٹیکسوں سے نالاں تھے اور برطانوی انتظامیہ نے ان پر جو پابندیاں عائد کی تھیں وہ بھی ان کے لیے پریشان کن تھیں۔

جنگ آزادی کا آغاز

مارچ 1770ء میں مقامی آبادی نے غیر ملکی آبادکاروں، انگریزوں کے خلاف بوسٹن میں جو ہتھیار اٹھائے تھے اس میں کئی لوگ مارے گئے، اگلے سال برطانوی فوجوں نے شمالی کیرولینیا کی آبادی پر گولیاں برسا دیں۔ برطانوی حکام نے ان بغاوتوں کو کچلنے کے لیے بے رحمانہ اور غیر انسانی طریقے استعمال کیے۔ 1774ء میں پہلی امریکی فوج کا اجتماع ہوا تا کہ ملک کی آزادی کے لیے لڑا جا سکے۔ پہلی جنگ جو حکومتی فوجوں اور مقامی باشندوں کے درمیان ہوئی وہ 19 اپریل 1775ء میں لیکنسگٹن کے مقام پر چند بندوق برداروں کے ایک گروپ اور بہتر اسلحہ سے لیس حکمران فوج کے درمیان ہوئی، برطانوی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور وہ مراجعت پر مجبور ہوئے، یہ امریکی جنگ آزادی کا آغاز تھا۔ یہ جنگ آزادی جس میں آبادکاروں نے اپنے حقوق کا دفاع کیا۔

آزادی کا اعلان نامہ

مئی 1775ء میں فلاڈلفیا میں دوسری براعظمی کانفرنس منعقد ہوئی اس میں وہ تمام نوآبادیاں جنہوں نے برطانوی اقتدار کے خلاف ہتھیار اٹھا رکھے تھے ان کی نمائندگی موجود تھی۔ کانگرس نے قرارداد منظور کی کہ برطانیہ کی افواج سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک فوج تیار کی جائے جو کہ موجودہ مزاحمت کو آگے بڑھا سکے، جارج واشنگٹن (1732ء تا 1799ء) کو مشترکہ افواج کا کمانڈر نامزد کیا گیا۔ باوجود ان مشکلات کا جن کا اسے سامنا کرنا پڑا۔ جارج واشنگٹن اس عظیم مقصد کے لیے انتہائی موزوں شخص تھا یہ وہ باوقار اور پرعزم کمانڈر تھا جس نے اس امریکی فوج کی قیادت کی جس نے ایک بار اور پھر ہمیشہ کے لیے

برطانوی راج کا خاتمہ کر دیا۔ 4 جولائی 1776ء میں کانگرس نے ایک مشہور اعلامیہ آزادی جاری کیا۔ ایک جرات مندانہ انقلابی قانون کے ذریعے، وہ تمام ریاستیں جو برطانوی تسلط کے خلاف جدوجہد کرتی رہی ہیں انہیں مکمل آزادی دی جاتی ہے۔ ''ریاست ہائے متحدہ امریکہ'' 4 جولائی امریکی لوگوں کے لیے چھٹی کا دن قرار پایا تھا اور آج تک ایسا ہی ہے اس مشہور اعلان آزادی کا مصنف تھامس جیفرسن (1743ء تا 1826ء) ایک ممتاز جمہوری راہنما جو امریکی انقلاب میں پیش پیش تھا۔ جیفرسن روسو سے بہت متاثر تھا جس کی تعلیمات اس کے نظریات کی تشکیل کا باعث بنیں جس کے مطابق انسانوں میں مساوات اور لوگوں کا اقتدار اعلیٰ، ان جمہوری نظریات نے اعلان آزادی کی بنیادیں فراہم کیں اور اس اعلامیے میں جس اہم نقطے کا اضافہ کیا گیا وہ غلامی کا خاتمہ تھا لیکن وہ امیر کاشتکار اور مالکان غلام کانگریس پر دباؤ ڈال رہے تھے اور انہوں نے اس کے لیے زبردست مہم چلائی اور آخرکار اس نقطے کو اعلامیہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے چنانچہ اس نئی نوجوان ریاست جس نے ابھی آزادی حاصل کی ہی تھی میں غلامی موجود رہی، وہ دور جب جاگیرداری نظام پوری دنیا پر حاوی تھا اور سماجی ناانصافی اور عدم مساوات کا دوردورہ تھا، سیاسی ناانصافی اور پسماندگی چھائی ہوئی تھی۔ آزادی کا اعلامیہ جیسا کہ اس میں کہا گیا ''انسان کا حق کہ وہ آزاد ہے'' انتہائی ترقی پسندانہ دستاویز تھی۔

طرز جنگ:

آزاد ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے قیام کا مطلب یہ تھا کہ ایک ریاست مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق وجود میں آ گئی ہے لیکن سب سے پہلے برطانیہ والوں کے خلاف ایک سخت جنگ کرنا تھی۔ برطانیہ نے بندرگاہوں پر فوجی اڈے قائم کر رکھے تھے ان کے پاس ایک زبردست بحری بیڑہ اور لڑنے کے لیے ہزاروں فوجی، برطانوی افواج کو آزادی پسندوں کے ہاتھوں زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تاہم امریکیوں کی لڑائی درست اور حق بجانب تھی۔ اس طرح ان کی قوت زیادہ تھی۔ دنیا کے دوسرے علاقوں سے بھی کئی لوگ امریکہ کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کے لیے پہنچے، سینٹ سائمن جو کہ یوٹوپیائی سوشلسٹ تھا اور پولینڈ کی جنگ آزادی کا لیڈر رٹیڈوس کوششکو بحراوقیانوس کو عبور کرتا ہوا ''حریت پسند لڑکے'' کی صفوں میں شامل ہو گیا۔ اس کے علاوہ امریکہ کو یورپ کے ان ملکوں کی بھی حمایت حاصل تھی جن کی یورپ میں برطانیہ سے مخاصمت تھی۔ 1778ء میں سپین اور فرانس نے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور کئی سالوں کی سخت جنگ کے بعد امریکیوں نے برطانیہ کو شکست دی۔ 19 اکتوبر 1781ء میں جارج واشنگٹن کی فوج نے برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ وہ یارک ٹاؤن میں اطاعت کریں، یہ وہ فتح تھی جس نے جنگ کے آخری نتائج کا اعلان کیا۔ 3 ستمبر 1783ء باہمی طور پر برسرپیکار ریاستوں نے ورسائلز کے

مقام پر ایک سمجھوتہ کرتے ہوئے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو ایک آزاد حکومت کے طور پر تسلیم کیا، اس طرح امریکی عوام کی جرات مندانہ انقلابی جدوجہد کا اختتام ان کی آزادی اور اپنے وطن کی خودمختاری پر ہوا۔

1787ء کا آئین اور حقوق کا بل

جنگ آزادی میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو مادی اور انفرادی قوت کے وسائل خرچ کرنا پڑے۔ ٹیکسوں کا بڑھانا از حد ضروری ہو گیا تھا۔ جنگ سے غریبوں کو بے تحاشا نقصان پہنچا۔ وہ غریب جنہوں نے بڑی بہادری سے ملک کی آزادی میں حصہ لیا تھا اب اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اپنے قرضے اتار سکیں چنانچہ وہ لوگ جو قرضے ادا نہ کر سکتے انہیں جیل بھیج دیا جاتا۔ 1786ء کے موسم خزاں میں میوچونیٹ ریاست میں غریبوں نے ایک بغاوت برپا کر دی۔ باغیوں نے مطالبہ کیا کہ مقروضوں کو رہا کیا جائے اور انہیں قطعات اراضی مفت تقسیم کیے جائیں۔ امیر کاشتکار، فیکٹری مالکان جو پارلیمینٹری کارروائیوں میں حصہ لے رہے تھے انہوں نے اس بغاوت کو کچلنے کے لیے افواج بھیج دی، فروری 1787ء میں بغاوت کچلنے کی کارروائی شروع ہوئی ____ مئی 1787ء کے آئین میں کہا گیا کہ متحدہ امریکہ ایک وفاقی ریاست ہو گی اور جمہوریہ جس میں اعلیٰ قانون سازی کا ادارہ کانگرس ہو گا۔ اعلیٰ انتظامی اختیارات صدر کے پاس ہوں گے۔ آئین نے غلامی کا خاتمہ نہیں کیا لیکن لوگوں کو کچھ حقوق عطا کیے۔ تاکہ ہم اس وقت کے دیگر ملکوں سے موازنہ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو یہ آئین اس عہد میں سب سے زیادہ ترقی پسندانہ تھا۔ 1789ء میں پہلی کانگرس کا انتخاب ہوا اور جارج واشنگٹن کو پہلے صدر کے طور پر ووٹ دیئے گئے۔ 1789ء میں دس ترجیحات کی منظوری دی جنہیں تاریخ میں "Bill of Rights" ''بل آف رائٹس'' کہا جاتا ہے ان میں لوگوں کو تقریر کرنے کی آزادی، اسمبلی اور پریس کی آزادی، دوسروں کے حقوق کا تقدس وغیرہ کے حق دیئے۔ انسانی حقوق کے اس بل نے غلامی کو ختم نہیں کیا لیکن اس نے بورژوا جمہوریت کے بنیادی اصولوں کی بنیاد رکھی جو کہ اس نو آزاد مملکت کا طرۂ امتیاز تھا اس عہد میں یہ بذات خود سب سے بڑی کامیابی تھی۔

○

باب:21

ایشیا کے عوام (17 ویں اور 18 ویں صدی میں)

سپین اور پرتگال کی نوآبادیاتی پالیسی:

سپین نے تمام وسطی امریکہ کو نوآبادی بنالیا اور جنوبی امریکہ کو بھی، ماسوائے برازیل کے جو پرتگیزیوں کے قبضے میں تھا۔ فلپائن کے جزائر بھی سپین کے قبضے میں تھے جو اس نے 17 ویں صدی کے شروع میں فتح کیے تھے۔ معمولی سی مزاحمت پر بھی انسانوں کا قتل عام کیا گیا۔ لوگوں سے جبری مشقت لی گئی اور یہ لوگ سپینی باشندوں اور ان کی نسل کے کھیتوں اور جاگیروں پر کام کرتے۔ غیر ملکی لوگوں کی نسل کو "creoles" کریولز کہا جاتا۔ نیگرو غلاموں کو افریقہ سے لایا گیا تا کہ وہ زمینداروں اور افسران کے گھریلو کام کاج کریں اور ان جگہوں پر جہاں پیداوار ہوتی اور یہاں سے انڈین لوگوں کو جبری طور پر نکال باہر کیا گیا تھا۔ سپین والوں کو یقین تھا کہ زراعتی متعلقہ جات، پیداوار کے دائرے میں اس قابل نہیں ہے کہ وہ ترقی یافتہ شہروں کا مقابلہ کر سکے۔ غیر ملکی قوتوں کے ساتھ تجارت ممنوع تھی اور سپین کی نوآبادیوں کے درمیان سخت قوانین میں رہتے ہوئے تجارت کی جا سکتی تھی۔ سال میں صرف دو بحری مال بردار جہاز فلپائن سے میکسیکو کی بندرگاہ آکاپلکو بندرگاہ تک جاتے اور واپس چاندی لاتے جس سے جزیرے میں سپین کے سرکاری اہلکاروں کو تنخواہ دی جاتی اور اس سے وہ چینی مال خریدا جاتا جو منیلا میں فروخت کے لیے لایا جاتا تھا۔ فلپائن کے باشندوں کو یورپ سے کسی بھی قسم کے رابطے سے محروم رکھا گیا تھا یہاں تک کہ وہ سپین سے بھی تجارت نہیں کر سکتے تھے ___ سپین کی تمام کالونیوں میں انتظامی افسران، اہلکار اور راہب جو مختلف قسم کے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے سپین کے باشندے تھے۔ بہت سارے سپینی اس نیت سے نوآبادیوں میں پہنچے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے گا وہ لوٹ مار کر کے امیر ہو جائیں گے یا پھر مقامی آبادی کا بے پناہ استحصال کر کے جو دولت اکٹھی ہوگی وہ واپس سپین لے جا کر پرامن اور آسودہ زندگی گزاریں گے

وہ لوگ جو ابتدائی طور پر یہاں آباد ہوئے تھے انہیں کریولز کہا جاتا ہے اب وہ طاقتور ہو چکے تھے اس کی وجہ زرخیز زمینوں پر ان کا حق ملکیت تھا اور مقامی آباد پر انہوں نے غلبہ حاصل کر لیا۔ دستکاری اور تاجروں میں بھی انہیں فوقیت حاصل تھی تاہم کریولز کو انتظامیہ میں کم حصہ ملتا تھا اور ان پر سیاسی اور اقتصادی پابندیاں عائد تھیں۔ (160 تا مزد دائرے میں سے صرف چار کریولز تھے اور 602 کیپٹن جنرل میں سے صرف چودہ)___ کریولز آبادی کی طرف سے شہروں کی مخالفت بڑھ گئی۔ کریولز طبقہ میں پڑھے لکھے لوگوں کی ایک خاصی تعداد پیدا ہو گئی جنہوں نے اپنے مفادات کے لیے آواز بلند کی اور ان پر اقتصادی، سیاسی اور دیگر حقوق کے سلسلے میں جو پابندیاں عائد تھیں ان کے خلاف آواز بلند کی تاہم عوام کی طرف سے انہیں کوئی خاص حمایت حاصل نہ تھی۔ عام آدمی کی نوآبادیاتی استحصال کے خلاف بغاوتیں اور انتظامیہ انہیں بڑے بے رحم طریقے سے کچل دیتی جس کے نتیجے میں طاقت کے معیار کے لحاظ سے سپین درجہ دوم کی ریاست بن گیا تھا۔ اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا کہ اپنی نوآبادیوں پر غلبہ برقرار رکھ سکے اور اپنی تجارتی بالادستی کو بھی قائم رکھ سکے___ دیگر یورپی ملکوں کی طرف غیر قانونی تجارت وسیع پیمانے پر بڑھ گئی اس سے مقامی تاجروں کو خاصا منافع حاصل ہونے لگا، اس سے سپین کی اپنی کالونیوں سے حاصل شدہ آمدنی (ٹیکس ریونیو) میں کمی واقع ہونا شروع ہو گئی۔ چارلس سوم (1759ء-1788ء) نے کوشش کی کہ کالونیوں کے شکنجے کو زیادہ مضبوط کیا جائے اور سپین کے تاجروں کو حقوق مل گئے کہ وہ سپین کی ہر ایک بندرگاہ سے کالونیوں کے ساتھ آزادانہ تجارت کر سکتے ہیں تاہم اس کے دس سالہ دور حکومت میں تجارت میں سات گنا اضافہ ہوا۔ غیر قانونی تجارت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ سپین جو ہمسایہ ملکوں سے نوآبادیاتی نظام کے حوالے سے پیچھے رہ گیا تھا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا کہ وہ اپنی نوآبادیاتی پر قبضہ برقرار رکھ سکے۔ پرتگال کا نوآبادیاتی نظام ان تجارتی چوکیوں پر چلتا تھا جو افریقی ساحلوں سے لے کر ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی اور مزید مکاؤ تک جو چین سے چھینا گیا تب ان کے پاس افرادی قوت اور انتظامیہ کی قلت تھی۔ جو ان وسیع وعریض علاقوں کے انتظام چلاتی۔ پرتگالیوں نے اپنی تجارتی منڈیوں اور سمندری علاقوں اور راستوں کا اچھا استعمال کیا اور ان راستوں پر اپنی بالادستی قائم رکھی۔ یہی وجہ تھی کہ مشرق سے تجارت میں اسے گرم مصالحے کی تجارت جو یورپ کے ساتھ تھی اس پر بالادستی حاصل تھی، انہوں نے Moluccas پر اپنا تجارتی اڈہ قائم کر لیا اور مقامی آبادی کو مجبور کیا کہ وہ لونگ اور جائفل کی کاشت کریں، اور یہ پیداوار ان سے بڑی سستی قیمتوں پر خریدی جاتی۔ ملاکا میں ان کے مقبوضات نے پرتگیزیوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنی تجارت کو ہندوستان اور مشرق وسطیٰ سے چین اور ملائیشیا تک بڑھا سکیں۔ وہ سمندروں میں غیر ملکی جہازوں کو لوٹ کر انہیں اپنی مرضی کی شرائط پر چھوڑا کرتے تھے، تاہم 17ویں صدی سے مشرق پر پرتگیزیوں کا غلبہ، برطانوی اور ڈچ والوں کی مشترکہ کوششوں سے ناکام ہو گیا۔ جو کہ پہلے ہی ترقی کے لحاظ

سے بورژوا سطح تک پہنچ چکے تھے۔ 17 ویں صدی میں پرتگیزیوں کے پاس ان کے چند سابقہ اڈے رہ گئے تھے، جبکہ اکثریت پر ہالینڈ والوں نے قبضہ کرلیا۔ 1640ء میں ملاکا کا پرتگیزوں کے ہاتھوں نکل جانا ان کے زبردست خسارے کا باعث بنا اور اس کی مشرق میں اہم حیثیت کا خاتمہ ہوگیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی نوآبادیاتی حکمت عملی:

سپین اور پرتگال کی نوآبادیت کا عروج کا زمانہ جب نوآبادیاتی پالیسیاں حکمران طبقات کی طرف سے اور ان کے مفادات کے تحت بنائی جاتی تھیں لیکن اب زمانہ بدل رہا تھا اور یورپ میں سرمایہ داری کے ارتقاء کے نتیجے میں بورژوا طبقے کا وجود دراصل اس خواہش کا غماز تھا کہ بیرونی ممالک اور کالونیوں کے متعلق حکمت عملیوں کی وہ خود نگرانی کریں گے اور اپنے مفادات کا خیال رکھیں گے۔ 17 ویں اور 18 ویں صدی میں نوآبادیاتی نظام کی تیار طاقتور کمرشل بورژوازی کے مفادات کے تحت رکھی جاتی تھی جب سپین کی مطابقت سے نیدرلینڈ والوں نے بورژوا انقلاب کے ذریعے تجارت حاصل کی، تو حکمرانوں کا یہ وتیرہ تھا کہ وہ بالائی طبقے کے مفادات کا خیال کرتے۔ 1602ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تشکیل ہوئی اور ایک بڑی شراکت دار کمپنی کا آغاز ہوا اور اس کا آغاز ایک مشترکہ سرمائے سے ہوا، جسے مشرق میں تجارتی اجارہ داری کے حقوق دیئے گئے۔ ڈچ کمپنی دیگر سرمایہ دار کمپنیوں کے لیے ایک نمونہ بن گئی۔ خاص طور پر انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی جو 1600ء میں قائم ہوئی تھی۔ 17 ویں صدی میں نیدرلینڈ سرمایہ دارانہ ملک کی ایک کلاسیکی مثال تھا اور اس کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ برطانوی اور ڈچ نے کندھے سے کندھا ملا کر پرتگال اور سپین کی بالادستی کے خلاف جدوجہد کی تھی۔ ڈچ پرتگال کی بالادستی ختم کرنے میں فاتح ہوئے۔ ڈچ نے پرتگال کی کئی ایک نوآبادیوں پر قبضہ کرلیا مثلاً کیپ کالونی جو افریقہ کے جنوبی کونے پر واقع ہے۔ خلیج فارس کا بیرونی تجارتی علاقے اور 1640ء میں ملاکو ___ انتہائی اہم اور قیمتی علاقہ جو ڈچ کے قبضے میں آیا وہ گرم مصالحہ پیدا کرنے والے جزائر تھے جہاں ڈچ نے مقامی لوگوں کی نفرت پرتگال والوں کی طرف موڑ دی اور بڑی مہارت سے انہوں نے وہاں کے حکمرانوں کی نفرت بھی، ان کے افراد نے اپنے مفاد کے لیے پرتگال والوں کے کھاتے میں ڈال دی۔ 1623ء میں ایتھوپیا میں انگریزوں کے قتل عام کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز کئی ایک علاقوں سے نکل گئے مثلاً انڈونیشیا اور ان جزائر سے جہاں گرم مصالحے کی تجارت کو اہمیت حاصل تھی ___ ڈچ کی نوآبادیاتی سرگرمیوں کا مرکز جو 17 ویں صدی میں مشرق بعید میں ابھرا وہ جاوا تھا۔ ڈچ کمپنی ایک چھوٹے سے ساحلی علاقے جکارتہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئی۔ یہاں ایک نوآبادیاتی دارالحکومت بنا دیا، سابقہ دارالحکومت کے کھنڈروں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ اقدام ڈچ کمپنیوں کے نوآبادیاتی نظام میں تبدیل ہوجانے کی طرف ایک اہم قدم تھا جس میں کہ

انہوں نے کئی علاقوں پر قبضہ بھی کرلیا تھا۔ کئی سالوں تک ڈچ جکارتا سے بڑی ریاستوں سے تعلقات بناتے رہے۔ ظالمانہ اقدامات کے ذریعہ مقامی آبادی کا قتل عام کیا گیا۔

انڈونیشیا (17 ویں اور 18 ویں صدی میں)

سترہویں صدی میں جاوا میں سب سے طاقتور ریاست ماتارام تھی۔ جب سے کہ ماجاپاہٹ سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ساحلی علاقوں کے حکمرانوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ جاوا ریاست، کئی ریاستوں پر مشتمل تھی، جن کے آپس میں سخت تنازعات تھے۔ ان ریاستوں میں کئی ایک بعد میں ماتارام ریاست کے تحت متحد ہوگئیں، جو کہ جزائر کے مشرقی علاقے میں ایک زرخیز علاقہ تھا۔ یہ علاقہ ثقافتی لحاظ سے بھی مالا مال تھا۔ 17 ویں صدی میں ماتارام کے سلطان نے سوسوہونان کا لقب اختیار کرلیا اور اپنی طاقت میں بدستور اضافہ کرتا رہا۔ 17 ویں صدی میں مغربی جاوا میں ایک اور طاقتور ریاست بانٹم کے نام سے ابھری۔ جس طرح شمالی سماٹرا کے سلطان آجیت کا معاملہ تھا۔ بانٹم نے اپنی بالادستی کے لیے ضروری سمجھا کہ اس کے سمندری راستوں کو تبدیل کیا جائے چنانچہ پرتگال والوں کو باہر رکھنے اور نقصان وہ سرکاری مطالبات سے بچنے کے لیے ہندوستانی اور مقامی تاجروں کے سماٹرا اور آبنائے سنڈآ کا مغربی ساحل استعمال کرنا شروع کر دیا___ سماٹرا کے ساحلی علاقے میں کالی ماتا اور دیگر جزائر کی قوت جاگیرداروں اور مقامی حکمرانوں کے ہاتھوں میں تھی۔ جزیروں میں قبائلی معاشرہ اور طبقاتی معاشرہ جنم لے رہا تھا۔ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس نوآبادیاتی نظام کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی یہ کوشش تھی کہ گرم مصالحہ جو انتہائی قیمتی تھا، انڈونیشیا سے برآمد کیا جاتا تھا۔ اس کی تجارت پر قبضہ کرلیا جائے اور مکمل بالادستی قائم کی جائے۔ ڈچ والوں نے ان علاقوں پر مکمل کنٹرول قائم رکھا تھا۔ یہ کنٹرول قوت سے قائم کیا گیا تھا، بعض اوقات حکمرانوں سے سمجھوتے اور اتحاد قائم ہوگیا اور کئی مواقعوں سے مقامی آبادی کی طرف سے بغاوت کو کچلنے کے لیے اتحاد قائم کر لیے گئے تھے تاکہ اپنے مفادات کے حصول کو یقینی بنایا جاسکے۔ ڈچ ریاستوں کے حکمرانوں کے جھگڑے میں ملوث ہو کر کسی کی طرف داری کر کے بھی، ان سے ہمدردی اور حمایت حاصل کر لیتے، یہ وہ طریقہ کار تھا جو 17 ویں صدی کے نوآبادیاتی اختیار کرتے۔ پہلے پہل ڈچ نے اپنی مرضی کے معاہدات کیے، جنہوں نے ان کی افیون اور دیگر تجارتی بالادستی کو برقرار رکھا۔ اس کا اطلاق ماتارام اور بانٹم کے علاقوں پر ہوا، ماتارام کے جھگڑوں میں ڈچ کی مداخلت سے جو 18 ویں صدی کے وسط میں ہوئی، نے اس طاقتور ریاست کو دو حصوں میں، جن میں منصب داریاں تھیں، تقسیم کر دیا۔ سرکارٹرا، جکارتا یہ دونوں ریاستیں ڈچ عہد اقتدار تک اپنا وجود قائم کیے رکھیں۔ وہ علاقے جو ڈچ کے قبضے میں تھے۔ کمپنی نے پہلے بلاواسطہ طریقہ کار اپنایا، اس سے سابقہ جاگیرداروں کے معاملات میں مداخلت

ہوتی تھی جن کا درجہ منصب داروں سے زیادہ تھا اور وہ افسران جو ڈچ ضروریات کے مطابق، ان کے احکامات پر عمل درآمد کرواتے تھے، اٹھارویں صدی کے بعد انہوں نے ایک نئی فصل کو متعارف کروانے کا بندوبست کیا جسے کافی کہا جاتا ہے۔ جاوا کے علاوہ بھی ریاستوں میں مغربی اثر ورسوخ اپنے تجارتی مفادات کے تحت آ رہا تھا۔ مقامی طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف مزاحمت بھی موجود تھی چنانچہ اس پیچیدہ صورتحال میں لڑائیاں بھی ہوتی رہیں۔ بہر حال ڈچ نے توسیع پسندی کا عمل جاری رکھا اور انہوں نے مقامی باشندوں پر مشتمل ایک فوج تیار کر لی۔ اس کے لیے انہوں نے مذہبی اور دیگر تضادات کو بھی اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا۔ ایسے جزائر جن پر گرم مصالحے کی تجارت مشہور تھی۔ جنگ وجدل کا میدان بنتے جا رہے تھے۔ اس دوران ڈچ اپنے دفاع کو بھی یقینی بنا رہے تھے۔ لونگ اور جائفل کی تجارت پر اجارہ داری اور کنٹرول زیادہ مضبوط بنانے کے لیے، ڈچ نے ان کی اجازت صرف دو جزائر پر رہی، ایمبوینا اور بانڈا۔ دوسری جگہوں پر گرم مصالحے کے کھیت تباہ کر دیئے گئے اور مقامی آبادی جس کا شتکاری پر انحصار کرتی تھی اور ان کی زندگی کا دارومدار اس پر تھا، وہ بھوکوں مرنے لگے۔ ناجائز کاشتکاری کا مقابلہ کرنے کے لیے اور یورپ میں مصالحے کی قیمتیں پہلے کی طرح اونچی رکھنے کے لیے ڈچ نے مصالحے کی کاشت تباہ کرنا شروع کر دی۔ نتیجے کے طور پر کسانوں کی طرف سے مسلسل بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، بانڈا جزیرے کی بغاوت کچلنے کے لیے جو زیادتیاں کی گئیں، یہاں کے لوگ تقریباً اس سے تباہ ہو گئے اور وہ لوگ جو اس تباہی سے بچ گئے وہ پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، آخر کار وہ بھی بھوک سے نڈھال ہو کر مر گئے۔ ڈچ والوں نے اپنے طور پر کاشتکاری کی او. اس کے لیے زرعی غلام رکھ لیے۔ ڈچ نے انہی علاقوں سے لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنالیا تھا۔ اس طرح غلاموں کی تجارت بھی ایک کاروبار بن گئی اور روز بروز وسعت حاصل کرنے لگی۔ سلاویسی کے جنگی امراء نے ان تمام جنگی قیدیوں کو جو انہوں نے مقامی تنازعات اور جنگوں کے دوران گرفتار کیے تھے کمپنی کے حوالے کر دیئے۔ وہ غلام جو جاوا کو برآمد کیے گئے، زیادہ قیمت ملنے پر انہیں آگے فروخت کر دیا گیا___ 18ویں صدی سے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ وہ تجارت پر اپنی اجارہ داری برقرار رکھ سکے چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں انگریزوں کو کئی ایک رعاتیں دے دیں اس کے نتیجے میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو انڈونیشیا میں قدم جمانے کا موقعہ مل گیا اور وہ اعلیٰ منافع جو ڈچ کو یہاں سے تجارت میں ملتا تھا وہ نقصان میں بدل گیا۔ ڈچ تجارت کو ڈچ والوں میں سے کئی ایک نے ناجائز تجارت کے ذریعے بھی کمزور کیا۔ نئے حصص، بانڈ کا اجراء کیا گیا تاکہ کمپنی کی ساکھ اور کاروبار کو بحال کیا جا سکے۔ اس طرح کمپنی کسی حد تک نقصانات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی، چنانچہ غیر قانونی کاروبار کے خاتمے کے لیے بھی کئی ایک اقدامات کیے گئے۔ برطانیہ والوں نے اس خطے میں ڈچ مفادات کو کئی ایک زبردست نقصانات پہنچائے۔ اس سے ڈچ کے

ہاتھوں سے کئی ایک مقبوضات جاتے رہے۔ اس کے علاوہ اس نے انڈونیشیا کے سمندر میں برطانیہ کو جہاز رانی برائے تجارت کی آزادی دے دی چنانچہ اس طرح برطانیہ کو ہندوستان، مشرق وسطیٰ اور چین سے تجارتی رابطے اور کاروبار پھیلانے میں کافی مدد ملی ___ ہندوستان میں ڈچ نے فرانسیسی اور برطانوی کمپنی کا مقابلہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی، صرف وہ اسی حد تک محدود رہے کہ ساحلی علاقوں پہ ان کی تجارتی کمپنیاں قائم رہیں جو ہندوستانی مالک کے مشرق وسطیٰ اور انڈونیشیا کے لیے برآمد کرنے کے لیے ضروری تھی۔ ہندوستان میں گھستے وقت برطانیہ اور فرانسیسیوں نے وہی پالیسیاں اپنائیں جو کہ ڈچ والوں نے اپنائیں تھیں مثلاً مقامی حکمرانوں کے درمیان مخالفتوں کو اپنے حق میں استعمال کرنا، مقامی لوگوں میں سے اپنی فوج کے لیے سپاہی بھرتی کرنا، مقامی حکمرانوں سے مل کر انتظامی امور چلانا اور علاقائی توسیع وغیرہ چنانچہ تجارتی مراکز کو نوآبادیاتی مراکز کے طور پر استعمال کیا جانے لگا___

مغلیہ سلطنت کا زوال:

17ویں صدی کے پہلے نصف میں ملک کی معاشی قوت ابھی تک فوقیت رکھتی تھی، مغلوں کے عہد حکومت میں ہندوستان کے زیادہ تر حصوں کا متحد ہو جانا اور مقامی حکمرانوں میں تنازعات میں کمی کا واقع ہو جانا، سے ایسے حالات پیدا ہو گئے، جو زرعی ترقی کے لیے مناسب ہوتے ہیں، دستکاری، مقامی تجارت اور غیر ملکی تجارت میں ترقی ہوئی، پہلی مرتبہ ملک کے مخصوص حصے مخصوص فصلوں کے لیے وقف ہوئے، دیہاتی کمیونوں میں جنس ٹیکس کی جگہ زر ٹیکس نے لے لی۔ اس سے جنس اور زر کے تعلق میں اضافہ ہوا، اندرونی تبادلے اور مینوفیکچرر ظاہر ہونا شروع ہوئے، تاہم جاگیردارانہ ڈھانچے میں سرمایہ دارانہ ارتقاء بڑا سست روی سے جاری تھا۔ ہندوستانی معاشرے کے چند مخصوص خدوخال مثلاً دیہاتی کمیون کا برقرار رہنا، ذات پات کا نظام، غیر ملکی حملے، یہ وہ تمام وجوہات تھیں جن سے سرمایہ داری کو فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ جیسے جیسے مغلیہ سلطنت کی سرحدیں وسعت اختیار کرتی رہیں، دستکاری اور کسانوں پر استحصال بڑھتا رہا۔ فوجی امراء اور منصب داروں کا نظام جس کو مغلوں نے متعارف کروایا، اس سے ایک نیا سماجی گروہ وجود میں آ گیا، یہ طاقتور لوگ بادشاہ کے نمائندے تھے، جنہیں مختلف علاقوں میں حکمران کے طور پر نامزد کیا جاتا۔ جاگیردارانہ استحصال نے کسانوں کی جانب سے مسلسل بغاوتوں کو جنم دیا، کئی ایک تحریکوں کا رنگ مذہبی تھا۔ 17ویں صدی میں پنجاب میں سکھ تحریک اٹھی اس تحریک نے ذات پات کے نظام کو اور جاگیردارانہ استحصال جو مسلم حکمرانوں کی طرف سے کیا جا ، ں کے خلاف آواز بلند کی۔ کسانوں کی ایک بڑی اکثریت نے اس تحریک میں شمولیت اختیار کی اور گرو کی تعلیمات کو مشعل راہ بنایا۔ گوبند سنگھ (1675ء تا1708ء) نے جاگیرداریت کے خلاف جدوجہد کو تیز کیا اور اس نے ایسا کمیون سسٹم قائم کرنے کی دعوت

دی جس میں حقیقی سلطنت ہو گی اور تمام زمینیں کمیونوں میں تقسیم ہوں گی۔ مغلیہ سلطنت کے خلاف یہ بغاوت گرو گو بند کی وفات کے بعد ایک کسان بندہ بیراگی کی قیادت میں آ گئی اور یہ پورے پنجاب میں پھیل گئی۔ مغلیہ ریاست کی افواج نے اس بغاوت کو بڑی مشکل سے کچلا لیکن اس تحریک کا خاتمہ وقتی تھا جب مرکزی حکومت کمزور ہو گئی اور سکھوں کے فوجی لیڈروں نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا، اور 1765ء میں پنجاب کی آزادی کا اعلان سکھا خالصہ کے تحت کر دیا تاہم جب پنجاب آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، تو سکھ سرداروں نے مغلوں اور افغان امراء کی زمینوں پر قبضہ کر لیا اور خود طاقتور جاگیردار بن گئے۔

مرہٹوں کی بغاوت:

مرہٹوں کی بغاوت ایک مقبول عام بغاوت تھی، جو طاقتور جاگیرداروں میں اٹھی، دوسری طرف یہ چھوٹے مرہٹہ جاگیرداروں کی تحریک تھی، تاکہ مغل شکنجے سے آزادی حاصل کی جائے اور ان کے نامزد گورنروں سے، آزادی کی اس تحریک کی قیادت ایک باصلاحیت کمانڈر شیواجی بھونسلے نے کی۔ وہ لوگوں کو ان کے مقاصد اور اس کے حصول کے لیے متحرک کرنے کے قابل تھا اور اس خوبی کا بھی مالک تھا کہ لوگوں کا اعتماد حاصل کر سکے۔ کسانوں پر زیادہ تر انحصار کرتے ہوئے، شیواجی نے ایک قابل اعتماد فوج اکٹھی کی جو بڑی منظم تھی، جو ان کی نسلی یکسانیت اور مشترکہ مقاصد کا نتیجہ تھی۔ 1674ء سے زیادہ تر ان زمینوں پر مرہٹہ آباد تھے جو غیر ملکی تسلط سے آزاد کروائی گئی تھیں۔ شیواجی نے خود کو مرہٹوں کا آزاد حکمران ہونے کا اعلان کر دیا۔ جب مسلمان مغلوں کو نکال باہر کیا گیا تو ٹیکس میں ایک تہائی کٹوتی کی گئی، تاہم مرہٹہ جاگیرداروں نے مغلوں کی جاگیروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور زیادہ قوت حاصل کر لی۔ وہ تنازعات جو جاگیرداروں کے درمیان شیواجی کے انتقال کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے مغلوں کی مرہٹوں پر عارضی فتح قائم کر دی۔ شیواجی کا بیٹا اور ولی عہد سام پاصی کو گرفتار کر لیا گیا اور پھر اسے پھانسی دے دی گئی اور اس کا پوتا دارالحکومت کے شاہی محل میں لے جایا گیا___ 18 ویں صدی کے شروع میں مرہٹوں نے پھر آزاد ریاست کا اعلان کر دیا۔ طاقت برائے نام طور پر شیواجی کی نسل میں تھی۔ عملی طور پر مرہٹوں پر حکمرانی پیشوا کرتا اور اس کا سلسلہ بہت___ پونا میں اس کا گھر تھا جو دارالحکومت بنا۔ زیادہ طاقتور جاگیردار مرہٹہ کسانوں کے استحصال سے مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے بڑی بڑی اراضیاں حاصل کیں۔ تیزی سے کمزور ہوتی ہوئی مغل ریاست مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ وہ جلد ہی وادی سندھ سے خلیج بنگال تک پھیل گئے۔ اس علاقے میں ریاست مہاراشٹر کے علاوہ چار اور نئی ریاستیں جو مرہٹہ تھیں، وجود میں آئیں، انہوں نے ایک کنفیڈریشن بنائی جس کی قیادت پیشوا کرتے تھے___

مغل بادشاہ اورنگ زیب (1658ء-1707ء) کی مدت کے بعد، جس کی سب سے زیادہ وسیع وعریض ہندوستان پر حکومت تھی، اور عارضی طور پر سکھوں اور مرہٹوں کی بغاوت کو کچل دیا تھا اب پھر سلطنت کے انتشار کا زمانہ شروع ہوگیا۔ اس کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کے لیے جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا، اس صورت میں کئی ایک طاقتور حکمرانوں نے خود کو آزاد حکمران قرار دیا، نہ صرف پنجاب اور مرہٹوں نے آزادی کا اعلان کیا بلکہ جاٹ سلطنت بھی وجود میں آ گئی۔ جنوب میں حیدر آباد کی آزاد ریاست، میسور اور کرناٹک نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران بنگال میں ابھی تک مغلوں کا برائے نام اقتدار موجود تھا۔ یہ نواب بنگال تھے جو ایک بڑے علاقے پر حکمران تھے ___ 1789ء میں نادر شاہ نے ملک پر حملہ کیا اور دارالحکومت دہلی پر قبضہ کرلیا اگرچہ وہ ہندوستان کو اپنے اقتدار میں شامل کرنے میں ناکام رہا۔ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور انہوں نے اس کی زیر قیادت اپنی حکومت قائم کرلی۔ افغانوں نے پنجاب، کشمیر اور دریائے سندھ کا مشرقی علاقہ اور دہلی پر قبضہ کرلیا۔ یہ مغلیہ سلطنت کو آخری دھچکا تھا۔ اس وقت اس بکھری ہوئی سلطنت میں جو سب سے بڑی قوت تھی وہ مرہٹے تھے۔ جنہوں نے کوشش کی کہ وہ افغانوں کے حملے کو روک دیں۔ دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد، مرہٹوں نے کوشش کی کہ افغانوں کو دریائے سندھ کے پار دھکیل دیں لیکن مسلم سلطانوں، جاگیرداروں اور ہندو مرہٹوں کے درمیان تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے اور نئی فوج کی مدد سے احمد شاہ آخر کار فتح مند ہوا۔ نادر شاہ کی طرح یہ بھی ہندوستان پر قبضہ قائم نہ کرسکا۔ زیادہ علاقے جو اس نے پنجاب کے قبضے میں لیے وہ سکھ علاقے تھے۔ مسلسل جنگوں کے نتیجے میں مرہٹہ کمزور ہو چکے تھے اور وہ مغلوں کی جگہ ایک نئی ریاست اور حکومت قائم نہ کرسکے لیکن ان کے پاس اتنی قوت موجود تھی کہ وہ اپنا دفاع کر سکتے تھے ___ مغلیہ سلطنت کا زوال اس کثیر القومیتی ریاست میں کئی ایک بحرانوں کا سبب بنا۔ کئی ایک آزاد ریاستیں جو نتیجتاً وجود میں آئیں۔ بنگال، حیدر آباد، مہارشٹر نے قومی ریاستوں کی تشکیل کے لیے بنیادیں فراہم کیں چنانچہ سرمایہ دارانہ معاشی اور سماجی ڈھانچے میں ارتقاء ہوا، لیکن یہ امکانات اس وقت ختم ہوگئے جب یورپی فتوحات کا آغاز ہوا۔

اینگلو فرانس دشمنی اور علاقائی مقبوضات

مغلوں کے زوال سے بہت پہلے یورپی تاجر ہندوستان میں بہت آگے تک اپنا اثر و رسوخ بڑھا چکے تھے۔ گنگا کے ڈیلٹا مالابار کے مقام پر، اور کورومنڈل ساحل پر بہت سی تجارتی چوکیاں قائم ہو چکی تھیں اور یورپی تجارتی کمپنیاں تجارتی قلعے بھی تعمیر کر رہی تھیں۔ انڈونیشیا میں کچھ بندمستوں اور بندشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، انگریزوں نے اپنی توجہ ہندوستان اور مشرق وسطیٰ کی طرف کی (17ویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں) فرانس کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے پانڈی چری کے مقام پر اپنا بڑا تجارتی مرکز قائم کیا۔

انگریزوں کا بڑا تجارتی مرکز بھی مدراس اور سورت میں کلکتہ کے قریب تھا جب 1666 میں بمبئی کو بادشاہ چارلس دوئم نے کمپنی کے حوالے کر دیا جو اسے پرتگیزی شہزادی کیتھرائن کے جہیز میں ملا تھا تو انگریزوں نے اپنے تجارتی مراکز مغرب کی جانب بمبئی میں منتقل کر دیئے اور یہ علاقے انگریزوں کے لیے انتہائی مناسب تھے۔ انگریزوں اور فرانسیسی تجارتی مراکز کے ساتھ ساتھ ناروے اور سویڈن کے تجارتی مراکز بھی قائم تھے جنہوں نے مغل شہنشاہوں سے تجارتی حقوق حاصل کر لیے تھے چنانچہ اس میں مغلوں کے بھی مفادات تھے کہ ہندوستان کے ساتھ تجارت ہو اور غیر ملکی سرمایہ کاری ہو___ 18ویں صدی کے وسط میں جیسا مرکزی حکومت پہلے ہی کمزور ہو چکی تھی، علیحدگی کے رجحانات بڑھ رہے تھے اور طاقتور امراء کے درمیان تضادات شدید ہو رہے تھے۔ یورپی اس صورتحال کو بغور سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت لوٹ کھسوٹ اور قبضے کی مہم میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کا آپس میں مقابلہ تھا۔ بیرونی طور پر فرانسیسیوں نے کئی ایک کامیابیاں حاصل کیں۔ فرانسیسی تجارتی مرکز کے گورنر ڈوپلیکس نے مقامی باشندوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی جس کا مقصد کئی امراء کی فوجی امداد کرنا تھا اور امراء کی حفاظت کے لیے فرانسیسی افواج کا وہاں رکھا جانا ضروری تھا، اس کے علاوہ ان چوکیوں پر افواج کی تعیناتی جو دفاعی لحاظ سے بھی کمزور تھیں۔ اس پروگرام میں یہ بھی تھا کہ افواج کے اخراجات مقامی امراء برداشت کریں گے۔ ان چالوں سے فرانس کو حیدرآباد اور کرناٹک میں اپنی مقبوضات قائم کرنے میں آسانی ہو گئی اور یہ وہی علاقے تھے، جن پر فرانس کا قبضہ ہندوستان میں انگریزوں کے لیے بہت بڑا خطرہ تھا۔ خاص طور پر مدراس کے علاقے میں___ اب صورتحال یہ تھی کہ ہندوستان میں فرانسیسی اور انگریزی زیادہ سے زیادہ علاقہ کی مقبوضات کے قائم کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے تھے چنانچہ یہ فیصلہ کہ طاقتور کون ہے۔ (1756ء-1763ء) میں ہوا جب بنگال کو زیرنگیں کر لیا گیا۔ تمام نوآبادیاتی طاقتوں کی نظریں کثیر آبادی والے اس علاقے کی طرف کافی عرصے سے مرکوز تھیں جو اپنے قدرتی وسائل کی وجہ سے خوشحال تھا۔ برطانوی تجارتی مراکز کی کل تعداد یہاں 15 تھی۔ سب سے بڑا مرکز کلکتہ میں تھا جہاں 150 مال گودام تھے اور لوٹ کھسوٹ کا طویل سلسلہ اس علاقے کی معیشت کی کمزوری کا باعث بن رہا تھا___ نواب سراج الدولہ 1756ء میں تخت نشین ہوا، اس نے بنگال کی معاشی ترقی اور استحکام کے لیے اور سیاسی آزادی کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ کلکتہ پر قبضہ کرنے کے بعد نواب سراج الدولہ نے اینگلو فرانسیسی تضادات استعمال کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں فرانس سے مدد کی درخواست کی لیکن رابرٹ کلائیو جو جنگی ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ سفارتکار بھی تھا۔ اس نے رشوت، دھوکہ دہی اور لڑائی کے ذریعے نواب کی فوج کو شکست دینے میں کامیابی حاصل کی۔

بنگال کی تباہی:

تاہم نواب کی افواج نے سخت مزاحمت کی۔ کلائیو نے نواب کے ملٹری کمانڈر میر جعفر سے ایک خفیہ سمجھوتا کیا کہ نواب کی شکست کے بعد تاج اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ جنگ پلاسی (1757ء) میں 900 + 2000 (انگریزوں اور مقامی) افواج نے نواب کی نوے ہزار طاقتور فوج کو شکست دی، یہ الگ بات ہے کہ انگریزوں کے پاس جدید اسلحہ تھا اور فوجی تنظیم بھی تھی لیکن انگریزوں کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ میر جعفر کے ساتھ خفیہ سمجھوتہ تھا چنانچہ نواب سراج الدولہ کو قیدی بنالیا گیا اور بعد میں اسے پھانسی دے دی گئی۔ بنگال کے دارالحکومت مرشدآباد کی لوٹ مار سے انگریزوں کو 37 ملین پونڈ ملے۔ اس میں سے 21 ملین پونڈ کلائیو کی جیب میں گئے اور دیگر انگریز فوج کے افسران اور عملے کو حصہ ملا___ میر جعفر کو تخت نشین کر دیا گیا۔ کٹھ پتلی میر جعفر نے برطانوی کمپنی کو لوٹ مار کے کھلے مواقع فراہم کیے۔ ہندوستانی تجارت میں خام مال، ریشمی دھاگے اور ململ کے کاروبار میں وسعت آئی۔ کمپنی نے ان تمام علاقائی نوابوں کو برخاست کر دیا جو ان کی منشا کے مطابق کام نہیں کر رہے تھے۔ انگریز اس شخص سے بھی رشوت وصول کرتے جنہیں نواب بنانا مقصود ہوتا___ انگریز نواب میر قاسم کے علاقے سے زیادہ سے زیادہ مراعات اور تجارتی حقوق چاہتے تھے لیکن میر قاسم ایسا کرنے سے انکار کر رہا تھا اور اس نے غیر قانونی تجارت کے خلاف احکامات جاری کر دیئے۔ میر قاسم کی حمایت نواب آف اودھ اور مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کرتے تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ کمپنی کے کاروبار کو طاقت کے بل بوتے پہ ختم کر دیا جائے تاہم ہندوستان کی متحدہ افواج کو شکست ہوئی اور شاہ عالم ثانی کو قیدی بنالیا گیا اور اسے مجبور کیا گیا کہ وہ انگریزوں کے نام تجارتی لائسنس جاری کریں۔ ٹیکس اکٹھا کرنے کے علاوہ انہیں بنگال میں افواج رکھنے کے حقوق بھی مل گئے___ اس قسم کے سیاسی وانتظامی ڈھانچے سے انگریزوں نے بھرپور مفادات حاصل کیے۔ ٹیکس حاصل کرنے کا مطلب کسانوں سے ٹیکسوں کی وصولی یابی تھا۔ اس سے انگریز اپنے فوجی اخراجات پورے کرتے تھے اور وہ ہندوستانی کپڑے کو بڑے ارزاں نرخوں پر خریدتے اور بیش بہا منافع پر اسے یورپ میں فروخت کرتے۔ کوئی دس سال کے عرصے میں انگریزوں نے دس ملین پونڈ کا تجارتی منافع حاصل کیا___ بنگالی علاقوں میں لوٹ مار اور مقامی آبادی کے استحصال کی وجہ سے ملک غربت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا گیا۔ حکومتی کارندے غریب کسانوں سے ٹیکس اکٹھا کرتے وقت انتہائی غیر انسانی سلوک کرتے۔ اس کے نتیجے میں کئی کسان برباد ہو گئے اور انہیں ان کی زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا___ مقامی دستکار جو کمپنی کو اپنی تیار شدہ اشیا فروخت کرنے کے پابند تھے۔ وہ بھی معاشی طور پر تباہ ہو گئے۔ کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں نے مقامی تجارت اور تاجروں کا صفایا کر دیا اور اب ان کا ان نامساعد

حالات میں زندہ رہنا مشکل تھا۔ 1771ء میں بنگال میں قحط کے نتیجے میں بنگال کی ایک تہائی آبادی بنگال چھوڑ کر چلی گئی اور اس سال کمپنی کو پہلے کی نسبت زیادہ منافع ہوا۔ انگریزوں کی ہندوستان کی لوٹ مار سے انگلستان کی معاشی حالت کو بہتری حاصل ہوئی اور وہاں بورژوا طبقہ کے کاروبار میں وسعت آئی جو بعد میں یورپ کے صنعتی انقلاب میں اہم کردار ادا کرتی رہی ___ 1780ء کے خاتمہ پر، انگلستان کی ٹیکسٹائل انڈسٹری میں ترقی کے نتائج بنگال میں واضح طور پر محسوس کیے جانے لگے۔ کمپنی نے بنگال سے باریک دھاگے کی خریداری بند کر دی۔ اس سے ہزاروں تکلے بدن ہو گئے۔ ہندوستانی یارن پر پابندی سے دیہات تباہ ہونے لگے۔ غربت کے مارے ہوئے کسان دیہاتوں کو لوٹنے لگے اور انتہائی نقصان دہ شرائط پر بھی زمینیں کرائے پر حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ کمپنی برطانوی حکومت کو سالانہ چار لاکھ پونڈ سالانہ ادا کرتی تھی۔ اب وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ یہ رقم ادا کر سکے۔ انہوں نے برطانوی پارلیمنٹ سے مداخلت کی اپیل کی۔ 1774ء کے ریگولیشن ایکٹ کے تحت گورنر جنرل کی نامزدگی کی گئی جس کی ذمہ داری تھی کہ وہ مدراس اور بمبئی کے کمپنی گورنروں کی کارگزاری کی نگرانی کرے۔ گورنر جنرل اور اس کی کونسل کو برطانی پارلیمنٹ نے نامزد کیا جبکہ کمپنی نے ایک تجارتی تنظیم کے لحاظ سے اجارہ داری حاصل کر لی تھی اور اس کی علاقائی وسعتیں اب پارلیمنٹ کی نظر میں تھیں۔ پہلا نامزد گورنر وارن ہسٹنگز تھا اس کی اصلاحات نے بنگالی عوام کا بوجھ ہلکا نہیں کیا، غیر قانونی منافع، اور اس میں سے بھی زیادہ تر حصہ سول سروس کے لوگ لے لیتے اور کمپنی کا عملہ کئی بدعنوانیوں اور بداعمالیوں میں شریک تھا۔

میسور میں مزاحمت اور مرہٹہ کنفیڈریشن:

مفادات اور دیگر نام نہاد امدادی ذرائع سے جنوب میں کمپنی کرناٹک کو اپنے مقبوضات میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ کمپنی کے توسیع پسندانہ عزائم اس وقت خاک میں مل گئے جب پڑوسی ریاست میسور جو معاشی اور سیاسی لحاظ سے طاقتور تھی، محاذ آرا ہو گئی۔ میسور نے کمپنی کو رعاتیں دینے کے سلسلے میں سخت رویہ اپنایا اور ساتھ سلطان حیدر علی آف میسور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مرہٹوں اور فرانسیسیوں کے ساتھ مل کر برطانیوں کو یہاں سے نکال باہر کیا جائے ___ فرانسیسی بحری بیڑہ میسور کے ساحلوں پر نمودار ہوا، اس وقت برطانیہ اس پوزیشن میں تھا کہ وہ اس قسم کی فوجی سرگرمی کا مظاہرہ کر سکے کیونکہ انگریز اس وقت امریکہ کی جنگ آزادی کو کچلنے میں مصروف تھے، جس میں نوآبادیوں کی حمایت فرانس کر رہا تھا، نیدرلینڈ والے بھی اور سپین والے آزادی پسندوں کی حمایت کر رہے تھے ___ ایک بار پھر کمپنی جاگیردارانہ ریاستوں کے تنازعات کو استعمال کرتے ہوئے انہوں نے سب سے بڑی مرہٹہ ریاست گوالیار اور دہلی کے قریب کچھ علاقوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور انہوں نے

1782ء میں مرہٹہ کنفیڈریشن کے ساتھ ایک معاہدہ کرلیا۔ میسور نے انگریزوں کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ ٹیپو جو حیدرعلی کا بیٹا تھا اس کی تربیت ہی انگریز دشمنی کے ماحول میں ہوئی تھی۔ جب فرانس، سپین اور امریکہ جنگ ختم ہوگئی (1783ء) اس وقت انگریز میسور کے ساتھ معاملہ طے کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ میسور میں ٹیپو نے کئی ایک اصلاحات کا اعلان کیا۔ اس سے میسور میں جاگیردارانہ ڈھانچہ خطرے کا شکار ہوگیا۔ ٹیپو کو امید تھی کہ وہ ایک روز برطانوی فوجوں کو ملک سے باہر نکال کرے گا۔ اس کے لیے وہ دیگر ریاستوں سے مدد کی کوشش کرتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ دو بڑی طاقتوں میں تصادم کی صورت میں کچھ بھی نتیجہ نکل سکتا ہے لیکن اس نے فرانس کو دوست بنانے کا فیصلہ کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اس دوران اس قابل ہوگئی کہ اس نے میسور کو باقی دنیا سے کاٹ دیا۔ اس نے منصب داروں اور حیدرآباد کے نوابوں کی امداد حاصل کی۔ وہ قریبی ریاستیں جو یہ سمجھتی تھیں کہ طاقتور میسور ان کے لیے خطرہ بن سکتا ہے ان کی بھی خواہش تھی کہ میسور کو شکست ہو۔ دو سال کی جنگ کے بعد ٹیپو کے ساتھ ایک یکطرفہ نوعیت کا معاہدہ طے پایا گیا جس میں کہا گیا کہ وہ اپنی ریاست کے آدھے حصے سے دستبردار ہو جائے تاہم باقی میسور آزاد رہا اور اس آزادی کی بنیاد پر ٹیپو اور اس کے ساتھی بڑی دلیری سے اپنے دفاع کی تیاری کررہے تھے۔ فرانسیسی انقلاب کے بعد ابتدا میں اینگلو فرانس دشمنی زیادہ شدت اختیار کرگئی۔ انگریز مشرقی حیدرآباد میں فرانس کے بڑھتے ہوئے اثرورسوخ سے پریشان تھے۔ اس کے علاوہ مرہٹہ ریاستوں میں بھی ان کا عمل دخل تھا۔ ٹیپو نے انقلابی فرانس کے ساتھ معاہدہ کرنے کی کوشش کی اور برطانیہ والوں نے اس کوشش کو بہانے کے طور پر استعمال کیا کہ انہیں میسور پر حملہ کرنے کا جواز مل سکے چنانچہ اس تنہا اور غیر مساوی لڑائی میں میسور کو شکست سے دوچار ہونا پڑا، دارالحکومت سرنگاپٹم کا بہادرانہ دفاع کرتے ہوئے ٹیپو شہید ہوا اور حملہ آوروں نے شہر میں قتل عام شروع کردیا اور سلطنت کا باقی حصہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ حیدرعلی کے خاندان کا ایک چھ سالہ بچہ تخت نشین کردیا گیا___ اگرچہ ہندوستان کا خاصہ بڑا حصہ ابھی تک آزاد تھا۔ 18ویں صدی کے خاتمے تک برطانیہ کے ہندوستان میں تمام کلیدی حیثیتوں پر قبضہ کرلیا تھا اور اسے یورپی مدمقابل کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ عظیم برصغیر جلد ہی برطانوی کالونی بن گیا۔

چین (17ویں اور 18 صدی میں)

1644ء میں منچورنائی امراء نے پیکنگ پر قبضہ کرلیا اور منچورنائی حکمران کو چینی بادشاہ کہا جانے لگا۔ یہ مانچو یا چینگ خاندان (1644ء-1911ء) اس واقع سے جنگوں کے ایک طویل سلسلے کا آغاز ہوگیا جو 1683ء تک جاری رہا۔ جنوب نے ایک بار پھر مزاحمت کی کوشش کی لیکن 1647ء میں دم توڑ گئے لیکن اب مزاحمت کی اصل قوت کسان تھے اور غیر چینی لوگ جو ینگ سی کے جنوب میں وادی سینکیا نگ میں

رہتے تھے، سب سے موثر بغاوت جنوب مغربی علاقوں کے عوام کی طرف سے ہوئی۔ جنوب مشرق میں بھی زبردست لڑائیاں ہوئیں جس میں چینی کسانوں نے ساحلی علاقوں اور جزیرہ تائیوان کے لوگوں کے ساتھ مل کر شانہ بشانہ جنگ لڑی لیکن غداریاں اور مختلف بغاوتوں میں رابطے کے فقدان نے منچوریا کو اس قابل بنا دیا کہ وہ وسطی اور جنوبی چین پر اپنا تسلط قائم کر سکے ___ منگ خاندان کے تشکیل کردہ سماجی ڈھانچے میں منچوریائی بادشاہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے ہان جاگیرداروں کو ان کے کسی بھی حق سے محروم کیا۔ کسانوں کی مسلسل بغاوتوں نے منگ خاندان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا، اور اس کے ساتھ ہی ایک درمیانے درجے کے زمیندار طبقے کا وجود عمل میں آ گیا جو 17ویں صدی کے شروع اور 18ویں صدی کے خاتمے تک ایک بڑا سماجی گروپ بن گیا۔ ان کی چھوٹی جاگیریں ان کی ذاتی ملکیتیں تھیں، سابقہ جاگیردارانہ انتظامیہ ابھی تک قابل عمل تھی۔ صوبے میں بڑے جاگیرداروں کا اثر ورسوخ اور وہ انتظامی امور میں بالادست تھے۔ پرائیویٹ ملکیت کا ایک خاصا حصہ اب طاقتور منچوریائی امراء کے ہاتھوں میں تھا ، ان زمینوں پر فوجی کمانڈروں اور بدھ بھکشوؤں نے بھی قبضہ کر لیا جبکہ کسانوں کا ایک خاص طبقہ بھی پرائیویٹ ملکیت رکھتا تھا۔ اکثریت میں بے زمین کاشتکار تھے ان کے پاس اتنا بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے اور اپنے اہل خانہ کے کھانے پینے کا بندوبست کر سکیں، تاہم وہ آزاد مزارع رہا کسان تھے۔ عملاً وہ زمینوں پر پابند تھے یا مقروض تھے یا پھر دیگر ذمہ داریوں کے تحت بیگار کرنے کے پابند تھے۔ زرعی غلام بھی تھے جو سرکاری زمینوں پر کام کرتے تھے۔ ان کسانوں کے استحصال میں ایک اہم کردار ساہوکاروں کا بھی ہے جس کے نتیجے میں چینی زراعت کو سخت نقصان پہنچا، زر اور جنس کا تعلق وجود میں آیا اور یہ دیہاتی زندگی کا اہم پہلو بن گیا لیکن یہ پیداوار میں سرمایہ دارانہ تعلقات کو نشوونما نہیں دے رہا تھا کیونکہ وسیع پیمانے پر دیہاتی دستکاری اور ہر جگہ قدرتی معیشت اس ساہوکاری کے لیے راہموار کر رہی۔ سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات قصبوں میں آہستہ آہستہ ترقی حاصل کر رہے تھے۔ مانچو شاہی نے محض چند اصلاحات دیہاتوں میں متعارف کروائیں لیکن دوسری طرف شہروں میں بڑی تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ منچوریائی امراء نے خوفناک طریقے سے ان کی معاشی اور سیاسی آزادی کو کچل دیا چنانچہ کان کنی اور دیگر صنعتوں کا ارتقاء رک گیا اگرچہ ایک طاقتور حکمران کوانگ سی (1662ء تا 1772ء) کے عہد میں سیاسی استحکام پیدا ہوا، تجارت اور دستکاری کو فروغ حاصل ہوا، کاروباری انجمیں ریاستی معاملات میں دخل اندازی کرنے لگیں۔ ایک طرف سرکاری ملکیت میں تجارت تھی اور دوسری طرف پرائیویٹ ملکیت، اس وجہ سے تجارت بھی بری حالت میں تھی، ان حالات میں ساہوکاروں کو کاروبار چمکانے کا کھلا موقع مل گیا۔ قصبے تباہ ہو کر انتظامی اور فوجی مراکز بن رہے تھے۔ قصبوں کے لوگ جن کی زندگی کا انحصار دستکاری اور تجارت میں تھا اب پس منظر میں

جارہے تھے۔ خاص طور پر جب سے حکومت کی طرف سے سخت قوانین جاری کیے گئے۔ ایک مظہر جس کی وضاحت کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ان میں اکثریت ان چینیوں کی تھی جو منگ دور حکومت میں درجہ دوم کے شہری سمجھے جاتے تھے۔ منچوریائی شہنشاہیت نے نسبتاً کمزور منچوریائی آبادی کو ایک انتظامی وفوجی قوت میں بدل دیا تا کہ اقتدار کے لیے اس قوت پر انحصار کیا جا سکے اور انہوں نے منچوریا کو ایک استحقاقی علاقہ بنا دیا، جہاں چینیوں کے داخلے پر پابندی تھی، چینیوں اور منچوریاؤں کے باہمی رابطے کو کسی صورت میں قائم نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ اس طرح اقتصادی ترقی میں اس سے بھی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ ریاستی انتظامی ڈھانچہ مکمل طور پر چنگ شہنشاہیت کے مفاد کا ترجمان تھا پھر یہ ڈھانچہ منچوریائی امراء اور فوجی افسران کے مفاد میں تھا۔ چنگ شہنشائیت کو سب سے زیادہ حمایت منچوریائی فوج سے حاصل تھی۔ افسران کو زرعی اراضی کے قطعات دیئے جاتے جن سے چینیوں اور منچوریا والوں کے درمیان معاشی تفریق بڑھنے لگی۔ منچوریاؤں کو زمین ان کی خدمت کے عوض الاٹ کی جاتی جبکہ چینیوں کی زمین ان کی ذاتی ملکیت تھی یہاں ان دو گروپوں کا باہمی طور پر امتزاج بھی دیکھنے میں آتا ہے جب منچوریائی افسران کی زمین چینی امراء کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئیں اور منگولوں اور چینیوں میں سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فوج میں رکھا جانے لگا___ منچوریائی فوج پر انحصار کرتے تھے۔ منچوریائی سربراہ اعلیٰ عہدے منچوریا والوں کو دیئے جاتے، چینیوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ نہ دیا جاتا تھا۔ یہ سارا ڈھانچہ بادشاہ کی زیرنگرانی کام کرتا جو کہ مطلق العنان قوت کا مالک تھا اس کے بعد ایک ریاستی کونسل تھی، ایک ریاستی چانسلری جس میں سب منچوریائی تھے۔ چھ وزارتی شعبے تھے جبکہ مرکزی انتظامیہ کو ایک علیحدہ حیثیت حاصل تھی۔ صوبوں میں گورنر، بادشاہ کے نمائندہ ہوا کرتے۔ ریاستی ڈھانچہ اگرچہ مرکزی تھا لیکن مواصلات کا نظام انتہائی کمزور تھا، گورنر آزاد حکمرانوں کی طرح عمل کرتے جبکہ سرکاری افسران بدعنوائیوں اور رشوت ستانیوں میں ملوث تھے اور ان کا تعلق امراء سے تھا۔ افسران کی ترقی امتحانات کے ایک پیچیدہ نظام کے تحت ہوتی۔ 18 ویں صدی کے نظریاتی ماحول میں افسران کو جو تربیت دی جاتی اس میں کنفیوشش ازم کی روح کا غلبہ تھا، یہ تعلیمات اس وقت منظر عام پر آئیں جب جاگیرداریت کو فوقیت حاصل تھی اور جاگیردار افسر شاہی ایک غالب قوت تھی، جب عوام کی اکثریت ریاست کے استحصال کا بری طرح سے شکار تھی۔ کنفیوشش ازم CHU_HSI اصلاحات کے بعد ریاست کا سرکاری نظریہ قرار دیا گیا۔ ان تعلیمات میں ادنیٰ کو اعلیٰ کی تابعداری کرنے کے لیے کہا گیا ہے اور یہ تعلیمات چینی جاگیردارانہ امراء کے لیے انتہائی قابل قبول تھیں، کنفیوشش ازم کا یہ نظریہ کہ معاشرہ تبدیل نہیں ہو سکتا اور تابعداری کی خواہش، ان عناصر کا اس دور کے سرکاری ادب میں بڑا ذکر ملتا ہے۔ خاص طور پر نظام تعلیم اور ریاستی پالیسیوں میں، اس وقت بلاواسطہ یا بلواسطہ طور پر کنفیوشش

ازم کی مخالفت موجود تھی۔ ادب اور علم میں ایک سخت جدو جہد ہوئی جس میں منچوریائی اوران کے حامیوں نے اپنا غلبہ برقرار رکھا۔ اس دور کے ترقی پسند مفکرین نے منچوریائی جبر کے خلاف نظریاتی اور فلسفیانہ انداز سے احتجاج کیا جس میں چینیوں کے سیاسی اور اقتصادی حالات کو پیش کیا گیا ہے___ کانگ ہسی کے دوراقتدار کا عہد چنگ خاندا کی حکومت کے حوالے سے سماجی، ثقافتی اور معاشی ڈھانچے کی وجہ سے مستحکم تھا۔ ایک باضابطہ میکس کا نظام، اندرونی جنگوں میں کمی سے اقتصادی ترقی میں اضافہ، زرعی پیداوار میں اضافہ، دستکاری اور شہری تجارت کو اندرونی طور پر استحکام حاصل ہوا، چنانچہ 17ویں صدی کے آخر میں ثقافتی، سیاسی اور فکری ارتقاء کے ساتھ معاشی استحکام بھی ہوا۔ 17ویں صدی کے آخری نصف میں یورپ سے رابطوں میں اضافہ ہوا، اور کئی ایک یورپی دریافتیں چین میں متعارف ہوئیں۔ خاص طور پر اسلحہ سازی اور جہاز رانی میں جو کہ چین میں منچوریائی قوت کے استحکام کا باعث بنی، اس دوران منچوریائی امراء چینی کلچر کے متعلق زیادہ سے زیادہ جانکاری حاصل کر رہے تھے اور یہی منچوریائی بادشاہت کی پالیسی تھی۔ فاتحین نے ثقافتی ترقیاں کیں۔ اس میں ان کا بڑا مقصد یہ تھا کہ چینیوں کو اعلیٰ عہدوں تک پہنچنے سے روکا جائے۔ بادشاہ کی خواہش یہ تھی کہ علم ودانش کو منچوریا والوں میں زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ اس سے توازن مزید منچوریاؤں کے حق میں ہو گیا۔ چینیوں کو معمولی جرم پر سخت سزائیں دی جاتیں اور ان کی سماجی حیثیت کو کم کرنیکی کوشش کی جاتی___ سیاسی اور معاشی استحکام ترقی سے غیر ملکی تجارت میں اضافہ ہوا اور سمندر پار تعلقات مزید مضبوط ہوئے، اس سے جارحانہ خارجہ پالیسی بنانے کی خواہش بھی ابھر رہی تھی۔ کینٹن سے جنوب کی طرف اور منگولیا سے شمال کی طرف تجارت راستے جاتے تھے۔ جنوب میں عربوں، ہندوستانیوں اور مغربی یورپی تاجروں سے تجارتی ہوتی تھی۔ شمال میں تجارت روسی تاجروں اور سرکاری تاجروں کے درمیان ہوتی، روسی شیشہ، کپڑا اور گرم کھالیں برآمد کرتے اور چین سے چائے، گنے کی شکر درآمد کرتے۔ تجارت اس وقت گھوم پھر کر جگہ جگہ چکر لگانے والے تجارتی قافلوں کے ذریعے ہوتی اس وقت چین میں روس کا کوئی مستقل تجارتی نمائندہ نہیں تھا۔ جنوب میں پرتگیزی (مکاؤ)، انگریز (کینٹن میں)، فرانسیسی (ینگ پو) اور ڈچ پہلے ہی اپنے پاؤں جما چکے تھے، ان ملکوں کے تاجر تجارت مشیریوں کے روپ میں کرتے تھے۔ مغربی ملکوں کو اس قسم کی تجارت سے باز رکھنے کے لیے حکومت نے انہیں کسی سے بھی تجارت کرنے سے منع کر دیا لیکن کمپنی کے نمائندے ہر قسم کی تجارت کے لیے کام کر رہے تھے اور وہ ریاستی اجارہ داری کو اپنے مفاد میں استعمال کر رہے تھے۔ شاہی حکومت نے جو پالیسی اپنا رکھی تھی اس سے سفارتی اور تجارتی تعلقات کی صورت میں رکاوٹ پڑتی تھی اور اس سے عام سفارتی تعلقات بھی ناممکن تھے۔ ڈچ اور پرتگیزی اور دوسرے ملکوں کے سفارت کار خالی ہاتھ جانے پر مجبور تھے۔ تنہاپسندی کی یہ

پالیسی روس اور چینی تعلقات کے لیے ایک خطرہ تھی۔ اگر چہ تمام تعلقات جوان دو بڑے ملکوں کے درمیان تھے۔ ان کا ارتقاء ذرا مختلف انداز سے ہوا ہے، کچھ وقت کے لیے مغربی یورپی طاقتوں نے اندھا دھند، بادشاہ سے تعلقات بنانے کے لیے دوڑ لگائی۔ روس کا مشن جس کی قیادت لو یوکوف (1654-56ء) کر رہا تھا اور پیری فائیکوف (1658ء) بھی خالی ہاتھ لوٹا۔ سپا قارئے کا مشن (1675-77ء) کو بادشاہ کے دربار میں شرف باریابی حاصل کر سکا۔ اگر چہ اس سے کوئی مخصوص معاہدہ تو نہ ہو سکا لیکن اس سمت میں راستہ ہموار ہوا، اور دونوں اطراف نے اپنے اپنے مفاد کا اظہار کیا___ جنوبی اور مشرقی سائبریا کی مقامی آبادی نے روسی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا لیکن 17ویں صدی کے دوسرے نصف میں اسے جیا نگ حکمرانوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں منچوریاؤں کو زیادہ استحقاق حاصل تھے، یعنی منچوریا 1684ء میں منچوریائی افواج کی بڑی تعداد جو توپخانہ سے لیس تھی اور مغربی یورپ کے فوجی ماہرین جو ان کے ساتھ تھے، انہوں نے سرحد عبور کی اور دریائے آمو کے شمال کی طرف پیش قدمی کی جہاں انہوں نے کوسک کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ علاقہ البازن میں واقع تھا جو کہ دریائے آمو پر روسی آبادکاروں کا مرکز تھا۔ چھوٹی سی فوج نے کئی ایک حملوں کو ناکام کر دیا اور ایک وقت پر جب پورا قلعہ تباہ کیا جا چکا تھا یہاں کے مقامی باشندوں نے نئے اسے دوبارہ تعمیر لیا۔ 1686ء میں منچوریا کی فوجوں نے شہر کے گرد کئی پشتے تعمیر کر دیئے لیکن پھر بھی اس پر قبضہ کرنے میں ناکام رہے جب یہ صورتحال درپیش تھی۔ روس کا ایک اور سفارتی مشن جس کی قیادت گالگن کر رہا تھا۔ چین پہنچا تا کہ تجارت کے موضوع پر بات چیت کو مزید آگے بڑھایا جا سکے۔ مذکورہ بالا چھوٹی سی لڑائی نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ وہ اپنے چھوٹے ہمسایہ شمالی ملکوں کے متعلق حقیقت پسندانہ رویہ اپنائے چنانچہ اس نے ایک نمائندے کا تقرر کیا کہ گالگیں سے بات چیت ہو سکے۔ یہ بات چیت انتہائی کشیدہ ماحول میں ہوئی اور یہ گفتگو جاری تھی کہ بادشاہ نے پندرہ ہزار طاقتور فوج نرچنگ (Nerchinks) کے باہر کھڑی کر رکھی تھی تاہم 27 اگست 1689ء میں چین اور روس کے درمیان نرچنگ معاہدہ پر دستخط ہوئے اس کا تعلق صرف علاقائی اور سرحدی سوال سے ہی نہیں تھا بلکہ دونوں ملکوں کی سرحدوں کے آر پار مقرر دروں کا مسئلہ بھی تھا جو دونوں ملکوں کو مطلوب تھے اور تجارتی تعلقات سے بھی تا کہ دونوں ملکوں کے درمیان تجارت ہو سکے، اس معاہدہ سے ان دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات بحال ہو گئے۔ روسیوں نے ان تعلقات کو تسلیم کیا کہ قریب ترین ہمسائے سے تعلقات ناگزیر ہیں اور چینی بادشاہ نے روس سے تجارتی اور سفارتی تعلقات کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس معاہدہ کی اہمیت کو محسوس کیا۔ چین کو مغربی یورپ سے الگ تھلگ کرنے کی کوششیں جاری رہیں اور اس کے لیے ماسکو سے سفارت کاروں کا تبادلہ ہوا، مزید دو معاہدات ہوئے۔ (برنیسلک اور کایا کہاتا)

(1727ء اور 1728ء) ان سے سرحدی تنازعات کو حل کرنے میں مدد ملی۔ ان تعلقات سے دونوں ملکوں کی مساوی حیثیت کو تسلیم کیا گیا، اپنی توسیع پسندانہ خواہشات کی تکمیل کے لیے منچوریائی اور چینی امراء نے اپنی توجہ مغرب کی طرف کی۔ 1691ء میں منگولیا کے کالا کھاہ قبائیلیوں کے حکمرانوں نے چینی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرلیا۔ 1715ء میں منچوریا کی افواج نے سنکیانگ پر حملہ کیا۔ یہ جدوجہد 1750ء تک جاری رہی۔ اس جنگ کے سلسلے میں چیانگ کی فوجوں نے جنگار قبائل کو تبت سے نکال باہر کیا اور اس صوبے پر اپنا قبضہ قائم کرلیا اس کے بعد تبت کے دارالحکومت الاسا میں ایک فوجی چھاؤنی قائم کردی، یہ جنگ فتوحات کے ایک سلسلے کا آغاز تھی۔ چیانگ ریاست کی ریاستی مشینری جو فوجی جاگیردارانہ ڈھانچے پر مشتمل تھی اس میں کمزوری کے آثار 18ویں صدی میں دیکھنے میں آئے، ینگ چنگ کے ابتدائی عہد میں منچوریا کے افسران کے پاس موجود رہن شدہ زمینوں کو خرید لیا گیا اور اسے منچوریا کے ہی فوجی اور افسروں کے درمیان ان کی خدمات کے عوض تقسیم کردیا گیا۔ اس سے فوج کی قوت کو استحکام حاصل ہوا، ریاستی انتظامیہ میں فوجی افسران کے حقوق کا تحفظ ان کی حیثیت کو مستحکم کرنے کا باعث بنا۔ اس دوران عیسائی مشنریوں اور تجارتی نمائندوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جانے لگی۔ ینگ چن کی پالیسیاں اس کے جانشین چن لنگ نے جاری رکھیں جس کے عہد میں توسیع پسندانہ خارجہ پالیسی برقرار رہی اور اس کا ردعمل بھی اتنا ہی سخت ہوا اس سے عوام میں عدم اطمینان پھیل گیا جو کہ جنگروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے وہ علاقے جنہیں چین میں شامل کیا گیا جن کے حقوق پامال کیے گئے اور عام لوگ جو ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے ان میں عدم اطمینان بڑھ رہا تھا۔ جنگوں کے خلاف جنگیں بڑی شدت سے چنگ لنگ کے زمانے میں بھی ہوتی رہیں۔ چینی فوجوں کو 1757ء میں ان جنگوں میں کامیابی حاصل ہوئی اور یہاں کی آبادی کی اکثریت پناہ حاصل کرنے کے لیے وسطی ایشیا کی طرف ہجرت کرگئی۔ منچوریا اور چین کے لوگ سینکیانگ میں بس گئے چنانچہ چیانگ کے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے جو کوششیں کی گئیں اس کے نتیجے میں آبادکار غیر ملکی مرکزی حکومت کے خلاف ہوگئے۔ مغرب میں اس فتح کے دس سال بعد برما کے دارالحکومت آوا پر حملہ کیا گیا (1766ء اور 1769ء اور 1770ء میں) لیکن یہ فوجی مہم چیانگ کی فوجوں کے لیے شکست کا باعث بنی اور 1788ء اور 1790ء میں ویتنام کے خلاف فوجی مہم کی گئی۔ 18ویں صدی کے دوسرے نصف میں چیانگ شہنشاہیت کی فوجی اہلیت خاصی کمزور ہوچکی تھی، چالیس سال میں (Khanates) خاناست پر غلبہ حاصل کیا گیا، اور ہند چینی کی جاگیردارانہ ریاستوں سے لڑائی شکست کا باعث بنی، آخرکار چیانگ نے اپنے کمزور ترین ہمسائے نیپال پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ (1792ء) جو اس وقت تبت سے جنگ میں الجھا ہوا تھا، اس چھوٹے سے پہاڑی ملک کی مزاحمت آخرکار ٹوٹ گئی اور یہ ملک چین کے قبضے میں آ

گیا۔ چیانگ لنگ کی طرف سے لڑی گئی مہنگی جنگوں سے اس سلطنت کی سرحدوں میں توسیع ہوئی لیکن ان علاقوں میں آبادی زیادہ تھی۔ پہاڑی علاقے تھے اس سے چین کی معیشت میں خوشحالی نہ آئی۔ عالیشان محلات کی تعمیر پر بھی بے پناہ سرکاری رقومات خرچ کی گئیں، چینی کسان جو ٹیکسوں کی صورت میں بھاری رقومات کی ادائیگی کر رہے تھے۔ مقبوضہ علاقوں کے عوام ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے اس کے نتیجے میں معاشی بدحالی چیانگ بادشاہوں کے لیے پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ غریب کسان اپنی زمینوں کو بڑے اور چھوٹے مالکان اراضی کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور تھے۔ انہوں نے جلد ہی پچاس سے ساٹھ فیصد تک زمینوں کی ملکیت حاصل کر لی۔ اکثر و بیشتر مزارعین مالکان اراضی کی زمینوں پر کام کرنے کے پابند تھے وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ کوئی ٹیکس ادا کر سکیں یا زرعی پیداوار میں کوئی ترقی دکھا سکیں، ایک سرکاری کمیشن قائم کیا گیا جس کا مقصد اس کی بڑھتی ہوئی غربت کے متعلق سروے کرنا تھا تاہم اس سے بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا، خوشحال زمیندار اور ساہوکار کسانوں کی زمینیں خریدتے جا رہے تھے وہ علاقے جہاں غیر چینی آباد تھے وہاں زیادہ ہی ظالمانہ طریقے اختیار کیے گئے، مقامی امراء اور قبیلوں کے خاندانی سربراہوں کی جگہ مرکزی حکومت کے منچوریائی افسران نامزد کیے گئے۔ انہوں نے مقامی ثقافت کو سمجھنے اور اپنانے کی بجائے مقامی لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا۔ قصبوں میں صورتحال کم خراب تھی، شہروں میں تاجر اور دستکار قدرے بہتر زندگی گزارتے تھے، فوج، انتظامیہ اور قانونی ڈھانچہ جس میں ایک متوازن ہوم مارکیٹ تھی، تجارت اور صنعت قصبوں میں تیزی سے ترقی کر رہی تھی، 1757ء کی وہ پابندی جس کے مطابق یورپی باشندوں سے آزادانہ تجارت کی ممانعت تھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ ہوم مارکیٹ چینی تاجروں کے ہاتھ میں ہے۔ مینوفیکچرر نے تنخواہ دار ملازم رکھنے شروع کر دیئے، جنس اور زر کا تعلق قائم ہوا، اور یہ دیہاتی اور شہری زندگی میں نمایاں ہونے لگا اور ان علاقوں میں بھی جو چینی مقبوضات بنے تھے یہاں بھی چینی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ سرمایہ دارانہ ذریعہ پیداوار کے عناصر ظاہر ہونا شروع ہوئے لیکن جاگیردارانہ ریاست کسی طرح بھی کمزور نہیں ہوئی تھی ___ اس متضاد و پیچیدہ صورتحال میں جو 17ویں صدی میں پیدا ہوئی چینی فن اور ثقافت کئی ایک مصنوعی الجھاؤ پیدا کر رہا تھا۔ وہ بہروپیا پن جو منچوریا کے حکمران ٹولے نے اپنا رکھا تھا اس نے چینی ثقافتی روایات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ انہوں نے خود کو اس سے علیحدہ رکھا اور انہوں نے چینی ثقافت کی خصوصیات کو نظر انداز کیا اور حکمران طبقے کی ایک علیحدہ ثقافت تشکیل کی۔ 18ویں صدی میں افسانوں، جن بھوتوں کی کہانیوں، عجائباتی قصوں کا خوبصورت ادب تخلیق ہوا، اور بکھری ہوئی سائنسی تحقیقات کو بھی اکٹھا کیا گیا۔ فنون لطیفہ اور تعمیرات میں خوبصورت رنگوں کے تجربات کیے گئے۔ حسین و جمیل نقش و نگار اور زیورات بنانے کے فن عام ہوئے لیکن ثقافتی حاصلات کو

بہت زیادہ بھی نہیں کیا جا سکتا ـــــ دیہاتی علاقوں میں مخدوش صورتحال اور غیر چینی لوگوں میں عدم اطمینان کا اثر قصبوں پر بھی ہوا جن کی مستقل نگرانی مرکزی ریاستی ڈھانچے سے ہوئی تھی، چین میں طبقاتی جدوجہد مسلسل بغاوتوں کی صورت میں قصبوں اور دوردراز علاقوں میں ہوتی رہی ہے۔ کسانوں نے خفیہ تنظیموں کے ذریعے سماجی ڈھانچے کی مزاحمت کی، اس کے علاوہ وہ علاقے جن پر چین نے قبضہ کیا تھا، ان علاقوں میں بغاوتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ توسیع پسندی کے خلاف عوام کتنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم بغاوتیں میاؤ اور پاؤ 1735ء، 1739ء، 1740ء، 1795ء، 1799ء کی بغاوتیں تھیں اور غیر چینیوں کی بغاوتیں چینچوان 1772ء میں اور اسی سال سنکیانگ کے مقامی باشندوں کی طرف سے بغاوت ہوئی۔ 18ویں صدی کے آخری سالوں میں جب کسانوں کی صورتحال انتہائی خراب تھی۔ کسانوں کی خفیہ تنظیمیں قائم ہوئیں اور بغاوتیں ہوئیں، روایتی مذہبی سوسائٹیاں ''سفید کنول'' دوبارہ وجود میں آنا شروع ہوگئیں۔ یہ خفیہ انجمنیں سیاسی مقاصد کے علاوہ اخلاقی اقدار اور تنظیم کے اراکین کی امداد کیا کرتی تھیں، ان میں سب سے زیادہ اہم Traid یہ جنوبی ساحلی علاقوں میں موجود تھی اور اسے تاجر لوگوں کی حمایت حاصل تھی ـــــ اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں کے علاوہ ان انجمنوں نے کئی ایک بڑی بغاوتوں کو منظم کیا، تائیوان میں (1788ء-1786ء) Traid کی زیرقیادت شیشلنگ اور نہان میں (1780ء تا 1770ء) میں ''سفید کنول'' کی زیرقیادت 1795ء میں ایک عوامی بغاوت ملک کے وسطی مغربی علاقوں میں ہوئی یہاں منچوریاؤں اور جاگیرداروں کے خلاف مخالفت بڑی زبردست تھی۔ منچوریائی فوجوں کی طرف سے بغاوت کو کچلنے کی کوششیں ناکام ہوئیں۔ 1813ء میں ''سفید کنول'' انجمن کی ایک شاخ نے ایک اور بغاوت کو منظم کیا اس دوران سلطنت کے جنوبی ساحلی علاقوں میں گوریلا جنگ شروع ہوگئی۔ 18ویں صدی کے آخر اور 19ویں صدی کے شروع میں چین کو کئی ایک زرعی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگوں اور بغاوتوں کے بعد یہ سب سے بڑا زرعی بحران تھا۔ اس سے وسطی قوت کمزور ہوگئی۔ آخرکار علاقائی ریاستوں کے حکمرانوں نے خود کو آزاد کرانا شروع کردیا۔ 18ویں صدی کے دوسرے نصف میں جتنی جنگیں ہوئیں ان کا انجام شکست ہوا، اس دوران مغربی ملکوں نے تجارتی لحاظ سے ان علاقوں میں کافی وسعت حاصل کرلی، چینی منڈی حاصل کرنے کے لیے امریکہ اور مغربی ملکوں کی طرف سے زبردست کوششیں کی گئیں، غلبہ حاصل کرنے کی اس پالیسی میں سب سے پیش پیش انگلستان تھا جو کہ اس وقت یورپی طاقتوں میں صنعت اور تجارت کے لحاظ سے سب سے ترقی یافتہ تھا لیکن اس کے سفارتی مشنوں نے 1792ء، 1793ء اور 1816ء میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کی، اسی دوران برطانوی اور امریکی تجارت کو چین میں فروغ حاصل ہوا۔ خاص طور پر افیون کی تجارت نے ان ملکوں کی حیثیت چین میں

خاصی مستحکم کردی۔ استعماری طاقتوں کی اپنے مفادات کی پیاس بڑھتی جارہی تھی اوران کا اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے عملی طور پر سرگرم عمل ہونا ناگزیر تھا۔

سلطنت عثمانیہ میں بحران:

17ویں صدی کے شروع میں سلطنت عثمانیہ ایک طاقتوراورتوسیع پسندانہ عزائم رکھتے ہوئے مشرقی وسطیٰ اور یورپ میں ایک طاقتور سلطنت سمجھی جاتی تھی تاہم 1664ء میں آسڑیا اور ہنگری کے ہاتھوں شکست کے بعداور پھر ایک یورپی اتحاد(آسڑیا،روس،وینی ٹیااور پولینڈ) کے ہاتھوں شکست کے بعد سلطنت کئی ایک مقبوضات سے ہاتھ دھوبیٹھی۔ اٹھارویں صدی میں سلطنت عثمانیہ دفاعی انداز اختیار کرنے پر مجبور ہوئی اوراسی صدی کے دوران کئی ایک اقتصادی اور علاقائی رعاتیں دینے پر مجبوری ہوئی___ اس سلطنت کا زوال منصب داریوں میں انتشار،فوجی قوت میں زوال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بحرانوں کا نتیجہ تھا۔ مویشیوں کےگلوں کے مالک بتدریج طاقتور مالکان اراضی بن گئے اوراب انہیں گھوڑسوار دستے میں شامل ہوکر جنگ میں حصہ لینا فائدے مند نظر نہیں آتا تھا، زراور جنس کے تعلق کا پھیلاؤ اور غیرملکی تاجروں سے تجارت کوفروغ جوان کے لیے پوری دنیا سے عیاشی اورعیش کا سامان لاتے اور یہی سامان سلطان کے دربار میں پیش کیا جاتا،حکمران بالائی طبقہ اس کی تقلید میں اپنے گھروں کے لیے بھی ایسی اشیاء ہی خریدتا۔ یہ آسائشیں اورآرائیش محنت کش طبقات کی محنت کا نتیجہ تھیں۔اس لیے ان کے جبرواستحصال میں اضافہ ہوتا جارہا تھااورٹیکسوں کا بوجھ عوام پر بڑھ رہا تھا۔ یہ دباؤ زراعت کے زوال کا باعث بنا، زندگی محنت کشوں کے لیے سخت ہوتی جارہی تھی اوروہ ترکی کے جاگیرداروں،فوجی امراءاور حکمرانوں کے رحم وکرم پر تھے۔ بلقان کے عیسائی اقلیت ہونے کی وجہ سے استحصال کا شکار تھے اور جاگیردارانہ طرزمعاشرت میں مصائب میں گرفتار تھے۔مشرق ومغرب کے درمیان تجارت کے نتیجے میں سلطنت کے ساحلی علاقوں میں جوقصبے پیدا ہوئے وہاں رہنے والے تاجراوردلال،طفیلی بورژوازی بن گئے۔ یہ زیادہ تریونانیوں اورآرمیناوالوں پرمشتمل تھے۔بندرگاہوں پرمینوفیکچربھی وجود میں آگئے تاہم ابھرتی ہوئی بورژوازی کوکوئی تحفظ حاصل نہیں تھی۔غریب کسان پہلے ہی بے یارومددگار تھے۔نتیجہ کے طور پر سرمایہ دارانہ معیشت استحکام حاصل نہ کرسکی___ 18ویں صدی میں یورپی ریاستیں اپنے سابقہ استحقاق ''مشروط قطعات'' سے علیحدہ ہورہی تھیں جوانہیں سلطان نے عطا کیے تھے۔ جب سلطان نے غیرملکی تجارت میں دلچسپی لی تھی اورانہوں نے اپنے علاقوں میں تجارت کرنے کے حقوق دیئے تھے۔ یورپی مال جلد ہی مقامی لوگوں کی روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ بن گیا اور یہ صورتحال مقامی دستکاروں اورترکی کے

مینوفیکچرر کا مسئلہ تھی۔ وہ طفیلی بورژوازی جو اپنا منافع درمیانے آدمی کا کردار ادا کر کے حاصل کرتی تھی ان کی خواہش تھی کہ غیر ملکی سرمائے کو زیادہ سے زیادہ سرایت کرنا چاہیے۔ ''جانثار'' (ترکی فوج کے دستے کے کمانڈر یا سلطان کے وفادار فوجی) بھی طفیلی تاجر سے مقابلہ پر اتر آئے، یہ پیشہ ور سپاہی جو پہلے پہل عیسائی تھے اور انہوں نے اسلام قبول کیا تھا یہ سلطان کے انتہائی وفادار فوجی بن چکے تھے۔ یہ لوگ شادی نہیں کر سکتے تھے اور یہ فوجی چھاؤنیوں میں زندگی گزارتے ان کو بھاری تنخوائیں ملتیں اور یہ ٹیکس سے مستثنٰی تھے۔ 17 ویں اور 18 ویں صدی میں جانثار اپنے فوجی کردار سے عدم دلچسپی کا اظہار کرنے لگے۔ کئی ایک نے مکانات تعمیر کر لیے، تجارت اور دستکاری میں حصہ لینے لگے اور اس دوران ٹیکس ادا نہ کرنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس خاص سماجی طبقے کی نشوونما سے یہ جانثار اپنی جنگی مہارت کھو بیٹھے اور ان کی حیثیت علاقائی محافظوں کی سی رہ گئی اور یہ لوگ سلطان کے لیے مستقل خطرہ بن گئے۔ ان کے درمیان آپسی اختلافات روزمرہ کا معمول بن کر رہ گئے، بعض اوقات یہ لوگ اپنے کمانڈروں کو مسترد کر دیتے اور نئے کمانڈروں کا انتخاب کر لیتے۔ جاگیردارانہ استحصال میں شدت، بڑھتے ہوئے ٹیکس اس سے جاگیردارانہ اقتصادی نظام کمزور ہونے لگا اور یہ نظام سرمایہ دارانہ نظام سے تبدیل نہیں ہو رہا تھا اس کی وجہ ترکی کے مخصوص حالات تھے۔ عوامی سطح پر احتجاج ابھرنے لگے۔ 1730ء میں دارالحکومت میں بغاوت پھوٹ پڑی اور اسکی قیادت سابقہ ملاح پائرون خلیل کر رہا تھا اور انتظامیہ کو بغاوت کچلنے میں کئی ہفتے لگے اس دوران کسانوں کی بغاوت نے بھی حالات ابتر کر دیئے۔ اب قومی آزادی کی تحریک کا بیج استحصال زدہ طبقات میں اُگ رہا تھا خاص طور پر جزیرہ نما بلقان میں تحریک میں شدت آ گئی۔ جاگیرداروں کے خلاف تحریک خاندانی امراء اور مذہبی لیڈروں کے خلاف بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔ یہ مذہبی راہنما سلطان کے اقتدار اور حکمران طبقے کے نمائندہ تھے۔ ان کے پاس بڑی بڑی جاگیریں تھیں اور ہر قسم کے ٹیکسوں سے مستثنٰی تھے۔ اس طرح مذہبی فرقہ پرستی کو بھی تقویت ملی۔ سیاسی اور معاشی زوال، سلطنت کے امراء اور بڑے جاگیرداروں میں علیحدگی کے رجحانات کو تقویت دے رہا تھا اور وہ زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ سلسلہ سلطنت کے زوال کو مزید قریب لا رہا تھا، جوں جوں سلطنت عثمانیہ کمزور ہو رہی تھی ایسے ہی مغربی ملکوں کا سلطنت میں زیادہ سے زیادہ اقتصادی طور پر سرایت کرنا آسان ہوتا جا رہا تھا اور وہ تجارتی غلبہ حاصل کر رہے تھے۔ 18 ویں صدی میں روس اور ترکی کی جنگ جو 1768ء، 1774ء میں اپنے عروج پر تھی۔ روس والوں نے بحیرہ اسود کے ساحلی علاقوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ کچلو۔ کنارجی معاہدہ جس کے مطابق ڈینیپر اور بگ کا درمیانی علاقہ روس کی قلمرو میں رہا اور کریمیا کو ایک آزاد ریاست بنا دیا گیا۔ بعد میں اس پر روس نے قبضہ کر لیا۔ روس کے تجارتی منصب داروں کو بحرہ

اسود میں باسفورس کے راستے کھلی جہاز رانی کی اجازت مل گئی۔ اسی دوران زار جسے تاجر طبقے کی مضبوط حمایت حاصل تھی نے باسفورس پہ قبضہ کر کے استنبول پر قبضے کا خواب دیکھا، زار کی یہ خواہش یورپی ممالک کی خواہش سے متصادم تھی، انگلستان اور فرانس بھی ایسے ہی عزائم رکھتے تھے اور سلطنت عثمانیہ جو کئی قومیتوں پر مشتمل تھی اس پہ قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ یورپی آہستہ آہستہ اس سلطنت کے مختلف حصوں میں قدم جما رہے تھے چہ جائیکہ باہمی طور پر ان کے مفادات بھی آپس میں متصادم تھے تاہم یہ علاقہ سیاسی اور فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے انتہائی اہم تھا اور یہاں سے ہی افریقہ اور ایشیا میں باآسانی پہنچا جا سکتا تھا۔ طویل منصوبہ میں یہ علاقہ اور دیگر عالمی تعلقات کا موضوع شامل تھا۔ عثمانیہ سلطنت کے حکمران نے فوجی اور انتظامی اصلاحات کے ذریعے سلطنت کو استحکام بخشنے کی کوشش کی تاہم اس قسم کی اصلاحات سلطان سلیم سوم (1789ء-1807ء) کے عہد میں کی گئیں اور ایک باصلاحیت منتظم اور فوجی کمانڈر بیرک دار پاشا کے عہد میں کی گئیں جو غیر موثر ثابت ہوئیں۔



باب:22

انقلاب فرانس

انقلاب کے اسباب:

1788ء کے موسم بہار میں فصل خاص طور پر خراب ہوئی۔ کئی علاقوں میں فصلوں کی تباہی اور اس کے بعد معمول کے برعکس سردیاں بڑی شدید آئیں، تو ملک کے کئی صوبوں میں کسانوں کی بغاوتیں پھوٹ پڑیں اور یہ 1789ء تک مسلسل جاری رہیں، کسانوں کی بھوک سے انتہائی بری حالت تھی۔ انہوں نے اناج کے گودام لوٹ لیے اور اناج باہمی طور پر تقسیم کیا۔ انہوں نے اناج کے بیوپاریوں کو مجبور کیا کہ وہ اناج درست قیمت پر فروخت کریں، روٹی کی شدید قلت قصبوں میں بے چینی کا باعث بنی۔ انتظامیہ نے ان ہنگاموں کو طاقت سے کچل دیا لیکن بغاوتیں یکے بعد دیگرے پھوٹتی چلی گئیں، اگرچہ فصلوں کا خراب ہونا کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ اس کا ردعمل اتنا شدید ہوتا، اس کے اسباب کچھ اور تھے کچھ بغاوتوں میں شدت تھی۔ 1787ء، 1789ء کے سال صنعتی لحاظ سے بھی بحران کا شکار رہے وہ کسان جو صنعتی آمدنی کے سلسلے میں مینوفیکچرر کے پاس کام کرتے تھے۔ سردیوں میں وہ عام طور پر قصبوں میں جاتے اور عارضی طور پر نوکر ہو جاتے، اس مرتبہ وہ ان مواقعوں سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ ایسے ہی حالات مینوفیکچرر کے کام اور تعمیرات میں درپیش تھے اور تجارت بھی بحران کا شکار تھی۔ اس لیے 1789ء-1788ء میں پورے ملک میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور لوگ بڑی تبدیلیوں کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ نہ ہی صنعت اور اقتصادیات کی مخدوش حالت، اور نہ ہی بری فصلیں انقلاب کی اصل قوت تھیں۔ یہ صرف بحران میں ایک شعلے کا کردار ادا کر رہے تھے اور اس بحران کو پہنچنے میں ایک طویل عرصہ لگا تھا۔ انقلاب کے بنیادی محرکات کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ سب سے اہم پہلو جس کی وجہ سے فوجی سطح پر عوام میں عدم اطمینان پھیل گیا۔ وہ جاگیردارانہ ڈھانچے کی مطلق العنانیت تھی اور یہ سماجی ڈھانچہ ملک کی تبدیل شدہ صورتحال میں،

اقتصادی سیاسی اور سماجی ضروریات کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ تقریباً 99% آبادی وہ تھی جو اپنی محنت فروخت کر کے روزمرہ زندگی کی ضروریات پوری کرتی جبکہ ایک فیصد امراء، جاگیردار اور مذہبی پیشوا تھے۔ جنہیں ریاست میں خصوصی استحقاق حاصل تھا چنانچہ طبقات میں یہ واضح عدم توازن ہر طرف نظر آتا تھا۔ مراعات یافتہ لوگ کوئی کام نہیں کرتے تھے محنت کشوں کی کمائی پر زندگی گزارتے تھے۔(1) شہنشائیت کے سب سے بڑے مددگار تھے۔ 99% عوام بھی یکساں نوعیت کی طبقاتی صورت میں نہیں تھے۔ ان میں کسان، زبردست استحصال زدہ زرعی غلام جو جاگیرداروں کے لامتناعی مطالبات کے پورے کر رہے تھے۔ مذہبی پیشوائیت اور شہنشائیت اس کے بعد غریب محنت کش اور دستکار جن کے کوئی حقوق نہیں تھے اور وہ انتہائی کسمپرسی میں زندگی گزار رہے تھے۔ ان مختلف طبقات کے مفادات اور مقاصد کسی طور پر بھی باہمی مطابقت نہیں رکھتے تھے لیکن ان میں جو چیز مشترک تھی وہ یہ کہ یہ تمام مراعات یافتہ طبقات کے خلاف تھے اور ان کو سیاسی وسماجی حقوق کی ضرورت تھی۔ نہ بورژوازی، نہ ہی پرولتاریہ کسان، کسی طور پر بھی حکمران طبقے سے مفاہمت کرنے کو تیار تھے اور نہ ہی انہیں مطلقیت اور موجودہ ڈھانچے میں اطمینان تھا۔ یہ ڈھانچہ اقتصادی ترقی اور سماجی زندگی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا، اگرچہ یہ طبقہ معلوم نہیں، آگاہ تھا یا نہیں، ملک میں تاریخی تبدیلی کا وقت آ پہنچا تھا جسے جاگیرداریت سے سرمایہ داری میں ظہور کا زمانہ کہا جاتا ہے جو اس وقت ایک ترقی یافتہ سماجی شکل تھی۔ آخری تجزیے کے مطابق تمام طبقات میں تضادات شدید طور پر بڑھ رہے تھے۔ یہ اس لیے تھا کہ تضادات اتنے معقول تھے کہ انتظامیہ ان کو کچلنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی اور فرانس میں انقلاب تاریخی طور پر ناگزیر ہو چکا تھا۔

ریاستی جنرل کا اجلاس:

جب عوام کی اکثریت، خواہ وہ دیہاتوں میں تھے یا شہروں میں، یہ واضح کر رہے تھے کہ وہ ماضی کی طرح رہنے کے لیے کسی طور پر بھی تیار نہیں۔ ایسے میں ملک کے راہنما، شہنشائیت، مراعات یافتہ طبقہ کی حرکات سے بھی نظر آ رہا تھا کہ وہ ملک پر حکومت کے قابل نہیں ہیں ___ ریاستی خزانے کی مخدوش صورتحال، شاہی دربار اور مراعات یافتہ کی فضول خرچیوں کا نتیجہ تھیں۔ انہوں نے ہی شدید قسم کے مالی بحران کو جنم دیا۔ بادشاہت خود کو ان حالات سے نپٹنے کے لیے بے بس محسوس کر رہی تھی۔ کئی ایک ناکام کوششیں جن کا مقصد حالات کو بہتر بنانا تھا کی گئیں۔ بادشاہ اس پر مجبور ہوا کہ وہ سٹیٹ جنرل کا اجلاس منعقد کرے۔ یہ اسمبلی متعلقہ اداروں کی نمائندہ تھی اور 175 سال سے فرانس میں اپنا وجود رکھتی تھی، وسیع طور پر بڑھتی ہوئی بے چینی ملک کے کئی حصوں میں پھیل رہی تھی، 1789ء کے موسم بہار میں 5 مئی کو سٹیٹ جنرل کے اجلاس کا افتتاح بادشاہ لوئیس XVI نے کیا، بادشاہ اور اس کے ساتھی اس امید میں تھے کہ سٹیٹ

جنرل کی مدد سے حالات پر قابو پالیا جائے گا اور عوام سے اعتماد حاصل کیا جا سکے گا، عوام سے معقول فنڈ بھی مل جائے گا، جس سے سرکاری خزانے کا منہ بھر جائے گا لیکن بورژوازی سٹیٹ جنرل سے مختلف امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھی کہ شاید کوئی تبدیلی رونما ہو سکے ___ ابتدائی طور پر مراعات یافتہ طبقے اور محروم طبقے کے درمیان شدید اختلاف رائے تھا۔ جون 17 کو سٹیٹ جنرل کے نمائندوں نے خود کو قومی اسمبلی ہونے کا اعلان کر دیا اور دیگر متعلقہ داروں سے کہا کہ وہ اس میں شرکت کریں۔ اس قرارداد کے بعد قومی اسمبلی ملک کا سب سے بڑا قانون ساز ادارہ اور فرانسیسی عوام کا نمائندہ بن گیا تاہم بادشاہ جس کی حمایت امراء کرتے تھے انہوں نے اس اقدام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، 20 جون کو بادشاہ نے حکم دیا کہ جس محل میں اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے اس کو تالا لگا دیا جائے لیکن قومی اسمبلی کے اراکین نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے وہ کشادہ حال جو ٹینس کھیلنے کے لیے استعمال ہوتا تھا 20 جون کو وہاں اجلاس منعقد کیا اور حلف اٹھایا کہ وہ کسی صورت میں بھی منتشر نہیں ہوں گے اور نہ ہی اجلاس کو برخاست کریں گے تاوقتیکہ ایک آئین کا مسودہ تیار کر کے منظور نہیں کر لیا جاتا ___ 9 جولائی کو قومی اسمبلی نے خود کو ایک آئینی اسمبلی قرار دیا اور اپنی ذمہ داریوں کا تعین کیا۔ ایک نئے سماجی نظام کو متعارف کروانے کا عہد کیا اور کہا کہ اس کی بنیادیں رکھی جائیں گی اور بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ اسمبلی کی قراردادوں کو تسلیم کرے، حقیقت میں دونوں طبقات مفاہمت کے لیے تیار نہیں تھے بادشاہ کے وفادار فوجیوں نے ورسائل اور پیرس میں اکٹھا ہونا شروع کر دیا۔ 12 جولائی کو اعلان کیا گیا کہ بادشاہ نے فکر معطل کر دیا ہے جو حکومت میں اصلاحات کرنے کا چیمپین مانا جاتا تھا، فوجی پیرس میں اکٹھے ہو رہے تھے اور نظر آ رہا تھا کہ انقلاب مخالف قوتیں اب جارحانہ پالیسی اختیار کر رہی تھیں، گلیاں اور چوک جلد ہی لوگوں سے بھر گئے۔ مختلف علاقوں میں بادشاہ کی فوجوں کے ساتھ جھڑپیں شروع ہو گئیں اور فرانس کے لوگ جنگ کے لیے اتر آئے۔ 13 جولائی کو صبح سویرے پیرس کے غریب کلہاڑیوں اور پستولوں سے مسلح ہو کر بازاروں میں آ گئے۔ لوگوں نے اسلحہ کی دکانیں لوٹ کر بادشاہ کے فوجیوں کو جگہ جگہ مزاحمت دی۔ 14 جولائی کو شہر کا زیادہ تر حصہ باغیوں کے قبضے میں تھا لیکن آٹھ میناروں والی قلعہ بند باسٹل قید خانے کی عمارت اس کے سامنے پہاڑ کی طرح کھڑی تھی۔ اس قلعہ کے گرد خندقیں تھیں اور یہ ناقابل تسخیر معلوم ہوتا تھا۔ لوگوں نے بڑی جرات کے ساتھ اس قلعہ کی طرف پیش قدمی کی اور فوجی چھاؤنی کے کمانڈر کو قتل کر دیا۔ دیگر فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔ بغاوت میں یہ عوام کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ لوگوں کے جرات اور حوصلے بڑھے کہ وہ اپنے آقاؤں کو شکست دے سکتے ہیں ___ بادشاہ مجبور ہوا کہ وہ عوام کی زبردست قوت کے سامنے پسپا ہو جائے۔ 17 جولائی کو آئینی اسمبلی کے ساتھ وہ پیرس آیا تا کہ اس انقلابی فتح کو منظور کر سکے۔ پیرس جیسے واقعات سارے ملک میں رونما پذیر ہوئے، سرکاری افسران کو ان کے سابقہ عہدوں سے محروم کر دیا گیا۔ نئی شہری کونسلوں کو منتخب کیا

گیا ایک نئی انقلابی فوج نیشنل گارڈ کی بنیاد رکھی گئی۔ کسانوں نے بھی ہتھیار اٹھا لیے، ہاسٹل کے جلا دیئے جانے کی خبر سن کر انہوں نے اپنے قابل نفرت آقاؤں کے مکانات توڑ دیئے، اور انہیں تباہ کر دیا ان کے کھیتوں پر قبضہ کر لیا اور ٹیکسوں کی عدم ادائیگی جیسے واقعات پیش آئے۔ پرتشدد احتجاج، مظاہرے اور استحصال کے خلاف مزاحمت پورے فرانس میں پھیل گئی تھی۔

فرد کے حقوق کے متعلق اعلامیہ

انقلاب کی ابتدائی کامیابیاں اتنی شاندار تھیں اور اس کا پہلا فیصلہ کن حملہ مطلق شہنشائیت پر کاری ضرب اتنی موثر تھی کہ (Third estate) اس کی قیادت لوگوں اور بورژوازی نے کی۔ اس مرحلے پر دونوں متحد تھے اور ایک مشترکہ مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد میں مصروف تھے، یہ اتحاد اور انقلابی جذبے کی شاندار جذبے کی ہو جس نے پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کا اظہار ''فرد کے حقوق کے متعلق اعلامیہ'' میں ہوتا ہے جو کہ آئینی اسمبلی نے 26 اگست 1789ء کو منظور کیا۔ اس دستاویز نے اس نئے سماجی نظام کے لیے بنیادیں فراہم کیں جس کا راستہ انقلاب نے دکھایا تھا۔ اعلامیہ 17 دفعات پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلی دفعہ میں کہا گیا ہے۔ ''انسان آزاد پیدا ہوتے ہیں انہیں مساوی حقوق کا حق ہے اور ایسا ان کے ساری زندگی رہنا چاہیے'' اس عہد میں جب ملکوں کی اکثریت میں جاگیردارانہ مطلقیت تھی اور وہ لوگ جن کا تعلق امراء، چرچ سے نہیں تھا حقوق سے محروم طبقہ قرار دیئے جاتے تھے۔ بہر حال جب مزارعیت اور غلام داری عام تھی۔ یہ اعلامیہ آزادی ایک بہت بڑا انقلابی عمل تھا۔ انسانی حقوق کے اعلامیے میں، ایسے مقدس اور ناقابل انتقال حقوق جو شہریوں کو دیئے گئے مثلاً ذاتی آزادی، تقریر کی آزادی اور ضمیر کی آزادی، فرد کے تقدس اور ہر قسم کے استحصال کی مذمت، ذاتی جائیداد رکھنے کے حق کو بھی تسلیم کیا گیا اور اسے ایک مقدس حق قرار دیا گیا اور جائیداد رکھنے کا حق ناقابل انتقال تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بورژوا اور کسان جائیداد جاگیرداروں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو گئی لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی جائیدادوں کو دوام بخش دیا گیا۔ اس اعلامیے میں جائیداد کی بنیاد پر عدم مساوات قائم رہا تاہم اس اعلامیے کو جانچتے ہوئے انسانی حقوق کا ہر اعلامیہ ایک ایسی دستاویز جو خصوصی اہمیت کی حامل انقلابی اقدامات کی فہرست ہے، مشہور نعرہ ''آزادی، مساوات اور اخوت'' جو اس اعلامیے میں درج تھا۔ اس کی گونج پوری دنیا میں سنی گئی۔

دولت مند بورژوازی کی اقتدار میں آمد

تاہم فتح کا پھل تمام کا تمام "Third-estate" میں تقسیم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ تمام بورژوا

زی میں بھی نہیں۔ طاقت جلد ہی طاقتور بورژوازی کے ہاتھوں میں آ گئی جو ''بورژوا اشرافیہ'' کہلائی۔ قانون ساز اسمبلی میں پیرس کی شہری صوبائی کونسل، اور قومی رضا کار سب میں فیصلہ کن آواز امیر ترین اور بورژوازی کے طاقتور طبقے کی تھی۔ کلوئٹ اور تریے ڈی میرابیو، جو ایک باصلاحیت پارلیمانی مقرر تھا اور ایک سیاستدان جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے آخری حدیں تک چھونے کو تیار ہوتا تھا۔ آئین ساز اسمبلی میں اسے ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی، لیکن بعد میں اس نے دربار سے خفیہ معاملات طے کر لیے۔ مارکیوس ڈی لافیٹی، ایک امیر امراء میں شامل تھا، جس نے امریکہ کی جنگ آزادی میں کافی شہرت حاصل کی تھی۔ اس نے قومی رضا کار تنظیم کی کمان سنبھال لی تھی۔ جس کا زیادہ تر حصہ بورژوازی عناصر پر مشتمل تھا۔ وہ تمام لوگ جو اس میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ بجی سجائی اعلیٰ قسم کی وردی اپنے طور پر بنوا کر شامل ہوں جبکہ یہ قیمتی وردی عام آدمی کے بس میں نہیں تھا کہ وہ بنوا سکے ___ بورژوازی کی قوت کو مزید مستحکم بنانے کے لیے 1789ء میں اس سماجی گروپ کے نمائندوں نے آئین ساز اسمبلی میں جو قوانین منظور کروائے جس کے مطابق ملک میں انتخابات کے سلسلے میں ملک کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ وہ شہری (صرف مرد) جنہیں ووٹ دینے کا حق حاصل تھا اور جو منتخب ہو سکتے تھے انہیں فاعل شہری قرار دیا جو کہ جائیداد رکھتے ہوں۔ تعلیم اور براہ راست ٹیکس ادا کرتے ہیں اور وہ جو جائیداد کے مالک نہیں (مقررہ) اور تعلیم نہیں رکھتے وہ ووٹ نہیں دے سکتے، منتخب نہیں ہو سکتے، انہیں ''مفعول'' شہری کہا گیا۔ 26 ملین کی کل آبادی میں سے صرف 43 لاکھ افراد جو کل آبادی کا 1/6 حصہ تھے، انہیں سیاسی حقوق حاصل ہوئے۔ ایک صحافی جسے انقلاب کے دوران بڑی شہرت حاصل ہوئی وہ جین پال مارات تھا، اس نے اپنے اخبار ''عوام کے دوست'' میں لکھا کہ ان قوانین نے ایک نئی اشرافیہ کی تخلیق کی ہے۔ ایسی اشرافیہ جس کی بنیاد دولت ہے ___ بڑی بورژوازی نے خود کو "Third estate" سے بالکل علیحدہ کر دیا اور اپنی قوت کو قانونی بنیادیں فراہم کرنا شروع کر دیں۔ اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ بڑی بورژوازی فرانس کو اپنے مفاد کے تحت استعمال کرنا چاہتی تھی۔ آئین ساز اسمبلی نے ایسے قوانین بنائے جو ترقی پسندانہ رجحان رکھتے تھے مثلاً 1789ء 1790ء میں فرانس کے انتظامی ڈھانچے کی تعمیر نو کی گئی۔ عہد وسطیٰ کے انتظامی یونٹ تبدیل کر دیئے گئے۔ 2 نومبر 1789ء میں ایک اعلان کے مطابق، آئین ساز اسمبلی نے حکم جاری کیا کہ وہ تمام جائیداد جو چرچ کے نام وقف ہے اسے قوم کے حوالے کیا جائے اور ایسی جائیداد قومی ملکیت میں لے لی گئی، اور اسے فروخت کے لیے رکھ دیا گیا۔ چرچ کو اس کے کئی ایک سابقہ عوامل سے محروم کر دیا گیا۔ (مثلاً پیدائش کا اندراج، موت اور شادی کا اندراج) اور ان کاموں کو ریاستی امور میں شامل کر لیا گیا۔ کئی ایک مزید اقدامات کیے گئے جن کے مطابق وہ تمام پابندیاں ختم کر دی گئیں جو کہ صنعتی اور کمرشل پیش عملیوں میں رکاوٹ تھیں ___ بورژوا قوانین جو آئین ساز اسمبلی نے منظور کیے ان تمام طبقات کے

مفادات کو مدنظر رکھ رہے تھے جنہوں نے تیسرا تعلقہ (Third estate) قائم کیا تھا۔ بورژوا طبقے کے وہ مفادات جن کے تحت انہوں نے انقلابی عمل میں حصہ لیا تھا وہ مفادات پورے ہو چکے تھے۔ حکومت میں آنے کے بعد وہ تمام انقلابی تبدیلیاں جس سے ان کے اپنے مفادات کو بڑھاوا ملتا تھا ان کو پورا کیا۔ اب بورژوازی ایک قدامت پرست قوت میں تبدیل ہوگئی جو ہر انقلابی قدم کی مخالفت کرتی تھی ___ اس دوران عام ادمی اور بورژوازی کے جمہوری حلقے یہ دیکھ رہے تھے کہ یہ اقدامات محض آغاز میں کسان جو جاگیردارانہ استحصال کا شکار تھے۔ وہ مطالبہ کرر ہے تھے کہ جاگیرداریت اور مزارعیت کا خاتمہ کردیا جائے اور یہ کہ انہیں زمینیں دی جائیں۔ 4 اور 11 اگست 1789ء کو آئین ساز اسمبلی نے زرعی غلام داری کا خاتمہ کردیا لیکن یہ اصلاحات صرف کاغذوں پر تھیں نہ کہ ان کی کوئی عملی صورت تھی۔ کسانوں کی آزادی اور مکمل زرعی نظام ایک حل طلب مسئلہ تھا۔ 1790ء میں کسانوں میں عدم اطمینان کی ایک اور لہر اٹھی اور انہوں نے سابقہ مطالبات اور ٹیکس اپنے آقاؤں کو ادا کرنے سے انکار کردیا۔ کئی ایک علاقوں میں مکمل بغاوت ہوئی ___ شہری غریب بھی عدم اطمینان میں مبتلا تھے اور وہ کئی ایک حقوق سے محروم تھے اور اب پہلے سے زیادہ غربت کا شکار تھے۔ امراء کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر چکی تھی۔ آرائش والائش کا سامان آنا بند ہو چکا تھا۔ اس سے مقامی تجارت پر خاصا فرق پڑا تھا۔ عدم اطمینان اس وقت اور زیادہ بڑھ گیا جب پیرس اور دیگر کئی قصبوں میں کھانے پینے کی اشیاء کی قلت ہوگئی۔ 6,5 اکتوبر 1789ء میں، پیرس کے غریب خاص طور پر کام کرنے والی عورتیں اور دستکاروں کی بیویاں، اور چھوٹے تاجروں نے ایک جلوس نکالا۔ انہوں نے شاہی محل کا گھیراؤ کرلیا اور اس میں داخل ہونے کی کوشش کی اور یہ روٹی کی قیمتوں اور شدید قلت پر احتجاج کر رہے تھے۔ لوئیس XVI دوبار بالکونی پر آیا کہ مجمع کو خاموش کروا سکے۔ لوگوں کے مطالبے پر بادشاہ اور پھر قانونی ساز اسمبلی ورسیلز سے پیرس منتقل ہوگئے۔ عوامی مفادات کے دو مدافعت کار میکمیلن روبسپئری (1758ء-1794ء) جو اسمبلی کا رکن تھا اور ییں پال مارات، جو اخبار ''عوام کے دوست'' کا ایڈیٹر تھا۔ انہوں نے بڑی جرات سے غیر جمہوری خصلت، جو اسمبلی میں بورژوازی پارٹی کا اہم عنصر بن چکی تھی، اس کی سخت مزحمت کی اور ان نکات کی نشاندہی کی جو انقلاب کی روح کے لیے سخت نقصان دہ تھے ___ ان باجرات انقلابیوں کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے، رد انقلاب گروپ جو دربار کی ساتھ خفیہ تعلقات قائم کیے ہوئے تھا وہ چاہتے تھے کہ انقلابیوں کو شکست ہو جائے۔ مہری انیٹونٹی نے ترک وطن کرنے والوں کی وساطت سے کئی ایک یورپی بادشاہوں سے رابطے قائم کیے اور وہ اس کی خواہش کر رہی تھی کہ وہ فرانس میں مسلح مداخلت کریں۔

شاہی دربار میں بوکھلاہٹ:

جون 1791ء میں، بادشاہ اور ملکہ نے ملک سے باہر فرار ہونے کی کوشش کی تا کہ انقلاب دشمنوں میں شامل ہوا جا سکے۔ سادہ نوکروں کے کے روپ میں وہ پیرس سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تاہم سرحدی علاقوں کے ایک چھوٹے سے قصبے ویرٹنس میں انہیں پہچان لیا گیا جہاں سے ان کی گاڑی کو بھاری حفاظت میں پیرس پہنچایا گیا۔ بادشاہ کی انقلاب دشمنوں میں شامل ہو کر، عوام دشمن سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ناکام کوشش عوام کے ذہنوں پر بجلی بن کر گری کیونکہ لوگ کم از کم اس بات پر ضرور یقین رکھتے تھے کہ بادشاہ عوام کے ساتھ دھوکہ نہیں کر سکتا جیسے روایاتی قصے کہانیوں کے مطابق ''بادشاہ اچھا ہے اس کے وزیر اچھے نہیں''۔ لیکن بادشاہ کے فرار کے منصوبے کے بعد، زیادہ سے زیادہ لوگوں نے جمہوریہ کا مطالبہ کیا___ اس دوران آئین ساز اسمبلی میں قدامت پرستوں کی اکثریت نے بادشاہ کا دفاع کرنا جاری رکھا اگرچہ بادشاہ کے فرار کا راز سب پر عیاں ہو چکا تھا لیکن ایک طبقہ جو بادشاہ کا وفادار تھا۔ وہ پروپیگنڈہ کر رہا تھا کہ بادشاہ کو اغوا کیا گیا ہے اور انہوں نے لوئیس کو اس کے سابقہ اختیارات لوٹا دیئے، یہ عمل پیرس میں جمہوری حلقوں میں ندامت اور بے شرمی کا باعث بنا۔ کئی ایک سیاسی کلبوں نے ملک کو جمہوریہ بنانے کا سنجیدگی سے مطالبہ شروع کر دیا۔ جولائی 17 کو ایک پرامن احتجاجی مظاہرہ، بادشاہ کے خلاف کیمپ ڈی مارس کی طرف گیا۔ اسمبلی نے نیشنل گارڈ کے دستوں کو حکم دیا کہ وہ مظاہرہ کچلنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ قومی رضا کاروں کے دستوں کی کمان لافایٹی کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے مظاہرین پر فائرنگ کھول دی، کئی افراد ہلاک اور بے شمار زخمی ہوئے۔ یہ کارروائی (Third estate) میں کھلے اختلافات کا اظہار تھا۔ بڑی بورژوازی نے خود کو عوام سے بچانا شروع کر دیا اور اس کے لیے انہوں نے اسلحے کا استعمال کیا۔ قدامت پسند عناصر کھلے عام انقلاب دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہو گئے تھے۔ کیمپ ڈی مارس کے قتل عام کے بعد سیاسی کلبوں میں ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی۔ جیکوبین بلک میں ٹوٹ پھوٹ ہو گئی۔ دائیں بازوں کے افراد لافایٹی کے گرد اکٹھے ہو گئے اور بڑی بورژوازی کے افراد واک آوٹ کر گئے، اور انہوں نے "Feuiliante" قائم کر لی___ جیکوبین کی قیادت ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی جو انقلاب کو اس منطقی انجام تک پہنچانا چاہتے تھے۔ روبسپئری اور برائیسوٹ کے ہاتھوں میں___ 13 ستمبر کو بادشاہ نے ایک آئینی مسودے پر دستخط کیے جسے آئین ساز اسمبلی نے تیار کیا تھا جس میں آئینی بادشاہ کو تسلیم کیا گیا اور غیر جمہوری اقدامات کے طور پر انتخابی طریقہ اپنایا گیا۔ 30 ستمبر کو آئین ساز اسمبلی میں پابندی عائد کر دی گئی۔

ملوکیت کا خاتمہ

یکم اکتوبر 1791ء کو ایک نئی قانون ساز اسمبلی تشکیل دی گئی۔ اس کا انتخاب ''فاعل'' شہریوں

نے کیا۔ اسمبلی میں فیولائٹس کی قوت تھی۔ یہ صورتحال ملکی امنگوں اور خواہشات سے میل نہیں کھاتی تھی۔ 20 اپریل 1792ء کو فرانس نے آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس جنگ کا منصوبہ یورپ کے بادشاہوں نے تیار کیا تھا تا کہ فرانسیسی انقلاب کو کچلا جا سکے۔ بادشاہ لوئیس اور اس کے درباری ایک طویل عرصے سے اس مقصد کے لیے کوشاں تھے تا کہ غیر ملکی طاقت ملک میں بادشاہ کی قوت کو بحال کر دے گی، اس وجہ سے روبسپئر ی، مارات اور ان کے حامی فرانس کی اس جنگ میں شرکت کی مذمت کر رہے تھے اور وہ اعلان کر رہے تھے کہ اس جنگ کا مقصد ملک میں انقلاب کو ناکام بنانا ہے۔ پریسورٹ اور اس کے حامی جنگ کی حمایت کر رہے تھے اور جنگ شروع کرنے کا فوری مطالبہ کر رہے تھے۔ اس طرح ملک میں دو گروپوں میں تصادم کی فضا بن گئی۔ مارچ 1792ء میں بادشاہ نے "Girondian" (ہر جنگ کے حامی تھے) سے کہا کہ وہ حکومت بنائیں، اور ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ جنگ کو قریب تر لایا جائے وہ یہ امید رکھتے تھے کہ جنگ میں بڑی آسانی سے فتح حاصل ہو جائے گی لیکن جس طرح روبسپئر ی اور مارات نے اندازہ لگایا تھا، جنگ کا اختتام فرانس کی شکست پر ہوا۔ بادشاہ نے گیروڈین حکومت کو برخاست کر دیا اور ایک بار پھر فیولائٹس حکومت میں آ گئے ___ وہ جو فوج کے کمانڈر تھے لافایئٹ کے دوسرے جنرل۔ وہ اس خیال کو سختی سے مسترد کر رہے تھے کہ انقلابی فوج کامیابی حاصل کرے گی۔ ملکہ میری انسٹونٹی نے ویانا ایک خفیہ پیغام بھیجا جس میں فرانسیسی افواج کے متعلق معلومات انہیں پہنچائی گئیں۔ اس سے آسٹریا اور پرشیا کی افواج کو (پرشیا اس وقت تک جنگ میں شریک ہو چکا تھا) موقع مل گیا کہ وہ فرانس کے خلاف آسان فتح حاصل کر سکیں ___ اس اہم موقع پر عام آدمی بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ وہ انقلاب کا دفاع کر سکے۔ روبسپئر ی نے کہا کہ جنگ میں انقلابی کردار نمایاں ہونا چاہیے۔ مارات اور ڈانٹیٹن کا بھی یہی کہنا تھا۔ انہوں نے دیہاتی عوام میں خاصا اثر ورسوخ حاصل کر لیا تھا۔ جیکوبین اس عوامی تحریک کے لیے زبردست قوت فراہم کر رہے تھے۔ ہزاروں رضا کار فوجی بٹالین میں شامل ہو گئے۔ 11 جون کو اسمبلی نے عوامی دباؤ کے تحت ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔ اس اعلامیے کو زبردست عوامی حمایت حاصل ہوئی۔ عوام مداخلت کاروں سے نپٹنا چاہتے تھے ___ یہ وہی زمانہ تھا جب جنگی ترانہ مارسیلز تخلیق ہوا، اور زبان زدعدم ہوا، یہ ترانہ گاتے ہوئے رضا کار اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے محاذ جنگ کی طرف بڑھے ___ انقلابی جذبے کے پس منظر میں قانون ساز اسمبلی کی نااہلیت اور سرکاری سطح پر دھوکہ دہی کا عمل تھا۔ تمام مکاریوں اور دھوکہ بازیوں کا اصل مرکز شاہی معیار تھا اور عوام کی انقلابی جبلت انہیں اس گڑھ کے خلاف لے جا رہی تھی۔ جولائی کے بعد لوئیس XVI کو اقتدار سے علیحدہ کر دینے کا مطالبہ شدت اختیار کر گیا۔ 9 اگست کی رات کو ایک با- پھر پیرس کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور اگلے دن صبح سویرے فوجی دستے محل کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔ سوئز محافظوں نے گولیاں چلا دیں لیکن لوگ محل میں داخل ہونے میں کامیاب ہو

گئے___10 اگست 1792ء کی عوامی بغاوت فرانسیسی بادشاہت کے زوال کا باعث بنی جو ایک ہزار سال سے نسل در نسل چل آ رہی تھی۔ لوئیس XVI کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا گیا۔ محل کو ایک عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا گیا اور تمام وزراء کو ان کے عہدوں سے برخاست کر دیا گیا۔ ایک نئی حکومت اور نئی انتظامی کونسل وجود میں آئی۔ اس میں شامل افراد زیادہ تر گیرونڈین تھے۔ ''فاعل'' اور ''مفعول'' شہریوں کے درمیان امتیاز ختم کر دیا گیا اور قومی کنونشن کے لیے انتخابات کا اعلان ہوا، جس میں تمام بالغ مردوں کو ووٹ کا حق دے دیا گیا۔

جیکو بین اور گیرونڈین کے درمیان جدوجہد

10 اگست 1792ء کی عوامی بغاوت نے انقلاب کی ایک زیادہ ترقی یافتہ شکل کی راہ دکھائی تاہم اس بغاوت کے فوری نتائج گیرونڈین کو اقتدار کی منتقلی کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ حکومت اور قانون ساز اسمبلی میں فیونسٹی دستبردار ہونے پر مجبور ہوئے، انہوں نے گیرونڈین کے لیے راستہ چھوڑ دیا___ گیرونڈین کے راہنما برنسیوٹ، رولینڈ، ورگینڈ اور دیگر تجارتی مالکان بورژوا اور زرعی و صنعتی بورژوازی کی نمائندگی کرتے تھے۔ انہوں نے جاگیردارانہ مطابقت کے حامیوں کی سخت مخالفت کی۔ یہ جنگ زبردست عوامی تائید و حمایت سے برسر اقتدار آئے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ انقلاب کے بنیادی مقاصد کو حاصل کر لیا گیا ہے اور وہ جلد ہی قدامت پسند قوتوں کی نمائندگی کرنے لگے۔ اس دوران جیکو بین یا مونٹگا نارڈ اب تک کسی متحدہ شکل کی نمائندگی نہیں کر رہے تھے۔ جیکو بین ایک ایسا بلاک تھا جو (درمیانی اور طفیل بورژوازی) شہری غریب، کسان یا وہ تمام پرتیں جن کے مطالبات پورے نہیں ہوئے تھے، ان پر مشتمل تھا۔ اس دوران کئی ایک طبقات اور طبقاتی گروپ، جنہوں نے یہ بلاک بنایا تھا، تمام کے مقاصد ایک جیسے نہیں تھے لیکن یہ صرف انقلاب کا مضبوطی سے دفاع کرنا چاہتے تھے اگر ان مقاصد کو آگے بڑھانے کی کوشش تاوقتیکہ کہ ان کے مطالبات پورے نہیں ہو جاتے۔ گیرونڈین نے انقلاب پر یہ نظر رکھی اور یہ ان نتائج سے مطمئن تھے جو حاصل کیے جا چکے تھے۔ یہی ان کے اور جیکو بین کے درمیان اختلاف کی وجہ تھی___ کنونشن کا افتتاحی اجلاس 21 ستمبر 1792ء کو منعقد ہوا۔ پروشیا کے خلاف شاندار فتح اور والمی سے اس کی مراجعت، دراصل انقلاب فرانس کی یورپ کی انقلاب دشمن قوتوں کے خلاف ایک زبردست کامیابی تھی۔ کنونشن کے اراکین اس فتح سے بہت خوش تھے اور شہنشاہیت کے خاتمے پر مسرور تھے چنانچہ 21 ستمبر پہلا دن تھا جب جمہوریہ کے دور کا آغاز ہوا، اور پورے ملک میں بڑے پرجوش اور فاتحانہ انداز میں جمہوریہ کے دن کو منایا گیا___ جلد ہی پرجوش اور فخریہ دنوں کے بعد گیرونڈین اور جیکو بین کے درمیان جدوجہد شروع ہوگئی۔ بادشاہ کی قسمت کا فیصلہ کیا جانا تھا۔ جیکو بین اس کی پھانسی کا مطالبہ کر رہے تھے اور گیرونڈین

نرم رویئے کے لیے کہہ رہے تھے۔ یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آ رہی تھی کہ بادشاہ کو پھانسی مزید انقلاب کی نشوونما کے لیے ماحول پیدا کرے گی۔ بادشاہ کو کنونشن کے سامنے مقدمہ چلانے کے لیے لایا گیا۔ مقدمہ جنوری 1793ء تک چلتا رہا بلکہ یہ جیکو بین اور گیرونڈین کا مناظرہ تھا۔ گیرونڈین کی تمام کوششیں کہ بادشاہ کو بچایا جائے، اس کے باوجود بادشاہ کو غداری کا مجرم قرار دیتے ہوئے سزائے موت دی گئی۔ جنوری 21 کو بادشاہ کو گوئٹین بھیج دیا گیا___ اس دوران جنگ زیادہ سے زیادہ یورپی قوموں کو ملوث کر رہی تھی۔ 1793ء میں انگلستان، سپین، جرمنی اور اٹلی کی کئی ریاستوں اور ہالینڈ انقلاب دشمن اتحاد میں شمولیت اختیار کر لی۔ روسی شہنشاہیت جس کی قیادت کیتھرائن دوم کے ہاتھ میں تھی نے بھی فرانس دشمن اتحاد کی حمایت کی۔ اب دراصل انقلابی فرانس پورے یورپ کے سامنے تنہا کھڑا تھا___ ولمی کی فتح کے بعد، فرانسیسی دستے حملہ کرنے پر تل گئے۔ مداخلت کاروں کو جلد ہی فرانسیسی سرزمین سے نکال باہر کیا گیا۔ یہی فتح فرانس کی بلجیم کی طرف پیش قدمی کا باعث بنی۔ مارچ 1793ء میں جنرل ڈیمرائیز نے گیرونڈین سے سازش کی۔ فرانس سے غداری کی اور دشمن کیمپ میں چلا گیا۔ اس کے بعد فرانسیسی افواج نے مراجعت شروع کر دی اور اسی سال کے موسم بہار تک صورتحال مزید خراب ہوگئی اور مداخلت کاروں نے فرانس پر ایک بار پھر حملہ کر دیا۔

مئی 31، جون 2 کی بغاوت

ایک طویل تھکا دینے والی جنگ جس سے شدید مالی و جانی نقصان ہوا کے بعد فرانس دیگر کئی ملکوں سے کٹ کر رہ گیا۔ ملکی معیشت سخت بحران کا شکار ہوگئی۔ اناج کی شدید قلت ہوگئی۔ شہروں اور دیہاتوں میں سخت ابتری پھیل گئی۔ اس صورتحال سے پریشان لوگوں نے سخت اور فیصلہ کن اقدامات اٹھانے کے مطالبے شروع کر دیئے۔ دیہاتی کسان جو ابھی تک جاگیردارانہ بندھنوں سے آزاد نہیں ہوئے تھے، اپنی اپنی ناراضگیوں سمیت احتجاج پر اتر آئے۔ گیرونڈین نے خود کو عوام سے بہت دور پایا۔ اس کی زیادہ تر قوتیں جیکو بین کے ساتھ مخاصمت میں خرچ ہوگئیں اور انہوں نے لوگوں کی محرومیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ جیکو بین گیرونڈین کے خلاف ایک بغاوت منظم کی۔ مئی 31 تا جون 2۔ ء 1793ء تک پیرس ایک بار پھر بغاوتوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ مجمع نے 21 اراکین کنونشن کو ان کے عہدوں سے محروم کر دیا اور اقتدار کسی حد تک جیکو بین کے ہاتھوں میں تھا۔

جیکو بین کی انقلابی جمہوری آمریت

جیکو بین انقلاب کے ایک انتہائی اہم مرحلے میں اقتدار میں آئے۔ تھکی ہوئی، ٹوٹتے ہوئے

اسلحہ سے لیس، فرانسیسی قوم یورپ کے پانچ اتحادی ملکوں سے جو انتہائی طاقتور تھے کا تنہا مقابلہ کرتی رہی۔ ایک انقلاب دشمن شاہ پسندوں کی بغاوت جو وینڈی میں مقبول ہو رہی تھی۔ یہ علاقہ ملک کے مغربی حصے میں واقع تھا۔ جنوب اور جنوب مغرب میں گیرونڈین، گرفتاریوں سے بچنے کے لیے چھپ رہے تھے، اور ساتھ وہ انقلاب دشمن بغاوت منظم کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ گیرونڈین اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے تھے اور یوں لگ رہا تھا کہ جمہوریہ کا خاتمہ ہونے والا ہے ___ اس فیصلہ کن مرحلے پر جیکوبین کو جرات اور بہادری دکھانے کی ضرورت تھی۔ 31 مئی اور 2 جون بغاوتوں کے متعلق جو تحریریں روبسپئیر نے چھوڑی ہیں، ان میں اس نے انقلاب کے مقاصد کا خاکہ کھینچا ہے۔ ''ایک متحدہ نیت کی ضرورت ہے، وہ خطرہ جو بورژوازی کی طرف سے ہے تاکہ بورژوازی کو شکست دی جا سکے۔ اس لیے لوگوں کو متحد ہونا چاہیے ___ عوام اور کنونشن کو ایک ہی طرح سے کام کرنا چاہیے۔ کنونشن کو عوامی قوتوں کے ساتھ متحدہ ہونا چاہیے۔''

زرعی مسئلے کا حل:

انتہائی مختصر مدت میں جیکوبین کو انقلاب کے سب سے اہم سوال کو حل کرنا تھا۔ جون 3 اور جولائی 17 کو جاری کردہ ایک قانون کے مطابق وہ تمام زمین جو ترک وطن کرنے والے امراء چھوڑ کر جا چکے تھے انہیں ضبط کر لیا گیا اور کہا گیا کہ انہیں قطعات میں تقسیم کر کے دس سال میں قیمتوں کی ادائیگی پر دے دیا جائے۔ اجتماعی اراضی چھوٹے چھوٹے قطعات میں تقسیم کر کے مساوی بنیادوں پر تقسیم کی گئی۔ جاگیردارانہ سرگرمیوں کو ختم کر دیا گیا اور ان تمام کسانوں کو ان بندھنوں سے آزاد کر دیا گیا جن کے تحت وہ امراء کی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ جیکوبین نے وہ کچھ دو ہفتوں میں حاصل کر لیا جو پہلے چار سالوں میں حاصل نہیں کیا جا سکا تھا۔ کسانوں کے مسائل کا حل ایک بنیادی سوال تھا، جسے حل کرنا ضروری تھا اور اس کا حل یہی تھا کہ جاگیردارانہ ڈھانچے کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جیکوبین کنونشن نے کسانوں کی زبردست حمایت حاصل کر لی تھی اور کسان ہی آبادی کا اکثریتی حصہ تھے۔ پہلے پہل وہ ہچکچا رہے تھے آخرکار جیکوبین جمہوریہ کی حمایت میں آ گئے۔ کسانوں کو فوج میں شامل کیا گیا۔ اب نہ صرف انہوں نے خود کو انقلاب کا محافظ قرار دیا، بلکہ وہ اپنے مفاد کا بھی دفاع کر رہے تھے۔

1793ء کا آئین

تین ہفتوں میں جیکوبین نے ایک نئے آئین کا مسودہ تیار کیا۔ 1793ء کا آئین جو فرانس میں تشکیل پانے والا سب سے جمہوری آئین تھا۔ اس کا ہر ایک ضابطہ عوام کی بے مثال فتح و ایمان سے بھرا

ہوا تھا۔ اس انتہائی جمہوری آئین کو نافذ کرنے کے بعد کنونشن اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس پر عمل درامد کروا سکے۔ محاذ پر کشیدہ صورتحال، خانہ جنگی کی امکانی صورتحال، اس سے ملک دو نا قابل مفاہمت دھڑوں میں تقسیم ہوتا جا رہا تھا۔ قتل، ہلاکتوں اور سازشوں کی لہر ___ لیکن ان سے نپٹنے کے لیے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے۔ جیکوبین اور اس کے لیڈروں کے پاس کوئی واضح منصوبہ نہیں تھا۔ انہوں نے شاید یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ اس قسم کے حالات پیدا ہو سکتے ہیں لیکن واقعات وحادثات کے تسلسل کے بالکل نئی حکمت عملیاں اپنانے کا تقاضا کیا۔

انقلابی جمہوری آمریت اور دہشت کا دور

13 جولائی کو مارات کو قتل کر دیا گیا۔ اس پر قاتلانہ حملہ ایک شارلوٹ کارڈے نامی لڑکی نے کیا جوان کے گھر ایک درخواست گزار کے روپ میں آئی تھی یہ گھناؤنا جرم اس نے گیرونڈین کے کہنے پر کیا تھا۔ عوام کا یہ بے خوف اور بہادر راہنما، جس نے ہمیشہ انقلابی مقاصد کو سامنے رکھا۔ وہ غریبوں کا ہیرو تھا اور عوام میں اس کی مقبولیت بے انتہا تھی۔ اس کی موت پیرس کے ہر ایک فرد کے لیے بہت بڑا نقصان تھی۔ تین دن کے بعد ایک اور جیکوبین لیڈر کو قتل کر دیا گیا۔ گیروڈین نے واضح طور پر انقلاب دشمن سرگرمیوں کا آغاز کر رکھا تھا۔ جیکوبین اس انقلاب دشمن دہشت گردی کی لہر کو انقلابی جذبے سے روکنے پر مجبور تھے۔ کچھ عرصہ پہلے ''کمیٹی برائے عوامی سلامتی'' جسے 1793ء کے کنونشن میں تشکیل دیا گیا تھا۔ اسے اختیار دیا گیا کہ وہ مشکوک افراد کو گرفتار کر سکتی ہے اور انقلابی ٹربیونل اپنے اختیارات بروئے کار لائے گئے۔ سابقہ ملکہ میری اینٹونٹی کو برائے مقدمہ ٹرابیونل کے سامنے پیش کیا گیا جس نے اسے گلوٹین بھیجنے کی سزا دی۔ انقلاب دشمنوں کی جائیدادوں کو ضبط کرنے کا حکم دے دیا گیا ___ 4،5 ستمبر 1793ء کو پیرس کے غریبوں نے مطالبہ کیا کہ وہ انقلاب دشمنوں کے خلاف کارروائی کریں اور کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتوں کا تعین کریں۔ اس پر جیکوبین نے انقلاب دشمنوں کے خلاف سخت کارروائی کی۔ کھانے پینے کی اشیاء کی قیمت مستقل طے کر دیں اور مزدوروں کے لیے زیادہ سے زیادہ تنخواہوں کا تعین کیا گیا ___ اگست 23 کنونشن نے ایک اعلامیے کے ذریعے پوری قوم کی رجسٹریشن کی اور عوامی سطح پر فوجی بھرتی کی گئی اور جلد ہی دس لاکھ افراد پر مشتمل ایک زبردست فوج تیار کر لی گئی۔ یہ طاقتور فوج اسلحہ اور بارود سے پوری طرح لیس تھی۔ انقلاب دشمن بغاوتوں اور سازشوں کو ناکام بنانا ہی ایک بہت بڑا مقصد تھا۔ اس کے علاوہ انقلاب دشمن اتحاد کو شکست دینا بھی بہت بڑا مقصد تھا چنانچہ ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک مضبوط حکومت کی بھی ضرورت تھی جو عوامی تائید وحمایت بھی رکھتی ہو اور درست اور حقیقی فیصلے کرتے وقت پیش عملیوں کا مظاہرہ کرے اور عوام کی تخلیقی انقلابی سرگرمیوں کی قوت رکھتی ہو چنانچہ ان مقاصد کے حصول

کے لیے ایک انقلابی جمہوری آمریت کی ضرورت تھی۔ انقلابی حکومت انقلابی جدوجہد کی منطق یہ تقاضا کر رہی تھی کہ کنونشن کو اعلیٰ ترین قانون ساز اور انتظامی ادارہ ہونا چاہیے چنانچہ یہ دونوں عمل ایک ہی ادارے میں مرتکز ہونے چاہئیں۔ کنونشن کے سرکاری اہلکار جو صوبوں میں بھیجے گئے تھے۔ وہ فوج میں ذمہ دار عہدوں پر تھے اور ان کے اختیارات میں وسعت دی گئی تھی۔ انقلابی حکومت ''کمیٹی برائے تحفظ عوام'' میں مجسم ہوگئی تھی یہ وہی کمیٹی تھی جو کہ دفاع، انتظامیہ اور سیاسی امور کے تمام پہلوؤں کی نگرانی کرتی تھی۔ اناج اور اسلحہ کی ترسیل کی نگرانی تک یہ کمیٹی کرتی۔ کمیٹی برائے عوامی تحفظ کی قیادت نڈر اور دلیر انقلابی کرتے تھے جیسے روبسپئری وغیرہ عوام کا ایک چمپیئن جو انتہائی بہار اور بے باک تھا۔ سینٹ جسٹ، جب انقلاب آیا تو اس کی عمر اس وقت 22 سال تھی۔ تجربہ کار سیاست دان، جارج کوتھن اور لازر کورنٹ جو ایک اعلیٰ قسم کا منتظم تھا۔ ریاست کے تمام ادارے کمیٹی برائے عوامی تحفظ کے سامنے جواب دہ تھے اور اس کے احکامات ماننے کے پابند تھے۔

انقلابی کمیٹی اور جیکو بین کلب

انقلابی حکومت کی قوت کی بنیادی مرکزی طاقتور حکومت نہیں بلکہ عوامی تائید وحمایت تھی۔ جیکو بین آمریت کے تمام عناصر براہ راست عوامی طاقت کے بل بوتے پر قائم تھے اور کمیٹی برائے تحفظ عوام کو صوبوں اور شہروں میں کئی انقلابی کمیٹیوں کی حمایت حاصل تھی جو کہ تمام ملک میں تشکیل دی جا چکی تھی۔ ہر قصبے اور ڈسٹرکٹ سے سیاسی طور پر باشعور افراد کو براہ راست منتخب کیا گیا تاکہ عوام کی اکثریت ریاستی نظم ونسق میں شرکت کرے، جیکو بین جلد اپنی سینکڑوں شاخوں سمیت پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے بھی ملک کی سیاسی زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔ سرکاری پالیسیاں، نفاذ سے پہلے مذکورہ کمیٹیوں میں بحث ومباحثے کے لیے پیش کی جائیں۔ ان اجلاسوں میں تمام اراکین مساوی حیثیت رکھتے تھے۔

جنگ میں اہم موڑ:

جیکو بین حکومت کی قیادت میں عوام کی انتھک کوششیں اور ان کا حل 1793ء کی سردیوں میں سامنے آیا جب انقلاب دشمنوں کی سرگرمیوں کو پورے ملک میں ختم کیا جا چکا تھا۔ محاذ جنگ پر فرانسیسی افواج کو کئی ایک کامیابی حاصل ہوئیں، نئے کمانڈروں کو اب مزید حملوں میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا تھا۔ سابقہ سارجنٹ لازار گاچ 25 سال کی عمر میں اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے شہرت حاصل کر چکا تھا۔ 1794ء کے موسم بہار میں جمہوریہ کے فوجیوں نے مداخلت کاروں کو ملک کی سرحدوں سے نکال باہر کیا اور میدان جنگ دشمن کا علاقہ بن گیا۔

جیکو بین آمریت میں بحران:

ایک انتہائی مختصر مدت میں جیکو بین حکومت انقلابی مقاصد کو حاصل کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہی، جاگیردارانہ سماجی نظام ختم کیا جا چکا تھا، انقلاب دشمنوں کی بغاوتیں اندرون ملک ختم کی جا چکی تھیں اور مداخلت کاروں کی افواج کو مار کر پیچھے بھگایا جا چکا تھا، جیکو بین یہ اس لیے حاصل کر سکے کہ عوام ان کے ساتھ تھے علاوہ اس کے انہوں نے شہری غربت طبقہ اور عوام کے مفادات کو مدنظر رکھا____ لیکن اسی دوران انقلاب سے پہلے کے حالات کی واپسی کا خطرہ موجود تھا کیونکہ غیر ملکی مداخلت کاران کی مسلسل مدد کر رہے تھے جو اندرون ملک انقلاب دشمن سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ بورژوازی، شہروں اور دیہاتوں کی اکثریت جیکو بین آمریت کے قوانین کو ماننے کے لیے تیار تھی، تاہم جب خطرہ ٹل چکا اور جیکو بین افواج دشمن کی افواج کو شکست دے چکیں تو بورژوازی جیکو بین آمریت کے سخت قوانین ماننے سے کترانے لگی۔ یہاں تک کہ درمیانہ کسان جو خوشحال تھا وہ دائیں طرف مڑنے لگے، انلاب کسانوں کو جاگیردارانہ استحصال سے آزاد کروایا تھا اور انہیں زمینیں عطا کی تھیں لیکن جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں وہ انہیں ناگوار گزر رہی تھیں، اسی طرح جیکو بین امریت کے خلاف مخالفت ابھرنے لگی۔ ان لوگوں میں جو کل تک اس کے زبردست حامی تھے۔ اسی دوران جیکو بین حکومت غریب آدمیوں میں اپنی حمایت کھو رہی تھی، شہروں اور دیہاتوں دونوں میں ہی، ان کے متعلق ان کی پالیسی متضاد نوعیت کی تھی، جبکہ کھانے کے سامان کی متعین قیمتیں زیادہ تر ان کے مفاد میں تھیں۔ طے شدہ تنخواہیں اور محنت کے معاملات کے کئی ایک مخالفتوں کو جنم دیا۔ جیکو بین جس راہ پر چل رہے تھے اس سے پوری طرح آگاہ نہیں تھے کیونکہ وہ بورژوازی کے مفادات کا دفاع کر رہے تھے، تاریخی حالت اتنے پختہ نہیں ہوئے تھے کہ کسی اعلیٰ سماجی ڈھانچے میں عبور کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمام کوششیں جو جیکو بین لیڈروں مثلاً روبس پیریر اور سینٹ جسٹ نے کیں تا کہ ایسے معاشرے کا قیام عمل میں لایا جا سکے جو انسانوں کو خوشیاں اور انصاف دے، ناکام ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ یہ صرف اور صرف بورژوازی تھی جو ان کی شاندار کامیابیوں کے پھل کھائے گی۔

جیکو بین کی صفوں میں جدوجہد:

ان تمام وجوہات نے جیکو بین کے درمیان ایک بحران کھڑا کر دیا، سب سے بڑی بات یہ کہ جیکو بین پارٹی میں دھڑے بن گئے اور ان کے درمیان سنگین نوعیت کے اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے۔ انقلابی حکومت جس کی قیادت روبس پیریر کے ہاتھوں میں تھی اس پر دائیں بازو کے ڈانٹن نے حملہ کیا،

باتیں بازو کی رطف سے صحافی ہیبرٹ نے Hebert سے پیرس کمیون اور کورڈیلیئر میں کافی حمایت حاصل تھی۔ روبسپری حکومت کو ان دونوں کے متعلق کچھ کرنا تھا۔ مارچ میں انقلابی ٹرابیونل نے ہیبرٹ کو گلوٹاین کی سزا دی اور ایسا ہی سلوک اہرئین نے ڈانٹن سے کیا۔ کچھ وقت کے لیے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیکو بین کے تمام دشمن ختم ہو گئے ہیں۔

انقلاب دشمن بغاوت:

ابھی دو تین ماہ ہی گزرے تھے کہ جیکو بین پارٹی میں ایک اور انقلاب دشمن لہر اٹھ کھڑی ہوئی یہ کھلی مخالفت نہیں تھی بلکہ ایک خفیہ سازش تھی جس میں دانٹن، ہیبرٹ کے حامی اور روبس پیری سے مخالفت رکھنے والے شامل تھے، سازشیوں کو کنونشن اور کمیٹی برائے تحفظ عوام کے کچھ لوگوں کی حمایت حاصل تھی ___ 27 جولائی 1794ء کو سازشیوں نے سینٹ جسٹ اور روبس پیری کی تقریروں میں رکاوٹ ڈال کر انہیں گرفتار کرنے کی سازس تیار کی چنانچہ جب ایسا ہو گیا تو روبس پیری کے آخری الفاظ یہ تھے ''جمہوریہ ختم ہو چکی ہے اور ڈاکوؤں کا اقتدار شروع ہونے والا ہے۔'' جلد ہی پیرس کے عوام جیکو بین کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں یقین اور احساس ہو گیا تھا۔ روبس پیئری اور اس کے ساتھیوں کے دفاع کا مقصد انقلاب کا دفاع کرنا ہے۔ روبس پیری، سینٹ جسٹ اور کاؤتھ ہاؤن کو جیل سے رہا کر دیا گیا، اور انہیں ہوٹل ڈی۔ ویل لے جایا گیا۔ سازشیوں نے کنونشن کے نام پر اپنی امداد کے لیے بورژوازی کے انقلاب دشمن عناصر اکٹھے کر لیے۔ فوجوں کو کمیون کے خلاف بھیج دیا۔ صبح تین بجے انقلاب دشمن فوجوں کا ایک دستہ ہوٹل میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا، اگلے دن صبح روبس پیری، سینٹ جسٹ اور ان کے قریبی حامیوں کو بغیر مقدمہ چلائے گلوٹن بھیج دیا گیا۔ یہ انقلاب دشمن بغاوت جیکو بین آمریت کے خاتمے کا باعث بنی، روبس پیری کی موت کے بعد بورژوازی کا ردانقلاب غالب آ گیا اور فتح مند ہوا۔

○

باب:23

نپولینی جنگوں کے دوران یورپ

فرانس میں ردانقلاب کا آغاز:

27 جولائی 1794ء میں انقلابی حکومت کا خاتمہ، دراصل بورژوازی ردانقلاب قوتوں کے دور کا آغاز تھا اگرچہ روبسپئر کی پھانسی کے چند روز بعد میں، کنونشن کے اراکین نے انقلاب کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کیا تھا لیکن یہ نقاب جلد ہی اتر گیا اور فاتحین نے خود کو اپنے اصل روپ میں پیش کر دیا۔ گلیوں میں ''گولڈن یوتھ'' کے دستے گشت کر رہے تھے۔ کنونش اور حکومتی اداروں میں یہ لوگ تھے۔ ہر بورژوازی کے نئے طبقے کے نمائندہ تھا۔ ان کے اسرار پر متعین شدہ قیمتیں ختم کر دی گئیں اور آزاد معیشت بحال کر دی گئی۔ کھانے کی اشیاء کی قیمتی آسمان سے باتیں کرنے لگیں اور سٹے بازی کی سطح بے مثال تک جا پہنچی۔ قصبوں کے غریب بھوکے مرنے لگے۔ تاجروں اور سٹے بازوں نے خوب پیسہ کمایا۔ نومبر 1794ء کو گولڈن یوتھ نے جیکوبین ملک تباہ کر دیا۔ یہ انقلاب دشمنوں کی دہشت پسندی کا آغاز تھا۔ گیروڈ ٹیس، فیلوٹین نے جیکوبین سے گن گن کر بدلے لیے۔ جیکوبین آمریت کی سابقہ اصلاحات کو نظرانداز کر دیا گیا۔ 1795ء میں ایک نئے آئین کا مسودہ تیار کیا گیا جس میں انسانوں کے دکھوں اور تکلیفوں کو حل کرنے کی شقوں کو ختم کر دیا گیا اور جائیداد کی بنیاد پر انتخابی اہلیت کو بحال کر دیا گیا۔

ڈائریکٹری:

1795ء کے آخر میں، نئے آئین کے مطابق، اقتدار ڈائریکٹری کے حوالے کر دیا گیا۔ ڈائریکٹری (5 ڈائریکٹریوں کی مجلس عاملہ) اور دو آئین ساز چیمبر، قدیموں کی کونسل، پانچسو کی کونسل ڈائریکٹری اور دونوں چیمبر پر ایک نئی اور حریص سٹے باز بورژوازی قابض تھی جو اقتدار پر قابض ہوتی۔

حکمران گروہ شہری غریبوں کے لیے قابل مذمت تھا، جسے اس کا سخت خوف تھا کہ نچلی سطح تک انقلاب دشمن پالیسیاں اپنائی جارہی ہیں، تاہم یہ نئی بورژوازی، جس نے سابقہ جاگیردار امراء پر تسلط قائم کرلیا تھا وہ سابقہ حکومت کی بحالی کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ یہ بادشاہت مخالف حکومت تھی اور اس نے ان تمام کوششوں کو ناکام بنادیا جو شاہ پرستوں کی طرف سے کی گئیں تھیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈائریکٹر کسی بھی باہمی پالیسی اپنانے کے معاملے طے نہیں کررہے تھے۔ اس وقت یہ دو انتہاؤں یعنی بائیں اور دائیں بازو کے درمیان مفاہمت کی کوشش کررہی تھی۔ اس کو تذبذب (ڈگمگاتی ہوئی پالیسی کو) (سیاسی ڈھل مل) کہتے ہیں۔ (Bascule) 1796ء میں ڈائریکٹری بڑی احتیاط سے تیار کی گئی۔ ایک سازش کو منظر عام پر لائی، جسے ''برابروں کی سازش'' کہا جاتا ہے۔ اسکی قیادت گراچس باسیوف (Gracchus Babeuf) نے کی۔ (1760ء تا 1797ء) بابیف کمیونسٹ انقلابی تھا۔ اس نے پرائیویٹ جائیداد کو ختم کرنے کے لیے اقلیت کی قیادت کی آمریت کے لیے کہا، لیکن اس نے کا کہ کمیونزم قدیم مساویا یہ نظام ہے لیکن بائیف پروتہاریہ کے تاریخی کردار کی وضاحت کرنے میں ناکام رہا۔ بائیف کو پھانسی دی گئی اور سازش کا خاتمہ ہو گیا۔ اس سازش کو کچلنے کے بعد، ڈائریکٹری نے دائیں بازوں کی طرف سے خطرہ محسوس کیا۔ 1797ء میں شاہ پسندوں کی طرف سے بغاوت کا خطرہ پیدا ہوگیا اور نئی مرتبہ ڈائریکٹروں نے اس سے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ دائیں بازو اور بائیں بازو کے مستقل مدوجزر کے بعد، ڈائریکٹری اپنی زیادہ تر سابقہ حاکمیت اور اعتماد کھو بیٹھی، اور اسے اپنے اقتدار پر قابض رہنا مشکل رہنا نظر آرہا تھا۔

18 ویں بروميئر

اٹھارویں بروميئر کی صبح کو (9 نومبر 1799ء) اس بہانے سے کہ ایک نئی جیکوبین سازش کا خطرہ تھا، قدیم کی مجلس نے (The council of the anicent) نے نپولین کو مسلح افواج کا کمانڈر بنالیا۔ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز I am council of Ancients in Council of five hundred میں نپولین نے قسم کھائی اور حلف اٹھایا، کہ جب جمہوریہ کو ایک زبردست خطرہ درپیش تھا اور سازش منظر عام پر لائی گئی تھی ''بوناپارٹ اس جمہوریہ کا دفاع کرے گا جس کی بنیاد، آزادی، مساوات اور عوامی نمائندوں کے مقدس اصولوں پر رکھی گئی ہے۔'' یہ آغاز تھا، اس پہلے سے طے شدہ سیاسی انقلاب کا، اگلے دن شام تک انقلاب مکمل ہوگیا، ایک انتہائی ''قانونی'' طرز پر، ڈائریکٹری اور اس کے تمام عناصر صاف کردیئے گئے اور مشاورت کے نئے نظام کو اپنایا گیا۔ تاہم اس کی مختصر اور غیر مربوط تقریروں میں جو نومبر کے دوران کی گئیں۔ جنرل بوناپارٹ نے ہر ایک کو یقین دلایا کہ وہ عوامی نمائندگی کے تحت اصولوں کی پابندی کرے گا اور ان کا دفاع کرے گا۔ اس انقلاب کے پیچھے حقیقی مقاصد یہ تھے کہ ان اصولوں کو نظرانداز کیا جائے گا

اوراس کی جگہ اپنی لامحدود آمریت کی بنیاد رکھی جائے گی۔

قونصلیٹ

بوناپارٹ نے اپنے مشیروں کو ہدایات دیں کہ مختصر مبہم انداز میں لکھا کریں۔ نیا آئین برومیئر کے انقلاب کے بعد تحریر کیا گیا، جسے سال VIII کا آئینی کہا جاتا ہے اور اسے نپولین کی ہدایات کے مطابق تحریر کیا گیا۔ یہ انتہائی طور پر مختصر اور الفاظ کے لحاظ سے مبہم تھا، اس کے مطابق فرانس پہلے کی طرح جمہوریہ رہا، اس کی ''آزادی، مساوات اور اخوت'' برقرار رہی۔ آزادی اور جمہوریہ کی علامتیں برقرار رہیں۔ انتظامی اختیارات، ڈائریکٹری سے تین کونسلوں میں منتقل ہو گئے اور دو آئین ساز چیمبرز 5 جگہ چار ادارے بنائے گئے۔ سینٹ، سٹیٹ کونسل، ٹرائیونیٹ اور آئین ساز ادارہ، ان ریاستی عناصر کے نمائندے منتخب نہیں ہوتے تھے بلکہ نامزد ارکان میں سے حکومت منتخب کرتی تھی، ان اداروں کے اختیارات بظاہر زیادہ تھے لیکن حقیقت میں محدود ــــــ جمہوریہ میں حقیقی اختیار صرف ایک فرد کے ہاتھوں میں تھا یعنی جنرل بوناپارٹ (1821ء تا 1769ء) کے۔ جب اس نے 1799ء میں انقلاب برپا کیا تو اس کی شہرت ابھی تک نہیں پھیلی تھی اور کوئی منطق سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ اپنی قیادت مستحکم کرنے کی خواہش رکھتا تھا وہ ایک اعلیٰ ترین جنرل کے طور پر مشہور تھا اور اس وقت ملک میں کئی ایک اعلیف جرنیل تھے مثلاً ماریو، جورڈن اور ماسنیا وغیرہ، اور افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ بوناپارٹ نے مصری افواج کو سرکاری احکامات کے بغیر بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا ــــــ بوناپارٹ ان عام واقعات سے باخبر تھا، ابتدائی طور پر اس نے جمہوریہ کو تقریروں میں امتیازی حیثیت دی اور انقلاب کے مقدس اصولوں سے آگاہ کیا اور اپنے کردار کو پس منظر میں رکھا، پھر اس نے وہ اصول جن کا ذکر اکثر کیا کرتا تھا، انہیں نظرانداز کیا اور خود کو سامنے لے آیا، اس نے پارلیمانی طرز حکومت کو یکسر ختم کر دیا اور مقامی کونسلوں کا بھی خاتمہ کر دیا، اور مرکزی سطح پر ایک مضبوط انتظامی ڈھانچہ تشکیل دے دیا، وزارت داخلہ اور طاقتور پولیس زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں طور پر مداخلت کرنے لگی۔ پولیس کا انتظام جوزف فوج کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ یہ شخص انقلاب سے پہلے پادری تھا، جیکوبین کنونشن کا انتہاپسند، ڈائریکٹری میں رہا، مکار اور دھوکے باز، فوج کو اپنے آقا کو بتانا تھا کہ اس میں کتنی اہلیت ہے۔ نپولین کے خلاف شاہ پرستوں نے معمولی نوعیت کی افواج منظم کیں، فوج نے اسے اور کئی دوسری کارروائیوں کو جیکوبین اور شاہ پرستوں نے کھاتے میں ڈال دیا اور اسے من مانی کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے پریس کی آزادی ختم کر دی، اور کئی درجن اخبارات بند کر دیے وہ 13 اخبارات جو چھپتے رہے وہ حکومتی ہتھیار بن گئے ــــــ جابرانہ اقدامات بوناپارٹ کی قوت کو مستحکم کرنے کے لیے کافی نہیں تھے اور وہ اس سے بخوبی آگاہ تھا۔ بوناپارٹ ایک بڑی فوجی کامیابی چاہتا تھا جو اس کی

شہرت کوملکی سرحدوں سے باہر تک پھیلا دے، چنانچہ وہ فرانسیسی فوج کی قیادت کرتے ہوئے شمالی اٹلی کی طرف روانہ ہوا جہاں آسٹریا کی افواج تعینات تھیں۔ فرانسیسی فوجوں نے بڑا مشکل اور دشمن کی توقع کے برعکس راستہ اپنایا۔ جون کے شروع میں فوج دشمن کے مورچوں کے سامنے پہنچ گئی، 14 جون کو ایک زبردست جنگ جو مورنگو کے مقام پر لڑی گئی اس میں نپولین آسٹریائی فوج کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوا، اس طرح جنرل مورائیو نے آسٹریائی فوج کو ایک اور شکست دی جس سے آسٹریا معاہدہ امن کرنے پر مجبور ہوا، فروری 9، 1801ء میں آسٹریا اور فرانس کے درمیان ٹونی ویل کے مقام پر معاہدہ ہوا، فرانس نے بلجیم اور دریائے رائن کے بائیں کنارے واقع جرمنی کے علاقے حاصل کر لیے، اس کے بعد وہ آسٹریا یا مندرجہ ذیل ریاستوں کی خودمختاری تسلیم کرنے پر تیار ہوا، سوئزلینڈ، ہالینڈ، جنیوا، لبارڈیا، یہ ریاستیں دراصل فرانس پر انحصار کرتی تھیں۔

انگلستان، انقلاب فرانس سے معاہدہ آمین (Amines) تک:

آسٹریا کے ساتھ معاہدے نے فرانس کو یورپ میں ایک اہم قائدانہ قوت کا درجہ دے دیا، لیکن ابھی انگلستان سے حساب کتاب کرنا تھا جو کہ فرانس کا روایتی دشمن تھا اور عرصہ دراز سے نوآبادیاتی دنیا اور یورپ میں بالادستی کے لیے اس کا مقابلہ کر رہا تھا، اور ایک دہائی کے عرصہ تک وہ فرانس سے جنگ میں ملوث رہا تھا۔ اس دوران میں اس کی صنعت کئی ایک نئی ایجادات سے آگے بڑھ رہی تھی اس کا بحری بیڑہ شاندار ترقی کر چکا تھا اور بڑی بورژوازی جنگوں سے بے تحاشا منافع وصول کر رہا تھا۔ ان کے منافع کا زیادہ تر انحصار جنگی مہمات پر تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا عوام کا عرصہ حیات تنگ ہوتا رجا رہا تھا۔ 1795ء میں انگلستان کے کئی قصبوں میں کھانے کی قیمتوں کے خلاف زبردست ہنگامے ہوئے اور لوگوں نے روٹی اور امن کے لیے حکومت کے خلاف مظاہرے کیے۔ 1797ء میں رور بار انگلستان اور شمالی سمندر میں جنگی جہازوں میں مقیم ملاحوں نے بغاوت کر دی۔ بعض جگہوں پر جہازوں کے جھنڈوں کے ساتھ پھانسی کے پھندے لٹکا دیئے گئے اور یہ جہاز کے کپتانوں اور افسروں کے لیے ایک دھمکی تھی۔ 1798ء میں آئرلینڈ میں ایک بغاوت پھوٹ پڑی اور انگلستان کی حکومت کی سربراہی اس وقت ولیم پٹ (1759ء تا 1816ء) کر رہا تھا جو یہ بغاوتیں کچل دینے میں کامیاب ہوا اور اس نے فرانس پر فتح حاصل کرنے کے لیے زور دیا۔ تاہم جب سودورو (Surorovs) کی اٹلی میں شاندار فتح آڈا اور جنگ ٹربیا (Trbbia) 1799ء کے بعد فرانس اور روس میں مفاہمت ہوگئی، یہ انگلستان کے لیے زبردست پسپائی تھی اور جب آسٹریا جنگ سے علیحدہ ہو گیا تو اس کو یہ یقین ہو گیا کہ فرانس کو فتح کرنے کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ لوگوں نے امن کا مطالبہ کیا اور پٹ نے استعفیٰ دے دیا۔ مارچ 1802ء میں انگلستان اور فرانس کے درمیان

آمین کے مقام پر باہمی طور پر دی جانے والی رعایتوں پر معاہدہ ہوگیا۔ دس سالہ طویل اور مہنگی جنگوں جس میں قیمتی جانوں کا نقصان ہوا، فرانس امن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے اپنے کچھ دشمنوں کو شکست دے دی اور باقیوں کے ساتھ باعزت سمجھوتے کر لیے۔ اب فرانس بین الاقوامی طور پر یورپ کی زبردست فوجی قوت کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا۔

نپولین کی بادشاہت کا قیام:

جنگی فتوحات کی بنیاد پر فرانس نے بے حد احترام اور عزت حاصل کی اور اب فرانس قوت کے لحاظ سے یورپ میں نکتہ عروج پر تھا اور یہ تمام فتوحات ملک کے اول کونسل جنرل بوناپارٹ کے نام منسوب تھیں۔ اب وقت آن پہنچا تھا کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکے۔ 1802ء میں بوناپارٹ کو پوری زندگی کے لیے کونسل بنا دیا گیا، اور اسے فرانس کا بادشاہ کہا جانے لگا، پوپ نے نپولین سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بادشاہ بنے جس طرح ایک ہزار برس پہلے شارلی مان کے زمانے میں ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت شارلی مان پوپ کے پاس گیا تھا اور نپولین نے ''مقدس باپ'' کو مجبور کیا کہ وہ پیرس آئے۔ تاجپوشی کی تقریب کے دوران اس نے تاج پوپ کے ہاتھوں سے چھین کر اپنے سر پر سجالیا۔

بورژوا سلطنت:

جمہوریہ کی جگہ اب شہنشاہیت آ چکی تھی، ٹیولیریز بادشاہ کا نیا دربار بنایا گیا اور نپولین نے حکم دیا کہ دربار کی تزئین و آرائش یورپ کے تمام شاہی درباروں سے زیادہ ہونی چاہیے، ایک نئی شاہی اشرافیہ وجود میں آ گئی، جب سابقہ کلرک اصطبل میں کام کرنے والے لڑتے، چھوٹے تاجر جو بوناپارٹ پر جان نثار کرتے تھے انہیں شاہی خطابات سے نوازا گیا، اور جلد ہی ایک نئی استعماریات وجود میں آ گئی۔ یہ اشرافیہ بورژوازی ایک شخص کے زیر اطاعت تھی یعنی نپولین پارٹ کے ___ بوناپارٹ نے انقلاب کی جمہوری نوازشات کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اس کے برعکس کئی ایک انقلابی حاصلات کے خاتمے کا اعلان کر دیا، بوناپارٹ کی پالیسیاں واضح مقاصد اور اصولوں کے تحت تھیں، اس نے بورژوازی کے تحفظ اور استحکام کے لیے اقدامات کیے، تمام سماجی، سیاسی اور قانونی اصلاحات کا تعلق بورژوازی کے مفاد میں تھا۔ اس کے ساتھ ان کے مفاد میں بھی جو کہ مالکان اراضی تھے ان کامیابیوں اور مذید کے حصول کے لیے بوناپارٹ منصوبے بنا رہا تھا، اسھ دوران صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ برطانیہ یورپ میں غلبہ حاصل کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ اس کے علاوہ یورپ کے دوسری شاہی ممالک اس نئی بورژوا سلطنت کے ساتھ مفاہمت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن 1801ء اور 1802ء کے معاہدات کے تحت پرامن زندگی تو

گزار رہے تھے لیکن اس دوران جنگ کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ تیسرا اتحاد (Third Coalition) 1805ء کے موسم خزاں میں یورپ وسیع طور پر جنگ کی زد میں تھا۔ انگریز سفارتکاروں کی کوششوں سے، فرانس کے خلاف ایک نیا اتحاد وجود میں آ گیا۔ اس میں انگلستان، آسٹریا اور روس شامل تھے اور پروشیا بھی فرانس پر حملہ کرنے کو تیار تھا۔ 20 اکتوبر کو فرانس نے آسٹریا کو الم کے مقام پر اطاعت کے لیے مجبور کر دیا اور 13 نومبر کو فرانسیسی فوج فاتحانہ انداز سے ویانا میں داخل ہوئی لیکن ان فتوحات سے تھوڑا عرصہ پہلے 21 اکتوبر کو انگلستان کی بحریہ کے زیر قیادت ایڈمرل نیلسن فرانکو نے سپین کے بحری بیڑے کو نیست و نابود کر دیا۔ نپولین برطانیہ پر حملہ کرڈ دینے کے منصوبے کو ترک کر دینے پر مجبور ا ہوا، ٹرانا لگ اور الم کی فتوحات نے طاقت کے توازن کو برقرار رکھا۔ دو دسمبر 1805ء کو دونوں طرف سے فوجوں کا آمنا سامنا ہوا، جسے "Austerlitz" کہتے ہیں، اور اسے تین بادشاہوں کی جنگ بھی کہا جاتا ہے۔ آسٹریا اور روسی افواج کو نپولین نے روندڈالا، زار الیگنڈر اور فرانسیسی آف آسٹریا میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ چند دنوں کے بعد آسٹریا اطاعت کے لیے مجبور ہو گیا۔ 26 دسمبر کو اس نیا نتہائی گھٹیا شرائط پر سمجھوتا کر لیا۔ نتیجہ کے طور پر مقدس رومن سلطنت اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکی۔ آسٹریا اس کے بہت بڑے علاقے پر فرانس قبضہ ہو گیا اور فرانس کو لامحدود عزت واحترام حاصل ہوا۔ چوتھا اتحاد "The Fourth Coalition" بونا پارٹ کو ابھی تک برطانیہ اور روس سے حساب کتاب چکانا تھا۔ 1806ء میں پروسیا، سیکسن اور سویڈن نے بھی فرانس کے خلاف اس چوتھے اتحاد میں شمولیت اختیار کر لی ___ پروشیا کی افواج جو اس جرمن ریاستوں میں تھیں، زبردست طور پر منظم تھیں، 8 اکتوبر 1806ء کو فرانسیسی افواج نپولین کی زیر قیادت ایک نئی مہم کے لیے روانہ ہوئیں۔ 6 دن کے اندر پروشیا کی افواج کا ایک اہم حصہ دو مختلف جنگوں میں تباہ ہو گیا۔ جنیا اور آرسٹڈ ڈ کے مقام پر سخت خوف وہراس میں پروشیا والے مراجعت پر مجبور ہوئے۔ پروشیا کی افواج کا آخری قلعہ زبردست توپخانے اور 22 ہزار جوانوں کے ساتھ اعلیٰ اسلحے سے لیس تھا (مگذ برگ) انہوں نے بغیر کسی مزاحمت کے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس وقت فرانسیسی فوج کے اس دستے کی قیادت جو پیش قدمی کرنے والے جوانوں پر مشتمل تھا۔ مارشل "نے" کر رہا تھا۔ عظیم جرمن شاعر ہائینے نے لکھا ہے "نپولین کی صرف ایک سیٹی بجانے کی ضرورت تھی کہ پروشیا نے اپنا وجود کھو دیا" ___ اس دوران روسیوں نے جدوجہد جاری رکھی، 8،7 فروری 1807ء کو پریسو سیچ ایلیئے کے مقام پر زبردست جنگ لڑی گئی۔ روس اور فرانس کے درمیان اس زبردست نقصانات کے باوجود فیصلہ نہ ہو سکا، لیکن جون 14 کو ایک بڑی لڑائی فرائیڈ لینڈ کے مقام پر لڑی گئی۔ نپولین نے ایک اور فتح حاصل کر لی۔

نپولین اور الیگنڈر کے درمیان معاہدہ

دونوں اطراف اب اختلافات ختم کرنے کے خواہشمند تھے۔ نپولین اور الیگنڈر نے "Tilsit" ٹیسلٹ کیمقام پر ملاقات کی۔ 7 جولائی 1807ء کو ایک معاہدہ امن طے پایا جس کا مطلب فرانس اور روس کا اتحاد تھا۔ روس نے ان تمام فتوحات اور مقبوضات کو تسلیم کر لیا جو نپولین نے فرانس کے لیے حاصل کی تھیں۔ اس کے عوض نپولین نے مشرق وسطیٰ میں روسی دعوئ کی حمایت کا وعدہ کیا۔ نپولین کا مقصد تھا کہ برطانیہ کو اس جزیرے تک محدود کر دیا جائے اور اس میں اس حد تک ناکہ بندی کی جائے کہ وہ ہتھیار پھینکنے یا پھر شرط معاہدات طے کرنے پر راضی ہو جائے، تاہم اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ 1809ء میں نپولین کو پانچویں اتحاد کے ساتھ جنگ کرنا تھی جو کہ انگلستان کی طرف سے اٹھی کی گئی افواج پر مشتمل تھا، براعظم میں فرانس کا بڑا دشمن ابھی تک آسٹریا تھا لیکن دو، اور تین ماہ کے دوران اس کی افواج نیست و نابود کر دی گئیں۔ 1809ء اکتوبر میں ویانا فرانسیسی افواج کے قبضے میں چلا گیا اور آسٹریا حکومت گھٹیا شاہط کے معاہدے طے کرنے پر مجبور تھی۔

نپولینی فتوحات کی وجوہات:

1809ء میں فرانس اپنی قوت کے اعتبار سے بام عروج پر تھا۔ فرانسیسی سلطنت اب بلجیم، ہالینڈ، شمالی اور وسطی اٹلی، الدریا اور ڈال مائیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ شمالی اور وسطی اٹلی میں نپولین نے ایک اطالوی حکومت قائم کی تھی اور اس نے اپنے سوتیلے بیٹے یوجن ڈی بیوہارنز وہاں کا حکمران مقرر کیا گیا جو وہاں نپولین کے نمائندے کے طور پر کام کرتا، مغربی اور وسطی یورپ میں فرانس کی منصب داریاں تھیں۔ نپولین کا بھائی جوزف سپین کا بادشاہ بنایا گیا اور اس کا رشتے کا بھائی مارشل راٹ کو نیپلز کا بادشاہ بنایا گیا، نپولین بذات خود ان کنفیڈریشن کا سربراہ بنا جس کے زیر اثر مغربی جرمن ریاستیں تھیں۔ سلطنت ویسٹ فالیا جس کے زیر اثر بہت سارے سابقہ پروشیائی علاقے تھے ان کو نپولین کے چھوٹے بھائی جیرم کے حوالے کیا گیا۔ آسٹریا، پروشیا اور سیکنی جنہیں نپولین نے فتح کر لیا تھا اب اس کے اتحادی بن گئے تھے۔ نپولین نے روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے ہوئے تھے اور اب 1809ء میں اسے یورپ پر مکمل بالادستی حاصل تھی___ وہ کیا وجوہات تھیں جو نپولین کی شاندار فتوحات، علاقائی بالادستی اور فوقیت کا باعث بنیں؟ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نپولین ایک باصلاحیت انسان تھا اور اسے اعلیٰ ترین انسان کے طور پر پیش کیا گیا، یہ درست ہے کہ وہ ایک باصلاحیت فوجی کمانڈر اور سیاستدان تھا لیکن اس میں مافوق الفطرت انسان ہونے والی کوئی بات نہیں تھی۔ ابھرتی ہوئی بورژوازی اس کی زبردست حامی تھی کیونکہ یہ ان کے مفادات کا بہترین ترجمان تھا، نپولین زبردست قوت اداری کا مالک تھا اور اس میں دوسروں پر اثر انداز ہونے کی زبردست قوت موجود تھی۔ جب وہ ستائیس سال کی عمر میں ایک اعلیٰ فوجی افسر کی حیثیت سے اطالوی مہم

کے سلسلے میں روانہ ہوا تو آ گیور یو نے اعتراض کیا، بوناپارٹنے بڑے اطمینان سے جواب دیا ''جنرل کہ شاید تم مجھ سے قد آور ہو لیکن اگر تم نے میری تعیناتی پر اعتراض کرنا جاری رکھا تو پھر میں اس فرق کو بھی ختم کر دوں گا۔'' جب وہ آمر بن گیا تو نپولین کے ادارے اور خواہشات واضح طور پر سامنے آ گئیں لیکن بحیثیت ایک باصلاحیت لیڈر کے اس نے اپنے اردگرد ایسے افراد جمع کیے جو قابل تھے اور باشہرت کمانڈر تھے اگرچہ ان میں کوئی بھی نپولین نہیں تھا لیکن وہ اس دور کے باشہرت جنرل ضرور تھے اس طرح اس نے سول سروسز میں بھی ایسے لوگوں کو رکھا ہوا تھا جو اس کے حامی اور باصلاحیت افراد تھے لیکن نپولین کی ذاتی خوبیاں ایک طرف، ان حالات کو بھی سمجھنا پڑے گا جس کے تحت اس نے اپنے دشمنوں کو زیرنگین کر لیا، اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ فرانس کی ترقی یافتہ بورژوازی ایک ترقی یافتہ معاشرہ چاہتی تھی جبکہ یورپ میں اس وقت جاگیردارانہ اور مطلقیت کا دورہ دورہ تھا۔ نپولین کے توسیع پسندانہ اور لوٹ مار جیسے عزائم اور وہ جنگیں جو اس نے یورپ کی جاگیردارانہ ریاستوں اور مطلقیت کے خلاف لڑیں وہ بہر حال ایک ترقی پسندانہ مظہر تھیں جہاں بھی فرانسیسی افواج گئیں انہوں نے جاگیردارانہ قدیم طرز کو بدل دیا اور وہاں جدید بورژوا ڈھانچہ قائم کر دیا چنانچہ جب نپولین نے مقدس ارض سلطنت کو روند ڈالا اور یورپ کے نقشے کو تبدیل کر دیا۔ اس میں سب سے زیادہ نقصان جاگیرداروں اور جرمن ریاستوں کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو ہوا جو بہر صورت عوام کے مفاد میں تھا۔

نپولینی سلطنت میں گہرے اندرونی تضادات:

نپولین کی خواہشات کے ساتھ ساتھ فرانس کی سرحدیں بھی کافی وسعت اختیار کر چکی تھیں جوں جوں اقتدار پر نپولین کی گرفت مضبوط ہوتی گئی ایسے ہی نپولین کی پالیسیوں میں ترقی پسندانہ عنصر کم ہونے لگا۔ فرانس کی فوجی، سیاسی اور یورپ پر کاروباری فوقیت نے نپولینی جنگوں کی بنیاد رکھی۔ فتوحات کے نتیجے میں لوٹ مار اور اقتصادی دولت، خام مال پر غلبہ فرانسیسی بورژوازی کے مفاد میں تھا، فرانس کا غلبہ یورپ میں کئی ریاستوں کے وجود کے لیے خطرہ بن گیا۔ علاقوں میں فرانسیسی قبضے کے خلاف تحریکیں اٹھنے لگیں اور یہی وہ بغاوتیں تھیں جو بعد میں سلطنت کے لیے خطرہ بن گئیں۔

سپین میں عوامی مزاحمت:

1807ء اور 1808ء کے دوران فرانسیسی افواج نے سپین پر قبضہ کر لیا ار نپولین کا بھائی جوزف سپین کا بادشاہ بنا لیکن سپین کے لوگ اس صورتحال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور وہ غیر ملکی قبضے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، فرانسیسیوں نے میڈرڈ میں بغاوت کو کچل دیا لیکن وہ گوریلا سرگرمیوں کو نہ

روک سکے۔ جولائی 1808ء میں بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک زبردست فرانسیسی فوج جس کا کمانڈر جنرل ڈیپونٹ تھا، گوریلاؤں کے سامنے ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہوگئی، لیکن سپینی عوام کی یہ فتح ان کے لیے انتہائی شاندار تھی۔ نپولین نے صورتحال سے نپٹنے کے لیے ایک زبردست فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ سارگوسا کا محاصرہ کر کے اس پر گولا باری کی گئی جہاں سپین والوں نے اپنی گلیوں اور ہر ایک مکان کا دفاع کیا یہاں پچاس ہزار افراد کی لاشوں سے راستے بھرے پڑے تھے، سپین والوں نے بڑی بہادری سے غیر ملکی حملے کا مقابلہ کیا اور انہوں نے مفتوح کہلانے کی بجائے جان دینے کو ترجیح دی ___ سارا گوسا شکست کا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا کہ مزاحمت ختم ہوگئی ہے بلکہ سپین کے عوام نے پورے یورپ کے عوام کے لیے بہادری کی مثال قائم کردی، اور ان کی حب الوطنی کے چرچے زبان زدعام ہوئے۔ اٹلی میں ایک خفیہ سوسائٹی کی بنیادی رکھی گئی۔ اس کا مقصد فرانسیسی قبضے کے خلاف جدوجہد کرنا تھا۔ (Society (Carbonavi پروشیا جہاں نپولین کا ناصرف منصب دارراج کرتا تھا وہاں کئی شکلوں میں فوجی آزادی کی تحریکیں اٹھیں۔ مشہور جرمن فلسفی فشتے اپنے مشہور ''جرمن قوم سے خطاب'' میں کہتا ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ملکوں کی آزادی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ کونیگسبرگ میں افسران اور طالب علم ایک خفیہ اور محبِ وطن انجمن قائم کرتے ہیں جسے (Wnional virtue) کہتے تھے، آسٹریا میں کسانوں نے گوریلا مزاحمت کا آغاز کردیا۔ 1812ء، اپنی فتوحات کے نشے میں سرشار اور زبردست قوت کے ساتھ نپولین حکمران تھا لیکن یہ سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ نپولین نے بے اطمینانیوں اور بے چینیوں کو نظرانداز کرنا شروع کردیا اب وہ ایک ظالم بادشاہ تھا جو احکامات جاری کرتا اور اس پر عمل درآمد کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔ پوری سلطنت میں قومی آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں جس سے سلطنت کمزور ہورہی تھی۔ یہ ایسی صورتحال تھی جو بادشاہ کو درپیش تھی۔ اسی صورتحال میں اس نے روس کے خلاف غیرضروری اور بے مقصد جنگ کا آغاز کردیا۔

روس پر نپولین کا حملہ:

24 جون کی رات کو نپولین کے فوجی دھوکے کے ساتھ نائیمن عبور کر گئے۔ یہ اس نے روس کے خلاف بغیر اعلان جنگ کلے کیا۔ جنگ کے شروع ہوتے ہی فرانسیسی افواج عددی لحاظ سے روسی افواج پر فوقیت رکھتی تھیں اور نپولین بڑی بہتری کے ساتھ، قصبات پر قبضے کرتا گیا۔ سیمولینسک کے نزدیک روس کی پہلی فوج بارکلے ڈی ٹوئے کی زیرکمان اور دوسری فوج باگراین کی زیرکمان نے مشترکہ طور پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ نپولین کا خیال تھا کہ جنگ فیصلہ کن ہوگی اور وہ اپنے مخالفین کی اہم افواج کو کچلنے میں کامیاب ہوگیا لیکن وہ روسی فوج کو مکمل طور پر شکست نہ دے سکا۔ روسی مزاحمت روز بروز مقبولیت

اختیار کرتی جارہی تھی، سب سے اہم یہ کہ یہ مزاحمت روسی فوجیوں کے حوصلے بلند کرنے کا باعث بنی، جو کہ اپنے سامنے ہی مقدس مقصد رکھتے تھے کہ غیر ملکی حملہ آوروں کو ملکی سرزمین سے نکال باہر کیا جائے۔ روسی سلطنت کے لوگ یوکرائن، بائیوروسی، باشکری اور کئی دوسرے لوگوں نے شانہ بشانہ جنگ لڑی۔ عوام نے افواج کو زبردست امداد فراہم کی۔ مقبوضہ علاقوں کے کسانوں نے دشمنوں کے ساتھ تجارت کرنے سے انکار کیا اور اسے کھانا فراہم نہیں کیا۔ انہوں نے دشمنوں کے زیر قبضہ جانے سے پہلے اپنے اثاثے جلا دیئے اور اپنے ساتھ مویشی وغیرہ بھی لے گئے، کسانوں نے جو مزاحمتی دستے تشکیل دیئے۔ ان میں سب سے مشہور جیرایم کیورین کسانوں کا دستہ جو ماسکو کے قریب تھا۔ یہ 5 ہزار افراد پر مشتمل تھا اور ایک دستہ ویسلیسا کیزینا، سمولینسک کے نزدیک تھا۔ جب روسی افواج نے سمولینسک کے قریب اپنی افواج کو متحد کیا تو الیکنڈر اول نے ایک مشہور جنرل میخائل کوٹوزوف کو کمانڈر مقرر کیا۔ زار بذات خود کوٹوزوف کو پسند نہیں کرتا تھا، لیکن قوم نے مجموعی طور پر اس کی نامزدگی کی حمایت کی، اس سے فوجیوں کے حوصلے میں بہت زیادہ اضافہ ہوا___ نپولین نے تھوڑی قوت کے ساتھ ماسکو کی طرف پیش قدمی کی۔ کوٹوزوف نے بوروڈوین کے قریب جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا جو موزائیلسک کے زیادہ قریب نہیں تھا۔ روسی فوج کا دایاں بازو بارکلے ڈی ٹوے کی قیادت میں ان پہلوؤں پر جہاں سے دریائے کلوچو صاف نظر آتا تھا، وہاں تعینات تھا اور بایاں بازو باگیرین کی زیر قیادت ایک کھلی جگہ پر تعینات تھا اور یہاں انہوں نے اپنا توپخانہ نصب کر رکھا تھا، جنگ سات ستمبر 1812ء صبح کے وقت شروع ہوئی، ایک لاکھ تیس ہزار فرانسیسی فوج کو ایک لاکھ بیس ہزار روسی فوج سے مقابلہ کرنا تھا پہلے نپولین نے فرانسیسیوں کو روسی فوج کے بائیں بازو پر حملہ کرنے کے لیے کہا، باگیرین شدید زخمی ہوا، اور روسی توپخانہ فرانسیسیوں کے قبضے میں چلا گیا، تاہم روسی فوجی مضبوطی سے مقابلہ کرنے لگے، آخرکار نپولین نے فوج کے وسطی حصے پر حملہ کر دیا اور خاصے حصے کو ناکارہ کرنے میں کامیاب ہوا، پھر بھی روسی افواج زبردست مقابلہ کرتی رہیں۔ اس لڑائی میں 58000 فرانسیسی سپاہی اور 47 جنرل مارے گئے___ پہلے پہل کوٹوزوف کو اگلے دن حملہ کرنا تھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ بارود کی قلت ہے تو اس نے افواج کو مراجعت کے لیے کہا، اس نے فیصلہ کیا کہ اگر فوج کو جنگ کرنے کے لیے کہا تو ملک تباہ ہو جائے گا۔ روسی جنگ ہار چکے تھے۔ فوجی کمانڈروں نے فلی گاؤں میں اجلاس کیا اور فیصلہ کیا کہ جنگ کے بغیر ماسکو دشمن کے حوالے کر دیا جائے، بعد میں نپولین نے جنگ کے متعلق لکھا کہ میری تمام جنگوں میں سب سے خوفناک ماسکو کی لڑائی تھی۔ فرانسیسیوں نے یہ ثابت کیا کہ وہ جیت سکتے ہیں لیکن روسی کمانڈر ناقابل تسخیر ہیں___ 14 ستمبر کو سورج نکلتے وقت روسی دستوں نے ماسکو چھوڑنا شروع کر دیا۔ یہ خبر کہ فوجی دستے شہر چھوڑ رہے ہیں، جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی لیکن پھر حالات نے ناقابل یقین کروٹ بدلی، شہر کے ہر ایک مکین نے کسی کے حکم کے بغیر شہر چھوڑنے کا فیصلہ کیا،

جب فرانسیسی فوجی شہر میں داخل ہوئے تو کئی حصوں میں آگ لگ چکی تھی، فرانسیسی فوج کھانے پینے کی اشیاء اور رہائش کے کئی علاقوں سے محروم ہو چکی تھی۔

روسیوں کا جوابی حملہ

کوٹوزوف کے علاوہ ہر ایک شہری کو اس پر ندامت اور پریشانی تھی کہ انہوں نے شہر کو بغیر جنگ کے دشمن کے حوالے کر دیا ہے چنانچہ اب اس بات کی ضرورت تھی کہ نئے منصوبے، تربیت اور اسلحہ سے لیس ہو کر دشمن کو ملک سے نکال باہر کرنے کی ترکیب سوچی جائے، کوٹوزوف کی قیادت میں یہ ممکن تھا، کوٹوزوف کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے فوجی دستوں نے فاتح افواج کے خلاف اچانک حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا کئی لوگوں کو قیدی بنالیا جاتا اور جو سامان انہوں نے لوٹا تھا سے چھین لیا جاتا۔ اکتوبر 1812ء میں تاروٹینو کی لڑائی کا خاتمہ روسی فتح پر ہوا، بعد میں مالویاروسلاوٹسز کی لڑائی میں نپولین کو علم ہو گیا کہ روسی فوجوں نے خود کو منظم کر لیا ہے۔ نومبر کے وسط میں فرانسیسی فوج بے پناہ جانوں کے ضائع کے بعد دریائے بہری زینا کی طرف نکل گئی۔ دریا کو عبور کرتے ہوئے جو زبردست تصادم ہوا اس میں فرانسیسیوں کی ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں____ دسمبر کے شروع میں نپولین اپنی افواج کو ان کے حال پر چھوڑتے ہوئے خفیہ طور پر پیرس کی طرف بھاگ نکلا اس نے یہ سفر ایک گھوڑا گاڑی میں کیا اور خود کو اس طرح سے چھپا رکھا تھا کہ کوئی اسے پہچان نہ لے، پیرس پہنچ کر وہ اس قابل نہیں تھا کہ ایک فوج منظم کر کے حملہ آور ہو سکے چنانچہ دنیا کو فتح کرنے کی نپولینی خواہش کا خاتمہ ہو گیا____ 1812ء کی حب الوطنی کی جنگ میں روسی عوام کو اس غیر ملکی حملے سے بچالیا گیا جو دھوکہ کے ساتھ اس لیے کیا گیا تھا کہ روس کو غلام بنالیا جائے گا۔

سلطنت نپولین کا زوال:

1812ء میں روس کو فتح کرنے کی کوشش میں نپولین کو شکست ہوئی، جب وہ واپس پیرس آیا تو اس نے ہتھیار رکھنے والے ہر شخص کو کہا کہ وہ روسی افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے جو جرمنی کی طرف بڑھ رہی ہیں میدان میں آجائیں۔ اس مرتبہ نپولین کا مقابلہ صرف روس ہی سے نہیں بلکہ پورے یورپ سے تھا جو اس کے اقتدار کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ مفتوح علاقے کے لوگوں نے جب یہ سنا کہ روس میں فرانسیسی فوج بدترین صورتحال سے دوچار ہوئی ہے تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ممالک جو کل فرانس کے اتحادی تھے مثلاً پروشیا، آسٹریا، سیکنس اور دیگر، وہ اب فرانس کے خلاف نئے اتحاد میں شامل ہو رہے تھے۔ یہ اتحادی افواج مغرب کی طرف بڑھیں اور پوزیگ کے مقام پر لڑائی (اکتوبر 16 تا 19، 1813ء) جو تین روز تک جاری رہی اور جسے تاریخ میں ''اقوام کی لڑائی'' کہا جاتا ہے، اتحادیوں نے نپولین کو بدترین

شکست دی اور اسے مراجعت پر مجبور کر دیا۔ اب نپولینی سلطنت تباہی کے دھانے پر کھڑی تھی اور 1814ء میں جنگ کا میدان فرانسیسی سرزمین پر منتقل ہو چکا تھا، نپولین نے بڑی قوت اور قائدانہ جرات کے ساتھ 1814ء کی مہم میں حصہ لیا اور کئی چھوٹی چھوٹی فتوحات حاصل کیں، لیکن جنگ جیتنا اب اس کے بس میں نہیں تھا___ 31 مارچ 1814ء کو اتحادی افواج جس کی قیادت روس کے بادشاہ الیگزنڈر کے ہاتھ میں تھی۔ ایک سفید جنگی گھوڑے پر سوار فاتحانہ شان وشوکت سے پیرس میں داخل ہوا، جہاں انہوں نے بے یارومددگار اور بدحال افراد کو دیکھا اور نپولین نے تسلیم کیا کہ اس کے کمانڈر یہ سمجھتے تھے کہ فتح ان کے بس میں نہیں وہاں اس نے تخت سے دستبردار ہونے کا معاہدہ کر لیا اور اسے ایلبا میں جلاوطن کر دیا گیا، جہاں اسے ساری زندگی کے لیے رہنا تھا___ اتحادی بادشاہوں نے فیصلہ کیا فرانسیسی تاج بوربون (Bourbons) کے حوالے کر دینا چاہیے۔ لوئیس XVI کے بھائی کاونٹ آف پرونس جو 25 سال سے جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا اسے اتحادی فوجوں کے زبردست فوجی دستے کے پہرے میں پیرس لایا گیا جہاں اس کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور وہ بادشاہ لوئیس XVII آف فرانس قرار پایا۔



باب:24

یورپ میں ردعمل اور آزادی کی انقلابی تحریکیں

(1820ء اور 1830ء)

ویانا کانگرس:

آخر کار جب نپولین کی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا، تو اکتوبر 1814ء کو یورپی ملکوں کی ایک کانگرس ویانا میں شروع ہوئی۔ اس میں تمام یورپی ریاستوں کے 216 مندوبین نے شرکت کی۔ (ماسوائے ترکی) یہ پہلی کانگرس تھی جس میں مندوبین کی اتنی زیادہ تعداد شریک ہوئی تھی لیکن ان تمام میں کوئی بھی جمہوریت پسند نہیں تھا اور نہ ہی اس کانگرس میں عوام کا کوئی نمائندہ تھا یہاں مقتدر اعلیٰ اور ان کے نمائندے تھے، جو فیصلے کرنے والے تھے وہ عوامی مفاد کے برعکس تھے۔ اس کانگرس میں فیصلہ کن کردار زار الیگزنڈر اور آسٹریا کے چانسلر میٹرنچ (1859-1773ء) انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ کاسلرگ اور ٹیلی راہنڈ، اور پرنس دون ہارڈن برگ جنہوں نے فرانس اور پروشیائی کی نمائندگی کی نے ادا کیا۔ ابتدائی اجلاس میں کوئی خاص فیصلہ نہیں ہوا، کانگرس سارا سال جاری رہی لیکن زیادہ وقت زبردست پر آسائش دعوؤں میں گزرا، رقص و سرور کی محفلوں کے دوران سیاسی چٹکلے ہوئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہیں لاکھوں افراد کی مستقبل کے فیصلے کرنے تھے ___ وہ اہم اصول جن کی بنیاد پر یہ لوگ اکٹھے ہوئے تھے اور جو فیصلے کیے گئے تھے، ان سابقہ بادشاہوں کے حوق کی قانونی بحالی، جنہیں ان کی سلطنتوں سے محروم کیا جا چکا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ نپولین کی فتوحات کے نتیجے میں جو اہم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، ان میں کئی ایک چھوٹے بڑے حکمران اقتدار سے محروم کر دیئے گئے ہیں، ان کو بحال کیا جا سکے اور ان انقلابی تبدیلیوں کو روکا جا سکے، جو آزادی کی صورت میں ابھر رہی ہیں، اور شہنشاہیت کے خلاف ہیں۔ انہوں نے یورپ کے لوگوں کے حقوق اور

مطالبات کونظرانداز کرتے ہوئے یورپ کے نقشے کو نئے سرے سے ترتیب دیا، بلجیم کو نیدرلینڈ کا حصہ بنا دیا گیا۔ ناروے کو سویڈن کا حصہ بنا دیا۔ پولینڈ کو روس، آسٹریا اور پروسیا نے تقسیم کرلیا۔ پروشیا نے اپنے سرحدوں میں اضافہ، سیکنسی اور جرمن ریاستوں کی قیمت پر کیا آسٹریا نے جو کچھ کھویا تھا اسے دوبارہ واپس مل گیا اس کے علاوہ اسے ریاست لمبارڈی اور وینی ٹیا ملے، اٹلی کو کئی ایک چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کردیا گیا اور ان پر قدیم خاندانوں کی حکمرانی قائم تھی، کانگرس نے جنوبی افریقہ کے صوبہ کیپ کو انگلستان کے قانونی طور پر زیر تسلط قرار دیا اس کے علاوہ سیلون ار جزیرہ مالٹا جو کہ برطانیہ کے قبضے میں تھے پر اس کی حکمرانی کو تسلیم کرلیا گیا۔ بوربون خاندان جسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس خاندان کی شہنشائیت بحال کردی گئی اس کے علاوہ سپین، نیپلز اور کئی دوسری ریاستوں میں وہ بادشاہیں بحال کردی گئیں جنہیں فتح کردیا گیا تھا اور سابقہ حکمران جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اب رجعت پسند قوتوں کو کھلا موقع تھا کہ وہ جو جی میں آئے کریں۔ بڑی طاقتوں کا چھوٹے ملکوں کی سرزمین پر قبضہ کرلینا ''قانونی عمل'' قرار پایا۔

ایک سو دن

مارچ 1815ء میں وایانا میں ایک چونکا دینے والی خبر پھیلی گئی کہ نپولین ایکب سے بھاگ نکلا ہے اور پیرس کی جانب جا رہا ہے اور یہ افواہیں جلد ہی یقین میں بدل گئیں، فرانس میں لوئیس XVIII کے خلاف اتنی شدید نفرت تھی کہ اسے غیر ملکی قوتوں نے تخت نشین کروایا تھا اور اس کے ساتھ وہ امراء جاگیردار تھے جو باہر سے ہی واپس آئے تھے۔ نپولین نے صرتین ہفتوں میں ایک بھی گولی چلائے بغیر اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ اس خبر نے پورے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا، جب یہ خبر کہ نپولین فرانس کے جنوب میں خلیج جوان میں اترا ہے تو پروشیا کے جاگیردار اپنے سامان کو سمیٹ رہے تھے تاکہ سائبیریا میں پناہ لے سکیں۔ ویانا میں اسی وقت تمام اختلاف ختم ہوگئے اور انہوں نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس میں کہا گیا کہ نپولین کا حملہ غیر قانونی ہے۔ فرانس مخالف ایک اور اتحاد جس میں آٹھ ممالک شریک تھے ایک ماہ کے اندر اندر وجود میں آ گیا اور متحدہ یورپ کی افواج نپولین سے مقابلے کرنے کے لیے نکل کھڑی ہوئیں ___ نپولین کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ یورپ کی عظیم قوتوں کے ساتھ مقابلہ کرے اور عوام پر انحصار کرے اور یورپی شہنشاہیوں کے خلاف ایک انقلابی جنگ کا آغاز کردے۔ فرانسیسی عوام کی خواہش خواہ کچھ بھی ہو، نپولین عوامی طرز کی انقلابی لڑائی سے خوفزدہ تھا۔ ''مجھے کوئی خواہش نہیں کہ میں کسانوں کا بادشاہ بنوں۔'' نپولین نے کہا اور اس قسم کی جنگ کو مسترد کرتے ہوئے اس نے وہ آخری موقع کھو دیا جس کے تحت وہ یورپی افواج پر فوقیت حاصل کرسکتا تھا۔ جون 18 ,1815ء میں نپولین کو واٹرلو کی لڑائی میں

زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ 22 جون کو اس نے تخت سے دستبرداری کے ایک اور معاہدے پر دستخط کیے اس کے اس دوسرے عہد کی مدت صرف ایک سو دن تھی اس کے بعد اسے الگ تھلگ جزیرے سینٹ ہلینا میں اسے جلاوطن کر دیا گیا جہاں 1821ء میں اس کی موت واقع ہوئی۔

مقدس اتحاد اور یورپی ردعمل:

ستمبر 1815ء میں زار الیگزینڈر اول، آسٹریا کے بادشاہ، فرانس اول اور پروشیا کے بادشاہ فریڈرک ولیم سوم نے ایک دستاویز پر دستخط کیے جس کے مطابق ایک مقدس اتحاد کی بنیاد رکھی گئی جسے یورپ کے بادشاہوں کی اکثریت نے بعد میں قبول کر لیا۔ مقدس اتحاد یورپ کے بادشاہوں کا ایسا متحدہ معاہدہ تھا کہ انقلابی اور قومی آزادی کی تحریکوں کو مشترکہ طور پر دبایا جا سکے۔ دنیا میں وجود میں آنے والی آج تک کی تمام دستاویزات اور معاہدات سے یہ انتہائی رجعت پسندانہ عہد نامہ تھا۔ ان کا صرف ایک مقصد تھا کہ انقلابی بغاوت کو جہاں کہیں بھی سر اٹھائے جڑ سے نکال باہر کیا جائے۔ مقدس اتحاد کو یورپ کے تمام رجعت پرست قوتوں کی حمایت حاصل تھی، چرچ، کیتھولک چرچ وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا پولیس کا نظام جو خفیہ تفتیش کرتا، جاسوسی گمنام چٹھیاں ان تمام کا مقصد یہ تھا کہ انقلابی ''کفر کو'' جڑ سے نکال باہر کیا جائے۔ جاگیردار امراء کی طرف سے رجعت پرستانہ پالیسیوں کی حمایت کا مقصد تاریخ کے تسلسل کو روکنا تھا جو کچھ انقلابی عمل میں ہوتا ہے وہ آئندہ نہ ہو جو نظام موجود ہے وہ برقرار رہے۔ رجعت پرست نظریہ دان احیائے علوم کا مذاق اڑانے اور اس کے برعکس خیال پیش کرنے کی کوشش کرتے اور مطلق العنایت کی تابعداری کا درس دیتے۔ جبرائیل بونالڈ نے اپنی تحریروں میں سابقہ طغیانی نظام کی بحالی اور چرچ کے اختیارات کو نافذ کرنے کا مطالبہ کیا۔ لڈویک ھالہ نے کہا کہ مطلق العانیت کی بلا چون وچرا تابعداری کی جائے۔ جوزف ڈی میسٹر نے لادینیت کے خلاف کام کیا اور سرکاری کارروائیوں کو اس سلسلے میں سراہا اور اسے معاشرے کی بنیادی قرار دیا۔ اس نے قدرتی سائنس کی خدمت کی اور مطالبہ کیا کہ عام آدمیوں میں علم کے پھیلاؤ کو روکا جائے، تاہم ان رجعت پرستوں کی سرگرمیاں صرف الفاظ تک محدود نہیں ہیں تھیں۔ بوربونز کہتا تھا ''نہ کچھ پڑھو نہ کچھ بولو'' 25 سال کی جلاوطنی کے بعد انہوں نے انقلابی تحریک کے لوگوں کے خلاف ظالمانہ کارروائیوں کا آغاز کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے نپولین دور کی کئی شخصیات کو عتاب کا نشانہ بنایا اور کئی ایک کو بغیر مقدمہ چلائے پھانسی دے دی گئی۔ خصوصی عدالتوں نے دس ہزار سے زیادہ افراد کو سخت سزائیں سنائیں۔ 1825ء میں چارلس X (1824ء تا 30ء) کے عہد میں ایک نئے قانون کو جاری کیا گیا جس کے مطابق وہ لوگ جو ترک وطن کر گئے تھے انہیں ایک ہزار ملین فرانک دیئے جائیں

گے تاکہ وہ زمینیں جو انقلابی حکومت کے دور میں ضبط کی گئیں تھیں اس نقصان کا ازالہ کیا جا سکے۔ اسی سال ایک اور قانون منظور کیا گیا جس کے مطابق چرچ کے خلاف کسی بھی کارروائی میں حصہ لینے والے کو سخت سزا دی جائے گی۔ کئی صورتوں میں ایسے مقدمات میں سزائے موت بھی رکھی گئی اور دایاں بازو کاٹنے کے لیے کہا گیا۔ سپین میں فریڈ ڈ (Ferdinand) VII (1814ء تا 1833ء) نے 1812ء کے آئین کو ختم کر دیا اور ایک ظالمانہ حکومت قائم کر دی، سپین امراء کیتھولک پیشواؤں کے ہاتھ میں تھا، ایسی صورتحال سلطنت اٹلی میں بھی پیدا ہوئی، یہاں تک کہ انگلستان جس نے مقدس اتحاد پر دستخط نہیں کیے تھے اور اس کی شہرت سب سے زیادہ ترقی پسندانہ تھی اس نے بھی سخت ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ اگست 1819ء کو سینٹ پیٹر فیلڈ میں نہتے لوگوں پر پولیس نے گولیاں برسا دیں۔ 15 افراد ہلاک ہوئے اور 400 زخمی۔ فوج کی نہتے عوام کے خلاف کارروائی ایک ظالمانہ اقدام تھا۔ پارلیمنٹ نے فوری طور پر ایک رجعت پرستانہ قانون منظور کیا جس کے تحت کارروائی ایک ظالمانہ اقدام تھا۔ پارلینٹ نے فوری طور پر ایک رجعت پرستانہ قانون منظور کیا۔ جس کے تحت جلسہ، جلوس کی ممانعت، آزادی اور پریس کو محدود کر دیا گیا۔ عوام نے ان قوانین کو انتہائی نفرت سے دیکھا۔

رجعت پرست قوتوں کے خلاف نظریاتی اور سیاسی جدوجہد

جاگیرداریت کے ظالمانہ اختیارات نے اس دور کے ہر عظیم ذہن کی توہین کی۔ عظیم انگریز شاعر جارج بائرن (1824-1788ء) نے اپنی تحریروں میں انگلستان کلی رجعت پرست قوتوں اور ان کی حکمرانی کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس نے لکھا ''میں جنگ کروں گا، الفاظ سے، ہر قوم میں ظلم کے خلاف'' ایک اور اعلیٰ شاعر شیلے (1822-1792ء) اہل اقتدار کو کھلے عام تنقید کا نشانہ بناتا، مشہور فرانسیسی لکھاری ہنری بیلے (1842-1783ء) نے اپنے ناولوں میں تمام رجعت پرست مذہبی اور استحصالی قوتوں کا ایک خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔ عظیم فرانسیسی مصور فرانسسکو گویا (1828-1744ء) نے اپنی ساری زندگی مذہبیت کے غیر انسانی رویوں اور ناہمواریوں کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے صرف کر رکھی تھی۔ شہری آزادیوں اور ذمہ داریوں جیسے نظریوں نے ایک ممتاز جرمن موسیقار لڈویگ وین بیتھوون (1827-1770ء) کو بے حد متاثر کیا۔ فنکاروں، آرٹسٹوں اور مفکرین نے لاکھوں انسانوں کی جوربت اور ناانصافیوں کے زندگی بسر کر رہے تھے، نمائندگی کی اور وہ جو فوجی آزادی کی جنگوں میں حصہ لے رہے تھے۔ یورپ کے لوگ استحصال کرنے والوں کے ساتھ کسی بھی صورت میں مفاہمت نہیں کر رہے تھے۔

انقلابات 1820ء

یہ ناممکن تھا کہ تاریخ کے پہیے کو پیچھے کی طرف گھما دیا جائے، نئے حالات کے امریکہ اور یورپ میں بورژوازی اور اس کے ڈھانچے کو مستحکم کرنا شروع کر دیا اور یہ جاگیردارانہ ڈھانچے سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ دنیا میں زیادہ شعور اور فہم پیدا ہو رہا تھا۔ اس صورتحال میں 1830-1820ء کے حصے میں کئی ایک انقلاب اور انقلابی تحریکوں کو جنم دیا، کئی ایک جگہوں پر نتائج شاندار حاصل ہوئے اور کئی جگہوں پر تحریکوں کو کچل دیا گیا تاہم ان تحریکوں نے ان لوگوں کو حوصلہ دیا ار جرات دی جو اپنی آزادیوں کا دفاع کر رہے تھے۔

اسپین میں (1823-1820) انقلاب:

جنوری 1820ء کو کارڈیز قصبے کے قریب ایک رجمنٹ جس کی کمان رافیل ریگو نیوز (1823-1785) کے ہاتھوں میں تھی، نے بغاوت کر دی۔ کرنل ریگو ایک نامور شخصیت تھی جو سپین کے لوگوں کی آزادی کا محافظ تھا۔ اس نے دوسرے فوجی افسروں سے بغاوت کا منصوبہ بنایا اور وہ بغاوت جو کارڈیز میں ہوئی وہ جلد ہی پورے ملک میں پھیل گئی۔ ان افسروں کا سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا کہ 1812ء کے آئین کو دوبارہ نافذ کیا جائے چنانچہ فرنینڈ VII کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس کا اعلان کرے۔ جولائی 1820ء کو میڈرڈ میں قانون ساز اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا اور ریگو ک وصدر منتخب کر لیا گیا۔ اسمبلی نے ان آزادوں کو بحال کر دیا جو 1812ء کے آئین میں دی گئیں تھیں یہ تمام اہم پیش قدمیاں تھیں، لیکن وہ مزید آگے نہیں گئے۔ سپین ایک زرعی ملک تھا اور کسان جنہیں زمینوں سے محروم کیا گیا تھا، ان کے ساتھ ناانصافیاں ہو رہی تھیں، وہ اس امید میں تھے کہ زرعی مسئلے کو اولیت دیتے ہوئے اس کا کوئی حل تلاش کیا جائے۔ افسران جن کا تعلق بورژوازی یا اعتدال پسند امرا سے تھا۔ اس مسئلے کو ہاتھ لگانے سے گریز کر رہے تھے۔ کسانوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور وہ انقلاب کی جوش وجذبے سے حمایت نہیں کر رہے تھے لیکن صورتحال انقلاب کے مزید ارتقا کے لیے اچھی نہ تھی۔ 1822ء کے موسم خزاں میں، ویرونا (Verona) کی کانگرس میں، مقدس اتحاد نے سپین کے انقلاب کو طاقت کے بل پر کچلنے کی قرارداد منظور کی۔ فرانس کے حکمرانوں (Bouroon) نے یہ مشن کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ 1823ء کے موسم بہار میں فرانسیسی فوج انقلابن دشمنوں کے ساتھ مل کر میڈرڈ پر قبضہ کرنے کے لیے پیش قدمی کرنے لگی۔ اسی سال کے موسم خزاں میں یہ مقصد حاصل کر لیا گیا، انقلاب کچل دیا گیا، ریگو کو پھانسی دی گئی اور وہ ایک ہیرو کی حیثیت سے مرا، ''ریگو مارچ''، مشہور کمپوزر ہیورٹا نے تحریر کیا اور یہ کئی نسلوں تک سپین کے انقلابیوں کا ترانہ رہا اور 1831ء میں یہ جمہوریہ سپین کا فوجی ترانہ بن گیا۔ اگرچہ 1820ء-1823ء کا انقلاب کچل دیا گیا لیکن سیاسی وسماجی طور پر ان کے نتائج ان مطالبات کی صورت میں نکلے جو پوری دنیا میں تبدیلیوں کے لیے کیے گئے۔ بائرن،

پوشکن، فرانسیسی جمہوری شاعری پیرانگر نے سپین کے انقلاب کے محافظوں کے گیت لکھے اور مقدس اتحاد کی مذمت کی، جو معصوموں کے خون سے ہولی کھیل رہا تھا۔

(1820-1821) اطالوی انقلاب:

اٹلی کے شہروں میں انقلاب کی لہریں اٹھنے لگیں اور اسی وقت جبکہ سپین کا انقلاب رونما ہوا۔ یہ بغاوتیں خفیہ تنظیم ''کاربوناری'' نے منظم کی تھیں۔ اس تنظیم کا جال پورے ملک میں منظم طور پر پھیلا ہوا تھا۔ بہادر اور مضبوط ارادہ رکھنے والے لوگ اس تنظیم میں شامل ہوئے جو ملک کے عوام کی خاطر موت قبول کرنے سے بھی نہیں گھبراتے تھے۔ اس کے زیادہ تر اراکین بورژوا دانشوروں اور اعتدال پسند امراء سے تعلق رکھتے تھی۔ اس تنظیم کی سب سے بڑی کمزوری بھی سپین کے انقلابیوں جیسی تھی یعنی یہ عوام سے کٹے ہوئے تھے اور اکثریتی عام کسانوں کے مسائل سے غافل تھے اور ان کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر بھی___ جولائی 1820ء کو نیپلز کے نزدیک ایک رجمنٹ نے بغاوت کر دی اور جلد ہی اس بغاوت میں جنرل پپ (Pepe) کے دستے بھی شامل ہو گئے۔ یہ جنرل کاربوناری کارکن تھا، پپ کے اس عمل کی تقلید دیگر رجمنٹوں میں بھی ہوئی۔ بادشاہ فرڈیننڈ (Ferdinand IV) نے بڑی عجلت میں آئین کی منظوری دے دی اور اعلان کیا کہ وہ اس کے اصولوں کے مطابق حکومت کرے گا اور جلد ہی اس نے مقدس اتحاد کو امداد کے لیے بلا لیا۔ اس کانگرس کا اجلاس 1820ء کے آخر اور 1821ء کے شروع میں منعقد ہوا، جو کہ اس بہانے کی تلاش میں تھا کہ اٹلی میں کس طرح انقلابی تحریک کو کچلا جائے اور وہ آسٹریا سے توقع کر رہے تھے کہ وہ نیپلز کی بغاوت کو کچلنے کا مشن پورا کرے___ 1821ء میں آسٹریائی افواج نے اٹلی پر حملہ کیا تو پیڈ وماونٹ میں بھی انقلاب پھوٹ پڑا، یہاں بھی تحریک اعتدال پسند امراء اور بورژوازی کے ہاتھ میں تھی۔ کاونٹ سانٹاروزا جو تحریک کا راہنما تھا وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا کہ لوگوں کو ہتھیار اٹھانے کے لیے کہہ سکے اور نہ ہی نیپلز کے انقلابی اپنی محدود قوت کے سہارے آسٹریا کی فوج کو مزاحمت دینے کی پوزیشن میں تھے۔ اپریل میں پیڈ وماونٹ کی بغاوت کچل دی گئی اور انقلابیوں کو پھانسیوں پر چڑھا دیا گیا اور ان پر بے پناہ تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا، سپین اور اٹلی کے انقلابیوں کی تحریکیں، انقلاب دشمن مداخلت کار افواج ہاتھوں جو مقدس اتحاد کے تحت اکٹھی کی گئیں تھیں یہ اتحاد واضح طور پر یورپی شہنشاہوں کا محافظ تھا۔ ان دونوں تحریکیون کی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس کی قیادت بورژوازی کا ایک چھوٹا گروپ کرتا تھا اور ان کے راہنما عوام کی وسیع تر اکثریت کی قوت پر انحصار نہیں کرتے تھے۔

یونان کی قومی آزادی کی تحریک:

یونانی عوام ایک طویل عرصہ تک ترکی کے حکمرانوں کے رحم وکرم پر تھے، اب وہ بھی اپنے اوپر استحصال کرنے والوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مارچ 1821ء میں چاروں طرف ایک بغاوت پھیل گئی۔ جنوری 1822ء کو ایک نیشنل اسمبلی جس کا اجلاس اپی ڈرایوس میں ہوا اس نے یونان کی آزادی کا اعلان کر دیا، یہ جدوجہد کا حرف آغاز تھا، ترکوں نے اس پر سخت ردعمل کا اظہار کیا اور سارے یونان کے جزیروں کے عوام پر ریاستی تشدد کا آغاز ہوا اور کئی ایک غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔ ترکی کی وسیع افواج اس بغاوت کو کچلنے کے لیے بھیجی گئیں۔ یونانی بڑی بہادری سے اپنے وطن کی آزادی کے لیے گوریلا دستوں نے ترکوں پر زبردست حملے کیے یہ تحریک طاقتور تھی۔ اس لیے کہ اس کی جڑیں عوام میں تھیں۔ کئی ایک بڑے راہنماؤں کا تعلق عوام سے تھا ان میں میکری آنس (Marriyannis) سب سے زیادہ اہم تھا اور عوام میں زبردست مقبول جنرل کولوکوٹرونیس (Kolokotronis) یونان کے لوگوں نے بڑی جرات اور بہادری سے لڑائی لڑی، پوشکن، بائرن اور شیلے یونانی ہیروازم کے سخت مداح تھے۔ یونانی اگرچہ عیسائی تھے لیکن مقدس اتحاد والوں نے انہیں غیر قانونی باغی قرار دیا۔ 1825ء میں ایک طاقتور مصری فوج ابراہیم پاشا کی زیر قیادت یونانیوں کے خلاف پیش قدمی کرنے لگی۔ سلطان کی حکومت اس پوزیشن میں نہ تھی کہ وہ اپنے طور پر اس بغاوت کو کچلتی۔ اس لیے اسنے اپنی زیر تسلط ریاست مصر کو یہ کام سرانجام دینے کے لیے کہا۔ مصری افواج نے پورے ملک میں جو بھی چیز ان کے راستے میں آئی اسے تہس نہس کر دیا ___ یونان کے محب وطن بڑی بہادری سے لڑے انہوں نے موت کو زندگی پر ترجیح دی اور جنگ روز بروز بدترین صورت اختیار کرتی گئی، یورپی طاقتوں کے درمیان مشرقی وسطیٰ میں مفادات کے سلسلے میں جو تنازعات موجود تھے انہوں نے انہیں مسئلہ یونان میں مداخلت پر مجبور کیا۔ 20 اکتوبر 1828ء کو انگلستان، فرانس اور روس کے بحری بیڑے نے مصری اور ترکی بحری بیڑے کو نوارینو کے مقام پر مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ ترکی اور روس کے درمیان 1828ء میں لڑی جانے والی جنگ کے نتیجے میں یونان سے فوجیوں کی بڑی تعداد نکلنے پر مجبور ہوئی۔ آخر کار اس جنگ آزادی میں یونان ایک فاتح کی حیثیت سے ابھرا۔ 1830ء میں یونان کو ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔

براعظم امریکہ میں سپین کے قبضے کے خلاف قومی آزادی کی تحریکیں:

بحراقیانوس کے اس پار بھی کئی ایک انقلابی کامیابیاں حاصل کی گئیں۔ وسطی اور جنوبی امریکہ کے لوگ کئی صدیوں سے سپین کے ظالمانہ نوآبادیاتی نظام میں جکڑے ہوئے تھے اور پرتگیزی بھی ان

سے یہی سلوک کر رہے تھے۔ ان غیر ملکیوں نے عوام کو لوٹا اور ان کے قدرتی وسائل غیر ملکیوں کے قبضے میں رہے۔ 18 ویں صدی کے وسط تک اور بعد میں شمالی امریکہ کی جنگ آزادی اور فرانسیسی انقلاب کے بعد سپین کے زیر تسلط امریکی براعظم اور دیگر نوآبادیوں میں آزادی کی تحریکیں علمی طور پر مقبول ہونے لگیں اور حکمران طبقے کے خلاف نفرت بڑھنے لگی۔

تحریک آزادی کا پہلا مرحلہ

1810ء، 1885ء میں امریکی میں سپینی نوآبادیوں میں فوجی آزادی کی تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کریلوز، میسٹیزو اور انڈین نے اپنے مادر وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کر دی ___ 11 اپریل 1810ء کو ایک انقلابی جتھا جس کی قیادت فرانسیسکو ڈی میرانڈا (1756-1816ء) جس نے انقلاب فرانس میں حصہ لیا تھا، نے ایک بغاوت منظم کی جو جلد ہی تمام ویزویلا میں پھیل گئی اور یہی تحریک بعد میں پورے براعظم میں پھیل گئی۔ مئی میں لا پلاٹا کے متحدہ صوبوں کی حکومت، (جسے بعد میں ارجنٹائن کا نام دیا گیا) بیونس آئرس میں قائم کی گئی۔ لا پلاٹا کی تحریک آزادی کی قیادت ماریتو مورینو کے ہاتھ میں تھی اور بعد میں یہ تحریک جوز ڈی سان مارٹن کے ہاتھ آئی۔ (1778-1850ء) اور پھر بلگرانوں کے، تب جنگ آزادی لا پلاٹا سے یوراگوائے اور پیراگوئے میں پھیل گئی جنھوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ ستمبر 1810ء میں میکسکو میں ایک تحری آزادی شروع ہوئی جس کی قیادت ایک دیہاتی مبلغ میگول ہیڈالگو کے ہاتھ تھی ___ سپینی کالونیوں کی نجات کے لیے جدوجہد بڑی پرزور تھی۔ تحریک آزادی کے دوران میرانڈا اور ہیڈالگو کو سپین والوں کے ہاتھوں پھانسی ہوئی عظیم ہیرو سیمون بولیور (1783-1830ء) نے جنگ آزادی کے سلسلے میں لازوال شہرت حاصل کی تاہم فرنسڈنڈ VII سپین کے تخت پر بیٹھا، لیکن حریت پسندوں نے اپنی جدوجدہ جاری رکھی۔ 1815ء میں سپین کی تازہ دم امداد سے انقلاب کے مشہر گڑھ تباہ کر دیئے گئے۔ ماسوائے لا پلاٹا کے ___

جنگی آزادی کا دوسرا مرحلہ بولیور کی مہمات:

نومبر 1816ء سمون بولیور، جب جزیرہ ہیٹی سے اپنے فوجی دستوں کے ساتھ ویزویلا پہنچا تو اس نے انگوسٹورا، جو اور یتوڈیلٹا میں واقع تھا اسے آزاد کروالیا اور پھر وہ اپنی مشہور ویزویلا کی آزادی کی مہم کے لیے نکل کھڑا ہوا، بولیور نےغلامی کے خاتمے کا اعلان کیا اور 1817ء میں اس نے اعلان کیا کہ وہ تمام کسان جو تحریک آزادی کی فوج میں حصہ لیں گے، انہیں قطعات اراضی دیئے جائیں گے اس طرح بولیور کو اپنی فوج کے لیے لاتعداد رضا کار مل گئے۔ مختلف قومیتوں کے کوئی پان ہزار رضا کار یورپ سے جنوبی

امریکہ کی آزادی کی فوج کی امداد کے لیے پہنچ گئے۔ بولیور اپنی فوج کو منظم اور جنگ آزادی کے جذبے سے سرشار کرنے میں کامیاب ہوا، اور اب سپین کی فوجوں کو اس فوج سے مقابلہ کرنا تھا جو اسلحہ کے علاوہ جذبہ آزادی سے بھی سرشار تھی ___ 1819ء میں انگورسٹا کانگرس نے عظیم کولمبیا ریاست کا اعلان کیا اور ساتھ ہی ویز ویلا اور نیوا گرینڈا نے بھی بولیور کو اس کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ ابھی ملک کے وسیع و عریض علاقے کو سپین والوں سے آزاد کروانا تھا۔ بولیور کی فوج نہایت بہادری سے آگے بڑھی اور راس انڈس عبور کر گئی۔ اس سخت تکلیف دہ سفر میں کئی مجاہدین کی جانیں گئیں۔ 1882ء میں بولیور ایکواڈور آزاد کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس ملک کو بھی بعد میں عظیم کولمبیا میں شامل کر لیا گیا۔

لاپلاٹا، چلی اور پیرو کی آزادی:

سپینی نوآبادکاروں نے جنوب کی طرف حملہ کر دیا۔ 9 جولائی 1816ء کو ٹکومان کانگرس میں اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں لاپلاٹا کے متحدہ صوبوں کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔ حریت پسندوں کی ایک اور فوج ایک باصلاحیت کمانڈر جوز ڈی سان مارتن کی زیر قیادت تشکیل پائی جس نے بڑی بہادری سے جدوجہد کرتے ہوئے انڈس میں کیا۔ چلی میں ان کے ساتھ آزادی کا ایک مقبول راہنما برنارڈو اور ہیگین شامل ہو گیا۔ فروری 1817ء جنگ کا پکو اور مایو اپریل 1818ء میں، مارٹن کی افواج نے سپین والوں کو شکست دی۔ ان فتوحات کے بعد چلی کی آزادی کا اعلامیہ جاری کر دیا گیا ___ اس دوران سپین والوں کا مضبوط گڑھ پیرو میں تھا۔ پیرو میں سپین کے خلاف جنگ کئی سالوں تک جاری رہی۔ آخرکار بولیور سپینی مزاحمت کو کچلنے میں کامیاب ہو گیا ___ 6 اگست 1824ء سپین والوں کو جونین (Junin) کے مقام پر فیصلہ کن شکست ہوئی۔ 1825ء آلٹو (بالائی) پیرو کو آزاد کروا لیا گیا اور اسے حریت پسند افواج کے کمانڈر کے نام پر بولیوا نام دیا گیا۔ 1826ء جنوری میں گلاؤ کے شہر میں سپین کی آخری چھاؤنی نے بھی ہتھیار ڈال دیے ___ آخرکار جنوبی امریکہ میں سپین کے نوآبادیاتی کردار کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی دوران (1824-1821ء) میکسکو اور وسطی امریکہ نے اپنی آزادی حاصل کر لی۔ (1817-1822ء) میں پرتگیزوں کے خلاف بغاوت ہو گئی اور برازیل نے آزادی حاصل کر لی۔

لاطینی امریکی جنگوں کی تاریخی اہمیت

انتہائی بہادرانہ اور دلیرانہ جدوجہد کے نتیجے میں، جو پندرہ سال تک جاری رہی۔ تمام لاطینی امریکہ آزاد ہو گیا۔ ماسوائے کیوبا اور پیرٹوریکو کے جو سپین اور پرتگال کے زیر تسلط تھے۔ آزادی کی جدوجہد میں کامیابی کی بنیادی وجہ محکوم عوام کا آقاؤں کے خلاف منظم ہو جانا تھا۔ لاطینی امریکہ میں حریت

پسندوں کی فتح پوری دنیا میں تاریخی اعتبار سے اہم تھی کیونکہ ایک طرف "مقدس اتحاد" کی افواج تحاریک آزادی کو کچل رہی تھیں چنانچہ لاطینی امریکی عوام کی فتح پرتگال اور سپین کے لیے تباہی کا باعث بنی۔اس سے دیگر فوجی آزادی کی تحریکوں کو حوصلہ ملا۔



باب :25

یورپ اور امریکہ میں سرمایہ دارانہ ارتقاء ___ محنت کش طبقے کی تحریک اور سائنسی کمیونزم کی نمود

یورپ میں جاگیردارانہ قوتوں کی مایوس کن کوششیں کہ ابھرتی ہوئی سماجی قوتوں کو روکا جا سکے اور جاگیردارانہ مطلقیت کا دفاع کیا جا سکے ناکام ثابت ہوئیں۔ نہ ہی نکولس اول جو تمام روسی سلطنت کا بادشاہ تھا اور نہ ہی یورپی بادشاہ اور مقدس اتحاد، اس پوزیشن میں تھے کہ سرمایہ دارانہ ارتقاء کے سلسلہ عمل کو روک سکیں جو بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا ___ صنعتی انقلاب جو برطانیہ میں اٹھارویں صدی کے دوسرے نصف، اور انیسویں صدی کے شروع میں، شروع ہوا، وہ بقایا تمام یورپ میں پھیل گیا۔ فرانس، جرمنی، اطالوی ریاستیں، آسٹریا اور روس اور نوخیز ریاست ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سرمایہ داریت جڑیں پکڑ چکی تھیں۔ ہر جگہ دستی کام کی جگہ مشین لے رہی تھی۔ ٹیکسٹائل اور دھات کے شعبہ میں نئی دریافتیں ہو رہی تھیں۔ انجینئرنگ صنعت میں ترقی ہوئی۔ جس سے پیداوار کے عمل میں تیزی آ گئی۔ 19ویں صدی میں ٹرانسپورٹ میں ٹیکنیکی انقلاب سے صنعت کے تمام شعبوں میں گراں قدر ترقی ہوئی ___ 1814ء میں جارج سٹیفن سن نے انگلستان میں ایک ڈقان (سٹیم) انجن تیار کر لیا۔ اس کا تعلق ایک محنت کش گھرانے سے تھا۔ یہ انجن چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتا تھا۔ کئی ایک تبدیلیوں اور اضافوں سے، 15 سال کے بعد سٹیم انجنوں اور گھوڑوں کے درمیان مقابلے ایک عام بات ہو گئی۔ 1829ء میں ریلوے پراجیکٹ جو مکمل طور پر سٹیم پر چلتا تھا۔ مانچسٹر اور لیورپول کے درمیان قائم کیا گیا۔ 1831ء میں ریلوے کی تعمیر امریکہ میں شروع ہوئی۔" 1832ء میں فرانس میں، 1837ء روس میں ریلوے کی تعمیر ہوئی ___ ریلوے ٹرانسپورٹ میں شاندار ترقی سے، اندرونی اور غیر ملکی تجارت میں زبردست اضافہ ہوا۔ دھات کی ضروریات بڑھ رہی تھیں اور ایندھن کی ضرورت جو اس صنعت کا ایک ضروری عنصر

تھا چنانچہ یہی اشیاء بعد میں کئی ملکوں کے صنعتی انلاب کا باعث بنی تھیں۔ سٹیم انجن کی ایجاد صنعتی انقلاب کا باعث بنی۔ 1807ء میں رابرٹ فلٹن نے پہلا دقانی جہاز ایجاد کیا جس نے دریائے ھڈسن میں کامیاب سفر کیا۔ اس وقت اس کی رفتار 5 میل فی گھنٹہ تھی لیکن جلد ہی سٹیم بحری جہاز کی طاقتور صورت سامنے آ گئی۔ بحراوقیانوس کو 1818ء میں سٹیم شپ کے ذریعے عبور کیا گیا۔ اس جہاز نے امریکہ سے لیورپول کا سفر 27 دنوں میں طے کیا۔ 20 سال بعد 1838ء میں یہی سفر ایک اور دقانی جہاز نے نئے راستے کے ذریعے 14 دنوں میں طے کیا۔ بعد میں یہ سفر مزید آدھارہ گیا۔ دقانی بحری جہاز کی یہ ترقی مواصلات، صنعت وحرفت میں اہم کردار ادا کرنے لگی۔ صنعتی انقلاب کے سماجی نتائج 19ویں صدی میں سرمایہ داری کی تیزی کے ساتھ ترقی، یورپی شہروں کے قریب صنعتی قصبوں کے قیام کا باعث بنیں، بڑے بڑے کارخانے وجود میں آئے اور محنت کشوں نے شہروں کا رخ کیا۔ انگلستان میں صنعتی انقلاب کا عمل تیزی سے ہو رہا تھا اور ساتھ ساتھ کئی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ دو بڑے طبقے ابھر رہے تھے۔ صنعتی بورژوازی اور پرولتاریہ ___ جرمنی، فرانس اور امریکہ میں بھی یہی صورت تھی لیکن وہاں ابھی تک کسان موثر حیثیت رکھتے تھے اور اقتدار ابھی سرمایہ داری سے پہلے والے طبقاتی گروپ کے ہاتھ میں تھا۔

بورژوازی انقلاب اور اصلاحات

1830ء صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری کے ارتقاء نے بورژوازی کی قوت میں اضافہ کیا۔ بورژوازی یورپی بادشاہوں سے مفاہمت کرنے کو تیار نہیں تھی چنانچہ اس نے ریاستی معاملات اور انتظامیہ میں مدافعت شروع کر دی اور فیصلہ کن کردار ادا کرنے کی ٹھانی ___ بورژوازی اس سطح پر بڑی محتاط چالیں چل رہی تھی اور مزدور طبقے کا بڑی بے رحمی سے استحصال کر کے اپنے منافع میں اضافہ کر رہی تھی۔ بورژوازی مزدور طبقے سے خوفزدہ تھی، سابقہ رنجشوں اور مخالفتوں کے باوجود، شہنشاہیت کے مزدوروں سے کم خطرناک تھی۔ یہ لوگ بادشاہت سے کسی بھی وقت مفاہمت کر سکتے تھے لیکن محنت کشوں سے مفاہمت ناممکن تھی، اس سطح پر بورژوازی انقلاب سے گریز کر رہی تھی اور بالائی سطح سے اصلاحات کروا رہی تھی۔ اس میں اگرچہ لوگوں کی شرکت نہیں تھی۔

فرانس میں جولائی 1830ء کا انقلاب:

بورژوازی ہمیشہ انقلاب سے بچ نکلنے میں کامیاب نہیں رہی۔ چارلس X جو یہ کہنے میں مشہور تھا کہ وہ ''انگلستان کے بادشاہ کی طرز پر یہ حکومت کرنے پر، تہ کرنے کو ترجیح دے گا'' بورژوازی بادشاہ سے مفاہمت کر رہی تھی لیکن لوگوں کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ وہ سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے

رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ صورتحال اس قسم کی ہوگئی کہ بادشاہ چارلس x بھاگ کر انگلستان چلا گیا۔ وہ ملک جہاں نئی بادشاہت اسے پسند نہیں تھی ـــــ اسی دوران سابقہ نظام کے بدلتے ہی بورژوازی سیاستدان منظر عام پر آنے لگے جو سابقہ دنوں میں قوت اپنے ہاتھوں میں لینے سے خوفزدہ تھے۔ اس سے پہلے کہ لوگ جان لیتے کہ کیا کیا ہو رہا ہے، ایک نئی حکومت ملک پر برسر اقتدار آ گئی۔ ایک اور شہنشاہیت اور نیا خاندان، لوئیس فلپ آف آرلین ـــــ نیا بادشاہ ایک سابقہ ڈیوک تھا، اور چارلس کا قریبی رشتہ دار، یہ شخص دولت اور امارت کے لحاظ سے فرانس کا امیر ترین شخص تھا تاہم یہ برسر اقتدار آنے کے بعد اس نے کئی قدیم روایتوں کو قائم نہ رکھا۔ دولت مند بورژوازی منظر عام پر تھی، اور اس وقت دولت کو ہر طرف غلبہ حاصل تھا۔ جولائی شہنشاہیت کو بورژوا بادشاہت بھی کہا جاتا ہے اور سونے کو فوقیت حاصل تھی، اور دوسری طرف غربت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

انگلستان میں اصلاحات کا بل، 1832ء:

انگلستان جہاں حکمران طبقہ خاص طور پر تجربہ کار تھا اور وہ سیاسی توڑ جوڑ کے ذریعے ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ انقلاب کو روکا جا سکے۔ 1820ء کے خاتمے پر، اور 1830ء کے فرانس کے جولائی انقلاب کے بعد، جبکہ جمہوری اور انقلابی قوتیں سرگرم عمل تھیں۔ حکمران پارٹی ''ٹڈری'' جو مالکان اراضی کے مفادات کی ترجمان تھی۔ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ کسی سمجھوتے کی ضرورت ہے۔ 1832ء میں ایک پارلیمانی اصلاحات کا اعلان کیا گیا۔ انگلستان میں ان کی افادیت کا شور اٹھایا گیا لیکن دراصل اس سے بورژوازی امراء سے متعلقہ لوگوں کو فائدہ پہنچا، اور ان سے کہا گیا کہ وہ پارلیمانی معاملات میں براہ راست حصہ لے سکتے ہیں لیکن محنت کش طبقہ کو ان اصلاحات سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔

نو آبادیاتی توسیع پسندی کی نئی لہر:

سرمایہ داریت کا تیزی کے ساتھ ارتقاء اور بورژوازی کا بڑھتا ہوا ریاستی معاملات میں کردار، نو آبادیاتی وسعت کا باعث بنا۔ بورژوازی خام مال کے سستے ذرائع چاہتی تھی اور مال کی فروخت کے لیے نئی منڈیاں۔ اس کے لیے نو آبادیاتی جنگیں انتہائی منافع بخش ثابت ہوئیں۔ سرمایہ دار ممالک میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ برطانیہ اس معاملے میں سب سے آگے تھا۔ 1829ء میں برما کے ساتھ ایک لڑائی کے بعد برطانوی نو آبادیتوں نے آسام پر قبضہ کر لیا۔ 1839ء میں انہوں نے عدن پر قبضہ کیا اس دوران افغانستان اور ہندوستان کے کئی حصوں پر کل تیس (30) جنگیں ہوئیں۔ 1843ء میں سندھ پر قبضہ ہوا۔ 1846ء میں کشمیر اور پنجاب کا بڑا حصہ برطانوی قبضے میں چلا گیا۔ 1839ء سے 1842ء تک برطانیہ

بدنام افیون جنگوں میں ملوث ہوگیا۔ اس دوران اس نے چین میں زبردست طور پر پاؤں جما لیے۔ ہانگ کانگ پر قبضہ کرلیا اور چین کو افیون درآمد کرنے پر مجبور کیا جس سے برطانوی تاجروں کو زبردست منافع ہوا اور یکطرفہ طور پر تجارتی معاہدہ کیا گیا۔ 1840ء میں برطانیہ نے نیوزی لینڈ کو زیر تسلط کرلیا۔ 1842ء، 1843ء میں ساراورک، بروتو اور ناتال (جنوبی افریقہ) پر قبضہ کرلیا۔ 1830ء میں فرانس نے قبضے کے لیے الجزائر پر چڑھائی کردی۔ 1846ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے ایک ہمسایہ کمزور ریاست میکسیکو کے خلاف جنگ کی اور میکسیکو اور کیلیفورنیا کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا، اس وقت نوآبادیت، سرمایہ داری کے شانہ بشانہ آگے بڑھی رہی تھی۔

محنت کش طبقے کی حیثیت:

جب بورژوا طبقہ نوآبادیاتی جنگوں اور لوٹ مار سے بے تحاشا منافع حاصل کر رہا تھا تو ساتھ ساتھ محنت کشوں کے استحصالی میں بھی مصروف تھا۔ سرمایہ داری کی اس ابتدائی سطح پر محنت کشوں کی پوزیشن سخت بدحالی کا شکار ہوگئی۔ مزدور طبقے کی تعداد میں تو اضافہ ہو چکا تھا لیکن اسی کوئی سیاسی تجربہ نہیں تھا، وہ غیر منظم اور اپنے تاریخی کردار سے ناواقف تھے۔ محنت کش طبقے پر کیا جانے والا استحصال ناقابل یقین حد تک زیادہ ہو چکا تھا۔ محنت کش 14 سے 16 گھنٹے روزانہ کام کرتے، عورتوں اور بچوں سے محنت لینے کا عام رواج تھا۔ غیر انسانی طرز رہائش، غربت اور پسماندگی کی انتہا یہ تمام حالات محنت کشوں کو جسمانی اور روحانی تباہی کی طرف لے جا رہے تھے۔

محنت کشوں کی آزاد تحریک کا آغاز:

محنت کشوں کی خود تحفظاتی جبلت نے انہیں اپنے آقاؤں کے خلاف جدوجہد کے لیے اکسایا، تاہم 19ویں صدی کی پہلی محنت کش نسل تجربات سے عاری تھی اور وہ اس بنیادی برائی سے ناواقف تھے جو دیگر کئی برائیوں کی بنیاد تھی۔ پہلے پہل تو وہ مشینوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتے، پہلے طبقاتی جدوجہد کا آغاز مشینوں کی تباہی سے ہوا۔ 19ویں صدی کی پہلی دو دہائیوں میں "Luddit" لڈڈٹ تحریک نے جنم لیا۔ اس تحریک کا بانی ایک نوجوان اپرنٹس تھا جس کا نام نیڈ لڈ تھا، اس کے پیروں نے مشینوں کو تباہ کرنا شروع کردیا تاہم مزدوروں کو جلد ہی پتہ چل گیا کہ مشین ان کے دکھوں کا سبب نہیں ہے۔

لیون بغاوت (1831ء تا 1834ء)

فرانس میں محنت کشوں کی حالت مخدوش تھی، 1831ء میں ریشم صنعت کے مرکز لیون میں محنت کشوں نے غربت سے تنگ آ کر قصبے پر قبضہ کرلیا اور سیاہ جھنڈے اٹھائے مارچ کررہے تھے۔''ہم مرنے کے لیے تیار ہیں، لڑنے کے لیے، زندہ رہنے اور کام کرنے کے حق کے لیے۔'' ابتدائی مرحلہ پر محنت کشوں میں یہ نعرہ خاصی اہمیت اختیار کر گیا، حکومتی دستوں نے اس بغاوت کو ظالمانہ انداز میں کچل دیا۔ 1834ء میں لیون کے محنت کش ایک بار پھر سڑکوں پر نکل آئے لیکن اس مرتبہ وہ زیادہ بہتر طور پر منظم تھے اور مطالبہ صرف حالات محنت کو بہتر بنانے کے لیے نہیں کررہے تھے بلکہ وہ ایک جمہوریہ کے قیام کا نعرہ بلند کررہے تھے۔ یہ بغاوت بھی کچل دی گئی۔

چارٹسٹ تحریک:

انگلستان میں کئی مزدوروں نے پارلیمانی اصلاحات کے لیے بورژوازی کی حمایت کی لیکن جب 1832ء کے اصلاحاتی بل نے ان کی حالت زندگی میں کوئی بہتری نہ کی تو بورژوازی پر ان کا اعتماد اٹھ گیا کیونکہ انہوں نے محنت کشوں کو دھوکہ دیا تھا۔ محنت کش ابھی تک پارلیمنٹ پر اعتماد کرتے تھے۔ 1836ء، 1837ء میں لندن میں ایک ملک گیر تحریک کا آغاز ہوا جس میں کہا گیا کہ عام آدمی کو رائے دہندگی کا حق دیا جائے۔ محنت کشوں کا خیال تھا کہ اگر ہر آدمی کو ووٹ کا حق مل گیا تو وہ پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرلیں گے اور پھر ساری صورتحال تبدیل ہوجائے گی اور ایسی امیدیں غلط فہمی پر مبنی تھیں اگرچہ انگلستان کے مزدور زیادہ تجربہ کار تھے پھر بھی وہ اس امید میں تھے۔ پارلیمنٹ ان کے لیے یہ قانون منظور کردے گی۔ 1837ء میں مزدوروں کے لیڈروں نے ایک چارٹر تیار کیا جس میں اپنے مطالبات تحریر کیے تاکہ انہیں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جاسکے اور انہوں نے اپنے مطالبات کے حق میں دستخط کروانے شروع کردیئے۔ تین مختلف مواقعوں پر 1839ء، 1842ء، 1848ء یہ چارٹر پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا گیا، پہلی مرتبہ 12 لاکھ، دوسری مرتبہ 33 لاکھ اور تیسری مرتبہ 50 لاکھ افراد کے دستخط اس چارٹر پر موجود تھے۔ دستخط والے کاغذات اتنے بھاری تھے کہ انہیں ایک کریٹ میں بند کرکے بیس افراد نے اٹھا رکھا تھا، پارلیمنٹ میں پہنچایا گیا۔ دستخطوں کی تیم، مطالبات اور سیاسی جدوجہد مزدوروں کی تحریک میں زبردست ارتقاء کا باعث بنی۔ مشعلوں کی روشنی میں رات کے وقت مزدور سیاسی تقاریر سننے کے لیے اکٹھے ہوتے اور سیاسی حالات پر بات چیت کرتے۔ چارٹسٹ اپنے جلوس قصبوں تک لے جاتے، پہلے پہل ان کو احساس تھا کہ وہ کتنی بڑی قوت ہیں۔ 1840ء میں ایک کوشش کی گئی کہ متحدہ چارٹسٹ پارٹی بنائی جائے چنانچہ مزدوروں کی سب سے پہلی چارٹر تحریک پروان چڑھی اس نے ناکامیوں اور کامیابیوں سے سبق حاصل کیے، محنت کش اب اپنے اردگرد دنیا کا بڑا واضح تصور قائم کرر۔

تھے اور ان کے کئی ایک سابقہ مغالطے دور ہو گئے۔ اب وہ سیاسی اور سماجی مطالبات بھی کرتے تھے۔ اب امیدیں پیدا ہونے لگیں کہ جنرل ہڑتالیں وغیرہ بھی کی جا سکتی ہیں۔ چارٹر تحریک کی قیادت قابل، باجرات، بے ہنگ مزدوروں کے راہنماؤں اور برائن، فیوگس اوکونر، جی جے ہارنے اور ارنسٹ جانز کے ہاتھ میں تھی تاہم یہ راہنما اپنے محنت کش ساتھیوں کو درست راستے پر لے کر چلنے میں ناکام رہے۔ دراصل چارٹرا بھی تک یہ نہیں سمجھ پاتے تھے کہ ان کا تاریخی کردار کیا ہے___ چارٹسٹ تحریک جو 1848ء کے موسم بہار میں اپنے نقطہ عروج پر تھی اپنے وسیع وعریض اثر ورسوخ کو استعمال کرنے میں ناکام رہی اور ان کا زوال شروع ہو گیا تاہم مزدوروں کی اس تحریک نے محنت کشوں پر خوشگوار اثرات مرتب کیے اور مزدوروں کی جدوجہد ایک نئے ترقی یافتہ مرحلے میں داخل ہو گئی۔

یوٹو پیائی سوشلزم:

احیائے علوم اور فرانسیسی انقلاب کے مفکرین اور مصنفین نے ابھرتے ہوئے سنہرے دور کو دیکھا، دلیل، آزادی اور انصاف کا دور، عملی طور پر جاگیردارانہ نظام کی جگہ ایک بے رحم سرمایہ داری نے لے لی، جہاں استحصال اور زر کی مطلق حکومت تھی۔ سرمایہ دارانہ ارتقاء کی ابتدائی سطح پر احیائے علوم (روشن خیالی) کے عہد کے کئی لکھاریوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی خامیوں اور نقصانات کی نشاندہی شروع کر دی اور ایک نئے دور کی آمد کا اعلان کیا چونکہ یہ لوگ نئے سماجی ڈھانچے کا تصور پیش کرتے تھے اسلیے انہیں یوٹو پیائی سوشلسٹ یا خیالی سوشلسٹ کہا گیا۔ جن میں تین اراد جو عظیم مفکر کہلائے ان میں سینٹ سائمن (1760ء تا 1725ء) فیویدر (Fourier) (1772ء تا 1837ء □) اور رابرٹ اووین (1771ء تا 1858ء) تھے سینٹ سائمن ایک اشرافیہ خاندان کا فرد تھا اس کی تعلیم بھی ایسے ہی ہوئی، انقلاب کے دوران وہ مالیاتی تجارت میں مصروف تھا اور ایک ساہوکار دوکان پر کام کرتا تھا وہ معاشرے کے تمام طبقات کی مالی اور سماجی حالت کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا اور اس نئے نظام کی وحشت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگ جو ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں میں رہتے تھے وہ اس نظام میں استحصال کے نئے انداز کو سمجھ رہے تھے اور معاشرے کے مستقبل کو جاننے کی کوشش کرر ہے تھے ان تحریروں کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے عوام کو آزادی کے حصول، سرمایہ داری کے بندھنوں سے آزاد ہونے کی تحریک دی لیکن وہ ایک اچھے معاشرے کے قیام کے لیے سیدھے اور بہتر راستے کا انتخاب نہ کر سکے۔ ان کی سوچ معصومانہ، اور ناقابل عمل تھی۔ وہ یہ بھی نہ سمجھے کہ کونسا طبقہ جو معاشرے کو بہتر بنا سکتا ہے، کونسی سماجی قوت دنیا کو تبدیل کر سکتی ہے، دنیا سے استحصال کا خاتمہ کر سکتی ہے اور انسانیت کو استحصال اور سماجی برائی سے نجات دلا سکتی ہے۔

جرمن کلاسیکل فلسفہ:

جرمن ریاستوں میں جہاں ترقی بتدریج ہو رہی تھی اور طبقاتی جدوجہد ابھی تک انقلابی جدوجہد میں تبدیل نہیں ہوئی تھی، سماجی سلسلہ عمل اور عوام میں عدم اطمینان کی لہر کا اظہار پہلے پہل فلسفہ اور ادب میں ہوا۔ 18ویں صدی کے آغاز اور 19ویں صدی کے آخر میں جرمن ادب میں سنہرے دور کا آغاز ہوا، اور دو عظیم مفکر اور مصنف گوئٹھے (1749ء، 1832ء) اور فریڈرک شیلر (1759ء، 1805ء) قابل ذکر ہیں۔ جرمن فلسفیوں میں فریڈرک شیلنگ (1775ء، 1854ء) اور ہیگل (1770ء، 1831ء) مشہور ہوئے، ہیگل خیال پرست رہا اس نے فلسفیانہ افکار میں جدلیاتی طریقے کو متعارف کراوایا، اور اس دور کے علم و دانش پر اس نے گہرے اثرات مرتب کیے۔

کارل مارکس:

جب محنت کش طبقات کی جدوجہد نے کافی تجربات حاصل کر لیے اور مزدور طبقہ زیادہ منظم ہو گیا تو یہ ممکن ہو گیا کہ ایک حقیقی سائنسی علم وجود میں آئے جو پرولتاریہ کے تاریخی مشن کی تکمیل کے عمل کو آگے بڑھائے۔ اس عمل نے معاشرتی قوانین اور سماجی ارتقاء کو تلاش کرنا تھا اور وہ طریقہ جس کے مطابق ایک اعلیٰ غیر طبقاتی نظام قائم کیا جا سکے۔ وہ محنت کش طبقہ کے عظیم راہنما کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز تھے جنہوں نے یہ قوانین دریافت کیے___ کارل مارکس ایک قانون دان کا بیٹا تھا جو 5 مئی 1818ء کو جرمن قصبے ٹرائر میں پیدا ہوا، دور طالب علمی میں وہ بے حد ذہین اور جستجو کا مالک تھا اس نے خود کو انقلابی جدوجہد کے ساتھ منسلک کر لیا اور اسنے اپنے زمین کو سماجی ارتقاء کے قوانین تلاش کرنے پر مامور کیا۔ 25 سال کی عمر میں اس نے جرمنی کو خیر باد کہا اور پیرس اور پھر برسلز چلا گیا۔ اس کی دوستی فدیڈرک اینگلز (1820ء، 1859ء) کے ساتھ 1844ء سے ہوئی۔ اینگلز ایک فیکٹری مالک کا بیٹا تھا جس کا باپ یہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا تجارت اور کاروبار کر کے دولت کمائے لیکن اس نے خود کو انقلابی جدوجہد سے منسلک کر لیا۔ ان دونوں شخصیات نے سابقہ مصنفین کی چھوڑی ہوئی تحریروں اور سماجی قوانین کا مطالعہ کیا اور اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ انہوں نے انقلابی تحریکوں کا مطالعہ کیا اور خاص طور پر انقلاب فرانس کی سماجی اور سیاسی وجوہات کو سمجھا۔ انہوں نے جرمن کلاسیکل فلسفے اور برطانوی سیاسی معیشت کا بھی مطالعہ کیا۔ سابقہ حاصلات کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد مارکس اور اینگلز نے بالکل نئے علم کو تلاش کیا جسے سائنسی سوشلزم کہا جاتا ہے اور انہوں نے پرولتاریہ کی جدوجہد کے طریقہ کار کی وضاحت کی۔ بورژوازی مفکرین پہلے ہی طبقاتی جدوجہد کے مسئلے پر اس کی سماجی وجوہات کا اظہار کر چکے تھے لیکن مارکس اور اینگلز نے تاریخ کی

ماری تشریح کی، اور سرمایہ دارانہ معاشرے کے جبلی قوانین کی تشکیل کی۔ یہ پہلا انقلابی فکری ارتقاء تھا جس سے دنیا میں سماجی تبدیلیوں کے حوالے سے طبقات پر انحصار کیا گیا۔ ذاتی مفادات سے بالکل آزاد، وہ پرولتاری طبقہ تھا۔ ''جسے کچھ نہیں کھونا ماسوائے اپنی زنجیروں کے۔'' سب سے زیادہ انقلابی طبقے کے حوالے سے پرولتاریہ کا کردار متعین تھا اور اسے تمام محکوم اور پسماندہ طبقات کا چمپین بنتا تھا اور انہیں سرمایہ داری نظام کو تباہ کرنے کے عمل میں دیگر طبقات کی راہنمائی کرنا تھی ___ مارکسزم اس حقیقت کا اظہار ہے کہ پرولتاریہ کی جدوجہد صرف اپنے طبقات کی مفادر کھنے کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے اور پورے معاشرے کے لیے ہے۔ بورژوازی کا تختہ الٹنے کے بعد پرولتاریہ اپنی آمریت قائم کرے گی اور یہ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک معاشرہ غیر طبقاتی سماج کیمونزم میں بدل نہیں جاتا۔ یہ نئی سماجی فکر جس کی وضاحت مارکس اور اینگلز نے سائنسی بنیادوں پر کی، انسانیت کے مستقبل کے متعلق ایک شاندار طرز عمل کی عکاس ہے۔

کمیونسٹ لیگ:

مارکس اور اینگلز سے پہلے مزدور تحریک اور ''سوشلزم مختلف راستوں پر نشوونما حاصل کر رہے تھے۔ 1847ء میں پہلی بین الاقوامی پرولتاریہ تنظیم، کمیونسٹ لیگ مارکس اور اینگلز کی فعال کوششوں سے وجود میں آئی۔ اس وقت سب سے مقبول نعرہ یوٹوپیائی سوشلسٹوں نے لگایا ''تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔'' ایک اور نعرہ بلند ہوا۔ ''دنیا بھر کے محنت کشوں ایک ہو جاؤ۔'' یوٹوپیائیوں کا نعرہ وسیع تر انسانوں کے زمرے میں آتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا فیکٹری مالکان محنت کشوں کے بھائی ہو سکتے ہیں؟ یہ نعرہ تو لوگوں کو راہ سے بھٹکاتا تھا اور ایک خطرناک مغالطہ، جو نعرہ کمیونسٹ لیگ نے لگایا وہ انسانیت کے مستقبل اور مقاصد کا تعین کرتا تھا لیکن اس کا تعلق پرولتاریہ کے ساتھ باہمی طور پر مربوط ہے جو انہیں بین الاقوامی طور پر متحدہ ہونے کے لیے کہتا ہے ___ 1847ء میں کمیونسٹ لیگ کی دوسری کانگرس جو لندن میں منعقد ہوئی، مارکس اور اینگلز کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ لیگ کے پروگرام کا خاکہ کھینچیں، اگلے سال کے شروع میں کمیونسٹ پارٹی کا مینی فیٹو چھپ گیا ایک کتابچہ جس میں مارکس اور اینگلز نے سائنسی سوشلزم کے بنیادی اصول پیش کیے۔ اس کتاب کا مستقبل عظیم مقصد تھا جس میں یہ کہا گیا کہ مزدوروں کی جدوجہد اور سوشلزم دو مختلف راستے اور اصول نہیں ہیں۔

○

باب :26

1848ء-1849ء کی انقلابی کیفیت

1830ء کا انقلاب ''مقدس اتحاد'' کے خلاف پہلا زبردست حملہ تھا اور ابھی تک اس کی قوت کم نہیں ہوئی تھی۔ اس اتحاد کے بنیادی عناصر نکولس اول کے زیر اقتدار روسی سلطنت، آسٹریا کا میٹرنچ اور سلطنت پروشیا، یہاں تک کہ وہ ملک یہاں 1830ء کا انقلاب رونما ہوا تھا، جلد ہی یورپی رجعت پرستوں کا سب سے بڑا گڑھ بن گیا۔ بادشاہ لوئیس فلپ جولائی انقلاب کی تمام یادداشتیں ذہن سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ 1830ء میں کئی ایک بغاوتوں کو بڑے ظالمانہ انداز سے کچل دیا گیا تھا۔ ایک ایسا عہد جب سیاسی قدامت پسندی جاری ہوگئی۔ ب ولیس حاکمیت قائم کر دی گئی۔ فرانس آسٹریا کا قریبی دوست بن گیا وہ ملک جو مقدس اتحاد کا طاقتور ستون تھا۔ مقدس اتحاد کے سربراہوں کا خیال تھا کہ فرانس مین قدامت پرستی کے ساتھ تعاون سے انقلاب کو روکا جا سکتا ہے اور زمانہ قدیم کی قدروں کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔

یورپ میں 1848ء کا انقلاب

تمام مشترکہ یورپی افواج اس قابل نہیں تھیں کہ وہ انقلاب کا مقابلہ کر سکیں۔ وہ قوتیں جو انسانیت کی نجات کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔ وہ ریاستی جبر کے نتیجے میں زیر زمین جا چکی تھیں۔ اب وہ اکٹھی ہو کر قوت پکڑ رہی تھیں۔ 1848ء میں آتش فشاں پھٹ پڑا، سارا یورپ انقلابی لہر کی لپیٹ میں آ گیا اور مقدس اتحاد بری طرح اعتماد کھو بیٹھا ___ سب سے پہلے انقلاب سسلی میں پھوٹا، قابل نفرت یاریون بادشاہ فریڈنڈ دوم جو انقلابی تحریکوں کو کچلنے میں شہرت رکھتا تھا وہ اپنے تاج و تخت سے محروم کر دیئے جانے کی فکر میں تھا اور بڑی عجلت کے ساتھ کئی ایک رعاتیں دینے کو تیار تھا۔ تمام تمام رجعت پرست وزرا کو دستبردار کر دیا گیا اور نئے آئین کا وعدہ کیا گیا ___ 24,22 فروری فرانس میں انقلاب اٹھ کھڑا ہوا،

ایک معمولی سا واقعہ ہزاروں مزدوروں کو سڑکوں پر لے آیا۔ اس سے پہلے کہ کئی قصبوں پر انقلابیوں کا قبضہ ہو جاتا۔ زبردست ناکہ بندی کر دی گئی۔ گیوزٹ (Guizot) جو اس انقلاب کو چائے کی پیالی میں انقلاب کہہ رہا تھا وہ آخر کار فرانس سے بھاگ جانے پر مجبور ہوا، وہ بھی ایک عورت کے روپ میں ___ اگلے دن لوئیس فلپ نے بھی ایسا ہی کیا۔ فرانس کے باغی شاہی محل توڑ کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ___ 13 مارچ کو ویانا کی گلیوں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ سڑنچ بھاگ گیا۔ بدھا پیٹ اور پراگ میں بھی ویانا کی طرح ہوتا، اور جلد ہی آسٹریا کی کثیر القومیتی حکومت انقلابی تحریکوں کی لپیٹ میں آ گئی۔ 18 مارچ کو جرمن میں بھی انقلابی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی کامیابی دراصل کئی ایک جرمنی ریاستوں میں انقلابی تحریکیوں کا باعث بنی، ایک عظیم الشان انقلابی تحریک پورے اٹلی میں پھیل گئی۔ لومیارڈی میں باغی اطالیوں نے قابض آسٹریاؤں کو شکست دی اور مارسل راوئے ڈکائے کو جدوجہد کے دوران کافی شہرت حاصل ہوئی۔ آسٹریا والوں کو وینٹیا سے نکال باہر کیا گیا جسے بعد میں ایک آزاد ریاست قرار دے دیا گیا۔ انگلستان میں چارٹرسٹ تحریک اپنے زوروں پر تھی۔ سپین میں بھی انقلابی تحریک پھیل گئی۔ سوئز لینڈ اور بلجیم میں بھی یہی صورتحال تھی۔ پولینڈ والے ملک کی تقسیم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ انقلابی تحریک پورے یورپ میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور قابل نفرت سیاسی حکومتوں کے زوال کا باعث بن رہی تھی جو محلات اور تخت و تاج لرز رہے تھے۔ وہ اوقیانوس سے ساحلوں سے لے کر زارکوس کی روسی سرحدوں تک تھے۔ ایک ممتاز روسی انقلابی، الیگنیڈر ہرزق کے 20 اپریل 1848ء کو لکھا ''جب میں اخبار اٹھاتا ہوں ہر روز کوئی نہ کوئی چیز غیر متوقع طور پر ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ طوفان کے آمد کی گونج صاف سنائی دیتی ہے۔ انسانیت کے دوبارہ پیدا ہونے کا نور، اور حساب کتاب کا دن، نئی قوتوں نے انسانی قلب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، پرانی امیدیں ایک بار پھر اٹھ کھڑی ہوئی ہیں، اور جرات آج کے دور کا پیغام ہے۔

فرانس میں فروری انقلاب

پہلے پہل تو ہر قسم کی امید انقلاب کے سلسلے میں رکھی جا سکتی تھی کہ پیرس میں حقیقی قوت باغیوں اور محنت کشوں کے ہاتھ میں تھی۔ جنہوں نے بادشاہت ختم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ محنت کش ابھی تک مسلح تھے اور شہر کی گلیوں میں دندنا رہے تھے۔ سیاسی اور بورژوازی راہنماؤں کی سوچوں کے برعکس محنت کشوں کے مطالبے پر فرانس کو 24 فروری کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا چنانچہ 1848ء کے فروری انقلاب کے دن کچھ دوسرے دن حاصل کر لیا جو 1789ء کے انقلاب کو حاصل کرنے میں تین سال لگے۔ محنت کش یہ بھی مطالبہ کر رہے تھے کہ ملک کو ''ڈیموکریٹک ریپبلک آف سوشل جسٹس'' قرار دیا جانا چاہیے ___ فرانسیسی پرولتاریہ کی کمزوری اس حقیقت میں مضمر تھی کہ اس کی انقلابی پر جوش لہر میں، تنظیم کا

فقدان اور اپنے مقاصد اور منزل سے عدم واقفیت تھی۔ پرولتاریہ کی اپنی کوئی پارٹی نہیں تھی جو کہ تنظیم کرتی او
ران کی جدوجہد کو کسی سمت میں لے جاتی بلکہ ان کے پاس تو ٹریڈ یونین بھی نہیں تھی، کئی ایک سیاسی کلب
بنے ہوئے تھے لیکن ان میں چند ایک کے مشترکہ مقاصد تھے اور ان میں اختلافات شدید تھے۔ پرولتاریہ
کے پاس کوئی لیڈر بھی نہیں تھا۔ مزدوروں کی اکثریت اندھا دھند لوئیس بلانک، ایک بوٹا پیائی سوشلسٹ کی
پیروی کرتی تھی۔ جس کا یہ کہنا تھا کہ بات چیت کے ذریعے اور دلجمی سے بورژوا حکومت سے بات چیت
کر کے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ بورژوا سیاسی راہنما جو انقلاب کے ابتدائی مرحلے پر خوف میں
مبتلا تھے۔ انہوں نے بدنیتی سے محنت کشوں کو یقین دلایا کہ وہ ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھتے ہیں اور
اس اتحاد کو بورژوا طبقے نے بے حد استعمال کیا۔ انقلاب کے آغاز میں بورژوا سیاستدانوں کے پاس کوئی
حقیقی قوت نہیں تھی۔ وہ سازشوں اور مکاریوں کا سہارا لے رہے تھے۔ وہ ایک عبوری حکومت بنانے میں
کامیاب ہوئے، جس کی قیادت عوام کے ایک بااعتماد راہنما ڈیپونٹ ڈی ایور کے ہاتھ میں تھی جس نے
1789ء کے انقلاب میں حصہ لیا تھا اور وہ تجربہ کار جمہوری تحریک کا لیڈر رہا تا ہم وہ پہلے ہی 81 برس کی عمر کو
پہنچ چکا تھا، نیم اندھا اور انتہائی کمزور تھا وہ اس قابل نہیں تھا کہ حکومت پر پالیسیوں کے سلسلے میں اثر انداز
ہو سکے۔ انفانس لامارٹن جو ایک مشہور شاعر اور اس دور کا زبردست مقرر تھا اسے وزیر خارجہ بنایا گیا تھا اور
اس کو انقلابی تحریک کو مضبوط کرنے کے لیے کہا گیا تھا، لوئیس بلانک محنت کشوں کے مفاد کا نمائندہ تھا اسے
بھی عبوری حکومت کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ اسے اس کمیٹی کا سربراہ بنایا گیا جسے سماجی اصلاحات کے لیے
تجاویزات مرتب کرنا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کے ہیرو لوئیس بلدنک کو عبوری حکومت میں وزیر بنا دیا گیا
ہے تو ان کے اعتماد میں اضافہ ہوا اور انہوں نے اپنے سابقہ مطالبات کے لیے دباؤ بڑھنا شروع کر دیا،
اس خواہش کے ساتھ کہ لوئیس بلدنک اپنے ہم منصب لوگوں کے ساتھ مل کر کچھ مقاصد حاصل کرنے میں
کامیاب ہو جائے گا، حکومت کی حقیقی قوت چند ایک بورژوازی نمائندوں کے ہاتھ میں تھی اب اپنی سابقہ
کوتاہیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پرولتاریہ پر جوابی حملہ کرنے کی سوچ رہے تھے۔ بورژوازی کا بنیادی مقصد
محنت کشوں کو تابع رکھنا اور انہیں دھوکہ دینا تھا اور حکومت سے محروم کرنا تھا وہ یہ سوچ رہے تھے کہ کس طرح
مزدوروں کو اس جمہوری انقلاب سے باہر رکھا جائے ان کے پاس بہتر علاج یہ تھا کہ پرولتاریہ کو ان کے
بہترین اتحادیوں سے علیحدہ کر کے تیار کر دیا جائے۔ انقلاب کے بعد طاقتور سرمایہ کار حکومت سے تعاون
نہیں کر رہے تھے۔ جولائی انقلاب نے خزانے کو خالی اور عوام کو قرضوں کا بوجھ دیا تھا۔ ملک شدید
اقتصادی بحران کا شکار تھا اور اس کا حل صرف یہ تھا کہ وہ جو ریاستی قرضوں پر منافع حاصل کر رہے ہیں،
بینکار اور امیر صنعت کار انہیں اس سے محروم کیا جائے تا ہم عبوری حکومت نے بورژوازی کی خواہش کو مدنظر
رکھتے ہوئے ایک علیحدہ راستہ اپنایا اور انہوں نے 45/100 ٹیکس عائد کر دیئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ

اس ٹیکس سے شہر کے چھوٹے طفیل بورژوا اور کسانوں کو بوجھ محسوس ہوگا اور یہ دونوں گروپ اپنے حالات زندگی میں بہتری کی امید لیے بیٹھے تھے اور انقلاب ان کے لیے ٹیکسوں میں اضافہ اور سخت مادی حالات لے کر آیا۔ بورژوا سیاستدان اور ریاستی ڈھانچہ اور پریس یہ پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف تھے کہ ٹیکسوں میں اضافہ محنت کشوں کے بڑھتے ہوئے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ پیرس میں بے روزگاری کو مدنظر رکھتے ہوئے قومی ورکشاپس قائم کی گئیں جہاں انہیں دو فرانک روزانہ دیئے جاتے۔ یہ ایسے اقدامات تھے جس سے شہری لوگ اور طفیلی بورژوازی مزدوروں کے خلاف ہو گئے۔ فرانسیسی انقلاب کے اوپر پرولتاریوں کے دوست لوئیس آگسٹس بلانکی (1805ء ,1881ء) ایک زبردست انقلابی اور بہادر نقاد نے بورژوازی کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ عبوری حکومت کی یہ پالیسی غلط ہے تاہم بلانکی کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ مزدوروں کے زیادہ تر اراکین لوئیس بلانک کے بے دلی سے تقلید کرتے تھے جو کہ صوبائی حکومت کا رکن تھا، وہ حکومتی پالیسیوں کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتا تاکہ محنت کش اس پر اعتماد کر کے اس کی قوت کا سبب بنے رہیں جب انقلابی کلبوں نے 17 مارچ کو صوبائی حکومت کی نئی پالیسیوں کے خلاف مظاہرے اور احتجاج کیا، تو لوئیس بلانک ہوٹل ڈی ویل کی بالکونی میں آیا اور محنت کشوں سے اپیل کی کہ وہ عبوری حکومت پر اعتماد کریں۔ مزدوروں کا اس پر اعتماد اس حد تک تھا کہ مزدور اس کی تقریر سے متاثر ہو کر منتشر ہو گئے۔

جون

بورژوازی نے بڑی مہارت سے لوئیس بلانک کی شہرت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور وہ کسانوں اور مزدوروں کے درمیان ایک خلیج پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کا نتیجہ اپریل 1848ء میں ہونے والے آئین سازی اسمبلی کے انتخابات پر اثر انداز ہوا، پہلی مرتبہ جب سے کہ جمہوریہ وجود میں آئی تھی عام رائے دہندگی کی بنیاد پر الیکشن ہوتا ہے۔ وہ امیدوار جو پرولتاریہ نے کھڑے کیے، انہیں زبردست شکست ہوئی۔ کسانوں نے جن کی عددی سے لحاظ سے اکثریت تھی۔ انہوں نے بورژوازی کے نمائندوں کو ووٹ دیئے۔ اب ان کی پوزیشن ملک میں مستحکم ہو چکی تھی۔ بورژوا لیڈروں نے فیصلہ کر لیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ پرولتاریہ پر سخت حملہ کیا جا سکے، 4 مئی کو آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، عبوری حکومت کو ایک کمیٹی کے ذریعے تبدیل کر دیا گیا۔ جس میں سب کچھ بورژوا ہی تھے۔ ڈیونٹ، لامارٹن، لوئیس بلانک اپنی اہمیت کھو بیٹھے تھے۔ اسے علیحدہ کر دیا گیا اب بورژوازی منصوبہ تیار ہی تھی کہ پرولتاریہ کو مزید کمزور کر دیا جائے۔ طفیلی بورژوازی اور کسانوں کو مزدوروں کے خلاف کیا جا

رہا تھا___ 15 مئی کو پیرس کے محنت کشوں کے ایک گروپ نے، آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کو روکنے کی کوشش کی لیکن ان کی کوششیں ناکام ہوئیں، نتیجے کے طور پر کئی انقلابی ملک بدر کر دیئے گئے اور بلانکی کو گرفتار کر لیا۔ 21 جون کو حکومت نے اعلان کیا کہ نیشنل ورکشاپ بند کر دی جائے۔ اس پر ہزاروں مزدور سڑکوں پر احتجاج کے لیے نکل آئے۔ حکومت یہ سمجھ رہی تھی کہ محنت کش ایسے اعلانوں کو برداشت نہیں کریں گے۔ اب وہ مزید مزدوروں کے خلاف سوچ رہے تھے___ جس طرح پہلے نظر آتا ہے کہ محنت کشوں نے چیلنج قبول کیے، کامل مارکس جو اس دور کا ہم عصر تھا، تبصرہ کرتا ہے۔ ''محنت کشوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ استحصال سہیں یا پھر مقابلہ کریں۔ اس کا جواب انہوں نے 22 جون کو دیا جب دو طبقات کے مابین زبردست لڑائی ہوئی جس نے جدید معاشرے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ لڑائی بورژوا نظام کی بقا اور تباہی کی جنگ تھی، پیرس کے تمام پرولتاریہ کے نیشنل ورکشاپ کے مزدوروں کے ساتھ مل کر ناکہ بندی کا انتظام کیا۔ محنت کشوں نے زبردست جدوجہد کی اور وہ اس مقصد کے لیے جانیں بھی قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے تنظیمی اور فوجی لحاظ سے جنگ میں شرکت کی۔ ان کے بیوی بچوں نے ان کی امداد کی۔ بچے بوڑھے جوان سب گولیوں کی بوچھاڑ میں بے خوف وخطر کود پڑے۔ مزدوروں کی بہادری اور جرات نے پوری دنیا کو حیران کر دیا تاہم حالات ابھی تک ان کے خلاف تھے، تمام ذاتی ملکیت رکھنے والے، محنت کشوں کے خلاف تھے۔ بورژوازی نے عددی لحاظ سے اپنے کمزور دشمن پر حملہ کیا ان کی مدد کسانوں اور شہری طفیلی بورژوازی نے کی۔ پرولتاریہ کے قدرتی اتحادی، بورژوازی کی سازش کے تحت ان کے خلاف لڑ رہے تھے۔ جنرل کویکنک جس نے الجزائری عوام، سامراجی فرانس کے تسلط کے خلاف اٹھنے والی لہر کو بے رحمی سے کچل کر، بورژوازی کا اعتماد حاصل کیا تھا۔ اسے زبردست قوت فراہم کی گئی۔ وہ شخص نوآبادیاتی نظام کے خلاف لڑنے والوں کے خلاف ظلم کرنے میں مشہور تھا، وہ اپنے ملک کے محنت کشوں کے ساتھ بھی ویسا ہی رویہ اپنا رہا تھا۔ جنرل کی طرف سے پرولتاریہ کے خلاف زبردست ظالمانہ اقدامات کیے گئے، جس سے ساری دنیا کے ترقی پسند صدائے احتجاج بلند کرنے لگے___ الگزینڈر ہرزن نے لکھا تھا کہ ''قتل عام ان دنوں کا رواج تھا ہر وہ شخص جس کے ہاتھ پرولتاریہ کے خون سے رنگے ہوئے نہیں تھے، درندوں اور آدم خوروں کی نظر میں مشکوک تھا'' پانچ سو محنت کشوں کی لاشیں پیرس کی گلیوں میں پڑی تھیں۔ کویکنک قصاب نے محنت کشوں کے آخری ناکے کو توپ سے اڑا دیا۔

لوئیس بونا پارٹ

محنت کش طبقہ جمہوریت اور سماجی ترقی کا سب سے بڑا محافظ تھا۔ جون 1848ء میں اس کی شکست نے، رجعت پسندی کی ایک نئی لہر کو جنم دیا، یہ اس وقت دیکھنے میں آیا۔ جب دسمبر 1848ء میں جمہوریہ کے صدر کا انتخاب عمل میں آیا۔ کئی امیدواروں میں ایک شہزادہ لوئیس بونا پارٹ نپولین بھی تھا۔ یہ نپولین اول کا بھتیجا، ایک بے اصول اور عیش وعشرت کی زندگی گزارنے والا، ایک ایسے معاشرتی ماحول میں رہنا پسند کرتا جو لبرل اور پرجوش ہو۔ اٹلی کی خفیہ انقلابی تنظیم کی صفوں میں، اس کی کوششیں جو بے عمل پرمبنی تھی کہ سیاسی طور پر تختہ الٹا جاسکے اور لندن کے پر ہجوم ماحول میں اسکی اوارہ گرد زندگی، جب وہ انقلاب کے بعد پیرس آیا تو اس کے ساتھ اس کی خواہشات اور منصوبے تھے۔ اس نے شہرت حاصل کرنے کے لیے ہر ایک چیز داؤ پر لگادی۔ ملک میں کوئی بھی اس کے سیاسی عزائم کے متعلق نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اسے کوئی سنجیدگی سے لے رہا تھا لیکن جب انتخاب ہوا تو ”عظیم چچا کے چھوتے بھتیجے نے بہت زیادہ ووٹ حاصل کیے“ ___ لوئیس بونا پارٹ بورژوا فرانس کی حکمرانی کے لیے منتخب ہوگیا۔ اس نام کے ساتھ وابستہ شہرت نے اسے ووٹ دلوائے اور بورژوازی نے اس کی مکمل حمایت کی۔ خوشحال کسان اور طفیلی بورژوا، جو متعصب پروپیگنڈہ سے متاثر تھا اس نے بھی اسے ووٹ دیئے۔

2 دسمبر 1851

صدارت کے لیے لوئیس بونا پارٹ کا انتخاب جمہوریہ دوم کے لیے زوال کا باعث بنا۔ اس نے بااختیار ہونے کے لیے ہر ایک حربہ استعمال کیا۔ 2 دسمبر 1851ء کو اس نے فوج کی مدد سے اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کرلیا۔ قصبوں اور صوبوں میں کئی چھوٹے چھوٹے گروپوں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن ان کو جلد ہی کچل دیا گیا۔ جمہوریہ سب سے بڑا محافظ پرولتاریہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ ہتھیار اٹھا سکے جبکہ اسے ابھی تھوڑا عرصہ پہلے ہی کچلا جاچکا تھا۔ 1852ء میں ایک مطلق العنان شہنشاہیت کی فرانس میں بنیادی رکھ دی گئی۔ لوئیس نپولین نے خود کو شہنشاہ نپولین سوم قرار دیا چنانچہ جمہوریہ ثانی جو نہایت پرجوش انداز سے جانی گئی، اور جسے فروری انقلاب 1848ء میں زبردست حمایت حاصل ہوئی تھی، اس کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی جگہ فوجی بونا پارٹزم شہنشاہیت نے لے لی۔ 1789ء کا انقلاب جو آگے بڑھتا ہوا ترقی کرتا چلا گیا۔ 1848ء کا انقلاب پہلے ہی سے معلوم ہو رہا تھا کہ ختم ہو جائے گا کیونکہ فرانسیسی بورژوازی جو محنت کشوں سے نفرت کرتی تھی اور ان سے خوف زدہ رہتی تھی، اس وقت ایک انقلاب دشمن قوت کا کردار ادا کر رہی تھی، پرولتاریہ نے اپنے عزم، قوت اور شجاعت کا مظاہرہ جون کی بغاوت میں کیا لیکن ابھی تک وہ متحد

ہونے کے لیے سیاسی تجربہ کی کمی رکھتے تھے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے عوام کی وسیع اکثریت کو ساتھ ملانے کے عمل سے محروم تھے۔

جرمنی میں انقلاب

1848ء کے موسم بہار میں جرمنی میں انقلاب پھوٹ پڑا، یہ جرمنی کا پہلا انقلاب تھا اور کئی ایک مسائل جو فرانس میں 18ویں صدی کے آخر میں حل کیے جا چکے تھے اب وہ پہلی مرتبہ جرمنی میں متصادم ہو رہے تھے سب سے اہم اور مقدم کام ملک کو متحد کرنے کا تھا جبکہ برطانیہ اور فرانس ایک طویل عرصہ پہلے متحدہ ریاست قائم کر چکے تھے، جرمنی ابھی تک ایک تجریدی خاکہ تھا۔ 38 جرمن ریاستیں تھیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں اپنے بادشاہ اور حکمران رکھتیں تھیں۔ ان تمام میں مستقل تنازعات چلے آ رہے تھے۔ ان سب میں زیادہ طاقتور پروشیا، باویریا، سیکسونی، ورٹیمبرگ اور ہیس، ان تمام ریاستوں میں بڑی اور انتہائی چھوٹی، حکمران اور امراء عہد وسطیٰ کے استحقاق کے ساتھ بری طرح چمٹے ہوئے تھے۔ جاگیردارانہ نظام سخت گیری اور حاکمیت اس وقت عام تھی، اقتصادی اور انتظامی عدم اتحاد، جرمنی کی معاشی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی اگرچہ مشین کا استعمال شروع ہو چکا تھا اور پہلی ریلوے کی تعمیر ہو چکی تھی، لیکن اقتصادی ترقی کے شعبے میں جرمنی ابھی تک برطانیہ اور فرانس سے پیچھے تھا۔ کسی مرکزی حکومت کا نہ ہونا، ابھی تک جاگیردارینہ استحکام کا باعث بنا ہوا تھا۔ جاگیردارانہ اقتدار کے خلاف مہم، جاگیرداریت کے خاتمے اور ان کے طریقہ عمل کے خاتمے، خاص طور پر زراعت میں، جہاں وہ کسانوں کو آگے بڑھنے سے روک رہے تھے، یہ جرمن انقلاب کے سامنے دوسرا بڑا مقصد تھا اور یہ لازمی طور پر پہلے سے منسلک تھا___ (1840ء ,1830ء) کا جرمن ادب اور خاص طور پر عظیم جرمن شاعر ہیزچ ہینے (1856ء ,1797ء) اور ترقی پسند شاعروں کا ایک گروپ، شاعر، ناول نگار، ڈرامہ نویس (نوجوان جرمنی) کہلاتے تھے۔ یہ جرمن ریاستوں کے حکمرانوں کی تنگ نظریوں، غیر انسانی رویوں اور پروشیا کے کردار کی خاص طور پر نفی کرتے، ان باجرات شاعروں نے اپنے ہم وطنوں میں شعور اور جوش پھیلایا___ انقلابی بغاوتیں پہلے پہل فوجی ریاستوں میں بھڑکیں۔ باڈن، ورٹم برگ، باویریا اور ہس ڈارساڈ وغیرہ میں لوگوں کے ہجوم اور جلسے سیاسی اصلاحات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ مارچ 1848ء کی ابتداء میں شروع ہوا۔ ''جرمن اتحاد'' اور ''آزادی'' مارچ کے ان دونوں کے سب سے بڑے نعرے تھے۔ باڈن میں ایک چھوٹے سے گروپ نے جمہوریہ قائم کرنے کا مطالبہ کیا لیکن اسے کم حمایت حاصل ہو سکی___ انقلابی سرگرمیوں کی لہر اتنی طاقتور تھی کہ مغربی ریاستوں کے حکمرانوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ ان کے پاس سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ فوری طور پر سیاسی اصلاحات کی جائیں۔ ولیم اول آف ورٹم برگ نے نہایت عجلت میں پریس کی

آزادی کا اعلامیہ جاری کیا، اپنے سابقہ وزراء کو برخاست کر دیا اور مقامی لبرل لیڈر بورژوازی کو نامزد کر دیا۔ باویریا جہاں جلسے جلوس زیادہ زوروں پر تھے۔ بادشاہ لڈویگ نے اعلان کیا کہ وہ اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہوتا ہے۔ باڈن میں، جب وزارت خارجہ کی عمارت جلا کر راکھ کر دی گئی تو ڈیوک لیوپول نے اپنے رجعت پرست وزراء کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا اور ان کی جگہ مقامی اعتدال پسند لوگوں کو نامزد کر دیا۔ پروشیا میں بھی سیاسی ماحول بہت تیزی کے ساتھ کشیدہ ہوا، یہاں جرمن کے محنت کشوں نے ایک انقلابی فوج تیار کر لی، اس سے پہلے کہ انقلاب شروع ہوتا۔ اس فوج نے جرمن بورژوازی پر دہشت طاری کر دی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک طوفان اٹھنے والا ہے۔ جرمن بورژوازی کے اعتدالپسند جو کہ سیاسی حقوق سے محروم تھے، انہیں مقامی پروشیائی جاگیردار نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ ملک میں ایک بڑی سیاسی جماعت بنانے کی خواہش رکھتے تھے تاہم وہ شہنشاہیت سے نفرت کرتے اور اس سے خوفزدہ بھی تھے لیکن وہ اس سے زیادہ محنت کشوں سے نفرت کرتے تھے تاہم قوت فیصلہ سے محروم بورژوازی بہر حال کمزور تھی ___ پروشیا کے بادشاہ فریڈرک ولیم IV اور خاص طور پر ولی عہد ولیم، بورژوازی کو کسی قسم کی رعایت دینے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اپنے وفادار فوجیوں پر انحصار کرتے تھے جو جرمن پر دباؤ ڈالنے کے لیے اور نکولس زار آف روس کی مدد کے لیے بھرتی کیے گئے تھے لیکن اس دوران ولیم نے لوگوں کے ساتھ جھوٹے وعدے کیے تا کہ حالات کا رخ موڑا جا سکے۔

مارچ 19,18 کی برلن بغاوت

17 مارچ کی رات کو، بڑھتے ہوئے مطالبات اور مزاحمت کے جواب میں فریڈرک ولیم نے اعلان کیا کہ وہ پروشیا کے لیے ایک آئین منظور کرے گا، اور دیگر اعتدال پسند اصلاحات کی جائیں گی۔ 18 مارچ کو صبح محنت کشوں، دستکاروں اور چھوٹے کسانوں کا ایک جلوس سڑکوں پر نکل آیا اور وہ اپنی پہلی فتح کا جشن منا رہے تھے لیکن شاہی محل کی دیواروں کے قریب اس پر امن جلوس کو شاہی افواج نے سختی سے کچل دیا جس سے سینکڑوں افراد ہلاک اور زخمی ہو گئے ___ اس ظالمانہ اقدام کا چرچا عام ہوا، اور جلد ہی ایک او رہڑتال کا اعلان کر دیا گیا۔ جگہ جگہ جرمن کے محنت کش اور عام لوگ اکٹھے ہوتے گئے۔ ان مظاہرں کو روکنے کی سختی سے کوشش کی گئی لیکن گلیوں کی لڑائی میں فوج کو شکست ہوئی۔ اعتدال پسند سیاسی راہنماؤں نے اسی شام بادشاہ سے کہا کہ اس کے سر سے تاج اب گرنے ہی والا ہے۔ پروشیا کا بادشاہ سخت الجھن کا شکار تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ ظالمانہ اقدام کرنے سے قاصر ہے۔ 19 مارچ کو صبح اس نے ایک اپیل جاری کی، جس کا عنوان تھا ''میری پیارے جرمن والو'' اس نے وعدہ کیا کہ قومی دستوں کو فوری طور پر برلن کی گلیوں سے نکال لیا جائے گا اور اسی روز اس نے ایسا کرنے کا حکم جاری کر دیا ___ اسی روز فوج کے

ہاتھوں مرنے والوں کی یاد میں جلوس نکلا گیا تو بادشاہ نے ہلاک ہونے والوں کو خراج تحسین پیش کیا۔

بورژوازی کی غداری

عوام کی بادشاہت کے خلاف فتح، ان کے لیے پہلی اور آخری ثابت ہوئی، برلن مزدوروں نے جس جرات اور بہادری سے مزاحمت کی، جرمن بورژوازی اس پر نظر رکھے ہوئی تھی وہ وزراء جنہیں بادشاہ نے نئی کابینہ میں لیا تھا۔ یہ بینکاروں اور سرمایہ داروں کے نمائندے تھے اور بادشاہ کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرر ہے تھے، انہوں نے بادشاہت اور امراء کے ساتھ سمجھوتہ کر کے مزدوروں کی انقلابی تحریک کا راستہ روکنے کا منصوبہ تیار کیا، یہ تمام جرمن بورژوازی کا مجموعی رویہ تھا وہ لوگوں سے خوفزدہ تھے اوران کے مفادات سے غداری کرر ہے تھے، بے زمین اور غریب کسان جو اس امید میں تھے کہ انقلاب کے نتیجے میں ظالم استحصالی نظام اور جاگیرداریت سے آزادی مل جائے گی ان کی امیدیں ایک مغالطہ ثابت ہوئیں۔ مئی 1848ء میں قومی اسمبلی کا اجلاس برلن میں شروع ہوا تو اس نے ان تمام مطالبات کو مسترد کر دیا جو کسانوں کی طرف سے پیش کیے گئے تھے۔ بورژوازی نے نہ صرف مزدوروں سے بلکہ کسانوں سے بھی غداری کی۔ بورژوا راہنماؤں نے مشترکہ طور پر بادشاہ سے گزارش کی کہ وہ فوجی دستوں کو واپس دارالحکومت بلوالیں۔ اس گزارش کو فوری طور پر قبول کر لیا گیا۔

کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کے علمی کارنامے

1848ء جرمن پرولتاریہ ابھی خاصی کمزور تھی اومزاحمت کو کامیاب بنانے کے لیے غیر منظم تھی کہ وہ بادشاہت، امراء اور بورژوازی کا مقابلے کر سکے۔ سائنسی کمیونزم کے عظیم بانی، کارل مارکس اور اینگلز جلد ہی اپنے آبائی وطن جرمن واپس آ گئے جب سے وہاں انقلابی تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ یہ دونوں عظیم انقلابی ڈرائینگ روم کے انقلابی نہیں تھے بلکہ وہ ہمیشہ انقلابی تحریک کے دوران پیش پیش رہے۔ جرمن میں انہوں نے ایک مرکزی دفتر کولون کے صنعتی علاقے میں قائم کیا۔ اب انہیں اس سوال کا سامنا تھا کہ کس طرح ترقی پسند قوتوں کو منظم کیا جائے، کولون میں کارل مارکس نے ایک اخبار جاری کرنے کا فیصلہ کیا جس کا سلسلہ انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کرنا تھا، مارکس اور اینگلز نے جرمن عوام کے لیے ایک واقع عملی پروگرام تشکیل دیا جس میں کہا گیا کہ جرمن جاگیرداروں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا جائے، جرمن میں مکمل طور پر جاگیردارانہ معاشرہ کا خاتمہ، اور ایک متحدہ جمہوری ریپبلک جرمن کا قیام، اس جامع پروگرام کو مارکس نے اخبار "New Rheinisne Zeitung" کے صفحات پر شائع کیا۔ اس مضمون نے کئی لوگوں کو متاثر کیا۔ ابھی تک وہ مخصوص صورتحال جو جرمن تاریخ میں پیدا ہوئی ایسا

اخبار اس قابل نہیں تھا کہ تمام ترقی پسند قوتوں کو اکٹھا کر سکے۔ علاوہ اس کے اخبار کی عمر ایک سال سے بھی کم ثابت ہوئی۔ آخری شمارہ مئی 1849ء کو جاری ہوا جبکہ انقلاب دشمن قوتوں کو پہلے ہی غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔

انقلاب مخالف لہر

مئی 1848ء کے آغاز میں، آل جرمن آئین ساز اسمبلی کا اجلاس فرینکفرٹ میں ہوا، جس کا مقصد تمام جرمنوں کو متحد کرنا تھا۔ جمہوریت پسند اس اسمبلی سے بے شمار امیدیں وابستہ کیے بیٹھے تھے، کیونکہ یہ علم امتحانیات کے نتیجے میں منتخب ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسا پلیٹ فارم بن گیا تھا جو عوامی مفادات کے لیے کام کرتے ہیں یا اختیار میں ہو سکتا تھا۔ اس اسمبلی کی اکثریت بورژوازی کے اعتدال پسند اراکین کی تھی۔ ان میں پروفیسر اور قانون دان تھے۔ انہوں نے طویل تقاریر کیں ان کے خیالات مجرد تھے اور یہ فن تقریر میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے تھے لیکن ان کے پاس سیاسی مسائل کے حل کا کوئی خاکہ نہیں تھا۔ پیرس میں جون کی، فروری کی بغاوت کے بعد فرینکفرٹ اسمبلی کے اراکین بورژوازی میں محنت کشوں کے خلاف ایک قوت اور دشمن دیکھ رہے تھے، وہ اس انقلاب مخالف لہر سے خوفزدہ تھے اور آنکھیں بند کیے ہوئے تھے جس کی تشکیل پورے ملک میں ہو رہی تھی انہوں نے اپنی طویل اور غیر موثر تقریروں کا سلسلہ جاری رکھا اور جرمن آئین کی خصوصیات بیان کرتے رہے ___ اسی دوران پروشیا میں انقلاب دشمن قوتیں جن کی قیادت جنکر کر رہے تھے (زمیندار طبقہ) نے حملہ کیا۔ پروشیا کے بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا جس میں کہا گیا (9 نومبر 1848ء) کہ آئین ساز اسمبلی کو برلن سے ایک چھوٹے صوبائی قصبے برانڈن برگ منتقل کر دیا جائے اس نے تمام وزراء کو برخاست کر دیا اور ان کی جگہ اپنے حامیوں کو وزیر بنا لیا۔ آخر کار اس کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ اسمبلی کو ختم کیا جا رہا ہے۔ سرکاری طور پر دسمبر میں اسمبلی کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا، تاہم اسمبلی کے اراکین یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے آخر کار انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ فریڈرک ولیم کو جرمنی کے تاج کی پیشکش کی جائے او ریہ شخص رجعت پرستانہ نظریات کی وجہ سے مشہور تھا لیکن فریڈرک نے تاج قبول کرنے سے انکار کر دیا، پروشیا کے بادشاہ نے فرینکفرٹ پارلیمنٹ کا تیار کردہ آئین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ایسا ہی جرمنی کے دیگر حکمرانوں نے کیا۔ ڈریسڈن میں انقلابی جمہوریت پسندوں اور مغربی ریاستوں نے 1849ء مئی میں ایک بغاوت کا انتظام کیا۔ اینگلز نے اس مسلح بغاوت میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شانہ بشانہ آزادی کی اس لڑائی میں حصہ لیا۔ باغیوں کی اس دلیرانہ مزاحمت کے باوجود تحریک کمزوری اور غیر منظم تھی۔ اس لیے ایک زبردست فوج کے مقابلے میں عوامی لحاظ سے کم افراد کی شکست ناگزیر تھی۔ پروشیا کے

فوجی دستوں کی مداخلت نے شکست کو مزید قریب کر دیا، اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ فرینکفرٹ اسمبلی وقت سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔ اسمبلی کا خاتمہ اور بغاوتوں کا کچل لیا جانا انقلاب دشمن قوتوں کی فتح تھی۔

سلطنت آسٹریا میں، انقلاب اور ردانقلاب

کثیر القومیتی آسٹریائی سلطنت میں انقلاب کا سوال کئی ایک دیگر معاملات جو فرانسیسی اور جرمن صورتحال سے بہت مختلف تھے، کی وجہ سے پیچیدہ تھا۔ اس سلطنت کے انقلابی کارکنوں کو صرف یہی مقصد حاصل نہیں کرنا تھا کہ مطلق العنان جاگیردارانہ شہنشائیت کا خاتمہ کر دیا جائے بلکہ اس کے ساتھ جاگیردارانہ استحصال کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں کو آزاد کروانا بھی تھا۔ ہنگری، چیک، سلوواکس، رومانی، ہ یوکرائن، پولینڈ، کروٹ اور سرب کے باشندے ہیپس برگ کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے اور یہ تمام لوگ آزادی اور خودمختاری چاہتے تھے۔ 13 مارچ 1848ء کو جیسے ہی ویانا میں عوامی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی اور قابل نفرت اور ظالم میٹرنچ ملک چھوڑ کے بھاگ گیا، سلطنت کے استحال زدہ افراد زبردست طریقے سے پرتشدد انقلابی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔ 15 مارچ کو ہنگری میں انقلاب برپا ہوگیا، ہنگری والوں کے پاس ایک عظیم باصلاحیت انقلابی راہنما ساندور پٹیوفی ا(1823ء 1849ء) اور مہیا اا لے ٹینیس (1799ء .1884ء) مل گئے۔ پراگ اور دوسرے چیک قصبوں میں انقلاب برپا ہوگیا، یوکرائن، کروشیا اور جنوبی سلاو ریاستوں میں بھی ایسے ہی حالات پیدا ہوگئے۔ آسٹریائی سلطنت میں انقلاب ایک ہی طرح کی صورت اور نوعیت سے بہت دور تھا اور یہ کئی انقلابات پر مشتمل تھا۔ ہیپس برگ کے خلاف اس بغاوت کی سب سے بڑی کمزوری اتحاد کا فقدان تھا۔ نہ صرف انفرادی طور پر وہ اس تحریک میں شامل ہونے میں ناکام رہے بلکہ وہ ایک دوسرے کی کامیابیوں کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے اور مشترکہ دشمن کے خلاف نہ لڑ سکے، اس صورتحال میں بورژوازی اور اعتدال پسند ایک بار پھر بزدلی کا شکار ہوکر کوئی فیصلہ کرنے میں ناکام رہے۔ عوام کی حمایت حاصل کرنے کی بجائے اور محنت کشوں، کسانوں اور مزدوروں کے مطالبات کو آگے بڑھانے کی بجائے انہوں نے حکومت اور آسٹریائی امراء کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی۔

انقلاب ہنگری اور اس کو شکست

جون 17, 2, 1848ء کو فیلڈ مارشل پرنس ونڈچ گریٹز کی افواج نے پراگ میں ایک بہادرانہ طور پر کی گئی ایک باجرات عوامی بغاوت کو کچل ڈالا۔ اکتوبر کے آخر اور نومبر کے شروع میں مذکورہ فوج کے کمانڈر نے انتہائی ظالمانہ انداز میں، ویانا میں ایک جمہوری مزاحمت کو کچل ڈالا۔ 14 اپریل 1849ء کو

ہنگری نے ہپس حکمرانی سے آزاد ہونے کا اعلان کر دیا۔ باصلاحیت اور محبِ وطن راہنما راجس III کوسُتھ کی قیادت میں، آزاد ہنگری نے سابقہ استحصالیوں کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ آسٹریائی بادشاہ فرانز جوزف خوفزدہ تھا کہ وہ اس قابل نہیں کہ ہنگری کے انقلاب کو روک سکے، اس نے مدد کے لیے، زار روس نکولس اول کو پکارا، زار روس کی مداخلت سے وقتی طور پر انقلاب ہنگری شکست سے دوچار ہوا، روس کے انقلابی جمہوریت پسند الگزینڈر ہرزن اور نکولائی چرنسکوئی نے زار کے عمل کے خلاف بطور احتجاج آواز بلند کی لیکن وہ اس قابل نہیں تھے کہ صورتحال کو تبدیل کر سکیں۔ اگست 1849ء کو ہنگری کا انقلاب شکست پر ختم ہوا___ اٹلی میں انقلابی جدوجہد کا پھوٹ پڑنا اور فرانس کی دیگر ریاستوں میں انقلابی تحریکیں، بلجیم، سپین اور سوئزلینڈ میں اٹھنے والی تمام تحریکیں زبردست طور پر کچل دی گئی۔ پورے یورپ میں انقلاب دشمن قوتوں کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اگرچہ 1848ء کا انقلاب ناکام ہوا، لیکن اس نے بعدازاں یورپی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ صرف یہ نہیں کہ لوگوں نے کئی ایک رعایتیں حاصل کر لیں۔ خاص طور پر زرعی غلام داری کا خاتمہ، ریاستی جبر میں کمی، آسٹریائی سلطنت کے فوجی جبر میں کمی، خود جرمن میں اعتدال پسند بورژوا اصلاحات، ان انقلابات میں یورپ کے انقلابیوں کو جدوجہد کے تجربات اور قوت فراہم کی اگرچہ انقلابات وہ مقاصد حاصل نہ کر سکے جن کا تعین کیا گیا تھا لیکن پرولتاریہ ایک وسیع اور بااثر قوت بن گئی تھی۔ یہ بات بھی واقع ہوئی کہ آزادی اور انقلاب صرف عوام اپنی قیادت بھی محنت کش دستے کے پیچھے چلتے ہوئے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے محنت کشوں، پرولتاریہ اور دیگر نچلے طبقات کے ساتھ اتحاد ضروری تھا۔ 1848ء، 1849ء کے انقلاب کے تجربات اور ردانقلاب قوتوں کی لہر سے، یہ بات سمجھ میں آئی کہ مختلف قومیتوں کے نچلے طبقات کے درمیان اتحاد لازمی ہے اور اس مشترکہ دشمن کے خلاف جو استحصال زدہ طبقات کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتا ہے۔

I Sandor Petofi, II Mihaly Tancsics, III Lajos Kossuth

O

باب:27

روس (1800-1860) سرمایہ داری کا ارتقاء

زرعی غلام داری پر مبنی جاگیردارانہ معیشت کا زوال

19ویں صدی کے شروع میں، وہ قوتیں جنہیں آخرکار جاگیردارانہ سماجی ڈھانچے کو توڑنا تھا ار زرعی غلام داری نظام کا خاتمہ کرنا تھا، وہ نشو ونما اور تقویت حاصل کرنے لگیں۔ یہ سلسلہ عمل بتدریج صورت میں، ابتدائی سرمایہ دارانہ ارتقاء کے ساتھ کچھ عرصہ پہلے ہی شروع ہو چکا تھا اور اب یہ نظر آ رہا تھا کہ قدیم سماجی نظام متروک ہو رہا ہے جو کہ ملکی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس وقت روسی صنعتی میدان میں ترقی کرنے لگے تھے، زیادہ سے زیادہ فیکٹریاں وجود میں آ رہی تھیں جن میں تنخواہ دار ملازموں کی ضرورت تھی۔ کسان ابھی تک زمینوں سے منسلک تھے، اور یہ زمیندار کی ملکیت کہلاتے تھے۔ یہ صورتحال محنت کشوں طبقات کی بہتری کی ذمہ دار تھا۔ تجارت بڑھ رہی تھی اور اندرونی منڈی میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن محنت کش طبقہ کی اکثریت آزادانہ طور پر معاشی زندگی گزارنے سے محروم تھی، اور تجارت میں عام آدمی براہ راست شریک نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اقتصادیت کا ایک دائرہ عمل زرعی غلام داری کی وجہ سے رکاوٹ کا شکار ہے۔ ایک نیا طبقہ بورژوازی وجود میں آ رہا تھا لیکن اس کا ارتقاء جاگیردارانہ سماج اور اس کے ضابطوں کی وجہ سے رکا ہوا تھا یہاں تک کہ ایسی صورتحال پیدا ہوگئی کہ زرعی غلاموں کے تاجر، یا مالکان فیکٹری بے تحاشا منافع اکٹھا کر رہے تھے۔ ان کے پاس سینکڑوں محنت کش تھے جو بطور زرعی غلام مالکان اراضی کے پاس رجسٹر تھے اور ان زمینداروں کے پاس اختیار تھا کہ وہ ان زرعی غلاموں کو فروخت کر سکتے تھے اور ان کی دولت بھی چھین سکتے تھے۔ زراعت میں سرمایہ دارانہ تعلقات کی بنیاد اس وقت پیدا ہوئی جب کسانوں کے پاس اپنی ملکیتی ہونے لگیں اس وقت کئی ہے

غلام لوگوں کی طرف سے تحریکیں اٹھنے لگیں اور بغاوتوں کو 1812ء کی حب الوطنی کی جنگوں کے بعد دوبارہ تقویت ملنے لگی۔ حب الوطنی کی جنگ کے بعد کسانوں نے کہا تھا ''ہم نے اپنے مادر وطن کو ظلم سے آزاد کروایا، اور اب ہم اپنے ہی آقاؤں کے ظلم کا شکار ہیں''، ''بادشاہ اور عوام کے درمیان جدوجہد'' جس نے تمام یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، اب یہ روس میں پھیل رہی تھی (20-1818) ڈان کے علاقے میں کسانوں کی بڑی بغاوتیں ہوئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ زار کی افواج اور انتظامیہ میں عدم اطمینان اور بے چینی بڑھ رہی تھی۔ 1812ء کی جنگ کے بعد سلطنت کا اہم ترجمان آرک چیف تھا جو الیگزنڈر اول کا دوست تھا اور اسے ''تمام روس کا استحصال کرنے والا'' کہا جاتا تھا۔ آرک چیف کے حکم سے فوج میں ایسے افراد جن میں حریت پسندی کا جذبہ تھا یا مشکوک تھے، انہیں کوڑے مارنے کا رواج شروع ہوا۔ نووگورڈ کے قریب کئی دیہاتی علاقوں میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ کسانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی فوجی اور زرعی خدمات بیک وقت ادا کریں۔ کھیتوں میں کام وردی پہن کر کرنا پڑتا تھا، سخت مشقیں کروائی جاتی، معمولی سی غلطی پر سخت کوڑے مارے جاتے۔ یہاں تک کہ ان کی بیویاں اگر وقت پر کھانا تیار نہ کرتیں اور رات دیر تک بتی جلتی رہتی تو اس پر بھی سزا دی جاتی، کسانوں کو ان کی کچھ زمینوں سے محروم کر دیا گیا اور انہیں پابند کیا گیا کہ وہ پیداوار فروخت نہیں کر سکتے چنانچہ ہر فوجی آبادکاری سکیم کا طریقہ رجعت پرستانہ جاگیرداری نظام کو قائم رکھنے کا طریقہ تھا۔

خفیہ سوسائٹیاں

روس میں خفیہ سوسائٹیاں وجود میں آ گئیں۔ جب دسمبر 1825ء میں پہلا انقلاب برپا ہوا تو اس وقت سے روسی انقلابیوں کو دسمبری کہا جانا لگا تھا۔ دسمبر دراصل وہ معزز طبقہ سے تعلق رکھنے والے نوجوان افسر تھے، جنوں نے نپولین کے خلاف مزاحمتی جنگ میں حصہ لیا تھا، اور انہیں سیاسی شعور اس جدوجہد کے دوران حاصل ہوا، اگرچہ ان کا تعلق زمیندار اشرافیہ سے تھا، ان کا پس منظر انہیں زرعی غلام داری کو ختم کرنے کے عمل سے روک رہا تھا جو اس وقت سماج کی سب سے بڑی برائی تھی۔ انہیں نے تسلیم کر لیا تھا کہ روسیوں کا سب سے اہم مقصد زرعی غلام داری کا خاتمہ، اور اشرافیہ سے نجات حاصل کرنا تھا، دسمبری حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے، ایک نئے نظام کا تقدر لیے ہوئے تھے انہوں نے اپنے ہمدرد فوجیوں کے ساتھ مشورہ کر کے اشرافیہ اور زرعی غلام داری نظام کے خاتمے کے لیے مسلح جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا اور آبادی کی تمام پرتوں سے مل کر ایک نئے معاشرے کے قیام کے لیے ایک نئے

آ ئین کی تشکیل کی جائے۔ اس آ ئین کا مسودہ شمال سوسائٹی جس کی قیادت نکیتا مبوراؤیف اور جنوبی سوسائٹی جس کی قیادت پاویل پاسٹل کے ہاتھ میں تھی، نے تیار کیا___ اگ اس آ ئین کو نافذ کر دیا جائے تو یہ ایک زبردست انقلابی ارتقاء ہوگا۔ اس سے جا گیردار امراء کا اثر کم ہوگا اور زرعی غلام داری کا خاتمہ ہوگا اور ملک میں بڑی تیزی سے سرمایہ دارانہ ارتقاء ہوگا___ خفیہ سوسائٹی کی ممبرسپ بڑی تیزی سے بڑھتی رہی اور اس میں خوشحال طبقات کے بھی کئی لوگ شریک ہوگئے۔ شاعر کونڈراتے ریلیئف نے ایک اور شاعر الیگنڈر بیٹوچیف کے ساتھ مل کر انقلابی گیت لکھے تاکہ لوگوں تک اپنا پیغام پہنچایا جا سکے___ اپنے مادر وطن میں سماجی تبدیلی کے لیے یہ انقلابی زار شاہی کے خلاف مسلح ہو کر 1825ء دسمبر میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ دسمبریوں کو بعد میں ''آزادی کے لیے چمپئن'' کہا گیا___ نومبر 1825ء میں زار الیگنڈر کی موت اچانک ہوگئی اور نئے بادشاہ کی رسم تاجپوشی کے دوران صورتحال انتہائی کشید ہوگئی۔ زار کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے اس کی جگہ، اس کا بھائی کنسٹائن کو تخت نشین ہونا تھا۔ کنسٹائن (Constantine) نے خفیہ طور پر تاج سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگلا بادشاہ، اس کا ایک اور بھائی نکولس ہوگا، جو فوج میں انتہائی غیر مقبول تھا۔ اس دوران عوام اور فوج نے کنسٹائن سے وفاداری کا اعلان کر دیا۔ اس دوران نکولس بھی خاموش نہیں رہا۔ آخر کار تاجپوشی کا مسئلہ کشیدگی میں اضافے کا باعث بنا___ نکولس اول نے حلف اٹھانے کا فیصلہ کیا اور تاجپوشی کے لیے 14 دسمبر کا دن طے کیا۔ خفیہ سوسائٹی کے اراکین نے بغاوت منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنی رجمنٹوں کو سینٹ سکوائر لے گئے تاکہ سینٹ کو بادشاہ سے وفاداری کا اظہار کرنے سے روکا جا سکے۔ انہوں نے روسی عوام کے نام ایک منشور تیار کیا، جس میں زرعی غلام داری اور حکومت وقت کے خاتمہ کے لیے کہا گیا۔ منشور میں یہ بھی کہا گیا کہ آ ئین ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد کیا جائے جس میں یہ فیصلہ کیا جائے کہ روس میں محدود بادشاہت ہونی چاہیے یا اسے ایک جمہوری ملک ہونا چاہیے، اور پھر ایک نئے آ ئین کے تحت حکومت کا انتخاب کیا جائے۔ اس دستاویز میں تحریر وتقریر کی آزادی، مذہبی آزادی اور پریس کی آزادی کے لیے کہا گیا اور فوجی خدمات کی مدت میں کمی کا وعدہ کہا گیا۔ جنوب میں ایک اور مسلح بغاوت کی تیاریکی گئی جس کا مطلب، سینٹ پیٹر برگ کی بغاوت سے مطابقت پیدا کرنا تھا___ کوئی تین ہزار باغی فوجی سینٹ سکوائر میں آئے جس کی قیادت دسمبر افسران کر رہے تھے۔ ایک زبردست مجمع اکٹھا ہو گیا جو انقلابی احتجاج کے ساتھ مخلص تھا تاہم دسمبری عام لوگوں پر انحصار کرنے میں عجلت سے کام لے رہے تھے۔ وہ اپنے منشور کا اعلان نہ کر سکے اور ان کے منصوبے پر عمل درآمد بھی نہ ہو سکا۔ ایک شام ہے، دسمبریوں نے اپنی صفوں میں سے ایک آمر کا انتخاب کر لیا۔ جو سوسائٹی

کارکن تھا۔ شہزادہ ٹروبٹسک ___ (Troubetskoy) تاہم وہ چوک میں نہیں پہنچا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر غداری کا مرتکب ہوا، طویل انتظار کے بعد دسمبریوں نے ایک اور راہنما شہزادہ اوبلینکی کو منتخب کر لیا___ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی ___ نکولس اول نے اقتدار سنبھال کر، اپنے وفادار فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ مجمع پر گولی چلا دیں اور بغاوت کچل دی گئی۔ بغاوت ناکام سہی لیکن یہ روسی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی___ اور کہا جا سکتا ہے کہ انقلابی جدوجہد کا آغاز ہو چکا تھا اور روس کی بعد ازاں نسلوں نے زرعی غلامی نظام اور شخصی حکومت کے خاتمہ کے لیے زبردست جدوجہد کی۔

زرعی غلام داری کا بحران

روسی جاگیردارانہ معاشرہ میں بحران اس وقت اس قدر شدید تھا جو کہ پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ ترقی پذیر سرمایہ دارانہ سماجی تعلقات اور متروک شدہ جاگیردارانہ معاشرے میں تضاد، روز بروز تیز ہوتا جا رہا تھا۔ 1830ء کے بعد، چند ایک مینوفیکچر رفیکٹریوں کے قیام کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے او رصنعت میں دستی محنت کی جگہ مشین لے رہی تھی۔ مشینری کی آمد تنخواہ دار محنت کشوں کی ضرورت کو محسوس کر رہی تھی اور ان پڑھ کسانوں کی بجائے تربیت یافتہ اور پڑھے لکھے مزدوروں کا تقاضا کر رہی تھی۔ سرمایہ داری کے ارتقاء سے ایک نیا طبقہ وجود میں آ گیا۔ ''پرولتاریہ'' 1837ء میں ملک میں پہلی ریلوے لائن سینٹ پیٹر برگ اور زاروسکی کے درمیان شروع ہو گئی اور 1851ء سے ماسکو اور سینٹ پیٹر برگ کے درمیان نئی ریلوے لائن بچھائی گئی۔ نئے آباد ہونے والے قصبوں کے لیے اور شہروں کے لیے اناج سپلائی کرنا ایک بہت بڑی ضرورت تھی لیکن زرعی ارتقاء کو روکنے میں پھر بڑی زرعی غلامی نظام حائل تھا۔

جاگیردارانہ نظام کے خلاف عوامی بغاوت اور انقلابیوں کی ایک نئی نسل

1830ء کے شروع میں ''ہیضہ فسادات'' کی ایک لہر اٹھ کھڑی ہوئی اور افواہ یہ تھی کہ زار اور اس کے اہلکاروں نے کنوؤں میں زہر ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے ہیضہ پھیل گیا ہے۔ ان افواہوں کے پیچھے حقیقی محرکات زرعی غلام داری کے خلاف نفرت تھی۔ کئی ایک باقی کسانوں نے واضح طور پر کہا کہ وہ زرعی غلام داری اور بادشاہت کے خلاف ہر ممکن کارروائیوں سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ بعد میں 1850ء میں یوکرائن میں وسیع پیمانے پر بغاوت پھیل گئی۔ زار کے افسران نے کسانوں کے لیڈر (Ustim استم کہ صیلک کو گرفتار کر لیا۔ (Karmelyu اس کے باوجود فرار حکام کسانوں کی بغاوت کو نہ روک سکے تو

انہوں نے بغاوت کو کچلنے کے لیے تو نچانے بھیجنے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہ بغاوتیں اپنے واضح مقاصد اور باہمی رابطے نہیں رکھتیں تھیں، اس لیے جلد ہی کچل دی گئیں۔ دسمبری تحریک کچلے جانے کے بعد، اب روسی انقلابی نئے سرے سے منظم ہو کر قوت حاصل کر رہے تھے۔ انقلابی جمہوریت پسند عوامی مفادات کے چمپئن تھے۔ لاکھوں غریبوں اور استحصال زدہ انسانوں کی آوازیں، اہم راہنماؤں میں الگنڈر ہرزن (1812ء-1870ء) نکولائی اور گوف (1813ء-1877ء) اور ان کے دوست ویسرا ین بیلنسکی (1811ء-1848ء) یہ لوگ زرعی غلام داری اور اشرافیہ کے سخت خلاف تھے۔ کئی انقلابیوں کے برعکس یہ براہ راست عوام سے حمایت پر یقین رکھتے تھے۔ نئے خیالات کی تشہیر میں سب سے اہم کردار بیسنکی نے ادا کیا، عوام کا ایک پر جوش مبصر، ترقی پسند نسل کا ہیرو اور درمیانے طبقے کی انقلابی پرت کا ہراول، کارکن، ہرزن، اور گوف، بیسنکی، انہوں نے صرف زرعی غلامی داری کے خاتمے کا مطالبہ ہی نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس معاشرے کا قیام کی بات کی، جس میں انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال نہیں ہوگا لیکن یہ لوگ ان سائنسی طریقوں سے متعارف نہیں تھے جن کی بنیاد پر استحصال سے پاک معاشرہ قائم کیا جا سکتا، چنانچہ ان کو بھی خیالی سوشلسٹ کہا جاتا ہے۔ مسلسل گرفتاریوں اور جلاوطن کیے جانے کے سلسلے کی وجہ سے ہرزن موثر طور پر اپنی پروپیگنڈہ مہم جاری نہ رکھ سکا اور وہ مغربی یورپ کوچ کر گیا جہاں اس نے زار کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ یہاں اس کی ملاقات جلد ہی اپنے دوست اوگاریف سے ہوگئی، ہرزن نے سلطنت روس کی سرحدوں سے باہر پہلا آزاد پریس قائم کیا جس نے مطلق العنانیت اور زرعی غلام داری کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس نے ان مذکورہ سماجی اور سیاسی ڈھانچوں میں پوشیدہ برائیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا، جس نے روسی عوام کو صدیوں سے پسماندگی اور جاہلیت میں جکڑا ہوا تھا۔

ثقافتی حاصلات (انیسویں صدی کے پہلے نصف میں)

زبردست دور غلام داری کے شکنجے اور کسانوں پر کیے جانے والے استحصال کے باوجود، ثقافت کو انقلابی تحریکیوں کے نتیجے میں شاندار ترقی حاصل ہوئی۔ عدم انصاف کے خلاف جدوجہد اور پروپیگنڈہ مہم چلاتے ہوئے کئی ایک روسی لکھاریوں، موسیقاروں اور فنکاروں نے غیر معمولی معیار کے کارنامے انجام دیئے جس سے عوامی فنکارانہ روایات کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔ روسی زندگی کی ایک واضح تصویر عالمی شہرت یافتہ اور مستند لکھاری پوشکن اور مسونوٹوف کی تحریروں میں ملتی ہے۔ یہ ان کے لازوال کارنامے ہیں۔ گوگل کی کہانیوں اور ٹرگسونوف کے ناول میں، زرعی غلام داری کو ترک کرنے اور اسے

فرسدہ سماجی نظام قرار دیا، سچ اور انصاف کی تلاش، وغیرہ ان کی تحریروں کا طرہ امتیاز ہے اس کے علاوہ پوشکن کی تحریروں میں نفسیاتی خاکے وغیرہ اس وقت یہ ادب عوام کے لیے علم وآ گہی کا باعث بنا، لوگوں کے شعور میں اضافہ ہوا، اس ادب میں ایک پیغام ہے کہ لوگ ناانصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اس دوران میں روسی موسیقی اپنے کمال پر پہنچی، میخائل گینعا ایک عظیم موسیقار تھا۔ زرعی غلام داری کے خلاف ایک مشہور مصور پاویل فیڈوٹوف نے بھی شاندار تصویر پیش کی ہے ___ سائنس کے میدان میں اہم پیش رفت ہوئی۔ نکولائی لوباچیوسکی نے جیومیٹری کے علم میں اہم اصول دریافت کیے۔ ایک ممتاز کیمیادان نکولائی زائینن پہلا سائنس دان تھا جس نے رنگوں کی آفیریشن اور ان کے متعلق سائنسی معلومات حاصل کر کے صنعت کے میدان میں ایک نئے شعبے کی بنیاد رکھی۔ نکولائی پیروگوف نے سرجری کے میدان میں جراثیم کشی اور بے ہوش کرنے کے متعلق کئی دریافتیں کیں لیکن اس دور کا روسی کلچر انسانیت کے لیے، محبت واحترام کا درس دیتا ہے اور جدوجہد کا پیغام، جس سے معاشرے کی بہتری ہو۔ نئے سماجی نظام کے قیام کی دعوت ___

جنگ کریمیا (1853-1856ء)

روسی معاشرے میں جبلی طور پر موجود تضادات اس وقت سے زیادہ شدید ہو گئے جب ایک طرف روس اور دوسری طرف فرانس اور برطانیہ کے درمیان 1853ء میں جنگ چھڑ گئی۔ اس زار اور اس کی حکومت خود کو استحکام اور قوت سے بڑی دور محسوس کر رہی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ سلطنت ترکی کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باسفورس اور درۂ دانیال پر اپنا قبضہ مضبوط کیا جائے اور اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ بحراسوس سے بحراوقیانوس تک بحری راستے محفوظ رہیں گے۔ اس سے زمینداروں کے مفادات، ریوینو میں اضافہ، جنوبی صوبوں کی ترقی اور زرعی غلام داری کے نظام کے زوال کو روکنا مقصود تھا تاہم طاقتور اور ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ریاستیں برطانیہ اور فرانس خاموش تماشائی بن کر روسی قوت کو مشرقی وسطیٰ میں بڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں اور وہ کریمیا اور کاکس کو پھر جلتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جنگ میں روسی پس ماندگی کا اس وقت اندازہ ہوا جب روسی نیوی بادبانی اور سادہ جہازوں پر مشتمل تھی جبکہ فرانس، برطانوی بحریہ پہلے ہی دخانی جہاز سمندروں میں لا چکی تھی۔ ان کی افواج توپخانہ اور اسلحہ کے لحاظ سے روسیوں سے بہت بہتر تھی۔ پس ماندہ مواصلاتی نظام جلد ہی بری طرح متاثر ہو گیا اور روسی بحریہ اپنے مرکز سے کٹ کے رہ گئی۔ کھانے کے سامان اور بارود کی سپلائی بند ہو گئی یا پھر اس میں کافی دیر لگ جاتی۔

ان تمام مشکلات کے باوجود روسی فوجوں کی بہادری نے دشمن کی افواج کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا، ایڈمرل ناکی ماوف، کی قیادت میں جنگ نے سانیپ س روسی افواج نے کامیابی حاصل کی۔ اتحادیوں کی طرف سے سینٹ پیٹر برگ کا محاصرہ کرنے کی کوشش میں انہوں نے اپنی تمام افواج جزیرہ نما کریمیا میں اکٹھی کر دیں۔ اتحادیوں نے سیواسٹوپل کی طرف پیش قدمی کی لیکن ناکامی سے دوچار ہوئے لیکن انہوں نے محاصرے کی حالت کو 349 دن تک جاری رکھا۔ روسی دستے ایڈمرل ناکیموف، کارنیلوف اور اسٹیف اسٹومن (Istomin) کی زیر قیادت تھے۔ نوکلائی میرووف، جو دسمبریوں کا ایک دوست تھا۔ اس کی قیادت میں کاکس اور کریمیا پر اپنا قبضہ برقرار رکھا گیا۔ جنگ کا خاتمہ معاہدہ پیرس کی تحریر پر ہوا، لیکن اس کی شرائط روس کے لیے بڑی کڑی تھیں۔ اس کو بحیرہ اسود میں جہاز رانی کے حق سے محروم کر دیا گیا اور ساحلی علاقوں میں بنائی گئی تمام قلعہ بند تنصیبات کو گرانے کے لیے کہا گیا۔

انقلابی صورتحال کا ظہور اور زرعی غلام داری کا خاتمہ

جنگ کریمیا جاگیردارانہ بنیادوں پر قائم روس کے کھوکھلے پن کی علامت تھی۔ عام آدمی نے اس جنگ کے نتائج کو بری نظر سے دیکھا جن میں بے پناہ جانی اور مالی نقصان ہوا اور بے پناہ غربت پھیل گئی، لوگ مختلف صورتوں میں حکمران طبقے سے نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ حکمران طبقہ پرانے سماجی ڈھانچے کو قائم رکھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ لوگ اعلان جاگیردارانہ ڈھانچے میں رہنے سے انکار کر رہے تھے۔ جاگیردار آقاؤں کے لیے اب مشکل ہو رہا تھا کہ وہ مزارعین پر اپنا کنٹرول برقرار رکھ سکیں وہ سابقہ شرائط پر بات کرتے جبکہ کسان اس کے لیے تیار نہ ہوئے چنانچہ بعد میں لینن نے ایسی صورتحال کو انقلابی تبدیلی کہا ہے۔ مارکس اور اینگلز نے اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ انقلاب، انقلابی صورتحال سے پہلے رونما نہیں ہوتا اگرچہ ہر ایک انقلابی صورتحال انقلاب کو جنم نہیں دیتی۔ بڑی دلیل، کہ کیوں انقلاب (1861ء-1859ء) نہیں ہو سکا، تو یہ کسان باغیوں کی نا قابلیت تھی کہ وہ تختہ نہیں الٹ سکے اور نہ ہی زار کی قوت کو محدود کر سکے، وہ عوامی سطح پر اپنی قوتوں کو یکجا نہیں کر سکے۔ حکومت نے اس انقلابی خوشبو کو سونگھ لیا تھا اور اس نے رعاتیں دینے کا فیصلہ کیا اور کئی ایک اصلاحات کا اعلان کر دیا۔ 19 فروری 1861ء زار الیگزنڈر دوم (1881-1855) نے ایک نئے قانون کا اجراء کیا جس میں زرعی غلاموں کو آزاد کیا گیا اور لوگوں کے لیے ایک منشور کا اعلان کیا جس میں غلام داری عہد کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اصلاحات اس طرح کی گئیں کہ زیادہ سے زیادہ مالکان اراضی کے مفادات کا تحفظ ہو سکے اور کسانوں کو یقین دہانی کروائی گئی کہ انہیں

بلا معاوضہ زمینیں دی جائیں گی، لیکن عملی طور پر کچھ نہ ہوا، تھوڑی تھوڑی زمینیں بھاری معاوضوں پر انہیں دی گئیں۔ ان کی قیمت اتنی زیادہ تھی کہ اگر وہ عمومی طور پر اتنا قطعہ اراضی خریدیں تو انہیں ستا مل جاتا، چنانچہ اس سے ان کی غربت میں مزید اضافہ ہوا، اور وہ جو کچھ بھی کماتے، اراضی کی اقساط، ٹیکس، قرضوں کی ادائیگی کی صورت میں واپس مالکوں کے پاس چلا جاتا___ کسانوں کا احتجاج اس وسیع پیمانے پر پہلے کبھی بھی نہیں ابھرا تھا جبکہ اس وقت زرعی غلام داری کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ کسان اپنی ''نجات'' کا جواب بغاوت سے دے رہے تھے۔ محض بارہ ماہ کے عرصے میں کم از کم ایک ہزار بغاوتیں اٹھیں ان کو کچلنے کے لیے افواج کو طلب کیا گیا اور بعض جگہوں پر توپخانہ استعمال کیا گیا۔ (Bezenda) بیزنڈا کے گاؤں میں شدید بغاوت ہوئی، جس کا راہنما کسان اینٹن پیٹروف تھا۔ ایک اور گاؤں کانڈے ییو کا جہاں کسانوں نے سرخ پرچم اٹھا رکھے تھے اور زار کے دستوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جا رہے تھے___ 1861ء کی بغاوت سے بہت پہلے، انقلابی جمہوریت پسندوں نے وسیع پیمانے پر زار شاہی اور غلام داری کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا۔ اس میں ایک اہم انقلابی کردار کولوکول (The bell) اخبار کا ہے جو ہرزن اور اوگورف بیرون ملک نکالتے اور ''جرنل'' اس کی قیادت بھی کچھ اہم انقلابی جمہوریت پسند کرتے۔ نکولائی چرنیسکی (1828ء-1889ء) نکولائی ڈوبرولیبوف (1821ء-1877ء) پر زبردست سنسر کے باوجود اخبار نکالتے، اور یہ اخبار کسان انقلاب کے نام پر زبردست مہم چلاتا۔ اس اخبار کا ایڈیٹوریل دفتر روسی انقلابیوں کے اکٹھا ہونے کا مرکز بن گیا۔ جبکہ کولوکول، روسی انقلابی جو جلاوطنی اور بیرون ملک زندگی گزار رہے تھے، ان کا ہیڈکوارٹر تھا۔ ان دونوں مراکز کا آپس میں باہمی رابطہ تھا اور وہ معلومات کا تبادلہ کرتے تھے___ روسی انقلابی ایک نئی انقلابی تنظیم قائم کرنے لگے یہ مقصد انہوں نے اصلاحات سے پہلے بھی سدھار رکھا ہوا تھا___ 1861ء میں ایک بڑی خفیہ تنظیم "Zembya volya" یعنی "Land of Freedom" ابھری۔ اس کی قیادت (Chermyshevsky) چرنیسکی اور (Dobrolyubov) ڈوبرولیبوف نے کی، جبکہ جلاوطنی میں ہرزن اور اوگورف اس کے قائد تھے۔ یہ تنظیم کئی سیاسی انقلابی دائروں کی کنفیڈریشن تھی اور ان کی سینکڑوں برانچیں پورے ملک میں پھیلی ہوتی تھیں۔ اس کا بڑا مقصد ایک ملک گیر کسان تحریک کو منظم کرنا تھا لیکن یہ تحریک امید کے مطابق منظم نہ ہو سکی۔ کسانوں کی تحریک منتشر حالت میں تھی جبکہ انقلابی مقاصد اور ان کے حصول کے سلسلے میں باہمی طور پر تقسیم تھے۔ تنظیم نے اپنی بنیادیں 1863ء میں رکھیں، اس دوران مشرقی یورپ کے کئی علاقوں میں کسانوں کی بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس دوران سوسائٹی کو اس وقت شدید نقصان ہوا جب ڈوبرلیبوف کا انتقال ہوا، اور

چرینیسکی اور دیگر کئی انقلابی گرفتار کر لیے گئے، اس سلسلہ عمل سے کسان تحریک کمزور ہوئی، تنظیم کو زارشاہی حکمرانوں نے غیر قانونی قرار دے دیا لیکن سینکڑوں انقلابی اب زارشاہی کے لیے سخت خطرہ بن گئے تھے اور اس کو محسوس کرتے ہوئے حکومت نے مزید اصلاحات کا اعلان کیا۔ (1874ء-1863ء) شہری اور دیہاتی علاقوں میں مقامی کونسلیں بنائی گئی لیکن یہ بھی زمینداروں کے مفاد کے لیے تھیں۔ان کا دائرہ اختیا رمحدود تھا اور سماجی امور میں حصہ لیتا تھا لیکن ان کونسلوں پر بھی اشرافیہ کا قبضہ تھا، جو قانونی اصلاحات 1864ء میں کی گئیں۔ یہ بورژوازی کے مفاد میں تھیں، نئی عدالتیں قائم کی گئیں، جیوری کی تشکیل ہوئی، لیکن شاہی دربار اس سے مستثنیٰ تھا اور اس کے ساتھ تعلیمی اصلاحات بھی کی گئیں چنانچہ روس کا پرانا جاگیردارانہ اور زرعی غلامی والا ڈھانچہ آخرکار ختم ہوگیا اور اس کی جگہ بورژوازی سماجی ڈھانچہ لینے لگا جو اس وقت زیادہ ترقی یافتہ اور ترقی پسند تھا۔



باب:28

ایشیا میں انقلابی تحریکیں

نو آبادیاتی پالیسی کے نئے طریقہ کار

برطانوی سامراجیت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ کمپنی اب اپنی اجارہ داری کھو چکی تھی لیکن نو آبادیاتی انتظامیہ کے بے حد مددگار تھی۔ اس کے ذریعے برطانیہ نے تمام برصغیر پر اپنا قبضہ کرلیا۔ کئی چھوٹی ریاستوں کے راجہ مہاراجہ نواب ابھی تک کمپنی کی اجارہ داری کے خلاف مزاحمت کررہے تھے لیکن وہ فوجی لحاظ سے کمزور تھے اور چاروناچار برطانوی اطاعت قبول کرتے جارہے تھے لیکن جو فوجی لحاظ سے مستحکم تھے وہ بھی مزاحمت کے قابل نہیں تھے لیکن ہندوستان کے عوام نے انگریز راج کے خلاف مزاحمت ترک نہیں کی تاہم کسی بھی طبقے میں ایسی قیادت نہیں تھی جو عوام کو ساتھ لے کر آگے بڑھ سکتی ___ راجے، مہاراجے، نواب اس پر مطمئن تھے کہ مقامی لوگوں کا ہر قسم کا استحصال کرنے کی انہیں کھلی چھٹی تھی۔ وہ علاقے جو برطانوی راج میں تھے، وہاں کے امراء جلد ہی انگریزوں کے وفادار اتحادی بن گئے ___ انگریز جہاں بھی گئے مقامی باشندوں نے اپنی آزادی برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی، جسے انگریزوں نے سختی سے کچل دیا۔ 1817ء میں مرہٹہ سلطنتوں کے ساتھ لڑائی کے بعد انگریزوں نے پیشوا باجی راؤ جس نے ان کی مزاحمت کرنے کی کوشش کی تھی، اسے پنشن دے کر علیحدہ کردیا۔ گوالیار اور ناگپور کی مرہٹہ ریاستوں پر انگریزوں نے اپنے حامیوں کو بطور حکمران نامزد کیا، وہ مرہٹہ حکومتیں جو پوری طرح انگریزوں کے غلبہ میں آچکی تھیں وہاں انگریزوں نے انگریز اقتدار اعلیٰ قائم کیا اور ریذیڈنٹ آفیسر مقرر کردیا اور مقامی طور پر ریاستوں کو ''خودمختاری'' دے دی ___ پنجاب میں سکھ اپنی حریت پسندانہ روایات سے وفادار رہے اور زبردست طور پر اپنی آزادی کا دفاع کرتے رہے۔ باصلاحیت سیاستدان اور کمانڈر رنجیت سنگھ (1780ء-1839ء) اپنے ہمسایہ سرداروں پر اپنی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوا اور اس نے

پنجاب کی مرکزی حکومت کو مستحکم کیا اور ایک مضبوط فوج کو منظم کیا۔ اس نے نہ تو کسانوں کو اپنے آزاد، خود مختار کمیون قائم کرنے سے روکا اور نہ ہی ان پر غیر ضروری طور پر بھاری ٹیکس عائد کیے جس کی وجہ سے اسے عوامی سطح پر زبردست حمایت حاصل ہوئی رنجیت سنگھ نے خود کو مہاراجہ قرار دیا اور سکھ ریاست کی سرحدیں کشمیر، ملتان اور پشاور پر قبضہ کر کے چاروں طرف بڑھ لیں۔ درحقیقت سکھ ریاست ہندوستان کی آخری آزاد ریاست تھی لیکن انگریز ایسی صورتحال کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ سندھ کو پہلے شکست دے چکے تھے اور وہ صرف پنجاب پر ہی نہیں بلکہ افغانستان پر بھی اپنا اقتدار قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ افغانستان میں انہیں یہ دلچسپی تھی کہ اس راستے سے وہ وسط ایشیا میں مداخلت کر سکتے تھے اور اس کے علاوہ ایران میں اپنا اقتدار قائم کر سکتے تھے ___ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد کمپنی نے سکھ سرداروں اور امراء کے درمیان اٹھنے والے تنازعات اور تضادات کو اپنے حق میں استعمال کیا، دو جنگوں میں یعنی (1845ء-1846ء اور 1849ء-1848ء) برطانوی فوجیوں نے اگرچہ سکھوں کو شکست دی لیکن انہیں بھی زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ اس طرح پنجاب برطانوی فوجیوں نے اگرچہ سکھوں کو شکست دی لیکن انہیں بھی زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ اس طرح پنجاب برطانوی راج میں شامل ہو گیا۔ پنجاب میں مضبوط فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں جہاں برطانوی افواج رکھی گئیں۔ برطانوی حکمرانوں نے مقامی سرداروں اور لیڈروں جنہوں نے ان کی امداد کی تھی ان کے حقوق و مفادات کو تحفظ دیا۔

ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی پالیسی کے نتائج

ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد جبکہ برما اور اسام پہلے ہر برطانوی راج میں آ چکے تھے، برطانوی بورژوازی نے استحصال کے نئے طریقے متعارف کروائے۔ کپاس، پٹ سن، چائے کی پیداوار کے لیے قلی بھرتی کیے گئے، برطانوی مال کی فروخت اور خام مال کا حصول ایک اعلیٰ مواصلاتی نظام کا تقاضا کر رہا تھا۔ 19ویں صدی کے وسط میں برطانوی تاجروں نے کلکتہ میں پہلی ٹیکسٹائل فیکٹری لگائی۔ یہاں بدحال اور غریب کسان سستے مزدوروں کی صورت میں دستیاب تھے۔ ہندوستانیوں نے بھی کئی ایک ٹیکسٹائل فیکٹریاں لگائیں، تیار شدہ برطانوی مال کی درآمد اور خام مال کی برآمد نے کئی مقامی دستکاروں کو بے کار کر دیا، جس سے غربت میں مزید اضافہ ہوا، کسانوں کے کمیون اپنی سابقہ خود انحصاری کھو بیٹھے۔ کسان محنت کا صنعتی محنت میں بدل جانا اور برطانوی مال کے لیے مقامی مارکیٹ میں وسعت آ جانا۔ اس سے زمینوں پر ٹیکسوں کی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ نیم جاگیردارانہ ٹیکس جو کسانو کو معاشی بدحالی کی طرف لے جا رہا تھا اور مقروض کسان غلام بن کر محنت کر رہے تھے۔ نوآبادیاتی انتظامیہ کی طرف سے زمین اور پانی پر نئے ٹیکس عائد کیے گئے۔ ایکسائز ڈیوٹی اور بلاواسطہ ٹیکس اس سے کسانوں کی مالی حالت مزید بری

ہوتی جارہی تھی۔ وہ علاقے جہاں نوآبادیاتی استحصال اپنے زوروں پر تھا وہاں کسانوں کے درمیان عوام اطمینان تیزی سے پھیل رہا تھا۔ مخالفت صرف کسانوں میں ہی نہیں بڑھ رہی تھی بلکہ یہ امراء کے طبقہ میں بھی پیدا ہورہی تھی اور کئی ایک ریاستوں کے حکمران بے اطمینانی کا شکار ہے۔ اب پورے ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد برطانوی انتظامیہ علاقائی سطح پر ایسی حکومتیں قائم کررہی تھی جو ان کے مفادات کے تحفظ کا باعث بنے۔ جو غریب کسانوں سے ٹیکس وصول کرے اپنے آرام اور آسائش کے علاوہ اپنے غیر ملکی آقاؤں کے مفادات کا تحفظ کریں ___ لارڈ ڈلہوزی کی گورنری کے دوران جس نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کا استعمال اس نئے قسم کے استحصالی نظام کو نافذ کرنے اور متعارف کرانے میں کیا کئی ایک ریاستیں مثلاً اودھ، ساتارا اور جھانسی ختم کردی گئیں اور انہیں برطانوی علاقہ قرار دیا گیا۔ یورپی سرمایہ ہر طرف پھیل رہا تھا۔ کسانوں کی اکثریت غربت اور معاشی بدحالی کے ہاتھوں تباہ ہورہی تھی۔

مشرق وسطی میں یورپی سرمائے کا پھیلاؤ

19 ویں صدی کے وسط میں یورپی سرمائے کا پھیلاؤ مشرق وسطی میں کئی ایک آزاد اور خودمختار ریاستوں کے دستکاروں اور فنکاروں کی غربت اور بدحالی کا باعث بنا، اس کی وجہ ان کی غیر ملکی تجارت میں زوال اور محنت کش لوگوں کی ابتر صورتحال تھی۔ یورپی طاقتیں ایران اور ترکی میں یکطرفہ ''شرائط معاہدہ'' سے اپنی پوزیشن مضبوط کرہی تھیں اور زیادہ سے زیادہ تجارتی استحقاق حاصل کررہی تھیں۔ اسی دوران مقامی سرداروں اور سلطانوں اور شاہوں نے معاشے کی بالائی پرت سے بیوروکریسی اور مذہبی مکتبہ فکر سے مل کر محنت کشوں کا زیادہ سے زیادہ استحصال کرنے لگے۔

19 ویں صدی کے پہلے نصف میں سلطنت عثمانیہ

جب سلطنت عثمانیہ اور ایران سلطنت اپنے زیر اثر کئی علاقے کھو بیٹھی اور استحصال پرور (Slav) سلاو لوگ زیادہ مضبوط ہوگئے اور علیحدگی پسند رجحان رکھنے والے طاقتور امراء اور قبائلی سردار خودمختاری کے متعلق سوچنے لگے۔ حکمران طبقے کے دوراندیش افراد نے کئی ایک اصلاحات کرنے کا فیصلہ کیا تاہم بالائی سطح سے کی جانے والی اصلاحات جن کا مقصد جاگیردارانہ شہنشاہیت کے استحکام کو یقینی بنانا تھا اور جاگیردارانہ معاشی تعلقات کے بنیادی اصولوں کو تبدیل ہونے سے روکنا تھا اس سے غیر ملکی قوتوں کے بڑھتے ہوئے غلبے کی روک نہ ہوسکی اور اس سے سلطنت کی جاگیردارانہ معیشت میں کئی ایک مسائل کھڑے ہوگئے۔ کئی ایک ناکام کوششیں جو فوجی اور انتظامی اصلاحات کرنے کے ضمن میں ہوئیں۔ سلیم سوم اور باصلاحیت بیرک داراشا کی کوششوں کے باوجود سلطنت عثمانیہ بتدریج اپنے زیر تسلط علاقوں سے محروم

ہوتی گئی یا اس پر یورپی قوتوں نے قبضہ کرلیا یا پھر غیر ترک لوگوں کی آزادی کی تحریکیں اس کا باعث بنیں ___ یونانی اور سلاو لوگوں کی جدوجہد جو جزیرہ نما بلقان میں ہوئی ان کو یورپی قوتوں نے اپنے مفادات کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال کیا۔ اس علاقے پر اثر ورسوخ کے سلسلے میں برطانیہ، روس، فرانس اور آسٹریا میں زبردست محاذ آرائی تھی۔ مغربی طاقتیں باسفورس کی طرف روسی پیشقدمی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں اور سرب (Serb) بلغاریہ اور دیگر سلاو لوگوں نے اس کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو روکنا چاہا تاہم مصر، برطانیہ اور فرانس کے درمیان بالادستی کے حصول کی لڑائی میں میدان بن گیا۔

مصر

(1820ء-1840ء) محمد علی کے عہد حکومت میں سلطنت عثمانیہ کا باقی ماندہ علاقہ مصر اپنی آزادی کے راستے پر چل پڑا تھا۔ مصری عوام کی قوت پر انحصار کرتے ہوئے جو کہ ترکی کے سخت مخالف تھے، محمد علی نے کئی ایک فوجی اور انتظامی اصلاحات کا اعلان کیا۔ اس نے صنعتی پیداوار کی حوصلہ افزائی کی، فیکٹریوں کی تعمیر کی اور فوج کو اعلیٰ اسلحہ سے لیس کیا، بارود انڈسٹری اور شپ یارڈ کی تعمیر کی، برطانوی اور فرانسیسی مصر کے ترکی پر انحصار کو مزید کمزور دیکھنا چاہتے تھے اور اس ملک کے غیر ممالک کے ساتھ بڑھتے ہوئے تعلقات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے، محمد علی کی پالیسیوں نے ملک میں زمینداروں کو مفادات کا تحفظ کیا، اور ابھرتی ہوئی بورژوازی کی حوصلہ افزائی کی جو اس وقت ترقی پسندانہ خصائل رکھتی تھی۔ ان عوامل نے مصر کی آزادی کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا، اس دوران محمد علی نے دیگر عوام کی قومی آزادی کی تحریکوں کی امداد کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس نے عربوں کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے ترک فوج روانہ کی۔ 1827ء-1829ء میں ترکوں کو روس کے ہاتھوں شکست اور یونانیوں کی قومی آزادی کی تحریک نے سلطنت عثمانیہ کو بری طرح کمزور کر دیا اور اس کی سلطنت کے کئی حصوں میں آزاد ریاستوں کا قیام بھی اس کے لیے سخت بحران کا باعث بنا، عثمانیہ فوج ایک بار پھر محمد علی کے ساتھ جنگ میں شکست کھا گئی۔ یہ جنگ Adrianpale Treaty کے فوراً بعد ہوئی۔ مصری افواج نے شام، فلسطین، سیلسیا پر قبضہ کر لیا اور اناطولیہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ روس واحد ملک تھا جو سلطان کی مدد کے لیے آیا جب اس نے یورپی طاقتوں سے مدد کی درخواست کی تھی، فرانس اپنے اثر ورسوخ میں اضافے کے لیے محمد علی حمایت کر رہا تھا۔ برطانیہ خوفزدہ تھا کہ فرانسیسی اثر ورسوخ مصر پر مستحکم ہو جائے گا اگر مصریوں نے ترکوں کو شکست دے دی ___ چنانچہ جب روسی بحری بیڑہ باسفورس میں پہنچا، اور روس کی زمینی فوجیں استنبول کے قریب پہنچیں تو یورپی قوتیں اس کو ایک خطرہ سمجھتے ہوئے ترکوں اور مصریوں کے درمیان ایک سمجھوتہ کرانے میں

کامیاب ہوئیں جس میں محمد علی نے سلطان کے برائے نام اقتدار کو تسلیم کر لیا اور اپنے فوجیوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ سلطان نے اتفاق کیا کہ شام فلسطین سیسا کے مغربی علاقے مصر کی حکمرانی میں ہوں گے۔ روسی فوجوں کو واپس بلا لیا گیا۔ معاہدہ Unkiarlisicelessi کے تحت روس نے ترکی کو فوجی امداد دینے کا وعدہ کیا اور سلطان نے وعدہ کیا کہ درہ دانیال جنگ کی صورت میں روس کے علاوہ دیگر ملکوں کے لیے بند کر دیا جائے گا۔

ترکی میں اصلاحات کی کوششیں

ترکی کے طبقہ امراء کے دور اندیش اراکین اصلاحات کی ضرورت کو محسوس کر رہے تھے کہ گرتی ہوئی شہنشاہیت کو سنبھالا دیا جا سکے۔ سلطان محمد نے جاگیردارانہ فوجی نظام کو ترک کر دیا اور جانثار کور کو توڑ دیا۔ اس کی موت کے بعد، اس نازک مرحلے پر جب محمد علی سے جنگ ابھی شروع ہوئی تھی جس میں اس نے اپنی موروثی حکومت کا مطالبہ کیا اور اس کے علاقے پر اس کی حکومت کو تسلیم کر لینے کو کہا جو اس وقت مصر میں شامل تھا۔ یہ وہ جنگ تھی جس میں یورپی قوتیں مداخلت کرنے کی پابند تھیں۔ اس کے جانشین عبدالماجد نے اصلاحات کے ایک نئے سلسلے کا آغاز کیا۔ 1839ء کا اعلامیہ وزیر خارجہ کی طرف سے جاری کیا گیا جس نے اپنی تعلیم مغرب میں حاصل کی تھی، مصطفےٰ رشید نے اعلان کیا کلہ ایک قانون منظور کیا جائے گا جس میں جائیداد کا تحفظ، زندگی کی سلامتی، اور بلاامتیاز مذہب سب شہریوں کا احترام، فوجی بھرتی کے لیے نظام کا اعلان قابل ذکر ہیں۔ ترک تاریخ میں اس دور کو ''اصلاحاتی'' عبوری دور کہا جاتا ہے اور یہ سلسلہ تین دہائیوں تک چلتا رہا جن اصلاحات کا اعلان کیا گیا تھا وہ کسی حد تک حکمران طبقہ کے مفادات کے بھی خلاف تھیں۔ زندگی، جائیداد کی ضمانت اور سلامتی۔ غیر ترکوں کا احترام، یہ سب کچھ کاغذوں پر ہی رہا۔ امراء کے بااثر افراد نے ان اصلاحات کی مخالفت کی اور جنہوں نے اس کی حمایت کی وہ بھی اس نظر سے کہ اس کثیر القومیتی شاہی ریاست کو استحکام دیا جا سکے لیکن ان کی نیت میں یہ شامل نہیں تھا کہ جاگیردارانہ معاشرہ کو تبدیل کیا جائے۔ یہ محدود اصلاحات جن میں ترامیم ہوتی رہیں۔ غیر ترک عوام کی جدوجہد کو روکنے میں ناکام رہیں۔ اور یہ غیر ملکی سرمائے کو ملکی معیشت میں آگے بڑھنے سے روکنے میں بھی ناکام رہی۔ 1840ء کی لندن کانفرنس میں مغربی قوتیں باسفورس میں راستے کے سوال کو پیش کرنے میں کامیاب رہیں، اور اسے بین الاقوامی تسلط میں دے دیا گیا۔ غیر ملکی قوتوں کی طرف سے سلطنت ترک میں سرمائے کی زیادہ مداخلت اور جنگوں نے سلطنت کی صورتحال کو اور بھی مخدوش بنا دیا، اور اسی دوران مقامی سرمائے اور معیشت کو ترقی نہ مل سکی۔ اسی دوران اس سلطنت پر یورپی طاقتوں کی طرف سے غلبہ حاصل کرنے کی کوششوں میں، ان کے مابین تنازعات میں شدت آ گئی۔ انگلستان اور فرانس نے ترک

روس جنگ میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ (56-1853ء) انہوں نے کریمیا میں ایک فوجی مہم بھیجی، (1856ء) پیرس معاہدے میں روس کو اس کے سابقہ مقبوضات سے محروم کر دیا اور بحیرہ اسود میں بحری بیڑہ رکھنے کا حق ختم کر دیا۔ لندن کانفرنس میں سلطنت عثمانیہ کی سلامتی اور تحفظ کا ذمہ دار یورپی طاقتوں کو ٹھہرایا گیا۔ ترکی اگرچہ یورپی طاقتوں کا اتحادی بن گیا تھا لیکن اس کی حیثیت نیم زیرِ تسلط ملک کی سی بن کر رہ گئی۔

ایران میں اصلاحات کی کوششیں

وہ اصلاحات جو ایران کے وزیراعظم نے کی۔ وہ سردست محدود تھیں۔ ایران میں حکمران طبقہ جو اصلاحات نافذ کرانا چاہتا تھا۔ وہ ترکی کی نسبت چھوٹا تھا۔ یہاں مرکزی قوت کو مستحکم کرنے کی کوشش، اور انتظامی نظم و نسق کو منظم کرنے کی کوشش کے پیچھے یہ محرکات تھے کہ یورپی قوتیں ایران پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا چاہتی تھیں۔ امران قوتوں کے درمیان بھی تنازعات تھے۔ یہاں منظر یہ تھا کہ روس او ربرطانیہ مدمقابل تھے۔ غیر ملکی قوتوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے، بالکل علیحدہ جو کہ ملکی معیشت کے لیے تباہی کی صورت پیدا کر رہی تھیں۔ خاص طور پر قدرتی معیشت، جو کہ پس ماندہ علاقوں میں تھی۔ اندرونی تضادات یوں شدید ہوئے کہ کسانوں کی زمینوں پر قبضہ کر لیا گیا، یہ سب کچھ شاہ کے حواری کر رہے تھے کیونکہ علیحدگی کی تحریکیں بڑھ رہی تھیں، بڑے بڑے قبائل کے خوانین باہمی طور پر متصادم تھے۔ ایران کے ان قبائل کے اندرونی تضادات کو روس اور برطانیہ اپنے اپنے مفادات کے لیے استعمال کر رہے تھے چنانچہ یہ سب کچھ تو ایشیاء اور شمالی افریقہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ عوامی بدحالی کی صورتحال بری طرح خراب ہو رہی تھی جو ایک ناگزیر مزاحمت کی طرف لے جا رہی تھی اور مزاحمت جاگیرداریت پر مبنی سماجی نظام کی وجہ سے تھی جس میں جاگیردار امراء اور شاہی افسران کو لامحدود اختیارات حاصل تھے۔ غیر ملکیوں کی سرگرمیاں جو جاگیردارانہ بحران میں مزید اضافے کا باعث بن رہی تھیں وہ ایسے ماحول کو برقرار رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ اس سماجی عمل کو روکنا چاہ رہی تھی جس میں جاگیردارانہ معاشرہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔
عوامی تحریکیں جو اس حصہ میں ابھریں اور وہ مسلح جدوجہد کی صورت اختیار کر گئیں۔ یہ صورتحال تمام نوآبادیاتی ملکوں میں سماجی ارتقاء کے ایک خاص مرحلے پر پہنچنے کے بعد پیدا ہو چکی تھی لیکن مخصوص مقامی حالات کی وجہ سے ان تحریکوں کے مختلف خدوخال تھے۔ ان ملکوں میں جہاں نوآبادیاتی نظام رائج تھا وہاں محکوم لوگ ان نئے آقاؤں کو اپنے تمام دکھوں اور استحصال کا ذمہ دار سمجھ رہے تھے۔ اس دوران وہ امراء جو غیر ملکیوں کے ساتھ وفادار نہیں ہوئے، انہوں نے بھی سرگرمی سے آزادی کی تحریکوں میں حصہ لیا۔ وہ ممالک جو اپنی سابقہ آزادی برقرار رکھے ہوئے تھے، چین، ایران، سلطنت عثمانیہ یہاں عوامی تحریکیں ان

امراء کے خلاف اٹھیں جو وہاں حکمران تھے۔ کئی مواقعوں پر مزاحمتی تحریکوں کے لیڈر جو کسانوں اور غریب شہری لوگوں میں سے تھے۔ تاریخی ارتقاء کے اس مرحلے پر، ان طبقات کے ظہور میں آنے سے پہلے جو جاگیرداریت کی منظم مزاحمت کرسکتی تھیں۔ ایسی تحریکیں جو ایشیاء اور افریقہ میں اٹھیں۔ ان میں کئی ایک میں مذہبی رنگ تھا جس میں کسانوں کی قدیم خواہش کا دخل تھا کہ بااختیار طبقات کے سب لوگ ایک جیسے ہوں گے اور تصوراتی کمیون کے قیام کے خواب، اس کا اظہار چین کی تائی پنگ بغاوت اور ایران کی بابسٹ بغاوت میں ہوتا ہے۔

ہندوستان میں جنگ آزادی (1857ء-1859ء)

1857ء کی جنگ آزادی جس کا آغاز فوج سے ہوا، اور یہ بغاوت پورے ملک میں پھیل گئی۔ اس کا سب سے اہم کردار ہندوستانی سپاہیوں کی وہ ٹولیاں تھیں جو انگریزوں کی کمان میں ملک کے مختلف حصوں میں تعینات تھیں۔ یہ سپاہی لوگ معاشی اور سماجی طور پر اتنے ہی پریشان تھے جتنے کہ ہندوستان کے دیگر عوام اور کسان وغیرہ تھے۔ ہندوستان کو فتح کر لینے کے بعد انگریزوں نے ہندوستانی عوام پر جبر کا زیادہ سے زیادہ سخت رویہ اختیار کیا ہوا تھا، فوج میں سپاہیوں کو ان کی ضروریات زندگی سے بہت کم تنخواہ دی جاتی تھی۔ جس سے وہ معاشی بدحالی کا شکار رہتے تھے اس کے علاوہ فوجی دستوں میں مذہب کی، جسے ہندوستانی اپنائے ہوئے تھے اس کی سخت تضحیک کی جاتی تھی۔ برطانوی کمانڈر سپاہیوں کی سرعام بے عزتی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انگریز ہندوستانی سپاہیوں کو افغانستان اور ایران کے خلاف جنگوں میں استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن ہندوستانی سپاہی اس عمل میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے ___ میرٹھ میں سپاہیوں کی بغاوت فوجی پیمانے پر ایک سلسلے کا باعث بنی۔ 10 مئی 1857ء کو میرٹھ کے سپاہیوں کے دستے نے اپنے ان تمام ساتھی قیدیوں کو رہا کروالیا، جو ایک روز پہلے انگریز افسران اعلیٰ کی حکم عدولی کے سلسلے میں گرفتار ہوئے تھے، اس میں انہوں نے مقامی آبادی کی بھی مدد حاصل کی اور سرکاری اسلحہ استعمال کیا۔ انگریز فوجی افسران کو قتل کرنے کے بعد سپاہی رجمنٹ قدیم دارالحکومت دلی کی طرف پیش قدمی کرنے لگی، راستے میں کسانوں کے جتھوں نے ان کے ساتھ شمولیت اختیار کیا۔ برطانوی فوجوں نے میرٹھ چھاؤنی پر تو قبضہ کرلیا لیکن قریبی دیہاتوں کے کسانوں نے کئی بار اس چھاؤنی کا محاصرہ کیا۔ دلی پہنچتے ہی باغیوں کی مدد مقامی فوج اور مقامی آبادی نے کی۔ باغی فوج کو دلی میں سے غیر ملکی فوجی چھاؤنی کو نکال باہر کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی اور انہوں نے شہر پر قبضہ کرلیا۔ عظیم مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار جو ایک بے اختیار اور کمزور بادشاہ تھے اور انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے یعنی بہادر ساہ ثانی۔ جنگ آزادی کے سپاہیوں نے اسے ہندوستان کا بااختیار بادشاہ بنادیا، بادشاہت کی بحالی کو ہندوستانی عوام نے غیر ملکی راج کے خاتمے

سے تعبیر کیا اور انہوں نے سمجھا کہ آزادی دوبارہ حاصل کر لی گئی ہے۔ دلی پر قبضہ کرنے کے بعد ملک کے دوسرے شہروں میں بھی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی جو جلد ہی وسطی ہندوستان کی گنگا جمنا وادی میں پھیل گئی۔ ان علاقوں میں مقامی حکمرانوں نے جنہیں اقتدار سے علیحدہ یا حقوق سے محروم کیا گیا تھا انہوں نے بھی باقاعدہ جدوجہد میں حصہ لیا۔ کانپور میں بغاوت کی قیادت کرنے میں اہم کردار آخری مرہٹہ پیشوا نانا صاحب کے بیٹے نے ادا کیا جسے گورنر ڈلہوزی نے حق توارث سے محروم کر دیا تھا۔ 4 جولائی کو سپاہیوں کی دو رجمنٹوں نے نانا صاحب کی مدد سے کانپور کی جیل اور اسلحہ خانہ پر قبضہ کر لیا اور تمام قیدیوں کو رہا کروا لیا۔ مقامی آبادی اور فوجی ان کی مدد میں پیش پیش تھے۔ کسانوں اور دستکاروں کے مسلح دستے منظم کیے گئے اور نانا صاحب نے اپنے پیشوا ہونے کا اعلان کر دیا اور اس نے مغل تاجدار کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیا۔ اس ماہ کے آخر تک برطانوی چھاؤنی کانپور کا محاصرہ کر لیا گیا آخرکار یہاں برطانوی فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیے، ریاست جھانسی جس پر ڈلہوزی نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا یہاں بھی سپاہیوں نے بغاوت کر دی، اور دلی کے حامیوں کے ساتھ مل گئے۔ سلطنت اودھ جس کا حال بھی جھانسی کی طرح ہوا تھا وہاں بھی جدوجہد کا اعلان ہو گیا۔ اس بغاوت کا اہم لیڈر احمد شاہ تھا۔ جو ایک امیر زمیندار تھا۔ اس کی پر جوش تقریروں نے برطانوی راج کی بنیاد اور اس کے پس پردہ محرکات سے لوگوں کو آگاہ کیا، کسانوں نے ریاست اودھ میں سب سے پہلے بغاوت کی، بغاوت لکھنو کے علاقے میں ہوئی، سپاہیوں کے دستے جو اس بغاوت کو کچلنے کے لیے بھیجے گئے تھے کسانوں کے ساتھ مل گئے۔ اسی دوران شہر میں تعینات فوجی دستوں میں بغاوت پھیل گئی اور انہوں نے شہریوں کی مدد سے شہر پر قبضہ کر لیا۔ خاندان اودھ جسے انگریزوں نے اقتدار سے محروم کر دیا تھا انہیں عنان اقتدار دوبارہ مل گیا۔ مقامی گونر کی قلعہ بند رہائش گاہ اور نواحی علاقوں کو انگریز فوجوں نے قبضے میں لے لیا۔ اس بغاوت میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں اس سے دلی اور کلکتہ کے درمیان کا وسیع علاقہ برطانوی راج سے آزاد ہو گیا اور یہ صورتحال برطانوی افسران کے لیے وجہ پریشانی تھی وہ مراکز جہاں بغاوت ہوتی تھی وہاں ان کا اقتدار انتہائی محدود تھا، جنوب میں برطانوی اپنی پوزیشن کے متعلق عدم یقین کا شکار تھے۔ برطانویوں کو اب ان لوگوں کی وفاداری پر بھی شک ہونے لگا، جنہوں نے ان کے ساتھ ہمیشہ وفاداری کا مظاہرہ کیا تھا اور ان کی سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ کہیں دارالحکومت کلکتہ میں بھی بغاوت نہ ہو جائے ___ تاہم اس جدوجہد کے کمزور پہلو جلدی سامنے آ گئے۔ مرکزی تنظیم کا فقدان، اور واضح مقاصد کا عدم وجود، اس سے سپاہی کھل کر اپنی قوت اور صلاحیتوں کا اظہار نہ کر سکے حالانکہ وہ اس سے بھی زیادہ کارنامے انجام دینے کی اہلیت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ سپاہیوں میں سے کوئی بھی حقیقی لیڈر نہ ابھر سکا، کسان اور دستکار اس جدوجہد میں بھرپور حصہ لے رہے تھے اگرچہ وہ برطانوی فرمانروائی کے خلاف لڑ رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ امراء مذہبی پیشوا اور ملاں بھی ان

کے عتاب کا نشانہ بنے جو راج سے وفادار تھے تاہم وہ امراء جو برطانوی حکمرانی کے خلاف تھے۔ سپاہیوں کی اس جدوجہد سے رابطہ قائم نہ رکھ سکے۔ نوآبادیاتیوں اور مقامی حکمرانوں کے درمیان کئی جگہوں پر اتحاد بغاوت کے مستقبل پر اثر انداز ہو، اس دوران انگریز (علاقائی اور مذہبی) مقامی تضادات کو استعمال کرنے کا ڈھنگ سیکھ چکے تھے، ہندوستانی عوام کے عدم اتحاد سے فائدہ اٹھانا ان کے طویل راج کے لیے فائدہ مند ہوسکتا تھا مثلاً پنجاب میں انگریزوں نے مقامی سرداروں کی مدد سے جو جنگ آزادی میں ان کے ساتھ مل گئے سے کامیابی حاصل کی، نہ صرف اس لیے کہ استعماریت کے مخالفین کو کچلا جا سکے بلکہ امراء سکھوں کی طرف سے دیئے گئے دستے دوسرے مقامات پر بغاوتیں کچلنے کے لیے استعمال کیے گئے اور انگریز اس پوزیشن میں آگئے کہ انہوں نے چالیس ہزار طاقتور فوج دلی پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کر دی۔ اس فوج نے قدیم دلی کا محاصرہ کرلیا جو چار ماہ تک جاری رہا، باغی دستوں نے بڑی شجاعت اور بہادری سے مزاحمت کی اور شہر کے لوگ بھی ان کے ساتھ شریک رہے۔ عوام کی اکثریت نے بڑی بہادری سے شہر کا دفاع کیا، سپاہی رجمنٹوں نے ایک کمانڈر انچیف کو منتخب کرلیا۔ منتخب فوجی کونسل نے لوگوں کے مفادات کے لیے اور محاصرہ کی زد میں آتے ہوئے شہر میں امن عامہ اور تنظیم کو برقرار رکھا۔ نمک ٹیکس کو ختم کر دیا اور امیر تاجران پر بھاری ٹیکس لگا دیئے، کھانے پینے کی اشیاء کا ذخیرہ کرنے والوں کے لیے سخت سزائیں تجویز کی گئیں۔ کونسل نے اپنے بادشاہ بہادر شاہ ظفر ثانی سے مطالبہ کیا کہ وہ کسانوں کی حالت زندگی بہتر بنانے کے لیے اقدامات کریں اور ٹیکس ادا کرنے کے نظام میں بدعنوانیوں کا خاتمہ کریں لیکن جلد ہی امراء جاگیرداروں اور دیگر طبقات میں کونسل کے اقدامات کے متعلق اختلافات منظر عام پر آنے لگے اور شہر کی حفاظت ایک خطرہ نظر آنے لگی، کئی ایک امراء برطانوی راج کے خلاف ایک طویل مزاحمت کی صورتحال سے نالاں تھے۔ ستمبر 1857ء میں انگریزوں کو توپخانہ کی امداد مل گئی تو وہ شہر پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں آ گئے۔ ایک طویل جنگ کے بعد شہر پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور وہ فتح کا جشن منانے لگے۔ انگریزوں کی طرف سے ظالمانہ اقدامات کے خوف سے کئی شہری شہر چھوڑ گئے۔ بہادر شاہ ثانی نے آخرکار اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا کہ اس کی اور اس کے بیٹوں کی زندگی کی ضمانت دی جائے گی لیکن جلد ہی برطانوی افسر کے حکم پر شہزادوں کو قتل کر دیا گیا اور بعد میں بادشاہ جلاوطنی میں انتقال کر گیا، پنجاب سے لائی گئی فوج سے دلی کا محاصرہ کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد برطانوی افواج نے وادی گنگا میں بغاوت کے مراکز تباہ کرنے کا عزم کیا اور اس کے لیے افواج انہوں نے کلکتہ سے منگوائیں۔ انگریزوں نے الہ آباد اور بنارس پر قبضہ کرلیا۔ جولائی 1857ء میں کانپور پر قبضہ کرنے کے لیے پیش قدمی۔ مقامی مزاحمت کے باوجود وہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ نانا صاحب کی افواج کے باقیماندہ افراد نے آخری وقت تک مزاہمت جاری رکھی تاوقتیکہ کہ انہیں ان کے اڈوں سے پسپا ہونے پر مجبور نہ کر دیا گیا، اس

سال کے موسم خزاں میں کانپور کے نئے حکمران کو زبردست کوششوں کے باوجود گوالیار اور مختلف علاقوں سے سپاہیوں کے دستے جو دلی پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں نہیں پہنچ سکے تھے۔ نانا صاحب کی حمایت کے لیے آن پہنچے اگرچہ اس علاقے میں عوامی مزاحمت ایک عرصے تک جاری رہی۔ برطانوی افواج اودھ میں داخل ہوگئیں۔ نومبر 1857ء کو برطانوی لکھنو کے راستے ان لوگوں کی مدد کو آن پہنچے جو محصور تھے یا بھاگ نکلے تھے تاہم وہ لکھنو پر قبضہ کرنے میں ناکام رہے اور کانپور کی طرف چلے گئے___ ایران سے نئی کمک حاصل کرنے کے بعد اور وہ فوجی جو چین کی طرف جاتے ہوئے ابھی راستے میں ہی تھے ان کی مدد سے انگریز نانا صاحب پر دباؤ ڈالنے کے قابل ہوگئے اور انہوں نے ادھ کو وسطی ہندوستان سے کاٹ دیا۔ 1858ء کے موسم بہار میں 70 ہزار طاقتور فوج اس مقصد کے لیے اکٹھی کی گئی۔ مارچ میں برطانوی افواج لکھنو میں اکٹھی ہوئیں اس دوران اودھ کے عوام اور امراء کے درمیان بڑھتے ہوئے تضادات مزاحمت کو کمزور کر رہے تھے۔ جنوری 1858ء کو کئی ایک جھڑپیں احمد شاہ کی افواج اور امراء کی افواج کے درمیان ہوئیں، اس کی وجہ سے مزاحمت کمزور ہو رہی تھی، جو اعلیٰ ہتھیاروں سے لیس برطانوی افواج کے ساتھ جاری تھی۔ 14 مارچ کو لکھن و پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور انگریزوں کی طرف سے لوٹ مار اور ظلم وتشدد جاری رہا تاہم احمد شاہ انگریزوں کی افواج کا مقابلہ کرتا رہا اور اپنے ساتھ زیادہ سے زیادہ فوجی رکھنے میں کامیاب ہوا لیکن اب اس کا طریقہ کار گوریلا جنگ کی صورت اختیار کر گیا۔ اعلیٰ اسلحہ اور بہتر تربیت کے باوجود انگریز فوجی ان گوریلا سرگرمیوں سے پریشان تھے۔ اس دوران وسطی انڈیا میں ایک باصلاحیت گوریلا لیڈر تانتیا ٹوپی (Tantia Topi) نے شہرت حاصل کی۔ جھانسی کی رانی نے میدان جنگ میں بہادری کے کارنامے انجام دے کر اپنے ہم وطنوں کے لہو گرما دیئے۔ اپریل 1858ء کو جب جھانسی کا دارالحکومت دشمن کے قبضے میں آ گیا تو اس نے خود حفاظتی کے لیے فرار ہونے کا فیصلہ کیا۔ تانتیا ٹوپی کے ساتھ شامل ہو کر انگریز فوجوں کے ساتھ مقابلے کے درران، اس نے لڑتے ہوئے جان دے دی، گوریلا سرگرمیاں جاری رہیں لیکن صورتحال مشکل سے مشکل ہوتی گئی۔ اس دوران وہ امراء جو انگریزوں کے ہمدرد تھے۔ ان کی زیادہ سے زیادہ امداد کر رہے تھے۔ انہوں نے انگریزوں کا کھلم کھلا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ انگریزوں کی کوششوں نے اس صورتحال میں زیادہ بہتری پیدا کی۔ 1858ء کے انڈیا ایکٹ کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کر دیا گیا اور ہندوستان کو براہ راست برطانوی تاج کے زیر اثر کر دیا گیا۔ یہ امراء اور ریاستی حکمرانوں کو تحفظ دے دیا گیا۔ ایک شاہی فرمان کے تحت مقامی شہزادوں، حکمرانوں اور امراء کے احترام کا تحفظ کیا جائے گا، بہت سارے مقامی حکمرانوں نے عوامی بغاوت کو کچلنے کے لیے انگریزوں کی کھلم کھلا مدد کی۔ ان میں سے ایک حکمان، باغی لیڈر احمد شاہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا، اور اسے پچاس ہزار روپے کے عوض انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا۔ تانتیا ٹوپی کو انگریزوں کے حوالے کرنے کے

لیے ایسی ہی سازشیں کی گئی ــــ برطانوی انتظامیہ نے گوریلا جنگ کچلنے کے لیے جی بھر کے کر مظالم کیے۔ اسی دوران انگریزوں نے ان تضادات کی طرف توجہ دی جوان بغاوتوں کے متعلق اور بنیادی تضادات کو حل کرنے کے لیے ضروری تھا اور جس کی وجہ سے سیاسی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ زرعی نظام کی طرف توجہ دی گئی۔ 1859ء کا قانون جس کے تحت زمینوں کا کرایہ طے کر دیا گیا اور زمینداروں کے ظالمانہ اقدامات سے لوگوں کو نجات مل گئی۔ اس کے علاوہ مزارع کی اس وراثت کو تسلیم کر لیا گیا کہ جہاں وہ 13 سال سے زیادہ عرصہ تک کام کرتا رہا ہے آگے اس کی نسل کام کر سکتی ہے۔ عظیم عوامی بغاوت جو ہندوستان کی آزادی کی گئی آخر کار شکست سے دوچار ہوئی ــــ ابھی تک ہندوستان میں ایسا کوئی طبقہ وجود میں نہیں آیا تھا جو نوآبادیات کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کر سکے۔ امراء کا ایک طبقہ جس نے بغاوت میں عوام کا ساتھ دیا تھا اب وہ برطانوی انتظامیہ کے کل پرزے بن چکے تھے لیکن اس وقت ربط اور تنظیم کا کوئی ایسا سلسلہ نہیں تھا جو پورے ہندوستان میں جدوجہد کی صورتحال کو برقرار رکھتا۔ تاہم 1857ء-1859ء کے دوران بغاوتیں اور ان کا خاتمہ کا مطلب بالکل یہ نہیں تھا کہ اس جدوجہد کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، لیکن یہ ضرور ہوا کہ عظیم عوامی مزاحمت کے امکان کی نشاندہی ہوئی اور اس سے ہندوستانی محب وطن لوگوں کو ہمت اور حوصلہ ملا۔ کسانوں نے جو تجربات حاصل کیے وہ بعدازاں مزاحمتی تحریکوں کے لیے سرمایہ بن گئے۔

ایران میں بغاوت (Babist)

19ویں صدی کے وسط میں ایران میں عوامی بغاوتوں کے اسباب بھی وہی ہیں جو اس دور میں اٹھنے والی ایک ایشیائی ملکوں کی تحریکوں کے پس پردہ کارفرما تھے۔ یورپی اثر ورسوخ نے وہاں کے جاگیردارانہ ڈھانچے کو کمزور کیا ــــ مقامی حکمرانوں نے جاگیردارانہ استحصال کی خاطر جو ظالمانہ اقدامات کیے خاص طور پر اس وقت جب روایتی قدرتی معیشت زوال پذیر تھی۔ اس وجہ سے ایران میں، جس طرح کہ چین میں بھی ہوا، عوامی بغاوتوں کا رخ مقامی حکمرانوں کے خلاف تھا۔ تاریخی ارتقاء کے اس خاص مرحلے پر عوامی تحریکوں میں مذہبی رنگ غالب تھے۔ خاص طور پر ایسی تحریکیں مسلمان ملکوں میں چلائی گئیں۔ جہاں سرکاری ریاستی مذہب کی بنیاد پر سوال اور فوجی نوعیت کے قوانین بنائے جاتے۔ ایران میں (Babist) بہائی تحریک ایک مذہبی فرقہ شیعہ سے منسلک تھی۔ اس فرقہ کے پیروکار یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امام مہدی کا ظہور ہوگا اور دنیا میں ایک انصاف پر مبنیٰ حکومت قائم ہوگی۔ اس مسیح کے آنے سے پہلے کسی پیغام رساں کی آمد متوقع ہے جو مسیح کی نیت اور خواہش کا اعلان کرے گا اور اس کے حکم سے لوگ ایک دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے باب کہا جائے گا جس کا مطلب ہے دروازہ ــــ 1844ء

میں اس فرقے کے ایک ماننے والے مرزا علی محمد نے اپنے باب ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اپنی تعلیمات کو پھیلانے کا سلسلہ شروع کیا، یہ تعلیمات دراصل شیعہ فرقے کا ایک تسلسل تھیں۔ اس کے شاگرد او رپیروکاروں کو Babis کہا جانے لگا۔ انہوں نے لوگوں کو تعلیم دی کہ دنیا پر انصاف پر مبنی سلطنت قائم ہو گئی اور ساتھ ہی استحصال کا خاتمہ ہو گیا۔ ان خیالات کو کسانوں، دستکاروں اور نچلی پرتوں میں پذیرائی حاصل ہوئی اور یہ تحریک روز بروز پھیلتی گئی تاہم انتظامیہ نے جلد ہی ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا اور ان کے خلاف کارروائیاں کیں، یہاں تک کہ انہوں نے باب کو بھی گرفتار کر لیا۔ اسی دوران جیل میں باب نے خود کو امام مہدی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس نے اپنے پیروکاروں سے قریبی رابطہ رکھا اور ایک کتاب تحریر کی جس کا نام (Bahain) کشف تھا۔ اس کتاب سے اس نے اپنے مذہبی خیالات کو فلسفیانہ اور مذہبی بنیادوں فراہم کرنے کی کوشش کی۔ باب نے اس بات پر زور دیا کہ مذہبی قوانین جو پیغمبران کی کتابوں میں تحریر ہیں، وہ انسان کے ہر عہد میں اس کی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی کتاب صحیفے اور قرآن اپنے اپنے حالات اور انسانی ضروریات کے مطابق قوانین اور ضابطوں کا اعلان کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اب صورت یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات موجودہ دور کا ساتھ نہیں دے سکتیں اور اب وقت آ گیا ہے کہ انسان نیا مذہب اختیار کرے اور نئی مقدس تحریروں کو اپنائے۔ حقیقت میں باب اپنی کتاب کشف کو مذہبی کتاب کے طور پر اپنانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ باب کی تعلیمات کے مطابق کہ انصاف کے عہد کو پوری دنیا پر قائم ہونا ہے لیکن سب سے پہلے یہ ایران کے پانچ صوبوں میں قائم ہو گا۔ وہ لوگ جو باب کی تعلیمات کو نہیں اپنائیں گے اور تمام غیر ملکی ملک سے نکال دیئے جائیں گے ان کی جائیدادیں اور زمیوں کو ضبط کر کے بابیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ بابیوں کے عہد میں عالمی مساوات کے اصول اپنائے جائیں گے اور عورتوں اور مردوں کو مساوی حقوق دیئے جائیں گے اگرچہ باب کی تعلیمات میں جاگیردار مخالف خواہشات اور امنگوں کا اظہار ہے لیکن یہ تاجر طبقہ کے مفادات کے ترجمان تھے جس طبقہ سے بذات خود باب کا تعلق تھا___ ان تعلیمات کے مطابق یعنی احترام آدمیت، جائیداد کا تحفظ، شہریت کا احترام، ان سب کا مقصد باب ازم کے پردے میں اپنے کاروباروں کو وسعت دینا تھا۔ اس دوران اس کے پیروکار جو زیادہ تر کسان اور دستکار تھے اپنی امنگوں کی تکمیل اور کچلی ہوئی خواہشات کا اظہار کرنے لگے۔ مثال کے طور پر ملاں محمد علی کا تعلق کسان طبقہ سے تھا وہ کہتا تھا کہ بابوں کے عہد میں ''جو لوگ آج اعلیٰ عہدوں پر ہیں وہ اس وقت ادنیٰ عہدوں پر ہوں گے اور جو آج کل نچلے عہدوں پر ہیں وہ اس دور میں اعلیٰ عہدوں پر ہوں گے۔'' اور یہ کہ کوئی ٹیکس نہیں ہوگا، نہ ہی کسانوں سے جبری مشقت لی جائے گی___ 1848ء میں اس فرقے کا ایک جسلہ بدشت گاؤں میں منعقد ہوا۔ جس میں مختلف علاقوں کے تین سو نمائندوں نے شرکت کی۔ ملاں محمد علی ارخاتون مبلغ قرۃ العین کے زبردست اثر و رسوخ کے نتیجے میں یہ نئے خیالات

تحریک نے اپنا لیے اور جب یہ اراکین اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے تو انہوں نے ان خیالات کی مزید تبلیغ کی۔ اسی سال کے موسم خزاں میں محمد شاہ کی وفات کے بعد تخت نشینی کے سوال پر ناگزید طور پر تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے۔ بابیوں نے حکومت کی ایسی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلح جدوجہد کا آغاز کردیا، صوبہ موضان داران تقریباً 7 سو مسلح بابیوں نے قصبے سے پندرہ میل دور ایک قلعہ تعمیر کرنا شروع کردیا اور جلد ہی تقریباً دو ہزار کسان اور دستکار وہاں اکٹھے ہو گئے۔ اس کی قیادت محمد علی کے ہاتھ میں تھی جس نے انصاف پر مبنی ریاست قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ تمام جائیداد کو مشترکہ ملکیت قرار دیا گیا۔ سب لوگ کام کرنے کے پابند قرار پائے اور سب کو کمیون کے اصولوں کے مطابق کھانا دیا جانے لگا۔ کسانوں کی طرف سے باغیوں کو زبردست حمایت حاصل ہوئی۔ انہوں نے انہیں کھانا سپلائی کیا، مویشی اور چارہ بھی کسانوں نے مہیا کیا۔ اعلیٰ حکام کی طرف سے بابیوں کے اس دور کو ختم کرنے کی کوشش ناکام ہوئی، شاہ کی افواج جو دارالحکومت سے بھیجی گئیں تھیں۔ انہیں مار بھگایا گیا یہ کامیابی بابیوں کے حوصلے کا باعث بنی اور دیگر کئی علاقوں میں انہیں ایسا ہی کرنے کی ترغیب ملی، اس طرح کئی ایک قصبوں میں مسلح جدوجہد کی تیاری شروع ہو گئی۔ 1849ء کے شروع میں نئی سرکاری فوجی یونٹیں تبریزی پہنچیں، جہاں انہوں نے باغیوں کا محاصرہ کرلیا اور ان کے سپلائی کے راستے کاٹ دیئے۔ اناج اور بارود کی قلت کے باوجود بابیوں نے بہادری اور شجاعت سے شاہ کی سات ہزار افواج کا مقابلہ کیا۔ مئی میں شہر کا دفاع کرنے والوں نے اس وعدے کے ساتھ کہ ان کی جان بخشی کی جائے گی، انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تاہم انہیں ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ شیخ تبریزی میں بابیوں کی شکست کے باوجود ملک کے مختلف علاقوں میں ان کی مسلح جنگ کے لیے تیاری میں کوئی فرق نہیں آیا۔ 1850ء کے شروع میں ایک بغاوت (Yazd) یازڈ میں پھوٹ پڑی، سرکاری فوجوں نے جلد ہی اسے کچل دیا، تاہم کئی بابی بھاگ کر نکل جانے میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے یزد سے تیزز کی طرف راستہ لیا، ان کی قیادت سید یحییٰ کر رہا تھا۔ ایک اور بغاوت ابھری جسے کسانوں کی زبردست حمایت حاصل تھی، ایک بار پھر مقامی حکام جو اسلحہ اور توپوں سے مسلح تھے انہوں نے نیرزیز پر قبضہ کرلیا اور باغیوں کو کافی نقصان پہنچایا پھر بھی سرکار کی طرف سے کئی ایک ظالمانہ اقدامات اور بربریت کے باوجود بغاوت کی ایک اور طاقتور لہر اٹھ کھڑی ہوئی ___ زنجان (ایرانی آذربائیجان) میں بابیوں کو کئی نئے پیروکار مل گئے۔ 1849ء تک انہوں نے کئی قصبوں میں بے پناہ اثر ورسوخ حاصل کرلیا تھا۔ مئی 1850ء میں ایک بابی کی گرفتاری پر بغاوت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ جلد ہی بہت سارے قصبات بابیوں کے ہاتھوں میں آ گئے۔ محمد علی کی قیادت میں (محمد علی آف زیخان) لوہار کاظم اور بیکری والے عبداللہ کی قیادت میں بابیوں نے محاذ آرائی کا فیصلہ کرلیا۔ شاہ کی افواج کی طرف سے پہلا حملہ بآسانی پسپا کر دیا گیا۔ تمام شہریوں، عورتوں، بچوں اور نوجوانوں نے شہر کے دفاع میں حصہ لیا ___ جولائی

1850ء کے شروع میں حکام نے باب کو پھانسی دینے کا فیصلہ کرلیا، اس امید کے ساتھ کہ یہ ملک گیر بغاوتوں کا سلسلہ ختم ہوجائے گا، تاہم یہ اقدام خواہش کے مطابق نتائج حاصل نہ کر سکا۔ زنجان کے بابیوں نے زبردست مزاحمت کی، تقریباً 1850ء کے پورے سال تک لیکن ان کو صرف اس وقت شکست ہوئی جب تیس ہزار زبردست فوج جو توپخانہ سے لیس تھی ان کے سامنے آئی۔ سرکاری فوج نے دفاع کرنے والے لوگوں کے بچوں اور بوڑھوں تک پر بھی کوئی رحم نہ کیا گیا۔ اسی دوران زنجان کے مغلوب ہونے سے پہلے، (Neyrize) نیریز کے کسانوں میں بغاوت پھیل گئی، اس کے ساتھ اردگرد کے کئی اضلاع بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ استحصال زدہ اور زیر جبر کسانوں نے اپنے گھربار چھوڑ دیئے اور پہاڑوں پر چڑھ گئے، جہاں انہوں نے قلعہ بند گڑھ تعمیر کیے۔ کسانوں نے حکومتی افواج کو زبردست مزاحمت دی۔ انہوں نے گوریلا چالیں چل کر دشمن سے بندوقیں اور یہاں تک کہ توپیں بھی چھین لیں۔ آخر کار شاہ کی افواج گوریلاؤں کی پناہ گاہوں کا گھیراؤ کرنے میں کامیاب ہوئی اور دیگر پہاڑی قبائل کی مدد سے، بابیوں کو نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوئیں پھر زبردست ظالمانہ اقدامات کیے گئے۔ باغی قیدیوں کو زندہ جلا دیا گیا اور ان سے غیر انسانی سلوک کر کے زبردست اذیتیں دی گئیں یہاں تک کہ توپوں کے ساتھ اڑا دیئے گئے۔ 1850ء کے خاتمے پر، حکام بغاوت کے کئی دوسرے مراکز کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن 1852ء تک دور دراز علاقوں میں بغاوتیں جاری رہیں، لیکن بعد ازاں انہیں کچل دیا گیا۔ شاہ ناصر الدین کی زندگی پر ایک ناکامیاب حملہ اگست 1852ء میں ہوا، جو دارالحکومت میں 28 بابیوں کی پھانسی کا باعث بنا، جو اس دہشت گردانہ کارروائی میں سازش کرنے کے مرتکب قرار دیئے گئے تھے سارے ایران میں کئی ایک بابیوں کو گرفتار کیا گیا اور انہیں سزائے موت دی گئی۔ بابیوں کی بغاوت کی شکست یہ ظاہر کرتی ہے کہ جاگیردار مخالف تحریک ابھی اتنی ترقی یافتہ نہیں ہوئی تھی اور ایشیاء کے کئی علاقوں میں جاگیردار مخالف اتحاد وجود میں نہیں آ سکا تھا___ بلاشبہ مذہبی اور تمثیلی تعلیمات جو باب نے دیں، جس میں کسانوں اور شہری غریبوں نے شامل ہو کر اپنے خیالات ''آزادی، مساوات'' وغیرہ کی تکمیل چاہی تھی۔ وہ ایک تو زیادہ منظم نہ تھیں، دوسا وہ جاگیردار مخالف عناصر کا تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ بعد میں ان تعلیمات کے وہ نظریات جو صاحب جائیداد لوگوں کے خلاف تھے، وہ علیحدہ ہو کر ایک اور تحریک (Bahaism) بہائی بنانے میں کامیاب ہوئے۔ باب کا ایک شاگرد جس نے اپنے استاد کی تعلیمات میں اصلاحات کیں، بہاءاللہ تھا، اس کے پیروکار بہائی جاگیردار مخالف، جمہوری اصولوں کی حمایت کرنے لگے، بہائی ازم لوگوں کی وسیع طور پر حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہا، کسی حد تک ان لووں کی حمایت حاصل کر سکا جو تاجر پیشہ تھے، اور غیر ملکی سرمائے کی گردش میں کاروبار کرتے تھے___ بابی تحریک نے نہ صرف حکمران طبقے کو خطرے سے دوچار کیا بلکہ انہوں نے حکمران طبقے کے ترقی پسند طبقے کو اصلاحات کرنے کے لیے مجبور کیا۔

مرزا تقی خان (ناصر الملک) اس طبقے کا مبصر بن گیا، اگر چہ یہ اصلاحات ترکی کے مقابلے میں محدود تھیں۔ ناصر الملک کی کوششیں (خانوں کی طرف سے اپنائے گئے جابرانہ طریقہ کار کے خلاف اس کی جدوجہد، اس کی مرکزی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوشش، مسلح افواج کی تنظیم میں بہتری پیدا کرنا اور سیکولر تعلیم کا تعارف، لیکن اس کی عمر مختصر ثابت ہوئی بابیوں کو کچلنے کے بعد رجعت پرست ناصر الدین نے گرانڈ وزیری (وزیر اعظم) کو معطل کر کے پھانسی دے دی۔ مغربی طاقتیں ایران میں گُس گئیں اور انہیں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا، اس سے ملک جلد ہی نیم نو آبادیاتی ملک بن کر رہ گیا۔

تائی پنگ مزاحمت

چین میں جاگیردارانہ استحصال اور شدید معاشی بحران کے نتیجے میں کئی ایک بغاوتیں اٹھیں، کسانوں کی جو بغاوتیں ملک کے مختلف حصوں میں اٹھیں کئی بار وہ مرکزی انتظامیہ کے لیے بے حد خطرناک ثابت ہوئیں اور ان کو کچلنے کے لیے ایک طویل عرصہ لگ گیا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ کسانوں کی تحریکیں منظم صورت میں اور بعض اوقات خفیہ مذہبی سوسائٹیوں کے تابع اٹھنے لگیں۔ ان تحریکوں میں عوام کی طرف سے جاگیردارانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے عزم کا اظہار ملتا ہے اور کسانوں کی یہ معصومانہ خواہش کہ مساوات قائم ہوگی اور سابقہ کمیون سسٹم واپس آئے گا وغیرہ۔ اسی دوران مزاحمت، منچوریا کے شاہی خاندان (chiny) کی مخالفت میں ہوئی۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے دکھوں کی بنیادی وجہ یہی خاندان ہے۔ ان خیالات کا اظہار Hung Hsio-chun کی تعلیمات میں ملتا ہے۔ کسانوں کے طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک دیہاتی استاد، جس نے ایک خفیہ سوسائٹی جنوبی چین میں گوانگ ٹنگ کے مقام پر قائم کی۔ ان نئی نئی تعلیمات میں جن کا چہ چا ہنگ نے 1837ء میں شروع کیا، اس میں عیسائیت کے عنصر شامل تھے۔ مسداوات کے تصورات اور ''خدائی سلطنت کی تخلیق'' دنیا پر اس کا قیام، برائیوں کے خلاف لڑائی، اس کے لیے انہوں نے جاگیرداروں کو برائی کی جڑ قرار دیا اور لوگوں کی بنیادی آزادی، ہنگ کی تعلیمات کا اہم اصول تھا، ہنگ خود کو حضرت عیسیٰ کا چھوٹا بھائی کہتا____ جنگ افیون کے نتائج اور چین کے ساتھ یکطرفہ معاہدات نے چین کی جاگیردارانہ معاشرت کو اور بھی کمزور کیا، اور لوگوں کی زندگی مزید اجیرن ہوگئی۔ یورپی مال کی بے تحاشا آمد نے مقامی دستکاروں کو بالکل تباہ کر دیا۔ افیون کی درآمد سے ملکی دولت باہر جانے لگی۔ معاہدہ نان کن میں بہت زیادہ تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ بادشاہت نے ٹیکس میں اضافہ کر کے ریاستی ضروریات و مطالبات میں اضافہ کر دیا، اس سے محنت کشوں کی زندگی معاشی بدحالی کا شکار ہوگئی۔ بلاشبہ صرف کسان غربت کا شکار نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ اپنے اثاثے چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے اور دستکار اس طرح تباہ ہوئے کہ انہیں اپنے مال کی کھپت کے لیے منڈی بھی

نہیں ملتی تھی۔ اس کے ساتھ تجارت پیشہ لوگ بھی بھاری ٹیکسوں سے سخت نالاں تھے۔ ایسی صورتحال خاص طور پر جنوب کی طرف تھی جہاں غیر ملکیوں کے مال کی آمد تھی جب سے پانچ بندرگاہیں اس مقصد کے لیے کھول دی گئیں، تو محنت کشوں نے بھی ہنگ فرقہ میں شمولیت اختیار کی، بلکہ کئی کاروباری لوگ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اس فرقے کا ایک نیا ممبر ایک کان کن کا بیٹا تھا جو بعد میں کسانوں کا ایک زبردست لیڈر بن گیا جس کا نام Yang Hsiu-ching تھا۔ اس نے کسانوں کی فوج تشکیل دی تا کہ مقامی امراء کے خلاف جدوجہد کی جا سکے۔ جلد ہی وہ اس فرقے کا ایک نامور لیڈر بن گیا اس کے آدمی باغی فوج میں ایک مرکزی کردار ادا کر رہے تھے۔ ان کا گڑھ صوبہ گوانگ سی کے پہاڑی علاقوں میں تھا جہاں سرکاری فوجوں کے لیے بڑا مشکل تھا کہ وہ ان کے خلاف کارروائی کر سکتیں۔ ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے اس فرقے کے لوگ یہاں اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ 1850ء میں انہوں نے میجوریائی بادشاہوں کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی، ان کا مشہور فقرہ یہ تھا کہ "امارت ختم کرے غریبوں میں مساوات قائم کی جائے۔" اس فرقہ کے کٹر بانیوں نے مذہبی اور انقلابی ملے جلے تصورات پر مبنی نظریات تشکیل دیئے اور انہوں نے مقصد کا تعین کیا جو ان کے پیش نظر تھے اور اس کے لیے انہوں نے طریقہ کار کا خاکہ ترتیب دیا، انہوں نے اپنے پیروکاروں سے اپیل کی کہ وہ اپنے مکانات اور جائیدادیں جلا کر تحریک میں شامل ہو جائیں۔ مقامی انتظامیہ بغاوت کو کچلنے میں بری طرح ناکام رہی۔ دوسروں صوبوں سے فوج کی آمد اور ملک کے پہلے کمانڈر انچیف کا تقرر، بالکل بے کار ثابت ہوا۔ 11 جنوری 1851ء کو ہنگ کے یوم پیدائش کے موقع پر "خدائی سلطنت کا قیام جہاں زبردست خوشحالی ہوگی" کا افتتاح کیا گیا۔ اس وقت سے ان تقریبات کے شرکا کو "تائی پنگ" کہا جاتا ہے یعنی "زیادہ خوشحال"۔ فرقے کے سربراہ ہنگ نے (Tien Wang) ٹن وانگ کا لقب اختیار کیا۔ یعنی "خدائی بادشاہ۔" ستمبر 1851ء میں تائی پنگ نے کوانگ سی صوبہ کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا، جس کا نام یونان تھا۔ شہر کے تمام طاقتور عہدیداروں کو قتل کر دیا گیا، خزانہ اور اناج ضبط کر لیا گیا اور اسے تائی پنگ کمیون کی جائیداد قرار دیا گیا۔ چھ ماہ کا عرصہ جب تک یونان پر تائی پنگ فوج کا قبضہ ہوا تھا، یہاں انہوں نے پہلا قدم "خدائی سلطنت" قائم کر کے اٹھایا۔ ہنگ کے تین قریبی کونسلروں کو وانگ کا خطاب دیا گیا اور ایک حکومت قائم کر دی۔ اس حکومت میں اہم کردار یانگ چنگ نے ادا کیا۔ "Eastern Wang" یہ وہ تھا جو حکومت کا سربراہ تھا اور تائی پنگ افواج کا کمانڈر انچیف تھا، جو 1851ء تک پچاس ہزار تک کی تعداد تک پہنچ چکی تھیں ___ حکومتی افواج کے دستے جو بغاوت کچلنے کے لیے بھیجے گئے تھے ان کا زور توڑتے ہوئے 1852ء میں تائی پنگ دستے فاتح کی حیثیت سے شمال کی طرف بڑھنے لگے۔ اس پیش قدمی کے فوج میں کسان باغیوں کے کئی دستے شامل ہو گئے جو اپنے مقامی زمینداروں کے خلاف لڑ چکے تھے اور مقامی آبادی کے لوگ بھی اس میں شامل

ہوئے ___ دسمبر میں یہ فوج دریائے ینگ سی کے کنارے پہنچ گئی، انہوں نے دشمنوں سے اسلحہ کے علاوہ توپیں بھی چھین رکھی تھیں۔ تائی پنگ فوج جلد ہی تین قلعہ بند قصبوں ووحان، جو ینگ سی کا سب سے بڑا اور بااثر تجارتی مرکز تھا، پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ ان کامیاب فتوحات کے نتیجے میں تائی پنگ افواج کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ بھرتی ہونے کے لیے آ گئے۔ تائی پنگ فوج کا بنیادی یونٹ پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ چار سپاہی اور ایک کمانڈر۔ ان کے پانچ گروپ سے ایک پلاٹون بنتی۔ چار پلاٹونوں سے ایک کمپنی بنتی اور پانچ کمپنیوں سے ایک رجمنٹ بنتی۔ اس طرح کور corps اور فوج میں سخت نظم ونسق قائم کیا گیا اور ایک فوجی ضابطہ بنایا گیا۔ باغی فوجی اپنی چالیں چلتے اور اس میں سے کئی ایک باصلاحیت کمانڈر ابھرے، انہوں نے قدیم چینی فن حرب کو بہتر انداز میں استعمال کیا۔ اس فوج کو اپنی فتوحات کے سلسلے میں زبردست عوامی حمایت حاصل ہوئی۔ تائی پنگ حملے اور پیشقدمی سے پہلے اپنے مبصر بھیج دیتے جو ان کے مقاصد اور بادشاہت کو ختم کرنے کے لیے ان کا ساتھ دینے کے لیے کہتے۔ وہ لوگوں سے کہتے کہ استحصال کا خاتمہ کرنے کے لیے بادشاہ، امراء اور جاگیرداروں اور مقامی انتظامیہ کا تختہ الٹنا ضروری ہے۔ وہ علاقے جہاں تائی پنگ افواج نے قبضہ کرلیا تھا وہاں سابقہ قدیم نظام چانسلری ختم کردیا گیا۔ قرضوں اور ٹیکسوں کے رجسٹر ختم کردیے گئے۔ امیر لوگوں کی جائیداد اور اناج وغیرہ کو کمیون کی ملکیت بنادیا گیا۔ پرآسائش اور قیمتی فرنیچر کو تباہ کردیا گیا، زیورات کو پاؤں تلے روند دیا گیا او رکہا گیا کہ ہر شے جو امیر کو غریب سے ممتاز کرتی ہے اسے تباہ کردیان چاہیے۔ ووحان پر قبضہ کے بعد تائی پنگ کی فوج جو اس وقت پانچ لاکھ کے قریب تھی، ینگ سی کی وادی کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ کھانے، پینے اور دیگر ضروریات کی اشیاء سے بھرے ہوئے بیڑے فوج کو نئے رضا کاروں کے لیے دیئے گئے جن کی شمولیت سے فوج کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہوگئی ___ 1853ء کے موسم بہار میں تائی پنگ افواج نے چین کا قدیم دارالحکومت نان کنگ قبضے میں لے لیا۔ اس کا نام بدل کر تائی پنگ ''خدائی شہر'' رکھ دیا گیا۔ تائی پنگ نے جنوبی اور وسطی چین کے وسیع علاقے پر قبضہ کرلیا۔ نئی ریاست کی تنظیم کی وضاحت، تائی پنگ لیڈروں نے ایک قانون ''خدائی سلسلہ حکومت میں زمین کی ملکیت کا نظام'' کے ذریعے کی۔ یہ ایک کوشش تھی کہ معصوم خیالی تصورات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ یہ تصورات استحصال زدہ کسانوں اور دیگر طبقات کے تھے جو بین الاقوامی مساوات چاہتے تھے۔ قانون میں اعلان کیا گیا کرۂ ارض کی تمام زمین مساوی محنت کے ذریعے کاشت ہونی چاہیے، اور کرۂ ارض کے تمام لوگوں کو خوشیوں میں مشترکہ شریک ہونا چاہیے، جو ہمیں مقدس باپ کی طرف سے دی جاتی ہیں۔ زمینوں کو ہم تمام کی طرف سے کاشت کیا جاتا ہے کھانا اکٹھے کھانا چاہیے، اور کپڑوں کی مساوی تقسیم ہونی چاہیے۔ دولت کو برادری میں خرچ کرنا چاہیے، کسی جگہ بھی عدم مساوات نہیں ہونا چاہیے۔'' زمین کی ذاتی ملکیت ختم کردی گئی اور زمین کی تقسیم اس طرح

کی گئی کہ جتنے گھر میں کھانے والے ہیں زمین بھی اسی حساب سے دی جائے۔ تائی پنگ ریاست میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیئے گئے۔ انہیں بھی یکساں پیمائش کے مطابق قطعات اراضی تقسیم کیے گئے۔ کسانوں کے کمیون سے بنیادی معاشی، فوجی، سیاسی یونٹوں کی تشکیل ہوئی۔ ہر ایک خاندان سے ایک سپاہی بھرتی کیا گیا اور فوجی کمانڈر کو اس جگہ شہری حاکم کی حیثیت حاصل ہوئی جہاں فوج تعینات ہوئی ــــ فصلوں کی کٹائی کے بعد، ہر ایک کمیون، جو پچیس خاندانوں پر مشتمل ہوتا وہ پابند تھا کہ اپنی ساری فصل ریاست کے اناج کے گودام میں جمع کروائے۔ ماسوائے اس مقدار کے جو خاندانوں کی ضروریات کے لیے کافی ہوتی۔ تائی پنگوں پر پابندی تھی کہ وہ کوئی چیز بھی ذاتی ملکیت میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ ان اصولوں کو قصبوں اور دیہاتوں میں نافذ کرنے کی کوشش کی گئی۔ دستکار متحدہ طور پر ایک جیسی اشیاء بناتے اور پیداوار کو ریاستی مال خانے میں جمع کرواتے، وہاں تبادلے میں انہیں اناج اور دیگر خاندانی ضروریات فراہم کی جاتیں ــــ عمل میں یہ تمام نافذ ہونا ناممکن تھا۔ تائی پنگ کے فوجی منصوبے نے زمینوں کی تقسیم کے منوبے ناممکن بنا دیئے اور جاگیرداروں کی جائیدادیں ضبط کرنا بھی ناممکن ہو گیا۔ اسی دوران کسانوں کی محنت جو وہ اپنے سابقہ مالکان کے لیے کرتے تھے انہوں نے وہ کرنے سے انکار کر دیا، تائی پنگ کے کنٹرول والے علاقے میں کئی ایک ترقی پسندانہ اقدامات کیے گئے۔ طب اور تعلیم دونوں شعبوں میں رجعت پرستانہ سماجی نظام اور خاندانی ڈھانچے میں ترقی پسندانہ تبدیلیاں کی گئیں۔ کسانوں کی یہ انقلابی تحریک چنگ بادشاہت کے خلاف ایک کاری ضرب تھی۔ سرکاری افواج تائی پنگ کے مقبوضات کو کمزور کرنے میں ناکام رہیں، تاہم شمال میں بادشاہت کی قوت محفوظ تھی اگرچہ تائی پنگ کی فتوحات کے نتیجے میں شمال اور جنوب کے کئی اضلاع میں سابقہ خفیہ تنظیموں کی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہو گئیں اور اس کے ساتھ حالات میں تبدیلی یہ آئی کہ اس وقت مسلح بغاوتیں ہو رہی تھیں، جہاں خفیہ سوسائٹیاں سرگرم عمل تھیں چنانچہ کسانوں کی گوریلا سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ خفیہ تنظیم "Traid" نے اس جانب ایک لڑائی طلوی جو پنگ کے جنوب کی طرف ہوئی۔ ستمبر 1853ء میں خفیہ تنظیم ''سوسائٹی آف ڈیگرز'' کی زیر قیادت شنگھائی میں بغاوت شروع ہوئی، یہ قصبہ باغیوں کے قبضے میں فروری 1855ء تک رہا اور اس دوران ''خدائی دارالحکومت'' کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک مسلح بغاوت جس میں کسان شریک تھے اور اس کی قیادت خفیہ تنظیم ''نین ٹانگ'' کر رہی تھی، اس نے شمال میں واضح شہرت حاصل کی۔ کئی ایک قومی اقلیتیں جنگ شہنشائیت کے خلاف ملک کے کئی حصوں میں اٹھ کھڑی ہوئیں تاہم تائی پنگ تحریک کی تنگ نظری کی وجہ سے، مختلف بغاوتوں اور سوسائٹی کے درمیان ربط نہیں ہو سکا۔ اس لیے وہ مجموعی طور پر شہنشائیت کا خاتمہ نہ کر سکے۔ نانکن پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے کے بعد، انہوں نے اپنی افواج کو شمال میں دارالحکومت پر قبضہ کرنے کے لیے بھیج دیا اور اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کے علاوہ کئی ایک مراکز جوان کے قبضے میں آئے

تھےان میں استحکام ابھی پیدا نہیں ہوا تھا تاہم نانکسن پر فتح کے بعد ان کی فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور اسی دوران امراء اور جاگیرداروں نے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی اور انہوں نے ایک ایسی فوج جمع کی، جو تائی تنگ کا مقابلہ کر سکے۔ انقلاب مخالف فوج جو جاگیردارانہ امراء نے اکٹھی کی تھی، اس کی قیادت ایک طاقتور جاگیردار "Treug Kuo-Fan" کر رہا تھا، اس کی افواج کی تعداد پچاس ہزار کے قریب تھی۔ اس فوج کو''ہونان کے بہادر'' کہا جاتا۔ یہ حکومت کی فوج سے زیادہ طاقتور تھی۔ مئی 1853ء تک تائی پنگ کے فوجی دستے زیادہ تر شمال کی طرف چلے گئے۔ اکتوبر میں مانچو افواج کی طرف سے زبردست مزاحمت پر قابو پانے کے بعد وہ تائیجائن کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ پہلے پہل یہ معلوم ہوتا تھا کہ دارالحکومت خطرے میں ہے تاہم تائی پنگ فوج نے خود کو انتہائی مخدوش حالت میں پایا۔ یہ فوج لانگ مارچ سے تھکی ہوئی تھی اور وہ شمال کی موسمی ماحول سے مطابقت نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ Tieutsin پہنچے۔ اس دوران وہ اپنے سپلائی ٹھکانوں سے کٹ چکے تھے اور وہ شمال کے کسانوں سے مدد کی امیدیں رکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ تائی پنگ نظریات جس طرح جنوب میں نشوونما حاصل کر چکے ہیں ایسے ہی انہیں شمال میں کسانوں سے حمایت حاصل ہو جائے گی، یہاں جنوبی زبان ناقابل فہم تھی ار نہ ہی تائی پنگ والوں نے ان خفیہ سوسائٹیوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، جو وہاں سرگرم عمل تھیں۔ حکومتی افواج چاروں اطراف سے تائی پنگ افواج میں خوف وہراس پھیلاتی رہی۔ تائی پنگ کو نانکسن سے کمک پہنچنے کی امید تھی لیکن ایسا نہ ہو سکا اور تائی پنگ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی فوج گھیرے میں آ گئی۔ تائی پنگ افواج بڑی بہادری سے لڑیں اور دو سال تک مقابلہ کرتی رہیں۔ اسی دوران مغرب کی طرف فوجی مہم میں اور باقیماندہ بڑے علاقوں پر اپنے اقتدار کی مضبوط کے لیے، انہیں اس جدوجہد میں بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ (1856ء-1853ء) میں رومان پر کئی بار قبضہ ہوا۔ تائی پنگ فوج؛''کے بہادروں''ٹیونان کی افواج کو مار بھگانے میں کامیاب ہوئی لیکن ٹی سنگ مسلسل افواج اکٹھی کرتا رہا اور تائی پنگ کے لیے مستقل خطرہ بنا رہا___ 1856ء میں معلو- ہو رہا تھا کہ ایک جمود کی کیفیت طاری ہو گئی ہے۔ تائی پنگ کی پوزیشن اتنی مضبوط نہیں تھی کہ چنگ خا- ن کے اقتدار کا خاتمہ کر سکے اور پورے ملک پر قبضہ کر سکے اور بادشاہت بھی تائی پنگ کو ختم نہ کر سکتی تھی جن کا قبضہ ایک وسیع و عریض علاقے پر تھا جہاں لاکھوں لوگ آباد تھے، ہنگامہ تائی پنگ میں عدم مطابقت کی وجہ سے یہ تحریک انقلاب دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلنے لگی اور بعد میں اس نے غیر ملکی طاقتوں سے مدد حاصل کی۔ کسانوں کے جنگ کے پہلے دور میں غیر ملکی انتظار میں رہے کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ کمزور چنگ حکومت سے رعائتیں حاصل کرنا زیادہ آسان ہے جو کہ وہ پہلے ہی یکطرفہ معاہدات کے ذریعے حاصل کر چکے تھے۔ انہوں نے''خدائی سلطنت'' سے روابط قائم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے تائی چنگ کو یقین دلایا کہ مقامی جاگیرداروں کے خلاف ان کی جدوجہد

جاری رہے گی۔ اس کے ساتھ ہی غیر ملکیوں نے تائی پنگ کو یہ بھی باور کرایا کہ وہ یسوع کے حقیقی بھائی ہیں ___ 1854ء کے شروع میں یورپین نے پیکنگ حکومت سے لامحدود تجاریت حقوق کا مطالبہ کیا ار پیکنگ میں غیر ملکی سفیروں کے داخلے اور نئی دیر رعایتوں کا مطالبہ کیا چنانچہ جنگ کریمیا کے بعد فرانس او ر برطانیہ والے اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ اس پوزیشن میں ہیں کہ مقامی تنازعات کو استعمال کرتے ہوئے فوجی مداخلت کر سکیں۔ نام نہاد دوسری جنگ افیون مانچو شاہی خاندان کی شکست پر ختم ہوئی۔ ٹائینٹسن معاہدہ حقیقی دشمنوں کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ (برطانیہ اور فرانس بلکہ امریکہ کے ساتھ بھی جس نے کہ جنگ میں بالکل حصہ نہیں لیا تھا چنانچہ یہ چین کو غلام بنانے کے لیے ایک اور قدم تھا۔ 1858ء کے نئے معاہدات نے فرانس اور برطانیہ کو کئی ایک بندرگاہوں کے ذریعے تجارت کے حقوق دیئے، ینگ سی میں آزادانہ جہاز رانی اور ان کو ملک کی ہر ایک بندرگاہ پر ہر وقت تجارت کے لیے آمدورفت کے حقوق دیئے گئے۔ چین، جنگ کا ایک اور تاوان دینے کے لیے رضامند ہوا۔ دارالحکومت میں فرانس اور برطانیہ کے سفیروں کو آنے کی اجازت دی گئی۔ مستقبل میں ایسے ہی حقوق دیگر غیر ملکی طاقتوں کو فراہم کیے گئے ___ مزید رعاتیں حاصل کرنے کی مزید کوششوں کے طور پر، فرانس اور برطانیہ نے تنازعات کو مزید ہوا دینے کے لیے، افواج پیکنگ بھیجیں، بادشاہ اور اس کے درباری خوف ودہشت میں شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یورپی فوجوں نے شہر میں قتل عام کیا اور بادشاہ کا گرمئی محل جلا دیا جس میں آرٹ کے نادر نمونے جل کر راکھ ہو گئے۔ بادشاہ کے بھائی ہنگ نے شہر کے دروازے دشمن کے لیے کھول دیئے۔ 24 اکتوبر 1860ء کو پیکنگ کنونشن پر دستخط ہوئے۔ جس سے ٹائینٹسن کی بندرگاہ غیر ملکی تجارت کے لیے کھول دی گئی، اور حقوق کے نئے سلسلے کا اعلان کیا گیا ___ خواہشات کے مطابق رعایتیں حاصل کرنے کے بعد اب غیر ملکیوں نے یہ سوچا کہ تائی پنگ بغاوت کو کچل دیا جائے، وہ اپنے حاصل شدہ تجارتی حقوق سے اسی وقت فائدہ اٹھا سکتے تھے جب دریائے ینگ سی کی وادی اور وسطی چین پر بادشاہت کا مکمل کنٹرول ہوتا۔ یورپی یہ بھی سمجھتے تھے کہ تائی پنگ مقابلہ کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ بہرحال تائی پنگ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ عیسائیت کے نام پر بھائی ہونا یا مذہبی رشتے کاروباری اور سیاسی مفادات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ___ اب یورپی قوتوں کو یقین ہو گیا کہ تائی پنگ بغاوت کو کچلنا ان کے لیے ضروری تھا۔ برطانوی اور فرانسیسی افواج جو جدید اسلحہ سے لیس تھیں، انہیں اس جدوجہد میں ایک اہم کردار ادا کرنا تھا، تاہم تائی پنگ ریاست میں پیدا ہونے والے تضادات بھی اس کی آخری شکست کا باعث بنے ___ اس دور کے چین میں جہاں سرمایہ دارانہ معاشی ڈھانچہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا، کسانوں کی تحریک زیادہ ترقی پسندانہ بورژوازی کی قیادت میں نہیں آ رہی تھی۔ تائی پنگ کی زرعی اصلاحاتی فکر میں کسانوں کی سب سے بڑی خواہش شامل تھی۔ جائیداد کی بنیاد پر عدم مساوات، کسان طبقے میں بھی پیدا ہو رہی تھی، تاجر اور مالکان

اراضی نے بھی بغاوت میں شمولیت اختیار کی کہ شاید مانچو خاندان کا خاتمہ ہو جائے وہ زیادہ سے زیادہ تائی پنگ کے خلاف ہو رہے تھے، جو مکمل مساوات کے لیے کہہ رہا تھا یہاں تک کہ تحریک کے لیڈران اصولوں سے انحراف کر رہے تھے اور تنگ نظر افسر شاہانہ رویہ اختیار کر رہے تھے۔ طبقاتی تضادات بھی تائی پنگ کے ابتدائی پیروؤ کاروں میں بھی ابھرنے لگے۔ وی چنگ ہو، جس کا تعلق زمینداروں کے خاندان سے تھا، اس نے ("Yang-Hsiu-Ching") ینگ چنگ جو کسانوں کے مفادات کا محافظ تھا، کے خلاف ایک سازش تیار کی۔ ستمبر 1856ء کو اس نے وائی چنگ کے دیگر اعلیٰ عہدیداروں سے مل کر ہانگ چنگ کی رہائش گاہ پر حملہ کیا۔ وہ، اس کا خاندان اور اس کے ہزاروں پیروؤ کار قتل کر دیئے گئے۔ تائی پنگ کے خلاف وی چنگ کے اس عمل نے فوج میں زبردست عدم یقینی اور بددلی کو جنم دیا۔ نومبر میں اسے اس کے عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا اور پھانسی دے دی گئی لیکن فوج میں انقلابیوں اور دوسرے گروہوں کے درمیان تنازعات روز بروز بڑھتے رہے۔ شی تا کائی ایک بڑی فوج کے ساتھ نانکسن سے نکل گیا اور اس نے حکومتی افواج کے خلاف آزادانہ لڑائی شروع کر دی۔ ہانگ چنگ کی موت کے بعد متحدہ فوج اپنی حیثیت برقرار نہ رکھ سکی۔ ہانگ چنگ کے قتل کے بعد، تائی پنگ کے عہدیداروں میں بدعنوانیاں بڑھنے لگیں ار مالکان اراضی کا ایک اور طبقہ وانگ پرنس ابھرنے لگا، پہلے جبکہ صرف چار وانگ تھے، بشمول ینگ چنگ کے، اور اب یہ تقریباً دوسو تھے۔ یہ لوگوں کی فلاح و بہبود کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے ان میں سے کئی ایک کسانوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ وانگ نے بے تحاشا دولت اکٹھی کی، لازمی جبری محنت کا رواج ڈالا اور ''خدائی سلطنت'' کی طرف سے مطالبات میں اضافہ کر دیا یہ تمام صورتحال کسانوں کے لیے انتہائی پریشانی اور بدحالی کا باعث تھی تاہم کسانوں کی جدوجہد، جاگیرداری نظام کے خلاف، اور مانچو شاہی کا تختہ الٹنے کی خاطر ختم نہ ہوئی۔ اس وقت ایک اور کسان لیڈر، کمانڈر (Li-Tzu-Ching) لی چنگ منظر عام پر آیا۔ اس نے 1860ء میں انقلاب دشمن قوتوں کو شکست دے کر نانکسن کو بچا لیا تب اس کے فوجی دستے شنگھائی کی طرف مارچ کرنے لگے، تاہم اس نے راستے میں کئی ایک قصبوں پر قبضہ کر لیا، لی چنگ، شہر پر قبضہ نہ کر سکا۔ (1862ء-1860ء) اس دور میں لی چنگ نے کئی ایک بڑی فتوحات حاصل کیں، لیکن یہ تائی پنگ ریاست کو بچانے میں ناکام رہے 1862 ___ ء میں غیر ملکی قوتوں نے تائی پنگ کے خلاف معاملات میں حصہ لینا شروع کر دیا، انہوں نے مانچو شاہی کو جدید اسلحہ اور بارود فراہم کیا اور ساتھ ہی اپنے فوجی ماہرین بھی بھیجے۔ غیر ملکی مداخلت سے کسانوں کی بغاوت کچلنے میں آسانی پیدا ہو گئی ___ 1865ء-1863ء کے عرصے میں سرکاری افواج تائی پنگ کے کئی مضبوط اڈوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ 1865ء کے موسم بہار میں نانکسن کو گھیر لیا گیا، اور گرد و نواح کے علاقوں سے اس کا رابطہ کاٹ دیا گیا۔ لی چنگ کی قیادت میں بہادر کسانوں نے اپنے شہر کا دفاع کیا، ینگ چنگ نے خودکشی کر لی۔

19 جولائی کو نانکسن کی دیواریں جلادی گئیں، انقلاب دشمن زبردست طریقے سے شہر میں داخل ہو گئے او رشہر کے باشندوں، فوجیوں اور دیگر افراد کا بے رحمانہ قتل عام کیا گیا اور لی چنگ کو انتہائی ظالمانہ انداز میں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ تائی پنگ کے فوجی مسلسل لڑائی جاری رکھے ہوئے تھے، کئی علاقوں میں گوریلا دستے سرگرم عمل تھے اور آئندہ چند سالوں میں بادشاہت اس قابل نہیں تھی کہ وہ کسانوں کی بغاوت کو کچل سکے تاہم کسانوں کی یہ عظیم جنگ شکست سے دوچار ہوئی۔ اس عظیم انقلابی لڑائی نے عوام اور کسانوں کو کئی ایک فائدے مند تجربات دیئے، جو بعد میں کسانوں کی طرف سے کی گئی بغاوتوں میں کام آئے، اسی وقت، اعلیٰ کلاس کے امراء کے نمائندوں نے، جنہوں نے کسان تحریک کو کچلنے میں اہم کردار ادا کیا تھا، وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ سماجی اور معاشی نظام میں تبدیلیاں کی جائیں، تاکہ ان کے اقتدار اور قوت کو تحفظ حاصل رہے۔

جاپان میں طبقاتی تضادات میں شدت

19 ویں صدی کے وسط میں، جاپان کی سماجی و معاشی مسافت، جاگیردارانہ معاشرے کی ایک کلاسیکی مثال تھی، جاپان کی اسی فیصدے سے زیادہ آبادی کسانوں پر مشتمل تھی۔ جو نہ صرف اپنے لیے کھانا اور کپڑا تیار کرتے بلکہ زرعی اوزار بھی بنا لیتے تھے۔ زمین طاقتور زمینداروں کی ملکیت تھی جبکہ کسانوں کے پاس مزراعتی کا حق توارث تھا جو بھاری ٹیکس ادا کرتے تھے اور ان کی پیداوار کا نصف حصہ ٹیکس کی صورت میں نکل جاتا۔ مختلف زمینداریوں میں محنت کے حالات اور طریقہ کار مختلف تھے۔ بادشاہت نے ایسے قوانین اور ضابطے جاری کیے جو کسی بھی متوقع سماجی تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ ریاست کی طرف سے ظالمانہ استحصال، موسموں کی فصلوں سے عدم مطابقت، نے قحط جیسے حالات پیدا کر دیئے جس سے کسانوں کی بدحالی میں اضافہ ہوا، کسان روز بروز ساہوکاروں کے قرضوں میں پھنستے گئے اور ساہوکار آہستہ آہستہ کسانوں کے اثاثوں کے مالک بن گئے۔ تاجر اور ساہوکار دیہاتی زندگی میں اہم کردار ادا کر رہے تھے اور کسانوں کی حالت روز بروز ابتر ہو رہی تھی۔ کسانوں کی اکثریت میں غربت او رساہوکاروں اور تاجروں میں زیادہ سے زیادہ انحصار جو 18 ویں اور 19 ویں صدی میں کہا جا رہا تھا۔ اسنے زبردست طبقاتی تضادات کو جنم دیا۔ کسانوں کی بغاوتیں معمول بن گئیں اور انہوں نے غربت کے ہاتھوں تنگ آ کر ہتھیار اٹھا لیے تاکہ ٹیکس اکٹھا کرنے والے اہلکاروں سے نجات حاصل کی جا سکے۔ 1704ء تا 1803ء تک، سو سال میں 254 سے زیادہ بڑی بغاوتیں ہوئیں۔ شہری غربا کے درمیان بھی بغاوتیں بڑھنے لگیں، چھوٹے تاجر اور دستکار بھی بدحالی کا شکار تھے لیکن ان دونوں طبقات کے درمیان کوئی ربط نہیں تھا تاہم یہ تحریکیں اس وقت کے سماجی نظام کے خلاف زبردست خطرہ تھیں لیکن بغاوتوں میں جارحانہ شدت

کے باوجود، انہیں باآسانی کچل دیا جاتا تھا ___ 19ویں صدی کا پہلا نصف جس میں کسانوں کی لاجواب بغاوتیں اٹھیں۔ انہیں عوام میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ 1837ء میں قصبات میں اٹھنے والی تحریکیں، ملک میں زبردست حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ کسانوں نے امرا کے گھر جلا دیئے۔ غلہ کے گودام لوٹ لیے۔ اسے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اس دور کی معیشت، جاگیردارانہ سیاسی نظام کی کمزوری کا باعث بن رہی تھی اور طاقتور جاگیرداری کی آمریت جس کی قیادت ٹوکوگاوا جنگجو سلسلہ خاندان کے ہاتھ میں تھی، اب زوال پذیر تھی ___

جاپان پر امریکہ غلبہ

مذکورہ بالا صورتحال کے پیش نظر سرمایہ دار ملکوں نے جاپان پر دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔ جون 1853ء میں، امریکی بحری بیڑہ جس میں چار جہاز تھے جو اعلیٰ ترین توپخانہ سے لیس تھے، اس کی قیادت کموڈور پیری کر رہا تھا، جاپانی ساحلوں پر پہنچا۔ جاپانی حکومت کے ایک عہدیدار نے مطالبہ کیا کہ جہازوں کو آبنائے یوراگا سے ہٹایا جائے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ ناگاساکی کی بندرگاہ پر جائیں جو غیرملکیوں کے لیے کھولی گئی ہے اور جاپانی حکومت سے رابطہ قائم کریں ___ پیری نے اس حکم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور کہا کہ وہ امریکی صدر کے پیغام کو جاپانی بادشاہ تک پہنچانا چاہتا ہے۔ پیری نے کہا کہ وہ اس مشق کی خاطر اپنے فوجیوں کو بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ اس علاقے میں جاپانی قلعے انتہائی کمزور حالت میں تھے۔ اسلحہ کی حالت انتہائی خراب تھی جو کسی بھی غیرملکی حملہ کو روکنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ امریکی بحری بیڑے کے سامنے جاپانی ساحل بے یارومددگار تھے۔ امریکی کمانڈر جاپانیوں کی اس کمزوری سے واقف تھے اور وہ اپنے جہازوں کو خلیج ٹوکیو میں لے گئے یہاں سے دارالحکومت زیادہ دور نہیں تھا۔ ایک جاپانی حکومت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ امریکی مطالبات کو ملحوظ خاطر رکھے کہ تین سو افراد جوان اور جدید اسلحہ کی موجودگی میں پیری نے امریکی صدر کا پیغام جاپانی حکومت کے حوالے کیا۔ پیغام میں امریکہ نے تجویز کیا کہ جاپانی کو اپنی تنہاپسندی کی پالیسی ترک کر دینی چاہیے۔ امریکہ سے تجارتی تعلقات قائم کرنے چاہئیں اور امریکہ بحری بیڑے کو جاپان میں لنگر انداز ہونے کا حق دینا چاہیے۔ پیری نے کہا کہ اگر ان تجاویز کا مناسب جواب نہ دیا گیا تو امریکہ اس سے طاقتور بحری بیڑہ روانہ کرے گا اور پابندی یہ عائد کی کہ اپریل یا مئی میں آئندہ سال اس کا جواب دینا ضروری ہے ___ پیری۔ نے جاپانی حکومت کو موقع دیا کہ وہ ان تجاویز پر اچھی طرح غور و فکر کرے کیونکہ اس کی اگلی منزل چین تھی جہاں تائی پنگ بغاوت امریکی مفادات کے لیے ایک بڑا خطرہ تھی۔ امریکیوں نے رجعت پرست چنگ حکومت کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے عوض اس سے مزید مراعات کا مطالبہ کیا ___ اس

دوران جاپانی حکومت بے بسی کے عالم میں تھی۔ پیری کی واپسی کا وقت آ رہا تھا اور حکمران طبقہ میں اختلافات تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ جاپان کی فوجی قوت اس قدر کمزوری تھی کہ اکثریت امریکی تجاویز منظور کرنے پر زور دے رہی تھی۔ فروری 1854ء کو امریکی بحری بیڑہ جس میں نو جہاز اور دو ہزار فوجی اور ملاح تھے خلیج ٹوکیو میں پہنچا۔ اس مرتبہ امریکیوں نے ذرا سخت لہجے میں بات کی۔ جاپانیوں کو ڈرانے کے لیے توپوں سے مسلسل گولہ باری کی گئی۔ پیری کھلی لڑائی کی دھمکیاں دے رہا تھا اور مطالبہ کرنے لگا کہ جاپانی یکطرفہ معاہدہ کریں۔ دارالحکومت امریکی توپوں کی زد میں تھا اور جاپانی حکومت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ یکطرفہ معاہدہ پر دستخط کر دے ___ چنانچہ اس معاہدہ کے تحت جاپانی پابند تھے کہ وہ شموڈا اور ہکوڈاٹا کی بندرگاہیں امریکہ جہازوں کے لیے کھول دیں۔ شموڈا پر امریکی کنٹرول ہو۔ تجارتی دفعات بھی مکمل طور پر امریکیوں کے حق میں تھیں چنانچہ اس طرح امریکیوں کا جاپان میں پاؤں پھیلانے کا راستہ کھل گیا۔ امریکی سرمایہ اندر آنے لگا۔ امریکی حکومت نے پیری کو ان خدمات کے عوض 20 ہزار ڈالر انعام دیا ___ امریکہ کے اس معاہدہ کے بعد، برطانیہ نے جاپان پر دباؤ ڈالا کہ ایس اہی معاہدہ کر لیا۔ 1857ء میں ہالینڈ کے ساتھ، 1858ء میں فرانس کے ساتھ جاپان نے ایسے ہی معاہدے کیے۔ فروری 1855ء میں روس اور جاپان کے درمیان بات چیت جو دو سال تک جاری رہی معاہدہ طے پا گیا کہ روسی جہاز، شموڈ ٹا، ہکوڈ ٹا اور ناگاسا کی بندرگاہوں میں داخل ہو سکیں گے ___ جاپان پر یہ ٹھونسے گئے ان معاہدات نے جاگیردارانہ راج کی حالت انتہائی مخدوش کر دی۔ غیر ملکی مال کا سیلاب، ملکی صنعت کے لیے انتہائی نقصان کا باعث بنا۔ علاوہ اس کے مذکورہ بالا معاہدات نے ملکی حکمران طبقہ میں اختلافات کو شدید کر دیا۔ جاگیردار امراء، غریب کسان، بادشاہ کے قریبی حواری، یہاں تک کہ بورژوا طبقہ کا ایک خاص حصہ، بڑی شدت کے ساتھ معاہدات کی مخالفت کر رہا تھا تمام اطراف سے دباؤ بڑھ رہا تھا کہ شاہی دربار نے سابقہ روایاتی حکمت عملیاں بحال کرے۔

میجی (Meiji) کی بحالی

اگرچہ شہنشاہیت مذکورہ بالا معاہدات پر عمل درآمد کر رہی تھی، لیکن خفیہ طور پر وہ غیر ملکیوں کے ساتھ محاذ آرائی کی تیاری کر رہی تھی۔ حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح گرتی ہوئی ساکھ کو بحال کیا جا سکے گا اور غیر ملکی مداخلت کو روکا جا سکے گا۔ کئی برطانوی قتل کیے گئے اور غیر ملکیوں کی عمارتیں جلا کر خاکستر کر دی گئیں اس کے جواب میں مغربی طاقتوں نے ساحلی قصبوں پر گولہ باری کی اور کئی بے گناہ افراد ہلاک کر دیئے۔ 1863ء میں برطانوی جہازوں نے کاگوشیما پر وحشیانہ بمباری کی۔ 1864ء میں برطانی، فرانس، امریکہ اور ہالینڈ کی مشترکہ افواج نے ساحلی علاقوں پر زبردست بمباری کی جس سے مقامی آبادی میں

سخت نفرت اور غصہ پھیل گیا اور پورے ملک میں یہ مطالبہ زور پکڑ گیا کہ جاپانیوں کو اکٹھے ہو کر متحدہ دشمن کے خلاف جدوجہد کرنا چاہیے۔ ساتوشما اور موری کے حکمرانوں نے مرکزی حکومت کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے غیر ملکیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تو وہ بغاوت کر دیں گے۔ مرکزی حکومت نے ان باغی حکمرانوں کے خلاف فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران برطانوی اور فرانسیسی افواج کو ملک میں داخل ہونے کے لیے کہا گیا۔ غیر ملکی مال پر محصول 5 فیصد گھٹا دیا گیا۔ اس صورتحال میں ملک کی فضا مزید بگڑ گئی۔ غیر ملکی سفارتکار ملکی معاملات میں کھلم کھلا مداخلت کر رہے تھے۔ فرانس بادشاہ کی فوجی اور اقتصادی امداد کر رہا تھا کہ باغیوں کو قابو کیا جا سکے لیکن بادشاہ مخالف قوتوں کے زور پکڑنے سے مرکزی حکومت کمزور ہو رہی تھی ___ اسی دوران کسانوں کی جنگیں پورے ملک میں پھیل رہی تھیں کم از کم ایک لاکھ تیس ہزار کسانوں نے صوبہ کی بغاوت میں حصہ لیا۔ 1877ء-1866ء میں پوری وسطی جاپان میں بغاوت پھیل چکی تھی، بادشاہ مخالف قوتیں قصبوں میں بھی حمایت حاصل کر رہی تھیں جہاں نوجوان، جاپانی دانشور اور ترقی پسند مغربی خیالات سے متاثر ہو کر جمہوری اور ترقی پسندانہ افکار اپنا رہے تھے۔ اسی دوران بورژوازی نے ملک میں غیر ملکی مال کی آمد کے خلاف احتجاج شروع کر دیا اور مرکزی حکومت کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ اس جدوجہد میں جنوب اور جنوب مغربی جاپان کے جاگیردار قبائل اکٹھے ہو رہے تھے جو غیر ملکی طاقتوں سے تجارت کرتے تھے اور اس علاقے کے حکمرانوں نے جو اتحاد قائم کیا، ان کے کچھ نامور راہنما سمورائی تھے۔ جنوب مغرب کے حکمرانوں کا ایک اتحاد جس کی حمایت بینکار اور بادشاہ کے قریبی حواری کرتے تھے، وجود میں آیا۔ غریب سمورائیوں پر مشتمل ایک نیم رضا کارانہ اور نیم تنخواہ دار قسم کی فوج تیار کی گئی جس میں دستکار، کسان اور شہری غریب شامل تھے اور اس اتحاد اور جدوجہد میں سب سے اہم کردار بورژوازی کے وہ طبقے کر رہے تھے جو تجارت اور مالیات سے نئے نئے وابستہ ہوئے تھے۔ درحقیقت بغاوت کا مقصد بادشاہ کے اختیارات کو بحال کرنا تھا جو کہ شوگونات نے غصب کر لیے تھے۔ 1867ء میں ایک 15 سالہ لڑکے کو جس کا نام منشیھو تھا اسے تخت نشین کر دیا گیا۔ یہ شوگونات اتحاد کے مخالف ایک مناسب ہتھیار تھا ___ اکتوبر 1867ء میں اتحاد نے شوگن کیکی سے مطالبہ کیا کہ بادشاہ کو اس کے سابقہ اختیارات بحال کر دیئے جائیں۔ شگون صورتحال کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا، اس نے علیحدگی اختیار کی اور اوساکا میں اپنے محل میں پناہ لے لی اور ایک ناگزیر مخالفتوں کے سلسلے کی تیاری کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ شوگن ابھی تک ملک کی سب سے بڑی جاگیر کا مالک تھا اور اس کے پاس ایک بہت بڑی فوج تھی جسے فرانسیسیوں نے تربیت دی ہوئی تھی، انہی وجوہات کی بنیاد پر اس نے دشمن سے لڑائی کا فیصلہ کیا، لیکن خوشی می کی لڑائی میں اسے فیصلہ کن شکست ہوئی۔ جنگ 1869ء-1868ء تک جاری رہی، لیکن صورتحال شوگ نات مخالف اتحاد کے حق میں تھی۔ نئی حکومت میں اہم کردار ساتوشما، اوکوبو اور کنڈو قبائل کے نمائندوں

نے ادا کیا۔انہوں نے ملک کومتحد کرنے اوراس کا تشخص یورپی بنانے کی کوشش کی، خاص طور پر اسلحہ اور ٹیکنالوجی کے شعبے مین لیکن یہ پالیسی کسانوں کے مفادات میں نہیں تھی، ج وکہ جاگیرداری نظام کے خاتمے اور زمینوں کی تقسیم کا مطالبہ کررہے تھے۔حکومت کی تبدیلی کے باوجود 1868ء-1878ء کے دور میں ایک سو پچاسی بڑی کسانوں بغاوتیں ہوئیں، جس میں تقریباً ڈھائی لاکھ کسانوں نے حصہ لیا، بورژوازی اور جاگیردار کسانوں کے خلاف مشترکہ حملہ کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے، اورانہوں نے اس بغاوت کو بڑے ظالمانہ طریقے سے کچلنے کا سلسلہ جاری رکھا___ 1867ء-1868ء کے واقعات کو جاپان کی تاریخ میں میجی کی بحالی کا دور کہا جاتا ہے۔



باب:29

یورپ اور امریکہ میں قومی بورژوا تحریکیں

(1850ء) سرمایہ داری کا ارتقاء:

اگرچہ 1848ء کا انقلاب فتح پر اختتام پذیر نہیں ہوا تھا لیکن اس وقت رجعت پسند طاقتیں، اس قابل نہیں تھیں کہ سماجی ارتقاء کو روک سکتیں۔ یورپ اور امریکہ میں سرمایہ داری کی تیزی کے ساتھ نشوونما 19ویں صدی کے وسط میں زبردست سماجی تبدیلیوں کا باعث بنی۔ مشین سے پیداواری عمل نے دستی محنت کو علیحدہ کر دیا، صنعت کے تمام شعبوں میں بڑی بڑی سرمایہ دارانہ فیکٹریاں ابھر رہی تھیں۔ عام ایجادات اور دریافتیں ملکوں کی معیشت کو تیزی سے تبدیل کر رہی تھیں، لکڑی سے کوئلہ، اور پھر کوئلہ سے تیل، ایندھن کا یہ بڑا ذریعہ ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ لوہے کو سخت کرنے کے نئے طریقے اور فرانس کی ایجاد نے دھات انڈسٹری میں انقلاب برپا کر دیا۔ دھات سازی میں اہم پیش رفت دوسری صنعتوں کے لیے ترقی کا باعث بنی۔ اس عہد میں ریلوے کے نظام میں وسعت آئی۔ 1830ء سے 1870ء تک ریلوے کی لمبائی ایک لاکھ پچاس ہزار میل تک پہنچ چکی تھی۔ فزکس اور خاص طور پر برقیات میں اہم دریافتیں ہوئیں۔ اس سے مواصلات کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ 1859ء میں چارلس ڈارون نے اپنی مشہور تخلیق پیش کی، اس کی کتاب "The Origine of Species by means of natural Selection" چھپی، جس نے قدرتی سائنسوں میں ایک انقلاب آفریں کارنامہ انجام دیا، کاشتکاری کے شعبے میں جدید ترین طریقے دریافت کیے گئے۔ 1850ء کے بعد بڑے بڑے ترقی یافتہ ملکوں میں صنعتی لحاظ سے اہم پیش قدمیاں ہوئیں تاہم 1857ء میں یورپ اور امریکہ ایک نئے قسم کے بحران سے دوچار ہو گئے، یہ زائد پیداوار کا بحران تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایسا بحران عالمی سطح پر نمودار ہوا لیکن یہ آخری بحران نہیں تھا، اس قسم کے معاشی بحران سرمایہ دارانہ ملکوں میں اکثر و بیشتر آتے رہتے ہیں۔ اس وقت سرمایہ

دارانہ ترقی کے لحاظ سے برطانیہ سب سے آگے تھا اور اس ترقی میں اس کے نوآبادیاتی نظام کو سبب قرار دیا جا سکتا ہے۔ ملک میں ہر طرف کارخانے تعمیر ہو رہے تھے۔ 1870ء میں برطانیہ ایک شہری ملک بن گیا تھا جس کی دو تہائی آبادی شہروں میں رہتی تھی۔ دنیا کی کل پیداوار کا نصف لوہا برطانیہ پیدا کرتا تھا اور اس کی کاٹن انڈسٹری کی پیداوار دنیا کی کل پیداوار سے زیادہ تھی، دنیا میں سب سے زیادہ غیر ملکی تجارت برطانیہ کی تھی اور دنیا میں سب سے بڑا تجارتی بیڑا بھی برطانوی تھا ___ ملکہ وکٹوریہ (1901ء-1837ء) کے عہد میں برطانیہ اپنے عروج پر تھا۔ اس دور میں بینکاروں، صنعت کاروں اور تاجروں کو ترقی کے بے تحاشا مواقع ملے۔ ملک کی داخلہ اور خارجہ پالیسی اسی حلقہ کے مفادات میں وسعت کا باعث بنی۔ ہندوستان، چین اور افریقہ میں غلبہ حاصل کرنے کی نوآبادیاتی جنگیں، برطانوی بورژوازی کے لیے بے پناہ منافع کا باعث بنیں۔ (1856ء-1853ء) جب برطانیہ، فرانس اور ترکی نے مل کر کریمیا میں روس کے خلاف جنگ کر رہے تھے اس میں نقصان صرف عام آدمیوں کو ہوا، جن پر جنگ مسلط کی گئی تھی۔ برطانیہ کے محنت کش خراب اوقات کار اور زندگی کے سہولتوں سے محروم زندگی گزار رہے تھے۔ برطانوی عوام کی غربت کا نقشہ چارلس ڈکن نے اپنے ناولوں میں کھینچا ہے جب کسان انتہائی بری حالت میں زندگی گزار رہے تھے اور آئرلینڈ کے استحصال زدہ لوگ برطانیہ کے زیر تسلط ملکوں کے محکوم عوام جو بے رحمانہ استحصال کا شکار تھے جن کے قتل عام سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا ___ برطانیہ کا محنت کش طبقہ بتدریج بڑھتا رہا اور زیادہ سے زیادہ منظم ہو گیا، مزدوروں کی اکثریت ٹریڈ یونین میں شمولیت اختیار کر رہی تھی۔ ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعے برطانوی محنت کش حکمران طبقے سے کئی ایک رعائتیں حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ اوقات محنت 10 گھنٹے، بچوں سے محنت کے تحفظ کا قانون اور یہ مزدوروں کی طرف سے دباؤ بڑھنے کا نتیجہ تھا کہ دوسرا اصلاحاتی بل 1867ء میں منظور ہوا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ووٹ دینے کا حق ملا۔ عددی لحاظ سے محنت کش طبقے میں اضافہ ان کی سیاسی سرگرمیوں میں اضافے کا باعث بنا، بورژوازی نے انتہائی پیچیدہ چالیں چلنی شروع کر دیں، سب سے اہم محنت کشوں میں پھوٹ ڈالنا، اور نوآبادیوں سے حاصل شدہ بے پناہ منافع، بورژوازی نے پرولتاریہ کے مختلف پرتوں مثلاً کاریگر کو زیادہ تنخواہ دینے کا اعلان کیا۔ اس کے علاوہ دیگر کئی ایک حقوق کا اعلان کیا۔ دراصل بورژوازی نے ایک قسم کی صنعتی اشرافیہ تشکیل دینے کی کوشش کی، ان کا تعلق محنت کش طبقے سے تھا لیکن یہ صنعت کار کے دم چھلے بن گئے۔ بورژوازی کی کوشش رہی کہ پرولتاریہ کو تقسیم کر دیا جائے کئی ایک جمہوری رعائتیں، سماجی اور محنت کے قوانین 1850ء-1860ء میں جاری کیے گئے۔ پرانا طبقہ اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں کامیاب ہوا۔

امریکہ میں خانہ جنگی

سرمایہ داری پہلے ہی برطانیہ میں ترقی یافتہ تھی۔ اس کی راہ میں کئی ایک رکاوٹیں یورپ اور امریکہ میں حائل ہوئیں۔ پوری 19ویں صدی میں سرمایہ داری امریکہ میں بڑی تیزی سے ترقی کرتی رہی۔ زیادہ سے زیادہ زمینوں کو قابل استعمال بنانے کے لیے آبادکار مغرب کی سمت آباد ہوتے رہے اور وہ جہاں گئے، انڈین کو نکال باہر کرتے رہے چونکہ وسیع وعریض زمینوں پر انسانی محنت نایاب تھی اس لیے وہاں مشینری استعمال کی گئی۔ امریکہ میں سرمایہ دارانہ ارتقاء یکساں طور پر نہیں ہوا، سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات شمال میں قائم ہونا شروع ہونے، جہاں بڑے بڑے صنعتی مراکز قائم ہو گئے تھے اور مغرب میں بھی جو پہلے ہی زرعی علاقہ تھا۔ اسی دوران جنوب میں ابھی تک غلامانہ محنت کا رواج تھا اور غلام مزدوروں کی بھرتی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ امریکہ کا جنوبی علاقہ اس وقت غلاموں کی محنت کا سب سے بڑا مرکز تھا اور 1860ء میں وہاں تقریباً چالیس لاکھ نیگرو غلام تھے اور یہ غلام قابل فروخت ہوتے تھے۔ ان پر تشدد، یہاں تک کہ انہیں قتل کیا جا سکتا تھا۔ ان سے کوڑوں اور تشدد کے خوف سے کام لیا جاتا تھا۔ وہ ساری ساری رات تمباکو اور کپاس کے کھیتوں میں کام کرتے رہتے ___ یہ دو مختلف نظام جو شمال اور جنوب میں چل رہے تھے، سرمایہ دارانہ بنیادوں پر تعلقات اور غلام داری محنت کئی ایک طویل عرصے سے برقرار تضادات جو ان دو نظاموں میں موجود تھے۔ بعض اوقات شدید صورت اختیار کر جاتے۔ ابراھم لنکن (1865-1809ء) جو ایک غریب کسان کا بیٹا تھا اور ایک دیانتدار جمہوریت لے تھا اور غلام داری کا سخت مخالف تھا۔ وہ امریکی صدر منتخب ہو گیا۔ جنوب کے غلام داروں نے مرکزی حکومت کے خلاف مکمل بغاوت منظم کی۔ وفات سے خود کو علیحدہ کرتے ہوئے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی کنفیڈریشن قائم کر لی۔ اپنا صدر منتخب کیا اور حکومت بنالی۔ امیر مالک غلامان کرنل جیفرسن ڈیوس کو صدر منتخب کر لیا گیا۔ اس نے عوام کے سامنے کھلے عام یہ کہنے میں شرم محسوس نہ کی کہ نیگرو سفید فام سے کمتر ہیں۔ 1861ء تا 1865ء تک امریکہ سخت قسم کی خانہ جنگی کا شکار رہا ہے۔ پہلے پہل کنفیڈریشن والوں کا پلہ بھاری تھا کیونکہ یہ فوجی مہارت میں برتر تھے تاہم جلد ہی امریکہ عوام جنوب کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے گئے۔ جنگ ایک انقلابی صورت اختیار کر گئی اور جنگ کا توازن بدل گیا۔ جنگ کا فیصلہ کن مرحلہ اس وقت آیا، جب ابراہیم لنکن نے یہ اعلان کیا کہ مغرب میں قطعات اراضی ان لوگوں میں تقسیم کیے جائیں گے جو ان پر کام کرنا چاہیں گے اور وہ تمام غلام جن کا تعلق جنوب سے ہے۔ یکم جنوری 1863ء کو ان کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔ ان قوانین نے بڑے ہرے اثرات مرتب کیے جس سے جنوبی علاقوں میں ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ 1865ء کے موسم بہار تک یہ انجام کو پہنچ گئے۔ امریکی تاریخ میں غلام داری کا خاتمہ ایک شاندار واقع ہے اور یہ ایک دوسرا انقلاب تھا لیکن لوگ وہ پھل نہ کھا سکے جو اس زبردست جدوجہد کے دوران پکے تھے۔ 14اپریل 1865ء کو جب جنوب والوں کے صدر کے ساتھ شرط معاہدہ طے کیے ابھی

پانچ روز ہوئے تھے ابراہیم لنکن جس نے اس جدوجہد میں عوام کی قیادت کی تھی، غلام داروں کے ایک ایجنٹ کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ اسی دوران ملک کی ریاستی مشینری میں بورژوازی نے زبردست کنٹرول حاصل کرلیا۔ اب غلامی اس پیش قدمی کو نہیں روک سکتی تھی۔ سرمایہ داری نے بڑی سرعت سے امریکہ میں اثر ورسوخ حاصل کیا اور ترقی کے تناسب کے لحاظ سے یورپی سرمایہ دارانہ ریاستوں کو پیچھے چھوڑنے لگی۔

اٹلی کا متحدہ ہونا

قومی اتحاد اور غیر ملکی غلبے سے آزادی، اور آزاد ریاستی تکمیل، ابھی تک کئی ملکوں کا مسئلہ تھی او رخصوصی طور پر یہ اٹلی کے عوام کا بڑا مسئلہ تھا۔ 1849-1848ء کے ناکام انقلاب کے بعد ابھی تک اٹلی 8 علیحدہ ریاستوں پر مشتمل تھا جبکہ فرانسیسی فوجی دستے روم میں تعینات تھے اور لومبارڈی اور وینٹیا، شمال میں آسٹریا کے قبضے میں تھے، محبِ وطن اطالوی ملک کو غیر ملکیوں سے آزاد کروانے اور ایک متحدہ ریاست قائم کرنے چاہتے تھے لیکن کوئی ایسا متفقہ فارمولا نہیں تھا جس کے تحت یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ___ شمال میں سلطنت پیڈ ماونٹ ساوڈینا میں امیر لوگوں کا حلقہ اثر، کارخانہ دار، اعتدال پسند جاگیردار، اعلیٰ عہدوں کے سرکاری افسران یہ سمجھتے تھے کہ ملک کے اتحاد کو اوپری سطح سے شروع کرنا چاہیے اور اس کے لیے پیڈ ماونٹ بادشاہت ایک مرکزی کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس کے لیے عوام کو شامل کیے بغیر سفارتی اور سیاسی حکمت عملیاں اختیار کرنی چاہئیں۔ اس طریقہ کار کا سب سے بڑا وکیل پریمئر، کاونٹ کوسلیو بنو تھا، وہ یہ چاہتا تھا کہ فرانس کے لوئیس نپولین سے اچھے تعلقات قائم کیے جائیں اور اس مقصد کے لیے اس کی فوجی اور سیاسی امداد حاصل کی جائے۔ Cavour کیور نے پیڈ ماونٹ کو جنگ کریمیا میں ملوث کیا تھا، حالانکہ اس جنگ سے اطالوی عوام کے کوئی مفادات وابستہ نہیں تھے۔ 1859ء میں کیوریر اور نپولین سوم کے درمیان ایک خفیفہ معاہدہ ہوا، فرانس اور پیڈ ماونٹ نے آسٹریا کے ساتھ جنگ کی اور دو قابل ذکر فتوحات حاصل کیں۔ میگنٹا (4 جون) درشول فریڈیو (24 جون) کی۔ ابھی جب آسٹریا والے شکست سے دوچار ہوئے تھے۔ نپولین نے اطالوی اتحادیوں سے غداری کی اور خاموشی سے ایک خفیہ معاہدہ آسٹریا کے ساتھ کرلیا، جس کے تحت لوبسارڈی، پیڈ ماونٹ کے حوالے کر دیا گیا۔ آسٹریا والوں نے وینٹیا اپنے پاس رکھا۔ سوائے اور نائیں فرانس کے حوالے کیے گئے، کسی حد تک کیوریر کی سکیم بہت کم اچھی ثابت ہوئی، اسی دوران مختلف اطراف سے جو اٹلی کے اتحاد کی کوششوں اور تحریکیں چل رہی تھیں، وہ بھی متحرک تھیں۔ ''نوجوان اٹلی کے رکن'' اس تحریک کی قیادت ایک محبِ وطن اطالوی موزینی (1872ء-1805ء) اور گاری بالڈی (1882ء-1807ء) کے ہاتھوں میں تھی، یہ ''نوجوان اٹلی تحریک'' اپنی امیدیں غیر ملکی قوتوں اور

سازشوں پر انحصار نہیں کر رہی تھی بلکہ ایک بہادرانہ اور باجرات انقلابی تحریک پر یقین رکھتی تھی، یہ تحریک لوگوں کو خوف میں مبتلا کرنے کی بجائے ان کی حمایت حاصل کر رہی تھی کیونکہ کیویر کی موقعہ پرستانہ سکیم جس کے تحت ''انقلاب بالائی سطح'' سے ناکام ہو چکی تھی۔ ''نوجوان اٹلی تحریک'' نے اٹلی کو متحد کرنے کے لیے جدوجہد میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ 1859ء میں اس تحریک نے پارما، موڈینا، سنکانی کیں اور پاپل رومانگنا کے مقامی حکمرانوں کا تختہ الٹ کے اسے سلطنت پیڈ ماونٹ کے ساتھ یکجا کر دیا۔ بعد میں سلطنت سسلی میں بھی ایک زبردست بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی اور گاری بالڈی وہاں پہنچ گیا جس کے ساتھ بحری جہازوں میں سوار سرخ پوش دستے تھے، یہاں سرخ پوشوں نے نپولین کے نامزد بادشاہ کا تختہ الٹ دیا اور رضا کاروں کی اکثریت اس کی فوج میں شامل ہونے لگی جس کی وجہ سے جنوبی اٹلی میں کثیر افراد پر مشتمل ایک فوج وجود میں آ گئی اور یہ جلد ہی نیپلز میں داخل ہوگئی۔ بوربون بادشاہت کا تختہ الٹ دیا گیا اور نیپلز کے عوام نے گاری بالڈی کا قومی ہیرو کی طرح استقبال کیا تاہم وہ اس کے ساتھیوں نے جمہوریائی بنیادوں پر ملک کو متحدہ کرنے کو کامیاب کوشش نہیں کی۔ 1860ء کے موسم خزاں میں، شمال اور جنوب پیڈی منٹ کے بادشاہ کی ملکوکیت میں اکٹھے ہو گئے۔ اس کا سربراہ وکٹر امینویل تھا اس نے نیپلز کی طرف پیش قدمی کی وہاں گاری بالڈی نے اپنی مرضی کے ساتھ ہتھیار ڈال دیئے۔ اب اس ہیرو کی خدمات کی ضرورت نہیں رہی تھی اور وہ کیپریرا کا جزیرہ جو اس کا آبائی وطن تھا، اور ماہی گیری کے لیے مشہور تھا وہاں گمنامی کی زندگی گزارنے کے لیے چلا گیا۔ ہرزن نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اسے اس طرح علیحدہ کیا گیا جس طرح ایک کوچوان کو جو اپنے مسافروں کو ان کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ مارچ 1861ء میں ٹورئین میں اٹلی کی متحدہ سلطنت کا اعلان کیا گیا اور وکٹر امینوئل کو اس کا حکمران بنایا گیا تاہم ملک کی ابھی تک مکمل یکجہتی ہونا تھی۔ 1866ء میں وینٹیا، آسٹریا اور پروشیا کے درمیان جنگ کے نتیجے میں آزاد ہو گیا اور ستمبر 1870ء میں قدیم دارالحکومت روم اٹلی کا حصہ بن گیا۔ اٹلی کا اتحاد، دو متوازی سلسلہ عمل کے نتیجے میں ہوا، ''بالائی سطح'' اور ''نچلی سطح'' سے۔ فیصلہ کن کرداری انقلابی سرگرمیاں جن کی قیادت گاری بالڈی اور میزانی کر رہے تھے، لیکن یہ اس تحریک کو اس کے منطقی انجام تک نہ پہنچا سکے، جو ایک ''جمہوریہ کی تشکیل''، تھی او ربورژوا اعتدال پسند، جنہوں نے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا، انہوں نے اپنی خواہشات کی تکمیل ایک بورژوازی آئینی شہنشاہیت قائم کر کے کی۔ اب یہ حقیقت تھی کہ ملک متحد ہو گیا تھا اور اٹلی کے عوام کی تاریخ کو آگے بڑھانے کے لیے قدم اٹھانے لگا۔

بلقان میں قومی آزادی کی تحریکیں:

جزیرہ نما بلقان کے محکوم لوگوں نے بھی غیر ملکی تسلط کے خلاف جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ ایک طویل عرصہ سے رومانیہ، بلغاریہ، سربس، البانیہ، مونٹگرین، ترکی کے شکنجے میں زیر تسلط تھے کئی بار انہوں نے استحصالیوں کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا لیکن 1850ء اور 1860ء میں ترکوں کے خلاف قومی آزادی کی تحریکیں ایک اہم مرحلے میں داخل ہو گئیں تھیں۔

بلغاریہ کی تحریک آزادی:

1850ء میں وڈن کے علاقے میں بلغاریہ کے کسانوں نے ترک حکمران آقاؤں کے خلاف جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ یہ بغاوت کچل دی گئی لین بلغاریائی عوام کی جدوجہد کئی صورتوں میں جاری رہی۔ کسانوں کی بغاوتوں اور تحریکوں کو منظم کرنے میں اہم کردار بلغاریہ کے انقلابی گورگی راکیوسکی (1821ء-1867ء) نے ادا کیا اور بعد میں اس کی جگہ ویسل لیوسکی (1837ء-1873ء) نے لے لی اور عوام جمہوری راہنما لاینبن کارویلوف (1837-1879ء) نے اہم کردار ادا کیا۔ بلقاریہ کی مرکزی انقلابی کمیٹی لاوسکی اور کارویلوف کی زیر قیادت تشکیل دی گئی اور یہ کمیٹی ترکی تسلط کے خلاف ایک تنظیمی اور مرکزی کردار ادا کرنے لگی۔ 1830ء کے آغاز میں سربیا نے خودمختاری کا حق حاصل کر لیا لیکن سردست اقتدارِ اعلیٰ سلطان آف ترکی تھا، تاہم 1860ء میں مکمل آزادی کا سفر مکمل کر لیا گیا۔ 1867ء میں بلغرار میں تعینات ترکی چھاونیاں اور قلعہ بندیاں ختم کر دی گئیں۔

سلطنت رومانیہ کا ظہور:

1859ء میں رومانیہ کی دو سلطنتوں، جو مصنوعی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئی تھیں، جن کا نام مولداویا اور والاچیا تھا۔ رومانیہ کے نام سے یکجا ہو گئیں۔ کرنل الیگنڈر کوزا کو سربراہ منتخب کیا گیا تاہم 1866ء میں اسے رجعت پسند امراء اور افسران نے اقتدار سے محروم کر دیا اور اس کی جگہ ایک جرمن کو سربراہ مقرر کر دیا گیا تاہم رومانیہ ریاست کے اتحاد کا عمل بتدریج جاری رہا اگرچہ رومانیہ پر ابھی تک اقتدار اعلیٰ سلطان آف ترکی کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود 1859ء سے عملی طور پر رومانیہ ایک آزاد ملک بنا۔

کریٹ کی بغاوت:

تاہم اس دور کی تمام آزادی کی تحریکیں فتح سے ہمکنار نہیں ہوئیں۔ 1866ء میں جزیرہ کریٹ میں بغاوت پھوٹ پڑی اور اسے ترک حکمرانوں نے بڑی بے دردی سے کچل دیا۔ لوگ غیر ملکی

آقاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کریٹ کے لوگوں کی مدد کے لیے یورپ کے کئی حریت پسند پہنچے۔ کسی کی بڑی طاقت نے مدد نہیں کی۔ 1869ء میں بغاوت بڑے وحشیانہ جبر سے کچل دی گئی۔

1863ء پولینڈ کی باغیانہ تحریک:

18ویں صدی کے آخر سے، جب سے آسٹریا، پروشیا اور روس نے پولینڈ کو آپس میں تقسیم کر رکھا تھا، لوگوں کی جدوجہد آزادی تسلسل کے ساتھ جاری تھی۔ پولینڈ نے ملک کو آزاد کرنے اور غیر ملکی آقاؤں سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رکھی۔ یہ مقصد اس لحاظ سے بڑا مشکل تھا کہ پولینڈ کے آقا تین بڑے طاقتور یورپی ممالک تھے، ان کے خلاف فتح حاصل کرنا، ایسے ممکن تھا کہ تمام پولینڈ متحد ہو کر لڑائی کے لیے اٹھ کھڑا ہو، اس تحریک کا ایک اور مسئلہ یہ تھا کہ اس کے لیڈران کا تعلق امراء اور اشرافیہ سے تھا۔ وہ کسانوں سے خوفزدہ اور ان پر اپنا اعتماد بحال کرنے میں ناکام رہے تھے۔ کئی لیڈروں نے اپنی امیدیں مغربی قوتوں کی امداد پر لگا رکھی تھیں، اور وہ سمجھتے تھے کہ اپنے ملک کی آزادی کے لیے پولینڈ کے عوام فیصلہ کن کردار ادا نہیں کر سکتے۔ پولینڈ کی آزادی کی تحریک میں جبلی کمزوریوں کے نتیجے میں 1863ء کی بغاوت کا نتیجہ منفی صورت میں نکلا، باوجود شاندار بہادری اور بے مثال ہیروازم کے، ان کے راہنما کسانوں سے خوفزدہ رہے اور ان پالیسیوں کو اپنائے رکھا جو ان کے لیے بہتر تھیں۔ اسی دوران زار روس اور پروشیا جلد ہی ایک معاہدے پر پہنچے کہ کونسا لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ اسی دوران مغربی قوتیں، اپنے حریصانہ مفادات کے تحت، پولینڈ والوں کی مدد کے لیے کوئی توجہ نہیں دے رہیں تھیں، برطانیہ اور فرانس کے محنت کشوں اور ترقی پسند حلقوں (روس کے) نے فوراً پولینڈ کے عوام کی حمایت میں آواز بلند کی۔ وہ حریت پسندوں کے لیے اخلاقی امداد کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ 1864ء کے موسم بہار میں اس بغاوت کو بڑے ظالمانہ انداز میں کچل دیا گیا۔

جرمنوں کا متحد ہونا

ابھی تک جرمنوں کو بھی متحد ہونا تھا، 1848ء کے انقلاب کے بعد جو سیاسی ردعمل ہوا، اس سے جرمن ریاستوں کی معیشت میں خاطر خواہ ترقی نہ ہو سکی۔ رین لینڈ، سیکنی، سائیسیا اور برلن میں طاقتور صنعتیں ابھرنے لگی، اس سے پرولتاریہ میں زبردست اضافہ ہوا۔ سرمایہ دارانہ ترقی کے باوجود، سیاسی اور اقتصادی اتحاد قائم نہ ہو سکا، اور انتشار کی صورتحال برقرار رہی جس طرح کا معاملہ اٹلی کا تھا۔ اس طرح جرمنی میں، اتحاد کو دو طریقہ کار سے حاصل کیا جا سکتا تھا، ''بالائی سطح'' سے اور ''نچلی سطح'' سے، بعد والا مرحلہ

جرمن مزدوروں نے شروع کیا، جس کی قیادت آگسٹ بیبیل (Augnst Bebel)(1913ء-1840ء) کر رہا تھا۔ یہ ایک باصلاحیت اور خود معمر قسم کا آدمی تھا، اور جرمن محنت کشوں کی تحریک کا ایک ممتاز منتظم بن گیا اور ایک صحافی ولیہم لا یبک نیشے (1900-1826ء) پر کارل مارکس کا شاگرد اور اس کا پیروکار تھا، اور جب وہ لندن میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا، اس کے ساتھ اس کے قریبی تعلقات قائم ہوئے۔ بیبل اور لائیک نیشے نے پہلے محنت کشوں کی انجمن بنائی پھر انہوں نے کارل مارکس کی حاصلات سے سوشل ڈیموکریٹک پارٹی بنائی۔ (1869ء) وہ یہ سمجھتے تھے کہ جرمنوں کا اتحاد، صرف انقلابی اقدامات اور انقلابی قوتوں کے فیصلہ کن اقدامات سے ممکن ہے، لیکن ان دونوں کو جرمنی کے تمام مزدوروں کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ ان میں سے زیادہ تر جنرل ایسوسی ایشن آف جرمن ورکرز میں شامل ہو چکے تھے۔ اس کی بنیادی 1863ء میں فونینڈ لاسال نے رکھی تھی۔ (1864ء-1825ء) یہ باصلاحیت مقرر، عوامی راہنما اور انقلابی، جب اس نے اپنے سیاسی اور نظریاتی افکار کا اظہار کیا کہ جرمن اتحاد کا سوال کیسے حل ہوگا؟ لاسال پروسیائی شہنشاہیت کے نتیجے میں متحدہ جرمنی کا قائل تھا اور یہاں تک کہ اس نے بسمارک کے ساتھ خفیہ مذاکرات بھی کیے تھے تاہم اس کے جانشینوں نے مذکورہ پارٹی کے پلیٹ فارم سے اس غلط مقصد کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ اس طرح ایسوسی ایشن میں محنت کشوں کی طرف سے مخالفت ہوئی اور اتحاد کے موضوع پر تنظیم کے اثر ورسوخ میں کمی واقع ہونے لگی۔ جرمنی کے اتحاد کو حاصل کرنے کا ایک علیحدہ راستہ بھی تھا۔ 1862ء کے بعد سے پروشیا کی حکومت کا سربراہ اوٹو ون بسمارک (1898ء-1815ء) تھا۔ یہ نوجوان جنکر (Junker) (اشرافیہ) ایک مکار، جابر اور تھوڑا سا سیاستدان بھی تھا، بسمارک جرمنی کے اتحاد کی ضرورت کو سمجھتا تھا، لیکن وہ یہ یقین دہانی نہیں کروا رہا تھا کہ یہ اتحاد پروشیائی طریقوں سے حاصل کیا جائے گا، اس نے کہا کہ اتحاد تقریروں، گیتوں اور کھیل کود سے نہیں بلکہ کشت وخون سے ہو سکے گا بلاشبہ جرمنی کا اتحاد کشت وخون سے حاصل کیا گیا۔ 1864ء میں آسٹریا سے اتحاد کرتے ہوئے پروشیا نے ڈنمارک سے جنگ کی او رشلزوگ صوبے پر قبضہ حاصل کرلیا۔ ہولسٹائن پر آسٹریا نے قبضہ کرلیا۔ دو سال بعد یعنی 1866ء میں پروشیا نے اپنے اتحادی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ 3 جون 1866ء کو ساڈوا کی لڑائی میں آسٹریا کی فوج کو شکست ہوئی اور 7 ہفتوں کے بعد امن کا معاہدہ ہو گیا۔ اس میں شکست کے بعد آسٹریا اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ پروشیا کے راستے میں کھڑا ہو سکے۔ آسٹریا نے کئی ایک جرمن ریاستوں کو، جو اس کی طرف سے لڑی تھیں ان کو پروشیا کے حوالے کر دیا۔ ''ہولسٹائن اور ہون اور۔'' 1867ء میں بسمارک شمالی جرمن کنفیڈریشن بنانے میں کامیاب ہوا، ان میں 32 ریاستیں تھیں اور پروشیا کو اس میں ایک اہم کردار ادا کرنا تھا، جرمن اتحاد میں یہ ایک اہم مرحلہ تھا۔

سلطنت ثانی

لیکن ابھی تک جرمن اتحاد میں ایک اور رکاوٹ تھی، نپولین کا فرانس ___ دوسری شہنشاہیت میں فرانس میں صنعتی انقلاب آ چکا تھا۔ جدید مشینیں اور معاشی ترقی نے فرانس کی صنعتی پیداوار میں 3 گنا اضافہ کر دیا تھا۔ بڑی فیکٹریاں قائم ہو رہی تھیں، چھوٹی سطح پر دستکاری، پرتعیش سامان کی تیاری میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ یہ اہم معاشی ترقی تمام لوگوں کے لیے خوشحالی کا باعث نہیں بن رہی تھی لیکن چھوٹے تاجر دلوالیہ ہو رہے تھے اور بڑے صنعتی پراجیکٹ کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھے۔ مہنگائی روزضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافے نے محنت کشوں کی زندگی کو اجیرن بنا دیا تھا۔ اس دوران محنت کش طبقہ پہلے ہی کی طرح استحصال کا شکار تھا، وہ تمام مفادات جو صنعتی انقلاب سے حاصل ہوئے اس سے فائدہ فیکٹری مالکان اٹھا رہے تھے فنانسز، دولت مند تاجر اور دیگر سرمایہ سے وابستہ بینکار، سٹہ بازی اور سرمایہ دارانہ سازشوں سے دولت کما رہے تھے۔ شہنشاہیت کی طرف سی کی گئی جنگوں کے نتیجے میں تاجر طبقے نے بے تحاشا دولت کمائی تھی۔ ''شہنشاہیت کا مطلب امن'' جب نپولین سوم اقتدار میں آیا، تو اس نے یہ اعلان کا تھا لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس تھا کیونکہ ایک بعد دوسری جنگ ہو رہی تھی، اس سے سرمایہ کاروں اور کارخانہ داروں کو بے تحاشا منافع حاصل ہو رہا تھا لیکن ان کے منافع کے ساتھ بادشاہت کا مفاد بھی وابستہ تھا۔ سرمائے اور فوجی قوت کے بل بوتے پر مل میں بڑھتے ہوئے بورژوا طبقے کے مزید مفادات کے لیے فوجی مہمات میں کامیابیوں کی ضرورت تھی۔ دوسری بادشاہت کے شروع ہوتے ہی 1853ء میں نپولین سوم آف فرانس نے روس کے خلاف جنگ کا آغاز کیا۔ یہ جنگ تین سال تک جاری رہی۔ کسی قابل ذکر فائدے کے بغیر فرانس کو بے پناہ مالی اور جانی نقصان ہوا۔ 1859ء میں آسڑیا کے ساتھ جنگ کا بھی نتیجہ کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ فرانس سے سوائے اور نائیس Nince حاصل کر لیے لیکن اٹلی میں نئے دشمن بھی ___ 1860ء-1850ء میں فرانس نے مسلسل نوآبادیاتی جنگیں جاری رکھیں۔ اس دور میں فرانس کے الجزاء ر میں اثر ورسوخ اور قوت میں اضافہ ہوا، اور صحارا میں بھی فرانس کا غلبہ بڑھ گیا۔ 1858ء-1857ء میں فرانس نے چین میں لوٹ مار کے لیے جنگ کی، اس کے بعد ویٹ نام پر قبضے کے لیے جنگ کی، جو کہ کوئی دس سال تک جاری رہی۔ کمبوڈیا، کوچین اور چین، بھی فرانس کی نوآبادیات کا شکار ہوئے۔ 1862ء میں نوآبادیاتی مقصد کے لیے میکسیکو کے لیے فوجی مہم منظم کی گئی تاہم جنگ کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلا اور 1867ء میں فرانسیسی مہماتی افواج سخت ندامت اور شرمندگی کے ساتھ میکسیکو سے نکل گئیں ___ میکسیکو میں ناکامی سلطنت ثانی کی بڑی ناکامی تھی اور اس کے بعد کئی ایک دیگر ناکامیوں کا

بھی سامنا کرنا پڑا، اس حکومت کی طرف سے اپنائی گئی موقع پرستانہ خارجہ پالیسی کے نتیجے میں، فرانس کے کئی ایک اہم ملکوں سے تعلقات انتہائی خراب ہو گئے مثلاً روس، اٹلی، برطانیہ وغیرہ کے ساتھ، نپولین کو اپنی پالیسیوں میں آخری شکست، جرمنی کے سلسلے میں ہوئی۔ آسٹریا اور پروشیائی جنگ میں فرانس غیر جانبدار رہا، اس امید کے ساتھ کہ اس کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا، تاہم پروشیا کا کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا کہ وہ فرانس کو ملحوظ خاطر رکھے، دوسری شہنشاہیت کے دیوالیہ پن کو روکنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ اس میں جو قدرتی اور جبلی طور پر کمزوریاں پنہاں تھیں، وہ آخرکار اس سلطنت کی تباہی کی طرف جا رہی تھیں ــــــ نپولین سوم کی حکومت میں، کئی ایک گروپ، سیاسی چالیں یا ہیرا پھیریاں کر رہے تھے، ان کا مقصد سلطنت کے لیے قوت اکٹھا کرنا نہیں تھا۔ 1860ء کے آخر میں ملک میں انتخابات ہوئے، جس سے ظاہر ہوا کہ عوام کی اکثریت نپولین بوناپارٹزم کی حمایت نہیں کرتی، لوگوں نے اسے ایک بدعنوان حکومت قرار دیا۔ ایک مشہور لکھاری اور جمہوری مفکر وکٹر ہگو (1802-1885ء) نے نپولین حکومت پر زبردست تنقید کی اور پھر فرانسیسی عوام کی اکثریت نے نپولین کے متعلق انہی خیالات کا اظہار کیا۔

(1870-71) فرانس اور پروشیا کی جنگ:

ملک کے اندر بڑھتے ہوئے بحران کے باوجود، نپولین سوم کی حکومت نے نئی مہمات کرنے کا عمل جاری رکھا اور وہ ابھی تک سمجھ رہا تھا کہ جنگی کامیابیاں، اندرونی تضادات حل کرنے کا بہترین طریقہ ہے اور اس وقت ان کا سب سے بڑا دشمن پروشیا تھا جس نے بڑی مکاری سے فرانس کو سفارتی سودا کاری کے عمل سے باہر رکھا ہوا تھا۔ 9 جولائی 1870ء کو سلطنت روم کی حکومت نے پروشیا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ پیرس میں پولیس والے مزدوروں پر غصہ نکال رہے تھے۔ گلیوں اور سڑکوں پر شور برپا تھا۔ ''برلن کی طرف چلو'' نپولین کو کمانڈر انچیف بنایا گیا اور وہ فوج کی قیادت کے لیے چلا گیا۔ نپولین اور اس کے مشیر فوری فتح کے خواہشمند تھے تاہم فرانسیسی افواج نے دشمن کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کیا۔ جنگ کے آغاز کے چھ ہفتے بعد 2 ستمبر 1870ء کو نپولین سوم کی ایک لاکھ فوج نے سیڈن کی لڑائی میں جرمنوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ فوجی شکست اندرون ملک زبردست شکست و ریخت کا باعث بنی اور سلطنت دوم کے عہد کے خاتمے کے لیے 4 ستمبر 1870ء کا دن فیصلہ کن ثابت ہوا، اور پیرس کے عوام نے قابل نفرت حکومت کا تختہ الٹ دیا اور تیسری جمہوریہ کا اعلان کر دیا۔

جرمن اتحاد کی تکمیل

پروشیا والوں نے دوران جنگ بڑا جارحانہ رویہ اپنایا اور خصوصیت کے لحاظ سے اعلیٰ حکمت عملیاں اختیار کیں۔ 18 جنوری 1871ء کو ولیھم اول نے جس کا تعلق (House fo Hohenzollern) سے تھا اور سیکونی نئی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ 10 مئی 1871ء کو فرانس کے ساتھ امن کا سمجھوتہ ہوا جس کے تحت جرمن سلطنت میں نئے مقبوضات صوبہ الساس اور لورائین کو شامل کرنا تھا۔ اس طرح جرمن اتحاد ''خون اور لوہے'' کی وجہ سے وجود میں آیا جس کے بعد جرمن پر رجعت پرستانہ حکومت قائم ہوگئی۔

محنت کشوں کی بین الاقوامی تحریک:

سرمایہ دارانہ ترقی اور صنعتکاری میں اضافے سے محنت کشوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا، پرولتاریہ میں طبقاتی شعور، اس کی تنظیم اور استحکام میں اضافہ ہوا، اس وقت محنت کش طبقہ طبقاتی جدوجہد میں کافی تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ 49-1848 کے انقلاب اور ردانقلاب کے تجربات بھی گراں قدر سرمایہ تھے۔ مزدوروں نے اپنی انجمیں قائم کرنا شروع کر دیں تھیں۔ برطانیہ، فرانس اور امریکہ میں ٹریڈ یونین تحریکیں اٹھیں۔ ہڑتالیں روزمرہ کا معمول بن گئیں اور مجموعی طور پر محنت طبقے کی جدوجہد میں نشوونما کا باعث بنیں۔ سوشلسٹ گروپ اور ترقی پسند مکاتیب فکر وجود میں آ گئے۔ ایک محنت کشوں کا طرز عمل اور جدوجہد کا رخ صرف کارخانوں اور ٹریڈ یونین تک محدود نہیں رہا تھا بلکہ بین الاقوامی پرولتاری اتحاد کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں۔ خاص طور پر 1860ء کے آغاز میں اور 1863ء میں برطانیہ اور فرانس کے مزدوروں نے پولینڈ کے باغیوں کی حمایت کا اعلان کیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خانہ جنگی کے دوران، جب برطانوی حکومت جنوب کے غلام دار آقاؤں کی حمایت کر رہی تھی تو برطانیہ کی مزدور تنظیموں نے حکومت پر سخت دباؤ ڈالا کہ وہ ایسے اقدامات سے باز رہے۔

پہلی انٹرنیشنل:

1860ء سے، جبکہ محنت کشی طبقہ طبقاتی شعور اور گراں قدر تجربات حاصل کر چکا تھا تو محنت کشوں کی بین الاقوامی تحریک متحد ہونے کے لیے تیار تھی۔

پہلی بین الاقوامی پرولتاریہ آرگنائزیشن، کمیونسٹ لیگ 1850ء کے بعد، تنظیمی لحاظ سے نہ ہونے کے برابر تھی لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ محنت کشوں کی ایک نئی انٹرنیشنل بنائی جائے۔ 23 ستمبر 1864ء کو انٹرنیشنل ورکنگ مین ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی گئی یہ اجلاس لندن میں ہوا، اور اس میں برطانیہ، فرانس، جرمن، اٹلی کے علاوہ کئی علاقوں کے مزدوروں نے شرکت کی۔ جرمن محنت کشوں کی طرف سے پریذیڈیم میں بطور نمائندہ کارل مارکس ہوا، جو مزدوروں کی تحریک آزادی کا زبردست راہنما تھا۔ وہ

اور فریڈرک اینگلز اس تحریک کے رورواں تھے اور دونوں ممتاز مفکر تھے۔ محنت کشوں کو طبقاتی جدوجہد کے مطالب ومفہوم کی اچھی طرح سمجھ تھی۔ دونوں حضرات محنت کشوں کے دانشور تھے اور وہ محنت کش جو فکری حوالوں سے اس تحریک کے رجحان کو سمجھتے تھے انہوں نے اس تحریک میں شمولیت اختیار کی۔ کارل مارکس نے اپنے افتتاحی خطبے میں کہا کہ محنت کشوں کے مسائل کا حل سیاسی قوت حاصل کر لیتے ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ مزدور اس قدر اکثریت میں ہیں کہ وہ ایک کامیاب جدوجہد کا آغاز کر سکتے ہیں۔ افتتاحی خطبہ میں فتوحات اور جارجیت کے لیے لڑی جانے والی جنگوں کی مذمت کی گئی ___ اس وقت کوئی بھی محنت کشوں کی پارٹی اپنا وجود نہیں رکھتی تھی تاہم مختلف تنظیمیں، سوسائٹیاں، گروپ، اور مکاتیب فکر اپنے طور پر مصروف بہ عمل تھے اور یہ پورے یورپ اور امریکہ میں پھیلے ہوئے تھے انہوں نے پہلی انٹرنیشنل میں شمولیت اختیار کر لی، انٹرنیشنل ورکرز ایسوسی ایشن کی شاخیں تمام ملکوں میں قائم کر دی گئیں اور ایک مختصر مدت میں ہلی انٹرنیشنل عالمی سطح پر محنت کشوں کی تنظیم بن گئی، اس کی مجلس عاملہ کو کانگرس کہا جاتا تھا۔ انٹرنیشنل کی سرگرمیوں اور کانگرس کے اجلاس کی درمیانی مدت میں محنت کشوں کی سرگرمیوں کی صدارت کا فریضہ جنرل کونسل انجام دیتی، جو لندن میں قائم تھی، جنرل کونسل کے سیاسی راہنماؤں میں کارل مارکس پیش پیش تھا جس کی تحریریں محنت کشوں میں فکری تحریک پیدا کرتیں ___ اسی دوران مارکس ایک بڑے فکری کام میں مصروف تھا۔ 1867ء میں اس نے ''سرمایہ'' کا پہلا ایڈیشن مکمل کیا اور اسے چھپوایا، جس کے لیے وہ گزشتہ 20 سال سے کام کر رہا تھا۔ اس کارنامے کی اہمیت یہ تھی اس میں معیشت اور سرمایہ داری کے سماجی پہلوؤں کا بڑا معقول تجزیہ کیا گیا تھا اور جس میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ سرمایہ داری کا ارتقاء کیونکر ہو سکا ہے، اس فکری کارنامے نے محنت کشوں کو علم اور ان کی جدوجہد کے لیے راہنمائی دی ___ فکری کام کرنے کے ساتھ ساتھ مارکس نے محنت کشوں کی صفوں میں انقلابی سرگرمیاں جاری رکھیں، اس کی قیادت میں جنرل کونسل کا دفتر بین الاقوامی مزدور تحریک کا مرکز بن گیا۔ انٹرنیشنل نے مزدوروں کو سیاسی راہنمائی اور مادی امداد دی، اسی دوران کئی ملکوں میں وسیع پیمانے پر مزدوروں کی ہڑتالیں منظم کی گئیں مثلاً برطانیہ، سوئزرلینڈ اور بلجیم وغیرہ میں، مزدوروں کی اس جدوجہد میں انہوں نے کئی ایک مراعات اور کامیابیاں حاصل کیں، یہ چھوٹی کامیابیاں مزدوروں کے اعتماد اور انٹرنیشنل کے استحکام کا باعث بنیں۔ اب ان کے لیے یہ ممکن ہو گیا تھا کہ وہ اس نعرے کی عملی تعبیر کر سکیں۔ ''دنیا بھر کے محنت کشوں ایک ہو جاؤ'' انٹرنیشنل کی کانگرس کے اجلاس کے موقع پر جنرل کونسل اور مارکس کے دوست اور اس کے ماننے والے روزمرہ کی سرگرمیوں اور ریکارڈ کے حوالے سے پرودھون اور باکونین کے طفیلی بورژوا سوشلزم کی مذمت کرتے، ان دونوں کے فرانس، سپین، بلجیم اور کئی ایک دیگر ملکوں میں حامی موجود تھے۔ پرودھون اور باکونین اگرچہ

مسائل کا حل اپنے نقطہ نظر سے دیکھتے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ دنیا کو تبدیل کرنے والی قوت محنت کش طبقہ نہیں بلکہ طفیلی چھوٹے مالکان ہیں اور یہ غلط نقطہ نظر ان کی فکری بنیاد تھی، کانگرس میں جو پرجوش تقاریر کی گئیں، ان میں سائنسی کمیونزم کو دوسرے نقطہ نظر پر فوقیت حاصل رہی اور اسے تسلیم کر لیا گیا، نظریاتی اور تنظیمی نقطہ نظر سے، پہلی انٹرنیشنل ایک وسیع اور بااثر محنت کشوں کی تنظیم بن گئی اور محنت کشوں کی آزادی کی تحریک متاثر کن حد تک اگلے مرحلے میں داخل ہوگئی۔

○

باب:30

پیرس کمیون

مارچ 18، 1871ء جب پیرس پہلے سے ہی گزشتہ چھ ماہ سے زیرِ محاصرہ تھا اور جب گھریلو خواتین کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کے لیے بڑی تیزی سے ان قطاروں میں کھڑی ہو رہی تھیں جو چند بیکریوں کے باہر نکلی ہوئی تھیں جن پر کھانے کا تھوڑا سامان تھا، مونٹ مارٹر سے فائرنگ کی آواز سنی گئی۔ پہاڑی پر تعینات فوجی، محنت کش مسلح افراد تھے، جو پیرس شہر کے عوام سے حاصل شدہ فنڈ کی مدد سے پروشیا کے حملے کے خلاف شہر کا دفاع کر رہے تھے۔ قومی رضا کاروں کو غیر مسلح کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور توپوں کا رخ موڑ دیا جانا واضح غداری تھی اور کچھ سپاہیوں نے تو اپنے ہی ہم وطنوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا اور عوام کے ساتھ مل گئے۔ شہر میں بغاوت پھیل گئی اور ایک کے بعد دوسرا شہر بغاوت میں شریک ہوتا گیا اور لوگ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور دوپہر کے وقت یہ ثابت ہو چکا تھا کہ آج عوام کا دن ہے۔ لوئیس ایڈولف تھائیرز جو اوقت حکومت کا سربراہ تھا۔ ایک بھاری حفاظتی دستے کے ساتھ خفیہ طور پر شہر سے نکل گیا۔ ہوٹل ڈی ویلے پر سرخ جھنڈا لہرا دیا گیا___ اگلے روز پیرس کے ہزاروں عوام شہر کی گلیوں اور کوچوں میں اکٹھے ہو گئے اور فتح و نصرت کے گیت گانے لگے اور ان کے شور اور ہنگامے سے ماحول پر جوش ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آج وہ اپنی قسمت کے آپ مالک تھے۔ امرا، جاگیردار اور اعلیٰ افسران گاڑیوں میں سامان بھر بھر کر قریبی دیہاتوں اور اضلاع سے نکل کر بھاگ رہے تھے اور غریب ان افراد کی دہشت زدہ حالت کو دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ امراء شہر چھوڑ رہے تھے اور پہلا موقع تھا کہ محنت کشوں نے اقتدار پر قبضہ کیا تھا___ 1871ء میں پیرس کے پرولتاریہ کی فتح، کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا، محنت کشوں کا بڑھتا ہوا شعور، 1789ء کے واقعات، تجربات اور طیغانی جدوجہد نے اس واقع کے لیے راہ ہموار کی۔ صنعتی ارتقاء اور سرمایہ دارانہ نظام، پرولتاریہ کی تعداد میں اضافے کا باعث بنا۔ محنت کشوں کے انتہائی خراب حالات نے انہیں طبقاتی جدوجہد کی راہ دکھائی۔ وہ 14 اور 16 گھنٹے تک محنت کرتے ہیں

جس کے عوض انہیں بہت کم معاوضہ ملتا اور جدو جہد کے ایک طویل تسلسل کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سرمایہ دارانہ نظام سے مفاہمت ناممکن ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس نظام کے خاتمے کے بعد مساوی معاشی حقوق پر مبنی معاشرہ کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس وجہ سے وہ بعض اوقات کئی بڑی غلطیوں اور شکستوں سے دوچار ہوئے، لیکن اب وہ طبقاتی شعوری حالے پختہ تھے۔ 19ویں صدی کے شروع میں ان کے درمیان بالائی طبقات کے خلاف نفرت بھرے جذبات شدید ہوئے، جب انہوں نے اپنے جذبات کا بہاؤ مشینوں کو تباہ کرنے کر کے کیا، پہلی محنت کش تنظیم انٹرنیشنل ورکرز آرگنائزیشن کے افتتاحی اجلاس میں، لیون کے کپڑے والے مزدوروں کی بغاوت میں (1834ء-1831ء) محنت کشوں کی پہلی عوامی تحریک چارٹزم، پہلی بین الاقوامی پرولتاریہ کی پارٹی، کمیونسٹ لیگ جون بغاوت 1849ء-1848ء کے بورژوا جمہوری انقلاب میں محنت کشوں کی شرکت، 1860ء-1850ء کی ہڑتالیں اور تحریکیں ترقی پسند جمہوری تحریکوں کے لیے محنت کشوں کی حمایت ان تمام مرحلوں سے گزر کر پرولتاریہ نے طبقاتی شعور حاصل کیا تھا۔ یہ سب کچھ بین الاقوامی مزدور کسان تحریک کا باعث بنا، اور سب سے اہم مقصد کے حصول کے لیے جدو جہد، ''سیاسی قوت حاصل کرنے کی جدو جہد''، 19ویں صدی کے وسط میں، محنت کش طبقہ کے عظیم راہنما، کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز، سماجی ارتقاء کے قوانین کی تشکیل کے بعد، اپنی تحقیق میں اس نتیجے پر پہنچے کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان ایک عبوری دور ہونا چاہیے۔ ''پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ'' یہ فکری انکشاف انتہائی اہمیت کا حامل تھا لیکن اس وقت نہ تو مارکس اینگلز اور نہ ہی کوئی اور اس معاملے میں واضح نہیں تھا کہ پرولتاریہ کی آمریت کی ٹھوس شکل کیا ہوگی اور نہ ہی فرانس کے محنت کش، جو ایسی آمریت، انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ قائم کرنا چاہ رہے تھے، نہیں جانتے تھے۔ 1871ء میں محنت کشوں نے ہتھیار نہیں اٹھائے اور ان میں سے اکثریت نے کارل مارکس کے نظریات کا مطالعہ بھی نہیں کیا تھا اور ان کی جدو جہد بڑی سرعت کے ساتھ کامیاب ہوئی تھی۔ نپولین سوم کے بعد فوج نے سیڈان کے مقام پر شرط معاہدہ طے کرلیں تھیں، اور سلطنت روم کا زوال ہوگیا۔ 4 ستمبر 1870ء کا انقلاب محنت کشوں نے برپا کیا لیکن اس کے ثمرات بورژوازی نے حاصل کیے۔ بورژوازی نے حکومت پر قبضہ کرلیا اور جرمن فوج دارالحکومت کی طرف بڑھتی رہی، اور حکومت نے بچاؤ کے لیے گورنمنٹ آف نیشنل ڈیفنس قائم کرلی، صورتحال انتہائی خراب تھی اگرچہ تیسری جمہوریہ کا اعلان ہو چکا تھا، پروشیا نے لوٹ مار کی جارحانہ جنگ کو جاری رکھا۔ پروشیا کی افواج نے شمال اور شمال مشرقی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ پیرس کا محاصرہ کرلیا اور دوویلز پر قبضہ کرلیا۔ 18 جنوری کو پروشیا کا بادشاہ، جرمنی کا بادشاہ بن گیا ___ فرانسیسی لوگوں نے فیصلہ اور عہد کیا کہ جرمن فیصلے کے خلاف جدو جہد جاری رکھی جائے گی۔ بورژوا سیاستدانوں کو یہ صورتحال قبول تھی جو نیشنل دفاعی حکومت کی قیادت کررہے تھے۔ جنرل ٹروچو ار قانون دان جوٹل فیور، اس حکومت کے لیڈر تھے لیکن

جلد ہی یہ بات سامنے آئی کہ نیشنل دفاعی حکومت ملک کے دفاع کے لیے مزاحمت کی تیاری نہیں کر رہی، بلکہ خفیہ طور پر حملہ آوروں سے بات کر رہی ہے، فرانسیسی بورژوازی محنت کشوں کی بجائے جرمنوں سے زیادہ خوفزدہ تھی۔ پیرس کے مداعت کاروں کے عقب سے فرانسیسی حکومت نے جرمنوں سے شرط اطاعت طے کرنے کے لیے غدارانہ اقدامات کیے، نیشنل دفاعی حکومت، دراصل قومی غداروں کی حکومت نظر آ رہی تھی۔ 28 جنوری 1871ء کو جنگ بندی کا معاہدہ ہوا، اور حکومت نے پیرس کو دشمن کے حوالے کر دیا اور اس کے علاوہ کئی ایک توہین آمیز قسم کی شقیں طے ہوئیں۔ پیرس کے محنت کش پہلے ہی محاصرے کی حالت میں تھے اور شہر کا دفاع گزشتہ چھ ماہ سے بھوک اور پیاس میں کر رہے تھے۔ لوگ قحط کا شکار ہو کر جانور تک کھانے پر آ گئے اور سردی کے نڈھال اپنے ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں ملک کے دفاع کے لیے کمربستہ تھے۔ ایسی صورتحال میں لوگ ہتھیار پھینکنے کے لیے تیار نہیں تھے جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ فرانس کی حکومت عوام سے غداری کرتے ہوئے جرمنوں کے سامنے ہتھیار ڈال رہی ہے تو وہ مسلح ہو کر حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ 31 اکتوبر 1870ء اور 22 جنوری 1871ء میں حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی گئی، لیکن یہ دونوں بغاوتیں کچل دی گئیں، لیکن رجعت پسند بورژوازی اس مرتبہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ وہ مسلح پیرس والوں کا مقابلہ کر سکے، چنانچہ انہوں نے مدد کے لیے جرمنوں کو پکارا، پہلی مارچ کو جرمن شہر میں داخل ہوئے، نیشنل گارڈ سنٹرل کمیٹی، محنت کشوں کی منتخب کمیٹی، اس مرتبہ اس حملے کی پیش بندی کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے پیرس کے عوام سے کہا کہ وہ حملہ آوروں سے کسی قسم کا رابطہ اور لین دین نہ کریں، چنانچہ گلیاں اور بازار فوری طور پر خالی ہو گئی، دروازے بند ہو گئے اور شہریوں نے کھڑکیوں کے آگے پردے گرا دیئے، جرمن فوجی دستے تین روز تک شہر میں رہے، جبکہ شہر میں مکمل خاموشی اور نفرت تھی اور وہ بعد میں پیچھے ہٹ گئے۔ یہ مجرمانہ غداری تھی، بورژوازی حکومت نے فیصلہ کیا کہ رات کو چھاپے مار کر پیرس کی انقلابی قوتوں کو غیر مسلح کر دیا جائے اور ان کی توپوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ ایڈلف تھائیر جو محنت کشوں کا دشمن تھا، اسے فروری میں ملک کا سربراہ منتخب کیا گیا تھا۔ 17 مارچ کو سرکاری دستے، جرمنوں کے خلاف نہیں، بلکہ پیرس کے عوام کے لیے میدان میں آ گئے۔

نیشنل گارڈ سنٹرل کمیٹی کی انقلابی حکومت:

18 مارچ کی بغاوت، پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق نہیں، بلکہ اچانک رونما ہوئی تھی۔ تاہم بغاوت کی قیادت، جسے بعد میں سیاسی قوت پر قبضہ قبضہ کرنا تھا، سنٹرل کمیٹی آف دی نیشنل گارڈ رہی تھی جو ملک کی پہلی انقلابی حکومت بنی، بورژوا سیاستدان اس پر شور مچا رہے تھے کہ پیرس کی قیادت نامعلوم افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ نیشنل گارڈ سنٹرل کمیٹی کے اراکین کے نام جانے پہچانے نہیں تھے

لیکن ان لوگوں کو اشرافیہ اور بورژوازی کے حلقے نہیں جانتے تھے، لیکن غریب، محنت کش، دیہاتوں او قصبوں میں رہنے ولاے ان کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس نئی حکومت کا ایک راہنما، (Louis Eugene Varliv) لوئیس وارلسن (1871ء-1839ء) کتابوں کو جلدیں باندھنے والا تھا، یہ محن تکشوں کا بے باک ترجمان اور دوست تھا یہ بے لوث شخص باقاعدہ کسی تعلیمی ادارے سے تعلیم یافتہ نہیں بلکہ خود معمر تھا، یہ پیرس کی پہلی انٹرنیشنل برانچ کا سربراہ تھا، وارلسن نے 18 مارچ کو عوام کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا، ان فوجیوں کے خلاف جو حکومت نے بھیجے تھے۔ (Duval) ڈیول (1871ء-1841ء) یہ محنت کش تحریک کا بانی رکن تھا۔ اس نے جنوری اور 18 مارچ کی بغاوتوں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، اسے پولیس پریفیکیٹ منظم کرنے کے لیے کہا گیا، چند دنوں کے بعد، اسے جنرل اور پھر شہر کی مسلح افواج کا ایک کمانڈر بنادیا گیا۔ ایک 27 سالہ میڈیکل کا طالب علم، (Emile Eudes) ایمل ایوڈس دوسری شہنشاہیت میں اسے حکومت کے خلاف انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے جرم میں پہلے سزائے موت ہو چکی تھی۔ اسے بھی سنٹرل کمیٹی نے جنرل بنادیا۔ 28 سالہ نوجوان جوزنانہ ہیٹ بناتا تھا، چارلس آمیر، انقلابی جدوجہد میں حصہ لینے کا بڑا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ 18 مارچ کی فتح کے بعد انلقابی حکومت نے اسے مارسیلز اور لائیوں کے لیے بطور اپنا نمائندہ بھیجا۔ سنٹرل کمیٹی کا ایک ورکن، گرنیٹر ایک چھوٹے سے دھوبی خانے کا مالک تھا۔ اسے وزارت داخلہ میں رکن کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ (وزیر کے برابر عہدہ) 28 سالہ فرانکوس، پیرس کی انٹرنیشنل برانچ میں بڑے عرصے سے سرگرم عمل تھا۔ اسے وزارت داخلہ میں بھیجا گیا۔ (Edouard Rouilid) ایڈاورڈ رولیئر یہ ایک تجربہ کار انقلابی تھا، اس نے 1848ء کی جون بغاوت میں حصہ لیا تھا، اسے وزارت تعلیم کا انچارج بنادیا گیا___ سنٹرل کمیٹی آف نیشنل گارڈ ایک ایسا ادارہ تھا جو پیرس کے عوام کی خواہشات اور امنگوں کا ترجمان بن گیا۔ محنت کشوں کے ساتھ، دستکار، لکھاری اور مصور بھی شریک تھے۔ کمیٹی میں سیاسی پختگی نہیں تھی لیکن اس کی وفاداری کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ کمیٹی میں پرودھون، بلانکسٹ، نیوجیکوبین اور غیر جانبدار جمہوریت پسند شامل تھے___ سنٹرل کمیٹی کی ان عظیم ماصلات کا تعلق ان حقیقتوں سے ہے کہ واقعات اور حالات کے سلسلہ نے اسے عوام کی وسیع تر اکثریت کا راہنما بنادیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ لوگوں کے ساتھ قریبی رابطہ کس طرح رکھا جاتا ہے اور کس طرح ان کی خواہشات کا عملی نفاذ ہوتا ہے۔ واقعات نے بھی، سنٹرل کمیٹی کو واضح اور جرات مندانہ فیصلے کرنے میں راہنمائی دی، سب سے اہم فیصلہ جو انقلابی حکومت نے کیا وہ یہ تھا کہ پیشہ ور فوج پر مکمل پابندی۔ جو کل تک حکمران طبقے کے لیے، ایک ہتھیار تھا جسے وہ جب چاہتے، محنت کش اور استحصال لوگوں کے خلاف استعمال کرتے۔ 18

مارچ کی مسلح جنگ میں لوگوں نے حکومتی دستوں کو شکست دی تھی۔ 18 اور 19 مارچ کو پولیس اور مسلح سپاہیوں نے فوجیوں کی تقلید کی اور وِرسیلز میں پناہ لے لی۔ 19 مارچ کو انقلابی حکومت نے اعلامیہ جاری کیا کہ محاصرہ کی حالت کو ختم کر دیا جائے۔ فوجی ٹریبونل ختم کر دیئے گئے اور وہ تمام فوجی جو دارالحکومت سے باہر رہے ہیں، انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ وہ نیشنل گارڈ میں شمولیت اختیار کریں۔ ان اقدامات کا مطلب یہ تھا کہ فوجی ظلمیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ''پولیس اور پیشہ ور فوج پر پابندی عائد کرنے کے بعد، انقلابی حکومت نے ایسے اقدامات اٹھائے کہ پیرس میں صرف نیشنل گارڈ اور مسلح عوام پیرس میں فوجیوں کی جگہ رہیں گے۔'' عوامی انقلاب میں کامیابی کے بعد، انقلابی حکومت نے انقلاب دشمنوں کی تخریبی سرگرمیوں سے نپٹنے کا فیصلہ کیا۔ 19 مارچ کے بعد انتظامی افسران اور وزراء مکمل طور پر فرار ہو چکے تھے، اور ان کا عملہ کام پر نہیں آ رہا تھا۔ تھائرز کی حکوم تاب وارسیلرز میں بیٹھتی تھی تاہم تخریبی سرگرمیوں نے انقلابی حکومت کے لیے کوئی پریشانی پیدا نہیں کی، اسی روز انقلابی حکومت نے ایک اعلامیہ جاری کیا کہ نئی حکومت نے تمام وزارتی اور انتظامی اداروں کا انتظام سنبھال لیا ہے ___ مرکزی کمیٹی کے اراکین، محنت کش، طالب علم، صحافی، فنکار، ان کو وزارتی اور انتظامی محکموں کا کام منظم کرنے کے لیے بھیجا گیا، لیکن انہیں ریاستی انتظامیہ چلانے کا تجربہ نہیں تھا، لیکن وہ انقلابی جوش و جذبے سے کام کرتے رہے اور وہ دل و جان سے اس کام میں حصہ لے رہے تھے، اور اگر ضروری ہوا تو لوگوں کے لیے اپنی جان بھی قربان کرنا چاہتے تھے۔ یہی جذبے ان کے تجربات کی کمی کو پورا کر رہے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں، انقلابی حکومت کو لامحدود پیش عملیوں اور قوتوں سے حمایت حاصل ہوئی، اور محنت کش ریاستی اداروں کی تنظیم کرنے میں کامیاب ہوئے، جن کی بنیاد نئے جمہوری اصول تھے۔ جو ایک قابل عمل سرگرمیوں کا اظہار کر رہے تھے۔ یہ اقدامات نیشنل گارڈ کی سنٹرل کمیٹی نے اٹھائے اور یہ بورژوازی، فوجی افسر شاہی اور ریاستی مشینری پر کاری ضرب تھی اور اس نے ایک نئی قسم کی ریاست کی بنیاد رکھی، جو استحصال زدہ لوگوں کے حقوق کی محافظ تھی۔

پرولتاریہ کی پہلی ڈکٹیٹر شپ (پیرس کمیون):

سنٹرل کمیٹی کا کام جاری رہا، اور پیرس کمیون کے ذریعے ایک مرحلہ مزید آگے بڑھ گیا۔ 18 مارچ کی کامیاب بغاوت کے بعد اگلے دن، اعلان کائی گیا کہ پیرس کمیون کے الیکشن منعقد کیے جائیں گے۔ یہ الیکشن 26 مارچ کو منعقد ہوئے۔ ہوٹل ڈی ویلا کی عمارت کے سامنے ایک زبردست مجمع کے

سامنے، پیرس کمیون کے افتتاحی حلفیہ خطبے کا اعلان کا ئی گیا۔ کمیون کے الیکشن بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ عام رائے دہندگی کی بنیاد پر کیے گئے۔ ورسلیز کی حکومت نے لوگوں سے اپیل کی، کہ وہ انتخابات کا بائیکاٹ کریں۔ بورژوا اور امراء کے اضلاع میں رائے شماری میں بہت کم حصہ لیا تاہم یہ بہتر ہوا کہ کمیون محنت کشوں نے منتخب کیا۔ منتخب شدہ اراد میں سنٹرل کمیٹی کی ممتاز شخصیات شامل تھیں، وارین، ڈیول، جورڑے، ریوڑ اور ویلنٹ۔ نیشنل گارڈ کی سنٹرل کمیٹی کی طرح کمیون شہر کا میونسپل ادارہ نہیں تھا، بلکہ جمہوریہ کا منتخب ادارہ تھا ___ کمیون نے قانون سازی کا کام شروع کر دیا اور یہ ملک کا سپریم قانون ساز ادارہ تھا، یہ قوانین کے نفاذ کے عمل کی بھی نگرانی کرتا، کیونکہ اس کے پاس اعلیٰ ترین انتظامی اختیارات تھے۔ یہ انتظامی اور قانون سازی کا امتزاج جو کہ ایک ادارے میں تھا۔ یہ کمیون کا ایک شاندار پہلو تھا، کمیون نے اس عمل کو جاری رکھا جس کا آغاز سنٹرل کمیٹی نے کیا تھا جس کا مقصد سابقہ بورژوازی ریاستی ڈھانچے سے نجات حاصل کرنا تھا۔ سرکاری طور پر پولیس اور فوج پر پابندی عائد کرا دی گئی۔ وہ سابقہ افسر شاہانہ نظام جو سرِدست تخریبی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ یہاں نئے افراد کو لگا دیا گیا، جن کا تعلق عوام میں سے تھا۔ کمیون نے اعلامیے کے مطابق سابقہ افسر شاہی کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا، جو سابقہ حکومت میں انتہائی زیادہ تنخواہیں وصول کر رہے تھے۔ ان کی جگہ کام کرنے والوں کی تنخواہ کا تقرر ایک بامہارت فرد کی تنخواہ کے مطابق رکھا گیا۔ کمیون نے یہ بھی اعلان کیا کہ سول سروس والوں کا انتخاب عوام سے کیا جائے اور انہیں عوام کی خواہشات کا دھیان رکھنا پڑے گا ___ یہ تمام اقدامات سنٹرل کمیٹی نے نافذ کیے جس نے ایک نئی قسم کی ریاست کی بنیاد رکھی، جو ایک تاریخی نظیر بن گئی لیکن اس دوران پیرس کے محنت کش اور ان کے لیڈر بہت کم جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، یہ راہنما وہ کچھ کر رہے تھے، جس قسم کے واقعات انہیں درپیش تھے، اور وہ عوامی جذبات اور ضروریات کو مدنظر رکھ کر فیصلے کر رہے تھے۔ تخلیقی سرگرمیوں کی سمت کا تعین، سب سے لے کارل مارکس نے اس کی وضاحت کی جس نے نشاندہی کی کہ پیرس کمیون (1871ء) پرولتاری آمریت کی ایک مثال ہے، اس کی پیش گوئی اس نے 1850ء-1848ء میں کی تھی ___ پہلے پہل کمیون ایک پرولتاری آمریت کا نمائندہ تھا، اور اس قسم کی آمریت قائم کرنا چاہتا تھا، جوں جوں اس کے راہنما عمل میں مصروف رہے، سنگین نوعیت کی غلطیاں کرتے رہے، لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ پرولتاریہ، بورژوازی ریاستی ڈھانچے کو تباہ کر سکتا ہے اور اسے ایک اعلیٰ ترین ڈھانچے سے تبدیل کر سکتا ہے اور جمہوریت کی اعلیٰ ترین مشکل کے لیے راہ ہموار کر سکتا ہے، جمہوریت اکثریت کے لیے اور عوام کے وسیع تر مفاد کے لیے، سماجی قوانین بنانے میں پیرس کمیون نے گراں قدر حاصلات کیں، صرف 72

دن کی زندگی میں کمیون نے یہ ثابت کیا کہ یہ حقیقی جمہوری حکومت ہے، جو محنت کش طبقہ کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم عمل ہے۔ سنٹرل کمیٹی نے اقتدار میں آنے کے فوری بعد نئے قوانین بنائے۔ 19 مارچ کو اقتدار میں آنے کے فوراً بعد سیاسی قیدیوں کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا گیا، جنہیں استحصالی طبقات کی حکومت نے گرفتار کیا تھا۔ کسانوں کی بیدخلی، کہ انہوں نے زمینوں کا کرایہ ادا نہیں کیا، اس پر پابندی لگا دی گئی۔ یہ قوانین استحصال زدہ طبقات کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے بنائے گئے تھے۔ اسی دوران نیشنل گارڈ کی تنخواہوں کا اعلان کیا گیا اور فوری طور پر دس لاکھ فرانک غریبوں میں تقسیم کیے گئے۔ 16 اپریل کو ایک اعلامیے کے ذریعے تمام کاروبار محنت کشوں کے حوالے کر دیئے گئے اور ان کے ساتھ پروڈیوسر ایسوسی ایشن کے حوالے۔ اس اعلامیے کا تعلق بالکل سوشلسٹ صفات سے ہے اور کمیون کی پالیسیاں روز بروز واضح طور پر پہلے سے بہتر ہوتی گئیں۔ کمیون نے وہ تمام رہائشی مکان، جو بورژوازی نے بھاگتے ہوئے خالی کر دیئے تھے، شہر کے محافظوں کے حوالے کر دیئے۔ پہلے ان کے لیے جن کے مکانات جنگ کے دوران تباہ ہو گئے تھے۔ ایک اعلامیہ کے مطابق چرچ اور ریاست کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا، عوام کی زیادہ سے زیادہ تعلیم کے لیے کئی ایک اقدامات اٹھائے گئے۔ "Lauvre" اور "Tuileries" ایسی جگہیں اور عجائب گھر، جہاں بیش قیمت آرٹ کے نمونے پڑے تھے، عوام کے لیے کھول دیئے گئے۔ ان تمام اقدامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ محنت کشوں کی حکومت، محنت کشوں کے حقوق و اختیارات کا تعین کرنے، اور معاشرتی مقاصد حاصل کر سکتی ہے لیکن باوجود اس کے کئی ایک سنگین غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، جو بورژوازی کے خلاف جدوجہد میں ناکامی کا باعث بنیں۔ 18 مارچ کے انقلاب کے فوراً بعد ایک سنگین غلطی اس وقت ہوئی، جب کمیون والوں نے ان فوجیوں کا کچھ نہ کیا جو شہر چھوڑتے وقت سابقہ حکومت کے وفادار تھے، پیرس کے محنت کش وہ منطقی مقاصد و نتائج حاصل نہ کر سکے، بجائے اس کے کہ ورسیلز ہیڈ کوارٹر پر زبردست حملہ، ان افواج اور سابقہ حکومت کے وفاداروں پر کاری ضرب لگاتے، انہوں نے ایک معقول رویہ اختیار کیا، اور یہ دیکھتے رہے کہ دیکھو اور انتظار کرو، اس پالیسی نے ورسیلز کی حکومت کو انقلاب کے خلاف منظم ہونے کا موقع دے دیا، 18 مارچ کے فوراً بعد کئی دوسرے قصبوں میں کمیون قائم کر دیئے گئے۔ (Lyons) لیونز (Marseilles) مارسیلز (Saint-Etieme) سینٹ اتینی (Tovlouse) ٹولوس (perpignar) پرپجنین، اور (Greusot) گریوسٹ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پیرس کمیون دوسرے قصبوں میں بھی استحکام حاصل کر رہا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کمیون انقلاب کو پیرس سے باہر مضبوط کرنے اور ان کے ساتھ رابطے مضبوط کر کے، بورژوازی پر کاری ضرب لگائی جاتی چنانچہ جہاں بغاوت ہوئی، بورژوا

زی نے اسے کچل دیا، اور اب وہ اس قابل تھی کہ پیرس پر یکسوئی سے کام کرتی۔ اس دوران پیرس پورے ملک سے کٹ چکا تھا اور کمیون اس قابل نہیں تھا کہ وہ کسانوں کے ساتھ اتحاد قائم کر سکتا۔ کلیون حکومت کے راہنما اس عمل سے آگاہ تھے لیکن وہ کسانوں سے اپیلیں کرتے رہے تا کہ ان سے حمایت حاصل کر سکیں، بنک آف فرانس کے متعلق کمیون نے کوئی بھی دل سے پالیسی نہیں بنائی جو کہ ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی تھی۔ بنک کو قومی ملکیت میں لیے جانے کے باوجود اور بورژوازی کو ضرب لگانے کے باوجود ،کمیون بنک منیجر سے کمزور اپیلیں کرتا رہا لیکن انقلاب دشمن حکومت (Theine) تھائن نے کسی عجلت کے بغیر اس ذریعے سے رقم حاصل ک،ی یہ غلطیاں معمولی نوعیت کی نہ تھیں بلکہ سنگین نوعیت کی تھیں، غلطیاں اور غلط اندازے، فرانسیسی اور بین الاقوامی محنت کش تحریک کی ناپختگی کا نتیجہ تھیں، اس عہد میں ابھی تک سرمایہ داری اپنی قوت کھو نہیں چکی تھی جبکہ محنت کش تحریک پہلے ہی ارتقاء کے اعلیٰ مرحلے پر پہنچ چکی تھی او راپنی اہمیت سے آگاہ تھی کہ سیاسی قوت کے حصول کے لیے جدو جہد جس میں اسے نئے سماجی نظام کے قیام کے متعلق معلومات تھیں، لیکن وہ ابھی تک ماضی کی غلطیوں اور مغالطوں سے خود کو آزاد نہیں کروا سکے تھے اور ابھی تک وہ سماجی ارتقاء کے قوانین سماجی ارتقاء اور طبقاتی جدو جہد کی روح سے پوری طرح آگاہ نہیں تھی۔ اس لیے پیرس کمیون میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا ___ اپنی فوجوں اور فوجی صلاحیتوں میں اضافہ کرنے کے بعد، ورسیلز حکومت نے پیرس کے خلاف جارحیت کا آغاز کیا، (اپریل کے دوسرے نصف میں) کمیون والے بڑی بہادری اور جرات سے لڑے، لیکن وہ اعلیٰ انقلاب دشمن فوج سے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ تھائرز حکومت بسمارک سے امداد حاصل کرنے کے لیے کہ مزاحمت کو کچلا جا سکے، شرمندگی سے بچنا چاہتی تھی لیکن جرمن افواج اس وقت فرانس کے بڑے علاقے پر قابض تھیں، بڑی خوشی کے ساتھ تھائیر کی امداد کرنا چاہتی تھیں ___ 10 مئی 1871ء کو فرینکفرٹ میں ایک شرمناک معاہدہ ہوا، جرمن نے فرانس سے دو صنعتی طور پر ترقی یافتہ صوبے لے لیے (Alsace) الیسک، اور (Lorraive) لورائین۔ تاوان جنگ 5 ہزار ملین طلب کیا گیا۔ تھائیر حکومت جرمنوں سے یہ معاہدہ کرنے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کر رہی تھی تا کہ فوری طور پر اندرونی دشمنوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ 22 مئی کو ورسیلز کے فوجی دستے پیرس میں داخل ہوئے اور ''مئی کا ہفتہ'' قتل عام کا آغاز ہوا۔ انقلاب دشمن قوتیں توپوں اور مشین گنوں سے مسلح ہو کر، کمیون کے محافظوں پر ٹوٹ پڑیں۔ جنہوں نے بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزاحمت کی۔ 28 مئی تک جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا، بورژوازی محنت کشوں کو ظالمانہ طریقے سے کچل رہی تھیں، بورژوا پریس نے چلا چلا کر انتقام لیا۔ محنت کشوں کو فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کیا

گیا، ایک اندازے کے مطابق تیس سے چالیس ہزار محنت کش ہلاک ہوئے اور لاکھوں گرفتار کیے گئے اور انہیں جبری مشقت اور قید کاٹنے کے لیے نیو کیلی ڈونیا بھیجا گیا۔ کمیون کو شکست ہوئی اور اس کے محافظ ہیرو بن کر جان دے گئے اگرچہ بورژوازی انقلاب دشمن کامیاب ہوئے لیکن پیرس کے عظیم محنت کشوں کی جدوجہد اور ان کی حاصلات آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئیں ___ پیرس کمیون نے بین الاقوامی مزدور تحریک میں ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کی، اور یہ مظاہرہ کیا کہ محنت کشوں کی جدوجہد سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے ہوتی ہے، آئندہ نسلوں کو پیرس کمیون کی عظیم جدوجہد سے سبق حاصل کرتے ہوئے، ان غلطیوں سے سبق سیکھنا چاہیے۔

O

باب:31

19ویں صدی کے خاتمے پر، سرمایہ دارانہ دنیا

سرمایہ دارانہ ملکوں میں اہم سیاسی، سماجی اور معاشی ارتقاء:

19ویں صدی کی آخری تین دھائیوں میں سرمایہ دارانہ ترقی میں تیزی آئی۔ سرمایہ دارانہ ملکوں میں سرمایہ دارانہ پیداوار تیزی سے بڑھ رہی تھی، قصبے ترقی کررہے تھے اور مواصلات کا نظام جدید ہورہا تھا، اور معاشرتی تبدیلیاں بڑی تیزی سے رونما ہورہی تھیں، 19ویں صدی کا خاتمہ، لوہے کا دور کہلاتا ہے اور لوہا بڑی تیزی سے لکڑی کی جگہ استعمال ہورہا تھا۔ 1870ء تا1900ء تک لوہے کی پیداوار میں 56 گنا اضافہ ہوا، اور دھات سازی کی دوسری صنعت وسعت اختیار کررہی تھی، مشینری کی ضرورت اور کھپت انجینئرنگ میں ترقی کا باعث بنی اور 19ویں صدی کے آخر تک ریلوے کی لمبائی میں بے پناہ اضافہ ہوا، 1870ء کے بعد تیس سالوں میں یہ لمبائی ایک لاکھ چالیس ہزار میل سے 5 لاکھ میل تک پہنچ گئی۔ گھوڑا گاڑیوں کی جگہ ٹرین زیرِ استعمال آرہی تھی، الیکٹرسٹی، ٹرانسپورٹ اور مواصلات میں اہم کردار ادا کررہی تھی۔ الیکٹرک ٹیلیگراف کا استعمال شروع ہوگیا۔ تجارت اور کاروبار بڑھ رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے کاروبار ختم ہورہے تھے اور ان کی جگہ بڑے تجارتی ادارے قائم ہورہے تھے۔ مشترکہ سٹاک کمپنیاں بڑی بڑی کارپوریشنیں، اور اجارہ داریاں وجود میں آنے لگیں۔ بینکنگ اور صنعتکاری عام ہوئی۔ پرامن سرمایہ داری کا زمانہ تھا، اس دوران کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی لیکن اس دوران استحصال کرنے والوں کے خلاف، استحصال زدہ افراد کا ردعمل چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کی صورت میں کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا۔ نوآبادیاتی مار دھاڑ جس کے تحت اقوام کو محکم بنایا جارہا تھ، یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔ فرانس اور پروشیا کی جنگ، پیرس کمیون کے بعد، جاپان اور روس (5-1904) کی جنگ، اس کے علاوہ دنیا میں کوئی بڑا واقع نہیں ہوا، تاہم سرمایہ دارانہ دنیا میں تضادات بڑھتے رہے اور اب ان کا تصادم ایک ناگزیر عمل نظر آرہا تھا۔

جرمن بورژوازی:

جرمن اتحاد کے بعد، ملک میں ترقی کا راستہ صاف ہو گیا۔ تاوان جنگ کی صورت میں حاصل شدہ 5 ہزار ملین فرانک جو فرانس سے حاصل ہوئے، اس نے صنعتی ترقی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ صدی کے آخر تک جرمنی صنعتی ترقی کے لحاظ سے فرانس سے آگے نکل گیا اور یہاں تک کہ کئی شعبوں میں جرمن برطانیہ سے بھی آگے تھے اور جرمنی اس وقت صنعتی لحاظ سے دنیا کی ایک طاقتور قوت تھی۔ کیمیکل اور الیکٹریکل صنعت میں اسے یورپ پر بالادستی حاصل تھی۔ جرمن زرعی نظام میں سرمایہ دارانہ خدوخال نمایاں ہو رہے تھے۔ بڑے بڑے جاگیردارانہ قطعات اراضی، اناج اور گوشت کی فیکٹریاں بن گئیں لیکن جرمن یورپ کے ان ملکوں میں شمار ہوتا تھا جہاں کوئی ترقی پسندانہ انقلاب نہیں تھا اور نیم مطلقیت بادشاہت فوجی قسم کی تھی۔ اشرافیہ، امراء، فوجی حکمران اپنی سابقہ روایات اور استحقاق نہیں چھوڑ رہے تھے وہ وہ ملکی معاملات میں غالب قوت رکھتے تھے۔ 20 سال سے 1890ء تک جرمنی کی اندرونی اور خارجہ پالیسیاں بسمارک کے ہاتھ میں تھیں۔ یہ شاطر اور تیز سیاستدان سرمایہ دارانہ ترقی میں تیزی سے بڑھاوا چاہتا تھا اور اس نے فوج کو ایک طاقتور فوج بنا دیا۔ سیاسی چالوں اور سفارتی سرگرمیوں سے بسمارک نے جرمنی کو یورپ میں ایک اہم مقام دلایا۔ اس نے ملک کے استحکام میں ایک اہم کردار ادا کیا اور اس کی ترقی اور استحکام کے لیے کئی ایک پیش عملیاں کیں۔ اس نے بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک، ان محنت کشوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو محسوس کیا جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ (1878-90ء) اس نے سوشلسٹ مخالف قانون کا نفاذ کیا اور اس نے جرمن سوشلسٹ ڈیموکریٹک کی پارٹی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی، اور یہ ترقی پسند کارکن زیرزمین میں سیاسی سرگرمیاں کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جرمن محنت کشوں کی جدوجہد اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، ان کی قیادت اس وقت آگسٹ ببل اور ویلم لائبیک نشے کے ہاتھوں میں تھی، جس نے ابھی تک محنت کشوں میں شعور اور جاگرتی پیدا کرنے کے لیے بہت کچھ کرتا تھا۔ جرمن رجعت پرستوں کی امیدوں کے برعکس سوشل ڈیموکریٹوں کا اثر ورسوخ کم ہونے کی بجائے بڑھتا گیا۔ 1890ء میں سوشلسٹ مخالف قانون ختم کر دیا گیا۔ یہ بسمارک کے لیے ایک بڑی شکست اور محنت کشوں کی عظیم فتح تھی۔

نیا بادشاہ قیصر ویلم دوم (1888-1918ء) ریاستی معاملات میں انتہائی طاقتور اور اہم تھا۔ اس کی موجودگی میں بسمارک کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ استعفیٰ دے دے۔ 1890ء میں جرمنی نے صنعت کے شعبے میں کافی ترقی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ جرمن صنعتکاروں کی امنگوں اور خواہشات میں بھی لامحدود اضافہ ہوا۔ ملک کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔ حکمران طبقے "عالمی سطح پر پالیسیوں کا نفاذ"

جیسے معاملات پر بات کرنے لگے اور جرمنوں نے جلد ہی نوآبادیاں ہتھیانے کے عمل میں شرکت اختیار کر لی اور ایک زبردست بحریہ قائم کیا۔ قیصر ولیم ملک کو زیادہ سے زیادہ طاقتور بنانے کے حق میں تھا اور اس فوجی شہنشاہیت نے ایک عالمی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

برطانوی زوال کی شروعات

اس دوران برطانیہ جس نے ڈیڑھ سو سال تک یورپ کی قیادت کی تھی۔ گزشتہ تیس سال سے اپنی بالادستی کھو رہا تھا۔ برطانیہ کے قبضے میں ابھی تک کئی ایک نوآبادیاں تھیں جنہوں نے اس کی معیشت اور سرمایہ داری کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ اس کے پاس دنیا کی سب سے بڑی مرچنٹ نیوی تھی اور ایک طاقتور جنگی بیڑہ اور وہ سرمایہ دارانہ ذرائع جو اس نے پوری دنیا سے حاصل کیے تھے اور اسے صنعتی بالادستی بھی حاصل تھی لیکن اب صورتحال بدل رہی تھی۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ صنعتی ترقی کے لحاظ سے برطانیہ سے اگے نکل چکا تھا اور اب جرمن کئی شعبوں میں برطانیہ سے آگے جا رہے تھے۔ اس کے عاوہ اور بھی کوئی نوخیز ریاستیں برطانیہ کو پیچھے چھوڑ رہی تھیں۔ اسی دوران برطانیہ کا حکمران طبقہ، اپنے ملک کی حیثیت کو عالمی سطح پر غالب اور مستحکم کرنے میں مصروف تھا۔ 1870ء کے آخر میں برطانیہ نے زولو، جنوبی افریقہ کے خلاف جنگ شروع کر دی جس سے اسے بڑا علاقہ ہاتھ لگ گیا۔ اس دوران برطانیہ نے افغانستان کے خلاف طویل جنگ شروع کر دی لیکن یہاں کے لوگ اپنی آزادی کا دفاع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ 1882ء برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ کئی سال سے جاری سفارتی چالوں کے نتیجے میں 1878ء میں قبرص ترکوں سے چھین لیا۔ 1880ء میں سوڈان پر قبضہ کر لیا اور یکم جنوری 1886ء کو برما پر قبضہ کر لیا۔ برطانوی شہنشاہیت اپنے اقتدار کی سرحدیں روز بروز وسیع کرتی رہی۔ افریقہ ایشیاء اور بحراوقیانوس کے ملکوں کے عوام پر عذاب نازل کرتی رہی ___ اسی عہد میں آئرلینڈ کا مسئلہ تنازعہ کی صورت اختیار کر گیا اور اس ملک کے عوام نے برطانوی قابضین کے خلاف جدوجہد جاری رکھی ___ 19ویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں بورژوا قوت دو سیاسی پارٹیوں میں کھینچا تانی کا مسئلہ بن گئی۔ یہ دونوں پارٹیاں لبرل پارٹی اور کنزرویٹو پارٹی تھیں۔ لبرل لیڈر ولیم گلیڈسٹون (1809-1898ء) 4 مرتبہ وزیراعظم ہا اور یہ سیاسی سمجھوتوں کا ماہر تھا اور قدامت پرست لیڈر بنجمن ڈیلریل (1804-81ء) سفارتی سازشوں اور جوڑتوڑ کا ماہر تھا۔ ان دونوں پارٹیوں نے جو پالیسیاں اپنائیں وہ کم از کم ملکی مفادات کے لحاظ سے ایک جیسی تھیں اور یہ دونوں بڑی پارٹیاں بورژوازی کے مفادات کی محفوظ تھیں اور استعماری پالیسی کی بھی حمایت کرتیں۔ دونوں پارٹیاں ملک میں بالائی طبقے کی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے محنت کشوں کو کچھ نہ کچھ رعاتیں اور حقوق دینے کے لیے متفق تھیں۔ 1870ء میں کئی ایک سماجی قوانین منظور کیے گئے۔ 1880ء میں پرائمری

تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ ٹریڈ یونین کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا گیا۔ بچوں سے محنت، کے تحفظ کے لیے قوانین منظور کیے گئے۔ 1875ء میں عوامی صحت کے قانون کے تحت ایک صحت عامہ کا محکمہ قائم کر دیا گیا۔ 1884ء کے ایک قانون کے تحت انتخابی ادارے کو وسعت دے کر اسے دوگنا کر دیا گیا۔ یہ سماجی اور معاسی اصلاحات دراصل محنت کش طبقے کی طویل جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ برطانوی محنت کشوں کی بڑی قوت ٹریڈ یونین تھی۔ 1880ء میں سوشلسٹ تنظیم محنت کشوں میں قائم ہونے لگی اگرچہ ایسے گروپ چھوٹے چھوٹے تھے تاہم اس سے محنت کشوں کی جدوجہد کو نئے راستے مل رہے تھے۔ 1893ء، مزدوروں کی ایک آزادب پارٹی جس کا راہنما کیر ہارڈی (1915-1856ء) کی قیادت میں قائم ہوئی۔ اس پارٹی نے پرولتاریہ کی جدوجہد کو آگے بڑھایا لیکن یہ پارٹی محنت کشوں کی مضبوط انقلابی قوت نہ بن سکی۔ اس دوران محنت کشوں نے پورے ملک میں ہڑتالوں اور مظاہروں کا سلسلہ جاری رکھا لیکن 19 ویں صدی کے آخر میں چارٹرازم کے ساتھ مل کر اپنے اندر مضبوطی پیدا نہ کر سکی۔ اس کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ بورژوازی نے اپنی امداد کے لیے ''محنت کش اشرافیہ'' قائم کر دی تھی۔ یہ وہ کاریگر محنت کش تھے جنھیں زیادہ تنخواہ ملتی تھی لیکن تمام محنت کش بورژوازی اثر ورسوخ کے تابع نہیں تھے، لیکن لیبر پارٹی، ٹریڈ یونین تحریک، امداد باہمی کی تحریکیں اگر ان میں بورژوازی اثر نہیں تو ان کے موقع پرستانہ نظریات، طریقہ کار، اور عمل میں بورژوازی نظریات کی جھلک ضرور ملتی تھی___

تیسری جمہوریہ کے دوران فرانس:

جنگ میں انتہائی ذلت آمیز شکست کے بعد اور صنعتی لحاظ سے دو ترقی یافتہ صوبوں کے چھن جانے کے بعد، بھاری تاوان جنگ جو 5 ہزار ملین فرانک ادا کیا گیا، فرانس کی اقتصادی ترقی کو کافی ضرب لگی، آدھی سے زیادہ آبادی زراعت سے وابستہ تھی۔ چھوٹے اور بڑے تاجر ملکی تجارت میں اہم کردار ادا کر رہے تھے اور 1890ء کے آخر میں جدید ٹیکنالوجی کی بنیاد پر صنعتیں قائم ہونے لگیں۔ بنکاری کے بہہ زیادہ توجہ دی گئی۔ کئی ایک فرانسیسی بنک ملکی سرمائے پر کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ایسا سرمایہ جو صنعتی ارتقاء سے ابھی تک اور یہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ قرضوں کی صورت میں جا رہا تھا۔ 1890ء تک فرانسیسی سرمایہ جو بیرون ملک گیا۔ اس کی تعداد بیس ہزار ملین فرانک تھی___ پیرس کمیون میں شکست کے بعد، کمیون والوں پر سختی کی ایک زبردست لہر آئی، جس میں انہیں گولیوں سے اڑا دیا گیا اور فوجی ٹرابیونل 1876ء تک کام کرتے رہے جب تک کہ فرانس جمہوریہ نہیں بن گیا لیکن یہ جمہوریہ قدامت پسند تھی، اس کی قیادت رجعت پرستوں کے ہاتھوں میں تھی جنھوں نے کمیون میں ہزاروں افراد کا خون بہایا تھا۔ 1875ء میں نیشنل اسمبلی نے ایک آئین منظور کیا جس میں جمہوریہ کو قانونی بنیادیں فراہم کی گئیں

لیکن اس جمہوریہ کی حقیقت مسلمہ نہیں تھی کیونکہ یہ جمہوریہ پہلی اور دوسری جمہوریہ سے کم جمہوری اصولوں پر قائم ہوئی تھی لیکن اس کے قیام کے سلسلے میں بھی امراء اور شہنشاہیت کی سازشیں جاری رہیں۔ اس جمہوریہ میں اصل قوت ابھی بھی بورژوازی کے چھوٹے سے حلقے میں تھی۔ پیرس کمیون کی شکست کے بعد، بورژوازی لیڈر ریلون گیمبا ٹا (1838,1883ء) اور جیولٹ فیری (1832,1893ء) نے لوگوں سے وعدہ کیا کہ وسیع اصلاحات نافذ کی جائیں گی تاہم جب تک وہ اقتدار میں رہے۔ انہوں نے اصلاحات کی چند جزئیات کو نافذ کیا۔ یہ چھوٹی چھوٹی ''گولیاں'' طویل عرصے میں وقفے وقفے تک دی جاتی رہی۔ 1880ء میں عام معافی کا اعلان کیا گیا جس میں کئی کمیون پرست رہا ہوئے اس کے علاوہ ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا۔ ٹریڈ یونین کو قانونی تحفظ دیا گیا اور پریس کی آزادی کی ضمانت دی گئی یہ اصلاحات کافی تھیں لیکن اس سے محنت کش طبقہ مطمئن نہیں تھا۔ محنت کشوں نے نوآبادیاوں کی پالیسیوں کی مخالفت کی، جس کی کہ بورژوا حکومت حمایت کر رہی تھی تا کہ اپنے طبقاتی مفادات حاصل کر سکے۔ 1881ء کو فرانس نے تیونس پر قبضہ کر لیا اور ایک ظالمانہ جنگ، 1883ء تا 1885ء تک جاری رہی، ہندچینی میں فرانسیسی مقبوضات میں ویٹ نام کا اضافہ ہو گیا۔ 1880ء، 1890ء میں فرانسیسی نوآبادیاتوں نے مڈغاسکر اور شمال مغربی افریقہ کا خطہ وسط کا علاقہ اپنے زیر تسلط کر لیا۔ (1879,1880ء) فرانس میں ورکرز پارٹی کی بنیاد پڑھی۔ اس کی قیادت سوشلزم کے زبردست قائد جیولیس گیسڈ نے (1845,1922ء) اور پال لاقارگو (1842, 1911ء) کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ دونوں مارکس کے شاگرد اور پیروکار تھے۔ پارٹی بنیادی طور پر مارکسی تھی۔ پارٹی کے ساتھ ساتھ فرانس کی محنت کش تحریک میں کئی ایک مارکسی پارٹیاں وجود میں آئیں لیکن یہ باہمی طور پر ایک دوسرے سے مختلف الخیال نظریات کی حامل تھیں، یہی وجہ تھی کہ محنت کشوں کی کوئی بڑی پارٹی اپنے طبقہ کے علاوہ دیگر طبقات پر زیادہ اثر ورسوخ حاصل نہ کر سکی۔ اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے بورژوازی کا حکمران طبقہ کسی قسم کی مزید اصلاحات کرنے سے انکار کر رہا تھا بلکہ بورژوازی حکمران جمہوری قوتوں کے خلاف کھلم کھلا مخالفانہ رویہ اپنا رہے تھے۔ 1890ء میں بورژوا جمہوریہ اور مطلق العنانیت کے درمیان قربت ہو گئی۔ دونوں گروپ باہمی مخالفتوں کو ترک کر کے ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے اور ان کا مشترکہ مفاد یہ تھا کہ جمہوری قوتوں اور محنت کشوں کی جدوجہد کو ہر طرح سے ناکام کیا جائے۔ نوآبادیاتی لوٹ مار سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جائے۔ مذہبی پیشوا، ان کے مقصاد کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ 1890ء میں جمہوری قوتوں اور رجعت پرستوں کے درمیان زبردست جدوجہد شروع ہو گئی۔ اس وقت فرانس کے اعلیٰ پائے کے لکھاری محنت کشوں سے مل کر رجعت پرستوں کے خلاف محاذ آرائی کر رہے تھے۔ ان میں نامور ہستیاں، ایمائل زولا (1840-1902ء) اناطوبی فرانس (1844-1924ء) قابل ذکر ہیں۔ دوران جدوجہد جمہوری قوتوں کو غلبہ حاصل ہونے لگا۔ بورژوازی جسے

سابقہ تجربات نے بہت کچھ سکھا دیا تھا یا بائیں بازوؤں کو فیصلہ کن فتح حاصل کرنے سے دور رکھنے کے لیے ہر ممکن کوششیں کر رہی تھی، اور اس کے لیے سازش کر کے بورژوازی نے جمہوری قوتوں میں اختلافات پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ 1899ء میں ایک بورژوا حکومت جس کی قیادت والڈک روسو کر رہا تھا، تشکیل دی گئی۔ اس حکومت میں سوشلسٹ لیڈر الیگزنڈر نے ملسر انڈ کو اہم عہدے کی پیشکش کی گئی۔ بایں بازوؤں کے دائیں Rightwing نے اس کی منظوری دے دی جبکہ بائیں بازوؤں والوں نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس طرح سوشلسٹ تحریک الجھاؤ کا شکار ہوگئی اور اس میں پیدا ہونے والی غلط فہمیاں اس تحریک کو کمزور کرنے کا باعث بنیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تیزی کے ساتھ سرمایہ دارانہ ارتقاء۔

امریکہ میں خانہ جنگی کے خاتمے کے بعد اقتصادی ترقی ایک ترقی یافتہ مرحلے میں داخل ہوئی اور ایک مختصر مدت میں امریکہ ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں اہم مقام حاصل کر گیا۔ 1860ء میں امریکہ صنعتی پیداوار کے لحاظ سے کل کا 1/4 پیدا کر رہا تھا اور 1894ء میں یہ دنیا کو صنعتی ترقی کے حوالے سے پیچھے چھوڑ گیا۔ مواصلاتی نظام میں بہتری کئی نئے شہروں کی بنیادی بنی، نیویارک، شکاگو، فلاڈیلفیا، ارسان فرانسسکو بڑی تیزی سے ترقی کر گئے اور انڈین قبائل کو انہوں نے ان کے روایاتی مادر وطن سے نکال باہر کیا۔ امریکی کسان مغربی علاقوں میں وسیع و عریض رقبوں پر کاشت کرنے لگے۔ وسیع رقبوں پر افرادی قوت کی کمی کا مسئلہ درپیش تھا، چنانچہ مشینری ایجاد ہوئی اور مشین ہر قسم کے شعبہ ہائے زندگی میں اہمیت اختیار کر گئی۔ خانہ جنگی کے نتیجے میں غلام داری کا خاتمہ ہوا، اور سرمایہ دارانہ نظام کے ارتقاء میں آخری رکاوٹ بھی دور ہوگئی اور معیشت کو لامحدود وسعت ملی تاہم اس کا منفی پہلو یہ نکلا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر انداز میں دولت اکٹھی کرنا اور منافع کمانا ایک خصوصی اہمیت اختیار کر گیا۔ دولت کمانے والے دولت کے لیے ہر قسم کے گھناؤنے جرائم کرنے کے لیے بھی تیار تھے۔ امریکہ کے نامور دولتمند وانڈربایٹ، راک فیلر، مارگن اور گولڈن نے زبردست دولت حاصل کی۔ اس دور کے اعلیٰ امریکی لکھاری مارک ٹوین (1835-1910ء) جیک لنڈن (916، -1876ء) اور او ہنری (1862-1910ء) نے اس ظالمانہ دنیا کو بری طرح بے نقاب کیا۔ یہ استحصال ظلم، ناانصافی اور لوٹ کھسوٹ جو اس نئی جمہوریہ کے ساتھ پروان چڑھ رہا تھا اس پر تنقید کی اور امریکہ میں سرمایہ دارانہ ترقی کا ایک پہلو یہ تھا کہ امریکہ میں غیر امریکیوں کے ساتھ نسلی امتیازی برتاؤ اور غیر انسانی سلوک تھا۔ ترک وطن کرنے والے امریکہ میں پیدا ہونے والے چین النسل باشندے، جاپانی، لاطینی امریکی ممالک کے باشندے اور سب سے زیادہ نیگرو انتہائی مخدوش اور قابل رحم حالت میں زندگی گزارتے تھے، ان کو انتہائی کم تنخواہ دی جاتی اور یہ بنیادی انسانی حقوق سے محروم تھے۔

1881ء کے شروع میں ایک قانون منظور کیا گیا جس کے مطابق ٹینیسی میں نیگرو باشندوں پر پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ ان ریل ڈبوں میں نہیں سفر کر سکتے جن میں سفید فام سفر کریں گے۔ ایسے ہی امتیازی قوانین جنوبی ریاستوں میں نافذ کیے گئے جن کے مطابق نیگرو باشندوں کو تمام سیاسی حقوق سے محروم کر دیا گیا اور انہیں دوسرے درجے کے شہری قرار دیا گیا۔ اس طرح ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جدید ترین ٹیکنالوجی، اعلیٰ ترین صنعتی ترقی کے ساتھ ایسے قوانین رائج کیے گئے جو لاقانونیت، غیر انسانی سلوک، نسلی امتیاز، حقوق انسانی کی نفی پر مبنی تھے۔

جاپان میں سرمایہ دارانہ ارتقا:

بورژوازی انقلاب یا میجی کی بحالی (1868-1867ء) جاپان میں سرمایہ دارانہ ترقی کے لیے راہ ہموار کرنے کا باعث بنی۔ جاگیردارانہ ڈھانچہ تیزی سے زوال پذیر تھا اور اس کی اقدار ماضی کا حصہ بنتی جا رہی تھیں۔ صنعتی پیداوار ہر جگہ نظر آ رہی تھی۔ کسانوں کے دباؤ کے نتیجے میں جو جاگیردارانہ طرز معاشرت اور استحصال کے آخری نشانات کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ حکمران طبقہ مجبور ہوا کہ وہ زرعی اصلاحات کا اعلان کرے۔ 1872ء-1873ء میں ایک اصلاحات کا اعلان کیا گیا کہ وہ لوگ جو زمینوں پر بحیثیت قابض نسل در نسل کاشت کر رہے ہیں۔ انہیں زمینوں کے مالک بنایا جاتا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے زمینیں کرائے پر حاصل کر رکھی ہیں وہ زمینوں کے مالک قرار پائے اور وہ جنہوں نے زمینیں رہن لے رکھی ہیں اگر وہ معاوضہ ادا کر دیں تو وہ بھی مالک بن سکتے ہیں، اس سے امیر کسانوں مالکان اراضی اور ساہوکاروں کو فائدہ ہوا، جن کے پاس کسانوں نے زمینیں بطور رہن رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ کسان حق ملکیت کھو بیٹھے اس زمین سے بھی جس مین سے 1/3 کے وہ مالک تھے۔ مشترکہ زمینیں، چراگاہیں بادشاہ کی ملکیت قرار پائیں اس طرح بادشاہ سب سے بڑا مالک اراضی بن گیا، چھوٹا کسان جو پہلے ہی مقروض تھا اس پر مزید ٹیکس عائد کر کے اسے شکنجے میں پھانس لیا گیا۔ زرعی اصلاحات کے نتیجے میں جو زمین اسے حاصل ہوئی تھی وہ اسے بھی استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس طرح ایسے لوگ مزارع کی صورت اختیار کر کے زمین کے حق ملکیت سے محروم ہو گئے اور ان کی جائیدادیں بڑے زمینداروں کی ملکیت بن گئیں ___ اصلاحات کے پہلے سال میں صنعتی ترقی میں ست روی سے اضافہ ہوا، بورژوازی ملکی معاملات میں ایک اہم کردار ادا کر رہی تھی، حکومت نے صنعت کاری کی زبردست حوصلہ افزائی کی۔ 1890ء میں جاپان میں پہلی اجارہ دار کمپنیاں وجود میں آئیں، جنہوں نے کئی ایک تجارتی مراکز قائم کرا رکھے تھے، صنعتی ترقی سے محنت کشوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا، 19ویں

صدی کے آخر میں جاپان میں پہلی ٹریڈ یونین تحریک ابھری اور اس تحریک کو محنت کشوں کو منظم کرنے والی ایک تنظیم نے منظم کیا، اس کی قیادت ترقی پسند دانشور کر رہے تھے۔ سین کاٹایاما (1859ء-1933ء) اس تحریک کا سربراہ تھا۔ 1898ء میں جاپان میں پہلا یوم مئی جلوس نکالا گیا، محنت کش تحریک کی نشو ونما کو مدنظر رکھتے ہوئے 1900ء میں حکومت نے ''امن عامہ قائم رکھنے کا قانون'' جاری کیا، اور ہڑتالوں پر پابندی عائد کر دی گئی، محنت کشوں کو پولیس نے گرفتار کیا، کئی ایک ٹریڈ یونینوں پر پابندی عائد کر دی گئی، 1901ء میں احتجاج کی ایک نئی لہر اٹھی، ترقی دانشوروں، سین کوٹ اما، کوٹوکو، کاواکامی اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک سوشلسٹ ورکرز پارٹی کے قیام کی ضرورت ہے۔ اسی سال کے 20 مئی کو سوشلسٹ ڈیموکریٹک پارٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ پارٹی کا پروگرام یہ تھا کہ پرامن جدوجہد کے ذریعے قانونی ذریعوں سے اپنے مطالبات پورے کروائے جائیں۔ پارٹی نے عام انتخابات کے لیے مہم چلائی، فوج میں کمی اور بالائی حکمران طبقے کی معزولی جیسے مطالبات کے نتیجے میں حکومت نے فوری طور پر پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔
جاپانی سامراجیت جو 19ویں صدی کے آخر میں ابھری، ایک فوجی جاگیردارانہ کردار رکھتی تھی۔ ملک کے معاملات میں عوام کو مکمل طور پر نظر انداز کیا جا رہا تھا۔ فوجی افسران اور جاگیردار، امراء، بورژوازی ایک انتشاری صورت میں ملکی معاملات پر چھائے ہوئے تھے۔ پارلیمنٹ انتہائی کمزور تھی۔ جاپانی حکمران طبقے نے فوج کو مستحکم کرنے کے لیے کوئی فنڈ مخصوص نہ کیے، اس وقت ان کا سب سے بڑا دشمن کوریا تھا، جس کو مدنظر رکھ کر جاپانیب فوجی منصوبہ بندی کیا کرتے۔ 1894ء میں لوٹ مار کی غرض سے جاپان نے چین پر حملہ کر دیا، اور بہت جلد اپنے بہت بڑے ہمسایہ کو شکست دے دی، فوجی فتح اور چین سے حاصل شدہ تاوان جنگ نے جاپانی سرمایہ داری کو زبردست ترقی دی۔ چین کے خلاف فتح سے جاپان کو ایک متعصبانہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل گیا اور ''عظیم جاپانی سلطنت'' قائم کرنے کا نظریہ جس میں کوریا، شمال مشرق چینی صوبے، منگولیا اور شمالی سائبیریا شامل کیے جانے تھے۔ جاپانی بورژوازی ایشیائی میں توسیع پسندانہ غرض وغایت کے تحت آگے بڑھ رہی تھی چنانچہ ایسے ہی عزائم انہیں زار روس میں نظر آتے تھے جسے جاپانیوں نے دشمن اول قرار دیا۔ 1902ء میں جاپان نے برطانیہ سے مدد حاصل کرنے کا ایک سمجھوتہ کیا تھا جس کا مقصد اس ''امداد'' کو روس کے خلاف استعمال کرنا تھا۔ 1904ء میں جاپان نے روس پر حملہ کر دیا۔ جاپان کے ترقی پسند محنت کش یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لڑائی بورژوازی کے مفاد کے لئے شروع کی گئی ہے۔ روسی مزدوروں کا بھی یہی نظریہ تھا کہ اس جنگ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، ماسوائے ان زیادہ سختیوں اور استحصال کے جو دونوں ملکوں کے محنت کشوں پر کیا جائے گا۔ اگست 1904ء میں ایمز ڈم میں دوسری انٹرنیشنل کی کانگرس کے موقع پر پیچانوف اور کاٹایامانے ایک دوسرے کو دوستانہ انداز میں خوش آمدید کہا۔

اس وقت یہ تنظیم اتنی مضبوط نہیں تھی کہ دونوں ملکوں پر جنگ سے باز رہنے کے لیے دباؤ ڈال سکتی چنانچہ جنگ چھڑ گئی جاپان کیعسکر یت کے سامنے روس کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اندرونی انقلاب کو کچلنے اور امن برقرار رکھنے کے لیے روسی حکومت 1905ء میں پورٹ ماؤتھ معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئی جس سے جاپان کو بے پناہ رعاتیں ملیں۔ جنوبی ساحلین پر جاپان کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح روس بحرالکاہل میں اپنی واحد بندرگاہ سے محروم ہو گیا۔ روسی علاقے میں مواصلات جاپانی کنٹرول میں آ گئیں ___ پورٹ ماؤتھ معاہدے نے مشرق بعید میں طاقت کے توازن کو ہلا کر رکھ دیا۔ اب جاپان کو ایک بڑی طاقت تسلیم کیا جانے لگا تاہم جاپانی عسکریت کو یہ معاہدہ مطمئن نہ کر سکا اور نہ ہی اس سے بورژوازی اور جاگیرداروں کا جارحانہ مزاج ٹھیک ہوا۔ 1906ء میں جاپانی امراء بورژوازی اور حکمران طبقے نے حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ توسیع پسندانہ نقطہ نظر سے فوجی قوت میں اضافہ کرے۔ اس کے خلاف فتح سے اندرون ملک بورژوازی کو استحکام حاصل ہوا، اور سرمایہ دارانہ ارتقاء میں اضافہ ہوا۔ 1913ء-1905ء کے درمیان 38 سوملین ین کی سرمایہ کاری کی گئی اور اس سے متاثر کن نتائج حاصل ہوئے۔ دھات کی صنعت میں بے پناہ اضافہ ہوا، اس کے ساتھ پاور انڈسٹری ملک کی دیگر صنعتوں کو ترقی دینے کے لیے وسعت اختیار کر گئی۔ پیداوار کی مرکزیت اور سرمایہ نے ملکی معیشت کو مستحکم کیا۔ جاپان کی غیر ملکی تجارت کئی دوسرے ترقی یافتہ ملکوں سے بہت زیادہ تھی۔ صنعتی ترقی ایک طرف محنت کشوں کے استحصال کا باعث بنی ہوئی تھی اور دوسری طرف ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ 1905ء کے روسی انقلاب نے جاپان کی سیاسی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ 5 ستمبر کو ٹوکیوں میں ایک عوامی جلسہ ہوا، اور پولیس اور عوام کے درمیان کئی ایک جھڑپیں ہوئیں اور محنت کشوں کی احتجاجی لہر کا آغاز ہوا، اور یہ سلسلہ کئی ہفتوں تک چلتا رہا۔ 1906ء میں ریلوے مزدوروں کان کنوں اور دیگر محنت کشوں، ڈرائیوروں اور کئی شہروں کے مزدوروں نے ہڑتالیں کر دیں۔ سوشلسٹ تحریک پہلے سے زیادہ متحرک ہو گئی۔ فروری 1906ء میں سوشلسٹ پارٹی بحال ہو گئی اب اس کی قیادت کاٹایاما، ساکائی، نیشی، کاوا اور موری کر رہے تھے، پارٹی نے ایک اخبار جاری کیا، جس کا نام ''روشنی'' تھا۔ 1907ء میں اس اخبار کی جگہ ''پیپلز نیوز پیپر'' نے لے لی۔ پارٹی نے کئی ایک عوامی اجتماعات اور مظاہرے منظم کیے لیکن جلد ہی پارٹی اور عوام کے اخبار پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جولائی 1908ء میں ایک نئی حکومت وجود میں آ گئی جس کی قیادت کاٹ سورا کے ہاتھ میں تھی، اس حکومت کی حمایت فوج کر رہی تھی۔ اس حکومت نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز مزدور تحریک کو دبانے کے لیے پولیس کی طرف سے کارکنوں اور راہنماؤں کے ساتھ غیر انسانی اور ظالمانہ اقدامات سے کیا۔ 1910ء میں ایک سوشلسٹ پارٹی کے راہنما کوٹوکو کے خلاف الزام لگایا گیا کہ وہ اور اس کے 24 ساتھی حکومت

مخالف سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ کوٹوکو اور اس کے 12 ساتھیوں کو پھانسی دے دی گئی جبکہ 12 کو جبری مشقت کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ اس ظالمانہ اقدام کے باوجود 11 دسمبر کو سین کاتایاما کی قیادت میں جاپان میں ٹوکیو کے ٹرانسپورٹ ورکرز نے ہڑتال کر دی لیکن اس دوران جاپان اپنی فوجی قوت میں اضافہ کرتا رہا۔ جدید ہتھیار تیار کیے گئے اور مشرق بعید میں اس کے غلبے کو مضبوط بنایا گیا۔ 1910ء میں جاپانی حکومت نے کوریا کے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ جاپانی بادشاہ کے حق میں دستبردار ہو جائے۔ 22 اگست 1910ء کو ایک معاہدہ ہوا، جس کے تحت کوریا نے جاپان کی کالونی بننا منظور کر لیا۔ خاص طور پر مشرق بعید اور عموماً ایشیاء میں بڑی سرگرمی سے جاپانی توسیع پسندانہ اقدامات نے جاپان اور امریکہ کے تعلقات کشیدہ کر دیئے۔

عظیم طاقتوں کی خارجہ پالیسی:

19ویں صدی کے آخر میں، عظیم طاقتوں کے راہنماؤں میں اس خواہش کا اظہار ملنے لگا کہ امن کے موضوع پر بات چیت کی جائے۔ اس میں ان سب کا مفاد تھا، حقیقت یہ تھی کہ امن کی باتیں دراصل ایک جنگ کی تیاری کے لیے ضروری تھیں تاکہ ایک دوسرے کو دھوکہ دیا جا سکے۔ بڑی طاقتوں کے باہمی طور پر لامحدود تضادات تھے کیونکہ یہ نوآبادیاتی پالیسیوں کو اپنائے ہوئے تھیں اور ان کا مشترک مفاد لوٹ کھسوٹ کے عمل میں تھا۔ فرانس اور برطانیہ، مصر اور جنوب مشرق ایشیاء میں بالادستی اور لوٹ مار کے سوال پر ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے۔ اس کے علاوہ افریقہ میں بھی ان کے درمیان محاذ آرائی تھی جبکہ برطانیہ اور روس وسط ایشیاء میں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ جرمنوں کی توسیع پسندانہ خواہشات بھی ان کے درمیان پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ لاطینی امریکہ پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے امریکہ اور برطانیہ کے درمیان سخت محاذ آرائی تھی ــــ یورپ میں ان طاقتوں کے درمیان مفادات کے مسئلے پر تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو رہی تھی۔ 1871ء کا فرینکفرٹ معاہدہ، جس نے فرانس کو الساس اور لورین سے محروم کر دیا تھا، اس سے جرمنی اور فرانس کے درمیان نفرت کا بیج بویا جا چکا تھا، فرانس سے خوفزدہ ہو کر کہ وہ کہیں انتقام پر نہ اتر آئے، جرمنی اس وقت اسلحہ کی دوڑ میں فرانس سے آگے نکل چکا تھا۔ بسمارک او رجرمن فوجی فرانس پر ایک کاری ضرب لگانے کی سوچ رہے تھے۔ روس اور فرانس باہمی طور پر دوستی کر کے جرمن اسلحے کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن اس کام میں رکاوٹ کھڑی کرنے کے لیے جرمنی روس پر حملہ کرنے کے لیے بھی تیار تھا۔ 1877ء میں روس اور ترکی کے درمیان جنگ شروع ہوئی، اس کے نتیجے میں بلغاریہ ترکی کے تسلط سے نکل گیا۔ اس لڑائی نے بڑی طاقتوں کے درمیان تضادات کو اور ہوا دی، خاص طور پر روس اور برطانیہ اور روس اور آسٹریا اور ہنگری کے درمیان کشیدگی زیادہ ہوگئی۔ 1878ء میں برلن کانگریس

کے موقع پر برطانیہ نے جو پوزیشن اختیار کی اور آسٹریا اور ہنگری کو جرمنوں کی حمایت ملی، اس سے روس اپنے کئی ایک دعووں سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوا۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آسٹریا، ہنگری نے بوسنیا اور ہرزی گوینا پر قبضہ کرلیا جبکہ قبرص پر برطانوی تسلط قیام ہوا۔

فوجی دھڑے بندیوں کا قیام:

اس نئی صورتحال میں بسمارک نے نہایت عجلت میں آسٹریا، ہنگری سے سیاسی اور فوجی اتحاد (17 اکتوبر 1879ء) کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک ایسا اتحاد جو دراصل فرانس اور روس کے خلاف تھا۔ مئی 1882ء میں فرانسیسیوں نے تیونس پر قبضہ کرلیا تو اطالوی بورژوازی پریشان ہوگئی اس کے نتیجے میں جرمن سفارتکار اٹلی کو اتحاد میں شامل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سہ فریقی اتحاد یورپ میں پہلا فوجی اور سیاسی اتحاد تھا، اگرچہ اس کے بانیوں نے اسے ''امن لیگ'' کا نام دیا تھا۔ عملی طور پر یہ جرمنی کی زیر قیادت ایک جارحیت پسند فوجی بلاک تھا جس کا مقصد پہلے یورپ اور پھر دنیا میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا تھی۔ سہ فریقی اتحاد کے جواب میں 1891ء-1893ء کے درمیان روس اور فرانس کے درمیان ایک اتحاد پر بات چیت ہوئی، جس سے یورپ دو مخالفانہ کیمپوں میں تقسیم ہوگیا۔ پہلے پہل برطانیہ ان دونوں فوجی دھڑوں سے علیحدہ رہنا چاہتا تھا اور اپنے مقاصد کے لیے دونوں کے درمیان اختلافات کو اپنے حق میں استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن جلد ہی عالمی بالادستی کے لیے جرمنی اور برطانیہ کے درمیان کئی ایک سیاسی مسائل پر تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے۔

عسکریت کی اٹھتی ہوئی لہر:

19ویں صدی کے آخر میں یورپ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی، اس کی وجہ اسلحہ کی دوڑ میں تیزی اور شدت تھی، بڑی طاقتیں اسلحہ کے بجٹ، بحری قوت میں اضافے اور فوجوں کو جدید اسلحہ سے لیس کرنے میں مصروف تھیں۔ کئی ملکوں میں رضاکارانہ فوجی بھرتی کی جگہ جبری فوجی بھرتی نے لے لی، اسلحے کو جدید ترین بنایا جا رہا تھا، برطانیہ، جرمنی کسی حد تک روس، فرانس، جاپان، اٹلی اور امریکہ زبردست بحری بیڑے تعمیر کررہے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہوائی جہاز ایجاد نہیں ہوا تھا اور زیادہ تر انحصار بحریہ پر کیا جاتا تھا۔ دونوں فوجی اتحادوں کے درمیان اسلحہ کی دوڑ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور دونوں کیمپ واضح طور پر جنگ کی تیاری کررہے تھے۔

سرمایہ دارانہ ملکوں میں بڑھی ہوئی طبقاتی جدوجہد

اگرچہ پیرس کمیون کے بعد یورپ میں کوئی بھی بڑی انقلابی تحریک نہیں اٹھی تاہم طبقاتی کشمکش میں اضافہ ہوتا رہا۔ بورژوازی کے خلاف ایک طویل اور زبردست جدوجہد کے نتیجے میں محنت کش کئی ایک رعایتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اوقات محنت کم ہوئے، تنخواہوں میں اضافہ اور حالات محنت میں بہتری آئی، لیکن محنت کشوں کے حالات زندگی کئی ایک سرمایہ دار ملکوں میں پہلے کی طرح بدتر تھے، اوقات محنت 10 سے 14 گھنٹے تک تھے، محنت کش بھوک، عدم تحفظ اور غربت کا شکار ہو رہے تھے، شہروں کی آبادی بڑھنے سے مکانوں کے کرائے اور کھانے پینے کی اشیاء مہنگی ہو گئیں، محنت کشوں میں کاریگروں کی تنخواہوں میں فرق پڑا تھا جبکہ عام محنت کش عام طور پر فاقہ کشی کا شکار ہو جاتا، چنانچہ جرمنی، فرانس، اٹلی اور برطانیہ میں محنت کشوں نے جلسے، جلوس، مظاہرے اور ہڑتالیں کیں۔ اسی دوران بڑی صنعت میں ترقی سے طفیلی صنعت کار تباہ ہو گیا جو اس قابل نہیں تھا کہ وہ بڑی بورژوازی سے مقابلہ کر سکے۔ دستکار، فنکار اور چھوٹے تجارت پیشہ افراد دلوالیہ ہو گئے تاہم استحصال زدہ طبقات کی نجات کے لیے تحریکیں سرگرمی سے متحرک ہوئیں، نہ صرف ایشیاء اور افریقی ملکوں میں جہاں قومی آزادی کا ایک نیا باب کھل چکا تھا بلکہ سرمایہ دارانہ طور پر ترقی یافتہ ملکوں میں بھی عدم اطمینان بے چینی اور سیاسی تحریکوں میں شدت آئی، پولینڈ والوں نے زار روس کے خلاف جدوجہد کی اور انہوں نے جرمنی کے قیصر اور آسٹریا، ہنگری کے تسلط کو بھی چیلنج کر دیا، پولینڈ والے قومی آزادی کے لیے لڑ رہے تھے۔ آئرلینڈ والوں نے خودمختاری کا مطالبہ کر دیا، امریکی نیگرو جنہیں سماجی طور پر دوسرے درجے کا شہری تصور کیا جاتا تھا اپنے سماجی حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ (Fims) فسن نے بھی اپنی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ زیادہ تر یورپی ریاستوں میں شہنشاہیت تھی یا نیم مطلق العانیت۔ دنیا میں کسی جگہ بھی خواتین کو سیاسی حقوق حاصل نہیں تھے اور کئی ایک یورپی ملکوں میں حق ملکیت کے لیے سماجی امتیازات قائم تھے، محنت کشوں کی اکثریت ووٹ دینے کے حق سے محروم تھی۔ محنت کش طبقہ کی طبقاتی جدوجہد محکوم اقوام کی قومی آزادی کی تحریکیں، جمہوری آزادی کے لیے جدوجہد، یہ سب ابھار ایک زبردست مخالفانہ لہر بنتے جا رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں طبقاتی مخاصمت بڑھ رہی تھی اور طبقاتی تضادات کا لاوا نیچے ہی نیچے پک رہا تھا۔

محنت کشوں کی جماعتوں کا قیام اور دوسری انٹرنیشنل

صرف محنت کش طبقہ ہی ایسی قوت تھی جو حقوق سے محروم طبقات کو منظم تحریک کی طرف لے جا سکتا تھا۔ 19ویں صدی کی آخری تین دھائیوں میں انہیں ایک نئی پختگی حاصل ہوتی تھی جونئی ورکرز

پارٹیوں کے قیام کی صورت میں نظر آ رہی تھی۔ 1883ء میں پرولتاریہ کے عظیم راہنما اور استاد کارل مارکس کا انتقال ہو گیا۔ ابھی تک مارکسی تعلیمات محنت کش طبقہ میں تیزی سے مضبوطی ہو رہی تھیں، اور اب یہ پرولتاریہ کا بنیادی فکری اثاثہ بن گئی تھیں۔ 1880ء اور 1870ء کے درمیان جو ورکرز پارٹیاں وجود میں آئیں وہ زیادہ تر مارکسی سوشلسٹ پارٹیاں تھیں۔ 1875ء میں جرمنی کی ورکرز سوشلسٹ پارٹی وجود میں آئی۔ 1877ء میں سوشلسٹ لیبر پارٹی آف امریکہ، 1880ء-1879ء میں فرانسیسی ورکرز پارٹی، 1883ء میں مزدوروں کی نجات کا گروپ وجود میں آیا۔ 1888ء میں آسٹریا میں ایک سوشلسٹ ڈیموکریٹک پارٹی وجود میں آئی۔ 1889ء میں سوئزرلینڈ اور سویڈن میں، 1891ء کو بلغاریہ میں، ان پارٹیوں کی بنیاد سے پتہ چلتا تھا کہ محنت کشوں کی تحریک زیادہ منظم صورت اختیار کر رہی ہے، اب کئی ملک پہلے سے ہی آزاد ورکرز پارٹیوں کا وجود رکھتے تھے، قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا، کہ کس طرح انہیں عالمی بنیادوں پر اکٹھا کیا جائے، تا کہ وہ مشترکہ مقاصد کے لیے زیادہ بہتر طور پر لڑ سکیں۔ 14 جولائی 1889ء فرانسیسی انقلاب کی 100 سالہ سالگرہ کے موقع پر، دوسری انٹرنیشنل کی افتتاحی کانگرس کا اجلاس پیرس میں شروع ہوا۔ اس دوسری انٹرنیشنل کی تیاری میں سب سے اہم کردار مارکس کے دوست اور ساتھی فریڈرک اینگلز نے ادا کیا، سرگرمیوں کے ابتدائی سالوں میں دوسری انٹرنیشنل بنیادی طور پر محنت کشوں کی تنظیم رہی، اور اس کی بنیاد مارکسزم پر تھی اگرچہ کئی ایک سوشل ڈیموکریٹک پارٹیوں میں موقع پرستانہ رجحان پیدا ہوئے، اس دور میں دوسری انٹرنیشنل نے انتہائی مثبت کارروائیاں کر کے اہم کردار ادا کیا۔ 1889ء میں اس کی پہلی کانگرس میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔ جس کے مطابق یکم مئی کو مزدوروں کا دن قرار دیا گیا اور اسے محنت کشوں کے اتحاد اور یقین کے اظہار کا دن قرار دیا گیا۔ دوسری انٹرنیشنل میں عسکریت سے مقابلہ اور جنگ کو روکنے کے طریقوں پر تفصیل سے گفتگو ہوتی، اس کی قرارداد میں کہا گیا کہ حکومتوں نے عسکریت پسند پالیسیاں اپنا رکھی ہیں اور سوشلسٹوں سے کہا گیا کہ وہ جنگ کے خلاف ووٹ دیں اور بورژوا سماجی نظام کے خلاف جدوجہد جاری رکھیں۔ جنگ کے خلاف اور عسکریت کے خلاف جدوجہد کرنا آج کے محنت کش کا سب سے بڑا مقصد ہے ___ دوسری انٹرنیشنل انتہائی کارآمد اور مفید بات چیت ہوئی، اور ان طریقوں کی وضاحت کی جنہیں پرولتاریہ کو اپنانا ہوگا۔ کیا سوشلسٹوں کو قانونی پارلیمانی پلیٹ فارم کو استعمال کرنا چاہیے یا نہیں، تا کہ وہ اپنے مقصد کو آگے بڑھا سکیں اور ٹریڈ یونین میں اپنے کردار کا اظہار کر سکیں۔ پرولتاریہ پارٹیوں کے لیے یہ اثر انگیز ہوگا کہ وہ سیاسی جدوجہد کے پیچیدہ فن پر سخت گرفت رکھیں۔ امن کے زمانے میں سیاسی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لیے سیاسی حکمت عملیوں پر عبور حاصل کریں، تا کہ بڑی طبقاتی جنگ کے لیے تیاری کر سکیں، جو کہ پہلے ہی قریب تر ہے تاہم، اس مرحلے پر انٹرنیشنل کی صفوں میں بے تکیاں سنائی دیتی ہیں اور بعض اوات بدقسمت فیصلے

کرنے پڑے، یہ سب کچھ اس بڑھتے ہوئے موق پرستانہ رجانات کا عکس تھا جو محنت کشوں کی تحریک میں ابھر رہے تھے۔ بورژوازی محنت کشوں کو باہمی طور پر ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی، وہ صنعتی ''اشرافیہ'' کی حمایت حاصل کر رہی تھی، اور ان کے درمیان اور پرولتاریہ کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر رہی تھی۔ صدی کے خاتمے پر یہ اشرافیہ تھی جس نے موقع پرستی اور اصلاح پسندی کو حمایت فراہم کی۔ تاہم انٹرنیشنل اپنے بڑے اہم مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب رہی، باوجود اس انتشار کے، اس نے محنت کشوں کی فیصلہ کن لڑائی جو قریب ہے، اس کی تیاری کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا۔ صنعتی اشرافیہ، وہ محنت کش جنھیں سرمایہ داروں کی طرف سے دیگر فرد سے زیادہ مراعات حاصل تھیں۔

O

باب:32

روس ــــ زرعی غلام داری کے خاتمے کے بعد!

اصلاحات سے انقلاب تک

روس میں سرمایہ داری کا ارتقاء: زرعی غلامی کے خاتمے (1861) اور (1905) کے پہلے روسی انقلاب کے درمیان جو عرصہ گزرا لینن نے انہیں "روس تاریخ کا پن دھارا" کہا ہے۔ اس دور میں قدیم دور کی جاگیردارانہ روایات کا قائم ہوا اور ایک نئے سماجی ڈھانچے یعنی بورژوا معاشرے کا قیام عمل میں آیا۔ زرعی غلامی کے خاتمے کے بعد کئی ایک کارخانے قائم ہونے لگے۔ 20 سال کے عرصے میں دستی محنت کی جگہ مشین نے لے لی، اوراں اور ماسکو کے علاوہ کئی نئے صنعتی مراکز قائم ہوئے۔ ڈان کے علاقے میں کان کنی کو وسعت ملی۔ کیرؤٹی میں لوہا کی کانیں، جنوبی یوکرائن میں دھات سازی کے بڑے بڑے یونٹ قائم ہوئے۔ اس طرح نئے شہر اور قصبے قائم ہونے لگے۔ یزواوکا، بحیرہ ازور کے کنارے محنت کشوں کی آبادیاں، پرانے ساحلی علاقے، ٹاگن روگ اور اڈلیا میں غیر معمولی نوعیت کی تبدیلیاں ہوئیں۔ 1900ء سے جنوب کا صنعتی علاقہ لغت سے زیادہ دیگی لوہا پیدا کر رہا تھا۔ روس دنیا کا سب سے بڑا ملک تھا۔ 19ویں صدی کے وسط میں روس پوری دنیا کے 1/4 حصے پر قابض تھا اور قدرتی دولت سے مالا مال تھا لیکن زرعی غلام داری کی وجہ سے یہ وسائل کو بروئے کار نہیں لا سکا۔ اس روسی صنعت کالکس، قازقستان اور سائبریا کے قدرتی وسائل تک پہنچنے میں آسانی ہو رہی تھی۔ آذربائیجان اور باکو تیل کے بڑے مراکز بن گئے تھے۔ شمالی کالکسی میں تیل کے مزید کنویں کھودے گئے۔ سائبیریا کے علاقے میں کوئلے کی کانیں تلاش کی گئیں۔ (1860) روسی آبادی کل یورپ کا 1/4 تھی اور وسائل بے تحاشا تھی۔ 1900ء میں آبادی یورپ کا 1/3 ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ 40 سالوں میں آبادی میں 80% اضافہ ہوا ہے۔ اس وقت روسی سرمایہ داروں کے پاس لامحدود افرادی قوت تھی۔ لاکھوں کسان جن کے پاس بڑے چھوٹے

قطعات اراضی تھے یا پھر وہ بے زمین کاشتکار تھے۔ یہ کسی بھی شرط پر کام کرنے کو تیار تھے تاہم روسی سرمایہ دار کسی حد تک یورپی سرمایہ داروں کی حاصلات اور تجربوں سے آگاہ تھے۔ 1860ء سے 1900ء تک صنعتی پیداوار میں 7 گنا اضافہ ہوا، جہاں تک فی کس آمدنی کا تعلق ہے۔ روسی سرمایہ دارانہ ملکوں سے بہت پیچھے تھا۔

دیہاتی زندگی میں جاگیردارانہ بقا کی جدوجہد

صنعتی ترقی اور شہروں میں وسعت سے خام مال اور کھانے پینے کی ضروریات میں اضافہ رہا، گلہ بانی اور زراعت کاروباری صفات حاصل کر رہی تھی۔ 1861ء کی اصلاحات کے بعد زیادہ سے زیادہ اناج منڈیوں میں فروخت کے لیے پیدا کیا گیا۔ غربت اور بھوک کسانوں کو وسطی علاقوں سے جنوب مشرق کی طرف لے گئی اس ہجرت سے یوکرائن کی بے آباد زمینوں شمالی کالکس، والگا کا مشرقی کنارہ اور سائبیریا میں کاشتکاری کا باعث بنی۔ مقامی آبادی نئے لوگوں کی آمد کی وجہ سے زیادہ اناج پیدا کرنے لگی۔ ملک کے ایشیائی علاقوں میں دور دراز علاقے جہاں مقامی قبائل کو شکار اور گلہ بانی کے علاوہ کاشتکاری کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ روسی کسانوں نے ان علاقوں میں کاشت کاری کا آغاز کیا۔ 1861ء کی اصلاحات دیہاتی زندگی میں جاگیردارانہ عمل کو روک نہ سکیں، اس کا واضح اظہار وہ وسیع وعریض جاگیردارانہ زمینیں تھیں، لیکن کئی علاقوں میں جاگیرداروں نے نئے پیداوار تعلقات بنانے کی کوشش کی، انہوں نے مشینیں خریدیں۔ لوگوں کو مزدوری پر رکھا، زمینوں پر کاشتکاری کروائی، اور ان کو اناج اور گوشت کا فیکٹریوں لیکن کئی جاگیرداروں نے سابقہ زرعی نظام کو تبدیل کرنے کی بجائے اپنی زمینیں کسانوں کو اس شرط پر قطعات میں تقسیم کر دیں کہ پیداوار کا نصف حصہ جاگیردار کو دیا جائے گیا جب اس طریقے سے بھی مالکان اراضی کو خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا، تو انہوں نے زرعی کاشتکاری کے لیے مشینیں خرید لیں تاکہ جدید فارم بنا سکیں لیکن عام کسانوں کے پاس تنی رقم نہیں تھی کہ وہ ایسا کر سکے۔ کسانوں کے پاس اتنی دولت بھی نہیں تھی کہ وہ تیار شدہ مال خرید سکتے تاہم آبادی میں کسانوں کی اکثریت تھی، کسانوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ملک کی اندرونی منڈی کو وسعت نہیں مل رہی تھی اس طرح جاگیردارانہ طرز معاشرت فی الحال ملک کی معاشی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی چنانچہ روس کے تمام کسان تقریباً ایک ہی طرح کی بری حالت میں زندگی گزار رہے تھے، اصلاحات سے پہلے غریب اور امیر کسان ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے تھے، 1861ء کے بعد جب مالی نظام زرعی ڈھانچے کو متاثر کر رہا تھا تو کسانوں کی غربت میں اضافہ ہوا، امیر کسان تنخواہ پر آدمی رکھ لیتے تھے، اس طرح ان کسانوں نے ایک نئی سرمایہ دار کلاس پیدا کر دی، اس کے علاوہ وہ کسان جن کے قطعات اراضی بہت چھوٹے تھے اور وہ اپنے کاندان کی کفالت بھی نہیں کر

سکتے تھے انہوں نے اپنی محنت فروخت کرنا شروع کر دی، اگر چہ یہ لوگ غریب کسان تھے، لیکن وہ زرعی مزدور بن گئے تھے۔قدیم خاندانی نظام آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا، روسی دیہاتوں میں تنازعہ مفادات کے تحت گروپ وجود میں انے لگے، زرعی بورژوازی اور زرعی پرولتاریہ وجود میں آ گئی۔ چھوٹے کسانوں کی تعداد کم ہو رہی تھی کئی خاندان اپنی زمینوں سے محروم ہو گئے اور شہروں میں آ کر پرولتاریہ بن گئے او ر دیہاتوں میں کرائے کے مزدور۔

صنعتی پرولتاریہ کی نشوونما

روس میں سرمایہ دارانہ صنعت میں فروغ سے کرائے پر کام کرنے والے محنت کشوں کی تعداد میں اضافہ ہوا جو زرعی نظام سے اور دستکاریوں سے نکل کر بڑے صنعتی یونٹوں میں کام کرنے لگے تھے جلد ہی پرولتاریہ کی وسیع تعداد وجود میں آ گئی۔ جسے انقلابی معاشرتی تبدیلیوں میں اہم کردار ادا کرنا تھا۔ صنعتی ترقی سے دیہاتوں سے شہروں میں آ کر آباد ہونے ولاوں کی تعداد بڑھنے لگی، سابقہ دیہاتی نظام ٹوٹ پھوٹ رہا تھا لوگ کام کاج کی تلاش میں شہروں میں آتے اور پرولتاریہ کی صفوں میں شامل ہو جاتے اور یہ نئے محنت کش سابقہ دیہاتوں سے کٹ چکے تھے لیکن ان کا تعلق دیہاتوں میں اپنے عزیز واقارب سے ضرور تھا اس قریبی تعلق کی وجہ سے کسانوں اور مزدوروں کے درمیان قریبی رابطہ قائم ہوا، اور امکان پیدا ہوا کہ مزدوروں اور کسانوں کا اتحاد وجود میں آئے گا۔ یورپ کے کسی دوسرے ملک میں محنت کشوں کی حالت اتنی بری نہیں تھی جتنی کہ روس میں بری تھی۔ یورپ میں کسی جگہ پر بھی اتنے محدود انسانی حقوق نہیں تھے۔ ان مخدوش حالات میں محنت کشوں میں طبقاتی شعور بڑی سرعت سے پھیل رہا تھا۔ صنعتی پرولتاریہ پر غیر انسانی استحصال انہیں مجبور کر رہا تھا کہ وہ سرمایہ داریت کو سخت قسم کی مزاحمت دیں۔ روس کے محنت کش سے قریبی رابطہ رکھتے تھے، روسی صنعت ملک کے مرکزی علاقوں میں وسعت پذیر تھی۔ جب ملک کے جنوب اور مشرق میں نئے صنعتی یونٹ کھلے تو روسی محنت کش مزدوروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملک کے بالائی علاقوں میں ہجرت کرنے لگے۔ ان علاقوں میں مقامی آبادی میں سے محنت کشوں کے گروپ وجود میں آنے لگے اور یہی تعلقات ان کے نظریات میں تبدیلی کا باعث بنے، محنت کشوں کے باہمی اتحاد کی صورت، روسی شہنشاہیت کے لیے عجیب وغریب تھی۔ قومی اقلیتوں کے محنت کشوں کی روسی پرولتاریہ کی انقلابی جدوجہد میں شرکت سے ایسی صورتحال پیدا کرنے میں مدد ملی، جس سے زارشاہی کی نوآبادیاتی پالیسیوں کے خلاف ایک مشترکہ مزاحمت کھڑی کی جا سکتی تھی۔

روس میں ریاستی سرمایہ داری

1861ء سے بعد سرمایہ دارانہ ارتقاء نہ صرف معاشرے کے نچلے پرت میں دیکھا جارہا تھا بلکہ زارشاہی کی پالیسیوں میں بھی اس کی جھلک نظر آرہی تھی اور ایسے اقدامات کیے جارہے تھے جو بالائی سطح سے نافذ کیے جاتے ہیں۔ زارشاہی پہلے ہی امراء طبقے کی سیاسی بالادستی کو بحال رکھنے اور ملک کی اقتصادی اور فوجی قوت کو مستحکم کرنے کی کوشش کررہی تھی، اسی عہد میں حکومت کے لیے ضروری تھا کہ وہ سرمائے کی مرکزیت کی طرف توجہ دے اور ان راستوں کو کھولے جس سے اس کے مفادات اور سرمائے کے ارتقاء میں اضافہ ہو۔ مقامی صنعت کو غیر ملکی تجارتی مقابلے میں تحفظ دینے کے لیے حکومت نے کئی ایک اہم کارنامے انجام دیئے۔ بڑی بڑی فیکٹریوں کو تعمیراتی اور پیداواری آرڈر دیئے گئے، ریلوے کی وسعت کے لیے بڑی رقم مخصوص کی اور بڑی مناسب شرائط پر سٹیٹ بنک نے سرمایہ داروں کو قرضے دیئے ___ ریاستی خزانہ پہلے ہی ملکی معیشت کے ایک اہم سیکٹر پر کنٹرول حاصل کیے ہوئے تھا۔ 1861ء سے پہلے ہی بڑے بڑے جنگلات، اراضیاں اور فیکٹریاں اس کی ملکیت تھیں۔ 1861ء میں ریاستی خزانہ سرمایہ دارانہ صفات حاصل کرگیا علاوہ اس کے زار حکومت نے اپنے اخراجات پر ریلوے کی تعمیر شروع کردی یا وہ ریلوے خرید لی جو پرائیویٹ ملکیت میں تھی۔ 1894ء تک ملک کی ریلوے کا نصف سے زیادہ حصہ ریاستی ملکیت میں تھا۔ اس کے علاوہ پرائیویٹ سیکٹر سے حکومت نے ریلوے کا انجینئرنگ سامان اور اسلحہ ساز فیکٹریاں خرید لیں۔ بہت سارے اعلیٰ افسران اور وزراء صنعتوں میں حصص کے مالک تھے چنانچہ انہیں بھی صنعتوں میں مفادات عزیز تھے۔ ان افسران کے ذریعے طاقتور سرمایہ دار زار حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز ہورہے تھے ___ صنعتی ترقی میں اضافہ کرنے کی نیت سے حکومت نے غیر ملکی سرمایہ درآمد کرنے کی اجازت دے دی۔ غیر ملکی سرمایہ کاروں کے لیے اس میں بڑی کشش تھی، اس لیے انہوں نے اس رعایت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ 19ویں صدی کے آخر تک فرانس، بلجیم، جرمن، برطانیہ نے بڑی صنعتوں پر کنٹرول حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ خاص طور پر روس کی کان کنی کی صنعت ان کے اثر میں چلی گئی۔ صنعت کاری کو فروغ دینے کے لیے جو اقدامات کیے گئے اس سے مزید سرمایہ دارانہ ترقی ہوئی اور اس دوران سرمایہ داری کا بالائی سطح سے نفاذ روسی بورژوازی کے لیے پریشان کن تھا۔ ملک کے صنعتی منافع کا ایک خاصہ حصہ ملک سے باہر جارہا تھا۔ ریاستی ملکیتی کارخانوں اور ریلوے سے حاصل شدہ منافع ان جگہوں پر خرچ کیا جارہا تھا جس کا عام آدمی کی ضرورت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

انیسویں صدی کے اختتام پر روسی ثقافت

19ویں صدی کے آخر میں روس میں ادب، فن اور سائنس میں گراں قدر اضافے ہوئے۔

ٹالسٹائی (1828ء-1910ء) کی تحریریں دنیا کی تمام اقوام کے باشندوں پر گہرے اثرات مرتب کر رہی تھیں۔ فیودودو ستووسکی (1821ء-1881ء) ایوان ٹرگینوف (1818ء-1883ء) چیخوف (1860ء-1904ء) جیسے عظیم افسانہ اور ناول نگاروں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ اس عہد میں روس نے دنیا کو چیکوویسکی (1840ء-1893ء) کی عظیم موسیقی دی۔ موسوگورسکی (1839ء-1881ء) ریمسکائے کورسکوف (1844ء-1908ء) اور پروڈین (87-1833ء) اور ریپن (1844ء-1930ء) نے اپنے عہد کے انسانوں کو نئی انسانی تخلیق اقدار سے روشناس کروایا___ قدرتی سائنس میں اہم حاصلات، میں ڈیمٹری مینڈلیوف (1834ء-1907ء) اس نے عناصر کا چارٹ ترتیب دیا۔ ایک ممتاز ماہر طبیعات، سٹولٹوف (1839ء-1896ء) اور ایک باصلاحیت ماہر حیاتیات، سیکن کوف (1845ء-1916ء) اور ٹائمیری روف، اپنے دور کے عظیم سائنسدان تھے۔

پاپولسٹ تحریک

زرعی غلام داری نظام کے خاتمے کے باوجود، کسانوں کی بغاوتیں رو پذیر ہو رہی تھیں، اب کسان ان حالات زندگی پر احتجاج کر رہے تھے جو زرعی غلام داری نظام کے خاتمے کے بعد، جو ان کے لیے نقصان دہ اور زمینداروں کے لیے فائدے کا باعث بن رہے تھے۔ وہ اس نظام سے مفاہمت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، جس کے مطابق ان کے اثاثے محدود ہو چکے تھے اور ان کی زمینیں معززین نے خرید لیں تھیں۔ کسانوں کی بغاوتیں پورے ملک میں پھیل رہی تھیں، کسان جاگیرداری نظام کے آخری نشانات بھی مٹا دینا چاہتے تھے۔ ترقی پسند روسی دانشوروں نے مفلس کسانوں کے لیے بے پناہ ہمدردی کا اظہار کیا۔ ان میں سے کئی ایک سوچ رہے تھے کہ لاکھوں کسانوں کو منظم کر کے ملک گیر احتجاج اور تحریک چلائی جا سکتی ہے، تاکہ جاگیردار طرز معاشرت اور استحصال کا خاتمہ کیا جا سکے۔ چرنیشکوی اور ہرزن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، جمہوریت پسند روسی دانشوروں کی نئی نسل تصور کر رہی تھی کہ ہر ایک دیہات کے باشندے، ایک کمیون کی طرز کی زندگی جس میں استحصال نہ ہو، اور اجتماعی طور پر محنت کی جائے، ممکن ہے وہ یہ کہہ رہے ہوں کہ سرمایہ دارانہ نظام کو نظر انداز کر کے کسانوں کی قوت کی بنیاد پر سیاسی اقتدار پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی دوران کسان جن کا سیاسی شعور، اتنا ترقی حاصل نہیں کر سکا تھا، مجموعی عمل کے لیے تیار نہیں تھا۔ دیہاتی برادریوں میں مساوات نہیں تھی اور دیگر لوگوں کے مفادات کسانوں سے مشترک نہیں تھے۔ کسانوں کی نجات اسی میں تھی کہ وہ پرولتاریہ سے اتحاد قائم کریں، اور مشترکہ جدوجہد کریں۔ اکثر و بیشتر روسی انقلابی مارکس اور اینگلز کے نظریات سے جانکاری حاصل کر چکے تھے۔ مغرب میں رہتے ہوئے انہوں نے یورپ کے مزدوروں کی تحریک کو قریب سے دیکھا تھا اور ان میں سے کئی ایک محنت کش

پرولتاریہ کی انقلابی جنگوں کے چشم دید گواہ تھے۔ 1870ء میں روسی انقلابیوں کا ایک گروپ جو سوئیٹزرلینڈ میں جلاوطن تھا، انہوں نے پہلی انٹرنیشنل کی روسی شاخ کے قیام کا اعلان کیا، اور اسی سال روسی انقلابی ہرمن لوپٹن (1845ء-1918ء) کو انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کے لیے منتخب کولیا گیا، اپنے دوست کی مدد سے لوپٹن نے ''کیپٹل'' کا پہلا روسی ترجمہ کیا، اگرچہ اس کتاب کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، لیکن پہلا ترجمہ روسی زبان میں ہوا، اس عظیم انقلابی کے متعلق مارکس نے لکھا تھا ''بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں میں اتنا پسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں'' مارکس کے کہنے پر 1871ء کو لندن میں واقع جنرل کونسل نے، روسی انقلابی ییلی یاویزتا ڈیمٹریوا کو پیرس کمیون میں اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ وہ محاصرہ شدہ شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے اور اس نے اس جدوجہد میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ___ مارکس اور اینگلز کی تعلیمات اور ان کی فکری وسعت کے باوجود روسی انقلابی مکمل طور پر مارکسی نظریات کو تسلیم نہیں کرتے تھے اس کی بنیادی وجہ روس میں پسماندگی تھی اور سرمایہ دارانہ ترقی ابھی ابتدائی مرحلے پر تھی اور صنعتی پرولتاریہ کی عمر بہت کم تھی۔ اس وجہ سے روسی دانشوروں کا ایک طبقہ محنت کش طبقہ کے تاریخی کردار کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ ابھی تک اس غلطی پر اصرار کر رہا تھا کہ بنیادی انقلابی طبقہ کسان ہیں۔ 1874ء میں تقریباً ایک ہزار روسی نوجوان کسانوں کی وردی میں ملبوس دیہاتوں کی طرف نکل پڑے، کچھ اس امید میں تھے کہ کسانوں کو بغاوت کے لیے اکسائیں گے اور ملک گیر بغاوت کا پروگرام منظم کریں گے۔ نوجوان سوشلسٹ نظریات کا پرچار بھی کرنا چاہتے تھے۔ نوجوانوں میں انقلاب کے لیے اس نئی لیبر کو روس میں ''لوگوں میں جانا'' کہتے ہیں، وہ جنہوں نے اس عمل میں حصہ لیا اور ان کے ہمدرد نرودونکی کہلائے، اس کا مطلب ہے عوام۔

پاپولسٹوں کی زار کے خلاف جنگ

کسانوں نے نرودنکوں کی اپیل کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ ایک ملک گیر بغاوت کے لیے تیار نہیں تھے اور سوشلسٹ نظریات کو بھی سر دست قبول کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ اس ناکامی کے بعد کئی نرودونک بددل ہو گئے اور تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیا لیکن بعض نے پروپیگنڈہ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے خود چھوٹے تاجر، دستکار اور ڈاکٹر کے طور پر دیہاتی علاقوں میں کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان تمام کوششوں کو یکجا کرنے کے لیے ان نوجوانوں نے ایک خفیہ تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا۔ (Zemlya i-Volya) جس کا مطلب ہے ''مادر وطن اور آزادی'' ہے۔ اس تنظیم نے ایک پریس لگایا جو خفیہ مواد چھاپتا تھا۔ جو زار کی عوام دشمن پالیسیوں کو بے نقاب کرتا تاہم جلد ہی نرودونک دیہاتوں میں ایک پروپیگنڈہ مہم بھی ناکام ہونے سے بددل ہو گئے۔ وہ جو انقلاب کے لیے خدمت طریقہ کار نہ اپنا سکے۔ زار شاہی کے

خلاف موثر سازش تیار کرنے کی وکالت کرنے لگے اور انہوں نے کہا کہ سیاسی قتل جدوجہد کا اعلیٰ طریقہ ہے ان کا یقین تھا کہ زار شاہی کے وزراء اور زار کا قتل حکمران طبقے میں خوف وہراس پھیلا دے گا اور اس کے بعد ریاستی اقتدار پر قبضہ زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ نردونکوں کا نقطہ نظر مکمل طور پر حق بجانب تھا لیکن جو جدوجہد کا طریقہ کار انہوں نے اختیار کیا وہ غلط تھا۔ یہ خیال کہ کئی ایک دہشت گردی کے واقعات او رسیاسی قتل جو اعلیٰ عہدداروں کے کرنا مقصود ہیں، اس سے ریاستی ڈھانچے کو تبدیل کرنا بالکل ناممکن ہے جس طرح بعد کے واقعات سے ثابت ہوا، 1879ء میں نردونکوں نے ایک اور خفیہ تنظیم قائم کی، جس کا نام تھا (Nordinia Volya) اس کا مطلب تھا۔ ''عوام کی مرضی'' اس کی قیادت تجربہ کار انقلابیوں کے ہاتھوں میں تھی۔ جن میں آندرئے زیبسوف (Znderi Zhelyabov)، صوفیا پرووسکیا (Sofia perovskaya) اور الیگزنڈر میخائیلوف (Alexender Mikhailov) شامل تھے۔ اس نئی تنظیم کے اراکین نے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئی، دہشت گرد کارنامے انجام دیئے۔ وہ اعلیٰ ترین ریاستی عہدداروں کو قتل کرنے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے زار الیگنڈر کے لیے سزائے موت کا اعلان کیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک زار پر موت کی تلوار لٹکتی رہی جب وہ سیر کے لیے نکلا تو اس پر فائرنگ ہوئی، شاہی ریل گاڑی کے راستے میں بارودی سرنگیں بچھائی گئیں۔ سینٹ پیٹرز برگ میں شاہی محل میں اس کے کھانے کی میز کے بالکل نیچے بم پھٹا۔ اس وقت دنیا کے ترقی پسند لوگوں کی ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ تھیں جو بڑی بہادری سے زار شاہی کے مظالم کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے اگرچہ وہ نردونکوں کے پروگرام اور طریقہ کار سے متفق نہیں تھے۔ آخر کار یکم مارچ 1881ء کو زار روس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جب اسے سینٹ پیٹرز برگ کی گلیوں سے گزرنا تھا۔ پہلا بم جو اس کی کوچ پر گو وہ پھٹ پڑا، اور دوسرا جو اگنٹی گرائیوٹسکی (Ignaty grinevitsky) نے پھینکا، اس سے زار اور بم پھینکنے والا زخمی ہو گئے۔ چند گھنٹوں میں دونوں کی موت واقع ہوگئی، زار کا بیٹا الیگزنڈر سوم سینٹ پیٹرز برگ کے باہر چینا محل چلا گیا جہاں پولیس کی بھاری جمعیت اس کی حفاظت پر مامور تھی۔ روس کے باہر بادشاہ کو ''گاچینا محل کا قیدی'' کہا جانے لگا تاہم سیاسی حکومت جسے روس میں غلبہ حاصل تھا، تبدیل نہ ہوئی۔ زار شاہی نے اپنی سابقہ پالیسیوں پر عمل جاری رکھا۔ نردونکوں کی مرکز مجلس عاملہ نے برائے نام اپیل جاری کی جس میں کہا گیا کہ عوامی نمائندوں کا کنونشن منعقد کریں اور عام معافی کا اعلان کریں۔ اس کے جواب میں وہ اپنی دہشت گرد سرگرمیاں ترک کر دیں گے۔ زار نے اس اپیل کو یکسر مسترد کر دیا جبکہ نردونکوں کے تمام لیڈر گرفتار کر لیے گئے۔ ان میں سے چار کو پھانسی دی گئی جبکہ باقی کو طویل المدت سزائیں سنائی گئی تاہم اس کے بعد تنظیم مکمل طور پر ختم ہوگئی۔ نئے زار پر قاتلانہ حملہ کرنے کے جرم میں لینن کے بڑے بھائی الیگزنڈر اولیانوف کو زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اسے حملہ کرنے سے پہلے ہی گرفتار کیا گیا اور پھانسی دے دی

گئی۔ نرودنکوں کی تحریک سے یہ سبق ملتا ہے کہ بہادری، جرات عزم ہی انقلابی تبدیلی کے لیے کافی نہیں بلکہ انقلابی نظریہ انقلاب کے لیے راہنمائی کرتا ہے اور نرودنکوں کے پاس کوئی نظریہ نہیں تھا۔ سازشیں اور سیاسی قتل انقلاب میں کامیاب نہیں ہوتے۔

مزدوروں کی پہلی تنظیم

وہ زمانہ جب نرودنک دیہاتوں میں پروپیگنڈہ مہم چلا رہے تھے، صنعتی مزدوروں کا وسیع وعریض احتجاج جاری تھا۔ ریاستی مشینری اور پولیس سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل تھی، جبکہ اس وقت محنت کش سیاسی حقوق سے محروم تھے۔ کوئی بھی تحریک جو سیاسی آزادی کے لیے چلائی جاتی اسے زار کی نافرمانی اور بغاوت قرار دیا جاتا، ہڑتال کو ریاست کے خلاف جرم قرار دیا گیا۔ راہنماؤں کو گرفتار کر لیا جاتا۔ جلوس میں شرکت کرنے والوں کو ملازمت سے برخاست کر دیا جاتا اور اسے فیکٹری کی حدود سے نکال باہر کیا جاتا، تاہم روس میں ہڑتالوں کا سلسلہ جاری رہا، مزدوروں کو متحد کرنے کے لیے دو خفیہ تنظیمیں وجود میں آئیں (1875ء) اوڈیسا بندرگاہ میں ساؤتھ ورکرز آرگنائزیشن اور شمال میں ورکرز یونین آف سینٹ پیٹرز برگ۔ پہلی تنظیم نرودنک دانشور بی ویگنی، زار سلاوسکی اور دوسری دو محنت کش وکٹر اوبنورسکی اور سٹیفن کاٹراین نے بنائی۔ دوسری تنظیم کا نرودنکوں کے طریقہ کار سے کوئی تعلق نہیں تھا اور وہ ان کی چالوں سے بھی اختلاف کرتے تھے۔ اوبنورسکی ایک پڑھا لکھا نوجوان تھا جو غیر ملکوں میں تین بار چکر لگا چکا تھا۔ اسے یہ موقع ملا تھا کہ وہ مغربی ملکوں کی محنت تحریک کے تجربوں سے آگاہی حاصل کر سکے۔ وہاں وہ بین الاقوامی محنت کش تحریک کے راہنماؤں سے ملتا رہا، کاٹراین نے بھی وسیع تر سیاسی مطالعہ کیا ہوا تھا۔ یہ دونوں افراد محنت کشوں کی تنظیم اور پرولتاریہ کو سیاسی حقوق کے لیے جدوجہد کرنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ پہلی روسی پرولتاریہ کی پہلی انقلابی تنظیمیں تھیں، لیکن انہیں جلد ہی کچل دیا گیا اور ان کے راہنما جو پولیس سے بچ نکلے تھے انقلابی جدوجہد میں مصروف رہے اور خفیہ طور پر پرولتاری مقاصد کو آگے بڑھانے، عوام کو متحد کرنے اور انقلاب کے لیے جدوجہد میں مصروف رہے ___ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روسی محنت کشوں کی جدوجہد آگے بڑھتی رہی اور زیادہ منظم طور پر احتجاج کیے جانے لگے، 1885ء میں مورزوف کے آٹھ ہزار ٹیکسٹائل ورکرز نے ہڑتال کر دی، ترقی پسند ورکروں کا ایک گروپ جس کی قیادت پائیدٹر موزیکیونو جو نارتھ رشین ورکرز آرگنائزیشن کا سابقہ ممبر تھا کر رہا تھا، اس نے مطالبات کی فہرست تیار کی۔ اس میں سب سے اہم مطالبہ یہ تھا کہ محنت کشوں کے خلاف اس جابرانہ جرمانے کو ختم کیا جائے جو مالکان جب چاہیں سزا کے طور پر محنت کش پر عائد کر دیتے ہیں۔ مطالبات کی فہرست صوبائی گورنر کے حوالے کی گئی جب وہ فیکٹری میں سپاہیوں کے

بھاری دستے کے ساتھ آیا۔ جب گورنر نے محنت کشوں کے راہنماؤں کی گرفتاری کے احکامات جاری کیے تو بقایا مزدوروں نے ہڑتال کی قیادت سنبھال لی اور انتظامیہ کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہونے لگیں، نتیجہ کے طور پر 800 مزدوروں کو قصبہ سے نکال دیا گیا اور 33 کو عدالت کی طرف سے سزا دی گئی۔ ٹیکسٹائل فیکٹری کے مزدوروں کی ہڑتال کے نتیجے میں اگلے سال الیگزنڈر سوم نے اس قانون کو ختم کو دیا جس کے تحت فیکٹری مالکان محنت کشوں پر بطور سزا جرمانہ عائد کر سکتے تھے۔ یہ پہلی کامیابی تھی اور محنت کشوں کو جدوجہد کے ذریعے حاصل ہونے والی رعایت۔ جو انہوں نے حکومت سے حاصل کی اب روس میں محنت کشوں کا مسئلہ ایک اہم نوعیت کا مسئلہ بن گیا۔

مارکسی راستہ

پرولتاریہ کی سابقہ تاریخ، روسی ڈیموکریٹک تحریک کے لیے راستہ ہموار کر رہی تھی۔ محنت کشوں کے بڑھتے ہوئے مظاہرے، پرعزم ہڑتالیں اور محنت کشوں کے اتحاد کے لیے سرگرم جدوجہد، عام زندگی پر گہرے طور پر اثر انداز ہو رہی تھی اور اس سے عام آدمی کا فکری ارتقاء بھی ہو رہا تھا۔ جب نردونکوں کی تنظیم ٹوٹ پھوٹ گئی تھی تو نردونکوں کے ایک بڑے گروپ نے انقلابی جدوجہد ترک کر دی اور اعتدال پسندانہ سرگرمیوں میں اپنی قوتیں صرف کرنے لگے۔ اس دوران وہ جو اپنے انقلابی مقصد سے بچے رہے، انہوں نے مغربی مفکرین کی تعلیمات کا مطالعہ شروع کر دیا اور انہوں نے یورپی ملکوں کی انقلابی تاریخ کا مطالعہ کیا تاکہ اپنے ملک میں انقلاب برپا کرنے کے لیے راستہ تلاش کیا جائے۔ مارکس اور اینگلز کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد اور محنت کشوں کی بڑھتی ہوئی انقلابی لہر کو دیکھتے ہوئے، انہوں نے مزدور تحریک کے مراکز کی طرف توجہ دی۔ 1882ء میں ایک سابقہ نردونک گیوا گی پیکانوف نے کمیونسٹ مینی فیسٹو کا روسی زبان میں ترجمہ کیا، جینوا میں 1883ء میں وہ اور اس کے روسی کامریڈوں نے روسی سوشل ڈیموکریٹک آرگنائزیشن قائم کی جس کو "Emancipation of Labour Group" کہتے ہیں۔ اس گروپ نے اشاعت اور تشہیر کے معاملے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ کارل مارکس، اینگلز اور اپنی طرف سے تحریر کردہ پمفلٹ شائع کیے۔ انہوں نے نردونک تحریک پر تنقید شائع کی، یہ اقدام پاپولزم سے ملاکزم کی جانب اہم قدم تھا۔ پلیخوف اور اس کے ساتھیوں نے بتایا کہ روس میں بھی دوسرے ملکوں کی طرح پرولتاریہ ایک راہنما کردار ادا کرے گی۔ انقلابی تحریک کی کامیابی کا دارومدار، اس کا انحصار پرولتاریہ پر ہے۔ 1889ء میں پیرس میں دوسری انٹرنیشنل کی پہلی کانگرس سے خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا، روس میں انقلابی تحریک اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہو

سکتی ہے جب یہ محنت کشوں کی انقلابی تحریک بنے گی''۔ اس گروپ کے کارکنوں نے یورپ کے انقلابیوں سے قریبی تعلقات قائم رکھا۔ اینگلز نے روس میں انقلابی تحریک کا رکا قریب سے جائزہ لیا اور پہلی سوشل ڈیموکریٹک آرگنائزیشن کو خوش آمدید کہا۔ اس کی بنیاد کے دو سال بعد اس نے لکھا ''مجھے اس پر فخر ہے کہ روسی نوجوانوں میں ایک ایسی پارٹی ہے جس نے بڑی فرخدالی سے مارکسی تاریخی اور معاشی نظریات کو اپنایا ہے۔ مارکس بھی اس پر اتنا ہی فخر کرتا ہے۔ تاہم اس گروپ کے پروگرام میں ابھی تک کچھ مغالطے تھے۔ وہ کسانوں کی انقلابی قوت کا غلط اندازہ لگا رہے تھے اور لبرل بورژوازی کے خلاف وہ تنقید کرنے میں زیادہ وقت صرف کرتے ہوئے زارشاہی کے خلاف تھے۔ اس کے علاوہ عوامی تحریک سے بھی ان کا رابطہ کمزور تھا، روسی ڈیموکریٹک گروپ نے روسی عوام میں پذیرائی حاصل کرنا شروع کر دی۔ پہلے سینٹ پیٹرزبرگ اور پھر روس کے دیگر قصبوں میں لوگوں نے اسے قبول کیا۔ ان مارکسی گروپوں میں جو والگا کے قصبوں میں تھے۔ ایک نوجوان اور مارکسی نظریئے کا پرستار ولادی لینن تھا۔ یہ وہی نوجوان تھا جسے بعد میں انقلابی تحریک میں اہم کردار ادا کرنا تھا۔

لینن کی ابتدائی انقلابی سرگرمیاں

لینن 1870ء میں پیرس کیمون سے ایک سال پہلے روس میں پہلی ورکرز یونین وجود میں آنے سے پانچ سال پہلے پیدا ہوا، اس کا باپ ایلیا اولیانوف ایک ٹیچر تھا، جس نے اپنی تمام تر قوتوں کو تعلیم پھیلانے کے لیے وقف کر رکھا تھا اس کی والدہ جو کہ ایک ٹیچر تھی انتہائی اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھی، اسے فرانسیسی، جرمن اور انگریزی پر عبور حاصل تھا وہ عالمی ادب پر گہری نظر رکھتی تھی اور کلاسیکی موسیقی میں ماہر تھی۔ لینن نے اپنا بچپن دولگا کے کنارے ایک چھوٹے سے قصبے سمبرسیک (اولیانوسک) میں گزارا، وہ بچپن ہی سے اس قابل تھا کہ کسانوں کے حالات، زندگی کا اندازہ کر سکتا تھا، جو دریا کی گودی میں پیسے حاصل کرنے کے لیے آتے تھے، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ان کسانوں کی حالت اسے متاثر کرتی۔ وہ ان قومیتی اقلیتوں کے متعلق جو دولگا کے علاقے میں آباد تھیں جو پوروش اور تاتار وغیرہ کے بارے میں جانتا تھا۔ 17 سال کی عمر میں اپنی ثانوی تعلیم امتیازی حیثیت سے پاس کر گیا۔ لینن نے قازان یونیورسٹی سے میٹرک کیا۔ اس کے بھائی کو زار کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانے کے جرم میں ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی پھانسی دی گئی تھی، جب اس نے اپنے بڑے بھائی کی موت کا سنا تو کہا ''ہم ایک اور راستہ اپنائیں گے''، لینن کو جلد ہی قازان یونیورسٹی سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے جرم میں نکال دیا گیا اور ایک دوردراز کے گاؤں میں نظر بند کر دیا ایک پولیس افیسر جسے لینن کی تفتیش کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا اس نے لینن

سے پوچھا کہ "نوجوان تم کرۂ ارض پر کس کے خلاف بغاوت کر رہے ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ تم ایک دیوار سے ٹکرا رہے ہو؟" لینن نے جواب دیا "ہاں، ایک دیوار سے، یہ بوسیدہ ہو چکی ہے، ایک دھکے سے یہ گر جائے گی۔" دوران علاقہ پابندی لینن نے دل چھوٹا نہیں کیا اس نے اینگلز اور مارکس کی تعلیمات کا مطالعہ کیا اور جب وہ واپس قازان آیا، تو اس نے سوشل ڈیموکریٹک کے ایک زیرزمین گروپ میں شمولیت اختیار کر لی، بعد میں وہ سمارا چلا گیا جہاں اس نے ایسا ہی گروپ تشکیل دیا، اسی دوران لینن نے سینٹ پیٹرز برگ کی یونیورسٹی کے شعبہ قانون سے اعلیٰ نمبروں میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی جہاں اس کا داخلہ ایک بیرونی یا پرائیویٹ طالب علم کے طور پر تھا۔ 1893ء میں وہ سمارا چھوڑ کر دارالحکومت لوٹ آیا۔

مزدور تحریک میں سائنسی سوشلزم

جب لینن سینٹ پیٹرز برگ واپس آیا تو شہر میں کئی ایک سوشل ڈیموکریٹک گروپ تھے اگرچہ وہ ابھی تک وہ محنت کشوں کے ترقی پسند حلقوں میں مارکسی تعلیم پھیلا رہے تھے لیکن وہ وسیع طور پر مزدور تحریک سے رابطہ نہیں رکھتے تھے، جب لینن نے سینٹ پیٹرز برگ کے سوشل ڈیموکریٹک گروپ کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا تو اس نے نردونکوں کے سیاسی عمل اور افکار پر زبردست تنقید کی۔ ان خطبات اور تحریروں سے لینن نے پاپولسٹوں کے خیالات کو کمزور کیا اور اس نظریے کی وضاحت کی کہ محنت کشوں کی انقلابی تحریک کی قیادت پرولتاریہ کرے گی۔ اس نے ایک متحدہ مارکسی مزدوروں کی پارٹی تشکیل دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ لینن نے لکھا کہ روسی پرولتاریہ مارکسی نظریات پر عمل کرتے ہوئے مطلقیت کا خاتمہ کر دیں گے اور دوسرے ملکوں کے پرولتاریہ سے مل کر "روسی پرولتاریہ کمیونسٹ انقلاب کے لیے سیدھا اور واضح راستہ اپناتے ہوئے سیاسی جدوجہد کریں گے" لینن نے اپنی قوتوں کا زیادہ تر حصہ محنت کشوں میں نظریاتی کام کرنے کے لیے وقف کر رکھا تھا، اس نے سوشلسٹ نظریات کا پرچار کیا اور محنت کشوں کو انقلابی عمل کے لیے متحد کیا۔ اس نے محنت کشوں کے مسائل پر ان سے ہی معلومات حاصل کیں اور پمفلٹوں میں بڑی سادہ زبان میں لکھا کہ محنت کشوں کو سرمایہ دارانہ نظام کو شکست دینے کے لیے کونسے راستے اختیار کرنے چاہئیں۔ لینن کو مثال بناتے ہوئے دیگر سوشل ڈیموکریٹک گروپوں نے بھی محنت کشوں سے قریبی رابطے رکھنا شروع کر دیئے اور محنت کش تحریک میں ایک اہم کردار ادا کرنے لگے۔

1895ء کے موسم خزاں میں لینن کے اصرار پر سینٹ پیٹرز برگ کے تمام سوشل ڈیموکریٹک گروپ ایک تنظیم میں اکٹھے ہو گئے۔ "محنت کشوں کی نجات کے لیے جدوجہد کرنے والی تنظیم" یہ ایک انقلابی اور اہم قدم تھا جو انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے میں تاریخی نوعیت کا حامل تھا تاہم جلد ہی بکھرے ہوئے سوشل

ڈیموکریٹک گروپ جو ماسکو، تولا، روسٹوف اور روس کے دیگر صنعتی مراکز میں سرگرمیوں میں مصروف تھے وہ باہمی طور پر متحد ہو کے کام کرنے لگے۔ اب ان کی تعداد میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ سوشل ڈیموکریٹک جو اس وقت صنعتی ہڑتالوں میں حصہ لیتے تھے انہوں نے محنت کشوں کو وسیع تر سیاسی شعور اور انہیں جدوجہد کے لیے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ سوشلزم کو محنت کشوں کی نظریاتی اساس قرار دیا گیا___ زار پولیس نے جلد ہی لینن کو گرفتار کر لیا، لیکن اس کے ساتھی اس جدوجہد میں مصروف رہے۔ جس کا منصوبہ انہوں نے پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ 1896ء میں مزدوروں نے سینٹ پیٹرزبرگ کی ٹیکسٹائل انڈسٹری میں ایک بہت بڑی ہڑتال منظم کی جس میں 30,000 مزدوروں نے حصہ لیا، یہ ہڑتال اتنی منظم تھی کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی، اس ہڑتال نے روسی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے، اسی ہڑتال سے محنت کشوں کی قوت کا مظاہرہ ہوا، اور اس سے مارکسی نظریئے کی صداقت کی بھی پرکھ ہوئی۔ دوسرے ملکوں کے محنت کشوں نے روس کے ہڑتالی محنت کشوں کی امداد کے لیے فنڈ اکٹھے کیے۔



باب:33

سامراجیت، سرمایہ داری کا اعلیٰ ترین اور آخری مرحلہ

سرمایہ داری کا سامراجیت میں عبور:

صدی کے بدلنے تک سرمایہ داری اپنے ارتقاء کی آخری حدیں چھو چکی تھی۔ سماجی تعلقات کا سرمایہ دارانہ نظام پوری دنیا پر غلبہ حاصل کیے ہوئے تھا اور اس کے فطری مظاہر اور خدوخال ظاہر ہو رہے تھے لیکن یہ سب کچھ راتوں رات نہیں ہوا تھا، بلکہ اس کے پیچھے ایک طویل سلسلہ عمل تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے نئے خدوخال معاشی اور سیاسی ارتقاء کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ اس کا اظہار طبقاتی تعلقات کی صورت میں بھی ہوا، مختلف مفکرین اس نظام کی برائیوں اور اچھائیوں کے اندازے مختلف زاویہ نگاہ سے لگا رہے تھے لیکن اس میں موجود اور پس پردہ محرکات وقوانین کا درست اندازہ لگانے میں ناکام رہے___ لینن نے اپنی مشہور کتاب "سامراجیت، سرمایہ داری کی آخری اور اعلیٰ ترین شکل" میں واضح طور پر سامراجیت کی روح کا حقیقی انکشاف کیا ہے۔ لینن نے کہا ہے کہ سامراجیت، سرمایہ داری کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور یہ تاریخی طور پر ایک طے شدہ امر ہے۔ معیشت کے دائرہ کار میں سرمایہ داری کا یہ نیا رخ، اس کی وضاحت کئی ایک خصوصیات سے ہوتی ہے اول یہ کہ پیداوار اور سرمائے کا ارتکاز ارتقاء کے ایک ایسے مرحلے پر پہنچتا ہے، جہاں کسی بھی ملک کی معیشت میں فیصلہ کن کردار اجارہ داریاں ادا کرتی ہیں۔ بڑی اجارہ دار کمپنیاں، اقتصادی لحاظ سے مضبوط ادارے، جو بتدریج کم طاقتور اور کمزور تجارتی اداروں پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں۔ مثال کے طور پر 19ویں صدی کے آخر تک راک فیلر آئل ٹرسٹ اور سٹڈر آئل پہلے ہی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے 90% تیل پیداوار پر کنٹرول رکھتا تھا___ مورگن کی قائم کردہ یونائیٹڈ سٹیل کارپوریشن، جس کے پاس ایک ہزار ملین ڈالر سے زیادہ کے اثاثے تھے، اب اس کے پاس

دو تہائی سٹیل کی پیداوار پر اجارہ داری حاصل ہے۔ جرمنی میں دو زبردست الیکٹریل فرمیں، سمنز اینڈ ہاسک اور اے ای جی، نے اپنے کمزور تجارتی حریفوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد، دوتہائی پیداوار پر اجارہ داری حاصل کر لی، فرانس میں دو ادارے کوحل مین ارسینٹ گوبین، انہوں نے کیمیائی صنعت پر اجارہ داری قائم کر لی ___ پوری سرمایہ دارانہ دنیا میں صنعتی پیداوار اور ترقی میں اجارہ داری ایک اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ بنکوں میں دولت کا ارتکاز، چند بنکوں نے مختلف ملکوں میں سرمائے پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی ___ سرمایہ دارانہ دنیا کا سامراجیت کے مرحلے پر پہنچنے کا ایک اہم پہلو، صنعتی سرمائے اور بنک کا قریبی گٹھ جوڑ ہے، مالیاتی سرمائے کا وجود اور پھر اس پر غالب، چند افراد ''مالیاتی اشرافیہ'' کا وجود ___ جنس کے مقابلے میں سرمائے کی برآمد ایک اہم کردار ادا کرنے لگی تھی اور یہ سامراجیت کا ایک اور مخصوص پہلو تھا۔ مثال کے طور پر برطانوی سرمائے کی برآمد (1914ء) 75 تا 100 ہزار ملین فرانک، فرانس ساٹھ ہزار ملین فرانک، اور جرمنی 44 ہزار ملین فرانک اور ان تینوں ملکوں نے 2000000000 فرانک برآمد کیے ___ بین الاقوامی اجارہ داریوں کا قیام سامراجیت کی ایک اہم خصوصیت ہے اور تجارتی حوالوں سے دنیا کی تقسیم کہ ان اجارہ داریوں کا دائرہ اختیار کہاں کہاں مستقل ہے مثلاً بین الاقوامی ریل انجن (گٹھ جوڑ) جس میں برطانیہ کے لیے اور جرمنی اور بلجیم کے لیے مخصوص کوٹہ طے کیے گئے۔ بعد میں سپین، فرانس، آسٹریا اور امریکہ نے اس میں شمولیت اختیار کر لی۔ 1909ء میں ایک بین الاقوامی "Zinc Syndicate" قائم کی گئی جس نے جرمنی، برطانیہ، سپین، بلجیم اور فرانس کے کارخانوں کے لیے پیداوار کا سکیل مقرر کیا ___ کئی ایک بین الاقوامی تجارتی اتحاد اور سمجھوتے وجود میں آئے۔ ان میں کئی ملکوں میں قائم اجارہ دار کمپنیوں نے حصہ لیا ___ سرمایہ دار ملکوں نے لوٹ کھسوٹ کے لیے اپنے زیر تسلط اور منڈیوں کے حوالے سے دنیا کو تقسیم کیا۔ دنیا کی تقسیم نو کے سلسلے میں پہلی لڑائی 1898ء میں سپین اور امریکہ کے درمیان لڑائی تھی۔ اس جنگ میں نوخیز ابھرتی ہوئی سرمایہ دارانہ ریاست ریاست ہائے متحدہ امریکہ اپنی سرحدی وسعت کی خواہشمند تھی اور سپین اپنے مقبوضات پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے مناسب حد تک طاقتور نہیں تھا۔ ویسے بھی اس وقت سپین ایک زوال پذیر قوت تھی۔ اس تصادم میں امریکہ فتح مند ہوا، اور اس نے سپین والوں کو کیوبا اور فلپائن سے نکال دیا۔ ان دونوں ملکوں کے عوام نے اپنی آزادی کا دفاع کرنے کے لیے اسلحہ اٹھالیا۔ فلپائن اور کیوبا کے عوام کی کوئی خواہش نہیں تھی کہ وہ امریکہ کے زیر تسلط رہیں تاہم اس وقت جب سامراج دشمن تحریکوں کا سورج طلوع ہو رہا تھا کیوبا اور فلپائن کے عوام اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اپنی آزادی کا دفاع کر سکیں۔ بین الاقوامی صورتحال بھی اس طرح نہیں تھی کہ آزادی پسند

برادری مشترکہ کارروائی کرتی چنانچہ اس وقت صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ جرمنی بھی عالمی لوٹ کھسوٹ میں زیادہ سے زیادہ شریک ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، بالکل ایسے ہی جیسے جاپانی سامراجیت صرف کوریا پر ہی نہیں بلکہ چین پر بھی قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اطالوی سامراجیت اگرچہ قوت کے لحاظ سے اپنے ساتھیوں سے کمزور تھی لیکن انتہائی جارحیت پسند، 1896ء میں اس نے ایتھوپیا کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران برطانی، ہسپین، پرتگال، ہالینڈ، فرانس ان نوآبادیت پر تسلط مستحکم کر رہے تھے جس پر ایک طویل عرصے سے انہوں نے قبضہ جما رکھا تھا ___ نوخیز سامراجی ریاستیں، قدیم سامراجی ریاستوں سے مقبوضات اور نوآبادیاں چھینا چاہتی تھیں۔ ان دونوں قوتوں میں تضادات روز بروز شدت اختیار کر رہے تھے۔ مفادات اور تجارتی منافع کے لیے مخاصمت، بہرصورت اس کا انجام ناگزیر جنگ تھی۔ دنیا کو نئے سرے سے تقسیم کرنے کے لیے سامراجیوں کے تضادات ایک عالمی جنگ کی طرف جا رہے تھے۔

سامراجیت۔ سرمایہ داری کا آخری مرحلہ:

سامراجیت کے مختلف خدوخال میں سے، سب سے اہم اور بنیادی، اجارہ داری کا وجود میں آنا ہے۔ لینن نے لکھا ہے کہ سامراجیت کی لازمی خصوصیت کی تعریف یہ ہے کہ ''سرمایہ داری کا اجارہ دارانہ مرحلہ'' لینن نے برطانوی سامراجیت کو نوآبادیاتی سامراجیت، جرمن سامراجیت کو جنکر سامراجیت (اشرافیہ) فرانسیسی سامراجیت کو سودخور سامراجیت، روسی سامراجیت کو فوجی جاگیردارانہ سامراجیت کہا ہے۔ ان ممالک میں تضادات کے باوجود ان کے ارتقاء میں جبلی طور پر وہی قوانین کارفرما ہیں، جو سامراجیت میں ہوتے ہیں جب سرمایہ دارایت اپنی اعلیٰ ترین شکل اختیار کر گئی (اجارہ داری) تو یہ ایک تاریخی موڑ پر پہنچ گئی تھی۔ اجارہ داریت نہ صرف سرمایہ کاری کی اعلیٰ ترقی یافتہ شکل ہے، بلکہ اس کی آخری سطح بھی ہے۔ سامراجیت میں معروضی مادی حالات ایک مختلف ذرائع پیداوار، سوشلسٹ ذرائع پیداوار میں تبدیل ہو جاتے ہیں اگرچہ سامراجیت میں بنیادی تضادات سرمایہ داری کے عروج کی دین ہیں لیکن یہ اتنے شدید ہو جاتے ہیں کہ انقلاب ناگریز ہو جاتا ہے۔ لینن نے لکھا ہے کہ ''سوشلسٹ انقلاب سے پہلے سامراجیت سرمایہ داری کی آخری شکل ہے۔''

بیسویں صدی کے شروع میں، سرمایہ دارانہ نظام کے زوال کے طفیلی خدوخال:

سامراجیت کا زوال تاریخی طور پر ایک ناگزیر عمل تھا اور اس کا اظہار کئی صورتوں اور مظاہر میں ہو رہا تھا یہاں تک کہ بیسویں صدی کے شروع میں جبکہ سرمایہ دارانہ تعلقات پیداوار پوری دنیا پر غالب آ چکے تھے، اس کے زوال کے اشارات مل رہے تھے۔ اجارہ داری نے اپنی خصوصیات کے حوالے سے جمود اور زوال دیا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سرمایہ داری اس آخری مرحلے پر فوری طور پر پیداواری جمود کی طرف جارہی تھی بلکہ سامراجی مرحلے پر پیداوار میں اضافہ ہوا، اور کئی ایک صنعتیں بڑی تیزی سے پھیلیں، اس دوران سرمایہ دارانہ ارتقاء کی ناہمواری، سرمایہ داری کے نئے خدوخال کی صورت میں سامنے آئی، جیسے طفیلیت اور زوال کا اظہار ___ ان خدوخال کی جھلک ایسے مظاہرات میں ملتی ہے جیسے حکمران طبقے میں غیر پیداواری پرت کا وجود میں آنا، ایسے لوگ جو ایسے ذرائع آمدنی سے وابستہ تھے جہاں سے کرایہ وصول ہوتا، ایسے لوگ کسی سماجی عمل کی ترقی میں حصہ نہیں لیتے بلکہ حاصل شدہ کرایوں کی آمدنی پر زندہ ہوتے ہیں اور یہ ایک طویل عرصے سے کوئی کام بھی نہیں کر رہے تھے، سامراجیت کے دور میں انہوں نے کئی ایک ترقی یافتہ ملکوں میں ایک موثر طبقے کی صورت اختیار کر لی۔ وہ ملک جو سرمایہ برآمد کرتے اور اس سے منافع حاصل کرتے، یہ بھی اسی کرائے پر زندہ رہنے والی اشرافیہ کا کردار ادا کرتے، فرانس میں 1914ء میں جو 60 ہزار ملین فرانک کی دوسرے ملکوں میں سرمایہ کاری کی بلاشبہ اس سے ملک کے اندر معاشی زندگی میں نئے سرے سے قوت آئی، اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ فرانس نے 1871ء-1873ء میں جو 5 ہزار ملین فرانک جرمنی کو بطور تاوان جنگ ادا کیا تھا اس نے جرمن معیشت میں کتنا اہم کردار ادا کیا تاہم وہ امیر تاجر جو سرمایہ برآمد کرتے تھے انہوں نے ملکی معیشت کی طرف کم توجہ دی، وہ صرف منافع کے زیادہ سے زیادہ حصول کے لیے کوشاں تھے اور ان کی توجہ ان ممالک کی طرف تھی جہاں ان کے لیے سرمایہ کاری کرنا آسان تھا۔ طفیلیت کا ایک اور اظہار ان لوگوں کی صفوں میں اضافہ جو غیر پیداواری عمل سے وابستہ تھے، انسانوں کی بہت زیادہ پیداواری سرگرمیاں جنگی خدمات کی نظر ہو جاتی تھیں۔ 1914ء-1918ء کی عالمی سامراجی جنگ میں سات بڑے ملکوں کے 60 ملین سے زیادہ قابل اور محنتی افراد نے حصہ لیا، پیداواری عمل میں حصہ لینے کی بجائے یہ لوگ ایک دوسرے کے قتل عام پر تلے ہوئے تھے، اگرچہ اس لڑائی میں 36 ملکوں نے حصہ لیا، اور ان کی کل آبادی ایک ہزار ملین بنتی تھی۔ امن کے زمانے میں فوجی بجٹ اور اسلحہ کی تیاری پر ملکی محنت کا زیادہ تر حصہ صرف ہوتا تھا، جرمنی میں پہلی جنگ عظیم کے مقاصد کے لیے اخراجات دیگر کئی مقاصد سے ڈھائی گنا زیادہ تھے۔ فرانس کا جنگی بجٹ کل کا 1/3 تھا۔ سامراجیت کے زوال کا اظہار اس حقیقت میں بھی نظر آتا ہے کہ کئی مواقعوں پر ٹیکنالوجی کی ترقی

میں رکاوٹ پیدا ہوتی۔ وہ معاملات جہاں اجارہ داروں کے مفادات ٹیکنالوجی کی ترقی اور اضافوں سے نہیں ہوتے وہاں اس کے لیے بالکل کوشش نہیں کی جاتی۔ سامراجیت اور سیاسی ردعمل، سرمایہ دارانہ دنیا میں زوال، انتشار اور طفیلیت (Parasitism) کے اشارات 20ویں صدی کے شروع میں نظر آنے لگے تھے۔ اس کے جارحانہ رجعت پرستانہ کردار میں ذرا سی بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس کے برعکس سامراجی عہد میں سرمایہ دارانہ نظام میں پوشیدہ رجعت پرستی کے جارحانہ خدوخال واضح طور پر نمایاں ہوئے، اس عہد میں اسلحے کی دوڑ میں شدت آئی، اور یہ ممالک ایک جنگی جارحانہ مزاج اپنائے ہوئے تھے کہ وہ کمزور ملکوں پر قبضہ کرلیں تا کہ اپنے غلبے اور اثر ورسوخ میں اضافہ کیا جا سکے۔ سامراجیت اور جنگ لازم وملزوم عنصر کے طور پر ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے___ سامراجیت صرف دوسرے ملکوں پر جارحیت کا ہی ارتکاب نہیں کرتی بلکہ اپنے ملک اور غیرملکی تعلقات کے نتیجے میں ہی رجعت پرستی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں استحصال کرنے والے اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئے اور ایک حکمران طبقہ قرار پائے اور یہ سماجی ترقی میں بالکل دلچسپی نہیں لے رہے تھے، بے شک سامراجی بورژوازی بڑی پیش عملی کے ساتھ سماجی ترقی اور انقلابی عمل کو روکنے میں تندہی سے کوشاں تھی۔ سامراجی بورژوازی کے پس پردہ جو قوتیں کارفرما تھیں، ان میں اجارہ دار، بینکار، کارخانہ دار، تاجر، نوآبادیاتی اور جائیداد رکھنے والے طاقتور افراد جو صرف اور صرف منافع کی غرض میں ہر ممکن طور پر کوشاں رہتے۔ ابتدائی عہد میں بورژوازی کی سرگرمیاں اور خواہشیں، ان کے عقیدے میں چرچ کی مخالفت تھی لیکن 20ویں صدی میں بورژوازی اور چرچ کندھے سے کندھا ملائے کھڑے تھے تا کہ اپنے مشترکہ مفادات کا تحفظ کرسکیں۔ پہلے بورژوازی تو اشرافیہ اور مطلقیت کی مخالف تھی لیکن اب اس نے مالیاتی اشرافیہ تشکیل کردی اور اب اس طبقے کی کوشش تھی کہ جو اس کے مفادات کا تحفظ کرے اس سے اتحاد کیا جائے۔ 2صدیوں سے بھی ذرا پہلے احیائے علوم کے زمانے میں بورژوازی نے آزادی، منطق اور علم کے فروغ کی صورت میں فتح حاصل کی اور عوام نے بھی ان کی حمایت کی، لیکن 20ویں صدی سے یہ طبقہ رجعت پرستی کا مرکز بن گیا تھا اب یہ عسکریت، تشدد، عظیم طاقتوں کی قوم پرستی اور ظالمانہ قسم کے متعصبانہ قسم کے رویے اپنائے ہوئے تھے، بورژوازی کے سابقہ ہیرو دولتائیر کی جگہ جو علم اور آزاد خیالی کا چیمپئن تھا اب انتہائی رجعت پرست جرمن فلاسفر نٹشے (1844ء-1900ء) لے رہا تھا۔ اس کے نظریات انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے منافی تھے اور رجعت پرستی اس کے افکار کا بنیادی عنصر تھا۔

سامراجی ردعمل کی مخالفت:

سامراجیت کے عہد میں رجعت پرستانہ قوتوں کو جمہوری اور انسانی آزادی کے علمبرداروں کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ محنت کش طبقہ بورژوازی کا سب سے بڑا دشمن تھا، غیر پرولتاریہ قوتیں بھی بورژوا دشمن اقدار کی نفی کرتیں، ان میں اناطولی فرانس (1871ء-1950ء) تھامس مین (1875ء-1955ء) جیک لنڈن (1876ء-1916ء) قابل ذکر ہیں۔ اساتذہ اور دیگر پیشہ ور افراد، نچلا اور درمیانہ طبقہ جو ابھی تک طبقاتی جدوجہد سے الگ تھلگ تھا اب باقاعدہ طور پر سیاسی عمل میں حصہ لے رہا تھا، اس دور میں محنت کش طبقہ جمہوری جدوجہد کا سب سے بڑا ہراول دستہ تھا، وقت کے ساتھ ساتھ جمہوریت کے لیے جدوجہد کرنے والی قوتیں محنت کشوں کے ساتھ مل کر جارحانہ رویے پر اتر آئیں۔ حکمران طبقے نے مجبور ہو کر مراعات دینے کے لیے سوچنا شروع کر دیا، برطانیہ میں محنت کشوں کی تحریک میں سرگرمیوں کی نئی لہریں اٹھیں، اس وقت حکومت کی قیادت لائیڈ جارج (1863ء-1945ء) کر رہا تھا۔ اس نے کئی ایک اصلاحات کیں، 8 گھنٹے روزانہ کام (1908ء) بے روزگاری اور بیماری کی صورت میں الاؤنس اور انشورنش (1911ء) پارلیمنٹ بل (1911ء) برطانوی باشندوں کے لیے کئی رعایتوں کا اعلان کیا گیا۔ 1905ء میں فرانس میں ایک نئے قانون کا اجراء ہوا جس میں چرچ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ 1907ء میں آسٹریا میں عام انتخابات کے لیے عام رائے دہندگی (صرف مردوں کے لیے) کے حقوق دیئے گئے۔

نوآبادیت اور نوآبادیاتی پالیسی:

سامراجیت نوآبادیوں پر قبضہ برقرار رکھنے اور مزید کے حصول کے لیے جارحانہ عزائم رکھتی تھیں، تمام چھوٹی اور بڑی قوتیں صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ملک بلجیم، ہالینڈ اپنے مقبوضات میں استحصال اور تشدد کے سلسلے میں آخری حدیں تک چھونے لگے اور وہ ہر اس علاقے پر قبضہ کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے جو ابھی تک ان کے پنجے سے آزاد تھے، اور وہ اس عمل میں اپنے ہم پیشہ سامراجی ملکوں سے بھی محاذ آرائی کے لیے تیار تھے۔ 20ویں صدی کے شروع میں برطانیہ ایک بہت بڑی نوآبادیاتی قوت بن چکا تھا۔ 1900ء میں اس کے نوآبادیاتی نظام کے زیر تسلط رقبہ خود برطانیہ کے رقبے سے 109 گنا تھا اور اس کی آبادی کے تناسب سے 8.8 گنا زیادہ تھا۔ دنیا کی کل نوآبادیوں کا رقبہ 44.9 فیصد

برطانیہ کے قبضے میں تھا اور وہ اپنے وسائل اور سرحدوں میں وسعت چاہتا تھا۔ 1899ء تا 1902ء میں کئی ایک جنگیں لڑی گئیں۔ 1906ء میں برطانیہ نے نیو ہیبرائڈز جزائر پر قبضہ کرلیا اگرچہ برطانوی معیشت اپنے حریف ملکوں کے لیے ایسے ہی خطرے کا باعث نہیں تھی تاہم برطانیہ اپنی سرحدات میں معمولی سی کمی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور وہ توسیع پسندانہ اور مفاداتی سرگرمیوں میں کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا___ فرانسیسی شہنشاہیت آبادی اور رقبے کے لحاظ سے دوسرے نمبر کی عالمی قوت تھی، لیکن فرانس اس سے ہرگز مطمئن نہیں تھا۔ 20ویں صدی کی پہلی دہائی میں جرمنی اس کے لیے بہت بڑا خطرہ بنا ہوا تھا، ایک چھوٹا اور معاشی طور پر یہ مضبوط ملک بلجیم اپنے ملک کے باشندوں پر بھی بے رحمانہ استحصال کر رہا تھا چنانچہ سامراجی اور نوآبادیاتی ملک اپنے توسیع پسندانہ عزائم اور مفادات کے حوالے سے ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ بعض اوقات تو ڈالر بھی سنگین صورتحال پیدا کر دیتا تھا، لاطینی امریکی ممالک جنہیں سردست آزاد ملکوں کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا، معاشی مفادات کے حصول کے لیے امریکہ نے ان پر دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔ لاطینی امریکی ملکوں میں امریکی سرمایہ ایک بااثر کردار ادا کرنے لگا اور اس نے کئی جگہوں پر اپنے برطانوی حریف کو نکال باہر کیا۔ لاطینی امریکہ کی برائے نام آزاد ریاستیں درحقیقت امریکی سرمائے کا گڑھ بن گئیں تھیں۔ چین پر نوآبادیاتی نظام کے طوق نے ذرا مختلف کردار ادا کیا، چین ابھی تک ایک آزاد ملک نہیں تھا۔ عملی طور پر وہ روس، جاپان، جرمنی، برطانیہ، فرانس اور امریکہ جیسے سامراجی ملکوں کے رحم وکرم پر تھا۔ ایک طویل عرصے تک روس اور برطانیہ اس ملک پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آخرکار 1907ء میں انہوں نے اپنی اپنی حدود کا تعین کر لیا، روسی شمال میں او ر برطانیہ کو جنوب میں حقوق حاصل ہوئے، جبکہ ملک کے وسطی علاقے غیر جانبدار قرار پائے۔ ایران جو ابھی تک آزاد ملک تھا لیکن اس پر بھی روس اور برطانیہ کا مکمل کنٹرول تھا۔ نوآبادیات کا مفہوم یہ کیا جا سکتا ہے، استحصال کرنا، تباہ و برباد کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک جو ان کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں___ ہندوستان اسوقت برطانوی تاج کا ہیرا تھا اور وہ تمام علاقے جو نوآبادیاتی قوتوں کے زیر تسلط تھے غیر انسانی عوامل اور رویوں کا شکار تھے اور زیر نگیں انسانوں کو نسلی، علاقائی، لسانی، امتیازات کا شکار ہونا پڑا۔ سامراجیوں کی باہمی محاذ آرائی اور فوجی دھڑے بندی کے لحاظ سے یورپ کی تقسیم بڑھتی ہوئی نوآبادیاتی وسعت، سرمایہ کاری کے لیے نئی منڈیاں، خام مال کے لیے نئے نئے وسائل، اور بالادستی والے علاقے میں مفادات کے پیش نظر ان میں ملوث طاقتوں کی سرگرمیوں میں شدت آ رہی تھی اور سامراجی تضادات میں مزید اضافہ ہو رہا تھا جس سے سامراجی دنیا دو حصوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ برطانیہ

اور جرمنی میں یہ صورتحال زیادہ سنجیدگی سے لی جارہی تھی۔ طاقتور جارحیت پسند جرمنی نوآبادیاتی لوٹ مار سے اپنا حصہ مانگ رہا تھا اور دنیا پر بالادستی چاہتا تھا۔ یہ سردست برطانیہ کے لیے زبردست خطرہ تھا اور نظر یہ آرہا تھا کہ مستقبل قریب میں، ہر شعبہ جات میں جرمنی، برطانیہ کے مدمقابل آجائے گا۔ برطانوی سفارتکار اپنے سابقہ طریقہ کار بدلنے پر مجبور ہوئے۔ وہ ''الگ تھلگ'' رہنے کی پالسی پر عمل پیرا نہیں رہ سکتے تھے، اب وہ اپنے اتحادیوں کی تلاش میں تھے۔ 1904ء میں برطانیہ فرانس کے ساتھ ایک معاہدہ پر پہنچا تاکہ اپنے نوآبادیاتی تسلطوں کا تعین کیا جاسکے۔ (مصر برطانیہ کو اور مراکش فرانس کو ملا) اس طرح دونوں ملکوں میں خیر سگالی کے تعلقات پیدا ہوئے۔ انہی بنیادوں پر ایران میں اثر ورسوخ کے لیے برطانیہ نے روس سے معاہدہ کیا۔ (1907ء) ان سے اندازہ ہوا کہ برطانیہ اب فرانکوروسی اتحاد میں شامل ہوگیا ہے۔ ایک یورپ دو طاقتور گروپوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ سہ فریقی اتحاد، اور سہ فریقی دوستی، یہ دونوں گروپ جنگ کی تیاری کررہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دو بلاکوں میں وہ عظیم قوتیں تھیں جو دنیا کے وسیع وعریض علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کیے ہوئے تھیں۔ ان کے تضادات اور مفادات پوری دنیا پر پھیلے ہوئے تھے۔ جنگ صرف یورپ میں نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے تھی۔



باب :34

روس بین الاقوامی انقلابی تحریک کا مرکز بن گیا

ایشیاء میں بیداری:

روس انقلاب کی طرف گامزن:

1871ء کے پیرس کمیون کے بعد، مغربی یورپ میں کوئی اہم عوامی انقلابی تحریک نہیں اٹھی تھی تاہم عوام اور محنت کشوں میں احتجاج کی لہریں ہر دور میں اٹھتی رہیں ___ دور جدید کی صنعت اور سرمایہ دارانہ تعلقات پیداوار کے ساتھ ساتھ روس میں ابھی تک عہد وسطیٰ کا جاگیردارانہ نظام اور کسانوں کے استحصال کا قدیم طریقہ رائج تھا۔ شہری طبقات اور دیہاتوں میں عام آدمی کی حالت مخدوش تھی۔ یورپ کے کسی بھی ملک میں سماجی نظام میں اتنا بڑا تضاد نہیں ملتا تھا۔ اس دور کے روس میں، ایک طرف ترقی یافتہ شہر، صنعت، پُرتعیش شہر، بینکار، صنعتکار تھے۔ دوسری طرف دور دراز علاقوں میں غیر ترقی یافتہ دیہات جہاں لوگ قدیم پیداواری اوزاروں سے کام کرتے تھے اور مالک اراضی کو کل پیداوار کا آدھا حصہ ادا کر دیتے، ملک کی پس ماندگی شہری لوگوں اور خاص طور پر محنت کش طبقہ پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ روس کے عوام سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصال کا شکار تھے۔ اس کے علاوہ ظالمانہ زارشاہی کی ریاستی مشینری۔ یہ بھی اس معاملے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی اور قومی سطح پر انقلابی تحریک ناگزیر ہو چکی تھی جس کی قیادت محنت کشوں کی قیادت میں ہونا چاہیے تھی۔ جو اب تک کئی تجربات سے گزر کر سیاسی مہارت اور تجربات حاصل کر چکے تھے۔ صدی کے خاتمہ پر صنعتی بحران کے نتیجے میں محنت کشوں کی انقلابی سرگرمیاں زور پکڑ گئی۔ محنت کش سیاسی مطالبات کے لیے ہڑتالیں کر رہے تھے اور یہ عمل معاشی مطالبات سے ایک قدم آگے تھا جب محنت کش جلسے، جلوس اور مظاہرے منظم کرتے تو عملی طور پر ان کا زارشاہی پولیس سے تصادم ہو جاتا۔ کسان بھی اپنی جدوجہد کو تیزی سے آگے بڑھا رہے تھے اور وہ جاگیرداروں پر حملے کر رہے تھے۔ کسان

ان کی جائیدادوں پر حملے کرتے اور قبضہ کر لیتے۔ کسان اپیل اور درخواستیں کرنے کی بجائے چھین لینے کی پالیسی پر اتر آئے تھے۔ ملک میں ابھرتی ہوئی انقلابی تحریکیں دانشوروں اور تعلیم یافتہ افراد کو بھی متاثر کر رہی تھیں۔ کئی یونیورسٹیوں میں طالب علموں نے بھی مظاہرے کیے۔ 1903ء کے موسم سرما میں کئی چھوٹی چھوٹی ہڑتالیں اور مظاہرے ملک گیر صورت اختیار کر گئے۔ ان میں دو لاکھ صنعتی مزدوروں نے حصہ لیا جن کا تعلق روس، یوکرائن، آرمینیا، جارجیا اور آذربائیجان سے تھا۔ مختلف قومیتوں کے درمیان اتحاد اور یگانگت کا مظاہرہ محنت کشوں میں ایک عملی ہم آہنگی تھی ___ روسی پرولتاریہ بین الاقوامی انقلابی تحریک کے راہنما بن رہے تھے۔

روس میں انقلابی مارکسی پارٹی کا قیام:

اپنے تاریخی کردار کو خوش اسلوبی سے ادا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ روس کے محنت کش ایک مارکسی انقلابی پارٹی کی بنیاد رکھیں۔ روسی سوشل ڈیموکریٹ جو مزدوروں کی نجات کی تنظیم کے طور پر کام کر رہی تھی اب سنجیدگی سے اس حقیقت کی طرف توجہ کیے ہوئے تھی۔ اس قسم کی پارٹی کا بنیادی مرکز لینن نے 1895ء میں قائم کیا تھا جسے پولیس تشدد کے نتیجے میں دیا گیا گیا تھا۔ تین سالوں کے بعد 1898ء میں کئی ایک ڈیموکریٹک تنظیموں کے نمائندوں نے "Minsk" "مینسک میں اپنا اجلاس منعقد کیا جہاں انہوں نے سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کے قیام کی بنیاد رکھی لیکن ابھی اس پارٹی کی کونپلیں پھوٹ ہی رہی تھیں کہ وہ لوگ جو پہلی کانگرس میں شریک ہوئے تھے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ پارٹی کے اعلیٰ عہدیداران زیرزمین چلے گئے۔ 1900ء میں لینن کی پیش عملی پر جو ابھی سائبیریا سے جلاوطنی کے دن گزار کر واپس آیا ہی تھا، روسی مارکسٹوں نے ایک اخبار جاری کر دیا۔ اسکرا، "شعلہ" جس کا نام تھا پہلی کاپی کا اداریہ بعنوان "ہماری تحریک کا فوری مقصد" لینن نے تحریر کیا تھا۔ زارشاہی نے عوام کو آزادی تقریر کے حق سے محروم کیا ہوا تھا۔ جلسے، جلوس اور اجلاس منعقد کرنے پر پابندی تھی چنانچہ یہ اخبار زیرزمین محنت کشوں کو منظم کرنے میں مصروف تھا اور محنت کشوں کی سیاسی راہنمائی بھی کرتا۔ اس اخبار کی کاپیاں غیر ممالک میں چھپتیں اور رومانیہ کے راستے انہیں روس میں سمگل کیا جاتا۔ اس کے علاوہ ایران، فن لینڈ، جرمنی کے ذریعے بھی اخبار کی کاپیاں منگوائی جاتیں تھیں۔ اخبار کی ترسیل کا پورے ملک میں بڑا منظم نظام موجود تھا۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی شاخیں اسے عوام تک پہنچاتیں۔ یہ اخبار صرف پروپیگنڈہ ہتھیار ہی نہیں تھا، بلکہ اس کے ذریعے ملکی حالات وواقعات کی تشہیر بھی کی جاتی تھی۔ روس سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی دوسری کانگرس کی تیاری کے لیے "اسکرا" نے زبردست اخباری خدمات انجام دیں جو 1903ء میں منعقد ہوئی۔ اس کانگرس میں، لینن اور اس کے ساتھیوں نے کئی ایک موقع پرست حلقوں کو بڑی سختی سے اور موثر جواب

دیا۔ پارٹی کے راہنما اداروں کے انتخابات میں لینن اور اس کے ساتھیوں نے ووٹوں کے لحاظ سے اکثریت حاصل کی۔ اس وقت سے آج تک انہیں بالشویک کہا جاتا ہے (روسی زبان میں اس کا مطلب اکثریت ہے) اوران کے مخالف منیشویک کہلائے (اقلیتی) دوسری کانگرس کا سب سے اہم کارنامہ پارٹی پروگرام تشکیل دینا تھا۔ کم ازکم پروگرام میں پارٹی کے فوری مقاصد کی تشریح کی گئی مثلاً بادشاہت کا خاتمہ، جمہوریہ کا قیام، تمام قومیتوں کے لیے برابر کے حقوق، اوران کا حق خوداختیاری، اوقات محنت فی یوم آٹھ گھنٹے، دیہاتوں میں جاگیردارانہ پالیسیوں کا خاتمہ، زیادہ سے زیادہ پروگرام میں پارٹی کے وہ مقاصد شامل کیے گئے اور اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا جن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ایک مقدس فریضہ قرار پایا ___ سوشلسٹ انقلاب اور سوشلسٹ معاشرت کا قیام ___ اس وقت دنیا میں کوئی ایسی محنت کشوں کی پارٹی نہیں تھی جس کے بنیادی اصول اس قسم کے ہوں اس قسم کے منشور اور مسودے کی روسی انقلابیوں کی طرف سے تیاری، نہ صرف روس بلکہ تمام دنیا کے محنت کشوں کی انقلابی تحریکوں کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ روسی سوشل ڈیموکریٹوں کی دوسری کانگرس کا سب سے اہم کارنامہ روسی انقلابی مارکسی پارٹی کا قیام تھا۔

پہلا روسی انقلاب

اسی دوران روس میں انقلابی تحریک مسلسل پروان چڑھتی رہی، عدم اطمینان معاشرے کا ضروری عنصر بن گیا تھا۔ خاص طور پر (5-1904) میں روس جاپان لڑائی کے بعد جب روس کو شکست ہو گئی۔ جنوری 1905ء میں سینٹ پیٹرز برگ کے بڑے کارخانے کے محنت کشوں نے ہڑتال کر دی۔ محنت کشوں کو انقلابی سرگرمیوں سے علیحدہ کرنے کے لیے پادری گورں گوین نے محنت کشوں سے کہا کہ وہ اپنے تمام مطالبات تحریری صورت میں زار کو پیش کریں کئی ایک محنت کش بڑی معصومیت سے زار کو ''قوم کا باپ'' سمجھتے تھے اور وہ یقین کرتے تھے کہ بادشاہ ان کے حالت زار سے آگاہ نہیں۔ 9 جنوری بروز اتوار، ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے محنت کشوں سمیت جن کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی پیلے کارڈ اور جھنڈے اٹھائے ہوئے بادشاہ کے سرمائی محل کی طرف مارچ کرنے لگے۔ جلوس نے زاری تصاویر اٹھائی ہوئی تھیں۔ اس مقصد کے ساتھ کہ وہ زار کو عرضداشت پیش کرنا چاہتے تھے نکولس دوم اپنی دور دراز دیہاتی رہائش میں چلا گیا اور شہر کو فوجی کمانڈر کے حوالے کر دیا۔ فوج نے جلوس پر گولیاں برسائیں اور کم ازکم ایک ہزار محنت کش ہلاک اور کئی ہزار زخمی ہو گئے۔ اس دن کو تاریخ میں ''خونی اتوار'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ محنت کشوں کے خلاف ظالمانہ اقدام سے محنت کشوں میں سخت غصہ اور نفرت پھیل گئی۔ مزدوروں کو یقین ہو گیا کہ زار قوم کا باپ نہیں بلکہ دشمن ہے۔ اسی رات سینٹ پیٹرز برگ میں محنت کشوں نے اسلحہ

اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور ناکہ بندی کی تیاری کرنے لگے۔ ملک کے طول وعرض میں احتجاج پر اٹھ کھڑی ہوا۔ اس سے زارشاہی دھل گئی، مئی میں کچھ رکاوٹ کے بعد انقلابی تحریک ایک نیا جوش ولولہ پکڑنے لگی۔ ٹیکسٹائل کے محنت کش ہڑتال پر چلے گئے۔ انہوں نے ایک کونسل یا سویت قائم کر لی جس کا مقصد ہڑتال کی قیادت کرنا تھا کئی دوسرے علاقوں میں بھی سویت یا کونسلوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ سویت بعد میں انقلابی قوت کے اہم عنصر بن گئیں۔ جون میں جنگی جہاز "Potenkin" پر تعینات فوجیوں نے بغاوت کر دی اور جہاز پر انقلابی جھنڈا لگا دیا گیا۔ یہی جھنڈا لہراتے ہوئے جہاز اوڈیسا کی بندرگاہ پر پہنچا جہاں عام ہڑتال تھی۔ ایک خصوصی سکوارڈرن باغی جہاز پر قابو پانے کے لیے نکل آیا۔ باغی جہاز پر حملہ کرنے کے لیے فوجی باغیوں نے اپنے آقا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور انہوں نے باغیوں سے کھلی ہمدردی کا اعلان کر دیا اگرچہ باغی جہاز بحر اسود کے کناروں پر واقع ساحلی قصبوں کے پرولتاریہ سے رابطہ کرنے میں ناکام رہا اور بعد میں یہ جہاز رومانیہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گیا۔ اس بغاوت کا بے مثال اثر یہ ہوا کہ زار کو یقین ہو گیا کہ اب وہ اپنی افواج پر بھی انحصار نہیں کر سکتا ___ ماسکو کے چھاپہ خانہ والوں نے جو ہڑتال کی اس نے انقلابی تحریک پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اکتوبر 1905ء میں ہڑتال ملک گیر صورت اختیار کر گئی۔ اس میں بیس لاکھ ریلوے کے مزدوروں اور دیگر محنت کشوں نے حصہ لیا۔ صنعتی مراکز اور ریلوے کا نظام مفلوج ہو کر رہ گیا۔ مراعات یافتہ محنت کشوں اور طالب علموں نے بھی اس میں شرکت کی۔ محنت کشوں کی تاریخ میں اتنی بڑی ہڑتال پہلے دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ مزدوروں نے انتہائی منظم سرگرمیاں کیں۔ آخر کار نکولس کو یہ احساس ہو گیا کہ اس انقلابی لہر کو کچلا نہیں جا سکتا۔ 17 اکتوبر کو اس نے اعلامیہ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ عوام کو جمہوری آزادی دی جائے گی اور قانون اسمبلی ڈوما کا اجلاس طلب کرنے کا وعدہ کیا گیا ___ لینن اور اس کے بالشویک ساتھیوں نے زار کی چالوں سے محنت کشوں کو آگاہ کیا جو شہنشاہیت کا خاتمہ کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ صنعتی مراکز میں سویت قائم ہونے لگیں۔ لینن نے واضح کیا کہ کونسلیں (سویت) آئندہ حکومت قائم کرنے میں اہم کردار ادا کریں گی ___ اس جدوجہد کا نقطہ عروج اس مسلح جدوجہد میں نظر آیا جو ماسکو کے مزدوروں نے کی۔ (دسمبر 1905) ان کی پشت پناہی روستواون، نوروویسکی، سورموواور دوسرے صنعتی مراکز کر رہے تھے۔ محنت کشوں کی ان بغاوتوں میں سب سے آگے بولشویک نظر آ رہے تھے جو محنت کشوں کو ایک طویل نظریاتی اور سیاسی جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے۔ اس وقت بالشویکوں کے پاس گلیوں میں جنگ لڑنے کا بہت کم تجربہ تھا اور وہ مسلح بغاوت کے سلسلے میں بھی ناتجربہ کار تھے۔ مینشویکوں کے منفی طرز عمل نے تحریک کو متاثر کیا جس کے نتیجے میں زارشاہی کی ریاتی مشینری تحریک کو کچلنے میں کامیاب رہی۔ (1906-07ء) تک انقلابی ضمیر اُبھتا رہا لیکن اس مرتبہ تحریک کمزور تھی کسانوں اور مزدوروں کے درمیان عدم اتحاد کو بری طرح محسوس کیا گیا۔ ملک کے مختلف

حصوں میں کسانوں نے زبردست بغاوتیں کیں اور زارشاہی کو ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا لیکن کسانوں کی تحریک بے ہنگم اور بے ربط تھی کسان ابھی تک اس مغالطے میں تھے کہ حالات زندگی ایسے ہی بہتر ہو جائیں گے اور زار سے زیادہ زمینیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے یا ڈوما کی قراردادیں ان کے لیے بہتر حالات پیدا کر دیں گی۔ کسانوں میں آگے آگے بڑھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی جا رہی تھی کئی ایک رجمنٹوں میں بغاوت کے باوجود، زار نے فوج کو بغاوتیں کچلنے میں استعمال کیا___ زارشاہی جب اس انقلابی تحریک کو کچلنے میں مصروف تھی، مغربی سرمایہ دار اس کی حمایت کر رہے تھے۔ انہوں نے زار کو معاشی بحران سے نکالنے کے لیے اسے قرضہ جات دیئے۔ بڑا بورژوا طبقہ بھی حکومت کی حمایت کر رہا تھا اور وہ انقلابی تحریک سے سخت خوفزدہ تھا اور زار انتظامیہ سے کہہ رہا تھا کہ ملک میں امن امان قائم کیا جائے___ پہلے روس انقلاب کے انجام شکست سے دوچار ہو گیا لیکن اس سے گراں قدر سبق ملے عوام کی سیاسی تعلیم میں اضافہ ہوا، انہیں پرانی اقدار سے آزاد ہونے میں مدد ملی۔ ان کی سمجھ میں زار کا کردار بھی آ گیا اور اپنے تاریخی کردار کا احساس بھی ہوا، کسانوں اور مزدوروں کے زبردست اتحاد کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ انقلاب کے لیے فوج کو بھی اپنا ہم خیال بنانا چاہیے۔ (1905-7ء) کے واقعات سے جدوجہد کے نئے طریقہ کار، سیاسی ہڑتالیں، مسلح بغاوتیں اور سوویت کے اراکین کا کردار، یہ سب کچھ عملی تجربات تھے جن سے معلوم ہوا کہ نظریاتی بنیادوں پر قائم شدہ پارٹی، مارکسزم، اور لینن ازم کے صحیح پیروکار، بولشویک پارٹی ہی صحیح انقلابی پارٹی ہے۔ پہلے روسی انقلاب کو مدنظر رکھتے ہوئے لینن نے بعد میں لکھا ''1905ء کی ڈریس ریہرسل کے بغیر اکتوبر 1917ء کا انقلاب ناممکن تھا''۔

بین الاقوامی مزدور تحریک پر روسی انقلاب کے اثرات:

روس کے محنت کش طبقے کی انقلابی تحریک نے مغربی یورپ کے ملکوں میں محنت کش تحریکوں کو جلا بخشی۔ ''خونی اتوار'' کی خبر یورپ میں غصے اور نفرت کے ساتھ سنی گئی۔ یورپی محنت کشوں نے روسی محنت کشوں کو اپنی حمایت اور تائید کا یقین دلایا، ان کے لیے جلسے کیے اور کہا کہ ''ہمیں بھی آپ اپنی جدوجہد میں شامل کیجیے، ہم آپ سے پیچھے نہیں رہیں گے۔'' زار مردہ باد۔ سوشل انقلاب زندہ باد۔ فرانسیسی ٹریڈ یونین راہنماؤں نے ایسے ہی جذبات کا اظہار روس کے انقلابی محنت کشوں کے نام اپنی تحریروں میں کیا۔ اسی عہد میں بین الاقوامی محنت کشوں کی تحریک میں شدت آئی، اور یورپ میں محنت کش ایک بار پھر سیاسی افق پر نمودار ہوئے، روسی محنت کشوں کی تحریک نے یورپی تحریکوں کو بھی متاثر کیا۔ ستمبر میں بڈاپسٹ میں محنت کشوں نے ایک عام سیاسی ہڑتال کی۔ اکتوبر اور نومبر میں ویانا کے محنت کشوں نے پراگ اور کارکو میں بھی سیاسی ہڑتالیں ہوئیں۔ آسٹریا اور چیکوسلواکیہ میں زبردست مظاہرے اور پولیس اور فوج کے ساتھ

محنت کشوں کی جھڑپیں ہوئیں۔ ''جو روس میں ہوا ہے، وہی یہاں ہوگا۔'' یہ مشہور نعرہ تھا۔ محنت کش عظیم روسی پرولتاریہ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ دسمبر 1905ء میں بڈاپسٹ میں ایک دوسری سیاسی ہڑتال منظم کی گئی اور ایک ماہ بعد جرمن تاریخ میں پہلی مرتبہ وسیع پیمانے پر عام ہڑتال ہیمبرگ میں ہوئی۔ روس میں انقلاب کا تجربہ اس امر کی راہ دکھاتا تھا کہ تمام انقلابی عناصر کو یکجا کیا جائے۔ 1905ء میں فرانس کے سوشلسٹوں نے اپنی صفوں کو متحد کرتے ہوئے ایک واحد پارٹی قائم کر لی ___ روسی عوام کے ساتھ اظہار یگانگت کی مہم کو پورے یورپ کے ترقی پسندوں نے سپورٹ کیا۔ ایک نامور فرانسیسی لکھاری، اناطولی فرانس، اس سوسائٹی کا سربراہ تھا۔ ''روسی عوام کے ساتھ دوستی کی انجمن'' نے ایک بار لکھا تھا، ''روسی انقلاب عالمی انقلاب ہے جس نے پرولتاریہ کو اپنی جدوجہد اور مقاصد کا راستہ دکھایا ہے، اس کی قوت اور اس کی آخری منزل نئے یورپ اور انسانیت کا مستقبل، دریائے نیوا، ویسٹولا اور وولگا کے کناروں پر اس کا فیصلہ ہو رہا ہے۔'' پہلے روسی انقلاب نے بتایا کہ روس انقلابی تحریکوں کا مرکز ہے۔

ایشیا کی بیداری:

صدی کے بدلنے پر، ایشیاء اور شمالی افریقہ کے اکثریتی ملکوں میں، مستقبل کی تحاریک آزادی برائے اقوام کا بیج بویا جا چکا تھا۔ استحصال کی نئی اشکال سے زیر تسلط ممالک کے قدرتی وسائل پر نوآبادیاتی حکومتیں بڑی بڑی طرح قابض تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ تعلقات پیداوار بھی ترقی کر رہے تھے۔ سرمائے کی برآمد، جس نے سرمایہ دارانہ ارتقاء کی سامراجی صورت پیدا کی، اس سے سرمایہ دار اور صنعتی مراکز قائم ہوئے۔ ایشیائی ملکوں میں خام مال اور افرادی قوت سستی بنیادوں پر میسر تھی۔ خام مال کو برآمد کرنے کی ضرورت، یورپی تیار شدہ مال کی کھپت اور ان ملکوں میں قصبوں کا پھیلنا، اس کے نتیجے میں ریلوے، سڑکیں، بندرگاہیں تعمیر ہوئیں۔ کارخانوں اور فیکٹریوں کی تعمیر سے، ان ملکوں میں محنت کش طبقے کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، اور کئی ملکوں میں مقامی صنعتی بورژوازی بھی پیدا ہوگئی۔ یہ محنت کش، جن میں زیادہ تر پہلے دستکار تھے جو یورپی مال کی آمد سے تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اب اپنے یورپی مالکان کارخانہ کے زبردست استحصال کا شکار تھے۔ محنت کش تقریباً زیادہ تر ان پڑھ تھے اور عام طور پر ان کا تعلق قریبی دیہاتوں سے ہوتا تھا اور جہاں وہ اکثر و بیشتر رہتے بھی تھے اس لیے ان پر مذاہب اور ذات پات کے نظام کا گہرا اثر بھی تھا۔ ان محنت کشوں کا طبقاتی شعور بے حد ابتدائی سطح پر تھا لیکن جس مخدوش سماجی حالت میں وہ رہ رہے تھے، ان سے تنگ آ کر انہوں نے اپنے معاشی مسائل کے تحت احتجاج وغیرہ کیے۔ سامراجی اجارہ داری کے غلبے سے مقامی بورژوازی پروان نہیں چڑھ سکی، جو کسی صورت میں بھی جنس کی فروخت، جو اعلیٰ ترقی یافتہ ممالک کرتے تھے، ان کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ ان حالات میں،

مقامی بورژوازی چھوٹی تجارت اور چھوٹی صنعتکاری کے ساتھ خود کو وابستہ کرنے پر مجبور تھی، جس میں زیادہ سرمایہ خرچ نہیں ہوتا تھا اور یہ ملکی منڈی تک محدود تھی۔ سامراجیت جس کے مفاد میں ہی یہی تھا کہ زیر تسلط ملک صنعتی لحاظ سے طفیلی ممالک رہیں اور اس قابل نہ ہوں کہ اپنے خام مال اور قدرتی وسائل کو ملکی ضروریات کے پیش نظر بروئے کار لا سکیں۔ انہوں نے ان ممالک کے صنعتی عمل میں رکاوٹ کھڑی کیے رکھی۔ سامراجیت کی ان ملکوں میں حمایت کے بڑے مراکز، جاگیردار طبقہ، اور طفیلی سرمایہ دار، جو تجارت میں درمیانے آدمی کا کردار ادا کرتا تھا، اس حقیقت کے پیش نظر کہ زمین کا زیادہ تر حصہ چند ہاتھوں میں تھا اور اس سے بے زمین کاشتکاروں اور چھوٹے کسانوں کا استحصال کرنے میں آسانی ہو جاتی، جو کہ جاگیردارانہ دور کا ایک خاص پہلو ہے۔ کئی ایک جاگیردار کسانوں سے ان کی پیداوار کا کافی حصہ حاصل کر لیتے اور ان کی کوئی خواہش نہیں تھی کہ کسانوں کو جدید طریقہ پیداوار سے آگاہ کیا جائے صرف وہ پیداوار جو صنعتی عمل میں استعمال ہوتی اس سے کسان کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا، لیکن یہ خوشحالی چند خاندانوں تک محدود رہتی لیکن زیادہ تر کسان غربت و افلاس کا شکار ہو گئے، ٹیکس اور دیگر سرکاری لگان نہ دینے کی اہلیت کی وجہ سے یا تو بے زمین ہو گئے یا پھر زرعی غلام بن گئے۔ نہ صرف محنت کش عوام، بلکہ ان ملکوں میں قومی بورژوازی کا انتظامی امور میں کوئی عمل دخل نہیں تھا اور مستقل طور پر غیر مساوی سلوک کا شکار تھے۔ سیاسی اور قانونی اختیارات ابھی تک غیر ملکیوں یا پھر ان کے وفادار مقامی افراد کے ہاتھوں میں تھے اس طرح یہ تمام تضادات آخر کار ناقابل مفاہمت صورتحال میں بدل گئے جو مقامی آبادی اور غیر ملکیوں کے درمیان ناممکن تھی ___ نیم نوآبادتی ملکوں میں، محنت کش طبقہ اور مقامی بورژوازی کو بڑے جاگیرداروں کی سخت مخالفت کا سامنا تھا اور وہ افسر شاہی جو نسل در نسل ظالمانہ روش اختیار کیے ہوئے تھی۔ ان ملکوں کے سربراہ غیر ملکی آقاؤں کے تابع فرمان تھے۔ ان کو نیم نوآبادیاتی ملکوں کی پسماندگی کو برقرار رکھنے کے لیے قدیم متروک شدہ جاگیردارانہ نظام کو قائم رکھنے کی ضرورت تھی ___ 20ویں صدی کے شروع میں ایشیاء اور شمالی افریقہ کے تمام ملکوں میں جاگیرداریت کے خلاف جدوجہد اور غیر ملکی سامراجیت کے تسلط کے خلاف جنگ ایک بنیادی مقصد کی صورت اختیار کر گئی کیونکہ آزاد ترقی کے لیے یہ ایک لازمی عنصر تھا۔ ان ملکوں میں مواصلاتی روابط کا قیام اور اندرونی منڈی کا ظہور اگرچہ یہ عمل سست رفتاری سے ہوا، لیکن اس سے عوام میں باہمی ربط قومی تشخص کی علامت بننے لگا، کئی ایک نوآبادیوں اور غیر آزاد ملکوں میں، آبادی کئی ایک نسلی اور قومی گروہوں پر مشتمل تھی، ان ملکوں میں کسی ایک قومی تشخص کا ابھرنا مشکل تھا۔ سلطنت عثمانیہ میں غیر ترک علاقوں میں قوم کا وجود ایک متوازی سلسلہ عمل کے طور پر چلتا رہا، عرب، مقدونیہ، البانیہ نے ترکی کی مطلق العنان سلطنت سے آزادی کے لیے جدوجہد کی اور اپنی علیحدہ آزاد ریاستیں قائم کیں۔ ہندوستان، انڈونیشیا اور فلپائن کے علاوہ کئی نوآبادیوں میں دو متوازی سلسلہ عمل تھے

جو کہ قومی تشخص کے وجود میں آنے کے متعلق چل رہے تھے، کئی قومیں ایک خاص قوم کے ارتقاء کی صورت میں وجود میں آئیں، مثلاً ہندوستان میں گجراتی، بنگالی، مرہٹہ، انڈونیشیا میں جاوا اور فلپائن میں ٹاگالوگر جبکہ کئی اقوام کئی قومیتوں کے مل جانے سے وجود میں آئیں، سامراجیت کے خلاف جدوجہد کے دوران کئی قومیتیں ایک دوسرے کے قریب آ گئیں اور انہوں نے بورژوازی سے مل کر قومی آزادی کی تحریکوں میں حصہ لیا۔ ان ممالک کا مقامی دانشور طبقہ ان جاگیردار مخالف اور سامراج مخالف تحریکوں کا ترجمان بن گیا۔
ان دانشوروں کا تعلق پہلے پہل معاشرے کے خوشحال خاندانوں سے تھا۔ کئی ایک کو یہ مواقع ملے کہ وہ اپنی تعلیم غیر ممالک سے حاصل کر سکیں اور اسی دوران نیم نوآبادیاتی ملکوں میں سیکولر تعلیم مقبول ہوئی، سامراجی ملکوں نے اپنی زیر تسلط نوآبادیوں میں تعلیمی ادارے قائم کیے تاکہ اپنی ضروریات اور انتظامی کام کو چلانے کے لیے پڑھے لکھے افراد حاصل کیے جا سکیں۔ ڈاکٹر اور قانون دان پیدا ہوئے، محدود پیانے پر یورپی تعلیم کا اجراء مقامی آبادی کے رویے میں تبدیلی کا باعث بنا۔ مقامی لوگوں نے سامراجی ثقافت اور تعلیم کو اعلیٰ و ارفع سمجھا، لیکن سامراجیت اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ مقامی آبادی کے نوجوانوں میں بڑھتے ہوئے ترقی پسند نظریات کو روک سکے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ دانشور طبقہ معاشرے کی نچلی پرتوں میں پیدا ہو رہا تھا۔ 19 ویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں برطانوی آقاؤں نے نوجوانوں اور طالب علموں میں سامراج مخالف نفرت اور احتجاج کو محسوس کیا۔ لارڈ کرزن نے یونیورسٹی کے متعلق خصوصی اصلاحات کا اعلان کیا، اور یونیورسٹیوں تک ان لوگوں کا پہنچنا مشکل بنا دیا جو جمہوریت پسند نظریات رکھتے تھے، جاگیرداروں اور بورژوازی سے ابھرنے والے دانشور جو ان ملکوں میں موجود سامراجی اور طبقاتی نظام پر تنقید کرتے تھے انہوں نے انتظامی امور میں شرکت اور اصلاحات کا مطالبہ کیا اور سب سے پہلے انہوں نے اس طبقے کے مفاد کی بات کی جس سے ان کا تعلق تھا۔ بالائی طبقات میں سے ابھرنے والے دانشوروں میں ایک اقلیت تھی جو انقلابی بورژوازی کے ساتھ مل کر محنت کش طبقے کے حقوق کا مطالبہ کر رہی تھی۔ ابھرتی ہوئی قومی بورژوازی اپنے مخصوص مفادات کے لیے اس دوران عام طبقاتی مفادات کی جدوجہد میں بھی شریک تھی اور اس کا رخ جاگیرداریت اور سامراجیت کے خلاف تھا چنانچہ یہی وہ وقت تھا جب ان ملکوں میں باہمی اتحاد اور ایکتا کے حالات پیدا ہو چکے تھے چنانچہ 20 ویں صدی کے آغاز سے ایشیاء کے کئی ملکوں میں بورژوا انقلاب کے لیے حالات پیدا ہوئے۔ 1905ء کے روسی انقلاب کے نتیجے میں اور روسی عوام کا بڑھتا ہوا طبقاتی شعور ایشیائی ملکوں کے عوام کے لیے مشعل راہ بنا۔ ''عالمی سرمایہ داری اور 1905ء کی تحریک نے ایشیاء کو جگا دیا۔'' لینن نے لکھا ___ 1905ء کا روسی انقلاب پہلا بورژوا جمہوری انقلاب تھا جس کی قیادت محنت کش طبقے کے ہاتھوں میں تھی، روس کے انقلاب نے ایسے مقاصد متعین کیے جس سے معاشرے کو جمہوری معاشرے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، یہ ایشیائی ملکوں کے لیے ایک نمونہ

تھا جن کے لیے داخلی بورژوا انقلاب ایک مسئلہ تھا۔ ایک ایسا مرحلہ جس میں سے کئی مغربی ملک پہلے ہی گزر چکے تھے، جو صورتحال روس میں درپیش تھی اس کے اثرات ایشیائی ملکوں میں واضح طور پر محسوس کیے جا رہے تھے۔ ایرانی، کوریائی، وسطی ایشیائی باشندے جو اس وقت روس کے مختلف علاقوں میں محنت مزدری کرتے تھے، انہوں نے 1905ء کے انقلاب میں حصہ لیا اور انقلابی تجربات اور خیالات سے مستفید ہوئے اور انہوں نے اپنے ملکوں کے عوام کو ان ثمرات سے آگاہ کیا۔

ایرانی انقلاب (1905ء-1911ء)

ایران میں جاگیردارانہ معاشرہ میں بحران غیرملکی سرمائے کی آمد سے مزید سنگین ہو گیا، حکومت نے دوسرے ملکوں سے قرضہ جات حاصل کر رکھے تھے، برطانیہ اور روس نے قرضوں کے عوض ایرانی حکومت سے مزید رعایتوں کا مطالبہ کیا۔ 1901ء میں ایک برطانوی تاجر کو جس کا نام ڈی آرسی تھا اسے تیل نکالنے کے حقوق دیئے گئے، ماسوائے شمالی صوبوں کے یہ رعایت پورے ملک کے لیے تھی، اس کے نتیجے میں اینگلو پرشن تیل کمپنی وجود میں آئی۔ ایران میں سامراجیت کا ایک کارآمد ہتھیار امپریل بنک آف ایران کی شاخیں پورے ملک میں پھیلا دی گئیں اور اسے ملک کا مالیاتی نظام قائم کرنے کی اجازت دی گئی۔ شمال میں ایرانی، روسی (روسو پریشن) بنک کا غلبہ تھا۔ کسٹم اور آبکسائز بلجیم کے ہاتھوں میں تھے، روسی افسران کی مدد سے ایرانی بادشاہ کی درخواست پر ایک بریگیڈ تیار کیا گیا جو شاہ کے لیے وفادار تھا۔ حکمران جاگیردار طبقہ جس کا سربراہ شاہ مظفرالدین تھا اس نے مقامی لوگوں کے استحصال میں شدید اضافہ کر دیا۔ استحصال سے حاصل شدہ آمدنی اور غیرملکی قرضہ جات سے شاہ کے دربار اور اس کے حواریوں کے مفادات وابستہ تھے۔ اس طرح ان حالات میں عوام میں بے چینی بڑھنے لگی ملک کے کئی حصوں میں بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اقتصادی دیوالیہ پن کی انتہا یہ تھی کہ فوج کو تنخواہ دینا مشکل ہو جاتا تھا۔ شہری طبقات نے شہنشاہیت کے خلاف اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے آوازیں بلند کرنا شروع کر دیں ___ کمزور ایرانی بورژوازی جن کی کوئی سیاسی پارٹی نہیں تھی، غیرموثر تھی۔ زمینوں پر کاشتکاری، تجارتی بنیادوں پر ہوتی تھی۔ مذہبی راہنما جن کی زمینیں شاہ کی حکومت نے چھین لی تھیں انہوں نے اصلاحات کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس کشیدہ ماحول میں روسی انقلاب نے صورتحال میں مزید شدت پیدا کر دی ___ تاجر پیشہ افراد نے ناقابل برداشت حد تک عائد شدہ ٹیکسوں اور اپنے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کے خلاف احتجاج بلند کیا۔ 12 دسمبر 1905ء کو ان لوگوں کی گرفتاریاں ہوئیں جس سے پورے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ بازار اور دکانیں بند کر دی گئیں اور مساجد میں لوگوں کے اجتماع ہوئے جس میں مطالبہ کیا گیا کہ قابل نفرت سرکاری عہدیداران کو ملازمت سے علیحدہ کیا جائے اور ایک کمیشن تشکیل دیا

جائے جولوگوں کی شکایات کا جائزہ لے، مسجدوں میں ہونے والے اجلاس کو طاقت سے منتشر کر دیا گیا جس سے لوگوں میں مزید اشتعال پیدا ہوا، احتجاج کے طور پر کئی مذہبی لیڈر، دارالحکومت چھوڑ گئے اور انہوں نے حرم میں پناہ لے لی۔ یہ علاقہ دارالحکومت سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یہاں ان کے ساتھ 2 ہزار دستکار اور تاجر پیشہ افراد آن ملے، یہاں سے ایک وفد بادشاہ سے ملنے کے لیے روانہ کیا گیا اور ساتھ ہی قصبوں میں افراد بھیجے گئے تا کہ اپنی حمایت میں اضافہ کیا جا سکے۔ مشہد اور شیراز میں بے چینی پھیل گئی۔ دارالحکومت میں اور فوج میں بھی اس کے اثرات نظر آنے لگے۔ اس بڑھتے ہوئے احتجاجی رویے اور احتجاج جیسے خطرات کے پیش نظر شاہ نے کچھ رعایتیں دینے کا اعلان کیا، اس نے تہران اور کرمان کے گورنروں کی چھٹی کروادی اور ایک عدالت قائم کرنے کا اعلان کیا اس موقعہ پر مذہبی راہنما دارالحکومت واپس آئے تاہم شاہ کی حکومت کو کوئی جلدی نہیں تھی کہ وہ اپنے وعدے پورے کرے، کیونکہ دعوے صرف اس لیے کیے گئے تھے کہ تحریک پر قابو پایا جا سکے۔ اس دوران حکومت کے خلاف نفرت کا اظہار پھر ہونے لگا۔ 1906ء کی سردیوں میں دارالحکومت میں ایک مظاہرے کو طاقت کے ذریعے منتشر کر دیا گیا۔ بطور احتجاج تہران کے بازار اور دکانیں بند کر دی گئیں اور حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہر ہوئے۔ عوام پر شاہ کے فوجیوں نے فائرنگ کر دی۔ 15 جولائی کو 200 مذہبی راہنما مقدس شہر قم کے لیے روانہ ہو گئے۔ اگلے دن تاجروں کے ایک گروپ نے برطانوی سفارتخانے کے باغ میں پناہ لے لی۔ جلد ہی ان کی تعداد 13 ہزار ہو گئی۔ ان کے مطالبات کی ایک فہرست عرضداشت کی صورت میں شاہ کو پیش کی گئی اور دوسرے شہروں میں بھی اس کی تشہیر کی گئی۔ مطالبات کا سلسلہ ایک انقلابی جدوجہد کی شکل اختیار کر گیا۔ اس دفعہ سابقہ مطالبات کے ساتھ پارلیمنٹ کے قیام اور آئین کا مطالبہ شامل کیا گیا۔ قصبوں میں ان مطالبات کو بھاری حمایت حاصل ہوئی۔ قم کے امام اور ملاں نے کہا کہ اگر شاہ نے ان مطالبات کو پورا نہیں کیا تو وہ ملک چھوڑ دیں گے۔ شاہ نے ایک بار پھر کئی ایک رعایتیں دینے کا اعلان کر دیا، اس نے قابل نفرت وزیراعظم کو عہدے سے ہٹا دیا اور ایک اعتدال پسند مشیر الدولہ کا تقرر کیا۔ اگست کے شروع میں انتخابات کا اعلان کر دیا گیا جن کا مقصد مجلس کا انتخاب کرنا تھا۔ اس سے حالات زندگی ایک بار پھر معمول پر آ گئے___ دو مرحلوں میں الیکشن کا جو غیر جمہوری طریقہ اختیار کیا گیا، اس کے باوجود کسانوں اور محنت کشوں کو ان میں حصہ لینے سے علیحدہ رکھا گیا۔ قصبوں اور شہروں میں انتخابی جوش وخروش پیدا ہوا۔ آذربائیجان میں خصوصی ردعمل ہوا، جہاں بادشاہ کا بیٹا حکمران تھا۔ یہ انتہائی رجعت پسند ولی عہد تھا (محمد علی) اس نے انتخابات میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جس سے تبریز اور ملحقہ علاقوں میں بے چینی پھیل گئی۔ ان علاقوں میں پہلی سماجی اور سیاسی تنظیمیں قائم کی گئیں جنہیں انجمن کہا جاتا تھا۔ اس طرح کی انجمیں پورے ملک میں بننے لگیں۔ دستکار، تاجر، شہری غریب اور یہاں تک کہ رجعت پرستوں نے بھی

ان میں شمولیت اختیار کی۔ ان کی تشکیل کے بنیادی عناصر جمہوری سرگرمیاں اور سیاسی عمل میں شرکت کی تھی، ان انجمنوں کا بنیادی رویہ جاگیردار مخالفت تھا۔ بعض مقامات پر تو انجمنوں نے مقامی انتظامیہ پر کنٹرول حاصل کرلیا ____ شمالی علاقوں میں روسی انقلاب کے اثرات ابھر رہے تھے وہ لوگ جو ہجرت کر کے کاکسی کے علاقے میں چلے گئے تھے انہوں نے خفیہ جمہوری سیاسی سوسائٹیاں قائم کیں ان کو مجتہد کہا جاتا تھا۔ ان میں تاجروں نے شرکت کی، محنت کش کسان، نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد اور مذہبی لوگ بھی اس میں شرکت کرنے لگے، مجتہدین نے ترقی پسند بورژوازی مطالبات پیش کیے۔ طفیلی بورژوازی نے اس میں اہم کردار ادا کیا۔ اکتوبر 1906ء میں پہلی مجلس کا اجلاس منعقد ہوا، اس کے ممبروں کی اکثریت اگرچہ رجعت پرست تھی لیکن ان پر انجمنوں اور مجتہدین کی سرگرمیوں کی وجہ سے عوامی مطالبات اور امنگوں کا گہرا اثر تھا۔ اس مجلس کا بنیادی مقصد ایک آئین کی تشکیل کرنا تھا۔ مظفر الدین نے اپنی وفات سے پہلے دسمبر کے آخر میں قانون کے ایک مسودے کی منظوری دے دی، یہ بنیادی قوانین مجلس نے طے کیے تھے جن میں حقوق واختیارات کا ذکر تھا ____ جب رجعت پرست شاہ محمد علی بادشاہ بنا تو اسے مجلس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اس دوران تبریز اور دیگر قصبوں میں عوامی تحریکیں اٹھیں، دارالحکومت میں بھی ہنگامے ہوئے، محنت کش طبقات اپنے مطالبات پیش کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ شمالی علاقوں میں خانوں اور جاگیرداروں کے خلاف کسانوں کا ردعمل روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ تہران میں الیکٹرک سٹی اور چھاپہ خانے کے مزدوروں نے ہڑتال کردی اور ٹریڈ یونین قائم کرنے کی کوشش کی ____ اگست 1907ء میں اینگلو پرشین معاہدے کے تحت دائرہ اختیار کے حوالے سے ایران کو تقسیم کرنے کی کوشش کے نتیجے میں لوگوں میں شدید ردعمل ہوا، مجلس نے اس معاہدے کی منظوری دینے سے انکار کردیا۔ محمد علی نے محسوس کیا کہ اب بنیادی حقوق میں ترمیم کردینی چاہیے جبکہ وہ خود انقلاب مخالف کارروائی کرنے کی سوچ رہا تھا۔ ایرانی آئین نے بورژوازی کو آزادی دی اور مجلس کے ذریعے بادشاہ کے اختیار کو محدود کردیا گیا۔ مجلس کو قانون سازی کے اور بجٹ کی منظوری اور غیر ملکی قرضوں اور رعایتوں پر غور کرنے او رمنظوری دینے کے اختیارات حاصل تھے۔ آئین نے انجمنوں کی قانونی حیثیت کو بحیثیت ایک ادارے کے تسلیم کیا جس کا مقصد ضلعی اور صوبائی انتظامیہ کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنا تھا۔ علماء کا ایک کمیشن قائم کیا گیا جسے یہ دیکھنا تھا کہ کوئی قانون اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ ایران میں بادشاہت کے اختیارات کا محدود کیا جانا ایک ترقی پسندانہ قدم تھا، جب آئین بن گیا تو بورژوازی اعتدال پسند، جاگیرداروں او رمذہبی راہنماؤں نے سمجھا کہ انقلاب مکمل ہو چکا ہے یہ لوگ بادشاہ سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہو گئے تاہم شاہ جس نے اپنی وفادار افواج کو دارالحکومت کے قریب رکھا ہوا تھا۔ 1907ء کے موسم خزاں میں اس نے کوشش کی کہ انقلاب مخالف بغاوت کروادی جائے۔ انجمن اور فدائین انقلاب کو بچانے کے لیے اتر

آئے، تبریز کی انجمنوں نے شاہ کو ہٹانے کا مطالبہ کر دیا۔ انقلاب دشمن کوششوں کو شکست ہوئی۔ اسی دوران عوام کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں ان اعتدال پسندوں کے لیے خطرہ بن گئیں جو اکثریت میں تھے۔ انہوں نے شاہ سے معاہدہ کیا اور قرآن پر حلف لیا کہ وہ آئین کا دفاع کریں گے، جون 1908ء میں ایک انقلاب دشمن بغاوت کی کوشش ہوئی جب جمہوری قوتیں آئین کو بچانے کے لے اکٹھی ہو رہی تھیں۔ مجلس کے اعتدال پسندوں نے ایک بار پھر شاہ سے سودے بازی کی کوشش کی۔ 22 جون کو ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا اور اگلے دن کوسک بریگیڈ جس کی قیادت روسی کرنل لائیکوف کر رہا تھا، نے مجلس کو توڑ دیا۔ فدائین کے دستے جو مجلس کے دفاع کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ انہیں توپوں کے ذریعے کچل دیا گیا۔ تہران میں دہشت گردی کی لہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مجلس کے بائیں بازو کے اراکین انجمنوں کے کئی ایک جمہوری راہنما، شاعر دانشور، جو انقلاب کے حامی اور شاہ کے سخت مخالف تھے تشدد کا نشانہ بنے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ابھی تک یہ بغاوت انقلاب کے خاتمے کی علامت نہیں تھی، اب بغاوت کا مرکز تبریز بن رہا تھا۔ جو جون کے ہنگاموں کے بعد بھی رجعت پرستوں کے قبضے سے محفوظ تھا۔ تبریز میں اقتدار انجمنوں کے ہاتھوں میں تھا۔ بہت سارے اعتدال پسندوں نے انجمنوں کی حمایت کرنے سے کنارہ کشی کر لی تھی لیکن انجمنیں، دستکاروں، کسانوں اور انقلابی بورژوازی کے نمائندوں کے ہاتھوں میں تھیں اور انہیں ان طبقات کی حمایت حاصل تھی۔ انجمنوں کا انحصار فدائین کے دستوں پر تھا۔ جن کی تعداد کوئی 20 ہزار کے قریب تھی۔ شہر کے دفاع کا پروگرام تشکیل دیا گیا جس کی قیادت مجتہدین اور انجمنوں کے پاس تھی۔ تبریز کی بغاوت جمہوری اور انقلابی صفات رکھتی تھی۔

چین میں انقلابی ارتقاء:

اس عہد میں سیاسی شعور اور انقلابی سرگرمیوں کا عام سطح تک پھیل جانا اگرچہ کئی ملکوں میں نظر آتا تھا لیکن چین میں یہ صورتحال متاثر کن تھی۔ ترقی پسند نظریات نہ صرف دانشوروں بلکہ عام آدمیوں نے بھی قبول کیے۔ چین میں حریت پسندی کے نظریات آزادی اور انقلابی تنظیم کی تشکیل میں سن یات سن (1866ء-1925ء) نے اہم کردار ادا کیا۔ سن یات سن جب یورپ میں تھا تو روس میں انقلاب کی خبر اور چین میں بغاوتوں سے وہ متاثر تھا۔ 1905ء کے موسم خزاں میں برسلز میں چینی طلباء کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سن یات سن اپنا مشہور نظریہ عوام کے تین اصول پیش کیے۔ قوم پرستی، جمہوریت اور ضروریات زندگی۔ اس وقت چین کے اندرونی حالات منچو شاہی کے خاتمے کا تقاضا کر رہے تھے۔ جمہوریہ کا قیام، زمین کی ملکیت کے مساوی حقوق، جیسے نعروں نے ایک ایسا پلیٹ فارم فراہم کیا، جس کے تحت تمام انقلابی تنظیموں نے ایک چینی انقلابی لیگ قائم کر لی۔ اس پارٹی میں نہ صرف بورژوا جمہوری

عناصر نے شرکت اختیار کی بلکہ قومی بورژوازی کے نمائندے بھی شریک ہوئے، انقلابی طالب علم، ترقی پسند مالکان اراضی چین میں منچو شاہی کے اقتدار کے خاتمے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ سن یات سن چینی انقلابی لیگ کا صدر منتخب ہو گیا اور فوری طور پر انقلابی بغاوت کے لیے تیاری شروع کر دی۔ چینی انقلابی لیگ نے ایک اخبار کی بنیاد رکھی جس کا نام "Peoples" عوام تھا، جو ٹوکیو میں چھپتا تھا۔ لینن نے سن یات سن کے پروگرام کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا، ''سن یات سن کے پلیٹ فارم سے اٹھنے والی ہر ایک حکمت عملی اور نقطہ نظر میں ایک مخلص اور مضبوط جمہوریت کی روح ہوتی ہے۔'' چینی انقلابی لیگ نے اس وقت اپنا کام شروع کیا جب چین میں پہلے ہی انقلابی ضمیر اٹھ رہا تھا، جنوب اور جنوب مغرب میں (1911ء-1906ء) کے دوران کئی ایک انقلابی تحریکیں اٹھیں۔ 1906ء میں چین کی تاریخ میں محنت کشوں کی طرف سے پہلی بغاوت اٹھی۔ 1907ء-1908ء کسانوں کی بغاوتیں ہوئیں۔ دستکاروں اور نیم بورژوازی کی طرف سے بھی احتجاجی لہریں اٹھیں۔ 1910ء میں ملک کے کئی حصوں میں کسانوں کی بغاوتیں اٹھیں لیکن یہ تمام کمزور تنظیم ہونے کی وجہ سے ناکام ہوئیں ___ ڈاکٹر سن یات سن اور وہ لیگ جس کا وہ قائد تھا، نے تمام انقلابی سرگرمیوں میں متحرک کردار ادا کیا اور ان کی تنظیم نے اراکین کو ان تمام بغاوتوں کی طرف روانہ کیا اور ان کے لیے رقم اور اسلحے کا انتظام کیا، تاہم تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، لیگ نے فوجیوں میں پروپیگنڈہ مہم کا آغاز کیا، ڈاکٹر سن یات سن کی اپیل پر، لیگ کے اراکین اور نوجوان طالب علموں نے فوج میں شمولیت اختیار کر لی تاکہ فوج کی صفوں میں انقلابی پروپیگنڈہ کیا جا سکے۔ 1910ء میں کوانگ چو میں ایک فوجی بغاوت ناکام ہو گئی تاہم ابھی تک لیگ سازشی چالوں میں تجربہ نہیں رکھتی تھی۔ 28 اپریل 1911ء کو فوجیوں کی طرف سے ایک اور بغاوت منظم کی گئی۔ یہ باغی انقلابی پروپیگنڈ سے متاثر تھے، باغیوں نے مقامی مانچو شاہی گورنر ہاؤس پر قبضہ کر لیا لیکن حکومتی دستے ان سے زیادہ مضبوط تھے تاہم زبردست مزاحمت کے بعد باغیوں کو کچل دیا گیا۔ گرفتار شدہ باغیوں کو پھانسی دی گئی۔ مقامی آبادی نے 72 فوجیوں کی لاشوں کو جو مزاحمت میں مارے گئے تھے انہیں کوانگ چو کے باہر دفن کیا بعد میں ان بہادر فوجیوں کی قبروں پر ایک مشترکہ یادگار تعمیر کی گئی۔ ڈاکٹر سن یات سن نے اس موقع پر کہا کہ اس شکست کے بعد انقلابیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ 1908ء کے آخر میں بادشاہ کوانگ سنو اور اس کی ملکہ تقریباً ایک ہی وقت میں مر گئے۔ بادشاہ کے دو سالہ بھتیجے پوزی کو بادشاہ بنایا گیا اب اقتدار منچو یائی امراء جس کی قیادت چن اور چن (پوزی کا باپ) کر رہے تھے ان کے ہاتھ میں تھی۔ چینیوں کو تمام اعلیٰ ریاستی عہدوں سے محروم کر دیا گیا۔ اس سے چین کی بورژوازی میں گہری بے اطمینانی پھیلی، حکومتی سطح سے کئی ایک اصلاحات کا اعلان کیا گیا۔ (صوبائی مشاورتی کمیٹی، تعلیمی نظام کی تشکیل نو) آئینی بادشاہت کے قیام کا وعدہ بے اطمینانی کو نہ روک سکا۔

سن ہائی انقلاب ـــــ 13ء-1911ء:

9 مئی 1911ء کو گورنمنٹ نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس کے مطابق حکومت نے موجودہ ریلوے ہونان اور ہیپ، گوانگ تنگ میں زیر تعمیر ریلوے کو قومی ملکیت میں لے لیا۔ چینی بورژوازی کے لیے یہ کاری ضرب تھی جو کہ اپنی ذاتی ملکیت میں ریلوے تعمیر کر رہی تھی۔ 20 مئی کو ریلوے کی تعمیر بنکنگ کنسورشیم کے حوالے کر دی، جس کے ممبران سرمایہ دار، جرمنی، فرانس، برطانیہ اور امریکہ تھے۔ 7 ستمبر 1911ء کو زیچوان صوبے کا گورنر چاوارفنگ ان حصہ داروں کے مظاہروں کا نشانہ بن گیا جو مذکورہ عمل کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے، اس خاص واقع سے اس علاقے میں بغاوت پھیل گئی، گورنر کو قتل کر دیا گیا اور اسکالر ایک کھمبے پر لٹکا دیا گیا اور تحریر کر دیا گیا کہ "جس طرح تم دوران حکومت، عوام کو اوپر سے نیچے دیکھتے رہے ہو، مر کر بھی ایسا کرتے رہو۔" چین کی انقلابی لیگ نے اپنے نمائندے زیچوان بھیجے تا کہ باغیانہ سرگرمیوں کے ساتھ مربوط رہ سکیں۔ اکتوبر 1911ء میں دوچانگ میں انجینئر نگ بٹالین نے بغاوت کر دی، جہاں لیگ کے اراکین اور زیر زمین انقلابی بڑی سرگرمی سے مزاحمت میں سرگرم عمل تھے۔ 11 اکتوبر 1911ء کو ہیپ صوبہ کی مشاورتی کمیٹی نے باغیوں کے ساتھ مل کر چین کو ایک جمہوریہ قرار دے دیا۔ دوچانگ میں ان واقعات کے بعد، انقلابی اقتدار ہانکو اور کیانگ میں قائم کر دیا گیا۔ ایک عبوری انقلابی حکومت قائم کر دی گئی، ایک انقلابی فوج قائم کر دی گئی، جس میں مزدوروں کسانوں اور سابقہ فوجیوں نے فوری طور پر شمولیت اختیار کر لی۔ انقلابی فوج کو پورے ملک میں زبردست حمایت حاصل ہوئی۔ دوچانگ کی مثال نے ملک کے دوسرے حصوں میں ایسے عمل کرنے کی ترغیب دی ـــــ یہ محنت کش، غریب اور درمیانہ بورژوا طبقے کے لوگ تھے، جنھوں نے اس انقلابی تحریک کی تعمیر میں ایک اہم رول ادا کیا لیکن طفیلی بورژوازی اور مالکان اراضی بھی خود کو صوبوں میں جہاں اقتدار حاصل کر لیا گیا تھا، انقلابی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے ـــــ دسمبر 1911ء میں ایک طویل عرصہ جلاوطن رہنے کے بعد، سن یات سن چین واپس آ گیا اور شنگھائی میں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ 29 دسمبر 1911ء کو 17 صوبوں کے نمائندوں نے نانکسن میں اسے جمہوریہ کا صدر منتخب کر لیا، اس نے کہا "شخصی آمریت جو بدترین طور پر مسلط ہے اس کی جڑیں نکال باہر کی جائیں گی اور ایک جمہوریہ قائم کی جائے گی، تا کہ لوگوں کے مفاد میں فلاح و بہبود اور انقلاب کے حقیقی مفہوم پر عمل درآمد کیا جا سکے۔" تاہم کمیونسٹ لیگ پروگرام کے کچھ نکات شامل نہ کیے گئے۔ خاص طور پر ملکیت زمین کے مساوی حقوق وغیرہ۔ سن یات سن کو اپنے عوام کی وسیع تر اکثریت کی قوت پر اعتماد نہیں تھا اور اس نے واضح طور پر جمہوری اصلاحات کے پروگرام کا اعلان نہیں کیا۔ خارجہ تعلقات کے معاملے میں عدم استحکام نظر آتا تھا۔ غیر ملکی طاقتوں سے اپیل پر زور دیتے ہوئے کہا کہ چین

آزاد دنیا میں وہی حقوق اور اختیار رکھے گا جو سامراجی قوموں کو حاصل ہیں۔ سن یات سن نے ان قوموں سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مقاصد کے حصول کے لیے چین کی مدد کریں۔ سن یات سن کی حکومت بورژوا انقلابیوں کا ایک گڑھ تھی۔ افسر شاہی اور اعتدال پسند خیالات رکھنے والے موثر تھے۔ اعتدال پسندوں نے حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا۔ ملک کے بنیادی معاشی وسماجی ڈھانچے کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، جاگیر دارایت اور سامراجی غلبہ ختم کرنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے گئے چنانچہ عوام کے مطالبات برقرار رہے۔ حکومت انقلاب کو بورژوا ڈھانچے میں پابند رکھنا چاہتی تھی۔ اسی دوران بورژوازی اور جاگیر دار جو پیکنگ میں تھے، انقلابی لہر کو نظر میں رکھے ہوئے تھے، شہنشاہیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بورژوازی اور امرء انقلاب کے خطرات محسوس کر رہے تھے۔ وہ ایک سیاسی ماہر اور منصوبہ ساز (Yuan Shih-kai) یان شی کے گرد اکٹھا ہونا شروع کر دیا جو کہ تمام انقلاب مخالف فوجوں کا کمانڈر انچیف تھا۔ سامراجی قوتیں، چینی حکومت پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈال رہی تھیں اور مداخلت کرنے کی دھمکی دے رہی تھیں۔ سامراجی یان شی کاتی کی حمایت کے لیے کھلم کھلا آ گئے۔ 19 فروری 1912ء کو سن یات سن نے صدارت سے یان شی کاتی کے حق میں استعفیٰ دے دیا۔ یان شی نے اپنا دفتر نانکنگ سے پیکنگ منتقل کر لیا، جہاں رجعت پرست افواج کی بڑی تعداد اس کے پاس تھی۔ کسان جن کی صورتحال انقلاب کے نتیجے میں تبدیل نہیں ہوئی تھی، انہوں نے جاگیرداروں کے خلاف کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا اور زمین کے کرایوں کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ چھوٹ کا مطالبہ کیا۔ محنت کش طبقے نے ایک بار پھر ہتھیار اٹھا لیے۔ یہ بغاوتیں جو الگ تھلگ اور غیر منظم تھیں، یان کے فوجیوں کے ہاتھوں کچل دی گئیں، اس کی پالیسیاں سامراجی مفاد کے لیے تھیں۔ 25 اگست 1912ء کو سن یات سن اور سابقہ انقلابی لیگ کے کئی ایک راہنماؤں نے کچھ اعتدال پسندوں سے مل کر ایک نئی پارٹی کی بنیاد رکھی۔ کوفا تنگ (نیشنل پارٹی) اس پارٹی کے پروگرام میں مساوی ملکیت اراضی کا کوئی وعدہ نہیں تھا اور سابقہ انقلابی لیگ کے مقاصد میں سے صرف کم انقلابی نوعیت کے نکات شامل کیے گئے چنانچہ نیا قدم ایک مراجعت تھی تاہم یان شی کاتی نے اس پارٹی کے اراکین کو بھی زیر عتاب کر لیا۔ جولائی 1913ء کو سن یات سن نے عوام سے "دوسرے انقلاب" کی اپیل کی، جنوبی قصبوں میں افواج کے کچھ دستے اس کی حمایت میں اکٹھے ہوئے، لیکن لوگوں نے پہلے انقلاب کے تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے باغی فوجیوں کی کوئی مدد نہیں کی۔ یان شی کاتی افواج نے جلد ہی ان کو کچل دیا۔ کوفا تنگ پر پابندی عائد کر دی گئی اور سن یات سن اور دوسرے لیڈروں کو ترک وطن کے لیے مجبور کر دیا گیا، یہ چین کے جاگیر دار تھے یا چینی بورژوازی جن کو انقلاب کے ثمرات حاصل ہوئے، کسانوں اور محنت کشوں کو نہ کوئی زمین ملی اور نہ ہی آزادی، جس کے لیے انہوں نے کئی سالوں سے طویل جدوجہد کی تھی، تاہم انقلاب نے چینی عوام کی قومی آزادی اور سماجی نجات کے لیے جدوجہد میں

ایک نیا خون دوڑ دیا۔ پراگ میں بالشویکوں کی پہلی کانگرس میں، چینی عوام کی عالمی سطح پر انقلاب کی حمایت کی طرف توجہ دی، جس کا مقصد ایشیاء کی آزادی اور یورپین بورژوازی کا خاتمہ تھا۔

لاطینی امریکہ کے عوام کی آزادی کے لیے جدوجہد:

سامراجیت کا سورج طلوع ہوتے ہی لاطینی امریکہ کے ممالک میں غیر ملکی سرمائے کو وسعت حاصل ہوئی تھی، اس سے بورژوازی اور محنت کش وجود میں آئے۔ کئی ملکوں میں (ارجنٹائن، چلی، میکسیکو، برازیل) زراعت میں سرمایہ دارانہ ڈھانچہ ترتیب پا رہا تھا اور جاگیردار سرمایہ داروں کا ایک طبقہ وجود میں آ گیا تاہم ترقی پسند قومی ارتقاء کا یہ سلسلہ عمل، غیر ملکی سرمائے کے ملک کے اندر آنے اور جاگیرداریت کی وجہ سے رک گیا۔ سامراجی اجارہ داری ان ملکوں کو خام مال کے لیے منڈیاں بنانا چاہتی تھی اور اپنے سرمائے کی سرمایہ کاری کے لیے دائرۂ اثر۔ اس سے لاطینی امریکہ کی معیشت بدحالی کا شکار ہوگئی۔ اب یہ ایسے ملک بن گئے جہاں صرف ایک فصل کے حصول کے لیے کاشت کاری کی جاتی۔ کیوبا، جنوبی امریکہ کے لیے گنے کی پیداوار کا مرکز بن گیا۔ برازیل کافی پیدا کرتا، ارجنٹائن گوشت، بولیویا ٹن، میکسیکو چاندی اور تیل کے مراکز بن گئے۔ سامراجی ممالک نے رجعت پرست مالکان اراضی کی حمایت کی جو لاطینی امریکہ کے ملکوں میں غالب قوت کے مالک تھے نہ ابھی تک مقامی مالیاتی اشرافیہ اور نہ ہی سرمائے کا غلبہ، تاریخ کے پہیے کو پیچھے گھمانے کی پوزیشن میں تھے۔ غیر ملکی اجارہ داروں کی مدد کے باوجود فوجی سرمایہ داریت کا مختصر سا آغاز ہو رہا تھا۔ نئے طبقے اور سماجی قوانین ابھر رہے تھے۔ قومی بورژوازی کے ترقی پسند محاذوں میں، اور سرمایہ دار مالک اراضی میں یہ عزم زور پکڑ رہا تھا کہ نیم جاگیردار مال اشرافیہ کے دیوالیہ اور غیر ملکی سرمائے کو جڑ سے اکھاڑ دینے سے یہ ناممکن ہوگیا کہ بلا روک ٹوک معاشی اور سیاسی ارتقاء کا تعین ہو سکے۔ صدی کے خاتمے پر جاگیردار سماجی ڈھانچے کا خاتمہ، اور غیر ملکی غلبہ دوسری طرف، یہ ایک دوسرے کا باہمی استحصال کرتے تھے اور لاطینی امریکہ کے ملکوں میں فوجی آزادی کی تحریکوں کی صفات جاگیردار مخالف اور سامراج دشمن نوعیت کی حامل تھیں۔

انقلاب میکسیکو (1917ء-1910ء)

یہ انقلاب ایک ڈرمائی واقع تھا اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کی تاریخ میں انتہائی اہمیت کا حامل، یہ لاطینی امریکہ کے ملکوں میں پہلا انقلاب تھا جس میں عوام نے متروک شدہ جاگیردارانہ اقدار اور سامراجی غلبے کے خلاف جدوجہد کی۔ فوجی ڈکیٹر جنرل پورفائیرو ڈائیز کی اختیار کردہ پالیسیاں جو ملکی مفادات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ 20ویں صدی کے آغاز پر، میکسیکو نیم نوآبادیاتی حیثیت

اختیار کر چکا تھا جس پر برطانیہ اور امریکہ کا غلبہ تھا۔ آمر یہ سمجھتا تھا کہ میکسیکو صرف غیر ملکی سرمایہ کاری کے نتیجے میں ہی ترقی کر سکتا ہے۔ امریکی برطانوی کمپنیوں کو رعایتیں دی گئیں۔ ریلوے کی تعمیر اور کان کنی کے شعبہ جات ان کے بڑے منصوبے تھے۔ اس وقت وسیع وعریض رقبہ غیر ملکی کمپنیوں اور مقامی چھوٹے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں تھا جب 20ویں صدی کے آغاز پر بڑے بڑے تیل کے کنوئیں دریافت ہوئے، تو برطانوی اور امریکی کمپنیاں ان کے حقوق حاصل کرنے کے لیے تگ ودو کرنے لگیں۔ کسانوں سے اس طرح زمین چھینیں گئیں کہ ایک وقت پر 98% کسان بے زمین تھے۔ مقامی لوگ مال اشرافیہ اور غیر ملکی سرمایہ داروں کے زبردست استحصال کا شکار تھے۔ ان کی قیادت فوجی آمر ڈائز کر رہا تھا 1910ء کے موسم خزاں تک طبقاتی تضادات بڑی شدت اختیار کر چکے تھے جب زمینوں کے حصول کے لیے کسانوں کی طرف سے ایک گوریلا تحریک کا آغاز ہوا۔ اس کی قیادت کسانوں کے عظیم راہنما ایمی لایسنز زپاٹا (1919ء-1877ء) اور پانچو ویلا (1923ء-1877ء) کر رہے تھے۔ میکسیکو کی نوزائیدہ پرولتاریہ بھی اپنے اوپر کیے جانے والے بے رحمانہ استحصال کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ فوجی سرمایہ داروں اور سرمایہ دار مالکان اراضی نے ڈایئز کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی جو ملکی وسائل کو غیر ملکی کمپنیوں کے ہاتھوں فروخت کر رہا تھا۔ اکتوبر 1910ء میں انقلاب کا آغاز ہوا۔ مئی 1911ء کو آمریت کا خاتمہ کر دیا گیا اور نئی حکومت اعتدال پسند عوامی راہنما فرانسیکو میڈرو کی قیادت میں قائم ہوئی۔ فروری 1913ء کو میڈرو قتل کر دیا گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ اس قتل کے منصوبے میں امریکی سفیر شریک تھا ایک رجعت پرست جنرل وکٹوریانوں ہیوریٹا نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ جولائی 1914ء کو عوام نے پھر اس حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ انقلاب اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گیا۔ جدوجہد کے راستے کا تعین ہوا، اور اس کی طرز جمہوری مقاصد کی طرف ہو گئی۔ جدوجہد کے دوران کسان فوج نے ان کسانوں کے ساتھ مل کر جن علاقوں میں کسانوں کی بغاوت انقلابی صورت میں اپنے عروج پر تھی، ایک زرعی انقلاب برپا کر دیا۔ عوام کی یہ انقلابی سرگرمیاں اعتدال پسندوں کے لیے بھی ایک خطرہ بن گئیں۔ انقلاب غیر ملکی اجارہ داری کے لیے بھی ایک خطرہ تھا اور دو مختلف مواقعوں پر (1914ء-1911ء) امریکی افواج نے منظم مداخلت کی۔ جسے میکسیکو کے بہادر عوام نے ناکام بنا دیا۔ میکسیکو کے انقلاب کے متعلق امریکہ کی جارحانہ پالیسی سے لاطینی امریکہ کے عوام کے غیض وغضب میں اضافہ ہوا، جس پر لاطینی امریکہ کے عوام نے میکسیکو کے عوام کے ساتھ اظہار یگانگت کیا۔ میکسیکو کا انقلاب سامراج دشمن اور جاگیردار دشمن انقلاب تھا اور اس کی خصوصیات بورژوا جمہوری تھیں چونکہ اس لڑائی میں کسان اور پرولتاریہ ایک دوسرے سے باہمی طور پر اتحاد نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے عوام اس لڑائی میں ناکام ہوئے۔ پرولتاریہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ انقلابی تحریک کی قیادت کر سکیں بلکہ اس کی نسبت بورژوازی نے راہنما کردار ادا کیا۔ عوام کے ساتھ

ساتھ بورژوازی نے ڈائیز ڈکیٹرشپ، مالی اشرافیہ اور چرچ کی مذمت کی۔اس کے ساتھ طاقتور مالکان اراضی اور غیر ملکی سامراجیت بھی ان کی مخالفت کا نشانہ بنی لیکن اس کے کسانوں اور پرولتاریہ کے ساتھ تضادات بڑھنے لگے۔ (17-1915ء) میں بورژوازی اور جاگیرداروں کے اتحاد نے کسانوں اور پرولتاریہ کی بغاوت کو کچل دیا___ میکسیکو کے انقلاب نے رجعت پرست ڈائیز آمریت سے نجات حاصل کی۔ چرچ کی قوت پر کاری ضرب لگائی اور ملک پر غیر ملکی اثر ورسوخ میں کمی کی۔اس کے بعد ایک نئے بورژوازی نظام کو مستحکم کیا۔ایک سرمایہ دارانہ ارتقاء کے لیے راستے ہموار کیا اور میکسیکو کے اقتدار اعلیٰ کو مستحکم کیا۔لاطینی امریکہ کے عوام کی نظر میں میکسیکو سامراجیت کے خلاف جدوجہد کی علامت بن گیا۔ اس انقلاب کا ایک اور ثمر 1917ء کا آئین تھا جس میں جاگیردار مخالف اور سامراج دشمن خواہشات کا اظہار ہے۔ یہ آئین اس وقت تک کہ تمام بورژوا انقلابات کے آئینوں سے زیادہ جمہوری تھا لیکن یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ حدحقیقت پر انقلابی حاصلات کی نمائندگی نہیں کرتا تھا بلکہ صرف ایک پروگرام، جس کے لیے لوگوں کو ابھی جدوجہد کرنا تھی۔ جب سے بورژوازی اور جاگیردار طبقے کے درمیان اتحاد ہوا تھا، اور جس نے کہ ملکی حکومت پر قبضہ کرلیا تھا، میکسیکو کے انقلاب نے لاطینی امریکہ کی قومی آزادی کی تحریکوں کے ایک مرحلے کو اختتام پذیر کیا۔عوام جدوجہد کرتے ہیں۔ حکمران طبقات اس کے ثمرات سے مستفید ہوتے ہیں۔ بنیادی مقصد کہ سامراجیت کا خاتمہ کردیا جائے۔ جاگیرداریت اور رجعت پرستی کا خاتمہ۔ان مقاصد کو ابھی حاصل کرنا تھا۔

بین الاقوامی مزدور تحریک میں موقع پرستانہ رجحانات:

(07-1905) کا پہلا روسی انقلاب ان پرتشدد طبقاتی جنگوں کے طویل سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی، جو ایک عرصے سے یورپ کے سرمایہ دار ملکوں میں لڑی گئی تھیں___ بڑے منظم اور ٹھوس انداز میں عوامی ہڑتالیں کروائی گئیں۔ 1909ء میں سویڈن، 1912ء میں برطانیہ، 1913ء میں بلجیم میں زبردست ہڑتالیں ہوئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب پرولتاریہ کی جدوجہد بڑے حوصلے اور عزم کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ 1909ء میں سپین میں محنت کشوں نے فوج کے خلاف مظاہرے کیے اور بارسلونا کی گلیوں میں رکاوٹیں کھڑی کردی گئیں۔ 1914ء کی سردیوں میں میلان میں ہڑتالیں اور سڑکوں پر مظاہرین کی پولیس کے ساتھ جھڑپیں ہوئیں۔ وینس اور دیگر کئی شہر بھی ان مظاہروں کی لپیٹ میں آگئے، محنت کشوں کی حمایت میں کسانوں نے جلسے منعقد کیے، پولیس سے اسلحہ چھین لیا اور تقریباً ایک ہفتے تک پورا ملک مفلوج ہو کر رہ گیا۔ ان دنوں کو بعد میں (Red Week) سرخ ہفتہ کہا جانے لگا___ ابھی تک روس کی پرولتاریہ بین الاقوامی مزدور تحریک کو اپنی سرگرمیوں سے متاثر کر رہی تھی، 1910ء کے بعد روسی محنت کشوں نے دفاعی

حکمت عملیاں اختیار کرنے کی بجائے جارحانہ طرز عمل اختیار کرنا شروع کر دیا۔ 1912ء میں سائبیریا کے علاقے لینا گولڈ فیلڈ میں قتل عام کے بعد ملک میں احتجاج کی ایک زبردست لہر اٹھ کھڑی ہوئی، ملک کے تمام صنعتی مراکز میں ہڑتالیں شروع ہو گئیں، سڑکوں پر مظاہرے روزمرہ کا معمول بن گئے۔ 1914ء کی سردیوں میں سینٹ پیٹرزبرگ میں کاروبار زندگی معطل کر دیا گیا، پولیس اور محنت کشوں کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ روس اب ملک گیر ہڑتالوں اور سیاسی مظاہروں کی وجہ سے تاریخ کے ایک اہم موڑ پر کھڑا تھا، اس طرح سرمایہ دار ملکوں میں بڑھتے ہوئے طبقاتی تضادات، عوام اور حکمران طبقات کے درمیان، مفادات کے حصول کے لیے تصادم کی سطح پر آ گئے، اس سے بین الاقوامی سوشلسٹ تحریک کو نشوونما حاصل ہوئی۔ روس میں ایک نئی طرز کی پارٹی کی بنیاد رکھی گئی، جرمنی میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا بایاں بازو جس کی قیادت کارل لائبنک نشے اور روزا لکسمبرگ کے ہاتھوں میں تھی، انہوں نے اپنی صفوں میں استحکام پیدا کیا، بلغاریہ میں سوشلسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی گئی، اس کی قیادت ڈیمٹری بالگوف کے ہاتھ میں تھی۔ اسی دوران بین الاقوامی سوشلسٹ تحریک میں ایک موقع پرستانہ رجحان ابھر رہا تھا اور اس رجحان کی سماجی بنیادیں محنت کش اشرفیہ نے فراہم کیں، یورپی پرولتاریہ کی یہ بالائی پرت کو سرمایہ داروں نے خرید کر اس مقصد کے لیے استعمال کیا کہ محنت کشوں میں نفاق پیدا کیا جا سکے کیونکہ یہ نو آبادیوں سے حاصل شدہ لوٹ مار کی دولت میں حصے دار تھے۔ یہ ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ سرمایہ داری نظام کا خاتمہ ہو۔ انہوں نے بورژوازی سے جزوی رعایتیں حاصل کرنے کی کوشش کی، طبقاتی جدوجہد سے نہیں بلکہ بورژوازی کے ساتھ اشتراک عمل سے۔ تاہم بین الاقوامی سوشلسٹ تحریک میں یہ نظریہ مقبول ہو رہا تھا کہ اپنے ساتھ طفیلی بورژوازی کو شامل کیا جائے۔ 1895ء میں جب فریڈرک اینگلز کا انتقال ہوا، تو ایک مشہور جرمن سوشل ڈیموکریٹ ایڈورڈ برنسٹائین نے مارکسزم کو حالات سے غیر مطابق قرار دیتے ہوئے اس پر نظر ثانی کے لیے کہا، اس نے یہ خیال پیش کیا کہ پرامن اصلاحاتی سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہیے۔ روسی انقلاب کے دوران دوسری انٹرنیشنل کے کئی لیڈر پرولتاریہ کی جدوجہد کے طریقوں کو بین الاقوامی معیار اور اہمیت کے مطابق نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ روس میں انقلاب کو شکست نے موقعہ پرست سوشلسٹوں کو موقع فراہم کیا کہ وہ سوشلسٹ انقلاب کی جدوجہد کے بنیادی اصولوں کی مذمت کریں اور انہوں نے اصلاحاتی طریقہ کار کی افادیت پر زور دیا۔ دوسری انٹرنیشنل میں بڑھتے ہوا موقعہ پرستانہ رویے سے کئی ایک راہنماؤں نے عسکریت اور سامراجیت کے خلاف جنگوں میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ دوسری انٹرنیشنل کی کانگرس میں جرمن اور بلجیم کے سوشل ڈیموکریٹ حلقوں کا نو آبادیاتی نظام کے متعلق معذرت خواہانہ رویہ، جس کے مطابق انہوں نے نو آبادیوں کی ضرورت کو سرمایہ داری کے لیے نہیں بلکہ سوشلزم کے لیے بھی ضروری قرار

دیا۔ ہالینڈ اور برطانوی موقعہ پرستوں نے بھی ایسی ہی باتیں کیں۔ نوآبادیاتی نظام کوانہوں نے سامراجیت کا ''لوگوں کامہذب بنانے کامنصوبہ'' قراردیا۔

موقعہ پرستوں کے خلاف بالشویکوں کی جدوجہد:

روس میں بالشویکوں نے برنسٹائین کے ترمیم پسندانہ اصولوں کی سخت مذمت کی، لینن نے اصلاحاتی طریقوں سے سرمایہ داری کے اندرونی تضادات کوحل کرناایک مغالطہ قراردیا۔لینن نے مارکسزم کی فکری اساس کے بنیادی اصولوں کو برقراررکھااور سوشلسٹ انقلاب کے اصولوں کی حمایت کی، اوراس نے مارکسزم کے تخلیقی پہلوؤں پر بھی توجہ دلائی اوراس نے اس امر کی ضرورت پر زردیا کہ نئے عہد میں سامراجیت کی جدید شکل جیسے موضوعات کے متعلق نئے حالات کے مطابق طریقہ کار اپنائے جائیں۔ لینن نے موقعہ پرستوں کے خلاف ایک زبردست جدوجہد کا آغاز کیا۔ایک متحدہ پرولتاری پارٹی کے لیے اپنی کوششوں کے نتیجے میں روس کے انقلابی معیشت پسندوں کی زد میں آ گئے جو یہ کہہ رہے تھے کہ پرولتاریہ کی ایک آزادسیاسی پارٹی کی ضرورت نہیں ہے، وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ٹریڈ یونین کی جائے اور محنت کشوں کومعاشی جدوجہد تک محدودرکھا جائے۔ 1897ء-1900ء میں جب لینن سائبیریا میں جلاوطن تھاتووہ معیشت پسندوں کوترمیم پسند کہہ کران کی مذمت کرچکا تھا، ''کیا کیا جائے'' میں اپنی فکری تحریروں سے لینن نے معیشت پسندوں کوشکست دی۔ روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کی دوسری کانگرس کے بعد بالشویکوں نے منشویکوں کی ترمیم پسند پالیسیوں کے خلاف زبردست مہم شروع کی۔ منشویک یہ کہہ رہے تھے کہ روس میں انقلاب کے لیے اہم کردار بورژوازی ادا کرے گی، انہوں نے پرولتاریہ سے مطالبہ کیا کہ وہ بورژوازی سے افہام وتفہیم پیدا کریں۔ 1905ء کے انقلاب میں شکست کے بعد صورتحال مشکلات کا شکارہوگئی، رجعت پسندوں کا زورایک بارپھر چڑھ گیا۔ بالشویکوں نے زیرزمین کومنظم کرنے کی سرگرمیاں شروع کردیں۔ 1912ء میں جب منشویکوں نے پارٹی سے علیحدگی اختیارکرلی تو1912ء کی پراگ کانفرنس میں وہ منشویک جو پارٹی سے علیحدہ ہو گئے تھے، انہیں نکال دیا گیااورلینن کی زیرقیادت سنٹرل کمیٹی متحد کرلی گئی۔ روس کے انقلابی مارکسٹ منظم طریقے سے ایسے ہی موقعہ پرستوں سے لڑے، جیسے وہ دوسری انٹرنیشنل میں لڑے تھے۔ دوسری انٹرنیشنل سوشلسٹ کانگرس میں لینن نے موقعہ پرست لیڈروں پرزبردست تنقید کی، اس نے اس نقطہ نظر کوشدید مذمت کا نشانہ بنایا کہ سامراجی جنگوں میں حصہ لیا جائے، ان کانگرسوں میں لینن نے بائیں بازو کے سوشل ڈیموکریٹوں سے کہا کہ وہ موقعہ پرستی کے خلاف زبردست جدوجہد کریں ــــ بالشویک پارٹی دنیا میں محنت کشوں کی واحد پارٹی تھی، جس نے پرولتاریہ کی

بین الاقوامیت کے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا___(1912ء-1914ء) میں لینن نے پارٹی پروگرام کا مسلسل دفاع کیا، خاص طور پر قومیتوں کے سوال پر جس کے مطابق قومیتوں کو آزادی اور خودمختاری کا حق دیا جانا چاہیے۔ لینن نے سامراج نواز پالیسیاں اختیار کرنے والے موقعہ پرستوں پر جو چھوٹی اقوام کو زیر تسلط رکھنا چاہتے تھے ان کی شدید مذمت کی۔ لینن نے نشاندہی کی کہ پرولتاریہ مقاصد کی عظمت یہی ہے کہ ان ملکوں میں جہاں سامراجیت ہے یا وہ ملک نیم نوآبادیاتی نظام میں رہ رہے ہیں وہاں کے محنت کش اس کے خلاف جدوجہد کریں۔



باب:35

پہلی عالمی جنگ اور روس میں زارشاہی کا خاتمہ

یورپ جنگ کے دہانے پر:

سامراجیت اور اس کے پھیلاؤ کے نتیجے میں کئی ممالک جو اس نو آبادیاتی نظام کو برقرار رکھنے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے میں مصروف تھے۔ ان کے درمیان صدی کے خاتمے تک مفادات کے حوالے سے تنازعات شدید تر ہو گئے اور عالمی کشیدگی اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئی۔ 1900ء میں یورپی طاقتیں بشمول جاپان اور امریکہ کے چین میں مداخلت کی مرتکب ہوئیں۔ 1904ء میں روس اور جاپان کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور اسی سال مراکش میں فرانس کے بڑھتے ہوئے تسلط کو روکنے کے خلاف جو مزاحمت جرمنی نے کی، اس سے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ آسٹریا ہنگری کا بوسنیا اور ہرزی گووینیا پر 1908ء میں قبضہ یورپ میں تنازعات میں شدت کا باعث بنا۔ 1911ء میں جرمنی اور فرانس کے درمیان مراکشی تنازعہ ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوا، جرمنی نے مراکش کے سمندر میں بحریہ بھیج دی جس کا مقصد فرانس کے سامنے طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا تا کہ فرانسیسی مراکش میں گھسنے سے باز رہیں۔ 1912ء-1913ء میں بلقان کی دو جنگوں سے یورپ ہل گیا۔ بڑی طاقتیں دو متحارب دشمن کیمپوں میں تقسیم ہو رہی تھیں۔ فوجوں کی صف بندی آخری مراحل پر پہنچ چکی تھیں۔ ایک طرف سہ فریقی اتحاد میں جس میں جرمن، آسٹریا ہنگری اور اٹلی تھے، دوسری طرف سہ فریقی خیر سگالی جس میں فرانس، برطانیہ اور روس تھے۔ دونوں کیمپ بڑی سرگرمی سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ اسلحہ کی دوڑ شدید تر ہو گئی اور سفارتی سطح پر دونوں اطراف سے کوششیں جاری تھیں کہ اپنے اپنے اتحادیوں میں اضافہ کیا جائے۔ جرمنی نے روس کو برطانیہ اور فرانس سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن فرانس اپنی ان کوششوں میں کامیاب رہا، جس سے اس نے اٹلی کو سہ فریقی اتحاد سے علیحدہ کر دیا۔

جنگ کا آغاز:

یکم اگست 1914ء کو پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا، جرمنی نے جنگ میں پہل کی، جرمنی کا حکمران طبقہ خاص طور پر فوج خواہش مند تھی کہ جلدی لڑائی شروع ہو جائے، اس وقت جرمنی کو عسکری لحاظ سے برتری حاصل تھی، اور ہو سکتا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس برتری کو برقرار نہ رکھ سکے اور اس کے اتحادیوں آسٹریا ہنگری نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا، جب آسٹریا کے آرک ڈیوک فرانس فیڈرنڈ کو سرائیوو جو بوسینیا کا دارالحکومت تھا وہاں اسے ایک سربیا کے محبِ وطن نے قتل کر دیا۔ اس سے بین الاقوامی کشیدگی میں مزید اضافہ ہوا، آسٹریا ہنگری نے سربیا کو جنگ کا الٹی میٹم دے دیا۔ 3 اگست کو جرمنی نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور چار اگست کو اس نے بلجیم پر حملہ کیا۔ جب بلجیم کی غیر جانبدارانہ حیثیت کو متاثر کیا گیا تو برطانیہ بھی جنگ میں کود پڑا، جرمن افواج نے بہت جلدی بلجیم کی مزاحمت کو ختم کرتے ہوئے فرانس پر ہلہ بول دیا ___ جرمن ہائی کمان نے جنرل ایلفر ڈ وون شیفون کی زیر قیادت جو جنگی منصوبہ بڑی احتیاط سے تیار کیا تھا۔ اس کے مطابق جنگ کا آغاز کیا۔ جنگی منصوبے میں یہ شامل تھا کہ چار سے چھ ہفتوں تک مغربی محاذ پر دشمن کا صفایا کر دیا جائے اور پھر تمام فوج مشرق محاذ پر صرف کی جائے اور اتنی ہی مدت میں یہاں کامیابی حاصل کی جائے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح دونوں محازوں پر یکے بعد دیگرے دباؤ بڑھایا جائے ___ پہلے پہلے تو ہر شے منصوبے کے مطابق ہو رہی تھی۔ جرمن افواج بلجیم سے گزرتی ہوئی بہت دور تک فرانس کے اندر چلی گئی اور ستمبر تک وہ پیرس پہنچ چکی تھیں۔ فرانس نے بورڈیویکسی (BOrdeaux) کو بڑی عجلت میں خالی کروالیا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ سب کچھ کھویا جا چکا ہے لیکن جب جرمن اپنی فتح کے جشن منانے کی تیاریاں کر رہے تھے ان کا نقشہ دھرم بھرم ہو گیا۔ اس وقت جب روس نے مختصر مدت میں اپنی افواج لڑائی کے لیے تیار کر کے محاذ جنگ پر بھیج دیں۔ اس کے لیے فرانسیسی حکومت نے اس سے درخواست کی تھی۔ فرانسیسی اعلیٰ کمان اس حملے سے بوکھلاہٹ کا شکار تھی۔ جب اگست کے آخر میں روسی افواج نے مشرقی پروشیا پر حملہ کر دیا اور آسٹریا ہنگری کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے 3 ستمبر کو لووف پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران جنرل جیفری کی زیر قیادت فرانسیسی افواج اور حملہ آور جرمن افواج کے درمیان 5-12 ستمبر مارنے کے مقام پر زبردست مقابلہ ہوا۔ روس کی پروشیا کی طرف پیش قدمی جرمنوں کے لیے باعث پریشانی تھی۔ جرمنی نے مشرقی محاذ پر کثیر تعداد میں فوج روانہ کر دی جس سے روس کو شکست ہوئی لیکن مارنے پر جرمن پوزیشن بہت زیادہ کمزور ہو گئی۔ اس سے نہ صرف فرانس سنبھلنے میں کامیاب ہوا، بلکہ فرانسیسی افواج نے جوابی حملہ کر دیا، جس سے جرمن مراجعت پر مجبور ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جرمن پیش قدمی روسی افواج کی مدد سے، فرانس میں روکی جا سکی۔ پیرس

محفوظ ہو گیا اور وون شیفیون منصوبہ بری طرح ناکام ہو گیا، اب یہ واضح ہو گیا تھا کہ جنگ طویل ہو گی۔ محاذوں پر فوجی حصار قائم ہو گئے اور مورچہ بند لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ وہ جنگ تھی جس کو جیتنے کے لیے عظیم فوجی قوت اور سرمائے کی ضرورت تھی۔

دوسری انٹرنیشنل کا خاتمہ:

جنگ سے بین الاقوامی محنت کش تحریک کو سخت نقصان پہنچا، دوسری انٹرنیشنل اور دنیا کے مختلف حصوں میں کئی سوشلسٹ پارٹیاں ایک طویل عرصہ سے جنگ کو ٹالے ہوئے تھیں لیکن محنت کش طبقہ اتنا طاقتور نہیں تھا کہ وہ بورژوازی کو جنگ میں ملوث ہونے سے باز رکھ سکتا، رجعت پرست افواج فوج مخالف پرولتاریہ لیڈروں کو کچلنے میں بے رحمی کا مظاہرہ کرتیں، فرانسیسی سوشلسٹ لیڈر (Jean Jaures) ژاں ژیورس کو 31 جولائی 1914ء کو جنگ دشمن سرگرمیوں میں حصہ لینے کی پاداش میں دھوکے ساتھ قتل کر دیا۔ محنت کش طبقے کی تحریک کی کمزوری کا بنیادی پہلو یہ تھا کہ، اکثریتی سوشلسٹ پارٹیوں میں موقع پرست عناصر فیصلہ کن کردار ادا کر رہے تھے، اور ساتھ میں دوسری انٹرنیشنل میں بھی یہی صورتحال تھی۔ 4 اگست 1914ء کو انٹرنیشنل کی سب سے مضبوط پارٹی جرمن سوشل ڈیموکریٹ نے حکومت کی جنگجویانہ پالیسی کی حمایت کی، جبکہ اس سے پہلے اس کے برعکس موقف اختیار کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنا موقف بدل کر دوسری انٹرنیشنل کے اصولوں کی خلاف ورزی کی، اور خود کو قومی بورژوازی اور عسکریت سے منسلک کر لیا، فرانسیسی، بلجیم اور آسٹریائی سوشلسٹوں اور روس کے مینشویکوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ انٹرنیشنل سوشلسٹ بیورو، جو انٹرنیشنل کی قیادت تھی، بے بس ثابت ہوئی اور اس بحران کے دور میں اس کی سرگرمیاں بند ہو گئیں۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر دوسری انٹرنیشنل کا خاتمہ ہو گیا، بڑی پارٹیوں نے ان فیصلوں کی خلاف ورزی کی، جو وہ پہلے کر چکی تھیں۔ انٹرنیشنل تین ایک دوسرے کے مخالف گروپوں میں تقسیم ہو گئی۔ جرمن بلاک کے سوشلسٹ، معاہدہ خیر سگالی کے سوشلسٹ اور غیر جانبدار ملکوں کے سوشلسٹ جنگ کے خلاف بالشویکوں کی جدوجہد، تاکہ اس بحران سے انقلابی نتائج حاصل کیے جا سکیں۔ بالشویک صرف واحد پارٹی تھی جو پرولتاری بین الاقوامیت کے ساتھ مخلص رہی، ڈوما کے 5 بالشویکی اراکین جنہوں نے اجلاس میں جنگ کی مخالفت کی، انہیں گرفتار کر لیا گیا اور جلاوطن کر دیا گیا۔ ستمبر 1914ء کو اس وقت لینن سوئیٹزرلینڈ میں تھا، اس نے جنگ کی حالت میں انقلابی جدوجہد کے نئے پروگرام کا اعلان کیا۔ وہ پہلا سوشلسٹ تھا جس نے جنگ کو سامراجی جنگ قرار دیا، اور اس نے کہا کہ دوسری انٹرنیشنل کے راہنماؤں نے جنگ کے متعلق اپنے غلط موقف پیش کر کے محنت کش طبقہ کے مفاد سے غداری کی ہے، اس وقت ہر ایک دیانتدار مخلص سوشلسٹ جو سوال کر رہا تھا کہ کیا کیا جائے اور کونسا راستہ منتخب کیا جائے، اس کا اس نے جواب دیا۔

جنگ عام آدمی کی زندگی کے لیے سختیاں اور مصائب لے کر آئی، امیر امیر تر ہو رہے تھے اور غریبوں کی حالت روز بروز مخدوش ہو رہی تھی۔ لینن اور اس کے بالشویک ساتھی یہ سمجھ رہے تھے کہ لوگ اس صورتحال سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور امن کے خواہشمند ہیں، لیکن یہ امن کس قسم کا ہونا چاہیے؟ سامراجی قوتوں کے درمیان امن؟ لینن اس صورتحال کو ناپسند کرتا تھا کہ دشمنیوں اور مخالفتوں کو عارضی طور پر ملتوی کر دیا جائے تا کہ بالائی اور حکمران طبقے کو یہ موقع ملتا رہے کہ وہ استحصال زدہ طبقات کا مزید استحصال کریں او رتمام قربانیاں رائیگاں جائیں ___ لازوال امن کے لیے اور مزید جنگوں کو ناممکن بنانے کے لیے، اور ان جنگوں کے بار بار رو پذیر ہونے کے خطرے کو کم کرنے کے لیے جنگ کی بنیادی وجہ کو ختم کرنا ہوگا، یعنی سامراجیت کا تختہ الٹ دینا چاہیے، کیا یہ ممکن ہے؟ یا واقعی ایک خیالی خواب ہے، لینن کے کئی ایک مخالفوں کا یہی خیال تھا، وہ سوشلسٹ جو سامراجی مقاصد کی تکمیل کر رہے تھے، وہ یہ کہہ رہے تھے کہ قومی بورژوازی سے اتحاد کیا جائے لیکن لینن نے کہا کہ سامراجی جنگ انقلاب کے لیے انتہائی سازگار حالات فراہم کر رہی ہے کیونکہ اس جنگ سے لوگوں کے حالات زندگی موثر طور پر خراب ہو رہے ہیں اور غریب بھوک اور مفلسی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے کئی ایک بڑے یورپی ملکوں میں سخت بحران اٹھ رہے ہیں، جوں جوں جنگ جاری رہے گی، یہ بحران شدید سے شدید تر ہونے جائیں گے اور عوام میں اس سے انقلابی جذبہ بڑھے گا۔ یہ بحران کس طرح حل ہونا چاہیے اور پرولتاریہ کے طبقاتی شعور کے لیے اسے کیسے استعمال کیا جانا چاہیے؟ لینن نے ان سوالوں کا جواب دیا ہے۔ حکمران طبقے نے یہ ضروری محسوس کیا ہے کہ عوام کو مسلح کیا جائے، انہوں نے کسانوں اور مزدوروں کو رائفلیں دی ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں، لیکن ان رائفلوں کا رخ سرمایہ داروں، جاگیرداروں کی طرف موڑ دینا چاہیے، اور سامراجی قوتوں کی طرف ___ چنانچہ لینن نے جنگ کے دوران یہ اہم نعرے دیئے۔ ''سامراجی جنگ کو خانہ جنگی میں بدل دینا چاہیے'' دیگر الفاظ میں جنگ سامراجیت کا تختہ الٹنے سے بند ہو جائے گی۔

سوشلسٹ انقلاب کے متعلق لینن کا نظریہ

یہ بالکل قدرتی امر تھا کہ جنگ کے سالوں میں، جب لینن روسی محنت کشوں اور دوسرے ممالک کے عوام سے کہہ رہا تھا کہ جنگ کو انقلابی جنگ میں بدل دیا جائے، لینن نے سوشلسٹ انقلاب کے بنیادی اصول پیش کیے۔ جنگ کے دنوں میں اس نے انتہائی اہم فکری کام کیے۔ ''سامراجیت، سرمایہ داری کی ترقی یافتہ شکل۔''؛ ''پرولتاریہ انقلاب کے لیے فوجی پروگرام'' اس میں سرمایہ داری اور سامراجیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی۔ اس نے نئے تاریخی حالات میں پرولتاریہ کو نئی حکمت عملیاں ترتیب دینے کے لیے کہا ہے۔ اس نے محنت کشوں کو مارکس اور اینگلز کے بتائے ہوئے راستوں پر عمل کرنے کو کہا

ہے اور سامراجیت کے عروج کے زمانے میں سوشلسٹ انقلاب برپا کرنے کی تھیوری پیش کی ہے ــــــ لینن نے بنیادی نوعیت کے دو اہم اصول دریافت کیے۔ پہلا یہ تھا کہ سوشلسٹ انقلاب دنیا کے مختلف حصوں میں ایک ساتھ برپا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اپنی معاشی ترقی کے لحاظ سے مختلف مدراج میں ہیں، سوشلزم فتح پہلے پہل صرف چند یا صرف ایک ملک میں ممکن ہے۔ دوسرا نیا اصول، کہ پرولتاریہ کو سامراجیت کے خلاف جدوجہد میں نئے اتحادی تلاش کرنے چاہیں۔ کسان، یہ پہلے ہی مزدوروں کے اتحادی ہیں۔ ان کو ساتھ ملانا، اور استحصال زدہ عوام جو نوآبادیاتی ملکوں میں رہتے ہیں، اور سامراج دشمن کو، ساتھ ملانا۔ محنت کش طبقے کی سامراجیت کے خلاف جدوجہد کو، سامراجیت کے خلاف استحصال زدہ کالونیاتی ملکوں کی قومی آزادی کی تحریکوں سے مطابقت رکھنی چاہیے، سامراج دشمن قوتوں کو ساتھ ملاتے ہوئے مجموعی جدوجہد کرنا ان علمی نظریات کی انتہائی اہم عملی اہمیت تھی، جس سے محنت کش طبقے کی انقلابی جدوجہد کے لیے نئے راستے کھل گئے۔

جنگ کے دائرے میں مزید وسعت:

1914ء میں سامراجی جنگ جو یورپی تنازعہ کی صورت میں شروع ہوئی تھی جلد ہی ایک علامتی جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ جنگ میں شریک ملکوں میں تیزی سے اضافہ ہوا، بلغاریہ اور ترکی جرمنی کے طرفدار ہو گئے۔ زیادہ سے زیادہ ملکوں نے خود کو معاہدہ خیر سگالی (اتحادی) کے ساتھ وابستہ کرنا شروع کر دیا۔ تمام براعظم جنگ میں ملوث ہو گئے، دونوں اطراف سے زبردست جنگ جاری تھی، زمین کے ہر ایک گز کے لیے بے پناہ انسانی جانیں ضائع ہو رہی تھیں اور گولہ بارود کا اندھا دھند استعمال کیا جا رہا تھا۔ 1916ء میں وردھون کی لڑائی کئی ماہ کی مسلسل جنگ کے بعد جس کے نتیجے میں دونوں اطراف سے زبردست جانی اور مالی نقصان ہوا، بغیر کسی فیصلے کے ختم ہو گئی۔ 1915ء میں جرمنوں نے مشرقی محاذوں پر کئی ایک زبردست کامیابیاں حاصل کیں لیکن وہ روس کو جنگ سے نکال باہر کرنے میں کامیاب رہا، جوں جوں جنگ کا دائرہ پھیلتا گیا، یہ نظر آنے لگا کہ جنگ کا فیصلہ معاشی طور پر مستحکم اور طاقتور کے حق میں ہوگا۔ کئی ایک عارضی فتوحات کے باوجود جرمنی کی شکست وقت کا سب سے اہم سوال تھا۔ جنگ نے پیداواری قوتوں کو زبردست نقصان پہنچایا، ایک کروڑ انسان لقمہ اجل بنے اور 2 کروڑ زخمی ہوئے۔ جنگ میں شریک ملکوں کی صنعت صرف جنگ ہی سے وابستہ ہو کر رہ گئی۔ انسانی ضروریات کی اشیاء کی شدید قلت ہو گئی۔ کھانے پینے کی اشیاء اور کپڑے کا بھاؤ چڑھ گیا اور کئی ملکوں کے عوام زبردست بھوک، افلاس اور غربت کا شکار ہو گئے۔

بڑھتے ہوئے انقلابی بحران:

اجارہ داری، بینکار، سٹہ باز، جنگ کے نتیجے میں مالا مال ہوئے، اسلحہ کی پیداوار، کھانے، فوجی وردیوں کی سپلائی، ان کے لیے وسیع منافع کا باعث بنی جبکہ بورژوازی جنگ کے نتیجے میں خوشحال ہو رہی تھی، اس دوران ان تمام ملکوں میں جو جنگ میں شریک رہے تھے، ان کے عوام زبردست غربت اور مخدوش حالات زندگی کا شکار ہو گئے، 1905ء کے شروع میں جو لوگ جنگ کا شکار ہو گئے تھے، ان میں وطن پرستی کے جذبات ابھرنے لگے۔ 1914ء کے آخر میں کارل لائبک نشٹے نے واضح طور پر جنگ کی مذمت کی، ریشتاگ میں واحد سوشل ڈیموکریٹ رکن تھا جس نے جنگ کی منظوری کے خلاف ووٹ دیا۔ وہ اور روزا لکسمبرگ سوشل ڈیموکریٹ پارٹی میں انقلابی بین الاقوامیتیوں کے گروپ کی قیادت کرتے تھے، انہوں نے بڑی جرات کے ساتھ جنگ کے خلاف مہم جاری رکھی، یہ اپنے آپ کو (Spartacus) سپارٹکس گروپ کہتے تھے، یہ جرمنی میں جنگ کے حامیوں کی بھی مذمت کرتے، بلغاریہ میں جنگ کی مخالفت کا اظہار ویسل کارلوف، ڈیمڑ بالگوف اور جارجی ڈیمڑوف نے کیا تاہم بائیں بازو کے بین الاقوامیت پسندوں نے تمام ملکوں میں کی جدوجہد میں شدید اضافہ کر دیا۔

بین الاقوامی بائیں بازو کے اتحاد کے لیے بالشویکوں کی جدوجہد:

عوام کی صفوں میں بائیں بازوں کی طرف جھکاؤ، کئی ایک موقع پرست نام نہاد مرکزی عناصر، سوشل ڈیموکریٹک پارٹیوں کی صفوں میں اور زیادہ متحرک ہو گئے۔ "Centreism" ان لوگوں کی بدنما شکل ہے جو موقع پرستی کی آڑ میں خود کو انقلابی کا بہروپ دیئے رکھتے ہیں۔ جنگ کے زمانے کا سب سے بڑا مرکزیت پسند "Centralist" کاٹوسکی تھا۔ (جرمن) انگلستان میں میکڈونلڈ، فرانس میں لانگیسٹ، مارٹوف اور ٹروٹسکی روس میں ___ کئی ایک جن کے ایمان ڈگمگائے ہوئے تھے اور حکمران طبقات کی پالیسیوں سے غیر مطمئن تھے۔ وہ انقلابی شعور کی سطح تک نہیں پہنچتے تھے اس لیے مرکزیت پسندوں کا ساتھ دے رہے تھے ___ ستمبر 1915ء کو سوشلسٹوں کی پہلی بین الاقوامی کانفرنس نے، سامراجی جنگ کی اور سوشلسٹ پارٹیوں کی سرکاری اور متعصبانہ پالیسیوں کی مخالفت کی، یہ کانفرنس سوئیزرلینڈ کے ایک گاؤں زمبروالڈ میں ہوئی۔ شریک وفود جن میں مرکزیت پسند، سوشلسٹ جو مرکزیت پسندانہ رویہ رکھتے تھے اور بائیں بازوں کے بین الاقوامی جن میں لینن بھی شامل تھا کانفرنس میں شریک ہوئے، کیونکہ یہ سوشلسٹ متعصب قیادت میں پہلا شگاف تھی اس کا واضح مقصد یہ تھا کہ تمام سوشلسٹ بین الاقوامیوں کو متحد کیا جائے۔ اس سلسلے میں اسے جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کانفرنس کے نتیجے میں زمروالڈ بائیں بازو

ابھرا، بین الاقوامیوں کا ڈھیلا ڈھالا اتحاد جنگ دشمن سوشلسٹ اور ایک ایسا رحم ___ جس میں سے تیسری انٹرنیشنل پیدا ہوئی ___ اپریل 1916ء میں زمروالڈ انٹرنیشنل سوشلسٹ کمیٹی نے سوئٹزلینڈ کے قصبے کینتھال میں کانفرنس منعقد کی۔ اس میں لینن کی انتھک کوششوں کا شکرگزار ہونا پڑے گا جس میں اس نے لیفٹ انٹرنیشنل کو متحد کیا ___ زمروالڈ بایاں بازوں اپنی سابقہ میٹنگ کے لحاظ سے زیادہ مضبوط تھا اور جو فیصلے اس اجلاس میں کیے گئے نظریاتی نقطہ نظر سے وہ اہم اقدامات تھے۔

نوآبادیوں پر جنگ کے اثرات:

جنگ نے تمام نوآبادیوں اور دست نگر یا ماتحت ملکوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ سامراجی قوتوں نے نوآبادیوں اور ماتحت ملکوں کو جنگ میں اپنے دشمن کے خلاف استعمال کیا۔ افریقہ اور ہندوستان میں مغربی محاذ پر لڑنے کے لیے فوجیوں کی جبری بھرتی کی گئی اور ہزاروں ویت نامیوں کو فرانس منتقل کیا گیا تاکہ وہ محاذ جنگ کے پیچھے مورچے کھود سکیں۔ سمندروں میں جنگ، خاص طور پر جرمن آبدوزوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے، ایشیاء اور افریقہ کے کئی شہروں اور ملکوں کے درمیان بحری تجارتی رابطے بری طرح متاثر ہوئے، اس کے ساتھ یورپی ملکوں کی تجارتی بھی بے حد متاثر ہوئی۔ یورپی ممالک اپنا تیار شدہ مال کالونیوں کو برآمد نہ کر سکے، جو وہ پہلے کیا کرتے تھے۔ اس صورتحال سے جاپان اور امریکہ نے بھرپور فائدہ حاصل کیا اور ان یورپی نوآبادیوں اور ایشیاء میں برآمدات میں اضافہ ہوا، علاوہ اس کے کہ جاپان کا اقتصادی اور سیاسی اثر ورسوخ چین میں بڑھا بلکہ سیام، انڈونیشیا اور فلپائن میں جاپان کا اثر ورسوخ بڑی تیزی سے پھیلا۔ دوران جنگ ترکی جس نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا۔ اس کا مکمل انحصار جرمن پر تھا، ایران جس نے اپنے غیر جانبدار ہونے کا اعلان کیا تھا، دونوں مخالف کیمپوں کے درمیان پھنس کر رہ گیا۔ جرمنی نے ایران کے برطانیہ کے ساتھ تضادات کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ایران کے اندر شاہ کے مخالفوں کو مدد فراہم کرنا شروع کردی اور تخریب کاری کا آغاز کیا تاکہ برطانیہ کو ایرانی تیل کی ترسیل سے روکا جا سکے۔ ایران روسی فوج اور ترکی جرمن افواج کے درمیان جنگ کی آماجگاہ بن گیا۔ جنگ کے دوران برطانیہ اور روس کی کوشش تھی کہ ایران دونوں ملکوں پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرتا رہے۔ جنگ کے حالات نے افریقہ اور ایشیاء کے عوام کے حالات زندگی مخدوش کردیئے۔ زراعت کی پیداوار کے لیے منڈی میں تخفیف، کسانوں کے لیے نقصان کے لیے باعث تھی۔ دیہاتوں اور قصبوں میں اشیاء صرف کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ اسی دوران ان ملکوں کی قومی بورژوازی نے محسوس کیا کہ جاپان اور امریکی مال کی ان منڈیوں میں کھپت بڑھ رہی ہے۔ یورپی ملکوں نے ان ملکوں میں ہلکی صنعت کی اجازت

دے دے اور حوصلہ افزائی کی جو کہ مقامی افراد لگا رہے تھے، ایشیاء کے اکثریتی ممالک میں حالات زندگی میں بڑھتی ہوئی ابتری سے کئی ملکوں میں کسانوں کی بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں، بعض مقامات پر ان کی نوعیت مذہبی صورت اختیار کر گئی، قومی آزادی کی تحریکوں میں ایک اہم رول قومی بورژوازی نے ادا کیا جس نے حکومت میں اپنی شمولیت اور تجارتی مواقع فراہم کرنے کے مطالبے کیے، انڈین نیشنل کانگرس نے اپنے لکھنو اجلاس میں فوری طور پر اندرونی طور پر ایک خودمختار حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اعلیٰ فوجی عہدوں پر ہندوستانیوں کو مقرر کیا جائے، کسٹم میں خودمختاری اور ریاستی مالیات پر ول، ان مطالبات کی حمایت مسلم لیگ نے بھی، جس کا اجلاس اس وقت لکھنو میں ہو رہا تھا۔ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہوم رول لیگ قائم کی گئی۔ انڈونیشیاء میں جنگ کے دنوں میں یونین آف اسلام قائم ہوئی جو بعد میں عوامی تنظیم بن گئی۔ اس میں طفیلی بورژوازی کے ترقی پسند حلقوں نے اہم رول ادا کیا جن کا تعلق سوشل ڈیموکریٹک یونین سے تھا۔ 1916ء میں اور خاص طور پر اکتوبر 1917ء میں یونین آف اسلام نے ہالینڈ سامراجیت پر سخت تنقید کی۔ 1917ء میں کانگرس نے سرمایہ داری کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ جنگ کے دنوں میں کئی ایک ٹریڈ یونین پیدا ہو گئیں اور محنت کشوں کے مطالبات میں شدت آ گئی جو بہتر سہولیات زندگی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ فلپائن میں بورژوازی اور اعتدال پسند جاگیردار جن کی قوت میں جنگ کے دنوں میں اضافہ ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی آزادی کے لیے پرزور مطالبات شروع کر دیئے ان کی حمایت محنت کش لوگ کر رہے تھے، فرانسیسی ہند چینی میں معاشرے کی ہر ایک پرت میں بے اطمینانی بڑھنے لگی۔ جبری بھرتی اور سرکاری ٹیکسوں میں اضافہ کسانوں میں نفرت کا باعث بنا۔ یہ نفرت بعض مقامات پر مسلح جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ 1916ء میں کسانوں کی ایک فوج نے سائیگان کی طرف مارچ شروع کر دیا، اس مقصد کے لیے کہ شہر پر قبضہ کیا جا سکے، مختصر مدت کے لیے انہوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور جیل خانہ تباہ کر دیا۔ کئی ایک اضلاع میں بھرتی شدہ ریکروٹوں کو کسانوں نے زبردستی آزاد کروا لیا۔ کئی ایک جاگیرداروں نے کھلم کھلا اپنے عدم اطمینان کا اظہار شروع کر دیا۔ نوجوان بادشاہ دھائی تان نے ہو میں ایک سازش تیار کی جس کا مقصد فرانسیسی افواج کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا تھا لیکن کئی ایک جاگیردار اس کی حمایت نہیں کر رہے تھے۔ اس بغاوت کا عوام سے بھی کوئی تعلق نہیں قائم ہو سکا۔ بغاوت کچل دی گئی اور بادشاہ کو قیدی بنا لیا گیا اور اسے جزیرہ کنکارڈ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ ایک کٹھ پتلی بادشاہ جو سامراجیت سے وفادار تھا اسے تخت نشین کر دیا گیا اگر چہ عوام کی طرف سے بغاوتوں کا سلسلہ جاری تھا، لیکن ان میں ضروری تنظیم اور قیادت کا فقدان تھا، سامراجیت نوآبادیوں پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے اور چالیں چل رہی تھی اور قومی آزادی کی تحریکوں اور انقلابی جدوجہد کو ناکام کرنے کے

ہر ممکن طریقے اختیار کر رہی تھی۔ سامراجیت نے قومی بورژوازی اور خوشحال طبقات سے امداد حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ 1916ء میں امریکی کانگرس نے جانزلڈ منظور کیا، جس کے مطابق فلپائن کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ حکومت میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا اور مستقبل قریب میں ایک خود مختار حکومت دینے کا وعدہ بھی کیا ــــــ ہندوستانی معاملات کے برطانوی وزیر نے دارالعلوم میں ایک اعلامیہ پیش کیا، جسے مونٹیگو ڈیکلریشن کہتے ہیں، جس میں ہندوستانیوں کو بتدریج خود مختاری دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اسی دوران ایسا ہی وعدہ ہندوستان میں وائسرائے لارڈ چیلمسفورڈ نے 1916ء میں کیا۔ انڈونیشیاء میں بھی ایک نمائندہ کونسل بنانے کا وعدہ کیا گیا ــــــ عرب ملکوں میں بھی اس قسم کے کئی ایک اقدامات کیے گئے انگلستان نے سلطنت عثمانیہ کو ہر ممکن ناکام کرنے کی کوشش کی۔ 1916ء میں مصر میں برطانوی ہائی کمشنر جو برطانیہ کا مصر میں محافظ قرار دیا جا چکا تھا۔ ترکی کی جنگ میں شمولیت کے فوراً بعد اس نے مکہ کے بادشاہ حسین سے وعدہ کیا کہ اس کی حکومت عربوں کے ہاشمی خاندان کی زیر قیادت کی حمایت کرے گی۔ حسین نے ترکی کے خلاف ''مقدس جنگ'' کا اعلان کر دیا۔ عربوں کی افواج کی قیادت حسین کے بیٹے امیر فیصل کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی مدد اور معاونت برطانوی ایجنٹ لارنس آف عریبیہ کر رہا تھا۔ اس دوران اتحادی فوجیں سلطنت عثمانیہ کو باہمی طور پر تقسیم کرنے کے سلسلے میں خفیہ بات چیت میں مصروف تھیں ــــــ کئی ایک افریقی ملکوں میں سامراج دشمن تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جنوبی صحارا میں دونوں متحارب گروپوں کے درمیان جنگ جاری تھی۔ افریقہ میں تمام جرمن نوآبادیاں سوائے مشرقی افریقہ کے، فرانس اور برطانیہ کے ہاتھ میں چلی گئیں، افریقیوں کو جنگ میں جبری طور پر بھرتی کیا گیا اور انہیں جنگی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ مقامی آبادی اس جبر کے خلاف گھروں سے بھاگ گئی۔ دھامی اور ایوری کاسٹ میں مسلح مزاحمت ہوئی۔ انگریز کاشتکاروں کے خلاف نائیلینڈ میں زبردست تصادم ہوئے۔ یونین آف ساؤتھ افریقہ میں ایک زبردست ہڑتال ہوئی۔ 1917ء میں افریقی مزدوروں نے اپنی پہلی کانفرنس منعقد کی، جس میں انڈسٹریل ورکرز لیگ بنانے کا اعلان کیا گیا۔ اس تحریک نے برطانوی اور افریقیوں کے درمیان نسلی امتیاز کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔

روس میں انقلاب کی اٹھتی ہوئی لہر:

جوں جوں جنگ طویل ہوتی گئی یورپ کے کئی ملکوں کا معاشی بدحالی کا زمانہ قریب آنے لگا۔ کھانے پینے کی اشیاء کی قلت ہونے لگی، اور عام آدمی کے حالات زندگی روز بروز بگڑنے لگے۔ بورژوازی نے جنگ سے جو بے تحاشا منافع کمایا، اس سے عام آدمی کو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ گئی کہ

سامراجی جنگ کی اصلیت کیا ہے۔ وہ ملک جو شریک جنگ کے تھے وہاں پولیس کا عوام کے ساتھ طرز عمل محنت کشوں پر اکثریت کے غلبے کے خلاف عوامی تحریکیں اٹھنے لگیں جن کا رخ سرمایہ داریت کی طرف تھا اور یہ تحریکیں روز بروز زور پکڑنے لگیں۔ جنگ کے دوسرے سال میں جرمنی کی سڑکوں پر زبردست ہنگامے ہوئے۔ فرانس اور انگلستان میں ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ 1916ء کے موسم بہار میں آئرلینڈ میں برطانوی راج کے خلاف بغاوت ہوئی، جو برطانوی افواج کے ذریعے کچل دی گئی ــــــ زارروس جس کی افواج دیگر شریک جنگ ممالک کے لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ معیشت سے وابستہ رہی تھی، ان کی معاشی حالت بری تھی اور کھانے کی ضروری اشیاء کی قلت جیسے مسئلہ کا شکار تھی، یہاں تک کہ فوج کو بھی اسلحہ کی ترسیل میں قلت کا سامنا تھا۔ جون 1916ء میں روسیوں نے جنرل بروسیوف کی قیادت میں ایک نیا حملہ کیا اور آسٹریائی محاذ پر پیش قدمی کی۔ آسٹریا ہنگری افواج کو تباہ و برباد کر دیا۔ کایسیا اور بکووینا پر قبضہ کر لیا تاہم یہ اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ سکے اور فیصلہ کن لڑائی میں روسی توپخانے کے پاس گولوں کی قلت تھی ــــــ فوجیوں کا راشن بتدریج کم ہوتا رہا۔ روسی فوجی بھوک کا شکار ہو رہے تھے۔ فوجی ترسیل کے نظام میں بدعنوانیاں بڑھتی گئیں۔ اس طرح کی افواہیں فوج میں بے اطمینانی پیدا کر رہی تھیں اور کارکردگی متاثر ہو رہی تھی۔ اس دوران فاقہ زدہ عورتیں بھوک سے نڈھال ہو کر گھروں سے باہر نکل آئیں، انہوں نے روٹی کی دکانوں کے سامنے مظاہرے کیے اور جنگ کے خلاف نعرے لگائے۔ ہڑتالی تحریک سیاسی رنگ اختیار کرنے لگی۔ 1916ء میں ''خونی اتوار'' کی یاد منانے کے سلسلے میں پیٹرز برگ کے محنت کشوں نے ایک زبردست مظاہرہ کیا۔ وہ سڑکوں پر انقلابی گیت گاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ انہوں نے بینر اٹھائے ہوئے تھے جن پر جنگ مردہ باد لکھا ہوا تھا۔ دیہاتوں میں کسانوں میں بے چینی بڑھ رہی تھی۔ وزیر داخلہ نے زار کو آگاہ کیا کہ ''پورا ملک 1905ء کے جذبے کی لپیٹ میں ہے'' 1916ء کے موسم سرما میں وسطی ایشیاء اور قازقستان کے محنت کشوں نے زارشاہی کے خلاف بغاوت کر دی ــــــ جنگ میں ناکامیابی اور اٹھتی ہوئی انقلابی لہریں سرمایہ دارانہ جاگیردار طبقے میں انتشار کا باعث بن رہی تھیں۔ ڈوما میں جاگیردار بورژوازی طبقے نے ایک نام نہاد پروگ لیو بلاک بنالیا اور مطالبہ کیا کہ ایک ذمہ دار اور اہل حکومت قائم کی جائے جسے عوام کا اعتماد حاصل ہو اور وہ اس قابل ہو کہ ملک میں انقلابی تحریک کو کچل سکے اور جنگ میں فتح مند ہو تاہم حکمرانوں نے ڈوما کے مطالبات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور نکولس دوم کی بیوی جو جرمن تھی، اس نے کہا کہ یہ لوگ خوامخواہ حکومتی معاملات میں مداخلت کر رہے ہیں۔ جبکہ ان کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ زارشاہی کی کمزوریوں کا اظہار ہر روز بدلتی ہوئی وزارتوں سے ہو رہا تھا۔ جنگ کے پہلے دو سالوں میں چار وزرائے اعظم اور چھ وزیر داخلہ یکے بعد دیگرے بنائے گئے یہاں تک کہ یہ وزراء بھی کٹھ پتلی تھے،

شاہی حلقوں میں پس پردہ سب سے اہم فرد گریگوری راسپوٹین تھا جو ملکہ کا انتہائی پسندیدہ شخص تھا۔ ایک جاہل نیم پڑھا لکھا، سائبیریا کا کسان، بڑی مکاری سے مافوق الفطرت اور پراسرار شخصیت کا روپ دھرے ولی بنا ہوا تھا، اور خود کو "روشن ضمیر" کہتا تھا۔ یہ ملکہ کے ذریعہ بادشاہ کو زیر اثر رکھتا تھا۔ راسپوٹین آزادانہ طور پر ریاستی معاملات میں مداخلت کرتا، یہاں تک کہ زار کی حکمت عملیوں کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا۔ 1916ء کے آخر تک زار شاہی کے زیادہ سے زیادہ پیروکار یہ چاہ رہے تھے کہ زار کو علیحدہ کر دیا جائے۔ انہوں نے اس کا آغاز راسپوٹین کے قتل سے کیا تاکہ زار کو اپنی پالیسیاں تبدیل کرنے پر مجبور کیا جا سکے، اور ایسی پالیسیاں اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے جو بورژوازی اور جاگیرداروں کے مفاد میں ہوں۔ راسپوٹین کا قتل ہوا لیکن زار کی پالیسیاں تبدیل نہ ہو سکیں۔

شہنشاہیت کا خاتمہ:

1917ء کے شروع میں عوام میں بے چینی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی، غربت اور افلاس کے زمانے میں سخت سردیوں سے مقابلہ مشکل ہو رہا تھا۔ دارالحکومت میں ایندھن کی قلت ہو گئی اور کھانے کی ترسیل انتہائی سست رو تھی۔ فروری میں پیٹروگراڈ جیسے بڑے شہر کے لاکھوں شہریوں کے پاس صرف دس دن کا کھانا رہ گیا تھا اور تین دن کا گھی تھا، روٹی کی دکانوں کے باہر طویل قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ 1905ء کی انقلابی روایات کے وفادار پیٹروگراڈ کے محنت کشوں نے زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا۔ جنوری 1917ء کو "خونی اتوار" کی بارہویں سالگرہ کے موقع پر ڈیڑھ لاکھ محنت کش ہڑتال پر چلے گئے۔ 3 مارچ کو پیوٹی لوف کے مزدوروں نے جو شہر کی ایک بڑی فیکٹری تھی، ہڑتال کر دی۔ انتظامیہ نے تالا بندی کا حکم دیا، محنت کش سڑکوں پر آ گئے جہاں عورتیں بھی جلوس میں شامل ہو گئیں جو روٹی لینے کے لیے قطاروں میں کھڑی تھیں، دیگر فیکٹریوں کے مزدور بھی ان کے ساتھ آن ملے۔ 8 مارچ کو 90 ہزار محنت کش ہڑتال پر چلے گئے اور 2 روز کے بعد عام ہڑتال ہوئی جس میں ڈھائی لاکھ محنت کشوں نے حصہ لیا، گلیوں میں پیٹروگراڈ کی بالشویک کمیٹی کی طرف سے جاری کردہ اشتہار لگے ہوئے تھے "زار شاہی مردہ باد"، "جنگ مردہ باد"، "دنیا بھر کے محنت کشوں کی عالمی اخوت زندہ باد"، زار کے فوجی جرنیلوں نے جلوس اور مظاہروں کو روکنے کے لیے فوجی دستے بھیجے، جن کو عورتوں نے گھیر لیا، اور کہا کہ وہ گولی نہ چلائیں۔ فوجی ہچکچا رہے تھے، جب ایک پولیس افسر نے حکم دیا کہ گولی چلائی جائے تو ایک کوسک تلوار لہراتا ہوا اس پر ٹوٹ پڑا۔ 11 مارچ کو دارالحکومت میں کئی جگہوں پر لڑائی ہوتی رہی، نکولس اس وقت موگی لیو کے مقام پر جنرل ہیڈکوارٹر کے قریب رہائش پذیر تھا۔ میخائل روڈزنکو جو ڈوما کا چیئرمین تھا، زار کو ٹیلی گرام پر ٹیلی گرام دے

رہا تھا کہ وہ واپس آ کر نئی حکومت بنائے جس پر عوام کو اعتماد ہو لیکن نکولس نے ان سب کو نظر انداز کر دیا۔ نکولس نے اپنی ملکہ سے کہا "روڈزنکو مجھے لغویات لکھ رہا ہے" 12 مارچ کی صبح کو وہ لیسنکی رجمنٹ کے کیڈٹوں نے بغاوت کر کے اپنے کمانڈر کو قتل کر دیا، اور گلیوں میں محنت کشوں سے آن ملے، اس کے بعد شہر کی فوجی چھاؤنیوں میں کئی ایک رجمنٹوں نے بغاوت کر دی، اور انقلابیوں کی حمایت میں آ گئے۔ انہوں نے 40 ہزار رائفلوں پر قبضہ کر لیا، پولیس ہیڈ کوارٹر اور عدالتوں پر زبردست فائرنگ ہوئی، باغی فوجیوں اور محنت کشوں نے جیلیں توڑ دیں اور سیاسی قیدیوں کو رہا کروالیا۔ ریاستی محافظ غیر مسلح کر دیئے گئے۔ زار کے وزیروں اور جرنیلوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ "فوری طور پر اقدامات کرنے چاہئیں کل بہت دیر ہو جائے گی" راڈزنکو نے زار کو تار دی۔ نکولس نے حکم دیا کہ ڈوما معطل کر دی جائے۔ 12 مارچ کی شام کو پیٹروگراڈ باغیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ روسی کیلنڈر کے مطابق (27 فروری) اور اس دوسرے انقلاب کو روس میں اسے فروری انقلاب کہتے ہیں۔ جب پیٹروگراڈ انقلاب کی لپیٹ میں تھا خوفزدہ بورژوازی کے لیڈروں نے ایک عبوری کمیٹی بنائی، اسی دن (12 مارچ) پیٹروگراڈ کے محنت کشوں کی سوویت اور سپاہیوں کے نمائندے تشکیل دیئے گئے اور اس نے اپنا اجلاس منعقد کیا، اگلے روز ڈوما کمیٹی نے کہا کہ یہ حکومت پر قبضہ ہے، 15 مارچ کو ایک عبوری حکومت قائم کی گئی، ان میں وزراء کی زیادہ تعداد بورژوازی سے تھی۔ واحد "ڈیموکریٹ" کرینسکی تھا، وہ قانون کا وزیر تھا۔ اسی دن ریلوے کے محنت کشوں نے زارشاہی کی ٹرین کو (Pskove) پیکوو کے مقام پر، جب وہ پیٹروگراڈ کی طرف آ رہا تھا راستے میں ہی روک لیا تب وہیں اسی وقت بادشاہ سے تخت سے دستبرداری کی دستاویز پر دستخط کروا لیے ___ زارشاہی کا تختہ الٹا جا چکا تھا۔ یہ سب کچھ روس کے انقلابی محنت کش کسانوں کی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ جن کے بیٹے فوجی وردی میں ملبوس ہو کر انقلاب کی طرف داری کر رہے تھے تمام روس کے ترقی پسند حلقوں اور پوری دنیا میں بادشاہ اور اشرافیہ کا تختہ الٹنے جانے کی خبر خوشی کے ساتھ سنی گئی۔

یورپ میں انقلابی بحران:

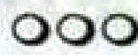
جوں جوں جنگ طویل ہوتی گئی لاکھوں انسان بھوک اور افلاس میں مبتلا ہوتے گئے، عوام میں بے چینی اور بے اطمینانی بڑھتی گئی زیادہ تر ملک جو حالت جنگ میں تھے ان میں حالات روز بروز بدترین ہو رہے تھے جب ستمبر 1914ء میں لینن نے کہا تھا کہ سامراجی جنگ انقلاب کی طرف لے جائے گی اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش ہونی چاہیے۔ اس کے الفاظ واضح طور پر حقیقت کا روپ دھار چکے تھے اور سماجی متعصبانہ رویہ رکھنے والوں کے لیے نفرت کا باعث بنے اور وہ تمام جو اس کے ساتھ نظریاتی

اختلاف رکھتے تھے انہیں فکری شکست کا سامنا کرنا پڑا، تین سال بعد لینن کے خیالات کو واقعات نے درست ثابت کیا، پیٹرگراڈ سے مارچ 1917ء میں روسی انقلاب کا آغاز ہو چکا تھا، چند ہفتوں کے بعد معمولی مزاحمت کے ساتھ رومانوف خاندان کے تسلط کا خاتمہ وہ گیا جو تین صدیوں سے حکمران تھا۔ انقلابات کے تسلسل کا مارچ (فروری) پہلا انقلاب تھا جس نے پورے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا
اکتوبر 1918ء کو ہیپس برگ خاندان کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور آسٹریا ہنگری سلطنت ٹوٹ پھوٹ گئی۔ نومبر 1918ء کو جرمنی میں انقلاب رونما ہوا، اور شاہی خاندان کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا، قیصر ولیم دوم نے ہالینڈ میں پناہ لے لی۔ جیسا کہ لینن نے کہا تھا کہ سامراجی جنگ خانہ جنگی میں بدل گئی۔

سوشلسٹ انقلاب کی طرف راستہ:

اگرچہ مصالحت پسندوں نے بورژوازی کو یہ اجارادری تھی کہ وہ اقتدار پہ قبضہ کرے، تاہم بورژوا کی عبوری حکومت مجبور تھی کہ وہ سوویت اور فوجیوں کی زندگی جیسے اداروں سے معاملات طے کرے، عوام کے زبردست دباؤ سے سوویت مجبور ہو گئے کہ وہ مفاہمانہ عمل اختیار نہ کریں اور ایسا راستہ اختیار کریں، جس کا مقصد عبوری حکومت سے سیاسی طور پر یہ قوت ہے۔ پیٹروگراڈ سوویت کی تجاویز پر محنت کشوں کی ملیشیا قائم کی گئی، عوامی عدالتیں بنائی گئیں۔ ایک منتخب شدہ فوجیوں کی کمیٹی ہر ایک فوجی یونٹ میں بنائی گئی تا کہ کمانڈروں پہ عملی غلبہ حاصل کیا جا سکے۔ اپریل 1917ء کو لینن روس واپس آ گیا اور اس نے فوری طور پر اقتدار سوویت کو منتقل کرنے کا مطالبہ کیا۔ ''عبوری حکومت کے لیے کوئی مدد نہیں، تمام قوت سوویت کو دی جائے'' لینن کی قیادت میں بالشویکوں نے سیاسی طور پر عوام کو درست حالات سے آگاہ کرتے ہوئے مفاہمت پسندوں پہ حاصل کر کے انہیں بے اثر کر دیا، اور سوویت کے انتظامی عناصر میں اکثریت حاصل کر لی۔ مقصد یہ تھا، کہ انقلاب کے بورژوازی شخص کو پرامن ذرائع سے سوشلسٹ انقلاب میں بدل دیا جائے۔ لینن کے نظریات زیادہ سے زیادہ اثر و رسوخ حاصل کرنے لگے۔ عوام امن چاہتے تھے، جبکہ عبوری حکومت ''فتح تک جنگ جاری رکھو'' کے نعرے کے تحت جنگ جاری رکھے ہوئے تھی۔ جون میں روسی فوجوں نے نو وو پہ نیم تیار شدہ حملہ کیا، اور ستمبر میں ریگا غدارانہ طور پہ جرمنوں کے قبضے میں چلا گیا۔ غیر مقبول پالیسیاں جو بورژوازی نے تیاری کی تھیں ان کے ذریعے عوام میں مزید بے چینی اور عدم اطمینان پھیلا۔ محنت کش اور مزدور جو امن کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے، روٹی اور آزادی چاہتے تھے۔ لیکن عبوری حکومت کوئی ایسے اقدامات نہیں اٹھا رہی تھی جس سے لوگوں کو اطمینان حاصل ہو، اور ان کے مطالبات پورے ہوں ___ جولائی 1917ء میں محنت کشوں اور سپاہیوں کے جلوس پیٹروگراڈ کی سڑکوں پر

نکل آئے۔ جو تمام طاقت سوویت کے حوالے کرنے کے لیے کہہ رہے تھے، اس پرامن جلوس پہ انقلاب دشمنوں نے فائرنگ کر دی۔ جنگ کرنے والے فوجی دستوں نے مفاہمت پسند حکومت کے حکم پر عمل کیا تھا۔ جس نے بورژوازی کی مدد مکمل طور پر اقتدار پہ قبضہ کر لیا تھا اور کیرنسکی وزیراعظم بن گیا۔ بالشویکوں کے خلاف پرتشدد روایتوں کا منصوبہ بنایا گیا اور اس وقت لینن کی زندگی کو شدید خطرہ تھا او روہ ایک دور دراز علاقے دارالحکومت سے بہت دور جھیل رازلیو کے کناروں پہ واقع تھا، روپوش ہونے کے لیے مجبور ہوا ___ انقلاب کا پرامن زمانہ ختم ہو گیا، بالشویکوں کی چھٹی کانگرس جس کا اجلاس خفیہ طور پر ہوا، اس نے محنت کشوں کو کسانوں سے اتحاد قائم کر کے بورژوازی کی ڈکٹیٹرشپ کا خاتمہ کر دینے کے لیے کہا اور یہ بھی کہ وہ طاقت کے ذریعے اور مسلح بغاوت کے ذریعے اقتدار پہ قبضہ کر لیں۔ یہ سوشلسٹ انقلاب کے لیے ایک اعلان تھا۔



Short History of the World

FYODOR KOROVKIN



JUMHOORI

ISBN:969-8455-45-03